شہر دہلی کی نئی پرانی کل عمارتوں کا مفصل بیان مع نقشہ جات کے

واقعاتِ دار الحکومتِ دہلی

۱۳۳۷ھ

مشتمل بر سہ حصص

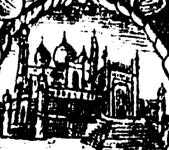
(حصۂ سوم)

۱۳۳۷ھ

مصنفہ بشیر الدین احمد دہلوی

۱۹۱۹ء

شمسی مشین پریس آگرہ میں محمد بشیر الدین خاں و محمد شمس الدین خانصاحبان کے اہتمام سے چھپی

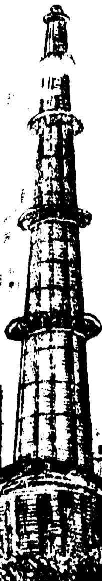


بیاد نقش عمارات شہریاراں بیں ٭ کہ ایں سپہر جفا پیشہ چوں بہ بست شکست

واقعات دارالحکومت دہلی

حصہ سوم





فہرست مضامین حصۂ سوم واقعات دارالحکومت دہلی

باب	مضمون	از صفحہ	تا صفحہ
۱	۲	۳	۴

گرۂ مقبرہ گرۂ مقبرہ دوم جنتر قسی دوائر العظام - جنتر دائرۃ الظل - (۴۳) - صفدر جنگ کا مقبرہ (۴۰) مقبرہ
خیرپور - مقبرہ محمد شاہ لودھی (۴۹) - خیرپور کا نامعلوم گنبد اور مسجد (۵۰) مقبرہ سلطان سکندر
لودھی (۵۵) - شاہ مردان (۶۰) - سلطان مبارک شاہ ثانی کا مقبرہ (۸۲) - تبرجیہ (۸۶) موٹھ
کی مسجد (۹۰) - درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی (۹۱) - نقشہ دروازہ درگاہ (۹۳) مقبرہ سلطان
بہلول لودھی (۹۹) - مزار سرنالہ (۱۰۰) - ست پلہ (۱۰۲) - کھڑکی کی مسجد (۱۰۴) - درگاہ شیخ
یوسف قتال (۱۰۶) - درگاہ شیخ صلاح الدین (۱۰۹) مقبرہ لنگر خاں پنج برجہ زمرد پور (۱۱۴) بستی
باوڑی (۱۱۶) فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ (۱۳۲) بیجے منڈل یا بدیع منزل (۱۵۳) ضلع شرقی مسجد
قوۃ الاسلام یعنی اصل بت خانۂ رای پتھورا (۱۶۵) دروازۂ شرقی مسجد قوۃ الاسلام (۱۶۶) دروازہ
شمالی مسجد قوۃ الاسلام (۱۶۸) توسیعات مسجد قوۃ الاسلام (۱۷۵) درجہ سوم مسجد قوت الاسلام -
درجۂ اول مسجد قوۃ الاسلام (۱۷۷) قطب صاحب کی لاٹ (۱۸۵) ادھوری لاٹ (۲۱۶) درگاہ
امام ضامن (۲۱۹) درجہ دوم مسجد قوۃ الاسلام مع آہنی ستون یا لوہے کی لاٹ کے (۲۲۰) -
مقبرۂ سلطان شمس الدین التمش (۲۳۴) مقبرۂ سلطان علاء الدین خلجی (۲۳۹) ادہم خاں
کا مقبرہ یا بھول بھلیاں (۲۴۱) کوٹھی دلکشا صاحب کلاں بہادر (۲۴۵) جوگ مایا کا مندر (۲۴۶)
راجوں کی بائیں (۲۴۹) درگاہ مولانا جمالی مسجد درگاہ مولانا جمالی (۲۵۰) حضرت قطب صاحب
کی درگاہ (۲۵۶) دروازہ ہاے درگاہ (۲۶۲) مسجد اور حافظ داؤد کی باولی (۲۷۴) موتی مسجد
(۲۷۵) شاہ عالم بہادر شاہ کا مجّر (۲۷۶) مسجد و مکان حکیم احسن اللہ خاں (۲۸۸) باغ ناظر (۲۹۰)
جھرنہ (۲۹۶) درگاہ حضرت شیخ عبدالحق (۳۰۴) حوض شمسی (۳۰۷) قلعہ رای پتھورا نقشہ قلعہ
رای پتھورا (۳۱۴) مقبرۂ سلطان غیاث الدین بلبن (۳۲۲) قصر ہزار ستون (۳۴۰) مقبرۂ
سلطان غاری (۳۴۵) دروازۂ سلطان محمود غوری غاری (۳۵۲) شہر تغلق آباد (۳۶۲)
قلعۂ تغلق آباد (۳۶۴) مقبرۂ غیاث الدین تغلق شاہ برج مقبرہ - برج کا اندرونی حصہ
(۳۶۸) مقبرے کا پلّہ (۳۷۷) ستونوں کے سطح (۳۸۰) ہاف ٹون فوٹو فرمان اورنگ زیب بنام جئے
شور اپور (۳۸۷) ہاف ٹون فوٹو فرمان علی عادل شاہ ثانی (۳۸۸) شہزادہ ولیز (۴۸۳) فقط

غلط نامہ

کاتب بالعموم جیسے کم سواد ہوتے ہیں محتاج بیان نہیں اُن میں بھی جو جتنے زیادہ خوش قلم
اُتنے ہی زیادہ بد رقم - کاتب کتابت کی دُھن میں عبارت کی طرف توجہ نہیں کرتا - پروف

کی غلطیاں سنگ ساز کے سر ماری جاتی ہیں اَبتر سبتر بنا بنو چھٹی پائی - بہر حال اسباب کچھ بھی ہو غلطیاں بہت رہ جاتی ہیں - لوگ ان مشکلات پر تو نظر کرتے نہیں کتاب کو دھبّہ ضرور لگ جاتا ہے اگر غلطیاں غور سے بنا یا جائے تو ناظرین گنتا جائیں - چھوٹی چھوٹی غلطیاں نون غنہ میں نقطہ دینے ایک آدھ نقطہ یا کہیں کہیں شوشہ یا مرکز جیٹ کر جانے کی نظر انداز کی گئی ہیں کہ سیاق عبارت اور طرز کتابت دونوں رہنمائی کرتے ہیں باقی رہیں بڑی بڑی غلطیاں جن سے نفس کتاب کے مضمون پر اثر پڑتا ہو اُن کو کسی طرح دیدہ ودانستہ چھوڑا نہیں جا سکتا ہاں یہ ہی نظر اُن پر نہ پڑے تو دوسری بات ہے - متوقع ہوں کہ ناظرین با تمکین اگر اس کتاب کو اُس طرح ملاحظہ فرماتے ہیں جس طرح کہ ایک تاریخ کی کتاب کو نظر غائر سے دیکھنا چاہیئے تب تو ضرور ہے کہ کتاب شروع کرنے سے پہلے ان غلطیوں کو درست فرما لیں اور اگر محض قصہ کہانی سمجھ کر سرسری نظر مد نظر ہے تو یہ غلطیاں تو درکنار اتنی ہی اور ہوں تو بھی - ایں ہم بر سر علم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳	۱۵	ذُوق	ذَوق	۱۶	۲	جائیں لے	جائیں گے
"	۱۹	جو رکھے	جی رکھے	۲۳	۶	مطرہ	مطرا
۴	آخر	بیج	بیچ	"	۱۶	مسحد	مسجد
۷	"	رغیت	رغبت	"	۲۱	دوائر الطل	دوائر الظل
"	۸	کتسش	کشش	۲۴	۱	سمرت مینتر	سمرت منتر
۱۱	۱۲	قطع	قطعے	۲۶	۷	گے	گئے
"	"	اسی	اسّی	۳۰	۲۱	لشانات	نشانات
"	۱۵	صیغہ	صیغے	۳۳	۷	تھوا	ٹھوا
"	۱۹	تھیٹر	تھیئٹر	۳۸	۴	او	اور
۱۳	۴	جوتیر	جیونیر	۴۰	۴	صَرح	صرح
"	۸	چیقلس	چپقلش	"	۱۱	کیئے	کیے
۱۴	۱۷	فزیپالوجی	فزیالوجی	۴۲	۶	بریں	بریں ۱۱
۱۵	"	حالبات	طالبات	"	۱۲	اویچی	اونچی

صفحه	سطر	غلط	صحیح	صفحه	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۱	۲	۱
۴۲	۱۳	انقش	نقش	۹۰	۸	بوایا	بوائے
//	۱۹	زربپٹے	زرسیٹے	۹۲	۵	بمالیه	علیه
۴۶	۵	ہیں	ہے	//	۱۱	چرھا	چڑھا
//	۱۱	نیچ محراب	نیچ کی محراب	۹۴	۶	قبرس	قبریں
۴۸	۳	حیرپور	خیرپور	//	//	تعلاقه	تعلقه
//	۸	حیندیا	چندیا	۹۷	۳	ذمیرالدین	نصیرالدین
۴۹	۲۲	دیپالپ	دیپال پور	//	۱۸	کھنڈری	کھنڈ رہی
۵۲	۱۱	بڑھ	بڑھ کر	//	آخر	کگئیں	گئیں
۵۸	۱	گنند	گنبد	۹۸	۸	دئے	دیئے
//	۹	گنبدیاں	گمزیاں	//	۱۶	سے	سا
۵۹	۱۱	پوہنچتے	پوہنچنے	//	۲۱	مسجد	آبادی
۶۳	۱۳	ربالین	زبالین	۹۹	۱۶	سنه [illegible]	سنه ۹۵۳ھ
//	۱۵	انا	اتنا	//	۲۰	طرب	طرف
۶۵	۱۷	دیوار ہیں	دیوار میں	۱۰۰	۲۳	۱۰ سالے	نالے
۶۹	۱۲	کی بنا	کی بھی بنا	۱۰۳	۱۲	محرائیں	محرابیں
۷۳	۱۰	دوائی	ووائی	//	۱۸	ہوتا	ہوتا تھا
۷۴	۱۶	مرزانجف	مرزانجف خاں	۱۰۴	۱۰	لے	سنے
//	۲۲	کا خاتمه	کا بھی خاتمه	//	۱۳	فیروزشاہی	فیروزشاہی نے
۷۹	۱۳	ان	آں	//	۱۳	سنه ۶۸۹ھ ۱۲۸۰ع	سنه ۶۸۹ھ ۱۲۸۷ع
۸۱	۶	سنه ۳۴-۱۲۲۱ع	سنه ۳۴-۱۴۲۱ع	۱۰۷	۸	سنه ۸۱۰	سنه ۸۱۳ھ ۱۴۱۰ع
//	۱۴	کرڈالا	کرواڈالا	۱۰۸	۱۴	کوکوں	کونوں
۸۵	۲۴	کھلی	کھکی	//	۲۲	دوبرجی	دہ برجی
۸۸	۱۰	ولقدا	ولقد	۱۱۰	۱۷	شیخ صسا	شیخ صلا
۸۹	۱۹	منقوش ہیں	منقوش ہے	۱۱۱	//	نفیس صعرے	نفیس طغرے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۱۲	۶	ورا	ویاقاعدگا بلا	۱۵۵	۱۴	لاپروائی	نلے پروائی
صفحہ ذی ۱۱۱	نقشہ	کنگرخاں	لنگرخاں	۱۵۷	۱۳	با	بابا
۱۱۵	۱۲	بوده	بودا	۱۵۸	۲	ادیاں	ادباں
۱۲۰	۳	چیرھ	چڑھ	//	۱۱و۱۲	سپید	سبد
۱۲۱	۲	کھنڈسوں	کھنڈروں	//	۱۱	ود	وورود
//	۱۰و۲۰	پیچ	تیچ	//	۱۳	فرود	فُرو
۱۲۲	۲	بانی	باقی	//	۱۵	دار	دار
۱۲۳	۱۵	گزد	گرد	۱۶۲	۳	الضمرار	العسخرار
۱۲۴	۱۸	سپاٹ ہی نگر	سپاٹ ہی	//	۲۴	ماند	ماندند
//	۲۱	پر	پڑ	۱۶۳	۳	(دوکان)	(دکان)
۱۲۵	۹	بنایا	بنایا	//	۴	سنگیت	سنگیست
۱۲۸	۵	فیق	رفیق	//	//	دور	درو
۱۳۴	۷	ظاہر	ظاہر ہی	//	۱۷	اشمرا	اثر
۱۳۷	۲۰	۸ ز	۱۸	//	۱۹	زیازت	زیارت
//	//	کو	کا	۱۶۴	۱	غازی	غاری
۱۴۲	۶	کیوں	کیوں	//	۲	پاسہ	باسہ
۱۴۳	۸	وقت	وقت بائیں طرف	//	۵	نبض	بنص
۱۴۷	۲	دودو	دو	۱۶۶	۲۰	لستہ	بستہ
۱۴۸	۷	یَسِفُوْنَ	یَصِفُوْنَ	۱۶۷	۱۴	اُرسی	اُسی
//	۲	اوبچی	اونچی	۱۷۰	۲	زره	زه
//	آخر	اور	او	//	۱۲	حالت	حالت میں
۱۵۱	۲۲	عدلت	عدالت	//	۱۶	بار	باره
۱۵۲	۱۰	کچھ قبریں	ایک قبر	//	۱۹	سگین	سنگین
۱۵۳	۱۵	جنگ	چنگ	۱۷۲	۱۸	ماکیوں	پاکھوں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۱۷۳	۵	جو	×	۱۸۴	۱۸	سلصانہ	سلطانہ
۱۷۵	۱۸	دے	دیئے	۱۸۵	۲	حسروان	خسروان
〃	۲۰	برھائی	بڑھائی	〃	۳	الغدل	العدل
〃	۲۱	سجد	مسجد	۱۸۶	۱۴	سیرھی	سیڑھی
۱۷۶	۱۲	درورزے	دروازے	〃	۱۶	وبیں	وہیں
〃	۲۳	چوکوں	چوکون	۱۹۰	۱۷	الغالم	العالم
۱۸۰	۲	بہ	یہ	۱۹۱	آخر	المعبد	المعید
۱۸۲	۱۷	اعلی	علی	۱۹۲	۱۲	فی	تا
〃	۲۰	محمادی	محمادی قوی	۱۹۴	۱۳	العمارۃ	العمارۃ الملک
〃	۲۱	مسجد	مساجد	۱۹۵	۱۴	۱۳۸۳۰	۱۳۸۲
〃	۲۳	سافع	رفع فی	۱۹۷	۳	پرجی	برجی
۱۸۳	۴	محمد شا	محمد شاہ السلطان	۱۹۰	۵	چگر دار	چکر دار
〃	۰	الخلافہ	الخلافۃ	〃	۹	اور	×
〃	۱۰	بتوفیق	بتوفیق ایزد	۱۹۹	۱۲	بادشا	بادشاہ
〃	۱۳	اللھد	اللہ	۲۰۰	۱۶	اکر	اگر
〃	۱۵	معابر	منابر	۲۰۱	۱	بانی	بانی نے
〃	۱۹	فلاع	قلاع	۲۰۳	۹	لیا	کیا
〃	〃	فحرہ	فجرہ	۲۰۵	۳-۴-۵	چوکوں	چوکون
〃	۲۰	لجلال	بجلال	〃	۲۳	یہ	ان
۱۸۴	۴	مشہور	مشہور بلکۃ ثانی بیت المعمور	۲۰۶	۸	محتیں	پچھتیں
〃	۵	علاء	علاو	۲۰۸	آخر	پیچھے	آگے
〃	۷	بصدف	بصدق	۲۰۹	۵	بٹا	ہٹا
〃	۱۱	بر	×	〃	۱۶-۱۷	کے لحاظ سے ہر جو کسی	×
〃	۱۲و۱۳	و	×	〃	۱۷	معمولی	کے لحاظ سے ہر جو کسی معمولی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۱	۲	۳	۱	۲	۳	۴
۲۱۰	۵	فیرو	فیروز	۲۴۳	۹	مقبرے	مقبروں
۲۱۴	۲۳	ناکہ	بالکہ	۔۔	۱۰	محمد تغلق خاں	×
۲۱۶	۱۰	نو	تو	۲۴۷	۹	مینہرہ	مقبرہ
۲۱۷	۳	منقش	منقش	۲۵۰	۹	پیران	پڑان
۲۲۰	۶	کسرا	کلاں	۲۵۰	۱۳	[illegible]	[illegible]
۲۲۱	۲۳	شی	شے	۲۵۲	۳	کیفر	بکفر
۲۲۵	۱۸	سنہ ۴۱۳	سنہ ۴۱۳ ء	۲۵۵	۵	گروے	گیروے
۔۔	۲۲	کال	کال ؏	۲۵۷	آخر	سنہ ۱۲۱۳ ھ	سنہ ۱۲۱۳ ھ
۔۔	آخر	...الیوہیں	...الیواہیں	۲۵۸	۱	دوا	دورہ
۲۲۷	آخر	۲	سال و دیکھو صفحہ آئندہ	۔۔	۴	بالاتزام	بالالتزام
۲۲۸	۔۔	کولی	کوئی	۔۔	۱۰	دیلی	دہلی
۲۲۹	۲	جو مالک	جو	۔۔	۔۔	شاہل	متاہل
۲۳۱	۱۹	سمت ۱۸۲۸	سمت ۱۸۹۲	۲۵۹	۱۳	کے	سے
۔۔	۲۰	کا ہو	کا ہی جو حساب سے (۹۵) برس کا زوقت ہوتا ہے	۲۶۰	۲۱	کے	سکا
۲۴۱	۱۳	بشخص	بشخص	۔۔	۲۴	یہ عبارت رہ گئی ہے :-	
۲۴۲	۲۰	ساتھ تھے	ساتھ بنے تھے	ایک دفعہ شیر شاہ بادشاہ (سنہ ۹۴۷ ھ - ۱۵۴۰ء)			
۲۴۳	۱۲	دور	دوز	پر شکار کو اس طرف آیا اور زیارت مزار مبارک سے			
۔۔	۱۴	۳ ½	۳ ½	مشرف ہوا دیکھا کہ آپ کے مزار مبارک میں کچھ			
۲۳۵	۲۳	السل	الرسل تا آخر کوئی	تکلف نہیں ہے چاہا کہ مزار شریف کے گرد ایک			
۔۔	۲۴	لکمل	لکمہ	چار دیواری بنوا دے اور ایک حد مقرر کی جائے جہاں			
۲۳۷	۹	قلیلاً	قیلاً	سے لوگ جوتیاں اتار کر حاضر ہوا کریں اس خیال سے اس نے			
۲۴۱	۲	سنہ ۹۶۵ ھ	سنہ ۹۶۹ ھ	چاروں طرف تیر پھینکے اور جہاں جہاں تیر گرے وہاں			
۲۴۴	۲۲	واشں	واشق	ایک ایک دروازہ بنا کر چار دیواری کھنچوا دی جو بہت			
۲۴۵	۹	عمر خاں	عمر خاں اور محمد علی خاں	وسیع تھی جس کا نشان اب بھی ایک آدھ طرف ٹوٹا پھوٹا			

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
باقی ہر بعد اس کے دوسرے بادشاہوں نے اپنے اپنے				۲۸۵	۱۶	آنم	آیم
عہد میں چار دیواری کو مختصر کرا کے موجودہ دروازے بنوا دیئے				۲۸۶	۴	غـالم	عالم
۲۶۱	۱۲	رورشن	روشن	"	۶	تخت	نخست
"	۲۳	ببازی	ببازی بازی	۲۸۸	۴	سنہ ۹۴۴ء	سنہ ۹۴۳ھ
۲۶۵	۱۰	دویں	دریں	"	۲۰	اب	لوگ اب
۲۶۶	۱۴	چبوترترا	چبوترا	۲۹۰	۶	طرح	طرح کے
"	۱۷	عتل	عقل	۲۹۱	۹	دیکھا	دیکھ
۲۶۹	۲۴	رقت	رخت	۲۹۳	۵	سنہ ۶۴۴ء	سنہ ۶۴۴ھ
۲۷۰	۳	کے	کی	۲۹۴	حاشیہ	حضرتہ	حفرتہ
"	۹	ازاسعی کمترین غلامان	ازسعی کمترین غلامان	۲۹۵	۲۱	۹	۹
۲۷۲	آخر	گوارا کیا	گوارا نہ کیا	۲۹۶	۹	جنت	جنت کی
۲۷۳	۷	بمراد	بمرا	۲۹۵	۱۵	نہر	لہر
"	۱۰	اور	او	۲۹۹	۱۹	پچھ پچھ	کچھ کچھ
"	۱۶	سقزی	سقری	۳۰۱	۶	اوکھ	روکھ
۲۷۴	۸	باولی او اور	باولی اور	۳۰۲	۲	آپ	اب
۲۷۷	۳	بہادر شاہ	شاہ عالم بہادر شاہ	۳۰۲	۲۴	کہرا	اکہرا
۲۷۸	۱۰	خبز	جنز	"	"	گرواز	گرد ارز
۲۸۰	۱۳	ذکریا	زکریا	۳۰۴	۱۹	دہلن	دہلی
۲۸۳	۱	کشتی	گشتی	"	"	بنادر کے	بنادر کے لیے
"	۲	حدہشش	حدیثش	"	۲۳	دلی میں	آپ کی اولاد دلی میں
۲۸۴	۱۳	شوربست درہ	شوربیت درہ	۳۰۵	۱۰	مدسلے	مدرسے
"	۱۴	کن	مکن	۳۰۶	۱۱	غربیہ	غریبہ
۲۸۵	۵	مولینا	- مولینا	"	۱۶	گفت	گفت
"	۱۲	فوال	قوال	۳۰۰	۲۳	د آب	آب

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۰۷	۲۰	رددیہ بسبنے وشبہ	رو و بست زو شدہ	۳۲۳	۲۲	شمس	شمس
۳۰۸	۱	آوار	آواز	۳۲۴	۶	ملیں	ہیں
۳۰۹	۵	جھ سنے	جھرسٹے	//	۵	کہاں	گماں
//	۱۳	ہی	ہی	۳۲۵	۱۴	احاسے	احاطے
//	۱۷	باع	باغ	//	۲۰	قلعہ	قلعہ
۳۱۰	۳	سیڑھیاں	سیڑھیاں	//	۲۱	گئے	گئے
//	۱۵	بہتی	بھتی	//	۲۲	الرچہ	اگرچہ
۳۱۱	۲	خطیرہ	حظیرہ	۳۲۶	۳	ہیں قتل	میں ہیں قتل
//	۲۱	ابدال	ابدال	//	۱۴	بنایا	بنایا
۳۱۲	۱۷	وغیرہ آں	وغیر آں	۳۲۸	۷	ہیں	میں
۳۱۵	۳	لرایک	کرایک	//	۸	خاص	خاص میں
۳۱۶	۱۴	ہی دور	ہی اور	۳۲۹	۱۵	غور	خود
۳۱۷	۸	حالت میں	×	//	۲۳	ہی	تھی
//	۲۲	پاٹا	پلٹا	۳۳۲	۱۷	شکم	شکم کو
۳۱۸	۱۷	ساتھ	ساتھ ہی	//	۲۳	تا	×
//	۲۱	دودو	دو	۳۳۴	۱۷	یچھ	پچھ
۳۲۰	۲	جاسے	دسے	۳۳۹	۱۲	اندپت	اندرپت
//	۱۲	سے	سے آیا	//	۲۳	سکتا	سکتے
۳۲۱	۱	یرانی	پرانی	//	//	ضرور	ضرور شہر
//	۱۳	بنائے	بنائے	//	۲۴	ہوگا	ہوں گے
//	۱۴	سکے	کے	۳۴۰	۱۸	آبا	آباد
۳۲۲	۱۹	بتلاسے تھے	بتلاتے ہیں	۳۴۱	۱	اور	میں
//	۲۰	درست	درخت	۳۴۴	۴	ذبل	ذیل
۳۲۳	۱	بھی	×	//	۸	لکھے	لکھتے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۳۴۳	۱۸	غازی	غاری	۳۹۶	۵	اللیام	اللیالی
۳۵۰	۲	محبوبۃ	محبوبۃ	〃	۶	نناسلوا	تناسلوا
مغازی ۳۵۲	نقشہ	غازی	غاری	〃	۱۴	سوہل	سوجل
۳۵۸	۱۴	عزت	حضرت رب العزت	〃	۱۸	نافذ	نافذاً
〃	۱۷	لوک	لوٹا	〃	۱۹	علی الطریوق	علی طریق
۳۵۹	۱	ہرگر	ہرگز	۳۹۷	۸	عوالیم تبب	عوالیم تبت
۳۶۰	۹	بر	٭	〃	۱۱	مخلص	مخلص
۳۶۲	۱۲	یہ	یا	۳۹۸	۲	مزبورا	مزبوررا
۳۶۳	۱۴	پائدار	پائدار رہی	〃	آخر	دریصورت	دریں صورت
۳۶۴	آخر	شیرمنڈال	شیرمنڈل	۴۰۱	۱۳	سمہ	سنہ
۳۶۵	۱۱	سما	سماں	〃	۲۲	بتصرف	بیتصرف
۳۶۷	۱۳	فلعہ	قلعہ	۴۰۳	۱۳	بابستہ	بائستہ
۳۶۸	۶	طلائی	طلاقی	〃	۱۹	مفحر	مفخر
۳۷۵	۲۰	ہرہز	ہرہر	〃	۱۲	۱۴ار	۴ر
۳۷۶	۷	عظمٰا	عظیماً	۴۰۵	۱۴	سلطنت کے	سلطنت کے بعد
۳۸۳	۱۲	ا	و	۴۰۶	۳	خط	خطوط
〃	۱۴	خودراں	خوددراں	۴۰۷	۱۱	کی بقصویر	کے تصور
〃	۲۲	بندہ را لسموم	بندرابسموم	〃	۱۳	افرور	افروز
۳۸۵	۲۱	بدایوان	بدریوان	۴۰۸	۸	ومینم	ذمیم
۳۸۷	۳	نوازد	نورزد	〃	۹	وخم	وخیم
۳۸۹	آخر	ازاد	آزاد	〃	〃	غمر	غرر
۳۹۰	۴	غالیشان	عالیشان	۴۰۹	۴	محاہع	مجامع
۳۹۵	۱	دوام	دام	〃	۱۰	نالق	خالق
〃	۱۸	لنیغ	لیغ	۴۱۳	۲۰	اودو	اردو

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۱۷	۱۰	کرونی	کرنی	۴۴۰	۱۴	سے	×
״	۲۱	سمجھے	سمجھے کہ	״	۱۵	بچایا	بچاتی
۴۱۹	۴	انقال	انتقال	۴۴۳	۱۰	ولی عہد	ولی عہد کے
״	۱۹	نہ جاسے	جاسے	۴۴۵	۲	مانسٹاٹریل	مانسٹریل
۴۲۰	۱۷	کوبرک	کوبرگ	״	۱۴	لومبر	نومبر
۴۲۱	۱۴	ایڈرش	ایرش	۴۴۶	۱۸	چیانچہ	چنانچہ
״	۲۳	متول	مستول	۴۴۹	۱۴	خفیف	خفیف سی
۴۲۲	۸	واقع	واقعے	۴۵۰	״	بیروشلم	یروشلم
״	۲۰	سنہ ۱۹ء کا	سنہ ۱۹ء میں	״	۲۰	سلطنت	سلطنت مغلیہ
۴۲۳	۱	داماد	اولاد	۴۵۲	۱۱	نربیت	تربیت
״	۸	بیائرس	بیاٹرس	۴۵۳	۱۸	اس	×
״	۱۷	ہوسے	ہوسے ہیں	۴۶۱	۲۲	ولابا	ولایا
۴۲۵	۱۲	کرس	کریں	۴۶۳	۶	نے	—
۴۲۶	۱۰	تو تو	تو	״	۶	اپ	آپ
۴۲۷	۱۷	بدولت	×	۴۶۴	۱	شعف	شغف
״	۱۹	پروگرام	پروگرام کا	۴۶۵	۱۶	آرچ بشب	آرچ بشپ
۴۳۱	۷	آسمان	اکثر آسمان	۴۶۶	۱۰	غم	غم
״	۱۵	تھا	تھا کہ	۴۶۹	۱۴	کو مستحق	کو اس کے مستحق
۴۳۲	۱۵	بادشاہوں کو	بادشاہوں سے	۴۷۰	۲	چنانچہ	چنانچہ
۴۳۳	۵	شعب	شغب	۴۷۱	۳	عمائد	عمائد
״	۲۱	جو مذاہب	جو دیگر مذاہب	״	۸	ہخواب	خواب
۴۳۴	۲۲	ہوگیا	ہوگئے	״	۹	اپہی	اپنی
۴۳۶	۲۳	دوسرے	دوسرے دان	״	۲۳	دفغہ	دفعہ
۴۳۸	۱۰	کیا	کیا تھا	۴۷۲	۸	ولادت شب سیاقی	ولادت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۲	۳	۴	۱	۲	۳	۴
۴۷۲	۱۵	آرچ ببسپ	آرچ بشپ				
۴۷۳	۲۴	سہزادوں	شہزادوں	۴۹۹	۱۲	ہر	ہیں
۴۷۵	۱۱	اسٹریلیا	آسٹریلیا	؍؍	۲۱	سرزمین	توسرزمین
۴۷۶	۱۴	احرام مصر	اہرام مصر	۵۰۲	۶	وئے	دیئے
؍؍	۲۰	گو	کو	۵۰۴	؍؍	مطالعہ سے	مطالعہ نے
۴۷۷	۳	کا	گا	۵۰۶	۱۱	اثباعھم	اتباعھم
؍؍	۱۳	شکریہ	شکریہ ادا	۵۰۷	۱۰	انیند	اینند
۴۷۸	؍؍	و	×	۵۱۰	۱۸	مائیٹرا	مائیرا
۴۸۱	۲۲	رستے	رستے لوگوں سے	۵۱۹	۲۳	سوری	سواری
۴۸۵	۴	لمبورن	ملبورن	۵۲۰	۸	و ربی	وتری
؍؍	۲۴	گہ	گا	؍؍	۹	وَخَلَ	وَخَلَق
۴۸۶	۱۱	منا	بنا	؍؍	۱۳	رالبشری	والبشری
؍؍	آخر	گالڈ ہال	گلڈ ہال	۵۲۸	۱	سقوھم	سبقوھم
۴۸۹	۳	رکھدوی	رکھ دی	؍؍	۶	الامصاء	الاحصاء
۴۹۰	۳	بڑی	کی بڑی	؍؍	۸	فی ا	فی
۴۹۱	۱	دوسرے	دوسرے دن	؍؍	۹	الجابیھا	لعجائبھا
؍؍	۵	محنت	محبت	؍؍	۱۶	الجَبُرا	الحِبُرا
۴۹۳	۱۳	کو	×	؍؍	۲۰	بعصنھا	بعضھا
۴۹۵	۱۰	ہم	ہم	؍؍	۲۲	تممکنوا	تمکنوا
؍؍	۱۱	ہوگئے	×	۵۲۲	۲	اَجَّلُنَا	اَجُلَنَا
۴۹۶	۷	کابوں	کابول	؍؍	۷	بشیرالدین صاحب	بشیرالدین احمد
؍؍	۱۳	پنا	اپنا	۵۲۴	۴	ڈہر	دہر
				۵۲۶	۷	۱۳۳۸	۱۳۳۸
۴۹۸	آخر	طھل	کھل	؍؍	۱۸	انتستار	انتشار
۴۹۹	۷	ضرور	اہم	۵۲۷	۱۴	خبس	جس

-غلط نامہ تمام ہوا-

التماس

کس چہ شناسد کہ چہ خوں خوردہ ام	کیں گہر از قطعہ بر آوردہ ام
ساختہ ام ایں ہمہ لعل و گہر	از خوئے پیشانی و خونِ جگر
تا نہم از فکرت پنہانیش	گرہ جگر گاہ بہ پیشانیش

جس وقت دلی کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا یہ کام بہت آسان معلوم ہوا کہ سر سید مرحوم کی کتاب لاجواب **آثار الصنادید** اندھے کی لکڑی تھی اور خیال تھا کہ کچھ تھوڑی بہت کتر بیونت اور اضافہ سے بیڑا پار ہو جاسے گا مگر تصورات اور واقعات میں آسمان زمین کا فرق ہے۔ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔ میں تاریخ کی کتاب لکھنے کی مشکلات سے واقف تھا کہ اس فن میں میری یہ تیسری تالیف ہے امتداد زمانے کی وجہ سے کچھ تو ان تکالیف کا جو میں جھیل چکا تھا احساس کم ہو گیا تھا اور کچھ شوق تالیف نے بڑھاوے چڑھا دے دے کر ہمت بندھائی اور سمجھا کہ جب ملازمت کی بیڑی پڑی تھی تب تو باوجود ہجوم مشاغل تونے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور اب کہ پنشن لے کر خانہ نشین ہے اور ہاتھ پر ہاتھ دھرے خالی بیٹھا ہے تیرا ہچر مچر کرنا محض خدع نفس اور کم ہمتی ہے۔ غرضکہ ع - ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم۔ دو برس سے اس جھنجھٹ میں پھنسا ہوں۔ کسی دن کی چھٹی نہ لی۔ کوئی تیج تہوار نہ منایا۔ اپنے سارے مشاغل تہ کر کے رکھ دیئے۔ باہر کا آنا جانا۔ سیر تماشہ ہوا خوری۔ لوگوں سے ملنا جلنا سب ترک۔ دن کا سونا چھوڑ دیا۔ رات کا بھی ایک حصہ اس کے لیئے وقف کر دیا۔ خلاصہ یہ کہ ہر طرف سے منہ موڑ لیا اور اسی ایک مشغلے میں سارا وقت کھپایا۔ جان لڑا دی مگر اب تک بھی اس بحر ذخار

اور دریائے ناپیدا کنار کا ساحل مراد نظر نہ آیا۔ پہلے خیال تھا کہ دو حصوں میں کتاب تمام ہو جائے گی۔ اب معلوم ہوا کہ دلی میں اس کثرت سے آثار قدیمہ کا وجود ہے کہ اگر اُس کو اتنا ہی کہوں تو بجا ہے۔ دوسرا حصہ جس میں عمارات کا ذکر ہے بڑھتے بڑھتے ایک طومار ہو گیا سانپ کے منہ کی چھچھوندر ہو نہ نگلی جاسکے نہ اُگلی جائے نہ کتاب کو چھوڑتے بن پڑتا ہے نہ ختم ہونے ہی کی صورت نظر آتی ہے۔ چوں کہ حصۂ دوم کی ضخامت خلاف توقع بہت بڑھ گئی اس لیئے اُس کے دو ٹکڑے کرنے پڑے اور اس طرح دو حصوں کے ادغام سے یہ تیسرا بچہ پیدا ہوا۔ ناظرین خود ملاحظہ فرمالیں گے کہ آیا اس میں نری آخور کی بھرتی ہے یا یہ کہ کام کی باتیں ہیں ؎

لازم نہیں اپنے منہ سے تعریف انیسؔ
خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے

آثار الصنادید اور دیگر کتب کے مطالعہ سے نہ تو میرے ذہن میں عمارت کا نقشہ کماحقہ جمتا ہے نہ میری تشفی خاطر ہوتی ہے۔ ع۔ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔ یہ بڑی ہٹ دھرمی ہوگی اگر میں یہ کہوں کہ دوسرے لایق مصنفین کی بے بہا تصانیف سے مجھے مدد نہیں ملی۔ میں تو ہانکے پکارے کہتا ہوں کہ میں تو اُن کا نام لیوا اُنہیں کے نقش قدم پر چلنے والا اور نقال محض ہوں۔ اصل وہ ہیں اور نقل میں۔ اپنے شوق کو پورا کرنے اور کتاب کو تا بہ امکان مکمل کرنے کی غرض سے ایک دفعہ نہیں کئی کئی دفعہ مجھے ان ساری عمارتوں کو نظر غور اور تعمق سے دیکھنا پڑا اور جب دیکھا کچھ نہ کچھ موتی جھولی میں بھر لایا۔ بہت سی عمارتیں تو ایسی ملیں جن کا ذکر کسی کتاب میں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا مگر زمین پر وہ کھڑی آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اُن کا ذکر نہ کرنا ایک صریح ظلم کے علاوہ کتاب کے نقص کا بھی باعث ہوگا۔ حجم بڑھے تو بڑھے۔ وقت زیادہ صرف ہو تو ہو۔ دعا دوش کی رحمت ہے تو ہو چشم ما روشن دل ما شاد مگر محنت کی داد ملے کتاب پروان چڑھے۔ کتاب جس قدر چھپ گئی ہے بعض صاحبوں کی رائے ہے کہ اس میں سارے کے سارے ہاف ٹون فوٹو ہوتے میں جانتا ہوں کہ جتنا گڑ ڈالو اتنا ہی میٹھا ہوتا ہے میں ہاف ٹون فوٹو تو در کنار ان قابل قدر عمارتوں کے نقشے ہونے کے پیشتر چھپوانے کو طیار ہوں مگر مشکل یہ آن پڑی

کہ قیمت کون دے گا اور مول کون لے گا؟ - ناچار یہ طریقہ اختیار کیا کہ دلی کے بہترین مصور سے نقشے بنوائے ہاف ٹون کو نہیں پہنچتے مگر اس کے لگ بھگ ضرور ہیں اور مقصود اصلی یعنی عمارت کا نقشہ پیش نظر ہونا جو ہے وہ اس سے بھی بہ احسن الوجود حاصل ہوتا ہے۔ پھر بھی اس میں چند ہاف ٹون بلاک بھی ہیں۔ کاغذ لکھائی چھپائی - غرض یہ کہ ہر چیز کی گرانی نے میری ہمت پست کر دی ہے خریدار تو اپنی جگہ رہے۔ ـــ

شد سخن ختم قبولے کہ خدا یش دادہ است | تا ابد باقی باد او مباد ش پایاں

دہلی - دسمبر ۱۹۱۹ء خاکسار بشیر الدین احمد غفرلہ

قطعۂ تاریخ از جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب رئیس قصبہ تھہلی ضلع سارن صوبہ بہار

کیوں چھپائیں ہم جو سچی بات ہے | حق کے کہنے میں نہ کچھ ڈر ہے نہ بھی
واقعی گایا ہوا یہ گیت ہے | لیکن اس کی اور دُھن ہے اور لَے
ہیں بہت اس پہ قلم فرسائیاں | پر یہ کچھ ہے اور شے وہ اور شے
تصفیہ کر لیں گے خود اہل تمیز | کیا مُصافی ہے کیا ہے لائے مے
ایک ہی گھر کے ہیں گو یہ واقعات | لکھتے آئے لوگ جس کو پے بہ پے
تاہم اتنا تو کہیں گے ہم ضرور | وہ بھی زیر لب نہیں با اُف و نے
کامیاب اس میں اگر پورے ہوئے | تو بشیر دہلوی فرخندہ پے
ایک بھاری مرحلہ چھپنے کا تھا | کر دیا بارے خدا نے وہ بھی طے
کیا ہی لکھنا ان کا کیا حسن بیاں | آفریں صد آفریں بر ذات وی
ہے بہت کچھ اور لکھنے کو ابھی | حی[1] رکھے اُن کو الٰہی تا دیر حی
حد بھی کچھ ہے نشکر سال طبع کی | رہنے گا یوں سر سبز تو تا بہ کے
آئیے ہم آپ سے کہہ دیں لطیف | "یہ جہان آباد کی تاریخ ہے"

۱۳۳۸ھ

[1] پہلا حی خدا کا نام ہے اور دوسرے کے معنی زندہ۔ لفظ حی بفتح اول و تشدید ثانی لفظ عربی ہے مگر فارسی میں بغیر تشدید جائز و مستعمل ہے۔ مے اور پے کا قافیہ حی کا قافیہ نہ باندھنا درست معلوم ہوتا ہے مگر ذیل کے دو شعر جن میں پہلا بدر الدین عطار کا اور دوسرا شیخ سعدی (رحمۃ اللہ علیہما) کا ہے جواز کی معتبر سند ہے۔

(۱) مردۂ صد سالہ را حی می کند | این بجز حق دیگرے کی می کند
(۲) چہ کم گردد از صدر فرخندہ پی | ز قدر رفیعت بدرگاہ حی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب دلی سے قطب تک

آب ہم پہاڑ گنج کے کنارے سے قطب روڈ کے شارع عام پر چلے جا رہے ہیں۔

کوئلے کی منڈی پہلے داہنے ہاتھ کو ایک بڑا وسیع احاطہ ملتا ہے جس کا مشرق رویہ ایک بڑا پھاٹک چوبی پٹوں کا سڑک سے ملا ہوا ہے یہ کوئلوں کی منڈی کہلاتی ہے۔ اس میں پہلے کوئلے بکا کرتے تھے اب تو بیچ لوگ کھپریل اور جھونپڑیاں ڈال کر رہتے ہیں اور ایک کٹڑے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ دلی شہر کی نفاست کے پہلو بہ پہلو یہاں کی غلاظت بھی ملاحظہ طلب ہے۔

رنگریزوں کی مسجد کوئلوں کی منڈی کے مقابل یہ ایک پختہ تین گنبدوں اور تین دروں کی قدیم مسجد ہے جو رنگریزوں کی مسجد کہلاتی ہے۔ بیچ کا برج بڑا ہے ادھر ادھر کے چھوٹے کلس سب کے ٹوٹ گئے کیوں کہ مسجد شاہی زمانے کی بنی ہوئی ہے۔ طول و عرض ۴۲ فٹ × ۱۳ فٹ ہے۔ سامنے کا چبوترا ۴۲ فٹ × ۵ فٹ ۱ انچ۔ ۳ فٹ ½ بلند ہے جس پر چوکے بچھے ہوئے ہیں بیچ کا در ۷ فٹ ۳ انچ اونچا اور ۴ فٹ ۹ انچ چوڑا ہے۔ چبوترے کے کنارے ایک نیم کا پرانا درخت ہے اور صحن کے سامنے ایک کنواں بھی ہے اور یہیں چند قبریں ہیں جن میں سے ایک پر یہ کتبہ ہے:۔　　(۱) بسم اللہ۔ کلمہ۔

فکر تاریخ فوت دختر بود　　ناگہاں گفت ہاتف ای مغموم
دہ و دو کم کن و بگو تاریخ　　مرقد نعمت النساء مرحوم

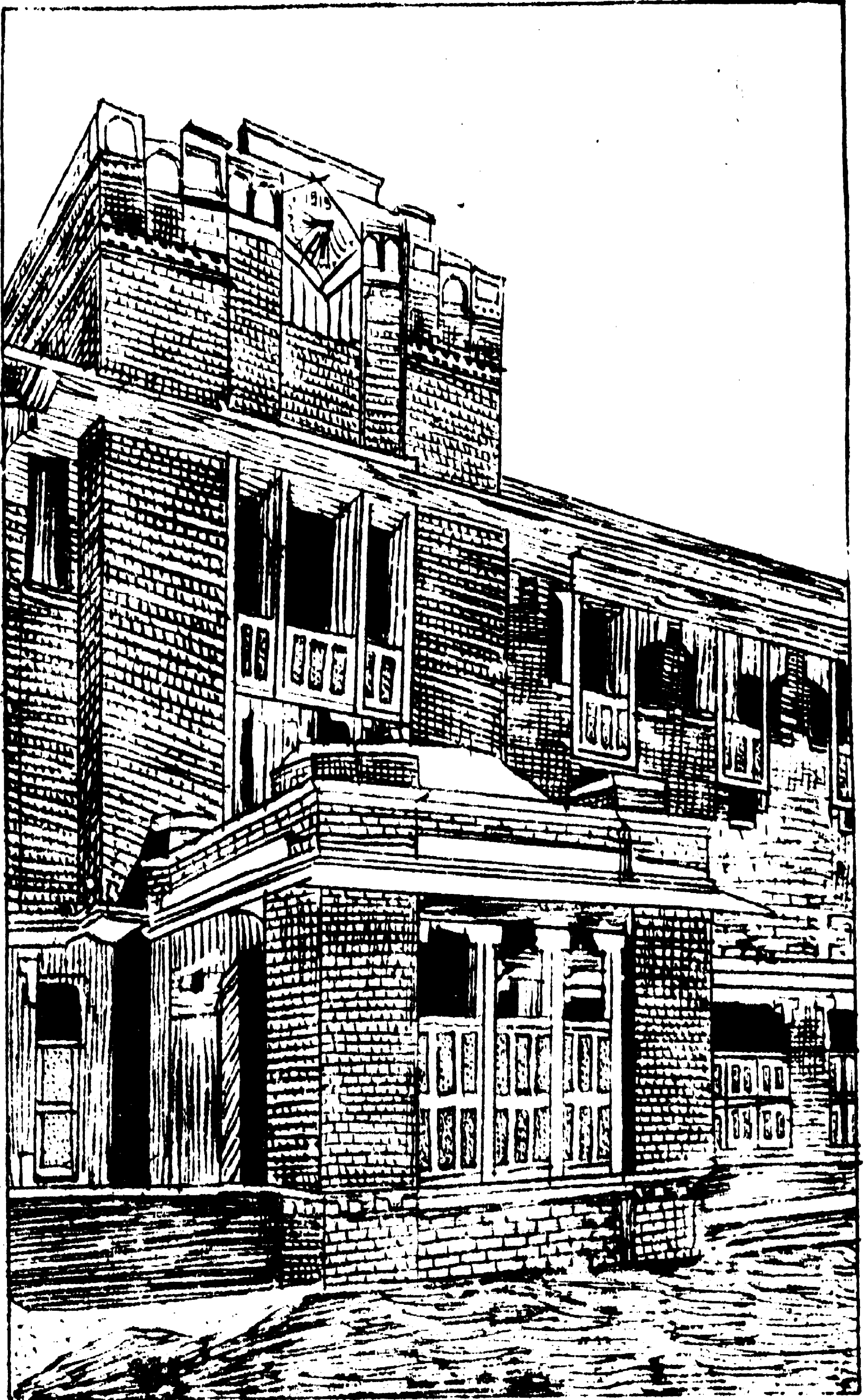
نعمت النساء خانم بتاریخ ۱۰ ماہ شعبان المعظم ۱۳۲۸ ہجری مطابق ۱۹ اگست ۱۹۱۰ء
یوم شنبہ از جہان فانی رحلت نمود

(۲) داہنی طرف مسجد کے چبوترے سے ملی ہوئی۔ ھو الباقی۔ کلمہ

گیا دنیا سے جب حاجی خدا بخش　　سبک تا سما تھا شور و شیون
لکھا سنہ یاس نے زور دے زار　　بنا خلد بریں میں اس کا مسکن

(۳) اسی مسجد کے تکیہ میں قبرستان بھی ہے۔ کلمہ اور کل من علیہا فان۔

رفیق النساء بعمر پنج سال و دو ماہ بست یوم ۲۱ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ روز شنبہ وفات یافت



لیڈی ہارڈنگ زنانہ میڈیکل کالج کا صدر دروازہ

رہم مسجد کے پچھواڑے سڑک کے کنارے ہے۔ کلمہ ۹۔

ہوا جب شور ماتم مرگِ مرزا ہر اک فرد بشر تھا یاس غمناک

لکھا یوں سال میں نے از سرِ آہ گیا دنیا سے عوض بیگ پیراک

چونے والوں کا گنبد سڑک سے ہٹا ہوا داہنی طرف ایک بہت پرانا گنبد ہے جس پر پی ڈبلیو ڈی نمبر پڑا ہوا ہے۔ یہ گنبد ۲۸ فٹ مربع ہے کلس ٹوٹ گیا چاروں طرف دروازے تھے۔ جنوبی رخ کا دروازہ مع اس طرف کے حصے کے بیٹھ گیا باقی تین طرف کے دروازے بھی دھنس گئے ہیں کہتے ہیں کہ اندر دو قبریں سیدوں کی ہیں جو بھرتی ڈال دینے سے دب گئی ہیں۔ اب اس میں فرش بھی نہیں رہا۔ مٹی پتھر اور گوبر کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں پاس چونے کی بھٹیاں ہیں چونے والوں کا قبضہ اس پر ایسا ہی قبضہ ہے جیسے کہ خانہ خالی را دیو می گیرد۔

نئی بنی ہوئی مسجد سڑک کی داہنی طرف۔ یہ مسجد بہت چھوٹی سی ہے۔ چوں کہ حاجی عبد الغنی صاحب نے از سر نو تعمیر کرائی ہے لہذا پہلے کیا حیثیت تھی معلوم نہیں ہو سکتا۔ طول و عرض ۲۰ × ۹½ ہے۔ چبوترا ۲۲ × ۸۔ صحن۔ سپاٹ چھت۔ داہنی طرف ایک حجرہ۔ کنواں غسل خانہ اور بیچ کی محراب کے ادھر ادھر دو مینار نما برجیاں۔

شیرامل کی باغیچی بڑا عالی شان دروازہ اور کمپونڈ سڑک سے ملا ہوا بائیں طرف۔

رائے بابو رام کا باغ عالی شان دروازہ اور وسیع کمپونڈ سڑک کی داہنی طرف۔

لیڈی ہارڈنگ کا طبیہ کالج ۱۹۱۳ء لیڈی[1] ہارڈنگ کے میڈیکل کالج کا بہت مختصر ذکر ہم پہاڑ گنج کے ضمن میں کر آئے ہیں اب ڈاکٹر کیٹ اے۔ پلیٹ ایم۔ ڈی (لندن)، ڈبلیو۔ ایم ایس پرنسپل نے اپنی بڑی مہربانی سے کالج کی سالانہ رپورٹ بابتہ ۱۹۱۸ء (۲۸)

---

[1] پورا نام اس کا "لیڈی ہارڈنگ کا میڈیکل (دہلی) کالج و ہسپتال مستورات اور اطفال کے لیے" ہے۔
"Lady Hardinge Medical College and Hospital for Women and Children"

صفحہ کی باتصویر بھیج دی ہے جو بہت دلچسپ ہے اور اس میں اس کالج کی بناکی غرض غایت وحالت بالتفصیل لکھی ہے اور کالج کا ایک رخ قطب روڈ کی طرف بھی ہے لہذا یہ بیان بطور ضمیمہ لکھا جاتا ہے۔

گورننگ باڈی کی رپورٹ

مورخہ ۲۱ مئی ۱۹۱۹ء

سب سے اول اس کالج کے گورننگ باڈی یعنی منتظمین اتیج۔ ڈی کریک صاحب بہادر آئی۔سی۔ایس اور لفٹنٹ کرنل ایچ آسٹن سمتھ سی۔آئی۔ای۔آئی۔ایم۔ اس جائنٹ سکرٹریوں کی تمہید کا ملخص پیش کرتا ہوں۔ پرنسپل کی رپورٹ پڑھنے سے سال بہ سال طلبا کی تعداد میں مستقل ترقی پائی جاتی ہے۔ جس میں مختلف ذاتوں اور مذاہب کا شمول ہے اور امتحانوں کی کامیابی آئندہ کی ترقی کی ترغیب و تحریص دیتی ہے۔ کالج کی زندگی کے سال دوم میں کلینیکل کام (تیمارداری) نے ہماری توقعات سے زیادہ ترقی کی ہے اور پنجاب یونیورسٹی کی جانب سے جو ایک خاص کمیٹی کالج کے معائنہ کے لیئے مقرر کی گئی تھی اس کی سب سے آخری رپورٹ میں لوازمات ساز وسامان آلات۔ عمارات اور تعلیمی سہولتوں کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس کمیٹی کے ایک ممبر ڈاکٹر ایگنس اسکاٹ نے یہاں کے میونات کے انتظام کو بغور دیکھ کر یہ نوٹ دیا ہے کہ یہاں کے طلبا تندرست اور خوش ہیں اور ان کی پرداخت خوب کی جاتی ہے۔ ہندوستان کے زنانہ طبی کالج کا مسئلہ بڑی خوش گوار اُمیدوں کے ساتھ لیڈی ہارڈنگ نے (پہلے پہل) ۱۹۱۳ء میں چھیڑا لیکن خصوصاً ۱۹۱۴ء میں جنگ یورپ کے چھوٹ پڑنے سے بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ نظم ونسق کی کمیٹی نے ہندوستان کے لیئے زنانہ ڈاکٹروں کی سخت ضرورت کا احساس کرکے باوجود سخت مشکلات پیش آنے کے بھی (قدم) آگے بڑھانے کا مصمم ارادہ کرلیا اور ہم جب پنج سالہ گزشتہ سالات پر نظر کرتے ہیں تو اس میں کچھ بھی مبالغہ نہیں کہ جن مشکلات کو ہم نے پہلے سے تاڑ لیا تھا وہ بجائے کم ہونے کے اور بڑھ گئیں۔ گورنمنٹ پیپر (پرامیسری نوٹوں) کی قیمت کے انحطاط نے ہماری حالت کو بہت گھٹا دیا اور اسی کے ساتھ ساتھ سامان عمارتی کی گرانی اُن نقشہ جات کی

تکمیل کو جن پر وملۂ اولی میں کالج اور ہسپتال کا بنانا قرار پایا تھا خارج از امکان کر دیا۔
کام کرنے والی مستورات کی مانگ اور کارِ جنگ کے لیئے خصوصاً ڈاکٹری
جاننے والی عورتوں کی ضرورت نے اعلیٰ درجے کے سٹاف کے بھرتی کرنے
میں سال بہ سال زیادہ دقتیں ڈالیں۔ سامان خواہ سائنس کا ہو یا کارہائے ہسپتال
کے متعلق روز بروز زیادہ کم یاب ہوتا گیا۔ آخری مگر سب سے زیادہ (مصیبت)
جس پر ہماری کامیابی کا دارومدار تھا وہ لوگوں کی نظروں میں ایسی بڑی ہسپتال کی
طرف جو فی الحال ایک غیر آباد مقام میں واقع ہو رغبت دلانا اور اُس کی طرف لوگوں
کے دلوں کی کشش قائم کرنا تھا۔ ان مشکلات کے علاوہ سارے ہندوستان
کے لیئے ایک ہی میڈیکل کالج بنانے اور اُس کے چلانے میں یہ دقتیں تھیں کہ
ہر صوبے کی یونیورسٹیاں جُدا جُدا ہیں ہر جگہ کی ابتدائی تعلیم کے مدارج بھی
جداگانہ ہیں۔ طالبات کے رہنے سہنے انتظامات خانہ داری کی ضروریات ہی
نہ صرف ہندوستان کے ہر حصے میں مختلف ہیں جہاں سے کہ وہ آتی تھیں بلکہ
اُن کے قومی اور ذات ذات کے حالات بھی اسی طرح جُدا جدا ہیں۔ لیکن جماعت
منتظمین مطمئن ہے کہ بڑی بھاری بھاری مشکلات پر ہم غالب آگئے ہیں اور کالج اب
ایک کارآمد اور ترقی کے صحیح زمانے میں قدم دھر رہا ہے۔ ارکان کمیشن کا یہ خیال
بھی ہے کہ جو کامیابی حاصل ہوئی ہے وہ زیادہ تر کالج کی پہلی پرنسپل ڈاکٹر کیٹ پلیٹ
کی مستعدی۔ سرگرمی اور دل بستگی کا نتیجہ ہے۔ کافی تعداد استادوں کی عدم موجودگی میں کام کی
سنبھال۔ عمارتوں کی نامکمل حالت۔ سامان آلات وادویہ کی فراہمی کی دقتیں اور اسٹاف
کی طرف سے ہر وقت کی پریشانی یہ سب باتیں پرنسپل کے سر پر ایک بڑا بھاری
بوجھ تھا یہ اور زیادہ گراں اس وجہ سے ہو گیا کہ ڈاکٹر پلیٹ نے کبھی کالج کی خدمت
گزاری میں ڈھیل نہ دی۔ ہم اس رپورٹ کو مرحوم سر پارڈی لیوکس کی کالج کے
متعلق گراں بہا خدمات کا ذکر کیئے بغیر ختم نہیں کر سکتے۔ بڑی حد تک یہ آپ ہی
کے مشورے اور تجربہ کی وجہ تھی کہ لیڈی ہارڈنگ کا ابتدائی خیال صورت حالیہ
میں پختہ ہوا۔ ہندوستان کے لوگوں پر لیڈی ہارڈنگ۔ سر پارڈی لیوکس اور
ڈاکٹر کیٹ پلیٹ کے احسان کا بار گراں ہے جو ان صاحبوں نے ہندوستانی مستورات

کی بہبودی (اور فلاح) کے لیئے کیا ہے۔

کالج کے حالات

یہ کالج ہسپتال نرسوں اور کمپونڈروں کا ٹرینگ سکول حضور ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کے ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کی تشریف آوری کی یادگار میں بنایا گیا ہے۔ ۱۹۱۲ء میں لیڈی ہارڈنگ نے عورتوں کے طبی پیشہ میں اس قدر کم داخل ہونے کی وجہ یہ دریافت کی کہ ہندوستان میں ان کا کوئی خاص کالج موجود نہ تھا اس لیئے جناب ممدوحہ نے ایک کالج اور ہسپتال کا لیئے مستورات طالبات کے لیئے بنانے کی سکیم (تجویز) کی جس کے سٹاف میں بھی تمام عورتیں ہی ہوں کالج میں سو طالبات ہسپتال میں ڈیڑھ سو مریضوں کے بستر اور ٹرینگ سکول میں پچاس نرسوں کی گنجایش رکھنا مرکوز خاطر تھا۔ اس کالج کو اس طرز پر بنانا مقصود تھا کہ طالبات مرضار پر دے اور ذات کے دستور کو برقرار رکھ سکیں۔ اس کے بعد لیڈی ہارڈنگ نے والیان ملک سے جن کو آپ (کی ذات مستجمع الصفات) سے ارتباط تھا اپیل (درخواست) کی جنھوں نے فیاضی سے اس دکارخیر) میں شرکت کی اور بہت سے وعدے کیئے گئے جن کی تعداد پندرہ لاکھ کے قریب (حسب ذیل) ہو گئی۔

مہاراجہ جے پور	مہاراجہ گوالیار	مہاراجہ پٹیالہ	حضور نظام حیدرآباد	مہاراجہ بڑودہ
تین لاکھ	دو لاکھ	سوا لاکھ	ایک لاکھ	ایک لاکھ

مہاراجہ اُودے پور	مہاراجہ جودھپور	مہاراجہ کوٹہ	مہارانی صاحبہ تھوا	مہاراجہ بہادر بھنگہ
ایک لاکھ	ایک لاکھ	ایک لاکھ	ایک لاکھ	[illegible]

مہاراجہ اندور	بیگم صاحبہ بھوپال	بیوہ مہارانی صاحبہ گوالیار	ان-ایم-واڑیا ٹرسٹ
پچاس ہزار	تیس ہزار	تیس ہزار	پچیس ہزار

بیوہ بیگم آغاخان - دیگر معطیان - مذکورۂ بالا چندوں کے سوا مہاراجہ جموں وکشمیر نے بیس ہزار سے تین ایک لاکھ تیس ہزار روپیہ سالانہ مقرر کیا اور گورمنٹ کی طرف سے خرچ کے لیئے سالانہ ایک لاکھ کا عطیہ (مرحمت) ہوا۔ کیونسلس آف ڈفرن فنڈ نے پانچ طبی پروفیسروں کی ماہوار کا خرچ اپنے ذمے لیا۔ فنڈ مذکور کی طرف سے اٹھارہ وظائف پچیس روپیہ ماہانہ کے جن میں سے تین چھ

سال کے لیئے تھے۔ دیئے۔ جن کی مقدار اب تیس روپیہ کر دی گئی ہو عطیہ بالا گویا بیس ہزار روپیہ سالانہ کے معادل ہو۔ رای بہادر نارائن سنگہ نے سکھ ہوسٹل کی طرف سے سترہ ہزار روپیہ اور ایک پیانو طالبات کامن روم (کمرۂ عام) کے لیئے دیا۔ مہارانی صاحبہ اور راجہ صاحبہ بھرت پور نے ساڑھے سات ہزار روپیہ کالج کے داخلی ہال میں سنگ مرمر کے فرش کے لیئے بیادگار آن مخلصانہ تعلقات کے جو ان دونوں رانیوں کو لیڈی ہارڈنگ کی (ذات) سے تھے۔ دیئے کالج کی بنا کے بعد سے حسب ذیل اور چندے وصول ہوئے ہیں:۔

سر سروپ چند و حکم چند اندور۔ حضور پر نور اعلیٰ حضرت نظام حیدر آباد۔ گیکوار آف بڑودہ
چار لاکھ ایک لاکھ باسٹھ ہزار

مہاراجہ گوالیار۔ مہاراجہ پٹیالہ۔ بیگم صاحبہ بھوپال۔ مہاراجہ صاحب بیکانیر مہاراجہ صاحب ...
پچاس ہزار پچیس ہزار بیس ہزار بارہ ہزار دس ہزار

ہز ہائنس خان قلات۔ مہاراؤ آف کوٹہ۔ راجہ کملیشوری پرشاد۔ لارڈ ہارڈنگ کا پہلا عطیہ
دس ہزار دس ہزار دس ہزار پانسو

لارڈ ہارڈنگ کا دوسرا عطیہ۔ میور بھنج سٹیٹ۔ مہارانی ڈوگرلوپر۔ مالا منڈی سٹیٹ۔
دس ہزار پانچ ہزار پانچ ہزار تین ہزار

مہارانی صاحبہ پٹنا۔ مہارانی صاحبہ ڈمراؤں۔ راجہ کلانند سنہہ اور راجہ کرتیانند سنہہ بنیلی بھاگلپور
دو ہزار دو ہزار دو ہزار

مسز آنی شور۔ سر جان اور لیڈی ریبری۔ رانی صاحبہ کنیکا۔ مہارانی صاحبہ سدن پور۔
پندرہ سو ایک ہزار ایک ہزار ایک ہزار

مہارانی صاحبہ پٹنہ (اڑلیسہ) لالہ گوپی ناتھ دہلی ہز اکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ۔ بابو رگھناتھ پرشاد زمیندار چھپرا
دس ہزار [illegible] [illegible] پانسو

خان بہادر قاضی فرزند احمد گیا۔ سر۔ وی۔ چرال۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰ کداری۔ گیا۔
[illegible] [illegible] سوا [illegible]

مسٹر ہارون برادرز دہلی۔ مسٹر نشادی رام گوکل چند۔ انسپکٹر جناب محمد امیر خاں ہزارہ پولیس۔
سو روپیہ سو روپیہ پچاس روپیہ

صوبۂ بمبئی۔ عام چندہ۔ گورنمنٹ۔ لیڈیز آف بمبئی۔ مسٹر ہورنی وکیل انڈرسٹ فنڈ۔
ڈیڑھ لاکھ [illegible] باسٹھ ہزار

پنجاب لیڈی ہارڈنگ موریل فنڈ - بہار واڑیسہ ہارڈنگ موریل فنڈ - صوبہ سرحدی شمال مغربی
ایک لاکھ تیس ہزار باون ہزار

بلوچستان - گورمنٹ آف انڈیا کا سالانہ عطیہ جو حسب ذیل سالانہ بڑھتا رہا:-

سنین مابعد	سنہ ۲۰-۱۹۱۹	سنہ ۱۹-۱۹۱۸	سنہ ۱۸-۱۹۱۷	ساڑھے چار ہزار
دو لاکھ	پونے دو لاکھ	ڈیڑھ لاکھ	سوا لاکھ	

سالانہ چندے - فرید کوٹ دربار - نواب صاحب مالیر کوٹلہ -
پندرہ سو بارہ سو

کالج اور ہسپتال کی عمارت کے لیئے جو مقام[ل] خاص طور پر منتخب کیا گیا وہ پرانی اور نئی دلی کے شہروں کے بیچ میں آیندہ بننے والے ریلوے سٹیشن کے پاس ہو جس سے شفاخانے میں آنے جانے کی بڑی آسانی ہو جائے گی -

کالج کا نقشہ اور تعمیر کا کام مسٹر بیگ ماہر فن تعمیر کی زیر نگرانی بڑی مستعدی سے ہوتا رہا۔ اُن کی اور مسٹر گلن اگزیکیٹو انجنیر اور سردار ناراین سنگھ کی ہمدردانہ کوششوں کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ کالج اس قابل ہو گیا کہ فروری سنہ ۱۹۱۶ء میں لارڈ ہارڈنگ نے کالج اور ہزاکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ نے سنہ ۱۹۱۷ء میں ہسپتال کا افتتاح فرمایا۔

کالج اور ہسپتال کی عمارتیں مع طبی طالبات کے ہوسٹل اور مکانات سکونتی تعلیمی اور طبی سٹاف کے سب ایک بڑے احاطے میں ہیں جو تقریباً ساٹھ ایکڑ کا ہے کالج کی عمارت میں ایک بڑے بلاک میں ایک بڑا لکچر تھیئٹر یا کانووکیشن ہال۔ کتبخانہ عجائب خانہ۔ دفاتر کے مکان۔ طالبات اور پروفیسروں کے کامن رومز (کمرے) ہیں۔ اس بلاک کے ہر دو جانب بائی آلوجی (علم موجودات زندہ) کمسٹری (کیمیا) فزکس (علم طبعی) فزی آلوجی (حیوانات و نباتات کی زلیست کی حقیقت کا علم) اینا ٹمی (تشریح) پےتھالوجی (تشخیص امراض) کے ساز و سامان سے بخوبی آراستہ لیبارٹیریز (علم کیمیا کے امتحان کے کمرے) ہیں۔ کالج کی عمارت کے پیچھے سو طالبات

[ل] پہاڑ گنج کے متصل اراضی گورمنٹ نے باغراض سرکاری معاوضہ دے کر لے لی یہ راجہ کا بازار جسے جو سنگھ پورہ بھی کہتے ہیں اور بانسس کولی کی آبادی یہ سب مقامات رائے سینا دنئی دلی میں آ گئے ہیں۔ اور یہ کالج بھی اسی سرزمین پر قطب روڈ پر بنا ہے ۱۲-

کے لیئے ہوسٹل (دارالاقامہ) کی عمارتیں ہیں جن میں ہر طالب کے لیئے ایک جداگانہ کمرہ ہے۔ ہندو، سکھ۔ اور مسلمانوں کے لیئے علیحدہ علیحدہ ہوسٹل ہیں جن میں ڈیننگ رومز (کھانے کے کمرے) بھی بنائے گئے ہیں۔ سکین تفریح کا وسیع کمرہ جو ہوسٹل کے چوک کے بیچ میں ہے وہ سب طالبات کے کام آتا ہے لیڈی ہارڈنگ آنجہانی کی یادگار میں ایک فوارہ جسکے بنوا دینے کا وعدہ مسٹر جارج ایلین نے کیا تھا تعمیر کیا گیا ہے۔

اس کا نقشہ مسٹر بیکر کا مجوزہ ہے اور یہ فوارہ یورپین ہوسٹل اور کامن روم کے بیچ میں ہے جس سے ہوسٹل کے چوک کی رونق بہت زیادہ بڑھ گئی ہے۔

ہسپتال کی عمارات علیحدہ علیحدہ قطعات میں منقسم ہیں جو اپنی اپنی جگہ ہر طرح مکمل ہیں جن میں دو تو بڑے جنرل وارڈ مع وسیع اور کشادہ برآمدوں کے ہیں۔ دو چھوٹے وارڈ ان کے علاوہ ہیں اور بیچ میں ایک عمارت انتظامی کام اور تعلیم کے لیئے بنائی گئی ہے جس میں ایک لکچر روم۔ ایک مشورہ کمیٹی کا کمرہ اور ایک کلینیکل پے تھالوجی روم (تیمارداری و تشخیص امراض کا کمرہ) ہے۔ ایسے ایسے دو قطع تو بن چکے ہیں جو دو منزلہ عمارتیں ہیں جس میں اسی بیماروں کی رہائش کی گنجایش رکھی گئی ہے۔ اس کے علاوہ دو بڑے لیبر وارڈز (زچگی خانے) اور بارہ کاٹج وارڈز (چھوٹے قطعات) ہیں جو تین تین ملا کر ایک قطعہ ہے جن کے ساتھ ایک ایک باورچی خانہ اور حمام خانہ بھی ہے آؤٹ پیشینٹس ڈپارٹمنٹ (باہر سے آنیوالے مریضوں کا صیغہ[^1]) ہسپتال کے صدر دروازے کے پاس ہے۔ یہاں ایک ویٹنگ روم اور کئی مشورے اور معائنے کے کمرے ہیں اور اس طرح بنائے گئے ہیں کہ مریضوں کی بے پردگی نہ ہوا ور باہر سے بالکل مد نظر نہ ہو۔ اس مقام اور اصل شفا خانے کے درمیان باہر سے آنے والے مریضوں کے عمل جراحی کا تھیٹر اور برقی صیغہ ہے۔

سنہ ۲۲-۱۹۱۹ع میں عمارات ذیل اور بننے والی ہیں:۔

ایک آئی سولیشن بلاک (جس میں امراض متعدی کے لوگ سب سے الگ تھلگ رکھے جاتے ہیں)
ایک اکس ریز روم (اکس شعاعوں کا کمرہ جس سے جسم کے اندر کا حال معلوم ہوتا ہے)
ایک ایڈمنسٹریشن بلاک (انتظامی قطعہ) جس میں دو عمل جراحی کے تھیٹر دفتر کے کمرے

[^1]: ۱؎ مریض دو قسم کے ہوتے ہیں جو دواخانے میں رہ کر علاج کراتے ہیں وہ ان پیشینٹ کہلاتے ہیں اور جو دوا لے کر اپنے اپنے ٹھکانے پر چلے جاتے ہیں وہ آؤٹ پیشینٹ کہلاتے ہیں ۱۲-

لکچر اور سٹور روم (گودام) ہوگا اور دو قطعے اور اسی طرح کے ہوں گے جیسے کہ اب بنے ہوئے ہیں۔ ان چار بڑے وارڈوں کے علاوہ اور بارہ مزید کاٹیج وارڈ ہوں گے۔

اس کالج کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے یکم ستمبر ۱۹۱۵ء سے ہوا ہے۔

(۱) سائنس کی میڈیکل فیکلٹی میں انٹرمیڈیٹ کورس۔ بیالوجی۔ کمسٹری اور فزکس کا اور مزید ٹسٹ کمسٹری کا

(۲) میڈیکل فیکلٹی میں فرسٹ پروفیشنل امتحان کا کورس ڈگری بیچلر آف میڈیسن (ادویہ) اور بیچلر آف سرجری (جرّاحی) کے لیے۔

کالج نے واقعی طور پر اپنا کام انٹرمیڈیٹ سائنس کا ستمبر ۱۹۱۶ء سے شروع کیا۔ ہسپتال میں باہر کے مریض اپریل ۱۹۱۶ء سے آنے لگے اور رہائشی مریض مارچ ۱۹۱۷ء سے۔

اب جب کہ کالج اور ہسپتال خوب چلنے لگے تو اب ہم اُن لوگوں کی طرف جن کی بدولت یہ مہم سر ہوئی بنظر احسان مندی دیکھتے ہیں۔ سب سے پہلے تو ہمارے کالج کی بانیہ لیڈی ہارڈنگ مرحومہ ہیں جنھوں نے اس کی بنا ڈالی اُن کی دل سوزی اور سرگرمی اور ہزارہا مصیبت زدہ عورتوں اور بچوں سے اُن کی ہمدردی ہی سے اس سکیم نے نشوونما پایا۔ اس کے بعد سر پارڈی لیوکس کالج کے ایک دوسرے سچے بہی خواہ تھے جن کی انتظامی قابلیت۔ تجربہ اور دانش مندانہ مشورت ہی کی بدولت اس انسٹی ٹیوشن کا آغاز کامیابی سے ہوا۔ سر پارڈی اپنا بہت سا وقت (عزیز) اور محنت اس پر صرف کرتے تھے۔ خواہ وہ کتنے بھی مصروف ہوں مگر وہ ہمیشہ (کالج کے متعلق) صلاح مشورہ دینے کو تیار رہتے۔ اور اس کی بہتری کی ہر جزئیات میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔

وہ صاحب بھی جنھوں نے عمارتوں کے نقشے بنائے اور عمارتیں بنا کر کھڑی کر دیں اور وہ بہت سے دوست جنھوں نے ضروری فنڈ مہیا کر دیئے اور وہ اصحاب جنھوں نے کالج کے کھلنے کے وقت سے ہم کو مدد دی ہے۔ (سب) کا شکریہ ہم پر واجب ہے۔ ہم خصوصاً ہز اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ کے بدرجہ نہایت ممنون احسان ہیں جنھوں نے اپنے زمانۂ قیام ہندوستان میں طالبات کی گزران اور بہی خواہی میں بڑی دلچسپی لی ہے اور کئی طریقوں سے ہماری مدد فرمائی۔

سال زیر رپورٹ (۱۹۱۸ء) میں کالج نے نمایاں خواہ ترقی کی ہے۔ تعداد طالبات کی ۸ ہے سے نئے سشن ۱۹۱۹ء میں [illegible] کی گرانیوں کے سبب سے تعمیر کے کام میں بڑی مشکلیں پڑیں لیکن پھر بھی ہم نے کئی عمارتیں بنائیں جن کا بنانا سٹاف

کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لیئے ناگزیر تھا کیونکہ ضرورت کے لحاظ سے طالبات کے کوارٹر اس کام میں لائے جارہے تھے۔ اس سال یہ عمارتیں مکمل ہوئیں۔

ایک دوسرا دومنزلہ بنگلہ پروفیسروں کے لیئے۔ جونیر اسٹاف بنگلے میں تین کمروں کا اضافہ۔ اور طالبات کے ہوسٹل میں ایک گرم آبہ۔ اُمید ہے کہ سال آئندہ ہم ایک اور دومنزلہ بنگلہ پروفیسروں کے لیئے بنا سکیں گے اور ایک نیا باورچی خانہ یورپین ہوسٹل کے لیئے کالج کے بڑے کمپونڈ کے باہر بابو کلارکوں کے لیئے ایک آفس اور جن مکانوں میں چھت پرچڑہنے کی سیڑھیاں نہیں ہیں وہ بھی بنائی جائیں گی۔ کیونکہ موسم گرما میں اس ملک کی گرم وخشک ہوا۔ ایک عجیب چلبلش کی حالت سے ضرور ہے کہ اس اشتداد میں کچھ کمی کی کوشش کی جائے۔

طالبات میں تیرہ ہندو۔ بارہ اینگلو انڈین۔ گیارہویسی عیسائی۔ چھ سکھ۔ چھ یورپین۔ پانچ مسلمان تین سرین عیسائی۔ دو پرتگیز۔ ایک آرین عیسائی اور ایک یہودی ہیں۔ یہ بات اطمینان بخش ہے کہ موجودہ طالبات ساٹھ کی تعداد میں سے بیالیس خالص مشرقی النسل ہیں اس سے متبادر ہے کہ کالج جس غرض سے بنایا گیا تھا اب وہ مقصود اصلی حاصل ہورہا ہے۔ یعنی ہندوستانی مستورات کی طبی تعلیم۔ مسلمان طالبات کی تعداد بالنسبۃ کم ہے وہ سوائے ابتدائی تعلیم کے زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہوتیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ (فی زماننا) ہندوستان میں بالعموم مستورات ترقی کی طرف قدم بڑھارہی ہیں اوراس سے توقع کیجاتی ہے کہ آیندہ چند سالوں میں تعلیم یافتہ عورتوں کی تعداد بہت سرعت سے ترقی کرے گی ہندوستانی مستورات فطرتاً بیمار اور درماندوں کی ضروریات میں مدد دینے کا مادہ رکھتی ہیں اور اُن کا احساس ذمہ داری مشتعل ہورہا ہے جس سے اُن میں اس بات کی تحریک پیدا ہوگئی ہی کہ مصیبت زدہ بہنوں اور بچوں کی بلا وجہ تکلیفوں کو تا بہ امکان گھٹایا جائے اس کالج میں متعدد وظائف طالبات کو دیئے جاتے ہیں جن کی تفصیل بخوف طوالت ترک کردی گئی ہے۔ علاوہ وظائف کے ذیل کے طلائی تمغے بھی دیئے جاتے ہیں۔

کوئین امپرس مڈل۔ لیڈی ہارڈنگ مڈل۔ لیڈی چیمسفورڈ مڈل

امتحانات اپریل ۱۹۱۸ءمیں لاہور یونیورسٹی کے انٹرمیڈیٹ سائنس (طبی) امتحان میں

(۲۳) طالبات بھیجی گئیں جن میں سے نو پاس ہوئیں۔ (۵) ایک مضمون میں رہ گئی تھیں جس میں انہوں نے دسمبر سال مذکور میں کامیابی حاصل کی تین آرگینک کمسٹری میں فیل تھیں انہوں نے بھی پاس کرلیا اور چھ ناکامیاب رہیں مس مارشل انٹرمڈیٹ سائنس کے امتحان میں (۳۸۹) مرد اور عورتوں میں دوسرے نمبر پر آئیں اور اس لیئے اُن کو لیڈی ہارڈنگ کا طلائی تمغہ دیا گیا اور دوسری بہت سی طالبات نے انٹرمڈیٹ سائنس (طبّی) کے امتحان میں اچھی جگہ پائی ۱۹۱۸ء میں لیڈی چیمسفورڈ کا طلائی تمغہ مس طامس کو اور نقرئی تمغہ زبی بی بلونت کور کو ملا۔ ۱۹۱۹ء میں لیڈی چیمسفورڈ کا طلائی تمغہ مس اینی کارپ کو ملا۔ کالج کے امتحانات سال میں دو مرتبہ سیشن کے خاتمے پر ہوتے ہیں ہر مضمون میں ترقی کے انعامات ہر اکسلنسی لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ نے بانیۂ کالج کی (دہری) کے دن ۱۷ مارچ ۱۹۱۸ء کو تقسیم فرمائے

سٹاف

اگرچہ سٹاف میں بہت کچھ ردوبدل ہوا ہے مگر موجودہ سٹاف حسب ذیل ہے:۔ پرنسپل اور ٹیچر بائیڈلیکا کی لکچرار مس کے۔ اے۔ پلیٹ۔ ایم۔ ڈی۔ بی۔ اس (لندن) ویمنز مڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر سینی کالوجی اینڈ مڈوفری مس سی۔ ال ہولٹن۔ ایم۔ ڈی۔ بی۔ اس (لندن) ویمنز مڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر آف اناٹمی مس۔ ایم۔ مرفی۔ ایم۔ بی (کلکتہ) ال۔ آر۔ سی۔ پی (لندن) ایم۔ آر۔ سی۔ اس (انگلینڈ) ویمنز مڈیکل سروس انڈیا۔ پروفیسر آف فزیالوجی مس ایم۔ آر۔ ان ہومر۔ ایم۔ اے (ڈبلن) نیچرل سائنس ٹرائی پوس (کنٹیب) ڈپلوما۔ (آکسن) اسسٹنٹ پروفیسر آف فزیالوجی مس جے پٹیل۔ ایم۔ بی۔ بی۔ اس۔ بمبئی۔ پروفیسر آف کیمسٹری مس لے۔ بین۔ ایم۔ اے۔ بی۔ اس۔ سی (ایبرڈین) اسسٹنٹ پروفیسر کیمسٹری مس۔ آر۔ کرسٹی۔ بی۔ اس۔ سی (بمبئی) پروفیسر آف بیالوجی مسز رستم بی۔ اس۔ سی (ڈبلن) پروفیسر ریاضیات وانگریزی مس ای۔ ایم۔ فن۔ ایم۔ اے ڈبلن۔ ریاضیات ٹرائی پوس (کنٹیب) لکچرار فزکس مس۔ پی۔ بارتھولوک۔ بی۔ اس۔ سی۔ (لندن) ایم۔ اس سی (برسٹل) لکچرار انگریزی مس ایم سینکچو اری۔ بی۔ اے (لندن) سکرٹری اور وارڈن مس۔ ایم۔ ڈبلیو جیسنسن۔ ریاضیات ٹرائی پوس (کنٹیب) ہسپیو ارڈ مس اے۔ میکنزی۔ مس ایم۔ آر۔ ان۔ ہومر۔ ایم۔ اے۔ پروفیسر فزیالوجی پنجاب یونیورسٹی کی وئیس چانسلر مقرر کی گئی ہیں۔ کالج کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ پہلا موقع ہے کہ

کوئی عورت کسی یونیورسٹی کے سینٹ میں شامل ہوئی ہو۔

طالبات

طالبات کو اپنے کام اور کھیل دونوں کا شوق ہے۔ ان کے کام کی بابتہ ایک میم صاحب نے جو ابھی ولایت سے اس سٹاف میں آئی ہیں اور جو لڑکیوں کے ایک بڑے کالج میں تعلیم دیتی تھیں کہا کہ اُن کو یہاں کی طالبات کا شوق اور موزونیت دیکھکر ایک تعجب آمیز خوشی ہوئی اور یہ کہ وہ میری سابق کے طالبات کے بخوبی ہم پلہ ہیں ہم عملی حصہ کار پر زیادہ زور دیتے ہیں اور ہر طرح کی کوشش راستی اور تکمیل کے صفاتی جذبات کے اُبھارنے کی کر رہے ہیں جو بہت ضروری ہیں۔

بانیہ کالج کے دن ۱۷ مارچ کو لیڈی چیمسفورڈ صاحبہ نے نہایت مہربانی سے قدم رنجہ فرما کر کامیاب طالبات کو انعام تقسیم فرمایا۔ انعامی کتابوں کی جلدیں ہم نے نہایت خوشنما بنوائی تھیں جن پر ہمارے کالج کا طلائی ٹھپہ منقوش تھا۔ گیمز کلب (کھیل اور تفریح) خوب ترقی کر رہا ہے اور اس کے کل انتظام طالبات خود کرتی ہیں۔ بدقسمتی سے ان کو میچ کھیلنے کا موقعہ نہیں ملتا کہ کوئی اور باقاعدہ ٹیم ہمارے مقابلے کی نہیں ہے لیکن آیندہ سال کے لیئے یہ بات قرار پاگئی ہے کہ مختلف مدارج تعلیمی کے طالبات آپس ہی میں مختلف کھیلوں کے میچ کھیلا کریں گے بلیکٹ بال۔ ہاکی ٹنس بیڈمنٹن یہ سب کھیل ہمارے ہاں کھیلے جاتے ہیں۔ اول الذکر (کھیل) بہت پسند کیا گیا ہے اور آخر الذکر کی دلدادہ بہت۔ سی ہندوستانی طالبات ہیں۔ اب ہمارے کالج کی زندگی کا تیسرا سال چل رہا ہے اور طالبات میں یک جہتی (و اتحاد) اور پبلک سپرٹ ترقی کرتی جاتی ہے اور ہم اُمید کرتے ہیں کہ جب وہ وقت آئے گا کہ ہمارے کالج کی تعلیم یافتہ عورتیں اپنے کام کے وسیع حلقے میں پھیل جائیں گی تو ہم اُن پر فخر کرینگے اور وہ اس کالج پر ناز کریں گی جہاں کہ اُنہوں نے تعلیم پائی ہے۔

ہاسپٹل کی رپورٹ ۱۹۱۸ء

عمارات۔ ۱۹۱۸ء میں ذیل کی عمارتوں کی تکمیل ہوئی نرسز ہوسٹل کا ایک دوسرا ضلع جس میں سوپرنٹنڈنٹ اور یورپین اسٹاف کے کوارٹرز ہیں۔ صیغہ مریض ہائے بیرونی کے مکان کی اینٹوں کی جالی بیماروں کے پردے کے لئے۔ چار گھوڑوں کے لیئے اصطبل معہ سائیسوں کی کوٹھریوں کے اور ایک موٹر ہوس ۱۹۱۹ء میں اُمید ہے کہ ایک ای سولیشن بلاک دامراض متعدی

کے مریضوں کو علیحدہ رکھنے کا مکان) اور ایک کمرہ اکس ریز (شعاے اکس) جو اس شفاخانے کے لیئے بڑی جائداد ہو گی بن جائیں۔ حالات جنگ کی وجہ سے شفاخانے کے سامان میں بہت تھوڑا اضافہ ہوسکا ہے اور اس وجہ سے ابھی ساز و سامان کی حالت پوری نہیں۔

سال زیر رپورٹ میں ان پیشنٹ ۱۲۳۸۔ اوٹ پیشنٹ ۱۵۵۹۱ کی تعداد تھی۔ باہر کے مریضوں میں ۶۲۰۷۔ نئے کیس تھے ۳۸۷ عمل جراحی کیئے گئے جن میں سے ۲۷ میجر (بڑے) آپریشن تھے۔ اور اسی میں ۱۵ پیٹ کے عمل جراحی شامل ہیں۔

اکتوبر اور نومبر کے مہینوں میں دلی میں وبائی بخار انفلوانزا پھیلا۔ یہ مرض بڑی شدید قسم کا تھا۔ اکثر کیسوں میں نیومونیا اور برنکو نیومونیا (سوزش و ورم شش) کا انضمام تھا۔ ہمارے نرسنگ سٹاف پر بھی اس بیماری کی بڑی مصیبت پڑی اور ہمکو افسوس ہے کہ ہمارے ہاں کی ایک سب سے بہتر اور ہونہار بروبیشنر نے انفلوانزا اور نیومونیا سے انتقال کیا اس مصیبت کے وقت میں جب کہ ہمارا نرسنگ اسٹاف ایسا گھٹ گیا تھا گویا کہ تھا ہی نہیں ہمکو نہایت قابلیت سے دہلی کی دو لیڈی ڈاکٹروں مسز ایڈی اور مس الٹن نے مدد دی۔ ایک بہت نازک وقت میں یہ لیڈیاں ہمکو مخلصی دینے کو آئیں اور ہم کو ایک بڑی آزمائش کی حالت سے بچایا۔

زچگی کے کیس۔ ان ڈور (۵۰) باہر کے (۱۲) ان میں سے ۴۳ معمولی اور (۱۹) غیر معمولی تھے اوپر کی تعداد بہت تشفی بخش ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاخانے کا کام اب شہرت پکڑتا جاتا ہے اور اس کی قدر کیجاتی ہے۔ کاٹیج وارڈ کو لوگ بہت پسند کرتے ہیں اچھے اچھے ہندو مسلمان اور متوسط و ادنی حالت کے لوگ جو تھوڑی سی فیس ایک روپیہ اور دو روپیہ روزانہ کے دینے کی استطاعت رکھتے ہیں سب اس میں رہتے ہیں۔ ہم کو اس بات سے بہت اطمینان ہے کہ بہت سی اونچی اونچی ذات والی مستورات ہسپتال میں زچگی کے واسطے آئیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاخانوں کی نسبت جو لیے پردگی کا خیال تھا وہ اب ٹوٹتا جاتا ہے۔

مڈیکل سٹاف (۱) طبیب۔ مس بلیٹ۔ ایم ڈی۔ بی۔ اس سی وغیرہ (۲) مس سی ال ہولٹن۔ ایم ڈی۔ بی اس۔ سی۔ وغیرہ جینیو کالوجسٹ اور آبسٹٹریکل سرجن۔ (۳) مس ایم سی مرفی۔ ایم۔ بی وغیرہ۔ برقی محکمہ

(۴) مس ال ای میکنزی۔ نرسوں کی سوپرنٹنڈنٹ۔ (۵) مس جی ای۔ منڈن۔ ایم بی۔ بی ایس سی۔ ہیوس فزیشن (۶) مس ایم اے کلسال۔ ایم پی اس۔ (صیغہ دواسازی)

ڈاکٹر ہولٹن نے علاوہ اپنے جنیو کالوجسٹ (امراض نسوانی) اور آبسٹٹریکل (زچہ خانہ) سرجن کے وہ سارے برس شفاخانے کے عمل جراحی بھی کرتی رہیں۔ ڈاکٹر شیمن سین نے چار سال کے مہینوں میں شفاخانے کی کلینیکل پتھالوجی کا کام اور کالج کے پتھالوجیکل ڈیپارٹمنٹ کا انتظام کیا اس مضمون پر طالبات کی تعلیم سال آیندہ شروع کیجائے گی۔ انفلوائنزا کے وبائی ایام میں جب کہ کام کا سخت ہجوم تھا اور سٹاف کی قلت تھی ڈاکٹر وسٹرن نے بھی دست امداد بڑھایا۔

نرسنگ اسٹاف اس سٹاف میں تین انگلش سسٹر نرسوں کی جائیں ہیں لیکن ملتوی حالات جنگ کسی وقت بھی دو سے زیادہ نہ مل سکیں۔ اب سٹاف میں چھ نرسیں اور گیارہ پروبیشنر (جو امیدوارانہ کام کرتی ہیں) ہیں ان کام سیکھنے والیوں میں چھ اینگلو انڈین ہیں اور پانچ ہندوستانی۔ اعلیٰ درجے تک تعلیم پائی ہوئی ہندوستانی کام سیکھنے والی نرسوں کا ملنا بہت مشکل ہے۔ یہ امر نہایت ضروری ہے کہ نرسوں کے پیشے کی معیار کو ہندوستان میں بڑھا دیا جائے اور جب تک کہ نرس کا پیشہ سب سے اعلیٰ اور نہایت باعزت مشغلہ نہ سمجھا جائے گا جیسا کہ انگلینڈ میں سمجھا جاتا ہے تب تک اچھے خاندان اور اچھی تعلیم یافتہ نرسوں کا اس قدر کافی تعداد میں میسر آنا جو نرسوں کے پیشے کی قدر بڑھانے کو پورا کر سکے ناممکن ہے۔

ایک اور چھوٹی سی مسجد یہ بھی سڑک کی داہنی طرف ہے۔ تین در کی اینٹ چونے سے بنی ہوئی مسجد ہے۔ اس کو بھی حاجی عبدالغنی صاحب آنریری مجسٹریٹ نے درست کرایا ہے۔ عرض و طول ۲۲ فٹ × ۹½۔ اسی مسجد کے پچھیت کی دیوار سے ملی ہوئی عبدالسلام صاحب کی درگاہ ہے۔ یہ مسجد اور درگاہ دونوں لیڈی ہارڈنگ کے کالج کے کمپونڈ سے ملی ہوئی ہیں۔

گلشن شاہ صاحب کا مزار ۱۱۵۳ھ سڑک کے بائیں طرف۔ (۲۰) مربع اور دو فیٹ اونچے گول چبوترے پر آپ کا مزار ہے آپ کے سرہانے ایک بہت پرانا نیم کا درخت سایہ کیئے ہوئے کھڑا ہے

آپ خواجہ عبداللہ الاحد صاحب نقشبندی کے خلیفہ تھے قبر پختہ ہے۔ تعویذ ۷ × ۳ فٹ ہے یہ کتبہ حال میں لگا دیا گیا ہے:۔

"شاہ سعد اللہ گلشن مجددی رحمۃ اللہ علیہ۔ جامع بود میان کمالات ظاہری و باطنی وزہد و تقوی و تجرید و تفرید ریاضت شاقہ کشید طعام بعد از سہ روز زیادہ از سہ لقمہ تناول نکردے ونا سی سال خود و بیک گلیم گزرانید۔ آخر در ۱۱۵۳ھ وفات یافت"

درگاہ حضرت عبدالسلامؒ اور مسجد ۱۳۱۴ھ

جہاں یہ درگاہ اور مسجد ایک وسیع اور پختہ ۱۳۱ × ۶۳ فٹ مستطیل احاطے کے اندر واقع ہے۔ جو ۵-۹ انچ اونچا ہے۔ وہ مقام بالنس کوٹی کہلاتا ہے۔ پنڈت کے کوچے میں جو پیر جی عبدالصمد صاحب ایک بزرگ رہتے ہیں اُن کے والد ماجد کا یہ مدفن ہے۔ پیر جی صاحب نے ایک نفیس مسجد اور درگاہ بنوادی ہے جو عبدالغنی صاحب کی مسجد کی پچھیت کی دیوار سے ملی ہوئی ہے۔ اور اسی سبب سے یہ مسجد اس درگاہ اور سڑک کے بیچ میں حائل ہے اور راہ رووں کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس چھوٹی سی مسجد کے پیچھے کیسی خوش منظر عمارت بنی ہوئی ہے۔ لیڈی ہارڈنگ کے مڈیکل کالج کے کمپونڈ سے یہ درگاہ ملی ہوئی ہے جو ایک بڑی شکل کا سامنا ہے۔ وہ ٹھیری شاہی عمارت اور یہ درگاہ۔ لیکن آفریں ہے پیر جی صاحب پر کہ اُنہوں نے ایسی خوش قطع اور پختہ عمارت بنوائی ہے کہ پہلے تو ہیں اس کو بھی کالج ہی کا ایک حصہ سمجھا۔ اب ہم درگاہ کا بیان کرتے ہیں۔

سماع خانہ

مسجد کے مشرق میں سماع خانے کا ایک تین بنگڑی دار دروں کا دالان ہے جس کے دونوں جانب ایک ایک حجرہ ہے۔ سارے کمپونڈ کے اندر متعدد نیم کے درخت گھنے سائے کے ہیں جس سے یہ مقام گرمیوں میں بہت ٹھنڈا رہتا ہوگا۔

چوکھنڈی

سماع خانے کے سامنے ۹ فٹ مربع ۲½ اونچے پختہ چبوترے پر ایک سنگ مرمر کی چوکھنڈی ۷ فٹ مربع دس انچ اونچے سنگ مرمر کے چبوترے پر کھڑی ہے۔ سہ دری سرتا پا سنگ مرمر کی ہے جس کے ستون نہایت نازک اور خوب صورت ہیں کہتے ہیں کہ پیر جی صاحب کو بنی بنائی مل گئی۔ اس زمانے میں ایسی سہ دری کا مل جانا پیر جی صاحب کا حسن نیت اور خوش عقیدتی کی دلیل ہے۔ اس کے

اندر تین دیوار دوز طاق نما محرابیں ہیں اور متعدد چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے ہیں۔ اس چبوترے پر دو قبریں بیچ میں سے خام زمین دوز ہیں۔ کیونکہ شرع شریف میں قبر کو پختہ کرنا منع ہے۔ دونوں قبروں کے سرہانے ایک رنگین دائرے میں سبز زمین پر سفید حروف میں نہایت عمدہ طغریٰ نما خطِ نسخ میں یہ عبارت نقش کی ہوئی ہے:۔

(۱) شاہ عبدالسلام حق پرست ۱۴ م ۱۳۔ (۲) ام شاہ فرید الدین فخری ۱۵ م ۱۳۔

چوکھنڈی کا ارتفاع دس فیٹ ہے اور سوائے جنوب کے تینوں طرف افضل الذکر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کندہ ہے۔

سنگ مرمر کی دوہری چوکھنڈی

چو دری۔ ۷۔ ۸ × ۵۔ ۸۔ چبوترے کی اونچان ایک فٹ۔ چار در سنگ مرمر کے چاروں کونوں پر ہیں بیچ میں سنگ مرمر کا قبر کا تعویذ ہے۔ چبوترے سمیت اس چوکھنڈی کی بلندی ۹۔ ۳ ہے۔ قبر پر کوئی کتبہ نہیں یہاں جو ایک صاحب بڈھے سے رہتے ہیں لکھے پڑھے حافظ ہیں تیس سیپارے اُن کو حفظ ہیں مگر یہ بھول گئے کہ یہ کس بیوی کی قبر ہے بس اتنا ہی اُن کو معلوم ہے کہ حیدر آباد دکن کی کوئی بیگم تھیں اُن کی مٹی اُن کو یہاں لائی تھی وہ یہاں آسودہ ہیں ؎

دو چیز آدمی را کشد زور زور یکے آب و دانہ دوم خاکِ گور

احاطے کے شمال کی طرف چھ حجروں کا دالان ہے جو ۲۷ لمبا ہے۔ اور اسی کے محاذی جنوب کی طرف احاطے کی دیوار میں ایک معمولی سا دروازہ بھوڑ کر چوبی کواڑ لگا دئیے ہیں

شمس العلماء منشی ذکاءاللہ خاں کی قبر ۱۳۲۸ھ

مسجد کی پچھیت کی دیوار سے ملا ہوا ہندوستان کے زمانہ حال کے مشہور مہندس اور مورخ کا مزار ہے۔ اس پر میاں بیوی دونوں آرام کرتے ہیں۔ اللہ اکبر کیسے قول کے پکے اور بات کے سچے لوگ تھے۔ جب تک جیئے بیوی گلے کا ہار رہیں مرے بعد بھی دونوں ساتھ ہیں۔ کیسا بے نظیر جوڑا تھا۔ سنگ باسی کے چبوترے پر جو ۹۔ ۷ × ۸۔ ۶ لمبا چوڑا ہے اور دو فیٹ اونچا کٹہرا کھڑا ہوا ہے۔ دو قبریں ہیں مسجد کی دیوار سے ملی ہوئی منشی صاحب مرحوم و مغفور کی قبر ہے کہ جس کے سرہانے سنگ مرمر کی لوح پر ذیل کا نہایت خوش خط کتبہ ہے اور اسی سے

پاس اُن کی زوجۂ محترمہ آسودہ ہیں۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔

صاحب ایں قبر خان بہادر شمس العلما منشی محمد ذکاء اللہ از مشاہیر فضلائے ایں دیار است۔ مردے مستقیم الحال و مجموعۂ فضل و کمال بود۔ در علوم قدیمہ و شیرہ۔ فنون جدیدہ ید طولیٰ داشت۔ تا زیست ہمت بر خدمت طلاب علم گماشت و در تالیف و تصنیف قصب السبق از اقران و امثال بُرد۔ چندیں کتب از مولفاتش بین الطلاب است۔ چوں ہشتاد و یک منزل از منازل عمر پیمود۔ چہارم ماہ ذیقعد سنہ ۱۳۲۸ ہجری روحش بفرمان ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ نقل آخرت فرمود۔ و پیکر خاکیش زیر خاک بیاسود۔

اللھم اغفر لہٗ

دوسرے دو کتبے (۱) مسجد کی چھت کی دیوار میں پیش طاق کے پیچھے بالکل نیچے یہ کتبہ ہے "تعمیر کرسی منجانب حاجی احمد حسین مرحوم ۱۳۱۷ھ"۔

(۲) مسجد کے بائیں طرف دومنزلہ حجرے کے اوپر:-

"تعمیر منجانب محمدی بیگم مرحومہ"

مسجد مسجد ۴۴ فٹ × ۱۳ فٹ ۹ انچ ایک دالان کی ہے ایک حجرہ ادھر ایک ادھر ہے صحن میں سنگ سرخ کے ٹکڑے بچھے ہوئے ہیں صحن ۴۷ فٹ × ۴۲ فٹ ہے۔ مسجد کی چھت ڈاٹ دار ہے جس میں پانچ در بنے ہوئے ہیں بیچ میں تین در ہیں اور ان کے ادھر ادھر ایک ایک در ہے اور اس طرح پانچ در ہوئے۔ مسجد کا دروازہ لداؤ کی ڈیوڑھی دار جنوب کی طرف ہے جس کے دونوں جانب حجرے ہیں۔ بائیں ہاتھ کی طرف کے حجرے میں غسل خانہ اور طہارت خانہ ہے۔ داہنے ہاتھ کی طرف کے حجرے کی دو کھڑکیاں صحن مسجد میں کھلی ہوئی ہیں اور ایک دروازہ ڈیوڑھی میں نکلتا ہے۔ دروازہ مسجد اور درگاہ کا بلحاظ اندرونی عمارتوں کے کچھ زیادہ عالی شان نہیں کیوں کہ موقع ہی ایسا کڈھب واقع ہوا ہے۔

ہنومان جی کا مندر رائے سینا کے حدود میں یہ ایک بہت پرانا اور قدیم مندر راجہ کے بازار میں ہے جو جے سنگھ پورہ بھی کہلاتا ہے۔ اب یہ تمام جائے رائے سینا کی نئی دلی میں گھیر لی گئی ہے۔ یہ مندر چوں کہ مذہبی اور قدیم عمارت تھی علیٰ حالہ چھوڑ دیا گیا۔ اس پر پبلک ورکس کا پی ۱۲ ۷ نمبر پڑا ہوا ہے۔ سڑک کے کنارے بائیں طرف ہے پہلے اس مندر کا تعلق مہاراجہ صاحب جے پور سے تھا کیوں کہ جے سنگھ پورے میں تھا۔

مندر کے دروازے پر کے کواڑوں کی جوڑی پر پیتل کے پتر منڈھے ہوئے ہیں اُس پر یہ عبارت بخط ناگری دونوں طرف کھدی ہوئی ہے۔

"یہ جوڑی لالہ جگل کشور و گنپت رائے علوائی کھر کھودے والا نے بنوائی۔ ستی۔ مہا سادی پنچمی سمبت ۱۹۷۲"

اندر مندر کے چوطرفہ سنگین اور لداوی چھت کے دالان ہیں جن میں سنگ سرخ کے چوکے لگے ہوئے ہیں۔ اور صحن کا فرش بھی چوکوں ہی کا ہے۔ جنوب اور شمال کی طرف تین تین درے۔ مغرب میں تیرہ سیڑھیوں کا زینہ اُس کے بعد سہ دری ہے۔ مغرب میں اصل مندر کی عمارت ہے جس میں سنگ مرمر کا فرش ہے چوپڑ کا یعنی ایک چوکہ سنگ مرمر کا ایک سیاہ کا۔ ہنومان کی مورت کے گرد سنگ مرمر کا خوش نما کٹہرا ہے۔ مندر کے اندر طلائی اور شیشے کا بہت عمدہ اور کثرت سے کام کیا ہوا ہے۔ صحن کے بیچوں بیچ ایک بڑا بھاری پرانا نیم کا درخت ہے اور شمال رخ کے بیچ کے درے میں ایک سمادھی بھی بنا ہوا ہے۔ مسجد کا گو یہ رم (مخروطی قبہ) بہت بلند ہے جس کے اوپر کلس چڑھا کر ہلال لگا دیا ہے۔

گنیش کی گمٹی کا برج

اس مندر کے پچھواڑے ایک چھوٹی سی ۱۲ مربع برجی بلا کلس کے کھڑی ہے جو گنیش کی گمٹی کہلاتی ہے۔ اس کے اندر اب کوئی مورت بھی نہیں ہے۔

راجہ کے بازار کی مسجد

مندر کے محاذی سڑک کی داہنی جانب ایک چھوٹی سی پرانی مسجد بہت خراب و خستہ حالت میں سڑک سے ملی ہوئی کھڑی ہے جس کی ایک منارے نما برجی ہے دوسری گر گئی۔ مسجد کا دالان ۲۲ فٹ × ۹ فٹ ہے۔ تین درے ۷ فٹ اونچے ۳ فٹ چوڑے ہیں چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔ صحن ۲۰ × ۱۵ ہے جس میں ایک چھوٹا سا کنواں بھی ہے۔ گرد (کے) اونچی کیونڈ وال ہے چونکہ حدود چھاؤنی رائے سینا میں آ گئی ہے لوگ کہتے ہیں کہ مسجد کی مرمت کرنے کا ابھی حکم نہیں۔ خدا جانے یہ سچ کہتے ہیں یا جھوٹ۔ کیونکہ انگریزوں کو خود معابد کا احترام ملحوظ ہے اور بہت سی مسجدوں کو محفوظ کر دیا ہے۔

کھنڈیلوال جینیوں کا بڑا مندر

نمبر ۹/۹ مسلمان کو اندر گھسنے نہیں دیتے۔ ایک بڑے بھاری حصار کے اندر بہت سے مکانات ہیں۔ کہتے ہیں کہ اس احاطے کی ساری عمارتیں پچاس ہزار میں سراوگیوں نے

خرید لی ہیں۔ دوسرے مکانات سے ہم کو بحث نہیں ہم صرف اصل مندر کا ذکر لکھتے ہیں۔ اندر چوطرفہ پختہ سنگ بست دالان ہیں۔ صحن کے بیچ میں ایک بڑا سایہ دار نیم کا درخت ہی۔ بڑی وسیع عمارت ہی اور باہر کا احاطہ بھی بڑا لمبا چوڑا ہی جس میں متعدد مکانات ہیں۔ مندر کا صدر دروازہ شمال رویہ ہی اور اسی کے سامنے احاطے کا بڑا عالی شان پھاٹک ہی جس کے دونوں جانب خوش نما نشیمن بنے ہوئے ہیں۔ غرض یہ عمارت بھی پرانے زمانے کی ہی۔

شوالا اس مندر کے مغرب میں ۱۷ گز مربع ایک چھوٹا شوالا ہی جس کا ایک برج کھڑا ہوا ہی۔ اس میں کوئی خاص بات نہیں جو لکھی جاوے۔

تال کٹورا قطب روڈ پر اس نام کا ایک باغ تھا۔ درخت کٹ گئے نام رہ گیا[۵]

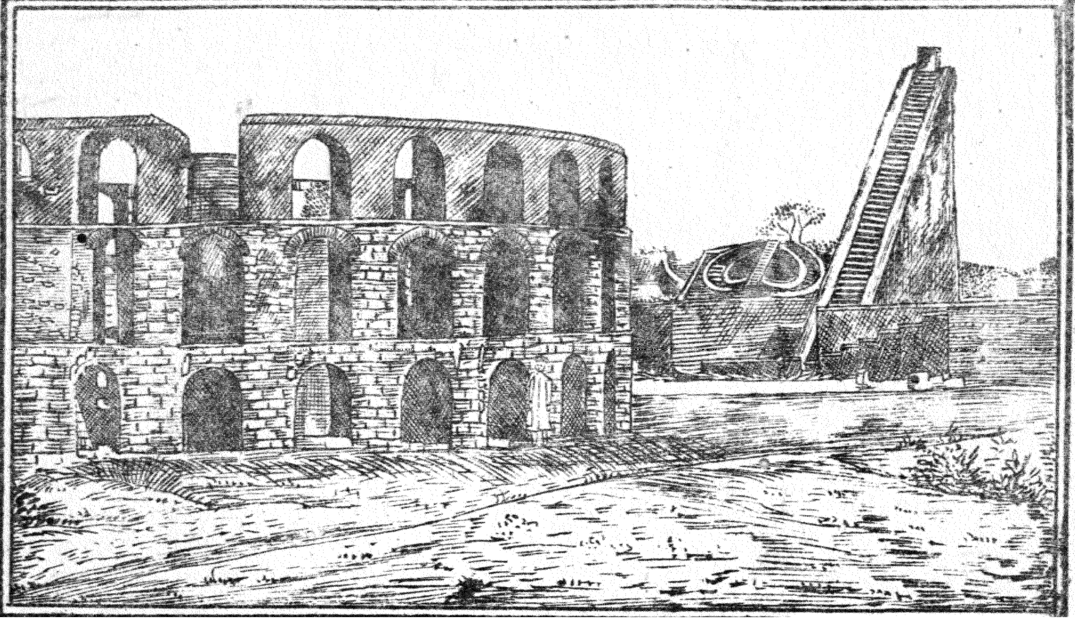
وہ دل نہ رہا اُمید کیسی   جڑ کٹ گئی نخلِ آرزو کی

اگروال جینیوں کا چھوٹا مندر جینیوں کے بڑے مندر کے احاطے سے نکلنے کے بعد مغرب کی طرف ایک اور مندر اگروال جینیوں کا ہی جو چھوٹے مندر کے نام سے مشہور ہی۔ یہ بھی جے سنگھ پورے اور راجہ کے بازار میں ہی۔ یہ بھی بہت پرانا اور قدیم مندر ہی۔ جس پر ایک کوٹھی دار گنبد ہی اور اوپر پتھر کا کلس ہی۔ کیا مجال کہ مسلمان اندر پر مار سکے اور مسلمانوں کی یہ حالت کہ سوامی شردھانند مہاتما کو جامع مسجد کے منبر[۵] پر چڑھا دیا۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

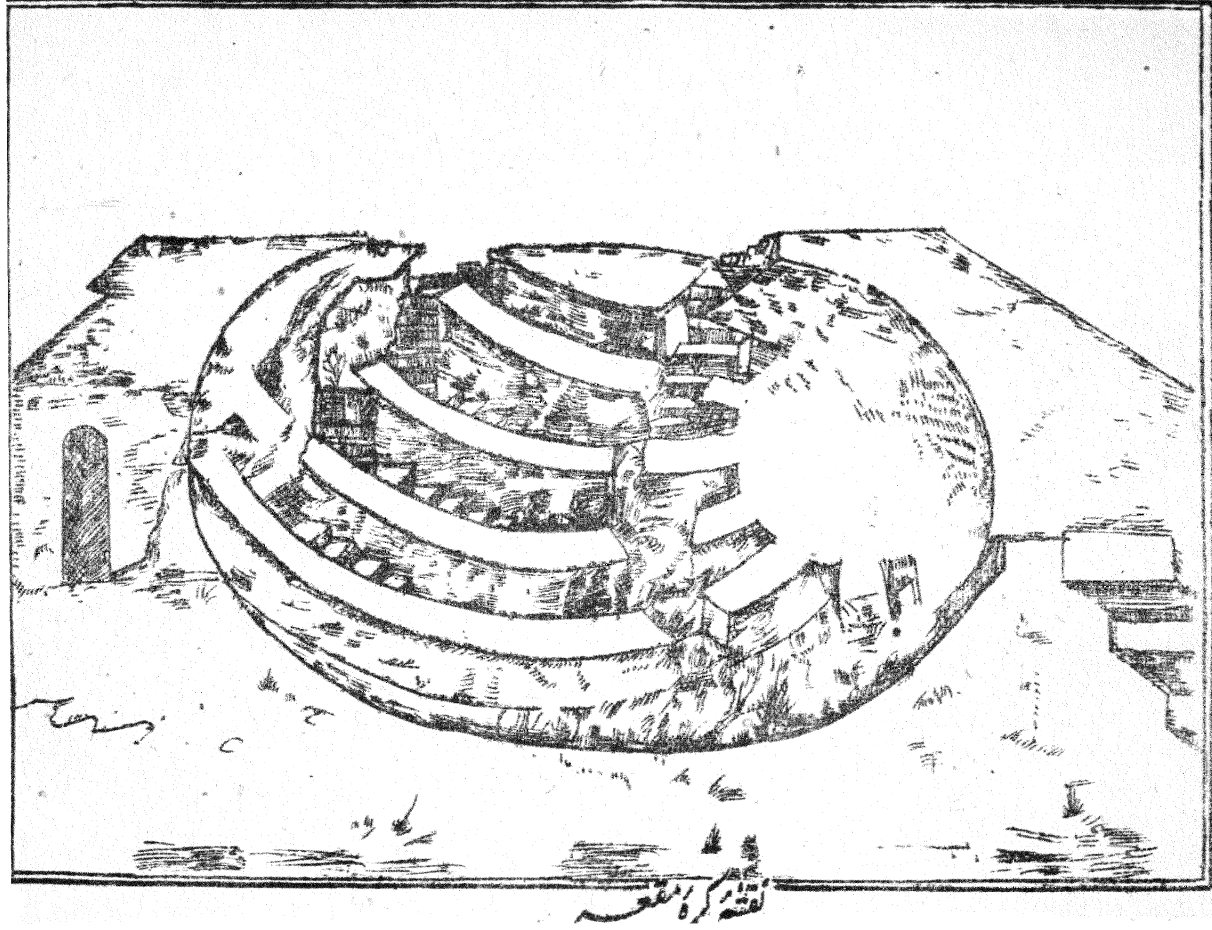
ہم کو اس سے بحث نہیں کہ مسلمانوں نے اچھا کیا یا بُرا۔ وہ جانیں اُن کا کام مجھ کو ہندو صاحبان کا طرزِ عمل ظاہر کرنا مقصود تھا اور بس۔ اس جھگڑے میں کون پڑ کر اپنی اوقات عزیز ضائع کرے۔ ہمارا مسلک تو یہ ہی کہ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (تم کو تمھارا دین اور مجھ کو میرا دین)۔ باہر سے ہم نے اس کا رقبہ ناپ لیا ۷۶×۸۰ فٹ کی عمارت ہی اور مندر سے لگا ہوا پجاری کے رہنے کا مکان ہی وہ بھی قریب قریب مندر ہی کے برابر دکھلائی دیتا ہی یہ مندر لالہ ننگن چند کا بنوایا ہوا ہی جن کا بنوایا ہوا ایک بڑا مندر مالیواڑے میں بھی ہی۔

[۵] مسلمانوں کو تو ایک بات ہاتھ لگ جانا شرط ہی ورنہ جو ہونا تھا سو ہو چکا زخم کو کرید نے سے کیا فائدہ۔ رسالہ معارف (اعظم گڈھ) ماہ مئی و جون ۱۹ء میں اسی بحث نے (۵۸) صفحے گھیر لیے اور پھر اس قضیہ نا مرضیہ کو جناب شیخ عمر بخش صاحب وکیل ہائی کورٹ پنجاب نے باریک خط کے گنجان لکھے ہوئے (۲۸) صفحے کے رسالہ کی شکل میں "مسجد اور غیر مسلم" کے نام سے شائع فرمایا یہ مضمون دراصل مولینا ابوالکلام صاحب کا ہی اور اس فعل کا جواز ثابت کیا ہی جن صاحبوں کے مزاج میں کرید ہو وہ اس رسالہ کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

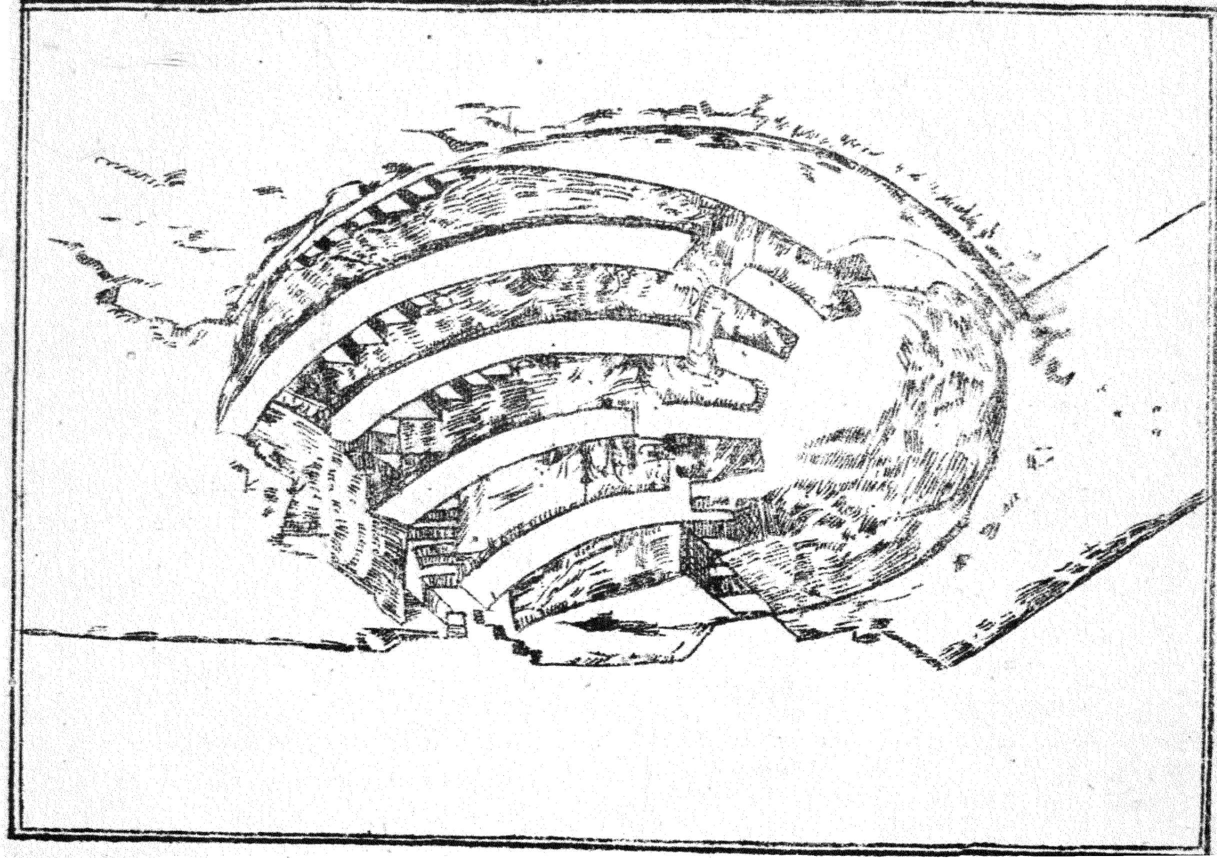


جنتر منتر (یعنی جے سنگھ کی رصدگاہ)

مطبوعہ انڈین پریس دہلی



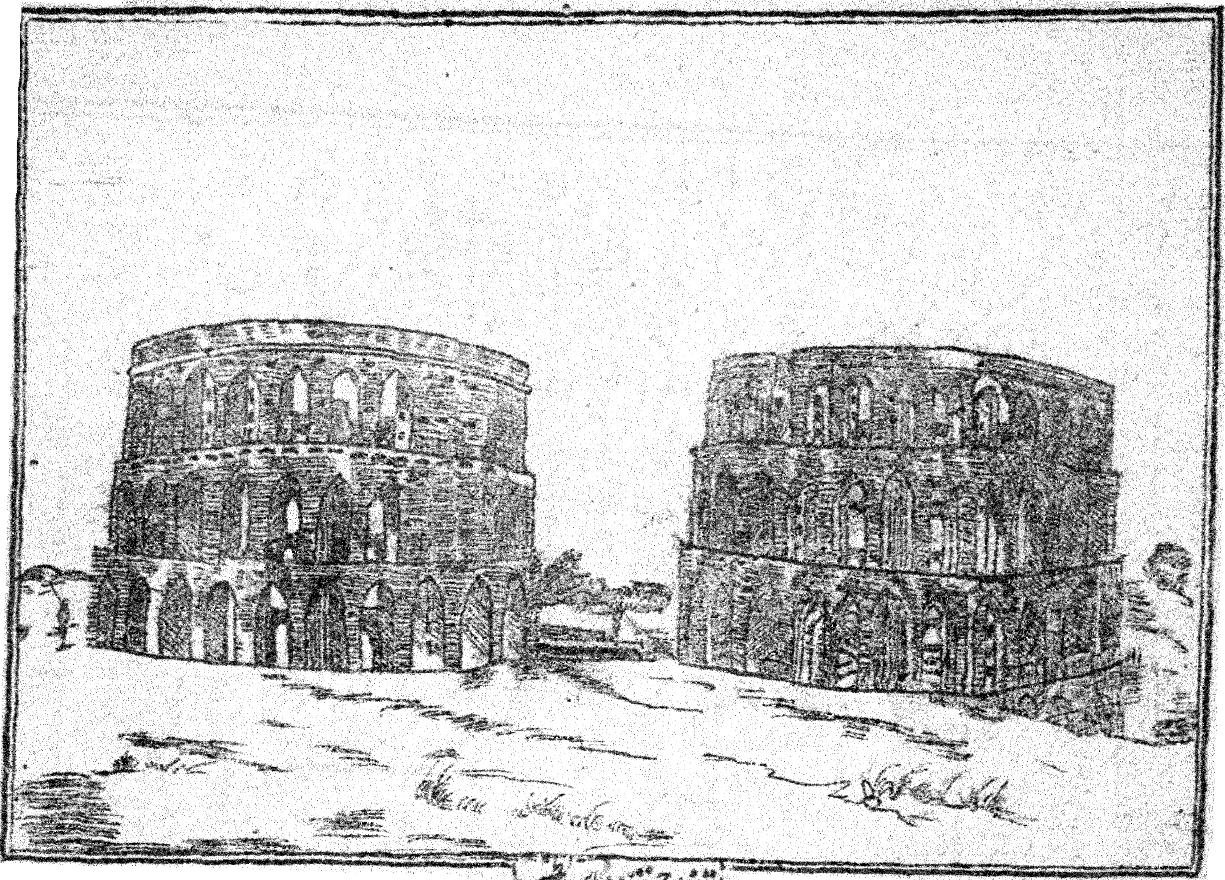
نقشه کره قلعه



نقشهٔ کرهٔ مقعر



نقشۂ جنتر قسی دوائر العظام



نقشه جنتر دو دایره اطلس

مہادیو کا شوالا اسی کے پاس مخروطی قبے کا ایک چھوٹا سا شوالا ۱۱۹۶ھ - ۱۷۸۲ء کا مربع ہے۔

نسیان کا مٹھ پھر اس سے اور آگے بڑھ کے ایک قدیم اور پختہ مٹھ ہے جہاں پارسناتھ کی مورتی بٹھائی جاتی ہے اور نسیان کہلاتا ہے۔

مہر و مہ و آسمان و انجم ... حیوان و پری و دیو و مردم
دریا و زمیں و کوہ و صحرا ... باغ و گل و سبزۂ مطرا
سب کا ہے وہی بنانے والا ... ما اعظم شانہ تعالیٰ

جنتر منتر ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء پرانے قلعے سے مغرب و شمال کے کونے میں کوئی تین میل اور اجمیری دروازے سے بہ جانب جنوب ایک میل پر یہ مشہور علم ہیأت کے عملی تجربوں کی رصد گاہ ہے۔ اس رصد گاہ کے متعلق تھارن صاحب نے لکھا ہے کہ "کیمپ کو واپس آتے وقت ہم جنتر منتر کی مشہور رصد خانے کو دیکھنے کو ٹھیر گئے جس کو سنہ ۳ جلوس محمد شاہی (۱۷۲۴ء) میں مشہور ہیأت دان جی سنگھ راجۂ امبیر نے جو خاندان راجگان جے پور کا بانی تھا بنایا تھا۔ جس کا محل اور اصطبل موضع مادھو گنج میں تھا جو اس رصد گاہ کے قریب مشرق کی طرف ایک گاؤں ہے۔ اور اب تک مہاراجہ صاحب جے پور کی جاگیر ہے۔ ملک ہند کی عالی ہمتی اور سائنس کی یہ یادگار فصیل شہر کے باہر جامع مسجد سے کوئی دو میل پر واقع ہے۔ افسوس ہے کہ یہ کام بسبب اُس کے بانی کی بے ہنگام وفات اور سلطنت کے عزل و نصب کے پورا نہ ہو سکا تاہم رصد گاہ کا کام جس حد تک ہو چکا تھا اس سے اُس کے بانی کی علم ہیأت کی دست گاہ اور صحت عمل کا (کافی) ثبوت ملتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اُجڈ جاٹوں نے بنانے سے پچاس برس کے اندر ہی اندر اس کا بالکل ستیاناس کر دیا۔ اگر وہ مال و اسباب کی لوٹ کھسوٹ پر ہی اکتفا کرتے تو بھی غنیمت تھا مگر غضب تو یہ ہوا کہ اُنہوں نے عمارت کے ساتھ دوائر کو بھی بہت بڑا نقصان پہونچایا۔ بڑے دوائر البتہ اب تک قائم ہیں لیکن خطوط اور دائرے کا محیط جس میں درجے بنے ہوئے تھے بہت سی جگہ سے منکسرہ ہو گئے ہیں مثلث کے ایک ضلع کا طول (۱۱۸ فٹ) ہے اور قاعدے کا ضلع ۱۰۴ فٹ ۱ انچ ہے۔ اس پر چڑھنے کا سیڑھی دار زینہ ہے جس کے کناروں اور محرابوں پر سنگ مرمر لگا ہوا تھا۔ اس عظیم الشان آلے کی کلانیت اور صحت عمل کی وجہ سے جے سنگھ نے اس کا نام

سمرٹ ینتر یعنی شاہزادہ دوائر رکھا تھا کیوں کہ اسی قسم کے اور دو چھوٹے آلے بھی ہیں۔ ان تینوں آلوں کو ایک دیوار کے ذریعے سے ملا دیا گیا ہے جس پر ایک نصف دائرہ اُن اشیاء کا ارتفاع معلوم کرنے کے لیے بنایا گیا ہے جو اس مقام سے مشرق اور مغرب میں واقع ہیں۔ ان دوائر کے جنوب میں اسی قسم کی دو عمارتیں اور ہیں جن سے ستاروں کی بلندی۔ قوس افقی (Azimuth) اور اجرام فلکی کے مقامات اور فصل وغیرہ کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ ایک ہی قسم کی کئی کئی عمارتیں ایک ہی جگہ بنانے سے یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ ایک آلے سے جو عمل کیے جائیں ساتھ کے ساتھ اُس کی صحت عملی کی جانچ پرتال دوسرے آلے سے بھی کر لی جائے۔ یہ آخر الذکر عمارتیں مدور شکل کی ہیں جو اوپر سے کھلی ہوئی ہیں جن کے نیچے ایک ایک بلند ستون عمودی شکل کا سطح زمین سے تین فیٹ بلند کھڑا ہے جس میں سے تیس خطوط قطر سے محیط دائرے کو جاتے ہیں۔ ان کا درمیانی فصل قطروں کے برابر ہے تاکہ قطروں کے باہمی فصل سے ایک کامل چھ درجے کا حصہ دائرہ بن جائے۔ دیواروں کے اندر طاق بنے ہوئے ہیں جن میں مدارج شمس کے خطوط مماس بنے ہوئے ہیں جن پر ستون عمودی کا سایہ پڑتا ہے اور یہ خطوط ایک سے لے کر بینتالیس درجے تک بنے ہوئے ہیں۔ لیکن جب آفتاب کا ارتفاع اس بلندی سے زیادہ ہو جاتا ہے تو انہیں درجوں اور ستون عمودی سے آفتاب کا صحیح ارتفاع معلوم کیا جاتا ہے۔ ان درجوں کو دقیقوں میں تقسیم کیا ہے لیکن جو درجے مقابل کی دیوار پر بنے ہوئے ہیں اور جن میں ہر ہر درجے کے چھ چھ حصے کیے گئے ہیں اس قسم کے دقایق کی تقسیم نہیں ہے۔ ان دوائر اور خطوط پر جو سایہ پڑتا ہے اُس سے فوراً آفتاب کا قوس افقی اور عمل نصف النہار معلوم ہو سکتا ہے اور اس طرح چاند اور ستاروں کا مرڈی این (Meridian) بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ ان دونوں عمارتوں اور بڑے دائرۃ الظل کے بیچ میں ایک کرہ مقعر بنا ہوا ہے جو فلکی نصف دائرے کو بتلاتا ہے جس کا قطر ۲۷ فٹ ہے۔ اس میں پندرہ درجے ہیں جس سے نصف النہار معلوم ہوتا ہے۔ چوں کہ یہ مقام ایک خاص فن سے متعلق ہے اس لیے ہما و شما کو اس کی قدر نہیں ہو سکتی نہ کچھ سمجھ میں آتا ہے۔ ہاں جو لوگ علم الافلاک کے ماہر ہیں وہ جان سکتے ہیں کہ کن کن مسائل کو کس کس اسلوب سے سلجھایا ہے۔ ہمارے جیسے لوگوں کو جو اس کوچے سے نابلد ہیں بظاہر ایک بہت بڑی خطا سنوا کی ڈائل نظر آتی ہے اور دو مدور عمارتیں معلوم ہوتی ہیں جن میں ایک کے

اوپر ایک سیڑھی نما دوائر بنے ہوئے ہیں جن سے بظاہر ستاروں کے صعود و نزول کی پیمائش کی جاتی ہے۔ آگے ہماری عقل خود چکر میں ہے۔ میں نے انگریزی میں ایک بڑی مبسوط کتاب دیکھی ہے جو خاص اسی جنتر منتر پر لندن میں حال میں چھپی ہے جس میں متعدد نقشے بھی دیئے گئے ہیں اور اس میں ساری بحث راجہ جے سنگھ کے عمل ہیأت پر ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سائنس والوں کے لئے یہ ضرور کوئی بڑی قابل قدر چیز ہے جو اس زمانے میں بھی اس کی چھان بین کی جا رہی ہے۔

رکاب گنج حال مادھو گنج

نمبر ت/ل ۱۲۲ - اجمیری دروازے سے قطب روڈ پر داہنی طرف سڑک سے کوئی سو سوا سو قدم پرے جنتر منتر کے غرب میں ایک بڑا بھاری پختہ احاطہ نظر آتا ہے۔ اس کا قدیم نام رکاب گنج تھا لیکن اب اس پر مادھو گنج کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ چوں کہ اس گنج کے دروازے کے پاس ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہے۔ اور وسط میں چبوترے پر ایک قبر بھی ہے تو اس کا بانی کوئی ہندو نہیں ہو سکتا۔ جنتر منتر کے بیان میں جو مادھو گنج کا ذکر آیا ہے وہ یہی مقام ہے جسے مہاراجہ صاحب جے پور کے علاقے کا کہا گیا ہے اب یہ ساری زمین معاوضہ دے دلا کر رائے سینا میں شامل کر لی گئی ہے۔ صدر دروازہ شمال رویہ بڑا عالی شان ہے۔ گہرائی دروازے کی ۱۱ فٹ ۸ انچ ہے اور چوڑائی ۱۱ فٹ۔ دروازے کے اندر بغلی میں دو طرف سہ دریاں ہیں اور اوپر بھی سہ دری ہے۔ احاطہ چار سو فیٹ مربع ہے جس کے چاروں کونوں پر گھوگس بنے ہوئے ہیں مشرق کی طرف چوتھائی دیوار گر پڑی ہے اندر سوائے جنگلی گھانس کے کچھ نہیں

ٹیلے پر کی مسجد

اس سڑک پر داہنی طرف بالکل سڑک سے لگی ہوئی اونچے ٹیلے پر ایک مسجد بنی ہوئی ہے تین در کی مسجد ۲۴ فٹ × ۱۰ فٹ ہے۔ جو (۷) اونچے ۳ فٹ ۸ چبوترے میں۔ بائیں طرف ایک حجرہ ۹ فٹ × ۵ ہے۔ اندر کچ کا فرش اور چھوٹا سا منبر ہے چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔ صحن میں سنگ سرخ کا بہت پرانے چوکوں کا فرش ہے جو ۱۴ × ۱۴ ہے۔ احاطے کی دیوار ۵-۹ فٹ اونچی ہے۔ داہنی طرف ایک کنواں ہے۔ صحن کے کونے میں بائیں طرف ایک بہت پرانا نیم کا درخت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سڑک نکالتے وقت اس مسجد کے صحن کا کچھ حصہ سڑک میں آ گیا ہے اور دروازہ جو اب جنوب کی طرف ہے وہ ضرور سڑک کی طرف رہا ہوگا چنانچہ سڑک کی طرف ۱۲ فٹ ۱/۲ لمبی ۱۱ فٹ اونچی پتھر چونے کی بندش کی ایک دیوار مسجد کا صحن محدود کر کے بنا دی ہے۔ اور یہی اونچان اس ٹیلے کی بھی ہے جس پر کہ مسجد بنی ہوئی ہے۔ غرض ہے مسجد قدیم اور سرکار کو اس کا موجودہ حالت پر

باقی رکھنا منظور ہے جو اس طرح بندش کرادی ورنہ اس در دسری کی کیا ضرورت تھی۔

نئی چھاؤنی کی مسجد

نمبر ۱۱۹ بی گورنمنٹ ہوس رائے سینا کے سامنے مغرب کی طرف سڑک کی بائیں طرف معمولی حیثیت کی ایک قدیم مسجد تین گنبد اور تین دروں کی ۲۲×۱۳ ہے بائیں ہاتھ کی طرف ایک حجرہ ہے چھت اوپر سے سپاٹ ہے۔ چاروں کونوں پر چار مینار نما چوکور برجیاں ہیں بیچ کا در ۱۰ فٹ اونچا۔ ۳ فٹ ۹ انچ چوڑا ہے۔ بائیں طرف کی محراب پر سنگ سرخ میں یا فتاح کا طغرا کٹا ہوا کہیں اور سے لاکر لگا دیا ہے۔ دو سیڑھیوں کا چھوٹا سا ممبر ہے۔ سامنے گیے اینٹ کے فرش کا چبوترا ۲۲×۱۳ کا ہے۔ کمپونڈ ۳۲×۴۲ فٹ ۳ فٹ اونچا ہے صحن میں ایک کنواں بھی ہے۔ شمال کی طرف اینٹوں سے چنا ہوا ایک پختہ گچ کا چوکی دار دروازہ ہے۔ جسے چوبی پٹ ہیں۔ دروازے کی محراب میں کارنس پر رنگ کا کام ہے کسی نے روشنائی سے پیشانی پر یہ شعر لکھ دیا ہے۔

نمازِ زاہداں سجدہ سجودے نمازِ عاشقاں ترکِ وجودے

قدیم نام اس مسجد کا کیا تھا معلوم نہیں۔ اب نئی چھاونی کی مسجد کہلاتی ہے۔ اس کے کمپونڈ کی شرقی دیوار میں پانی کا نل بھی لگا ہوا ہے۔ یہ نل کچھ مسجد کے واسطے نہیں لایا گیا بلکہ جس طرح پبلک روڈ پر لگا دیا جاتا ہے یہاں بھی لگا دیا گیا۔ یہ بھی غنیمت ہے۔

ایک نامعلوم گنبد

نمبر ۶/۱۹ بی بجلی گھر اور محکمہ پی۔ ڈبلیو۔ ڈی کے جنوب میں ایک گنبد سر راہ کھڑا ہے۔ جو اندر سے ۱۰×۱۰ ہے۔ چار طرف چار چار دروازے ۱۰×۷۔ اندر کوئی قبر نہیں نہ فرش۔ دیواروں میں آٹھ طاق ہیں بہت خراب و خستہ حالت میں ہے۔ کس کا ہے معلوم نہیں۔ لوٹا پھوٹا چبوترا ۵ فٹ اونچا ہے۔

گمٹی

قطب روڈ کے بائیں طرف سڑک سے کوئی سوا سو قدم ہٹی ہوئی صفدر جنگ کے مقبرے کے شمال میں چھ فیٹ مربع ہشت پہل گمٹی ہے تین طرف دروازے مغرب میں بند۔ دروازے ۷×۲½ فٹ۔ اس کے جنوب میں ایک پختہ کنواں ہے۔ یہ بھی نامعلوم ہے۔ جہاں بڑے بڑے گنبدوں کا پتہ نہ چلے یہ کس شمار قطار میں ہے۔ اس کے آگے صفدر جنگ کا مقبرہ قطب روڈ کے داہنی طرف ہے۔

دلّی دروازے سے قطب روڈ پر کی عمارتیں

گھوگس

دہلی نظام الدین کی سڑک۔ مہابت خاں کی حویلی کے سامنے داہنی طرف ایک سڑک پھٹ جاتی ہے جو رائے سینا سے ہوتی ہوئی قطب چلی گئی ہے۔
ببر کے تکئے کے پیچھے جو دہلی نظام الدین کی سڑک پر ہے اس کے عقب میں "دلی دروازہ قطب روڈ" کی داہنی جانب ایک ٹوٹا ہوا سا برج گھوگس کی شکل کا ایک چبوترے پر کھڑا ہے جس کا دور ۹۲ فٹ اور بلندی ۱۷ فٹ ہے۔ یہ کسی محل کے احاطہ کے کونے پر کا ایک برج معلوم دیتا ہے۔ چنانچہ اس برج کے پاس دیوار کا کچھ گرا ہوا حصہ بھی باقی ہے۔

چھوٹی مسجد

ریلوے لین دہلی سے نظام الدین کے بائیں ٹیلیگراف پول نمبر ۹۵۳/۲ کے پاس ایک بالکل گری پڑی مسجد ہے جس کے تین در اور تین گنبد ہیں۔ داہنی طرف کا پہلا گنبد اور درمیانی گنبد آدھا باقی ہے۔ تیسرا گنبد بائیں طرف کا وہ بھی نصف رہ گیا ہے اور اسی طرف ایک اونچا پایا کھڑا ہے۔ بیچ کے آرچ کی چوڑائی (۱۵ فٹ) ہے صحن کے عقب میں کنواں تھا جو اب پاٹ دیا گیا۔ اب یہ مسجد موجودہ حالت کے لحاظ سے چھوٹی مسجد کہلاتی ہے۔

اگرسین کی باؤلی اور مسجد

جنتر منتر کی رصدگاہ سے کوئی پانسو گز فاصلے سے اس نام کی ایک بہت بڑی شاندار باؤلی اور اسی کے ساتھ ایک مختصر سی مسجد ہے۔ جو سڑک کی داہنی طرف ہے۔ اگرسین جیسا کہ نام سے ظاہر ہے کوئی ہندو تھا مگر معمولی شخص نہ تھا بلکہ صاحب ثروت و متمول تھا جب ہی تو اس نے ایسی عمدہ باؤلی بنوادی۔ باؤلی کے پاس مسجد ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ اس کا بانی شاید کوئی مسلمان رہا اور اصغر حسین کو اگرسین کر دیا ہو مگر یہ بات نہیں دراصل یہ دونوں عمارتیں ہندو صاحب ہی کی بنوائی ہوئی ہیں کیوں کہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ امام باڑے درگاہیں چلے ہندوؤں نے بنوائے ہیں اور بعض ہنود اپنی خوش اعتقادی سے ایسا کرتے ہیں۔ کار خیرات و حسنات میں وہ مذہب کی تفریق کو مدنظر نہیں رکھتے۔

باؤلی کے اوپر کا چبوترا جسے مسجد کا دوسرا صحن بھی کہہ سکتے ہیں ۴۰×۲۷ فٹ ہے چبوترا خام ہے مگر

گرد بندش پختہ ہے۔ اصل باؤلی مستطیل ۱۰۰ × ۲۲ فٹ ہے۔ اور ادھر ادھر ملبان لو تو ۱۲۰ فٹ ہے۔ پہاڑ کا پہاڑ کھڑا ہے۔ اندر اترتے ہوئے ڈر معلوم دیتا ہے پانی بھی لبریز ہے اور شیریں تھا لیکن اب چوں کہ کھنچتا نہیں ذرا ململا ہو گیا ہے۔ باؤلی کے جنوب میں سیڑھیاں دھرتک چلی گئی ہیں اس وقت پانی کے اوپر چھیالیس سیڑھیاں ہیں۔ باؤلی کے گرد کی دو طرفہ دیوار ۳۳ فٹ اونچی ہے۔ مشرق کی طرف باؤلی کے اندر سے (۲۲) سیڑھیوں کا دو طرفہ زینہ ہے۔ شمال کی طرف لاؤ لگانے کی سوراخ دار کڑیاں پڑی ہیں۔ باؤلی کی دیواریں اندر کے رخ پر نیچے کے حصے میں آٹھ آٹھ دیوار دوز طاق ہیں اور اوپر کے حصے میں نو نو۔ دیوار کے بیرونی رخ پر تیرہ دیوار دوز طاقوں کا سلسلہ ہے جو بجائے خود ۷ فٹ × ۶ کی کوٹھڑیاں (۵ فٹ) گہران میں ہیں۔ باؤلی کے شمال میں ایک بڑا بھاری گول کنواں ۱۸ فٹ مربع ہے جس کی چاروں طرف درے اور اوپر لداوی گنبد ہے۔ اسی کا پانی باؤلی میں بھرتا ہے۔ قرینہ کہتا ہے کنواں اور باؤلی دونوں بہت گہرے ہیں اور ان میں جتنی سوتیں ہیں جن کا پانی خشک نہیں ہوتا بلکہ عجب نہیں کہ باؤلی کے شکم میں بھی کنواں ہو کیوں کہ بڑی بڑی باؤلیوں کے پیٹے بیں کنوئیں کھودے جاتے ہیں جیسے کہ حضرت محبوب الٰہی کی درگاہ کی باؤلی میں ہیں باؤلی کی ہیئت کذائی بدون نقشہ نظری کے ذہن نشین نہ ہوگی لہٰذا آگے سے ملاحظہ فرمائیے:۔

شمال

مغرب

مشرق

جنوب

کنواں

اصل باؤلی

چبوترا

ایک دالان

مسجد نمبر ۳/۱۰۳ ۔ اگرسین کی باؤلی پر ایک چھوٹی سی تین درا ور لداؤ مسطح چھت کی مسجد ۲۰ فٹ × ۱۰ ۱/۲ ہے تینوں در یکساں ۶ فٹ ۶ انچ اور ۶ فٹ چوڑے ہیں اندر سے چھت قلمدان نما ہے۔ بائیں طرف کے پاکھے کی دیوار گر گئی اور اسی کے ساتھ ادہر کا حجرہ بھی گر گیا۔ داہنی طرف کا حجرہ جو دس فیٹ مربع ہے موجود ہے۔ در سنگ سرخ کے ہیں جس کی ... ایک ہی پتھر کی کڑی ۱۰ مربع ہے۔ ادھر اُدھر اسی قسم کے سنگ سرخ کے دو دو در ہیں اور بیچ کی محراب میں چار چار در لگائے ہیں۔ تینوں دیوار دوز طاقوں کے دو طرفہ کلمۂ طیبہ کا طغری ہے۔ منبر اور فرش ٹوٹ گیا۔ باہر کی دو محرابیں باقی ہیں تیسری گر گئی ان پر بھی دو طرفہ کلمہ کا طغری تھا اور سرخ رنگ بھی مسجد کے روکار پر تھا مسجد کی بلندی ۱۱ فٹ ہے سامنے پختہ چبوترہ ۵ فٹ × ۲۲ ہے جس پر ایک شکستہ قبر بھی ہے۔

محل جو کھد رہا ہے اس باؤلی اور مسجد کے مشرق میں جی آئی پی ریلوے لین کے پاس ایک بہت بڑا وسیع احاطہ تھا جس کے اندر کوئی محل تھا۔ محل کا تو اب وجود رہا نہیں مگر احاطے کی دیواریں کچھ باقی ہیں اندر پتھر اور مٹی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور مزدور برابر کھود کھود کر پتھر اور مٹی ڈھو رہے ہیں۔ انہیں پتھروں سے سڑک بن رہی ہے اور یہی رفتار ہے تو چند دن میں میدان صاف ہو جائے گا۔ اس وقت جو ایک خیالی تصویر اس محل کی تصور میں آسکتی ہے وہ موقع بھی جاتا رہے گا۔ احاطے کی وسعت۔ دیواروں کی بلندی پتھروں کے انبار مٹی کے اونچے اونچے ٹیلے بنیادوں کے نشانات سب کافی دلیل اس بات کی ہیں کہ یہ محل کوئی غیر معمولی وسعت اور شان و شوکت کا تھا۔ اب اگر گورمنٹ الیی مردہ اور از کار رفتہ عمارتوں کو صاف نہ کروائے تو پھر نئی دلی کے واسطے زمین کہاں سے آئے اور خدائی فتویٰ

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت　　رفت منزل بدیگرے پرداخت

کیوں کر صادق آئے۔ زمانہ بدل گیا۔ ہمارا طرز زندگی بدل گیا۔ ہماری ضروریات بدل گئیں۔ غرض یہ کہ آسمان بدل گیا اور زمین بدل گئی۔ یہ عمارتیں اگر باقی رکھی جائیں تو اس زمانے میں کس کام کی ہیں۔ لہذا ان کا مٹا دینا ہی اقتضائے ضرورت وقتی ہے۔ اب صرف انہیں عمارتوں کی نگہداشت کی جاتی ہے جن سے کوئی اہم تاریخی واقعہ متعلق ہے یا کسی اولوالعزم بادشاہ کی یادگار ہیں۔ رہیں ایسی ویسی پچکلیاں اُن کی خدمت گزاری کدال پھاوڑے سے کرنے کے

سوائے گزر نہیں ان بوسیدہ اور ناکارہ عمارتوں کی بجائے اب نئے نئے خوش نما ہوادار مکانات کوٹھیاں۔ پارک بنیں گے جن میں بجلی کی روشنی جگمگائے گی برقی پنکھے فروغ چلیں گے۔ سوڈا لمینڈ کی گاگیں ونادن اڑیں گی۔ اب وہ زمانہ لد گیا کہ جب ان دقیانوسی ڈیزائین کی عمارتوں کی ضرورت اور قدر تھی جب وہ قدردان ہی نہ رہے تو اب ان مکانات کو بیکر کیا کرنا ہے۔

مسجد سی پائنٹ

نمبر پی ۱۵۱۔ اگرسین کی باؤلی سے سیدھے چلے جائیے تھوڑی دور آگے پل کرو راہ ملے گا۔ اجمیر گیٹ بارہ کھمبے سے سی ڈی، روڈ، بعد رائے سینا اکس پائنٹ، راہ سی پائنٹ مہرولی وغیرہ، دلی دروازہ

یہیں یہ مسجد جس کے سامنے بڑا قبرستان ہے۔ مسجد کے گرد سوائے مسجد اور قبور کے جسے محاط کردیا ہے دوسری عمارتیں گراکر میدان صاف کردیا گیا ہے یہ مسجد تین دروں کی لداوی ہے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے۔ دو طرفہ ایک ایک چھوٹی سی برجی ہے چھت کے اوپر کنگورے دار منڈیر ہے اصل مسجد ۳۰×۱۱ فٹ بیچ کی محراب ۸×۶ فٹ ہے۔ سامنے گچ کا پختہ چبوترا ۳۱×۱۵ کا ہے۔ صحن مسجد کے سامنے متعدد پختہ قبریں ہیں یہاں کی چند قبروں پر گچ ہی میں نہایت بدخط نام گھسیٹ دیئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) ہاتفے گفت بحکم اللہ رفت بفردوس علیم النار

فیاض بیگم فخر جہاں مرزا محمد سراج الدین مرادآبادی۔

سی پائنٹ اور اکس پائنٹ

رائے سینا میں پختہ سڑکوں کا ایک جال بچھ گیا ہے بہت سی سڑکیں بن گئیں بہت سی زیر تعمیر ہیں یہاں کے نام حروف تہجی کے نام سے مشہور ہیں یہ ایک ۲۶ مربع اور تیرہ فیٹ اونچا چبوترا تقسیم ارضی کا نشان حال کا بنا ہوا ہے جس پر تیرہ سیڑھیاں چڑھ کر جاتے ہیں۔ اس چبوترے کے اوپر تین فیٹ اونچے پول پر ایک آہنی اسکیل لگا ہوا ہے۔ یہ مقام پرانے قلعہ اور گورمنٹ ہاؤس کے بیچ میں ہے۔ اسی طرح سڑک کے غربی آخری سرے پر اکس پائنٹ ہے۔ یہ مقامات سروے (پیمائش) کے نشانات ہیں۔

ایک درگاہ نما ٹیلہ

نمبر پی ۱۴۳۔ اکس پائنٹ پر۔ وِتی گیٹ کے سڑک کے اخیر بائیں طرف ایک بلند ٹیلے پر چار چار در باقی ہیں۔ یہ عمارت سنگ خارا کی ہے۔ خواہ کوئی مقبرہ رہا ہو یا درگاہ۔ نیم کا ایک درخت بھی اوپر

ایک کونے میں ہے۔ ٹیلا چو طرف سے کاٹ ڈالا گیا ہے۔ معلوم نہیں اصلی حیثیت کیا تھی بہرحال یہ بھی ہے کوئی مذہبی مقام جو محفوظ کیا گیا ہے چبوترے کو جو چو طرف سے تراشا ہے تو سڑک کی جانب چبوترے کے حصے کو غور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دو کاسہ سر نصف نصف تراش میں آگئے ہیں اور نصف مٹی میں جمے ہوئے باقی ہیں۔ اس کے آگے قطب روڈ مل جاتی ہے۔

قطب روڈ اور ریلوے لین کے بیچ کے میدان کی عمارتیں

اوپر والے چوراہے کی بائیں طرف بجانب شرق نظر دوڑائیے تو یکے بعد دیگرے عمارتوں کا سلسلہ ریلوے لین تک چلا گیا ہے جو منشی طوطا رام خزانچی اور نائی کی حویلیوں پر ختم ہوتا ہے وہیں سے بابر پور کو سڑک چلی گئی ہے۔ پھر بابر پور سے ہم شارع عام قطب روڈ پر آن ملے ہیں۔ اس نواح کی عمارتوں کا ذکر اسی ترتیب سے کرتے ہیں جیسی کہ وہ واقع ہیں مگر سلامت ان میں سے کوئی بھی نہیں سب بہت خراب و خستہ حالت میں ہیں۔ ان عمارتوں کو اگر گورمنٹ مسلمانوں کی عبادت گاہ اور مقابر سمجھ کر درست نہ بھی کرائے تو ان کا اپنی حالت پر چھوڑ دینے کا بھی وہی نتیجہ ہے جو آج گرا دینے سے ہوتا یعنی چند سال نہ گزرنے پائیں گے کہ ان کا عدم وجود خود بخود برابر ہو جائے گا۔ مُردے کی نعش کو آخر کب تک سنبھال کر رکھیں گے کیوں کہ وہ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى[1] کا مصداق ہے۔ خاک ضرور ایک دن خاک میں مل جانے والی ہے۔

منہدم مسجد

اوپر والی سڑک کے کنارے بائیں ہاتھ کی طرف بجانب مشرق یہ مسجد لداؤ کی ہے۔ ۲۵×۱۱ ۱/۲ فٹ تین در کی ہے۔ بیچ کا در ۷ فٹ ۴ اونچا۔ ۴ فٹ چوڑا ہے۔ اب زیادہ تر حصہ مسجد کا گر کر صرف ۲۳ فٹ باقی رہ گیا ہے۔ بیچ میں بڑا گنبد تھا جس کی چھت قلمدان نما لمبوتری لداوی تھی۔ ادھر ادھر آر بیچ تھیں۔ فرش منبر چبوترا سب معدوم ہے۔ موجودہ حالت یہ ہے:-



[1] (لوگو!) اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا اور (مرنے کے پیچھے) اسی میں تم کو لوٹا کر لائیں گے اور اسی سے (قیامت کے دن) تم کو دوبارہ نکال کھڑا کریں گے۔ ۱۲

دوسری منہدم مسجد

نمبر ۱/۱۸۲ یہ مسجد ایک بہت اونچے ٹیلے پر واقع ہے۔ جس پر پختہ چبوترا تھا جو اب ایسا ڈھ گیا ہے کہ اوپر پہنچنا بھی مشکل ہے۔ یہ مسجد تار کے کھم نمبر ۹۵۳/۲ اور ۲ کے محاذی قلعۂ کہنہ کے غربی دروازے کے سامنے ریلوے لین کے اس طرف ہے۔ مسجد پتھر چونے سے بنی ہوئی ہے پلاستر بالکل جھڑ گیا۔ اندر کا فرش بھی اکھڑ گیا۔ اندر سے تین گنبد تین در ہیں اوپر سے چھت سپاٹ ہے۔ برجیاں بھی باقی نہیں رہیں۔ مسجد کا بہت سا حصہ گر کر چبوترے ہی پر بڑے بڑے ڈھیم پڑے ہوئے ہیں موجودہ حالت یہ ہے:-

مغرب

شمال ......ادہر کی آدھی دیوار گرگئی ادہر کی دیوار گرگئی...... جنوب

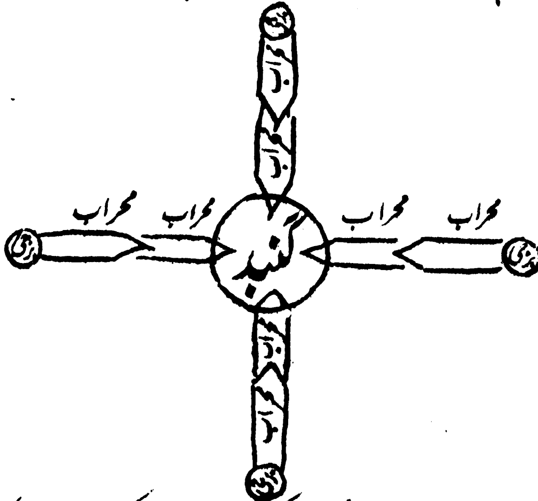
مشرق

گنبد اندر سے پھٹ کر بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی ہیں بہت جلد بیٹھ جانے والے ہیں۔ محرابوں پر اندر باہر کلمۂ طیبہ کے طغرے تھے چنانچہ بیچ کے در اور اندر دالان کے پیش طاق پر دو طرفہ اب بھی طغرے باقی ہیں چھت اور محرابوں پر نہایت نفیس گلکاری چونے میں کی ہوئی ہے۔ اندر کی چھوٹی طاق نما دیوار دوز محرابوں پر دو طرفہ طغرے تھے جن کا صرف نشان رہ گیا ہے حروف جھڑ کر کچھ کچھ باقی رہ گئے ہیں۔ مسجد کے اندر رنگین کام تھا جس کا کچھ باقی ماندہ حصہ چھوٹی محرابوں پر رہ گیا ہے۔ مسجد ۳۵ف۹ × ۱۳ - ۹ ہے۔ درمیانی محراب ۱۰ف × ۸ - ۲ ہے۔ بلندی مسجد کی (۲۷ف) ہے۔ سامنے چبوترا تھا جو منہدم ہوگیا۔ روکار پر باہر کی محرابوں کے دو طرفہ بھی طغرے تھے۔ آرچوں کے عمق میں قینچی کا کام ہے۔ یہ مسجد دو منزلہ تھی جب نیچے کی منزل کی یہ گت بنی ہے تو اوپر کا کیا کہنا وہ حصہ تو سارے کا سارا گر کر چھت پر مسجد کی چھت کی دیوار کی طرف صرف ایک محراب باقی رہ گئی ہے۔ زینہ بائیں طرف تھا جو بالکل گر گیا ایک سیڑھی بھی باقی نہیں رہی۔

ہیجڑوں کا گنبد

اوپر والی مسجد سے کوئی سو سوا سو قدم ریل کی سڑک کے بائیں طرف یہ گنبد ہے لوگوں کی زبان پر تو یہی چڑھا ہوا ہے۔ در اصل کیا بات ہے خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم نے جو نام سنا لکھ دیا ع زبانِ خلق کو نقارۂ خدا کہئیے

یہ گنبد تار کے کھم نمبر ۹۵۲/ ۲۳-۲۴ کے مابین ہی۔ ساری عمارت سنگ خارا اور اینٹوں کی ہی۔ یہ گنبد بڑا عالیشان اور بہت اونچا ہی لیکن بہت شکستہ حالت میں ہی۔ اندر تمام گچ کا پلاستر تھا جس میں کا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ گنبد کی استرکاری کی چھلیں گر گئیں۔ اور نری لکھوری اینٹیں نکل آئیں۔ گنبد کی چند یا میں اتنا بڑا سوراخ پڑ گیا ہی کہ آسمان نظر آتا ہی۔ یہ بندش کی خوبی ہی جو اس حالت میں بھی کھڑا ہی اور خدا جانے کب تک کھڑا رہے گا۔ چاروں طرف ایک ایک بلند محراب دار دروازہ ہی۔ جو کھٹیں چاروں طرف کی لوگ اکھاڑ لے گئے۔ فرش ذرا بھی نہیں ہیچ نشانوں پر سے معلوم ہوتا ہی کہ کئی قبریں تھیں اب تو صرف ٹوٹے ٹوٹے ایک قبر کا تھوڑا سا رہ گیا ہی وہ بھی گنبد کے وسط میں نہیں ہی بلکہ ایک طرف ہٹا ہوا ہی۔ اب یہ گنبد کبوتروں کا ہیڈ کوارٹر ہی۔ اُنھوں نے بھی خوب مامن تلاش کیا ع ہیچ آفت نرسد گوشہ تنہائی را۔ گنبد اندر سے ۲۵ فٹ مربع ہی۔ اندر کی آرچ ۱۵ فٹ ۔ ۹ انچ × ۲ فٹ ۔ ۹ انچ ہی اونچان ناپی نہیں جا سکتی کہ زینہ جو شمالی محراب میں تھا گر گیا۔ چاروں طرف کی محرابوں پر برجیاں ہیں گرد پختہ چبوترا تھا جس کا صرف نشان ہی نشان رہ گیا ہی سطحی نقشہ یہ ہی:۔



اسی لین میں تیسری مسجد

تار کے کھم نمبر ۹۵۲/۲۲ کے محاذی۔ یہ بھی بالکل شکستہ ہی ۵۷ × ۱۶ فٹ طول و عرض ہی۔ تین گنبد تین در۔ بیچ کی محراب ۱۲ فٹ ۴/۳ × ۸ فٹ ۲/۱ ہی۔ بیچ کے گنبد میں دو سوراخ پڑ گئے ہیں جواب چلنے کی علامت ہی۔ سامنے چبوترا تھا جواب نہیں رہا۔ مسجد کے گرد ایک وسیع اور پختہ احاطہ بھی تھا جس میں بجانب شرق دروازہ تھا جس کی صرف ایک اونچی محراب کھڑی ہی۔ دوسری گر گئی جس کے گرتے ہوئے دو جسیم

یہیں پڑے ہیں۔ مسجد کے دونوں طرف زینہ تھا جو بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا۔ ایک آدھ سیڑھی اوپر کی باقی رہ گئی ہے۔

منشی طوطارام خزانچی کی حویلی

جی آئی پی ریل کی سڑک پر دلی سے آتے ہوئے داہنی طرف نمبر ۹/۵۲ تار کے کھمبے کے سامنے

ایک بہت عالیشان اور وسیع پختہ چار دیواری کھڑی ہے۔ دریافت سے معلوم ہوا کہ کوئی منشی طوطارام فرخ سیر بادشاہ کے زمانے میں (۱۷۱۳–۱۹ء) خزانچی تھے اُن کی یہ حویلی ہے مگر یہ زبانی تکے ہیں جن پر مشکل سے بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال یہ حویلی تھی کسی بڑے امیر کی۔ اندر جا کر دیکھو تو نرا کھنڈر ہے سوائے چار دیواری کی اونچی اونچی دیواروں کے اور کچھ باقی نہیں دو طرف کی دیواریں بھی گر گئیں صرف شمال جنوب کی باقی ہیں صحن سارا جنگل ہو گیا ہے جس میں گھاس اور کانٹوں کے سوا کچھ نہیں ہے صحن کا طول و عرض ۱۴۱ x ۷۴ فٹ ہے۔ دیواریں سر بفلک ہیں جن پر نیچے سے لیکر اوپر تک طاق ہی طاق بنے ہوئے ہیں۔ صدر دروازے کی طرف ایک شہ نشین کے کچھ آثار ہیں۔ اندر چینی کا کام تھا چنانچہ ایک چھوٹا سا ٹکڑا چینی کا اب پر نیلا کام تھا ہم کو شہ نشین کے ملبے کے ڈھیر میں ملا۔ اطراف شمال کی طرف ۹ فٹ ۲/۱ چوڑی تیلری ہے صدر دروازہ جنوب کی طرف تھا جو گر گیا صرف ایک پاکھا شمال کی طرف کا کھڑا ہے جس میں اوپر اور چول پھنسانے کی ایک سوراخ دار کڑی موجود ہے۔ دوسرا پاکھا گر گیا ہے مگر اس کی بیٹھک کا نقشہ موجود ہے جس سے دروازے کی چکلان ۱۴ فٹ معلوم ہوتی ہے۔ اوپر کی محراب گر گئی پاکھے پر سے بلندی کا اندازہ ہو سکتا ہے ۔ چھت ہی باقی نہیں تو اوپر چڑھنے کی کیا سبیل رہی۔ یہ مکان اس طرز کا بنایا گیا ہے کہ پہلے تہ خانے کی طرح کی لداؤ کی کوٹھریاں کوٹھریاں بنا کر اُن پر عمارت کھڑی کی ہے چنانچہ مغرب کی طرف تین در کٹے ہیں اندر جا کر دیکھا تو دور تک کوٹھریوں کا سلسلہ چلا گیا ہے اور نیچے کی منزل کو کوئی گز ند نہیں پہونچا ہے۔

اس کے بعد قریب ہی نائی کی حویلی ہے۔ موقعی نقشہ یہ ہے۔

حویلی منشی طوطارام کی		بابرپور
سڑک	سڑک	
	نائی کی حویلی	
ریل		منڈی مسجد کی سڑک

نائی یا حجام کی حویلی

منڈی مسجد کے پیچھے نائی یا حجام کی حویلی کی چار دیواری ہے یہ عمارت تار کے کھمبنبر ۹۵۲/۸ کے سامنے ہے۔ وضع قطع اسکی بھی منشی طوطارام کی حویلی کی سی ہے۔ مگر اُس سے چھوٹی ہے اور اِس کی چار دیواری سلامت ہے جس میں نیچے سے اوپر تک طاقوں کی بھرمار ہے۔ نیچے سے اوپر تک طاقوں کی چار قطاریں ہیں نیچے کی تین بڑے بڑے طاقوں کی ہے۔ باقی تین قطاروں میں چھ چھ لٹے چھوٹے طاق ہیں خدا جانے ان دونوں حویلیوں کی چھتوں میں کیا نقص تھا جو چھتوں ہی پر زوال آیا۔ دونوں عمارتیں ایک ہی زمانے کی بنی ہوئی معلوم دیتی ہیں اور دونوں ایک ہی لپیٹ میں آئی ہیں حویلی کے نیچے تہ خانہ ہے۔ غربی رُخ جدھر دروازہ تھا وہ بالکل گر گیا۔ پیش میں دالان در دالان چاروں طرف ایک ایک حجرہ اور سہ دریاں ہیں۔ نقشہ نظری یہ ہے۔

سڑک ——————— سڑک

۱۱×۷ ½	مغرب	۱۱×۷ ½
۷×۷ ۱۰	۳۷ فٹ مربع	۷×۷ ۱۰
۱۱×۷ ½	۲۸×۷ ½ دالان	۱۱×۷ ½
	۲۸×۷ ½ دالان	

دہلی سے ——————— نظام الدین اولیا
ریل کی سڑک

پیش دالان اور بغلی دالانوں اور حجروں کے پختہ چبوترے موجود ہیں۔ دونوں حویلیوں کی چھت کا ملبہ بالکل نہیں ہے صحن میں گھانس بھر گئی ہے اور جنگلی خودرو جھاڑ جھنکار اُگ آئے ہیں۔ سامنے سڑک پر ڈھیر کے ڈھیر روڑی کے کٹے ہوئے لگے ہیں جو سڑکوں کے کام آتے ہیں۔

سچ کہا ہے ۔ لَهُ مَلَكٌ يُنَادِي كُلَّ يَوْمٍ - لِدُوا لِلْمَوْتِ وَابْنُوا لِلْخَرَابِ[۱]

[۱] خدا کی طرف سے ایک فرشتہ ہمیشہ دنیا میں منادی کرتا رہتا ہے کہ جو مرنے کے لیے یعنی جو پیدا ہوتا ہے وہ ایک دن ضرور مرے گا یا یوں سمجھو کہ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا ہے وہ قبر کا گڑھا بھی لامحالہ دیکھے گا اور اسی طرح عمارتیں بھی کیسی پختہ بنا ؤ تو وہ بھی ایک ایک دن اُجاڑ ہوں گی پڑی رہیں گی وہی معنی كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے بھی ہیں۔ ۱۲

دنیا عجیب مقام ہے فنا کا بازار گرم ہے۔ یہاں بڑے بڑے بادشاہوں کا کھوج نہیں ملتا۔ بڑی بڑی عالی شان عمارتوں کے بنانے والوں کا ڈھونڈے پتہ نہیں ملتا۔ اسی نواح میں ہزار ہا روپیہ کی تیاری کے نفیس گنبد موجود ہیں معلوم نہیں ہوتا کہ کن کے ہیں تو بیچارہ نائی کس شمار قطار میں تھا۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ اُس کا نام چلا جاتا ہے۔ زمانے نے ان کی بھی حجامت کردی۔ رہے نام اللہ کا۔ ؎

دنیا عجیب مرحلۂ بے ثبات ہے   ہر ایک ذی حیات کو آخر ممات ہے
یاں امن ایک لحظہ نہ دن ہے نہ رات ہے   جس کو فنا نہیں ہے وہی ایک ذات ہے

بیٹھی ہے موت تاک لگائے کمین میں
لے جائیگی یہ کھینچ کے آخر زمین میں

ایسا مکاں بناؤ کہ بن کر گرا نہ ہو   پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہ ہو
ہے کوئی حال جس میں تغیر ذرا نہ ہو   حادث نہ ہو تو مدخلِ چون وچرا نہ ہو

فانی ہر ایک چیز ہے فانی جہان ہے
مقصود اس فنا سے مگر امتحان ہے

بابر پور کا ڈزرٹڈ ولیج[۱] حجام کی حویلی سے کوئی دو فرلانگ پر بابر پور نام کا ایک گاؤں ہے۔ رائے سینا میں بے حد و بے شمار سڑکیں نکالی گئی ہیں غرض ایک سڑک اس موضع تک بھی ہے۔ گاؤں کے قریب پہنچ کر بڑی عالی شان اور پختہ حویلیاں نظر آتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی چھوٹا سا شہر ہوگا جب تو اس میں ایسے پختہ اور خوش نما مکان ہیں مگر اندر جاؤ تو ویران سنسان آدمی کا نام نہیں۔ اسی واسطے ہم نے اسے ڈزرٹڈ ولج یعنی اجڑا ہوا گاؤں لکھا ہے۔ بابر پور کا نام بابر بادشاہ کی طرف خیال دوڑاتا ہے۔ اس خطہ کو کچھ نہ کچھ تعلق اُس زمانے سے رہا ہوگا۔ جب تو یہ نام پڑا۔ غرض ہے قدیم اور پرانی بستی۔ گو اب بہت ہی مختصر ہے۔ بستی میں گھستے ہی پہلے تو ایک عالی شان پختہ عمارت ملتی ہے جو چوپال کے نام سے مشہور ہے۔ ہربنس سنگھ یہاں کے

---

[۱] ایک انگریز مشہور شاعر گولڈ اسمتھ نے اس نام کی ایک کتاب لکھی ہے جو بہت مشہور ہے۔ لغوی معنے اس کے دہ گاؤں ہے کہ جس کو لوگوں نے چھوڑ دیا ہو۔ ۱۲

زمیندار تھے جو عالی ہمت ہونے کے علاوہ خوش سلیقہ اور خوش مذاق بھی معلوم دیتے ہیں۔ یہ چوپال جو بطور ایک مہمان سرائے یا دھرم سالے کے ہے انھیں کی بنائی ہوئی ہے نیچے دوہرے دالان کا سہ درہ ہے جس کے بغلی میں ایک ایک حجرہ ہے۔ دالانوں کی لمبان ۱۸ فٹ اور دونوں دالانوں کی چوڑان ۱۲ فٹ ہے چھت قلمدان نما لداؤ کی ہے۔ بالائی منزل پر بارہ سیڑھیاں چڑھ کر جاتے ہیں اوپر بھی اسی قسم کا مکان ہے جیسے کہ نیچے ہے اور دو منزلہ کی چھت پر چڑھنے کی بارہ سیڑھیاں اور ہیں۔ پہلی منزل کی بلندی (۱۱ ف) ہے۔ اور دو منزلہ ملالیں تو ۲۲ فٹ۔ ہے عمارت خوش نما اور چونے گچی کی پختہ بنی ہوئی ہے اور درست حالت میں ہے۔

ہربنس سنگھ کی کچہری اور حویلی اس چوپال سے لگا ہوا کچہری کا عالی شان مکان ہے جس کا صدر دروازہ شمال رویہ ۹-۹ فٹ اونچا ۷ ۱/۲ چوڑا اور گیارہ فیٹ گہرا ہے جس میں دو طرفہ ایک ایک درہ بنا ہوا ہے۔ چھت قلمدان نما لداوی ہے۔ چوک میں پختہ اور وسیع کمرے بنے ہوئے ہیں۔ احاطہ پختہ ۱۰۵×۷۰ ف ہے۔ اب اس میں مالی لوگ رہتے ہیں اور یہی زراعت کرتے ہیں وہ بھی صرف دو بھائی ہیں اور اُن کے بال بچے اور ایک مسلمان کا گھر ہے۔ اللہ اللہ خیر صلاّ۔ اسی کے سامنے ہربنس سنگھ کی بڑی عالی شان اور وسیع سربفلک حویلی کھڑی ہے جس میں آدمی کا نام نہیں۔

جگتا کی حویلی اسی کے پاس ہربنس سنگھ کے بھتیجے جگتا کی حویلی ہے وہ بھی کچھ کم نہیں اور اسی طرح سارے مکان خالی پڑے بھائیں بھائیں کر رہے ہیں اور گاؤں کو دیکھ کر ڈر معلوم ہوتا ہے۔ ایک ہُو کا عالم ہے۔ مالی کھیتی باڑی کو چلے جاتے ہیں تو اور بھی بھیانک ہو جاتا ہے۔

دو گنبد گاؤں سے لگے ہوئے کوئی پچاس قدم کے فاصلے سے شمال کی طرف کھیتوں میں ایک ہشت پہل گنبد ہے جو اندر سے ۲۰ فٹ مربع ہے۔ چار طرف دروازے ۷ فٹ اونچے ۴ چوڑے ہیں کلس۔ قبر۔ فرش سب ندارد۔ چوطرف گھانس اور کانٹی نے ایسا اپنا عمل دخل کیا ہے کہ وہاں تک پونہچنا ہی مشکل ہے۔ اس گنبد کے پاس ہی بجانب غرب ایک اور بڑا بھاری گنبد تھا جو گر پڑا مگر اُس کے بڑے بڑے بھاری ڈھیم جو وہیں پڑے ہوئے ہیں اُس کی عظمت اور شان کو بتلا رہے ہیں۔ اس کا چبوترا ۱۲ فٹ مربع اپنی

چھاتی پیران ڈھیموں کا بوجھ دھرے اب بھی موجود ہے۔ دونوں گنبدوں کا کچھ پتہ نہیں کہ کس کے تھے۔

جھالرا باغ گاؤں کے پچھواڑے مشرق کی طرف کوئی پانسو قدم پر کھیتوں میں اس نام کا ایک باغ تھا جس کے پختہ چبوترے۔ نالیاں۔ کنوئیں اور کچھ درخت اب بھی موجود ہیں۔

مسجد نمبر ۳۴۴۔ اسی میں ایک عالی شان اور نہایت ہی خوش نما ستھرا پایا سنگ سرخ کی بہت مستحکم اور خوش قطع بنی ہوئی ایک مسجد ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ بیچ کا گنبد بڑا اِدھر اُدھر کے دو چھوٹے۔ کلس باقی نہیں۔ مسجد دُہرے دالانوں کی ہے۔ طول ۵۴ فٹ اور دونوں دالان ملاکر ۲۸ فٹ عرض۔ یہ مسجد سہ در ہے۔ اندر کے دالان کے بیچ کی محراب ۱۰ فٹ اونچی اور ۸ فٹ ۸ انچ چوڑی ہے اور باہر کے دالان کی بیچ کی محراب کی اونچان ۱۲ فٹ ۱/۲۔ دو طرفہ تیرہ تیرہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ مسجد کا ارتفاع ۳ فٹ ہے سامنے چبوترا جس پر لکھوری اینٹ کا فرش ہے ۵۴ × ۲۹ فٹ ہے اور اندر دالانوں میں بھی اینٹ ہی کا فرش ہے۔ اجارے تک سنگ سرخ اور سنگ باسی لگا ہوا ہے اُس کے اوپر اینٹ پتھر اور چونے کی عمارت ہے۔ اندر کے دالان کی چھت لداؤ کی ہے بیچ میں گول گنبد اور پھر قلمدان نما لبوتری چھت پھر چھوٹی گنبد نما چھت پھر محراب پھر جالی ہے۔ نقشہ یہ ہے:-

جالی محراب بڑا گنبد محراب جالی

اس کے سامنے بنگڑی دار محرابیں جن کے در چوکھن اینٹ پتھر کے تھم ہیں۔

محرابوں کے سامنے پھر دوسرا دالان جس کی چھت میں سنگ سرخ کی سلیں پٹی ہوئی ہیں۔ ادھر اُدھر منیار نما برجیاں ہیں۔ ایسی تو نفیس مسجد اندر کے دالان میں کھانا پکا پکا کر دالان اور

چھت کو بالکل سیاہ کرکے تباہ کر دیا ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

بابرپور سے قطب روڈ تک کی عمارتیں

ایک عالی شان نامعلوم مسجد اور پل

یہ مسجد گو کہ اب جنگل اور ایسی جھاڑی میں کھڑی ہے کہ وہاں تک پہنچنا بھی متعذر ہے لیکن ع شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے در کار نیست۔ گھٹنا گھاس اس طرح لپٹتی اور گوکھرو ایسی خبر لیتے ہیں کہ پیچھا چھوڑانا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی معمولی مسجد نہیں بلکہ بڑی عالیشان خوش نما پختہ بنی ہوئی ہے۔ بابرپور سے سیدھی سڑک ہم نے پکڑی جو قطب روڈ کو جا ملتی ہے اس پر بائیں ہاتھ کی طرف یہ مسجد ہے۔ پہلے ایک پل ملتا ہے جو اس مسجد کے مشرق میں ہے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ ڈاٹ کا پل کیسا ہے اور پر روڈ ڈیم بنا ہوا ہے۔ یہ سارا پل سنگ خارا کا ہے اس کا ایک دروازہ بھی تھا جس کا صرف ایک اونچا سا پاکھا رہ گیا ہے کبھی یہاں کوئی سڑک ہوگی اور نشیب تو یہاں ہے ہی برسات میں پانی جمع ہوتا ہوگا۔ اس کا یہ پل ہے مسجد پتھر اینٹ چونے کی ہے سنگ خارا اور سنگ سرخ دونوں اپنے موقع سے لگائے گئے ہیں یہ مسجد دو منزلہ تھی زینہ گر گیا۔ اوپر کی منزل بالکل باقی نہیں رہی یہ مسجد طول و عرض میں ۴۷×۱۲ فٹ اور بغلی ہر طرف ایک ایک حجرہ ۱۲×۱۰ فٹ ہے۔ تین در ہیں بیچ والا بڑا ادھر ادھر کے بالنسبت چھوٹے ۱۲ فٹ اونچان اور ۷ فٹ چوڑان ہے۔ اندر رنگ کا کام تھا جو سب جھڑ جھڑا گیا۔ اس مسجد میں زیادہ تر کام گچ میں ہی کیا گیا ہے۔ ندرت جو اس مسجد میں ہے وہ یہ ہے کہ گنبدوں کے جوف میں بے نظیر کنول کے پھول بنائے ہیں اور اتنا بڑا پھول بنایا ہے کہ اندرونی حصے گنبد کو سارا گھیر لیا ہے۔ اتنا بڑا پھول اور ایسا خوش نما بنانا کہ بھدا نہ ہو بڑی کاریگری ہے اسی طرح محراب کے مجوف حصے میں بھی بے نظیر گلکاری کی ہے۔ افسوس ہے کہ بڑا حصہ پلاستر کا جھڑ گیا جو رہ گیا ہے اس کے دیکھنے سے بھی دل پھڑک جاتا ہے۔ سامنے پختہ چبوترا طول و عرض ۴۸×۴۱ فٹ اور چھ فیٹ اونچا ہے جس کی بندش سنگ سرخ کی تھی مگر گر گئی۔ گرد کارنس اور چوڑا چھجہ تھا وہ بھی گر گیا مسجد کے شمال و جنوب میں ایک ایک وسیع دالان تھا۔ ان کی بھی چھت نہ رہی۔ شمال کے دالان کے تین در تھے اور جنوب کے دو۔ ان دالانوں کا طول و عرض ۳۱×۱۲ فٹ ہے۔ یہ مسجد گو

اتنی بڑی ہی مگر نفاست اور نزاکت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ جتنا اس کے بنانے میں تکلف کیا گیا تھا اب اتنی ہی اس کی مٹی پلید ہوئی ہی۔ اس کی دیواروں کی گلکاری دیکھیے کہ ایک باغ کھلا ہی اس کا پلاستر ایسا کہ نظر پھسلتی ہی اس کا فرش ایسا سطح پختہ کہ جس پر دیدہ فرش راہ ہو اور صرح ممرد من قواریر[۵۱] کا گمان ہو آج اُس پر گوبر کے اُپلے پاتھ کر تھوپے جائیں نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا[۵۲]

دُھائی محرابیں

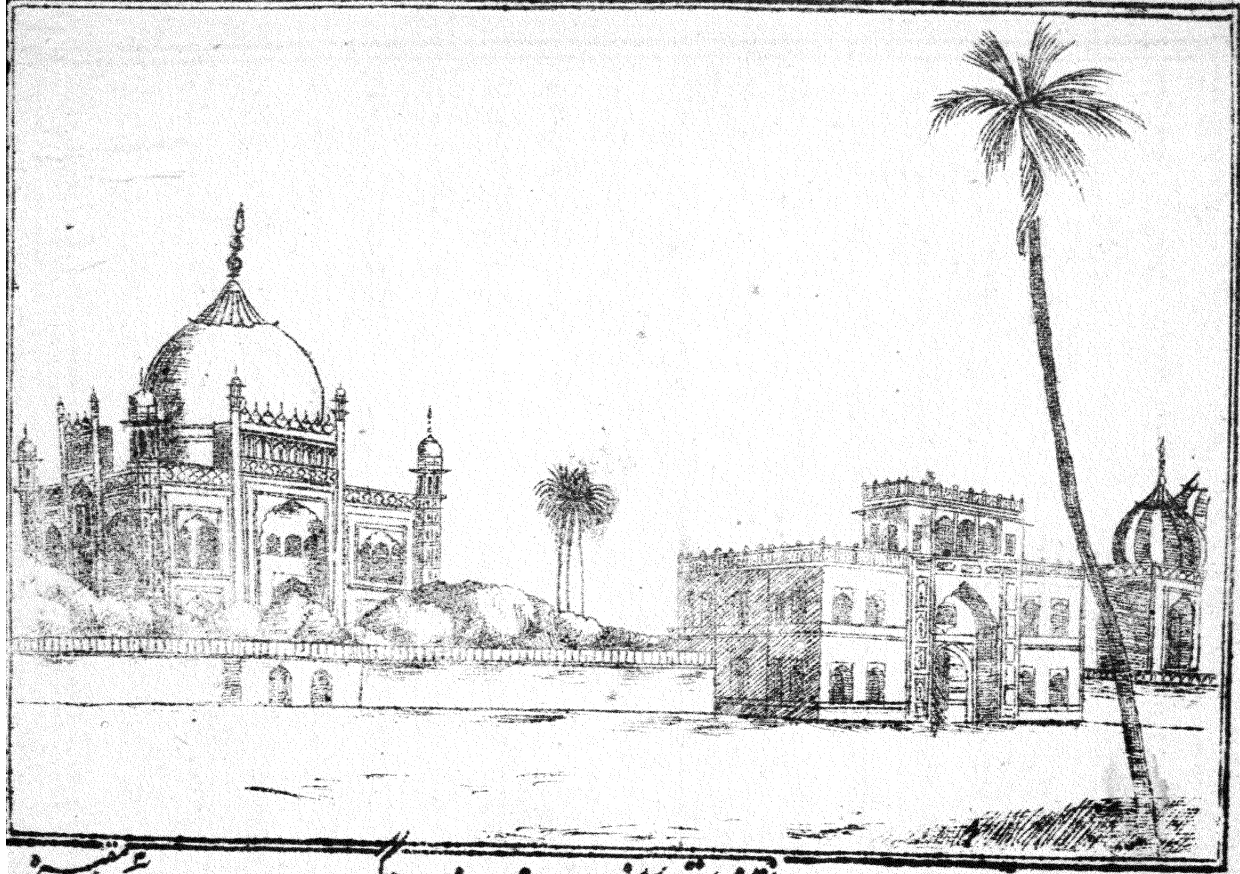
اس مسجد کے شمال مشرق کے کونے پر سڑک سے ذرا ہٹا ہوا ایک کھنڈر ہی جس کی اونچی اونچی دو محرابیں کھڑی ہیں اور ایک محراب کا صرف نصف حصہ اور ایک پا کھڑا ہی۔ باقی ندارد معلوم ہوتا ہی کہ کوئی بڑا مکان یا محل تھا جو کھد کھدا گیا تھوڑا سا حصہ اپنی حالت پر خدا جانے کیوں چھوڑ دیا ہی یہ بھی کوئی دن کی ہوا کھاتا ہی۔

صفدر جنگ کا مقبرہ
۱۱۶۷ھ
۱۷۵۳ء

دل سے دنیا کے ولولے جاتے ہیں
اک آن میں طوطی کے تلے جاتے ہیں
ہر راہ بہشت کتنی ہموار انیس
بند آنکھ کیے لوگ چلے جاتے ہیں

ابو المنصور صفدر جنگ سعادت علی خاں صوبہ دار اودھ کا برادر زادہ اور اُن کا قائم مقام تھا۔ یہ ایرانی نژاد تھا اور اپنے چچا کی طلبی پر ہندوستان میں آیا اور چچا ہی کی بیٹی سے اس کی شادی ہوئی۔ نادر شاہ کی غارت گری کے بعد جب ہندوستان میں پھر امن چین ہوا تو دربار دہلی میں صفدر جنگ کا طوطی بولنے لگا۔ نظام الملک نے جب احمد شاہ بادشاہ کی وزارت سے معافی چاہی تو منصور خاں کو قلمدان وزارت اور خطاب صفدر جنگ سے سرفرازی ہوئی۔ صفدر جنگ ایک معمولی قابلیت کا آدمی تھا لیکن مشیران شاہی کی چرب زبانی نے اُس کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ غازی الدین پسر نظام الملک البتہ ایک ذی ہوش صاحب ہمت و جرات اُس کی ٹکر کا آدمی تھا اور صفدر جنگ اُس کے مقابلے میں ہر طرح ہیٹا تھا۔ صفدر جنگ کو لوگوں نے کچھ ایسا جھمیلے میں ڈالا کہ اُس کو وزارت کے عہدہ عظمیٰ سے دست کش ہی ہونا پڑا اور وہ جب تک زندہ رہا سازشوں کا

[۵۱] یہ تو شیش محل ہی جس کے فرش میں بھی شیشے ہی جڑے ہوئے ہیں۔ ۱۲
[۵۲] ہم اپنے نفسوں کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی بدیوں سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ ۱۲



۱۔ دروازہ — نقشہ مقبرہ منصور عرف صفدر جنگ — ۲۔ مقبرہ

شکار رہا اور آخر کار ۱۱۶۷ھ ۱۷۵۴ء میں انتقال کیا اور اُس مقبرے میں جو قطب صاحب کی سڑک پر دہلی سے چھ میل ہے مدفون ہوا۔ یہ مقبرہ بالکل ہمایوں کے مقبرے کی طرز کا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اُس کے بانی کا عندیہ بھی ہمایوں کے مقبرے کا جواب بنانے ہی کا تھا۔ یہ مقبرہ ایک بہت وسیع باغ کے بیچ میں ایک بلند چبوترے پر جس کے نیچے محراب دار کوٹھریاں ہیں بنا ہوا ہے۔ گنبد سنگ مرمر کا ہے جس کے چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں۔ لیکن یہ مقبرہ شان و شوکت اور دل آویزی میں ہمایوں کے مقبرے سے ہر حال میں گھٹا ہوا ہے۔ اور اس میں اُس میں وہی فرق ہے جو ایک بادشاہ اور وزیر میں ہونا چاہیئے۔ بقول مسٹر کین کے "یہ مغلوں کی فن عمارت کی آخری بڑی کوشش ہے"۔ باغ متعلق یہ مقبرہ تین سو مربع گز ہے۔ صدر دروازہ باغ کے مشرق میں ہے جس میں خدام مقبرے کے رہنے کے حجرے بنے ہوئے ہیں۔ احاطے کی تین طرف کی دیواروں کے بیچ میں وسیع دالان بنے ہوئے ہیں جن میں اکثر لوگ ٹھیرا کرتے ہیں۔ باغ کے چاروں کونوں پر ہشت پہلو برج بنے ہوئے ہیں جن کا ایک رُخ چھوڑ کر تینوں جانب سنگ سرخ کی مشبک جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ صدر دروازے کے پیچھے شمال کی طرف تین گنبدوں کی عالی شان مسجد از سرتا پا سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے۔ مقبرے کا بڑا چبوترہ ۹۰ فٹ ۷ مربع اور سطح باغ سے ۱۳ فٹ ۱/۲ اونچا ہے۔ سیڑھیاں (۱۴) اطراف سنگ سرخ کا جالی دار کٹہرا ۳ فٹ ۸ انچ اونچا اصل مقبرے کے چھوٹے چبوترے کی کرسی ۳ فٹ کی ہے۔ اس مقبرے کے چبوترے کے نیچے تہ خانہ کے اندر بیچ میں صفدر جنگ کی اصلی قبر ہے۔ مقبرہ کی عمارت ساٹھ فیٹ مربع اور نوے فیٹ اونچی ہے جس کے بیچ کے بیس فٹی مربع کمرے میں ایک نہایت خوب صورت سنگ مرمر کے تعویذ کی قبر ہے۔ تعویذ کا پتھر بہت شفاف مجلّی اور نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ اس بیچ کے کمرے کے گرد اور آٹھ کمرے ہیں جن میں سے چار مربع ہیں اور چار ہشت پہل۔ گنبد کے اندر کا فرش اور دیواریں اجارے تک سنگ مرمر کی ہیں۔ بیچ کے کمرے پر جو گنبد ہے وہ اندر سے چالیس فیٹ بلند ہے۔ جس طرح اول منزل میں کمرے ہیں اسی کے جواب میں اوپر کی منزل میں بھی کمرے ہیں۔ گنبد کوٹھی دار سنگ مرمر کا ہے جس کے کونوں پر سنگ مرمر کی مینار یں ہیں۔ گنبد کے چاروں رخ ایک ہی وضع اور ایک ہی قسم کی آرائش کے ہیں جن میں سنگ مرمر کی پٹیاں جڑی ہوئی ہیں۔ گنبد کے سامنے ایک کتبہ سنگ [illegible] نہر [illegible] کے فوارے

ٹوٹ گئے ہیں اور پانی ندارد ہے۔ یہ مقبرہ شجاع الدولہ نائب السلطنت اودھ نے اپنے باپ صفدر جنگ کے لیئے زیر اہتمام سدّی بلال محمد خاں تین لاکھ روپئے کے صرفے سے بنوایا تھا۔ شرقی جانب کے گنبد کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

یا اللہ

چو آں صفدر عرصۂ مردمی زدارِ فنا گشت رحلت گزیں

چنین سال تاریخ او شد رقم کہ یا داً مقیم بہشت بریں

اس مقبرے کے چاروں طرف چار دروازے ۹ فٹ ½ اونچے اور چھ فیٹ چوڑے ہیں۔ اندر کے دروازوں میں کواڑوں کی جوڑیاں جڑی ہوئی تھیں چنانچہ چولوں کے سوراخ اب تک باقی ہیں مگر کواڑ ندارد۔ لمبے کمرے ۲۷ فٹ – ۵ × ۱۵ انچ – ۲۔ چھوٹے کمرے ۱۵ فٹ – ۳ انچ مربع۔ باہر کی محراب کے سامنے کا چبوترا ۲۰ فٹ – ۸ ½ انچ ہے۔ جس حجرے میں قبر ہے وہ ۲۷ ½ فٹ مربع ہے اور فرش سنگ مرمر کا ہے۔ قبر کا چبوترا ۸ فٹ – ۷ انچ مربع ہے۔ قبر کا تعوید نہایت شفاف سنگ مرمر کا ہے۔ قبر ۶ فٹ – ۴ انچ × ۲ فٹ – ۹ انچ اور ۲ فٹ – ۵ انچ اونچی ہے۔ صرف مشرق کی طرف دہلیز میں ایک سل سنگ مرمر کی ۸ فٹ – ۷ انچ × ۱ فٹ – ۵ انچ ایسی ہے جس میں رنگین پھول پتیوں کا عمدہ کام پچیکاری کا کیا ہوا ہے اور کسی طرف فرش میں نقش و نگار نہیں ہیں۔ مقبرے کے گرد کے چھوٹے بڑے کمروں کی چھتیں لداؤ کی ہیں مگر چھتوں کے اندر بہت نفیس گلکاری کا اُبھرا ہوا کام کیا ہے۔ جو دیکھنے کے قابل ہے۔ قبر والے حجرے میں جو سب سے بڑا اور درمیانی ہے چاروں طرف چار خوش نما شہ نشین ہیں۔ اب اوپر کی سیر کیجیے پہلی منزل تک پہنچنے کے لیئے (۲۵) سیڑھیاں ہیں اور دوسری منزل کی (۲۰)۔ درمیانی منزل کے چو طرف زینے ہیں اور دوسری میں صرف ایک جانب۔ گنبد کو دوہرا سمجھیئے اور چھت پر بھی ایک نہایت خوش نما برج بنا ہوا ہے اور اسی کا وہ قبہ ہے جو دور سے سفید سفید نظر آتا ہے۔ اس برج کے چار دروازے ۷ فٹ – ۸ انچ اونچے۔ ۴ فٹ – ۱۰ انچ چوڑے ہیں۔ اس طرح چار دروازے اور چار دیوار دوز محرابیں جملہ (۸) ہوئیں۔ برج میں تین سیڑھیاں چڑھ کر داخل ہوتے ہیں۔ ۲۹ فٹ قطر ہے۔ ہر ثمن ضلع ۸ فٹ – ۱۰ انچ ہے۔ گنبد کی بیرونی بندش سنگ مرمر کی سلوں کی ہے جن کی کلاسی اس خوب صورتی اور نفاست سے ملائی ہے کہ دور سے ایک سفید انڈا معلوم دیتا ہے مگر اب کئی سلیں نکل گئیں اُن کی بجائے سنگ خارا کی سلیں لگا کر تھوپا تھاپی

کر دی ہے یعنی کمخواب میں گاڑھے کا پیوند لگا یا ہے جو چغلی کھاتا ہے مگر اب تو یہ پیوند بھی لبا غنیمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو گنبد بیٹھ ہی جاتا۔ یہ گنبد کوٹھی دار اور پھیلا ہوا ہے مگر بھدا ہے۔ وہ سڈول پنا اور نزاکت جو ہمایوں کے مقبرے کے گنبد میں ہے اس میں نہیں۔ چھت کے چاروں کونوں پر ایک ایک ہشت دری برجی سنگ سرخ کی ہے جس کی چار سیڑھیاں ہیں۔ ان برجیوں پر سنگ مرمر کا کلس ہے۔ سُرخی میں سفیدی عجب لطف دیتی ہے۔ برجیوں کا قطر ۹ فٹ ۱/۲ جن کا ہر در ۷ فٹ ۵ انچ اونچا اور ۲ فٹ ۱۰ انچ چوڑا ہے۔ باہر ۲ فٹ ۳ انچ کا حاشیہ اُس کے آگے ۱ فٹ ۵ انچ اونچا سنگ سرخ کا جالی دار کٹہرا۔ دروازوں پر بڑی خوب صورت ہشت دری چار سیڑھی اونچی دو طرف ہے جس کے (۹) طاق نما در آگے اور (۹) پیچھے۔ بیچ میں ۳ فٹ ۸ انچ کا فصل۔ اُن دروں کی اونچائی ۳ فٹ ۱۰ انچ اور چوڑان ۲ فٹ ۱۱ انچ اور محرابیں بنگڑی دار۔ جس منڈیر پر یہ در بنے ہوئے ہیں وہ ۲ فٹ ۱/۲ اونچی ہے۔ اِن دروں پر کنول کے پھول کے اوپر نو چھوٹی چھوٹی برجیاں مع کلس سنگ مرمر کی ہیں جیسے لالٹینوں کے ہنڈے اسی قسم کی برجیاں قلعہ اور جامع مسجد کے دروازوں پر بھی ہیں۔ سامنے چبوترا ۱۳ فٹ ۱۰ انچ × ۷ فٹ ۱ انچ × ۱۰ ہے جو ۲ فٹ ۸ انچ اونچا ہے۔ اوپر کی منزل مع جالی دار کٹہرے کے ۲ فٹ ۷ بلند اور نیچے کی منزل بھی اسی کے برابر۔ اب نیچے آیئے تو تہ خانہ ہے جو اسی بلند چبوترے کے نیچے بنا ہوا ہے۔ چاروں طرف سترہ سترہ در ہیں۔ بائیں طرف سے گیارہویں در میں چبوترے پر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں۔ چودھویں اور پندھرویں در کے بیچ میں کنواں ہے۔ سامنے گرد ہر طرف بجری کا چبوترا ۹ فٹ ۷ × ۱ × ۶ فٹ ۱ انچ ۷ کا ہے۔ ساتویں در میں تہ خانہ کا رستہ ہے جس کے حجرے میں یکے بعد دیگرے چھ دروازے طے کر کے پونہچتے ہیں۔ یہ حجرہ جس میں اصلی قبریں ہیں ۲۲ فٹ ۱/۲ مربع ہے۔ اس میں دو کچی قبریں ہیں مگر اوپر ایک ہی ہے۔ مقبرے کے چاروں طرف صحن باغ میں ۲۶۲ فٹ ۶ انچ لمبے۔ ۱۳ فٹ ۳ انچ چوڑے ۵ فٹ ۳ انچ گہرے حوض ہیں جن کی تہ کچی ہے اور بیچ میں کئی فوارے لگے ہوے ہیں۔

تین طرف تین سہ دریاں ہیں جو بجائے خود عمدہ اور قابل دید عمارتیں ہیں۔ جنوب کی سہ دری **موتی محل** شمال کی بادشاہ پسند مغرب کی **جنگلی محل** اس وجہ سے کہلاتی ہے کہ اس طرف کالا پہاڑ ہے۔ اور مشرق میں صدر دروازہ ہے۔ کمپونڈ کے چاروں کونوں پر چار مثمن برج ہیں وہ **ساون بھادوں** کہلاتے ہیں ان میں ہر طرف سنگ سرخ کی جالیاں ایسی باریک اور نازک لگائی ہیں کہ ان کی تراش بجائے خود حیرت انگیز ہے۔ دور

سے دیکھو تو اُن جالیوں میں سے آسمان پر ابر کی جھلملاہٹ نظر آتی ہے اور اسی واسطے ساون بھادوں کہلاتے ہیں۔ ان برجوں کا قطر ۱۵ فٹ ۳ انچ ہے ضلع ۷ فٹ لمبا۔ گرد ۲ فٹ جگہ چھوڑ کر ۲ فٹ اونچا جالی دار کٹہرا اور ہر در میں جالیاں۔ احاطہ کی دیوار پختہ ۱۱ فٹ اونچی ہے جس میں ۱۰ فٹ × ۸ فٹ ۵ انچ طول و عرض کے طاق ہیں۔ یہ دیوار فصیل نما کنگورہ ۳ فٹ ۹ انچ اونچا ہے۔ اوپر چڑھنے کا زینہ گج کا (۱۹) سیڑھیوں کا ہے چار سیڑھیاں چڑھ کر ایک چبوترا ۱۳۷ × ۱۹ فٹ ۳ انچ اونچا ہے جس پر سہ دری بنی ہوئی ہے۔ نقشہ نظری یہ ہے:-

[نقشہ: حوض ۹ مربع — پیش دالان — دالان — زینہ اوپر جانے کا — ہشت پہل کمرہ — قلمدان نما چھت کی کوٹھری]

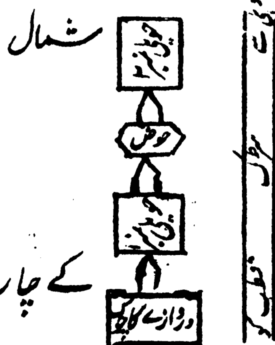
ایک طرح پر (۱۵) طاق سوا ہوں [illegible] کی جگہ قلمدان نما چھت کی کوٹھری پھر (۱۵) طاق اس کے آگے سہ دری اور پھر بڑی [illegible] کا حال سنیے جو بادشاہ پسند ہر کونے پر چھوٹی سہ دریاں۔ آب شمالی [illegible] ہے اور اسی طرح کی دوسری سہ دریاں بھی

سہ دری کے باہر کے درِ [illegible] پایہ ہیں ۱۳ × ۷ فٹ اور محراب بنگڑی دار ہیں۔ دونوں دالان [illegible] اور ۸ فٹ ½ چوڑے ہیں۔ دالان کی بغلی سہ دریوں کے در ۳ فٹ چوڑے ہیں [illegible] سیڑھیاں چڑھ کر ہشت پہل کمرے میں پہنچتے ہیں جو سہ دری کی پشت کی طرف ہے اور ایک بالانشین کے بنا ہوا ہے۔ اس کا قطر [illegible] ہے اور [illegible] کی نہایت نفیس جالیاں لگی ہوئی ہیں جن سے چاروں طرف کی سیر دکھلائی دیتی [illegible] برج کا لطف ملتا ہے بغلی سہ دریاں ۱۳ - ۱۰ - ۶ × ۹ فٹ ہیں [illegible] ۱۳ فٹ مربع چھت [illegible] عمارت کی کل بلندی ۲۷ فٹ اگر دو چوڑا چھجہ۔ اوپر جانے کے زینے کے پاس جو کمرہ ہے وہ ۱۳ - ۱۹ × ۹ فٹ ہے اور اسی میں (۱۹) سیڑھیوں کا زینہ ہے کونے میں کی سہ دریاں بہ نسبت وسطانی سہ دریوں کے چھوٹی ہیں۔ بیچ میں ایک ہشت پہل کمرہ ۱۳ مربع ہے جس کا طول و عرض ۲۳ فٹ ½ × ۱۱ فٹ ۳ انچ ہے۔ در ۹ × ۶ ہیں۔ سرے پر

ایک طرف زینہ دوسری طرف پائخانہ۔
شرق رویہ دروازہ۔ سہ منزلہ ہی۔ پہلی منزل کی (۲۳) ۔ دوسری کی (۱۷) ۔ تیسری کی (۱۶) سیڑھیاں ہیں۔ پہلی منزل کی چھت ۱۷ × ۱۷ طول و عرض میں ہی اور ارتفاع ۱۱ فٹ ۔ گرد سنگ سرخ کا کٹہرا ہے اونچا جالی دار ہی۔ دوسری منزل کا صحن قریب ۴۲ فٹ کے مربع ہی۔ اس پر ایک چھوٹی مگر خوش نما سہ دری ۱۷ × ۹ ہی جس کی محرابیں بنگڑی دار ہیں جس کے بغل میں دو کوٹھریاں ۸ × ۱۰ فٹ ہیں۔ سہ دری کے سامنے برآمدہ ۱۶ × ۸ فٹ ہی جس کے آگے ایک جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہی۔ بیچ میں سنگ مرمر کا کٹہرا ہی اور ادھر ادھر سنگ سرخ کا۔ یہ سہ دری گویا صدر دروازے کا نشیمن ہی۔ دروازے کی بلندی ۵۰ فٹ کی ہی۔ تیسری یعنی سب سے نیچے کی منزل کی بلندی ۲۰ فٹ ہی اور اسی میں دروازے پر دو طرفہ سہ دریاں ہیں اور چاروں طرف چار چار حجرے ہیں مگر یہ حجرے مختلف طول و عرض کے ہیں (۱) ۱۱ فٹ مربع۔ (۲) ۱۱ × ۸ فٹ۔ (۳ و ۴) بھی دوسری کے مماثل۔ یہ دونوں سہ دریاں ۲۵ × ۱۲ فٹ ہیں اور جن میں کوٹھریاں ہیں وہ ۱۱ × ۸ فٹ اور انھیں میں سے ایک میں زینہ ہی۔ شرق رخ کی سہ دری کی چھپت کی دیوار میں ایک نشیمن بھی ہی۔ صدر دروازے کے چہار طرف بلند محرابیں ہیں شمال کی طرف دو بڑی حویلیاں ہیں جو خواص پورہ کے نام سے مشہور ہیں ان کے بیچ میں ایک مثمن بنا ہوا حوض ہی جس پر اندر وار بڑا بھاری گنبد ہی اوپر سپاٹ اور مسجد کا صحن ہی۔ ان حویلیوں میں سات سات در کے دالان مشرق و مغرب میں ہیں۔ شمال کا دالان دوگہا ہی جس کے تین در ہیں۔ بیچ میں وسیع مستطیل صحن ۶۱ × ۴۳ کا ہی۔ آگے سنگ سرخ کا حوض بیچ میں فوارہ۔ حوض کے چاروں طرف تین تین دروں کے گنبد دار چھت کے دالان ہیں۔ حوض کا ہر ضلع ۱۱ فٹ لمبا ہی۔ عمق ۴ فٹ گنبد کی چھت میں بھی ایک سوراخ رکھا گیا ہی جو صحن مسجد میں نکلتا ہی اور اسی سوراخ میں سے مسجد کے لیے اوپر پانی چڑھایا جاتا تھا اب اس پر ایک جالی دار سل ڈھکی ہوئی ہی۔ حوض کے چو طرف ۱۷ فٹ ۹ انچ کی گیلری ہی۔ فرش سنگ تارا کی سلوں کا ہی۔ مسقف حوض کا شمالی دروازہ دوسری حویلی نمبر (۲) میں جانے کا رستہ ہی اور جنوبی حویلی نمبر (۱) میں یہ دروازے ۱۲ × ۱۰ فٹ ہیں اور اسی حویلی کا جنوبی دروازہ صدر دروازے میں پھوٹتا ہی۔ حویلی نمبر ا صدر دروازے سے ملی ہوئی ہی۔ ان حویلیوں کے دالانوں کی اونچان ۱۵ فٹ ہی۔ حویلی نمبر (۱) میں مقبرے کا

دربان رہتا ہے اور حویلی نمبر (۲) میں وہ بیل باندھے جاتے ہیں جو منبرے کے باغ کے متعلق ہیں اور یہیں بھس بھی بھرا ہوا ہے۔ حوض کے متذکرہ بالا دروازوں کے سوا ایک دروازہ مشرق رویہ سڑک کی طرف ہے جس کو چوبی کواڑ لگے ہوئے ہیں۔ مشرق ہی کی طرف زنان خانے میں سے مسجد میں آنے کے سولھا سولھا سیڑھیوں کے دو زینے ہیں اور یہی زینے اوپر جاکر پھٹ جاتے ہیں ایک طرف زنان خانے میں نافذ ہیں اور دوسری طرف مردانے میں یعنی سڑک کی طرف نکل جاتا ہے۔ غرض یہ لداؤ کا حوض بالکل سنگ بست اور بڑا مضبوط ہے جو دراصل مسجد کا حوض ہے اور اس خوبی سے بنایا ہے کہ اوپر صحن مسجد اور نیچے حوض جو مسجد اور حویلی والوں دونوں کے کام آتا تھا۔ اب اوپر چل کر مسجد دیکھیے۔ جو بہت عالی شان اور وسیع نہایت پختہ سنگ سرخ کی آج کی بنی ہوئی معلوم دیتی ہے۔ صحن مسجد ۶۶ف × ۷۵ ہے۔ چوکوں کا فرش ہے۔ تین نبگڑی دار دروں اور تین گنبدوں کی مسجد ہے کلس سنگ مرمر کے ہیں۔ دو برجیاں ادھر ادھر مینار نما ہیں۔ جو شش دری ہیں اور بیچ محراب کے کی دو برجیاں چار دری ہیں۔ مسجد کا دالان ۵۴½ × ۱۲ف ۔ ۸ا ہے بغلی میں ایک ایک حجرہ ۱۲½ × ۵ف ۔ ۹ا ۔ محرابوں کے روکار پر سنگ مرمر کی عمودی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں ۔ بیچ کی محراب ۱۱ف ۔ ۳ا چوڑی ہے اور مسجد کی بلندی چھت تک ۲۵ف ہے۔ تین سیڑھیوں کا سنگ باسی کا منبر ہے۔ شمال کی طرف (۲۰) سیڑھیوں کا زینہ اوپر جانے کا ہے۔ شمال جنوب میں مسجد کے احاطے کی پختہ دیوار ۶ف ۔ ۸ا اونچی ہے اور مشرق کی طرف ۳ف اونچی منڈیر ہے۔ نیچے حوض اوپر مسجد ہونے سے کرسی بہت اونچی دی گئی ہے اس وجہ سے اور زیادہ دل کشا ہو گئی ہے۔ اتنی بڑی اور ایسی خوبصورت مسجد اور کتبہ کوئی بھی نہیں غالبًا کتبے لگانے کی نوبت نہیں آئی۔

صدر دروازے کا ذرا سطحی نقشہ دیکھ لیجیے:۔



یہ چوک ۴۸ف ۔ ۹ا مربع ہے جس کے چاروں طرف تین تین محرابیں

ایسی ہی ہیں جیسی کہ ہم نے شمال کی طرف بتلائی ہیں۔ مشرق کی طرف یعنی سڑک کے پاس دہلی
سے آتے ہوئے داہنے ہاتھ کو مقبرے کا صدر دروازہ ہے جو مغرب کی جانب مقبرے
کے صحن کے کمپونڈ میں کھلتا ہے۔ ہر سہ جانب ان تینوں محرابوں کا عمق ۲۲½ ہے۔ دروازے
کی گہرائی ہیں، دو طرفہ صحنچیاں ہیں جن میں دو دو کوٹھریاں بھی رکھی ہیں۔ اس چوک
پر بڑا بھاری گنبد ہے۔ اور اس کے چاروں طرف بھی سہ دریاں ہیں۔ دروازے کے
پٹ بھی اُسی زمانے کے کی پتیوں سے جڑے ہوئے بڑے مضبوط ہیں۔ دروازے
سے باہر سڑک کے متوازی دو طرفہ ایک قطار حجروں کی ہے جس کے بیچ میں دروازہ
ہے۔ اس طرح:۔

سہ دری
نشستیں
صدر دروازہ
حجرے
دو منزلہ
(۱۵) طاق نما حجرے
صدر دروازہ
(۱۵) طاق نما حجرے
دہلی سے (ڈیڑھ میل) قطب

اِس مقبرے کی تعمیر میں تین لاکھ روپیہ صرف ہوا ہے۔

موضع خیرپور کے حدود میں لودھیوں کے مقبرے

دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا — کس کس کا نہ یاں زمانہ دیکھا
برسوں رہا جن کے سر پہ چترِ زریں — تربت پہ نہ اُن کے شامیانہ دیکھا

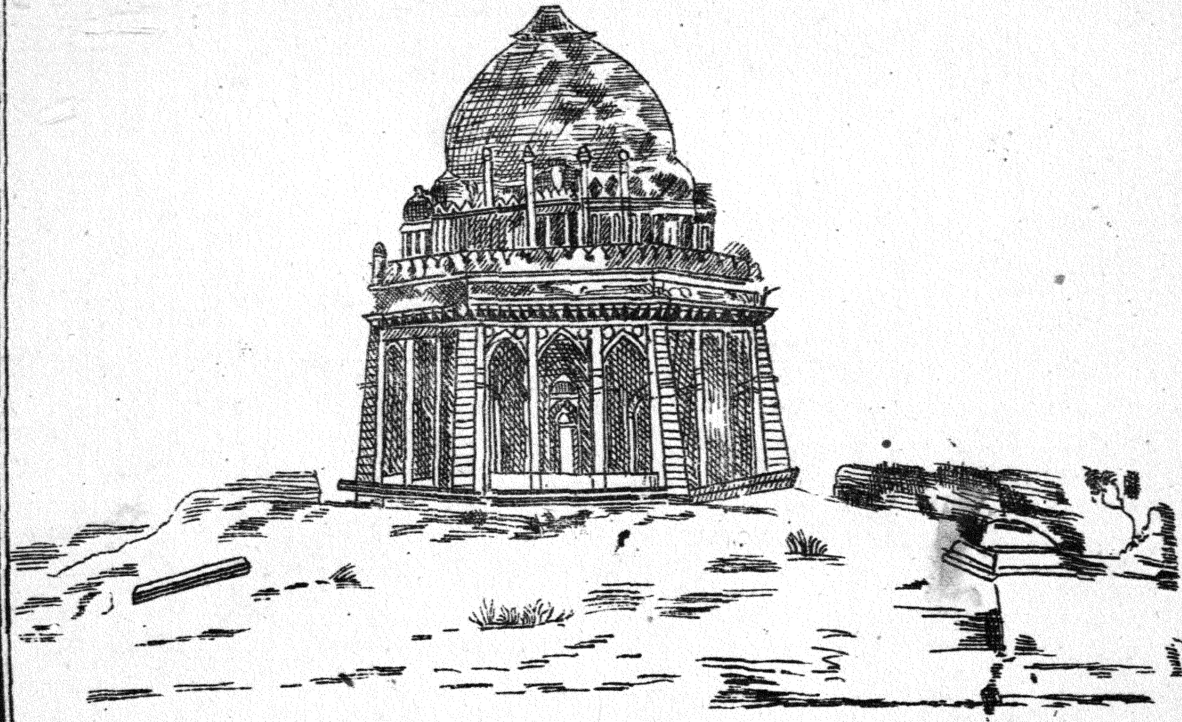
مقبرۂ سلطان محمد شاہ
سنہ ۸۴۹ھ — ۱۴۴۵ء

صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے اُس سڑک کے کنارے جو اس مقبرے سے نظام الدین کو گئی ہے۔ اس سڑک کی بائیں جانب جو کئی اونچے اونچے گنبد نظر آتے ہیں یہی لودھیوں کے مقبرے کہلاتے ہیں اور یہ

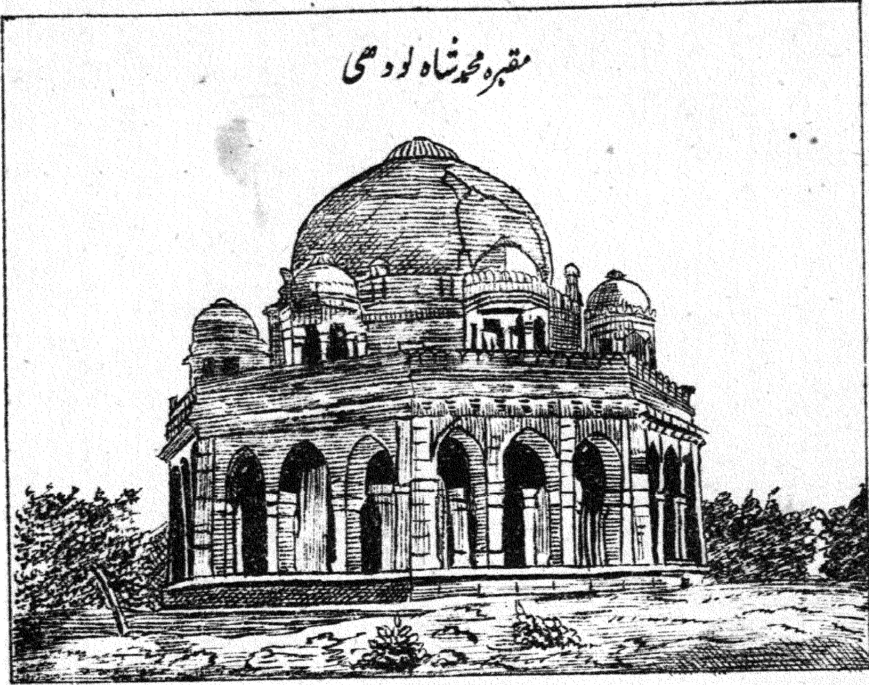
اور زمین بھی موضع خیرپور کی ہے۔

موضع خیرپور میں کل چار مقبرے ہیں جن کا بیان علیحدہ علیحدہ کیا جاتا ہے۔ پہلا گنبد جو ہمایوں صفدر جنگ روڈ میل (۱) فرلانگ (۳) پر داہنی طرف سڑک سے ملا ہوا ہے وہ بالکل صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے ہے۔ یہاں سے صفدر جنگ کا مقبرہ صرف پانچ فرلانگ رہ جاتا ہے۔ خاندان سادات کے تیسرے بادشاہ محمد شاہ کا ہے۔ یہ گنبد ہشت پہل ہے جس کا کلس ٹوٹ گیا ہے اس کا قطر[۵] اندر سے ۳۵ ہے۔ گنبد کی چھت میں اوپر وار سولہ طاق ہیں جن میں سے چار تو کھلے ہوئے ہیں اور باقی بند ہیں۔ ان سب طاقوں کے دو طرفہ اللہ اللہ لکھا ہوا ہے۔ گنبد کی چھت پر۔ سب سے اوپر کے چھوٹے دائرے میں جسے چند یا سمجھنا چاہیے گیروی زمین پر سفید حرفوں میں آیۃ الکرسی مع بِسْمِ اللّٰہِ فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ تک ہے۔
بڑے دائرے میں بِسْمِ اللّٰہِ۔ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ تا آخر سورۂ حشر۔ (پارہ ۲۸) پھر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ختم پر اَلْوَارِثُ الرَّشِیْدُ الصَّبُوْرُ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَاِلَیْکَ الْمَصِیْرُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُ الْعَالَمِیْنَ الصَّادِقُ الْمُصَدِّقُ الْاَمِیْنُ۔
اس گنبد کے آٹھوں دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں تھیں اُن میں سے اب ایک بھی باقی نہیں رہی۔ سرکار کی طرف سے اب تار کی جالیاں لگا دی گئی ہیں کہ کبوتر وغیرہ نہ گھسیں اس گنبد کے اندر آٹھ قبریں ہیں جن کی اصلی حیثیت نہیں معلوم ہو سکتی کیوں کہ از سر نو سب پر گچ گرا دی گئی ہے۔ کسی قبر پر کوئی کتبہ نہیں ہے۔
اس مقبرے کی نسبت سر سید لکھتے ہیں کہ "منصور کے مقبرے کے سامنے ایک برج ہے بہت خوش نما۔ اس برج کی عمارت اور مبارک پور کوٹلے کے برج کی عمارت اور عیسیٰ خاں کے گنبد کی عمارت ایک ہی سی ہے اگرچہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ برج کس کے وقت کے ہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ پٹھانوں کے وقت کی ہیں۔ کوئی امیر ہوں گے جن کے نام سے یہ گاؤں آباد ہوا اُن کا یا اُن کے لواحقوں کا یہ گنبد ہو گا۔ غرض کہ اس کی عمارت بھی بہت خوب اور نہایت عمدہ ہے"۔
ہشت پہل گنبد والا کا طرز کچھ ایسا مقبول عام ہوا ہے کہ اس طرز کے اکثر گنبد ہیں

[۵] فرگسن صاحب نے جو قطر قریب [illegible] اس فیٹ کے لکھا ہے وہ غالباً غلام گردش [illegible] ملا کر [illegible]



نقشۂ مقبرۂ خیرپور



مقبرہ محمد شاہ لودھی

خصوصاً لودھیوں کے۔ ان کی بنا کردہ عمارات میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ گو آیات کلام مجید کثرت سے منقوش ہیں مگر اپنے نام کا کتبہ کسی نے بھی نہیں لگایا اور اسی سبب سے یقینی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ کون سا برج کس کا ہے مگر ہیں سب لودھی خاندان ہی کے۔

ہمارے خیال میں سرسید مرحوم کو مغالطہ ہوا ہے کہ اس گنبد کو نامعلوم لکھا ہے۔ دراصل یہ گنبد خاندان سادات کے تیسرے بادشاہ محمد شاہ کا ہے۔ کیوں کہ موضع خیر پور میں سب ملا کر چار ہی گنبد ہیں پہلا یہ ہے۔ دوسرا وہ ہے جس کے ساتھ وہ بے نظیر مسجد لگی ہوئی ہے جس کا بہت بڑا گنبد دار دروازہ ہے اور تیسرا موضع خیر پور کے شمالی کنارے پر وہ ہے جس پر کاشی کی نیلی سلیں لگی ہوئی ہیں البتہ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ کس کا ہے اور اس سے آگے چار سو گز کے فصل سے بہت بڑے احاطے کے اندر چوتھا مقبرہ سکندر بہلول لودھی کا ہے۔ سرسید کا بنایا ہوا نقشہ جس کو وہ نامعلوم گنبد قرار دیتے ہیں آثارالصنادید سے نقل کروایا گیا ہے اور دوسرا نقشہ محمد شاہ بادشاہ کے گنبد کا گارڈن رنلی سرن صاحب کی کتاب "سون سٹینرز آف دہلی" کا ہے۔ دونوں کو ناظرین بالمقابلہ ملاحظہ فرمالیں ہیں دونوں ایک جس سے یقینی طور پر ثابت ہوگیا کہ جس گنبد کا پتہ سرسید کو نہیں لگا وہ دراصل محمد شاہ کا ہے علاوہ اس کے ایک دلیل اور ہماری اس رائے کی تصویب کی یہ بھی ہے کہ سرسید نے محمد شاہ کے مقبرے کا کہیں ذکر ہی نہیں کیا۔ اور نہ اُس ٹیلوں والے مقبرے کا ذکر کیا جو بہت عالی شان اور بڑی مسجد کے قریب میں ہے سلطان بہلول لودھی کا مقبرہ حدود روشن چراغ دہلی میں ہے اُس کا بیان اپنے موقع مناسب پر کیا گیا ہے۔

محمد شاہ پنجم ابن فرید خاں بن خضر خاں ۹۔ رجب ۸۳۷ھ ۱۴۳۴ء سے ۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء تک حکمراں رہا۔ سادات کا تیسرا بادشاہ تھا جس کا مقبرہ سواد موضع خیر پور میں منصور کے مقبرے کے سامنے اپنے چچا اور سابق بادشاہ سلطان معزالدین ابوالفتح بن خضر خاں کے مقبرے سے تھوڑی دور ہے کچھ عرصے تک محمد شاہ نے بہلول خاں لودھی گورنر دیپال پور[1] کے حملوں کی خوب مقاومت کی۔ لیکن

[1] دیپال پور منٹگمری کے ضلع میں بیاس کے پرانے شکم پر پاک پٹن سے (۲۸) میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ اوکاڑہ کے ریلوے اسٹیشن سے (۱۷) میل جنوب میں ہے۔ جنرل کننگھم کی تحقیقات کے بموجب اس کو راجہ دیو پال نے آباد کیا تھا لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ راجہ کون سے زمانے میں تھا۔ کننگھم صاحب کہتے ہیں کہ بطلیموس نے جو ڈیڈالہ شہر لکھا ہے وہ یہی دیپال پور تھا۔ فیروز شاہ تغلق یہاں ایک نہر کاٹ کر لایا تھا اور اُس نے ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی تھی۔
(بقیہ نوٹ دیکھو صفحہ ۵۰ پر)

بادشاہ کی طرف سے لوگ کچھ ایسے پر دل تھے کہ دہلی سے بیس کوس کے حلقے میں جو جو امرا تھے سب نے کھلی بغاوت کی اور آخر کار سنہ ۸۴۹ھ ۱۴۴۵ء میں محمد شاہ نے وفات پائی اور اسی موضع میں دفن ہوا اور یہ مقبرہ اُس کے بیٹے علاء الدین عالم شاہ نے بنوایا جو نرا پتھر اور چونے کا ہے اور قطع اس کی بہت نفیس ہے۔ اندر کا مکان اور باہر کی غلام گردش اور برجیاں بہت خوب صورتی سے بنائی گئی ہیں۔ یہ مقبرہ بالکل مبارک شاہ کے مقبرے کی طرح کا ہے اس لیئے اس کی مزید توضیح غیر ضروری ہے۔ فرگسن صاحب نے اپنی کتاب ہسٹری آف آرکیٹکچر جلد دوم کے صفحہ (۶۵۳) پر اس مقبرے کے متعلق لکھا ہے کہ "یہ ایک ہشت پہلو مقبرہ ہے جس کا قطر قریب پچاس فیٹ کے ہے اور گرد غلام گردش ہے جس کے ہر طرف تین تین لمبوتری محرابیں ہیں جو وضع پٹھانوں کے عہد سے مخصوص تھی"

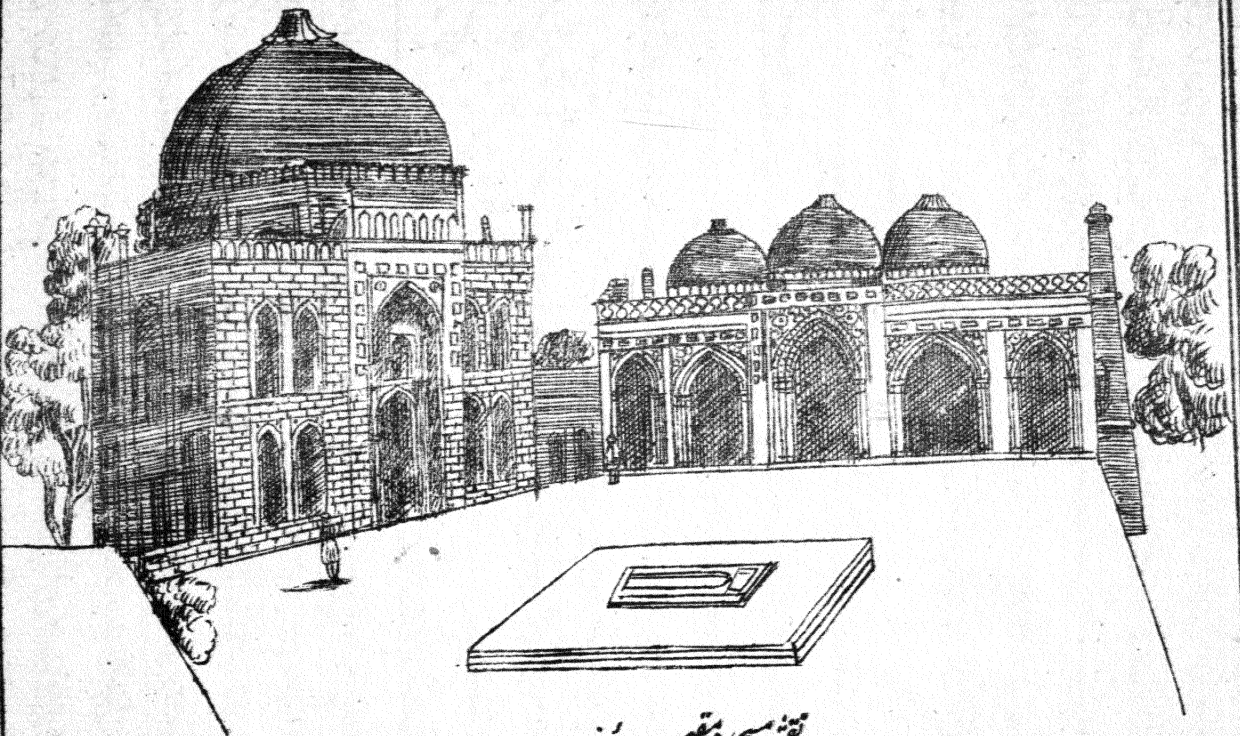
مسجد

اس مقبرے کے شمال میں بہت دور نہیں قریب ہی ایک چھوٹی سی سہ دری مسجد ہے جس کے احاطے کے اندر ایک کنوئیاں بھی ہے۔ احاطے کی صرف ایک غربی دیوار رہ گئی ہے باقی ٹوٹ ٹاٹ گئی۔ اس مسجد کا چبوترہ جو ۸½ اونچا ہے مال کا بنا ہوا ہے۔ مگر یہ مسجد کچھ اوپر والے مقبرے کے متعلق نہیں ہے بلکہ اُس سے جدا ہے۔

خیرپور کا نامعلوم گنبد اور مسجد تخمیناً سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء

اس میں تو شک نہیں کہ یہ مقبرہ اور مسجد لودیوں کے وقت کی ہے اور تخمیناً سنہ ۹۵۰ھ ۱۵۴۳ء یعنی قریب قریب زمانہ شیر شاہ کے بنی ہوئی ہے اگرچہ اس کے بنانے والے کا نام تحقیق نہیں ہوا لیکن اس میں کچھ شک نہیں رہا کہ لودیوں کے وقت کے کسی امیر کا جس کے نام پر یہ گاؤں آباد ہے یہ مقبرہ ہے اور اُسی کی یہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۹) سلاطین مغلیہ سے پہلے غلاموں اور خلجیوں کے وقت میں یہ پنجاب کا دارالخلافہ رہا ہے کیوں کہ اُن دنوں میں چنگیز خانی مغلوں کے پے در پے حملوں کے روکنے کے لیئے لاہور اور ملتان کے بیچ میں ایک ایسے شہر کی ضرورت تھی جہاں سے دونوں طرفوں کا انتظام آسانی سے ہو سکے۔ پرانے شہر کے کھنڈر اب بھی جنوب مغرب کی طرف واقع ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مضافات کی بستیوں کے علاوہ خاص شہر تین میل کے رقبے میں بستا تھا۔ موجودہ شہر کی آبادی چار ہزار ہے اور تحصیل کا صدر مقام ہے۔ تیمور کے حملے کے وقت یہ شہر ملتان کی ہمسری کرتا تھا اور اس میں چوراسی مسجدیں تھیں۔ **بابر** کے وقت میں بھی یہ شہر آباد تھا اور لاہور سے کم درجہ کا نہیں تھا۔ ۱۲



نقشہ مسجد و مقبرۂ خیرپور

یہ مسجد بنائی ہوئی ہے۔ اگرچہ یہ مسجد چونے اور پتھر سے بنی ہوئی ہے مگر اس کے خوش قطع ہونے میں کلام نہیں اور لودیوں کے زمانے کی فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے۔ ایسی خوش قطع مسجد پٹھانوں کے وقت کی بہت کم دیکھنے میں آئی ہے۔ اس مسجد میں چونہ کاری کی بہت عمدہ منبت کاری ہے اور پیشانی پر چونہ کاری سے آیات قرآنی کہدی ہوئی ہیں۔ اس مسجد کے پانچ در ہیں درمیانی محراب بہ نسبت ادھر اُدھر کی محرابوں کے اونچی ہے اور نقش و نگار سے آراستہ ہے۔ چھت پر تین گنبد لمبوتری گردن کے ہیں۔ جن کے کلس ٹوٹ گئے ہیں۔ چھت کے اطراف کنگورا ہے۔ گنبد اندر سے چپٹے ہیں جو تمام اعلیٰ درجے کے نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ بگلر صاحب کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے کہ " اس مسجد کے اندر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا جس کو گاؤں والوں نے بالکل برباد کر دیا اور اب برسوں ہوئے کہ اس کا کوئی نشان بھی باقی نہ رہا۔ اس مسجد کے صحن کے جنوب میں جو ایک عمارت بنی ہوئی ہے وہ بظاہر اس مسجد کا دروازہ معلوم دیتا ہے۔ اس کی وضع علائی دروازے کی سی ہے۔

اس مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ایک عالی شان گنبد ہے۔ جو اندر سے آٹھ مربع ہے اور باہر سے دو کم۔ اس کا داخلی دروازہ شمال کی طرف ہے جس میں جانے کا دو طرفہ زینہ گیارہ گیارہ سیڑھیوں کا ہے۔ گنبد کے چار دروازے ہیں ایک تو یہی ہے دوسرا مسجد کے صحن میں جانے کا ہے اور دو بند ہیں۔ گنبد کی چھت میں آٹھ کھڑکیاں بطور روشن دان کے ہیں۔ اس سے اور اوپر (۱۶) طاق ہیں جن میں سے چار کھلے ہوئے اور بارہ بند ہیں گنبد کے اندر پتھر کے چوکوں کا فرش ہے۔ گنبد کی چھت پر جانے کے زینے میں (۳۷) سیڑھیاں ہیں اور بلندی گنبد کی ۵۵ فٹ ہے۔ اس گنبد میں کوئی قبر نہیں ہے اور یہ گنبد مسجد کا دروازہ کہلاتا ہے مگر اس کی وضع قطع تو بجائے خود ایک مستقل گنبد کی ہے اور مجھے اس کو مسجد کا دروازہ قرار دینے میں تامل ہے بلکہ میں اس کو ایک مستقل عمارت خیال کرتا ہوں اور مسجد کو اسی کے متعلق سمجھتا ہوں جیسا کہ عیسیٰ خاں کا مقبرہ اور مسجد ہے۔ عموماً مقبروں کے ساتھ مسجد بھی ہوا کرتی ہے۔ مسجد کا طول وعرض ۷۴ × ۲۱ فٹ ہے۔ مسجد کی پچھیت میں داہنے بائیں دو ستون بطور پشتیبان کے ہیں جو چھت سے ذرا اوپر نکلے ہوئے ہیں۔ اور پچھیت کی دیوار کے اندر چار حجرے بھی ہیں۔ مسجد کی بیچ کی محراب ۲۵ فٹ اونچی اور ۱۵ فٹ چوڑی ہے اور دو فیٹ کا کنگورا اس کے سوا ہے۔ اس کے بغلی

کی محرابوں کی چوڑان ۱۶ فٹ ہے اور کنارے کی دو محرابیں ۹ فٹ چوڑی ہیں۔ مسجد کے گرد چوڑا توڑے دار بھاری چھجا بھی ہے مسجد کے سامنے ایک نہایت وسیع کشادہ کرسی دار ۱۰۱ × ۸۷ فٹ کا چبوترا ہے جس پر سلوں کا فرش ہے اور کچھ ٹوٹی پھوٹی قبریں بھی اس چبوترے پر ہیں۔ صحن مسجد کے آخر میں بجانب شرق ایک نہایت پختہ لداؤ کا تین در اور دو کھڑکیوں کا دالان ہے جو ۵۵ × ۵ فٹ ۱۲ ہے دالان اور حجروں میں پتھر کی سلوں کا فرش ہے۔ درمیانی محراب ۹ ½ فٹ اونچی اور ۸ فٹ چوڑی ہے۔ دالان کے دونوں جانب ایک ایک حجرہ گیارہ گیارہ فیٹ مربع ہے چھت پر جانے کے لیئے بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے اور اس عمارت کا ارتفاع ۱۹ فٹ ہے اوپر چھت سپاٹ ہے اور گرد چوڑا اور نہایت بھاری توڑے دار چھجا ہے۔ غالباً یہ دالان بطور ایک مدرسے کے تھا۔

انگریزی کتاب "دو آل ابوٹ ڈلہی" میں اس مسجد اور گنبد کے متعلق لکھا ہے کہ "موضع خیرپور کی بستی سے شمال کی جانب کوئی دو سو گز آگے بڑھ ایک عجیب وغریب مسجد ہے جس میں ایک بہت نفیس دروازے سے داخل ہوتے ہیں جو دور سے دیکھنے میں (دروازہ نہیں) بلکہ ایک مقبرہ معلوم دیتا ہے۔ دروازے میں بلند سیڑھیاں چڑھ کر پہنچتے ہیں (یعنی کرسی بہت اونچی ہے) یہ گنبد عجیب سڈول اور مرتفع ہے اور غالباً علائی دروازے کے طرز پر بنایا گیا ہے۔ دروازے کے باہر ایک نہایت خوش قطع صحن ہے جس کے ایک طرف تو مسجد ہے اور دوسری جانب اسمبلی ہال یعنی مجلس خانہ ہے جس کا سال تعمیر ۹۹ھ ہے۔ (یہ سال مجھ کو کہیں نظر نہیں پڑا)۔ اس مسجد کا پلاسٹر تمام تر نہایت نفیس نقش و نگار سے آراستہ تھا جس میں کا بہت کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہے۔ پلاسٹر میں جابجا چینی کی رنگین ٹیلز (اینٹیں) لگی ہوئی تھیں اور سارے ہندوستان میں یہ سب سے بہتر نمونہ اس قسم کی آرائش کا ہے جو اب باقی ہے۔"

گنبد کے چاروں دروازوں کے کتبے

(۱) مغرب رویہ:۔ بسم اللہ۔ وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ تا وَإِلَيْكَ الْمَصِيْرُ
پارہ۔ ۲۵۔ سورہ زخرف۔ رکوع (۱۰)

(۲) مشرق رویہ:۔ إِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تا آخر سورۃ۔ پارہ (۲۰)
سورہ قصص۔ رکوع (۱۲)

(۳) جنوب رویہ - وَاِذْ اَنْزَلَ بِسَاحَتِهِمْ تا آخر سورہ - پارہ ۲۳ - سورہ ص - رکوع (۹)

قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ تا ختم سورہ - پارہ ۲۳ - سورۂ ص - (۱۲)

(۴) شمال رویہ: - وَتِلْكَ حُجَّتُنَا اٰتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ تا وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ پارہ (۷) سورۂ انعام رکوع (۱۵)

گنبد کے احاطے کے اندر مغرب رویہ دروازے کے سامنے ایک قبر سنگ سرخ کے تعویذ کی ہے جس کے سرہانے اللہ ایک طرف بِسْمِ اللہ اور قُلْ هُوَ اللہ اور دوسری جانب شَهِدَ اللہُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ تا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ کندہ ہے (پارہ نصف ۳ - سورۂ آل عمران) یہ قبر بہت پرانی معلوم دیتی ہے کتبہ کی روش بھی اُسی زمانے کی ہے۔

مسجد کے اندر کے کتبے

پہلے در کے اندر

(۱) داہنی طرف پہلے در کی چھت پر - بِسْمِ اللہ - اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ تا وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا - پارہ (۱۵) سورۂ بنی اسرائیل - رکوع (۹ و ۱۰)

(۲) لَقَدْ صَدَقَ اللہُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ تا مَغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا پارہ ۲۶ - سورہ فتح - رکوع (۱۲)

(۳) بِسْمِ اللہ - وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ تا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ - پارہ ۴ سورہ آل عمران - رکوع (۶)

(۴) بِسْمِ اللہ - لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ تا ختم سورہ حشر - پارہ ۲۸ - رکوع (۶)

(۵) محراب کے گرد: - اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا تا آخر سورۂ کہف - پارہ (۱۶) رکوع (۳)

دوسرے در کے اندر

(۱) بِسْمِ اللہ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ تا وَكَانَ اللہُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا - پارہ ۲۲ - سورہ احزاب - رکوع (۲)

(۲) بِسْمِ اللہ - وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ تا وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ - پارہ ۱۸ - سورۂ مومنون - رکوع (۱)

تیسرے در کے اندر

جو ممبر کے پاس ہے - بِسْمِ اللہ - پوری سورۂ الرحمن - پارہ (۲۷)

چوتھے در کے اندر

(۱) بِسْمِ اللہ اور سورۂ واقعہ - پوری - پارہ (۲۷)

(۲) بِسْمِ اللہ اور سورۂ تحریم - پارہ (۲۸)

پانچویں در کے اندر

(۱) بسم اللہ - سورۂ نبا پوری - پارہ (۳۰)

(۲) اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ تا وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ پارہ (۱۸) - سورۂ نور - رکوع (۹ و ۱۰)

(۳) وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰھَا بِاَیْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ تا ختم سورۂ ذٰریٰت پارہ (۲۷) رکوع (۲)

(۴) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ تا وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ - پارہ (۲۶) سورہ حجرات رکوع (۲)

پہلی محراب کے بیرونی رخ پر

بائیں طرف - اوپر اور دونوں طرف قُلْ ھُوَ اللّٰہُ کے طغرے -

(۱) وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا تا وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّھِّرِیْنَ - پارہ ۱۱ - سورہ توبہ - رکوع (۲)

(۲) اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ تا آخر سورہ فَارْتَقِبْ اِنَّھُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ پارہ (۲۵) سورہ جاثیہ رکوع (۱۶)

(۳) لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ تا وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا - پارہ (۲۶) سورۂ فتح - رکوع (۱)

مسجد کے روکار کے پانچوں دروں کے کتبے

(۱) سیدھے ہاتھ کی طرف سے - پہلی محراب - پہلی سطر دونوں طرف کلمے کے طغرے - بسم اللہ وَجَآءُوْا اَبَاھُمْ عِشَآءً یَّبْکُوْنَ تا عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ -

دوسری سطر - وَجَآءَتْ سَیَّارَۃٌ تا قَالَ الَّذِی اشْتَرٰہُ - پارہ (۱۲) سورۂ یوسف رکوع (۱۲)

دوسری محراب - اشھد ان لا الہ الا اللہ کا طغرا دونوں طرف اور پوری سورۂ جمعہ بسم اللہ -

تیسری محراب - پہلی سطر - بسم اللہ - سورۂ الملک شروع سے وَاِذَا اُلْقُوْا فِیْھَا تک -

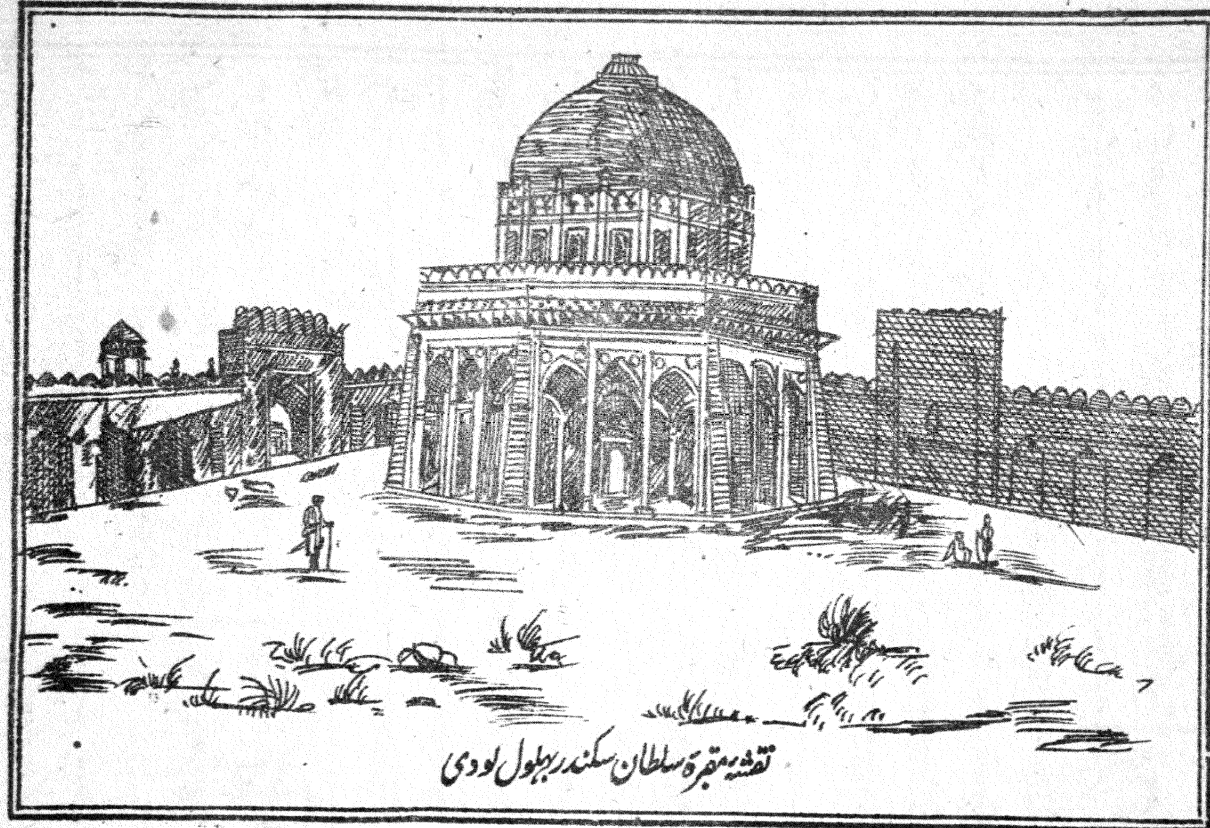
دوسری سطر - کُلَّمَا اُلْقِیَ فِیْھَا فَوْجٌ سے - وَاَسِرُّوْا قَوْلَکُمْ تک -

تیسری سطر - اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ قُلْ ھُوَ الَّذِیْ تک -

چوتھی سطر - اَنْشَاَکُمْ سے ختم سورہ تک

چوتھی محراب - پہلی سطر - بِسْمِ اللہ - سورۂ مزمل شروع سے وَکِیْلًا تک

دوسری سطر - وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا تک



نقشہ مقبرہ سلطان سکندر بہلول لودی

پانچویں محراب۔ پہلی سطر۔ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ تا لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۔ پارہ (۲۵) سورۂ جاثیہ رکوع (۱۶)

دوسری سطر۔ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ تا إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ۔ پارہ ۲۶ سورۂ فتح رکوع ۱۰

ہر کس بہ بہانۂ ازیں دیر فنا ۔ شد عازم آں سرائے جاوید بقا
باقی نبود کسے بعالم ابدًا ۔ غیر از احدے کہ نیست او را ہمتا

کاشانی ٹیلوں والا نامعلوم عالی شان گنبد

اللہ اللہ کیا زمانہ آیا ہے کہ ایک عالی شان اور بے نظیر گنبد ہزار ہا روپیہ کی لاگت کا ٹوٹا پھوٹا نہیں گرا پڑا نہیں بالکل درست ہمارے سامنے کھڑا ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس کا ہے نہ ہم کو کوئی بتلاتا ہے کہ کس نے بنوایا تھا۔ خیر کسی کا بھی ہو حق تعالیٰ اُس کی مغفرت کرے۔ طرزِ عمارت اور لودھیوں کے گنبد اور بے نظیر مسجد کا قرب دلالت کرتا ہے کہ ہو نہ ہو لودھیوں کے کسی بادشاہ یا بادشاہ نہ ہوگا تو بادشاہ کے ہم پلہ کسی امیر کبیر کا ہے۔ یہ گنبد بھی ہشت پہل ہے اندر سے ۳۶ مربع ہے۔ تین طرف عالی شان سر بفلک دروازے ہیں مغرب کی طرف بند۔ تین سیڑھیاں چڑھ کر گنبد کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ اندر آٹھ قبریں پختہ گچ کی ہیں جن کو سرکار نے حال میں درست کرا دیا ہے۔ سات بڑی ہیں ایک چھوٹی۔ جس مقبرے کے باہر کی آراستگی کا اس قدر اہتمام ہے تو اندر تو کیا کچھ کام نہ کیا ہوگا۔ مگر اندر کا کام اب بالکل باقی نہیں رہا باہر دار البتہ چینی کا رنگ برنگ کا کام کچھ کچھ باقی ہے جنوب کی طرف صدر دروازہ ہے جس کے روکار پر بڑی بڑی اور چوڑی چوڑی چینی کی لاجوردی رنگ کی اینٹیں بطور تختیوں کے لگی ہوئی ہیں جو تعداد میں (۹۸) تھیں۔ جن میں سے تھوڑی سی گر بھی پڑی ہیں مگر اُن کی خالی جگہ پر سے شمار ہو سکتا ہے۔ صدر دروازے کی محراب مع کنگورہ ۴۲ گز اونچی ہے اور یہی گنبد کی بلندی کنگورے تک سمجھیے چبوترا اس میں شامل نہیں ہے۔ اوپر جانے کا زینہ (۳۳) سیڑھیوں کا ہے۔

سکندر لودھی کا مقبرہ اور مسجد

۹۲۳ھ ۱۵۱۷ء

موقع خیر پور کے پاس صفدر جنگ کے مقبرے سے کوئی یاد میل کے فاصلے پر ایک قدیم پختہ پل کے پاس لودھیوں کے خاندان کے سب سے بڑے بادشاہ سکندر شاہ ثانی بن بہلول شاہ (۱۵۱۷-۱۴۸۸ء) کا مقبرہ ہے جسے غالبًا اُس کے بیٹے ابراہیم شاہ ثانی لودھی نے ۹۲۳ھ میں بنوایا تھا۔ سکندر شاہ لودھی نے ۷ ذی قعدہ ۹۲۳ھ × نومبر ۱۵۱۷ء

میں بمقام آگرہ انتقال کیا۔ مصنف تاریخ خان جہاں لودھی نے لکھا ہی کہ بادشاہ اور اُس کے
باپ دونوں کی نعشیں آگرے سے منتقل کر کے دہلی میں اسلام شاہ سور کے احاطے میں جو اسی
غرض سے بنوایا گیا تھا دفون کی گئیں۔ لیکن اس بیان میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہی کیوں کہ سکندر لودھی
اپنے باپ کے پاس مدفون نہیں ہی اور دونوں کی قبریں ایک ہی باغ میں نہیں ہیں بلکہ جدا جدا ہیں
یہ مقبرہ وضع قطع میں خاندان سادات کے بادشاہ مبارک شاہ کے مشابہ ہی۔ فرق صرف اتنا ہی
کہ اس کے چاروں کونوں پر برجیاں نہیں ہیں اور قبتے کا ڈھلاؤ بھی کم ہی جو زمانۂ مابعد کی تراش
خراش ہی۔ یہ گنبد ۷۶ گز مربع فصیل نما احاطے میں ہی۔ جس کے چاروں کونوں پر برجیاں تھیں
جن میں سے اب صرف دو باقی رہ گئی ہیں۔ احاطے کی دیوار کا آثار آٹھ فیٹ کا ہی
اور کنگورا چھوڑ کر بلندی ۹ فٹ ہی۔ احاطے کی دیواریں بھی نیچے در بنے ہوے ہیں۔
باہروار کے یہ در ملالیں تو احاطے کی بلندی ۱۸ فٹ ہو جاتی ہی احاطے کا صدر دروازہ جنوب کی
طرف ہی جس کی حال میں مرمت ہوئی ہی جو ۵ فٹ ۹ انچ چوڑا ہی اس دروازے کے سامنے ۶۶×۴۲ فٹ
کی دیوار احاطے کی کھنچی ہوئی ہی۔ اس دروازے کے ہر دو جانب احاطے کی دیواریں
لو لو کوٹھری نما طاق ہیں یعنی احاطے کی دیوار کے اندر دار بھی طاق بنے ہوئے ہیں اور باہروار
بھی۔ دروازے کے باہر ایک بہت اونچا چبوترا ہی جس کی بلندی ۲۰ فٹ اور سیڑھیاں نو ہیں۔
جن پر چڑھ کر احاطے کے باہر والے چبوترے پر پہنچتے ہیں جو ۵۵ فٹ مربع ہی جس کے دونوں
جانب دو چوکون برجیاں چار چار ستونوں پر کھڑی ہیں۔ جنوب کی طرف یہ دیوار اور آگے
بڑھ گئی ہی جس کی دونوں طرف دو برجیاں ہیں جن میں چینی کی رنگین اینٹیں لگی ہوئی ہیں اور جو
سنگ سرخ کے ستونوں پر ایستادہ ہیں۔ احاطے کی مغربی دیوار سے لگی ہوئی ایک مسجد
ہی جس کی درمیانی محراب ۶ فٹ ۵ انچ بلند اور ۳۹ فٹ چوڑی ہی اور ادھر اُدھر کی ایک ایک محراب اسی
مناسبت سے کم ہی۔ باقی عمارت کی تفصیل کے لیے مبارک شاہ کے مقبرے کے
بیان کی طرف رجوع کرنا کافی ہی کہ جو وہ سو یہ سوا اس کے کہ جیسا ہم اوپر لکھ آئے
ہیں کہ اُس کے کونوں پر برجیاں ہیں اور اس پر نہیں۔ اگرچہ یہ مقبرہ نرے چونے پتھر کا ہی
مگر اندر کا درجہ اور باہر کی غلام گردش اور احاطے کی برجیاں بہت نفیس اور خوش نما بنی
ہوئی ہیں۔ یہ گنبد ہشت پہلو ہی۔ ہر ضلع میں تین تین در ہیں یہ مقبرہ بھی بالکل عیسیٰ خاں
کے مقبرے کی طرح کا ہی اور لودھیوں کے سارے مقبرے ایک ہی ڈزائین کے ہیں۔

اس کے اندر صرف ایک قبر گچ کی ہے۔ فرش میں روڑی حال میں کوٹی گئی ہے۔ گنبد کا قطر ۳۲ ½ فٹ ہے۔ گنبد کا پلاستر اندر سے گر گیا ہے۔ غلام گردش کے سات در ہیں۔ اندر تمام چینی کا کام تھا چنانچہ اب بھی طاقوں کے دونوں طغرے ہیں۔ بارہ طاق بطور روشن دانوں کے ہیں۔ جن میں سے چار کھلے ہیں اور باقی بند ہیں۔ ان میں بھی کچھ کچھ کام چینی کا باقی ہے۔ گنبد کی چھت میں سب سے اوپر سرخ زمین پر سفید حروف میں آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ غلام گردش ۹ فٹ چوڑی ہے۔ گنبد کا دروازہ باہر سے ۸ ½ فٹ اور اندر سے ۵ فٹ چوڑا ہے۔ غلام گردش کا ہر ضلع ۱۴ فٹ ۳ انچ اور گنبد کا ہر ضلع باہر سے ۲۰ ½ فٹ لمبا ہے۔ احاطہ عیسیٰ خاں کے مقبرے کی طرح بہت وسیع فصیل نما کنگورے دار ہے جس میں چو طرف (۸۷) کوٹھری نما طاق بنے ہوئے ہیں۔ مغرب کی طرف مسجد کی بجھیت کی دیوار اور ایک دیوار دو در محراب رہ گئی ہے باقی سب گر گئی ہے۔ گنبد کے اوپر جانے کا زینہ اٹھارہ سیڑھیوں کا ہے۔ گنبد کی بلندی ۴۸ فٹ ہے اور گنبد کے چاروں طرف اٹھیاسی اٹھیاسی فیٹ کے بقدر احاطے کا میدان چھوٹا ہوا ہے۔

آل ایبوٹ ڈہلی میں لکھا ہے کہ "وہ اس بادشاہ نے ۱۵۱۷ء میں یعنی مغلوں کے ہندوستان فتح کرنے سے صرف نو برس پہلے انتقال کیا۔ یہ گنبد ایک نہایت عالی شان اسی طرح کے احاطے کے اندر واقع ہے جیسا کہ روشن چراغ دہلی کا ہے۔ یہ ایک گہرے ڈھلوان کنارے پر واقع ہے جس پر سات دروں کا پل باندھ دیا ہے جس پر سے وہ قدیم سڑک گزرتی تھی جو فیروز آباد اور شمالی حصے کو سیری اور پرانی دلی سے ملاتی تھی۔ گنبد فی نفسہا ایک عمدہ عمارت ہے لیکن زیادہ تر پسندیدہ اس کا خوش نما موقع و محل ہے۔ قبر کے سرہانے جو چراغ دان کا ستون ہے وہ جینیوں کے مندر کا ایک جزو تھا اور یہ ایک عجیب بات ہے کہ مغلوں کی فتح سے تھوڑے ہی دنوں پیشتر پھر ہندؤں کی عمارت کی توڑ پھوڑ شروع ہو گئی تھی۔"

لودھیوں کے گنبدوں میں ایک بات اور دیکھی گئی کہ وہ کوئی کتبہ بھی اپنے نام کا نہیں لگاتے تھے اور اسی وجہ سے کسی گنبد کو کسی بادشاہ سے منسوب کرنے میں سوائے زبانی روایات کے یقینی طور پر کوئی رائے قایم کرنی مشکل ہے۔

باؤلی ۔ باغیچی ۔ سہ دری اور دو نامعلوم گنبد

سلطان سکندر بہلول لودھی کے گنبد کے پاس ایک قدیم اور محاط بہت وسیع باؤلی بھی ہے۔ یہیں قریب میں ایک وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ کھنچا ہوا ہے جو باغیچی کے نام سے آج تک مشہور ہے گو اب اس چار دیواری کے اندر زراعت ہوتی ہے مگر پہلے زمانے میں ضرور باغ رہا ہوگا کیونکہ جنوب رُخ کو اس کا صدر دروازہ نہایت مشتین اب بھی موجود ہے جس پر سہ دری بنی ہوئی ہے۔ یہیں ایک چھوٹا سا چپٹا گنبد بھی ہے جس کی چھت تو گر گئی مگر چار دیواری علی حالہ کھڑی ہے۔ اس منہدمہ گنبد کے دونوں طرف دو چھوٹی چھوٹی گنبدیاں بھی ہیں۔ علاوہ ان عمارتوں کے اسی نواح میں موقع خیرپور کی حدود میں معمولی اور متوسط دو اور گنبد بھی ہیں۔ یہاں بڑے بڑے گنبد جن پر لاکھوں روپیہ صرف ہوئے ہیں آج حالت گم نامی میں ہیں تو یہ معمولی گنبد کس شمار قطار میں ہیں۔

کربلا

صفدر جنگ کے مقبرے سے ذرا آگے بڑھ کے بائیں طرف ایک کچا رستہ پھٹ جاتا ہے۔ اس رستے پر داہنی طرف سر راہ ایک بڑا دروازہ اور ایک وسیع ٹوٹا پھوٹا احاطہ ملتا ہے یہی کربلا ہے اور یہیں بادشاہی زمانے کے ایک نامی گرامی رئیس کپتان اشرف بیگ خاں نے ایک پختہ چار دیواری کھنچوا دی ہے جو کربلا کہلاتی ہے۔ تمام شہر کے تعزیے یہیں ٹھنڈے کیئے جاتے ہیں اور یہاں بڑا ہجوم اور میلا ہوتا ہے۔ اس کمپونڈ میں بہت سی قبریں ہیں۔ کہتے ہیں کہ اشرف بیگ خاں کی قبر بھی یہیں ہے لیکن مجھکو تو ملی نہیں۔ کمپونڈ کی دیوار ۷½ فٹ بلند ہے۔ اس کا صدر دروازہ سر راہ شمال کی طرف ہے جو ۱۴ فٹ اونچا اور ۱۲ فٹ چوڑا ہے۔ اس کے دونوں پاکھوں پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے جس میں کا ایک پاکھا داہنی طرف کا حال میں گر گیا ہے اور اس کے ڈھیم وہیں پڑے ہیں بائیں طرف کا پاکھا جوں کا توں کھڑا ہے۔ کواڑ کی چول پھنسانے کی کڑی بھی موجود ہے جس میں گول سوراخ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پٹ بھی تھے۔ دروازہ کے دو طرفہ کچھ عمارت مثل سہ دری کے تھی جو گر گئی اور اوپر بھی کچھ مکانیت ہوگی یہ سب مفقود ہے اب صرف ایک پاکھا کھڑا ہے اور بس۔ دوسرا دروازہ کمپونڈ کے شرق میں ہے۔ جو صرف کمپونڈ کی دیوار توڑ کر رستہ کر دیا گیا ہے اس کے دو پاکھے بچ گئے ہیں جن کے

اوپر ایک گول مٹی تھی۔ ایک باکھمے کی گر گئی ایک کی باقی ہے۔ اس دروازے کی چکلان ۱۴½ ہے۔

ماہ خانم کی قبر ۱۱۳۹ھ

آہستہ برگ گل بفشاں بر مزار ما
بس نازک ست شیشۂ دل در کنار ما

کربلا کے احاطے کے اندر داخل ہوتے ہی سامنے ایک وسیع و مرتفع پکا چبوترا گچ کا نظر آتا ہے جس کی چار سیڑھیاں ہیں۔ یہ چبوترا ۸۴×۸۴ فٹ طول و عرض میں اور ۲½ فٹ اونچا ہے۔ اس چبوترے کے وسط میں ۱۵ فٹ مربع ۱½ فٹ اونچا ایک اور چبوترا ہے۔ اس چبوترے سے ملی ہوئی لداؤ کی قلم دان نما ایک برجی ہے جس کا داخلی دروازہ سنگ باسی کا بہت چھوٹا سا ۳×۶ فٹ کا ہے۔ اس دروازے میں ایک لداوی کمرہ بطور ڈیوڑھی کے ۱۸×۱۱½ فٹ کا ہے جس کی چھت قلم دان نما ہے۔ اب چودہ سیڑھیاں اتر کر ہم تہ خانے میں پہنچتے ہیں جس کا ایک ہی دروازہ جنوب رویہ ۳×۶ فٹ ہے۔ تہ خانہ کا حجرہ ۱۳½ فٹ مربع ہے۔ جس کے چاروں طرف روشن دان رکھے ہیں اور تین طرف دیوار دوز طاق ہیں۔ یہ حجرہ اوپر والے پندرہ فیٹ مربع چبوترے کے نیچے ہے۔ فرش میں اس کے سنگ مرمر کی سلیں لگی ہوئی ہیں جن میں کی بعض بعض سلیں ضائع بھی ہو گئی ہیں۔ چھت مربع لداؤ کی ہے جس میں رنگ کا کام کیا ہوا تھا جو کچھ کچھ باقی بھی ہے۔ اس حجرے کے بیچ میں صرف ایک ہی قبر ہے جس کا تعویذ نہایت عمدہ قسم کے شفاف اور چمک دار سنگ مرمر کا ۶½ فٹ × ۲ فٹ ۱۰ انچ۔ ۱ فٹ اونچا ۹ انچ کا ہے۔ اس تعویذ کے گرد آیۃ الکرسی کچھ عجیب نزاکت سے منبت منقوش ہے کہ خط اس کا سرمۂ نظر و باعث تجلی بصر ہے۔ زبان اس کی تعریف سے قاصر ہے اور دل اس کے دیکھنے سے سیر نہیں ہوتا۔ تعویذ کے اوپر سرہانے بسم اللہ کا طغریٰ ہے پائنتی کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور تعویذ کے عرض میں میچے وار بہ خط نستعلیق یہ قطعہ کندہ ہے:۔

آفتاب برج عصمت ماہ خانم از قضا — در نقاب ابر رحمت کرد روئے ل بحق
کلک قدرت سال ایں تاریخ بر لوح مزار — زد رقم شد مریم دوراں واصل بحق

کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس کا چاند تھا جو ایک تیرہ و تار حجرے میں پڑا چمک رہا ہے اور اپنے حسن و جمال کی شعاعیں آج سینکڑوں برس کے بعد بھی چمکا رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اشرف بیگ کے دودمان عالیہ کا کوئی ماہِ منور تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یقیں کوئی بڑی نامی گرامی بیگم جن کا مرقد اس اہتمام اور صرف زر کثیر سے بنا ہے۔ مگر یہ منزل وہ ہے جہاں امیر و غریب سب برابر ہیں اور کیا سچ کہا ہے کہ ؎

چو آہنگ مردن کند جان پاک　　چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

جن کے مقبرے ہزار ہا روپیہ کی لاگت سے بنے ہیں آج اُن کا پتہ نہیں چلتا کہ کون تھے پھر بادشاہ کا کیا ٹھکانا آج مرے کل دوسرا دن۔ وَیَبْقٰی وَجْہُ رَبِّکَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَام

غالباً اشرف بیگ کی قبر

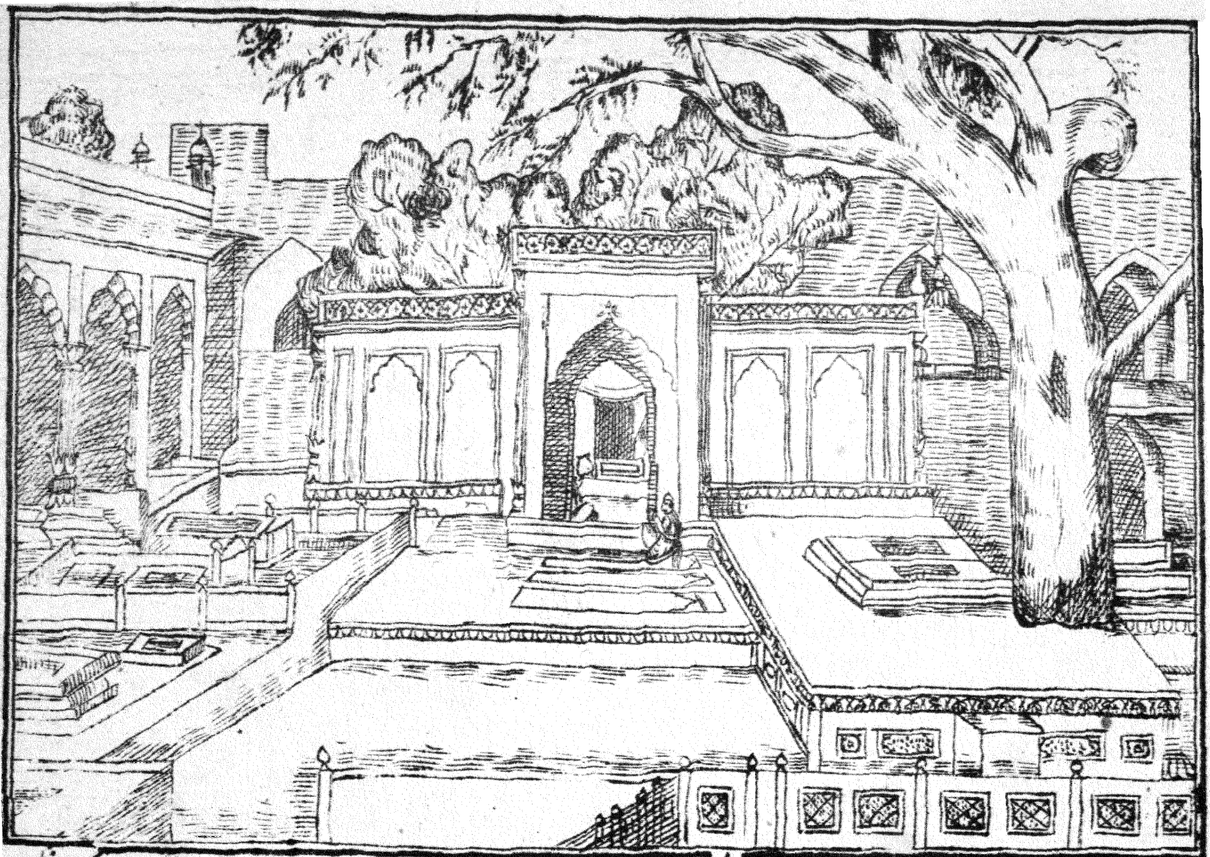
اوپر والے مقبرے کے شرقی دروازے کے سامنے ایک پختہ چبوترا ۶½ × ۱½ فٹ اور ۱-۹ اونچا ہے۔ یہ چبوترا اُس زمانے کے رواج کے موافق مسجد نما ہے یعنی مغرب کی دیوار مع تین دیوار دوز طاقوں کے اور شمال جنوب کے پاکھے کھڑے ہیں۔ جسے حصہ مسجد کہنا چاہیئے۔ اس کے محاذ میں چبوترے پر دو چونے گچی کی بہت پرانی قبریں ہیں دونوں قبریں شکستہ حالت میں ہیں۔ ان میں سے ایک قبر کے گرد بیچ میں آیۃ الکرسی کندہ ہے اور یہی ذرا ٹھیک بھی ہے۔ ہو نہ ہو اشرف بیگ صاحب کی قبر یہی ہوگی۔ کیوں کہ اور کوئی ممیز قبر اس احاطے کے اندر نہیں ہے۔

شاہ مرداں یا علی جی یا علی گنج

۱۱۳۷ھ سنہ ۱۷۲۲ء

کیا فیض علی کے قدم پاک سے ہے　　روضہ کی زمیں بلند افلاک سے ہے
بنتا ہے وہاں درِ نجف قطرۂ آب　　پانی کی بھی آبرو اسی خاک سے ہے

کربلا کے احاطے سے آگے ایک بہت بڑا فصیل نما احاطہ دکھلائی دیتا ہے۔ اس کے اندر مختصر سی آبادی ہے جو شاہ مرداں یا علی گنج کے نام سے مشہور ہے۔ ادہم بائی زوجہ محمد شاہ بادشاہ جن کو احمد شاہ کے عہد سلطنت میں اول نواب بائی اور پھر نواب قدسیہ صاحب الزمانی کا خطاب ملا۔ شیعہ مذہب تھیں سنہ ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء



نمبر ۱ جھاڑ
نقشہ شاہ مردان
نمبر ۲ مجلس خانہ

میں اُن کے پاس ایک ایسا پتھر آیا جس پر امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہ کے قدم مبارک کا نقش تھا۔ نواب قدسیہ بیگم نے اُس نقش قدم کو ایک سنگ مرمر کے حوض میں نصب کرایا اور اسی سبب سے اس مقام کو علی جی۔ شاہ مرداں اور علی گنج کہتے ہیں۔

علی گنج کا شمالی صدر دروازہ ۱۱۶۲ھ ۱۷۴۹ء

احمد شاہ کے زمانے میں نواب قدسیہ بیگم نے ۱۱۶۲ھ ۱۷۴۸ء میں جاوید خاں خواجہ سرا کے اہتمام سے چار دیواری مجلس خانہ مسجد اور حوض بنوایا۔ پھر ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء میں عشرت علی خاں نے مجلس خانہ بنوایا۔ یہ دروازہ کنگورا ملا کر ۳۰ فٹ اونچا اور ۲۴ فٹ چوڑا چوکیوں دار ہے یہ دروازہ دُہرا ہے آگے دروازہ پیچھے دروازہ بیچ میں گنبد دار چھت۔ ڈیوڑھی میں دونوں طرف دو منزلہ سہ دریاں ہیں۔ ابھی تک اس کے قدیم چوبی کواڑ بھی سلامت ہیں۔ اس کی پیشانی پر سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ نہایت خوش خط بخط نستعلیق لگا ہوا ہے:۔

کتبہ

"قال محمد حبیب اللہ انا مدینۃ العلم
و علی بابہا × در عہد مبارک احمد شاہ ۱۱۶۲
بہادر بادشاہ غازی بموجب
ارشاد نواب قدسیہ × حضرت صاحب
زمانیہ باہتمام نواب بہادر جاوید خاں صاحب
بسر براہے خاکسار لطف علیخاں تعمیر قلعہ و مجلسخانہ
و مسجد و حوض در یکسال مرتب شد"

اس دروازے کے اندر بستی ہے جس میں کئی بڑے بڑے عالی شان دروازوں کے گھر قدیم زمانے کے بنے ہوئے ہیں جو اب ویران ہیں یا یہ کہ کوئی معمولی شخص رہتے ہیں۔

مسجد دروازے کے پاس ہی تین گمر کی نہایت خوب صورت سفید گنبدوں کی مسجد ہے جن کے کلس بھی صحیح سلامت ہیں۔ ادھر اُدھر ایک ایک مربع چار دری برجی ہے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ بیچ کا در ۱۳ فٹ اونچا ۱۱ فٹ چوڑا ہے

مسجد ۲۵×۱۰ ہے۔ سامنے گما اینٹ کے فرش کا چبوترا ۲۷×۱۲ ہے۔ صحن میں نیم کا ایک بہت پرانا درخت کھڑا ہے۔ اس کے نیچے کئی خام قبریں ہیں۔ مسجد کے گرد احاطہ ہے۔

کنواں اور سیڑھی دار باؤلی

مسجد کی جنوبی دیوار سے ملا ہوا ایک کنواں اور اسی کے پاس سیڑھی دار اترنے کی باؤلی ہے۔ کنواں اور باؤلی منہدم ہیں۔ صورت یہ ہے:۔

کنواں | باؤلی | سیڑھیاں

نقار خانے کا دروازہ
۱۲۳۰ھ ۱۸۱۴ء

درگاہ میں داخل ہونے سے پہلے نقار خانے کا دروازہ ملتا ہے جو ۱۰×۸ ہے۔ یہ دروازہ گنبد دار ہے جس پر ایک سہ دری بھی ہے۔ دروازے کے رو کار پر بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ اس کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے:۔

ہو العلی

چوں کہ صادق علے بنائے رفیع | ساخت بر آستانۂ حیدر
سال تاریخ آں بنا صادق | گفت نقار خانۂ حیدر

۱۲۳۰

دو سو انسٹھ برس کی ایک پرانی قبر

اسی دروازے کے باہر ایک بہت پرانی قبر سنگ سرخ کی ہے جس کی لوح پر یہ کتبہ ہے:۔

اللہ اکبر۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دریغا[1] کہ بے ما بسے روزگار | بروید گل و بشگفد نو بہار
کسانی کہ از ما بغیب اندر اند | بیایند و بر خاک ما بگزرند

بست و کیم شہر ذی حجہ مغفوری مرحومی میاں عشرت صاحب برحمت حق پیوست

کوکا کی مسجد

ہے تو یہ مسجد چھوٹی سی یعنی ۲۸×۱۲ ۱/۲ ۱۷۸ مگر کچھ عجب دل فریب اور دولہن سر سے پا تک سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے اور پتھر بھی چن چن کر ایسا لگایا ہے کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دلہن لال جوڑا پہنے کھڑی ہے۔ اس کے

[1] سلطان ابراہیم علی بریدشاہ بادشاہ کے گنبد کے اندر بھی یہ اشعار کندہ ہیں۔ ۱۲

تینوں گنبد ایسے خوش نما اور سجیل ہیں کہ دیکھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ افسوس ہے کہ گنبدوں پر کی بعض بعض سلیں گر گئی ہیں اندر سے اینٹیں نکل آئی ہیں۔ دراڑیں کھل جانے سے ان اینٹوں پر گھانس اُگ آئی ہے۔ پتھر کی سُرخ سلوں کے ساتھ یہ سبزی بھی عجب لطف دیتی ہے ؎

نہ کچھ شوخی چلی بادِ صبا کی ۔۔۔ بگڑنے میں بھی زلف اُس کی بنا کی

بیچ کا گنبد جو زیادہ بڑا ہے وہی زیادہ مخدوش حالت میں ہے۔ باقی ایک چھوٹا گنبد بھی مرمت طلب ہے اور ایک درست حالت میں ہے۔ بیچ کے گنبد اور شمال کے گنبد کے پتھر کے نازک کلس باقی ہیں جنوب کے چھوٹے گنبد کا کلس گر گیا۔ ذرا سی توجہ سے ان کی درستی ہو سکتی ہے ورنہ پانی جذب ہو ہو کر بہت جلد یہ گنبد بیٹھ جائیں گے۔ مسجد کے تین در ہیں۔ بیچ کا در ۷ فٹ ۸ انچ بلند اور ۵ فٹ ۹ انچ چوڑا ہے۔ اندر اور باہر چبوترے پر جو ۳۱ فٹ ۵ انچ × ۱۳ فٹ ۸ انچ طول و عرض میں اور ۲½ فٹ اونچا ہے چوکوں کا فرش ہے۔ ایک کنواں بھی مسجد کی داہنی طرف ہے۔ مسجد کا پختہ اور وسیع احاطہ ہے۔ احاطہ کے اندر کئی قبریں ہیں جن میں سے ایک قبر کا تعویذ سنگ باسی کا ہے جس کے اوپر اللہ لکھا ہے اور لمبان میں دونوں طرف بہ خط نستعلیق یہ عبارت ہے:۔

ایک طرف ۔۔۔ نادِ علیاً مظہر العجائب (یا علی) تجدہ عوناً لک فی النوائب (مدد) بتابد لبے ماہ و بر دیں دہور

دوسری طرف ۔۔۔ اگر سر بر نداری ز بالین گور (یا علی) کل ہم و غم سینجلی (یا علی) بولا یتک علی یا علی یا علی

یہ مسجد کوکا کی مسجد کہلاتی ہے خدا جانے وہ کوکا کون تھے۔ جس انّا کا دودھ پیتے ہیں اُس کا دودھ شریک بھائی کوکا کہلاتا ہے۔

درگاہ حضرت سید عارف علی شاہ صاحبؒ عرف چھجے بڑے کی درگاہ سنہ ۱۰۷۲ھ

اِن بزرگوار کا حال کسی کتاب میں میری نظر سے نہیں گزرا سید اعجاز حسین صاحب متولی درگاہ کہ حضرت کے خاندان میں ہیں اور مرد صالح ہیں۔ آپ کے وصال کا سال سنہ ۱۰۷۲ھ بتلاتے ہیں اور چونکہ ان کا گزر اسی درگاہ کی نذر و نیاز پر ابا عن جد چلا آتا ہے اُن کا کہنا ایک حد تک قابل قبول ہے وہی کہتے ہیں کہ آپ کا وصال غوث پور ضلع بجنور میں ہوا۔ آپ کی نعش وہاں سے دلی لائی گئی چنانچہ اب تک بھی آپ کا عرس دلی اور غوث پور دونوں جگہ ہوتا ہے۔ درگاہ کی عمارت ۲۰ فٹ مربع ایک گنبد ہے جو پھیلے ہوئے پیٹے کا ہے جس پر برنجی کلس ہے۔ آپ کے گنبد کے چار دروازے ہیں۔ آپ کی قبر پر شامیانہ تنا ہوا ہے اور بہت سے چھجے بنے اویزاں

ہیں اسی وجہ سے عوام میں چھوٹے بٹے کی درگاہ مشہور ہے۔ آپ کے مزار کے گرد سنگ مرمر کا کٹہرا ہے۔ درگاہ کا احاطہ ۱۱۷ فٹ مربع ہے جس میں ایک بہت پرانا نیم کا درخت کھڑا ہے۔ احاطے کے کونے میں ایک مختصر سی تین در کی مسجد ۱۴ فٹ × ۹ کی ہے۔ غرض جائے از بس دلکش اور پُرانوار ہے۔

قطعہ تاریخ وصال حضرت سید عارف علی شاہ صاحب رح

بعہد شاہ عالم گیر غازی — سیادت مرتبت عارف علی شاہ
فقیہ و متقی و عارف عصر — ملک خصلت نکو صورت حق آگاہ
بزہد و کشف و اعجاز و کرامت — بعلم معرفت مشہور چوں ماہ
ازیں دار فنا با صد تجمل — متاع اتقا بربود ہمراہ

چنیں بنوشت مضطر سال رحلت
نہاں شد آفتاب دین حق آہ

درگاہ قدم مبارک سنہ ۱۱۳۷ھ ۱۷۲۴ء

اب درگاہ شریف میں چلیئے جس کا مشرق رویہ دروازہ ۹½ فٹ اونچا اور ۶ فٹ۔ ۳ انچ چوڑا چوکی دار ہے جس کے پٹ چوبی ہیں۔ لیکن جیسی عالی شان عمارت ہے ویسا دروازہ نہیں۔ یہ درگاہ ایک بڑے احاطے کے اندر ہے۔ خود درگاہ کا احاطہ ۳۶×۲۶ فٹ۔ ۸ فٹ ۸ انچ اونچا سنگ مرمر کی نفیس سلوں کا ہے۔ جنوبی دیواریں (۱۰) دس پوری سلیں سنگ مرمر کی نصب ہیں اور نصف نصف سلیں کونوں میں اور ایسے ہی شمالی دیواریں۔ مشرق کی طرف داخلی دروازہ ۷ فٹ۔ ۹ انچ اونچا ۵ فٹ عریض ہے جس کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے اور پٹ چوبی دروازے کے ادھر ادھر دو سلیں سنگ مرمر کی ہیں جو ایک رخ چار دیواری کا ہے۔ اسی طرح مغرب کی دیواریں دو سلیں سنگ مرمر کی اور بیچ میں ایک معمولی سادہ دروازہ ہے۔ اس دروازے کے دونوں پاکھوں پر سنگ مرمر کے کچھ کتبے دوسری جگہ سے لا کر نصب کر دیئے ہیں کہ روندن میں آتے تھے۔

داہنے پاکھے پر (۱) اللہ محمد علی

(۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ محمد علی فاطمہ حسن حسین علی

محمد جعفر موسیٰ علی محمد علی

حسن محمد علیہم السلام

تاریخ وفات شرف النسا بیگم عرف حاجی بیگم مرحومہ × بنت میرزا سید محمد گلستانہ عرف میرزا جانی مرحوم × دوازدہم شہر ربیع الثانی روز یکشنبہ بسنہ ۱۲۱۶

بائیں پاکھے پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنہ ۱۱۴۹

صحن درگاہ میں سنگ مرمر کی سلوں کا فرش ہے جس کے بیچ میں ایک پرانا درخت نیم کا بھی کھڑا ہے

قدم شریف کی اصل جگہ اسی احاطے کے بیچوں بیچ سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ۸ گز ۵ بھا ۔ ۵ گز ۵ اونچا ہے جس پر تین کا صندوق نما شاؤ کر دیا ہے اور زمین کو سبز رنگ کا رنگ دیا ہے۔ اس صندوق کے دونوں طرف لمبان میں کھلنے بند ہونے والی کھڑکیاں رکھ دی ہیں۔ اس کے اندر سنگ مرمر کا ایک نہایت خوب صورت حوض ۲ گز ۵ لمبا اور ۲ گز ۱۰ چوڑا ۱ گز ۳ عمیق ہے اسی کے اندر قدم مبارک ہے جس میں خوشبودار پانی اور پھول پڑے رہتے ہیں۔ اس حوض کے کنارے عرض میں ایک طرف یہ شعر کندہ ہے۔

بر زمین کہ نشان کف پائے تو بود ۔۔۔ سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

برج کاسۂ حضرت فاطمہ رضہ درگاہ قدم شریف کے احاطے کی شمالی دیوار سے ملا ہوا ایک چھوٹا سا احاطہ ہے جس کے اندر ایک چھوٹا سا ہشت پہل برج ہے کہتے ہیں کہ اس برج میں نقش کاسۂ حضرت فاطمہ علیہا السلام کا ہے۔ اس احاطے کے اندر سوائے عورتوں کے مرد نہیں جاتے ہیں لئے بھی ادباً اس میں جانے کی جرات نہ کی ایک چھوٹے سے لڑکے کو اندر بھیج کر دکھوالیا اس برج کے اندر ایک بڑے پیالے کی شکل بنادی ہے اور کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔ چونکہ یہ مقام حضرت فاطمہ کے نام سے منسوب ہے لہٰذا پاس ادب ضروری ہے۔

جھالا اسی سے ملا ہوا ایک بہت وسیع کشادہ اور بلند دالان ۲ × ۲۸ گز ہے۔ اس دالان کا دروازہ ۸ گز ۹ ۔ ۹ چوڑا اور بہت اونچا ہے۔ اس دالان میں

ف ۱ زمینے چاہیے مگر یہاں تو ایسا ہی کھدا ہوا ہے۔ ۱۲

رنگ کا کام تھا جواب برائے نام باقی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ دالان کسی سوداگر نے جب اس کی منت پوری ہوئی تو باظہار تشکر بنوایا اور اس کا نام جہاز رکھا۔ وجہ تسمیہ کوئی کچھ کہتا نہیں۔ میرے خیال میں چوں کہ یہ دالان بہت بڑا ہال ہے اور جہاز کی شکل کا لمبا چلا گیا ہے عجب نہیں کہ بلحاظ ہیئت کذائی جہاز کے نام سے موسوم کیا گیا ہو۔ اس کا ایک دروازہ باہر والے رستے پر بھی ہے اور ایک سہ دری بھی اسی کے متعلق تھی جس کے تین در باقی ہیں اس مکان میں جو ندرت ہے وہ یہ ہے کہ اس کی چھت کڑیوں کی ہے اور باوجود امتداد زمانے کے چوبینہ علی حالہ قایم ہے جو شہتیر دروازے پر بطور سردل کے دیا گیا ہے اس کو دیکھنے سے اس کی غیر معمولی جسامت اور سطبری کا اندازہ ہوسکتا ہے چھت اوپر سے سپاٹ ہے اٹھارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ خدا جانے کیا بات ہے کہ جو جگہ ملی وہاں مردے دفن کردیئے گئے حالاں کہ یہ مکانات اس مصرف کے لیئے نہیں بنائے گئے تھے۔ اس میں بھی دو قبریں ہیں۔ پھر ایسی جگہ قبریں بنا دینا اور قبروں کو روندن میں لانا غور طلب ہے۔ ان دونوں قبروں کے سراہنے کے کتبے یہ ہیں:۔

(۱) ہُوَ المستعان سید خورشید علی رضوی تعزیہ دار بعمر ۶۲ سال در شب جمعہ بتاریخ ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ رحلت نمود۔

(۲) سَلَامٌ عَلَیْکُم بِمَا صَبَرْتُمْ × فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ هٰذَا الْقَبْرُ × اَلْمُنَوَّرُ قِبْلَۃُ الْمُنْدَرِ فِی رَحْمَۃِ × کربلائی بیگم الفاتحۃ لہا اجرکم اللہ × فی ۴ شعبان المظفر ۱۳۰۲ھ

نواب ابراہیم بیگ خاں کی قبر ۱۲۴۴ھ

یوں تو درگاہ کے احاطے میں ایک چپہ بھر زمین بھی قبروں سے خالی نہیں مگر ہم انہیں قبروں کو لکھتے ہیں جن پر کتبے ہیں۔ پختہ فرش کو چھوڑ کر خام صحن میں جو برج کا سہ حضرت فاطمہ اور جہاز کی عمارت کے سامنے ہے صرف ایک قبر کی لوح پر جو سنگ باسی کی ہے یہ کتبہ بخط نستعلیق ہے۔

نواب ابراہیم بیگ خاں بہادر خلف × احتشام الدولہ نواب اسمٰعیل بیگ خاں بہادر × فیروز جنگ بتاریخ پنجم جمادی الثانی × ۱۲۴۴ھ وفات یافت)۔

درگاہ کے احاطے کے اندر مسجد

درگاہ کے احاطے کے اندر جہاز کے پیچھے بجانب شمال ایک مسجد ہے۔ جس کے تین گنبد

اور تین در ہیں۔ مسجد طول و عرض میں ۴۰ ۱/۲ × ۱۲ فٹ ہی۔ چار سیڑھیوں کا منبر ہی۔ سامنے چبوترا ۴۴ × ۵ فٹ ۳ اپر ہی جس پر گما اینٹ کا فرش ہی۔ بیچ کا در ۸ ۱/۲ فٹ اونچا اور ۵ فٹ ۴ انچ چوڑا ہی۔ کلس گنبدوں کے ٹوٹ گئے ہیں۔ صحن کے آگے سنگ سرخ کا ایک **حوض** ۲۸ ۱/۲ × ۱۵ فٹ تین فیٹ عمیق ہی جس کے بیچ میں ایک فوارہ بھی سنگ سرخ کا ہی اب یہ حوض مٹی سے اٹ گیا ہی اور اس قدر گھانس اس میں ہو گئی ہی کہ اس کے حدود کا معلوم کرنا بھی مشکل ہی۔ مسجد کے گرد سات فیٹ اونچی احاطے کی دیوار ہی۔

سنگ مرمر کا پہلا چبوترا

پھر درگاہ کے باہر آئیے تو اس کے سامنے تمام سنگ مرمر کا فرش ہی اور ایک بہت بڑا پرانا نیم کا سایہ دار درخت کھڑا ہی۔ اس درخت کے گرد بھی سنگ مرمر کا ۱۵ ۱/۲ × ۱۰ فٹ ۲ انچ اونچا دو سیڑھیوں کا چبوترا باندھ کر درخت کو ایک کونے میں لے لیا ہی۔ اس چبوترے پر دو قبریں سنگ مرمر کے تعویذ کی ہیں مگر کوئی کتبہ نہیں ہی۔

چار قبروں کے کتبے

اس چبوترے کے ذیل کی قبریں سطح زمین کے برابر ہیں صرف سلوں سے معلوم ہوتا ہی کہ قبریں ہیں۔ سلوں کے گرد سیاہ حاشیہ کھینچ دیا گیا ہی۔ ان چار قبروں میں صرف قبر نمبر (۱) کی سل سنگ سرخ کی ہی باقی کی سنگ مرمر کی سلیں ہیں۔

(۱) مخلدار بیگم کہ گفتی بدنیا — سجود در اہل بیت است در بینم
غمش کرد خون دل دوستاں خشک — شد از ماتمش دیدۂ مومنیں نم
بہ بید خود آں سیدہ سال رحلت — بگفتا مخلدار خلد بر بینم

(۲) مرقد منور حسام الدین حیدر موسوی ۱۲۱۹ (۳) آخریں منزل جہاں آرا ہے ۱۲۵۹

(۴) باد الجمال مسند نشیں صدر نشاں ۔ ۱۲۲۳

امراؤ مرزا صاحب کے بزرگوں کی ہڑواڑ[۱۵]

نیم کے درخت والے چبوترے کے سامنے یہ دوسرا چبوترا سنگ مرمر کا ۱۳ فٹ مربع ۲ فٹ اونچا ہی جس کے گرد ۱/۲ فٹ اونچا کٹہرا شمال میں اور نصف نصف مشرق مغرب میں ہی۔ اس چبوترے پر دو قبریں زمین کے برابر ہیں جن پر سنگ مرمر کی سلیں اور چو طرف حاشیہ سنگ سیاہ کا ہی

۱۵ نواب امراؤ مرزا صاحب آنریری مجسٹریٹ دلی کے عمائدین میں سے ہیں آپ دریا گنج میں رہتے ہیں یہ ہڑواڑ آپ ہی کے بزرگوں کی ہی۔ ۱۲

قبر نمبر (۱) کے اوپر بسم اللہ الرحمن الرحیم دو طرف کلمۂ شہادت بیچ میں اللہ اور گرد آیۃ الکرسی ہے۔ اس کے سرہانے نہایت خوشخط بہ خط نستعلیق سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے:

ھو الباقی

احمد حسین خاں کہ بعہد شباب مرد — زاں خوبی و نکوئی و حسن و جمال آہ

سال وفات او بدو نوع ای دقیقہ رس — خاں یکہزار و دو صد و ہفت و دو سال آہ

۱۲۷۲

(۲) دوسری قبر کے سرہانے یہ لوح ہے:

اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا غفار الذنوب			یا ستار العیوب
ارحم	چراغ شبستان ہفتم امام	بپای علی شاہ مرداں بجفت	الغفران
	ز ہاتف چو پرسیدم از سال او	مرا سکن موسو بخاں بگفت ۱۱۸۴	
یا رؤف			یا عطوف

ایک سہ درہ دالان

اس چبوترے کے سامنے ایک سہ درہ دالان سنگ سرخ کا ہے۔ جس کی چھت بھی سرخ سلوں کی ہے۔ یہ دالان $\frac{۱}{۲}$۱۷ × ۹ فٹ ہے۔ اس میں چار قبریں زمین کے برابر ہیں جو سلوں اور جدولوں سے پہچانی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ دیوار میں کتبہ تھا اس میں کچھ غلطی ہونے سے نکال لیا گیا۔ یہاں کے لوگ اکبر مرزا صاحب کے خاندان کی ہڈواڑ بتلاتے ہیں جو فراش خانے میں چوسیا کے چھتے میں رہتے ہیں۔

مہر النساء بیگم کی چوکھنڈی

اوپر والے سہ درہ کی پشت کی پچھیت کی دیوار میں ایک دروازہ ہے جو اس چوکھنڈی میں جانے کا ہے۔ یہ چوکھنڈی ۱۳ فٹ ۹ انچ × ۱۱ فٹ ہے۔ جس کے احاطے میں سنگ مرمر کی سلیں ۶ فٹ $\frac{۱}{۲}$ اونچی لگی ہوئی ہیں۔ فرش بھی سنگ مرمر کا ہے۔ دروازہ مغرب میں ہے جس میں سنگ مرمر کی دو جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس کے اندر تین قبریں برابر برابر مشرق سے مغرب کی طرف ہیں۔ دو کے تعویذ ہیں ایک کی سل جس پر سیاہ حاشیہ ہے۔

نمبر (۱) کی لوح نہایت خوب صورت خوش خط اور نقش و نگار سے آراستہ ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

چو مہر النسا بیگم خوش صفات — کہ چوں مہر می داشت روشن لقا
برفت از جہان و سیہ شد جہاں — بیفگند پر تو بملک بقا
زمنوں بجستیم سال وفات — بصد محنت و درد و رنج و عنا
بکا کرد بے انتہا و بگفت — کہ ہیہات ہیہات مہر النسا

سنہ ۱۲۳۸ھ

نمبر (۲) قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ تا هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ
سرہانے کلمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (نہایت خوش خط)
اگرچہ یہ چوکھنڈی خود مختصر ہے لیکن بایں ہمہ جنوب رخ پر ایک چھوٹی سی لدائی سہ دری سنگ سرخ کی بنا دی ہے۔

شاہ نعمت الٰہی کی چوکھنڈی ۱۰۹۷

سید عارف علی شاہ صاحب سرکی درگاہ کے احاطے کی مغربی دیوار سے ملی ہوئی ہے جو اینٹ کی ہے۔ یہ چوکھنڈی ہے ۱۳ فٹ ۱/۲ مربع ہے۔ احاطے کی بلندی ۳ فٹ ۵ انچ ہے۔ درگاہ کی طرف کی دیوار کے سوا تینوں طرف دیواروں میں سنگ مرمر کی چار چار سلیں اور ایک ایک جالی لگی ہے۔ مغرب کی طرف صرف دو جالیاں ہیں کہ اسی میں دروازہ ہے۔ اس چوکھنڈی میں صرف دو قبریں ہیں۔ جو قبر بجانب درگاہ ہے اس کی مرمر کی سل پر یہ عبارت بخط نستعلیق منقوش ہے جس کی سیاہی جا بجا سے اڑ گئی ہے۔

اللهم اغفر لجناب الحضرات وفات

[illegible]

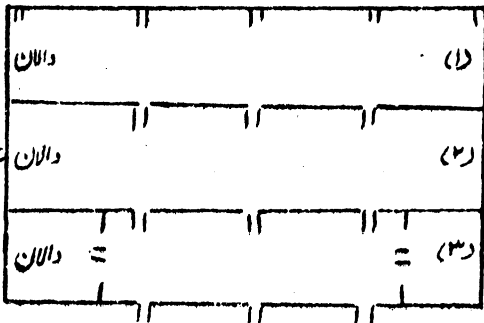
[illegible]

شاہ نعمت الٰہی فی التاریخ ۱۰ شعبان سنہ ۱۰۹۷

اسی کے برابر دوسری قبر ہی مگر اس پر کوئی کتبہ نہیں ہی۔ سنگ مرمر کی سل کے گرد سیاہ حاشیہ ہی۔

مجلس خانہ ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء

یہ مجلس خانہ عشرت علی خاں نے ۱۲۲۳ھ ۱۸۰۸ء میں بنوایا جو تہرے دالان کا ہی جس کے گرد چوڑا چھجہ اور چاروں کونوں پر چار برجیاں ہیں۔ یہ عمارت طول و عرض میں ۵۳×۳۴ ہی۔ شمال میں پانچ در، مشرق میں دو، جنوب میں تین، مغرب میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ۔ یہ در دہرے اور بنگڑی دار محراب کے ہیں۔ چھت لداؤ کی قلم دان نما اوپر سے سپاٹ ہی۔ چودہ سیڑھیوں کا زینہ ہی۔ نقشہ سطحی اور نظری اس کا یہ ہی۔



اس مکان کے پیش دالان میں شمال رویہ پاکھے پر یہ کتبہ ہی:-

(۱) بدرگاہ شاہنشہ دوسرا ے — علی شاہ مرداں ولی خدا ے
بحکم شہ اکبر نامور — چو عشرت علیخاں بیاراست جا ے
ز سید شدم سائل سال آں — ہمیں زد رقم داد ناظر نما ے ۱۲۲۳

اس مکان میں مجلسیں مرثیہ خوانی کی ہوتی ہیں۔ امتداد زمانہ کی وجہ سے مجلس خانہ بہت بوسیدہ ہو گیا تھا۔ ۱۳۰۲ھ میں نواب وزیر علی خاں نے اپنی عالی ہمتی سے اس کی درستی کرا دی چنانچہ صاحب موصوف نے دہلی کشمیری دروازے کھڑکی ابراہیم علی خاں میں جو

درگاہ پنجہ شریف۔ امام باڑہ اور مسجد سید آغا حیدر صاحب کے بزرگوں کی ہیں ان مقامات کی مرمت بھی کرائی۔ درگاہ پنجہ شریف میں ۸ محرم کو علم اور ۹ کو تابوت اٹھایا جاتا ہے اور ہر نوچندی شنبہ کو مجلس عزا سید الشہدا برپا ہوتی ہے۔ اوپر کے کتبے کے متوازی یہ دوسرا کتبہ ہے۔

(۲) اللہ

وہ عالی مرتبہ سید وزیر علی نواب	امام باڑہ مرمت کرایا اور جہاز
لگایا جس گھڑی یوں بحر فکر میں غوطہ	تو کا فکر سر بدخواہ یاس خستہ جگر
برائے مادۂ سن ہجری نبوی	مکان شیر خدا ہے یہ بے بدل بولا

۱۳۰۲ ہجری

خاکسار کی سمجھ اس معمے کے حل سے قاصر ہے کہ ہے تو یہ مکان مجلس خانہ اور بانی کی غرض اس عالی شان اور خوش نما عمارت کے بنانے سے انعقاد مجالس تھا مگر اب تو اس سے قبرستان کا کام لیا جا رہا ہے یعنی اس کے مسقف حصہ کی بھی کوئی جگہ خالی نہیں کہ جس میں قبر نہ ہو اور جتنی قبریں مجلس خانے میں ہیں رات دن روندن میں آتی ہیں بے تکلف لوگ جوتیاں پہن کر پھرتے اور اسی میں اٹھتے بیٹھتے اور سوتے ہیں اس پر سے ظاہر ہے کہ اس متبرک مقام کے بنانے سے غرض کیا تھی اور اب ہو کیا رہا ہے۔

مجلس خانے کے اندر کی قبروں کے کتبے

پہلے دالان کے باہر مشرق کی طرف۔ (۱) یہ ایک سنگ مرمر کی سل ہے ۷½ × ۳½ جس کا چبوترا ۱ فٹ ۸ انچ اونچا اور کٹہرا بھی اسی قدر اونچا سنگ مرمر کا ہے۔ اس کے سرہانے یہ کتبہ ہے۔

ھو الغفور

۱۳۲۸

آرامگاہ دائمی جناب نواب سید سلطان مرزا صاحب مغفور × پاک دامان و خوش اعمال
خجستہ گوہر صاحب تقویٰ × حامی دین نبی سید مومن پدر از نسل رضا × مرد با وضع
اولوالعزم رئیس دہلی در شہر مئے × وائے ازد دار فنا رفتہ محمد صفدر
۱۰ ۸ ۳۳۶ ۶۸۵ ۹۲ ۳۷۴
سلطان مرزا دسمبر ۱۹۱۰ء

پہلے دالان ۱۵ کے اندر کی قبریں۔ (۲) ۸۶ × ۲۲ — قبر مسمی بعباس میرزا قبلہ گاہ سجاد مرزا۔
(۳-۴)۔ خالی۔

(۵) ھواللہ سیوم ماہ عزا بود وپس از ماہِ عزا ناگہاں شد بجناں رحلت کبری بیگم
ہاتف غیب بمن گفت زروی الہام سال تاریخ بگو تربت کبری بیگم ۱۳۱۰

(۶) ھواللہ حسین مرزا چوں مرد و رشش رفعاں ازاں کہ بود زنسل امیر خیبر گیر
پئی شمارہ سال وفات رضواں گفت بیا بکاخ جناں ای امیر ابن امیر ۱۳۲۲

(۷ و ۸) خالی۔

دوسرے دالان کے اندر کی قبریں۔ (۱) کلمۂ طیبہ۔

فائز بقدم بوس علی شد ہر گاہ عشرت ز غلامان علی شاہنشاہ
سید سر اندیشہ چو زد سال نوشت پابوس علی باد بعشرت اللہ ۱۲۲۷

(۲۔۳) خالی۔ (۴) یا ودود غفور ۱۳۲۳ ھوالغفار ۱۳۲۳ یا واھب یا غافر ۱۳۲۳

ازو ہر رفت سیدہ خاتون مگر ندید بھر سفر ز نیمۂ ماہِ صیام بہ
یکتا ور وے آہ بمعنی دلفظ گفت یکشنبہ و ہزار و سہ صد بود و لبست وسہ

یا وھاب یا غفار ۱۳۲۳ سنہ ہجری ۱۳۲۳ ھوالغافر ۱۳۲۳

(۵) ھوالغفور۔ رفت برلبست چوں محمد میر سوئے خلد بریں ز دار غرور
گفت ہاتف و نیل بخشش او ست کامدہ سال رحلتش مغفور

دالان کے باہر (۶) اللہ۔ محمد۔ علی۔ فاطمہ۔ حسن حسین

مزار پر انوار جوانمرگ آغا محمد یوسف صاحب خلیل فرزند دلبند آغا محمد ابراہیم صاحب خلف الرشید حضرت مولانا محمد حسین صاحب آزاد اعلی اللہ تعالی مقامہم۔

قطعۂ تاریخ

عمر بھر یاد رہے گی یہ کہانی افسوس داغ دل پر ہے محبت کی نشانی افسوس
ہائے مہندی بھی دولہن کی نہ چھٹی تھی شاعر خاک میں دفن ہے یوسف کی جوانی افسوس ۱۳۲۳ھ

تیسرا دالان۔ چھ قبریں مگر خالی۔

مجلس خانے کے محاذ میں چبوترے پر۔ پہلی قطار:۔

اس لین میں کل بارہ قبریں ہیں جن میں سے صرف دو پر کتبے ہیں۔ (۱) جو محراب

کے نیچے ہے سید علی حسن صاحب مرحوم۔[ل]
۱۲۳۲ھ

(۲) ھو۔ اے دریغا سجاد۔
۱۲۹۴

پانچویں قطار میں۔ پانچ سادی قبریں۔

چھٹی قطار میں۔ چھ قبریں ہیں جن میں سے چار سادی اور دو پر یہ کتبے ہیں:۔

(۱) جو داہنی طرف سے چوتھی قبر ہے:۔

سنہ ۱۲۶۸ھ
بتاریخ پانزدھم رمضان
رحلت
ولایتی خانم صاحب نمود

(۲) جو داہنی طرف سے پانچویں قبر ہے:۔

بحکم حق سوئے جنت برفت بیبا جان[ل] | بہ بست رفت ز دار فنای کہنہ رباط
ندا رسید ز ہاتف بسال تاریخش | ملال دوائی کہ تیرہ نمود بزم نشاط
۱۲۶۰

عیسیٰ خاں کی باغیچی

علی گنج کے حصار کے اندر ایک وسیع اور پختہ احاطہ ہے جس کے اندر کچھ درخت ہیں وہ عیسیٰ خاں کی باغیچی کے نام سے مشہور ہے۔ اس کا ایک معمولی سا دروازہ مشرق رویہ ہے۔ اندر ایک تین در کا

[ل] اس سے سال وفات نہیں نکلتا معلوم ہوتا ہے کہ نام کے نیچے سال یوں ہی لکھ دیا ہے۔ آپ اٹاوے کے رہنے والے اور نواب محسن الملک بہادر مرحوم کے چچا زاد بھائی تھے۔ حیدرآباد دکن میں ایک زمانے میں آپ کا طوطی بولتا تھا۔ بڑے قابل ذہین دانا اور ذی خلق صاحب فیض عام تھے۔ ہر کہ و مہ آپ کا ثنا خوان تھا۔ جس طرح نواب محسن الملک۔ نواب وقار الملک و انتصار الملک حیدرآباد سے علیحدہ ہوئے آپ کو بھی علیحدہ ہونا پڑا۔ وہاں سے آ کر کچھ دنوں آپ اندور میں ایک معزز و ممتاز عہدے پر رہے۔ اور پھر جاورہ کے مدار المہام ہو گئے۔ آپ نے سرطان سے دہلی میں انتقال کیا۔ قبر آپ کی بہت معمولی سنگ باسی کی ہے کوئی عمدہ کتبہ بھی [illegible] حالاں کہ اب بھی آپ کے بہت سے عزیز قریب بڑے بڑے عہدوں پر ہیں۔ مثلاً مولوی سید حسین بلگرامی نواب عماد الملک آپ کے سمدھی۔ آپ کے داماد محمد عقیل بلگرامی نواب عقیل جنگ بہادر کمشنر حیدرآباد دکن۔ مرزا نذیر بیگ صاحب نواب نذیر جنگ بہادر معتمد افواج مولوی سید امیر حسن صاحب تعلقہ دار برادر کہین نواب محسن الملک بہادر سب ہی خدا کے فضل سے موجود ہیں۔ ان صاحبوں کی ادنیٰ توجہ سے مرحوم کی قبر عمدہ پیمانے پر بن سکتی ہے مگر توجہ درکار ہے۔ [ل] یوں تو منہ دیکھے کی ہوتی ہے محبت سب کو جب میں جانوں کہ مرے بعد مرا دھیان رہے۔ ۱۲

[ل] نام اور تیرہ نمود نشاط کا [illegible] ایک ہی [illegible] قبر [illegible] دیکھئے [illegible] کی کرامت کہ استغفار الله۔ ۱۲

پختہ دالان ہے جس کی بغلی میں دو طرفہ ایک ایک حجرہ ہے۔ دروازے کے سامنے ایک پختہ کنواں ہے۔ احاطے کی دیواروں میں سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ اب اس میں کمہار لوگ جھونپڑیاں ڈال کر رہتے ہیں۔ معلوم نہیں یہ عیسیٰ خاں کون تھے وہی تو نہیں جن کا مقبرہ اور مسجد ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔

علی گنج کی فصیل

علی گنج کی بستی کے گرد ایک بڑی عالی شان فصیل بڑے وسیع حلقے کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ فصیل اُسی وضع کی ہے جیسی کہ شہر دہلی یا روشن چراغ دہلی کی ہے۔ اس میں بڑے بڑے دیوار دوز طاق بنے ہوئے ہیں۔ یہ فصیل سنگ خارا کی ہے ۱۷ فٹ اونچی اور تین فیٹ کا کنگورا اس کے سوا ہے کنگورا ملا کر (۲۰ فٹ) کی اونچان ہے۔ فصیل کے اوپر چڑھنے کے دو رخے زینے اٹھارہ اٹھارہ سیڑھیوں کے ہیں۔ اس شہر پناہ میں تین دروازے ہیں مشرقی جانب کا دروازہ مسمار ہو گیا۔ شمال کی طرف کا دروازہ وہ ہے جس پر کتبہ ہے اور اُس کا حال ہم لکھ آئے ہیں۔ جنوبی دروازہ بھی بہت عالی شان اور اُسی وضع قطع کا ہے جیسا کہ شمالی دروازہ ہے۔ یہ دروازہ بھی بڑا شاندار چوکیوں دار اور دو منزلہ ہے۔ آگے ایک دروازہ ہے پیچھے دوسرا بیچ میں گنبد اور دو طرفہ بغلی میں دو منزلہ سہ دری ہے۔ اس کی بلندی ۲۷ فٹ اور کنگورہ ۳ فٹ جملہ ۳۰ فٹ ہے۔ چوڑان ۱۸ فٹ۔ اوپر جانے کا (۲۷) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔

نواب مرزا نجف کا مقبرہ

سنہ ۱۱۹۶ھ ۱۷۸۱ء

یاران عزیزان بسر خاک من آیند ... از خاک بپرسند نشان و اثر من
گر خاک جہاں جملہ بغربال بہ بیزند ... حقا کہ نیابند نشان و اثر من

نادر شاہ کے حملے (سنہ ۱۷۳۹ء) کے بعد مغلیہ سلطنت کی بنیاد ایسی ہل گئی کہ کوئی انسانی طاقت اُس کو درست نہ کر سکتی تھی۔ لے دے کے نجف خاں ہی ایک ایسا شخص رہ گیا تھا کہ اُس سے کچھ امید بندھتی تھی کہ وہ موجودہ حالت کو کچھ دنوں لشتم پشتم چلائے تو چلائے لیکن اُس کے مرجانے سے اِس امید موہوم کا خاتمہ ہو گیا۔ اس میں شک نہیں کہ سلطنت مغلیہ کے آخری زمانے میں جو نام کہ نجف خاں نے پیدا کیا وہ عروج کسی کو میسّر نہیں ہوا۔ کہنے کو نجف خاں کی وفات کے وقت شہنشاہ شاہ عالم تخت سلطنت پر جلوہ افروز تھا اور اُس کے بعد بھی اُس کے جانشین دو ادھ بادشاہ ہوئے لیکن نجف خاں کی اولاد نے باغیوں سے

ساخت باخت کرکے سلطنت کی بنیاد اور بھی کھوکھلی کردی۔ مسٹر کین لکھتے ہیں کہ "ملک کے حصے بخروں اور عہدوں کی نامزدگی اور تقسیم پر جھگڑے اُٹھ کھڑے ہوئے جس سے سلطنت مغلیہ کے رہے سہے ٹکڑے بھی بکھر گئے اور خود مختار سلطنت کا خاتمہ ہوگیا"۔

نجف خاں ایک بڑا قابل شخص تھا۔ وہ ایرانی الاصل صحیح النسب صفوی خاندان کا سید تھا۔ مسٹر کین نے اپنی کتاب مغل امپایر میں لکھا ہے کہ "سلطنت کے تمام امور و مہام اُس کے دست قدرت میں تھے جس کو اُس کی بیدار مغزی اور صفات حسنہ نے سنبھال لیا۔ چوں کہ وزیر سلطنت اودھ میں رہتا تھا اس لیے نجف خاں نیابتہً مہام سلطنت انجام دیتا تھا اس کے علاوہ وہ فوج کا سپہ سالار بھی تھا۔ تمام امور مالیہ کے انتظام کا تعلق براہ راست اُسی سے تھا اور حسب رواج ملک اُسے صوبۂ آگرہ اور جاٹوں کے علاقہ جات کا زر مالگزاری خارج از جمع بھی تفویض تھا۔ اس کے علاوہ ضلع الور[۵] اور کچھ حصہ بالائی دوآب کا بھی اُس کے سپرد تھا"۔ مسٹر کین نے بحوالۂ وارن ہسٹینگز گورنر جنرل نجف خاں کی وفات کی تاریخ ۲۶۔ اپریل ۱۷۸۲ء لکھی ہے مگر قبر کے کتبے پر سے ۱۷۸۱ء ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

---

[۵] الور۔ اس ریاست کا رقبہ (۳۱۴۱) مربع میل۔ آبادی (۷۹۱۶۸۸) محاصل (۲۶۰۰۰۰۰) فرماں روا مہاراجہ سوائی سرجے سنگھ بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ سلامی (۱۵) توپ الور راجپوتانہ کی ایک بڑی بھاری ریاست ہے۔ یہاں تین حصہ ہندو رہتے ہیں اور پاؤ مسلمان۔ الور کے پہاڑوں میں شکار خوب ملتا ہے۔ سلی سرا اور دیوتی کی جھیلوں میں مچھلیاں اور مرغابیاں افراط سے ہیں۔ جنگل میں سانبھر نیل گائے۔ ہرن۔ بارہ سنگھا۔ جنگلی سور سب ہی ہیں۔ ریاست میں دو ہزار سوار۔ ساڑھے پانچ ہزار پیدل اور تین سو کی نفری توپ خانے کی ہے۔ یہاں کا راجہ نہایت تہذیب یافتہ اور برٹش گورنمنٹ سے ان کے تعلقات بہت خوش گوار ہیں۔ الور کا شہر بھی دیکھنے کے قابل ہے پچاس ہزار کی آبادی ہے۔ شہر کے گرد فصیل اور خندق ہے ایک طرف قدرتی پہاڑ آگیا ہے جس پر قلعہ بنا ہوا ہے۔ ڈاک بنگلہ ریلوے اسٹیشن ہی کے پاس ہے۔ اسٹیشن کے پاس فتح جنگ (۱۵۴۷ء) کی بڑی عمدہ عمارت ہے۔ یہ اس قدر قدیم ہے کہ اب الور میں فتح جنگ کو کوئی جانتا بھی نہیں کہ کون تھے۔ شہر اسٹیشن سے میل بھر ہے۔ بازار میں جو نفیس مندر ہے وہ جگناتھ جی کا ہے اور ایک عجیب و غریب قدیم مقبرہ فیروز شاہ کے بھائی ترنگ سلطان کا پورا بے پر ہے جو تقریباً ۱۳۵۰ء کا بنا ہوا ہے۔ بنے بلاس کا محل زمانۂ حال کی (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

صفدر جنگ کے مقبرے سے ذرا آگے بڑھ کے قطب روڈ سے بائیں ہاتھ کی طرف کچے رستے پر پہلے کربلا کا احاطہ ملتا ہے اس کے آگے شاہ مرداں کا بہت وسیع فصیل نما احاطہ ہے جس کے اندر گاؤں آباد ہے۔ اسے ہی علی گنج بھی کہتے ہیں۔ علی گنج کے جنوبی

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایک بہت خوش نما اور نفیس عمارت ہے جس میں خوبصورت باغ۔ نفیس دربار ہال ہے جس کا پیولین سنگ مرمر کا ہے۔ دربار ہال کی چھت پر سے ایک عمدہ نظارہ قلعہ۔ مندروں مجتاور سنگ کے مقبرے اور سارے شہر کا ہوتا ہے۔ پیولین کی دیواروں اور چھت پر بے نظیر رنگین پچیکاری کا کام ہے۔ اسی کے پاس مہاراج کا زمانہ حال کا عالی شان محل ہے۔ کتب خانے میں عجیب عجیب نایاب و نادر بیش قیمت قلمی کتابیں۔ بعض مطلا و مذہب فرامین قابل دید ہیں۔ قدیم کلام مجید۔ گلستاں کا ایک ایسا نادر نسخہ ہے جس کی قیمت پانچ لاکھ روپیہ ہے جس کی تصاویر فن مصوری اور نقاشی کا عجیب و غریب نمونہ ہیں صحن میں دو مقبرے سنگ مرمر کے ہیں جن کی جالیاں بڑی نفیس ہیں اس کے آگے کچھ اور مندر **وشنو** کے ہیں پھر **بختاور سنگھ** کا بے نظیر مقبرہ ہے جو بہت خوب صورت اور عالی شان عمارت ہے۔ اس مندر کی چھت پر کا نظارہ ایسا قابل دید ہے کہ سارے ہندوستان میں اس کا نظیر نہیں ہے۔ سر ایڈون **آرنلڈ** لکھتے ہیں "تم اس خوشنما منظر کو دیکھو جس میں چہل پہل اور رنگین اور سادہ یوں کی رھکا پیل ہے۔ مقبرے کی سنگ مرمر کی نازک اور نفیس جالیاں اس کے خوشنما نشیمن۔ اطلس کی طرح شفاف مجلا پتھر۔ ٹھنڈی صاف سپاٹ چھتیں۔ جالیوں کے باریک باریک سوراخوں میں سے دھوپ کی شعاع کا چھننا۔ فواروں کا اچھلنا اور ان کے فرش پر پڑنے کی جھینی جھینی آواز۔ تاڑ کے درختوں کے چوڑے چوڑے پتوں پر سے ہوا کا سرسرانا کیلے کے درختوں کے بڑے بڑے پتے غرض کسی مردہ حکمراں کی روح ایسی نہ ہوگی جو اپنے مدفن پر فخر نہ کرے۔ جنگلی موروں کی جھنکار۔ ان کا خراماں خراماں پھرنا اور ناچنا ان کی لمبی لمبی رنگ برنگ کی چمکیلی شاندار دموں کا سنگ مرمر کی دیواروں سے لگے لگے اٹھلاتے ہوئے پھرنا۔ نہروں اور نالیوں میں پانی کا دوڑنا اور لہرانا اور پیچ و خم یہ ایک ایسا عجیب و غریب نظر فریب نظارہ ہے کہ جس کا بیان قلم سے ادا نہیں ہو سکتا اور مناظر نیچر کا کوئی نقشہ نگار ایسا نہ ہوگا جو اس نظارے کی نفاست اور اس کے ہر طرح مکمل ہونے کا معترف نہ ہو" سلاح خانے میں ایک بے نظیر ذخیرہ تلواروں اور انواع و اقسام کے سنہری اور جڑاؤ قبضوں کا ہے۔ الور ہمیشہ صناعی اور دستکاری کے لئے مشہور ہے۔ یہاں فولادی کام تلوار۔ خنجر۔ بیچھے۔ چاقو بہت عمدہ بنتے ہیں مہاراجہ حال کے جد امجد راجہ بنے سنگھ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بڑے بھاری بھرکم اور گراں ڈیل شخص تھے کیونکہ ان کا (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

دروازے کے باہر ایک گہرے پڑے مگر بہت وسیع پختہ اور فصیل نما احاطے میں چماروں کی جھونپڑیوں کے پاس کھیتوں میں یا یوں سمجھئے کہ کربلا اور شاہ مرداں کے درمیان علی گنج کے مغرب میں موضع مجاہد پور کی حدود میں امیر الامراء بخشی ملک نواب مرزا نجف خاں بہادر کے مقبرے کا عالی شان اور وسیع چبوترا ہے۔ مقبرے کا نام سن کر لوگ گنبد کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں حالاں کہ سرے سے کوئی گنبد ہی نہیں خالی چبوترا ہی چبوترا پختہ اور سنگ بست ہے ۹۰ مربع اور نو فیٹ بلند ہے جس پر چڑھنے کا

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) زرہ ہی زرہ علاوہ دوسرے ہتھیاروں کے وزن میں ساڑھے سولہا پونڈ ہے۔ یہ سارا زرہ جواہرات سے جگمگار ہا ہے۔ راجہ صاحب کے خزانے میں صندوق کے صندوق جواہرات، اور اشرفیوں کے بھرے پڑے ہیں۔ ایک ہجا زمرد میں تراشا ہوا ایک پیالہ ہے اور ایک ایسا ہی پیالہ لعل کا ہے۔ بیش قیمت موتیوں کے ہار۔ ایک ہیرا جس کی قیمت لاکھ روپئے ہے۔ دیوار دار پر ہاتھی گھوڑوں کی شان دار جھولیں۔ گہنے۔ اور انواع اقسام کے سامان بیش قیمت اور گراں بہا پوشاکیں۔ شال دوشالے۔ عطریات اور خوشبوئیں سب ہی کچھ بھرا ہوا ہے۔ شیشے خانے میں ایک عجیب و غریب چاندی کی میز ہے۔ جس کی نالیوں میں رنگین بلوری مچھلیاں تیرتی ہیں۔ مہاراجہ صاحب کو گھوڑوں کا بڑا شوق ہے ان کے اصطبل میں بہت نفیس نفیس ہندوستانی نسل اور یورپ کے گھوڑے ہیں۔ الور کا رسالہ ہندوستان کے بہترین رسالوں میں ہے۔ اصطبل کے آگے ایک مکان میں شکاری چیتے۔ سیہ گوش۔ ہرن جنگلی بارہ سنگھے اور باز۔ شکرے۔ بحری۔ ہر قسم کے شکاری جانور ہیں۔ قلعے میں کوئی خاص بات دیکھنے کی نہیں ہے سوائے اس کے کہ پہاڑی پہاڑ فصیلوں کا سلسلہ دو میل کے حلقے میں پھیلا ہوا ہے۔ اور کچھ پرانے زمانے کی بڑی بھاری بھاری توپیں ہیں۔ قلعہ کی چڑھائی بہت مشکل ہے۔ اکثر لوگ جھمپان میں سوار ہو کر جاتے ہیں صبح کا وقت قلعہ دیکھنے لئے بہت اچھا ہے کہ اُس کی بلندی پر سے سارا شہر اور گرد و نواح کا بڑا عمدہ نظارہ ہوتا ہے۔ شہر کے بازاروں میں بڑی بھیڑ بھاڑ رہتی ہے۔ یہاں کے لوگ قدآور اور رشان دار ہیں۔ ایک جگہ چوک میں ایک چھوٹی سی چہری ہے شیر وغیرہ درندے اور انواع و اقسام کے چھوٹے بڑے جانور ہیں۔ اس سے تھوڑی دور آگے چل کر مہاراجہ کی سواری کی وہ مشہور گاڑی ہے جس میں مہاراجہ صاحب دسہرے میں برآمد ہوتے ہیں اور جسے چار ہاتھی کھینچتے ہیں۔ یہ گاڑی دُہری اور بڑی بھاری ہے جس میں پچاس آدمی بیٹھتے ہیں۔ الور سے آٹھ میل پر سلیسرہ کی خوب صورت جھیل ہے جہاں مہاراجہ صاحب کا ایک خوشنما محل ہے اور جھیل میں ایک دخانی کشتی بھی پڑی رہتی ہے۔ یہ جھیل قدرتی نہیں ہے مصنوعی ہے جو ایک میل لمبی ہے۔ جس کے گرد ہرے بھرے پہاڑ بڑا لطف دیتے ہیں شہر میں اسی جھیل سے پانی آتا ہے اور اس سے زراعت بھی ہوتی ہے ۱۲

دوطرفہ دس دس سیڑھیوں کا سنگین زینہ ہے۔ قطب روڈ کے چھٹے سیل چوتھے فرلانگ کے محاذی بائیں ہاتھ کی طرف سڑک سے کوئی ایک گولی کے فصل سے یہ مقبرہ ہے۔ جس کے چبوترے کا رو کار سنگ سرخ کا ہے۔ چاروں طرف پتھر کی سلیں کھڑی کردی ہیں۔ چبوترے کی بالائی سطح پر دو ۲ گز کے چبوترے بنے ہوے ہیں جن میں کا ایک ۲۲ فٹ مربع اور ۳ فٹ اونچا ہے اور (۰-۱ فٹ) اونچی منڈیر ملالیں تو ۴-۱ فٹ کا ارتفاع ہوجاے گا دوسرا چبوترا پہلے سے ملا ہوا ۲۰ فٹ مربع اور ۲ فٹ اونچا ہے۔ چبوترے کے چاروں کونوں پر ایک ایک ہشت پہل برجی ہے جس کے جوف میں ۸ فٹ قطر کی کوٹھری ہے۔

یہ بھی ایک عمدہ طریقہ مقبرہ بنانے کا تھا۔ زمین کے اوپر گنبد رہنے سے اس کے صدمات ارضی وسماوی سے گرجانے کا زیادہ اندیشہ ہے اس لیئے اوپر ایک کھلا چبوترا بناکر وہ ساری عمارت جو اوپر بناتے ہیں اندر تہ خانے میں بنالیتے ہیں۔ اسی قسم کا یہ مقبرہ بھی ہے۔ اس میں یہ بھی عمدگی ہے کہ جب چاہیں اوپر گنبد کھڑا کرلیں اور یوں بڑے بڑے گنبدوں میں بھی گو تعویذ قبر کا اوپر رہتا ہے مگر اصلی قبر تہ خانے ہی میں رہتی ہے۔ اس مقبرے کا ایک وسیع اور پختہ احاطہ ہے جس کا بہت بڑا حصہ اب منہدم ہوگیا اب صرف ایک دروازہ اور اُسی کے پاس کی دیوار احاطے کی باقی رہ گئی ہے۔ یہ دروازہ مقبرے سے مشرق میں ہے۔ دروازہ کنگورے دار ہے جس کی بلندی ۲۴ فٹ ہے اور کنگورہ ملاکر ۲۶-۲ فٹ۔ دروازے کی محراب کی اونچان ۱۴ فٹ اور چوڑان (۱۰ فٹ) ہے۔ دروازے پر چڑھنے کی (۲۵) سیڑھیاں ہیں احاطے کی دیوار کا ارتفاع ۱۳ فٹ ہے۔ اب بھی اس احاطے کا نشان دور دور تک نظر آتا ہے اور شمال کی طرف کچھ وضیم پتھر اور چونے کے پڑے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اِدھر بھی کوئی دروازہ اور اُس کے ساتھ کوئی عمارت مثل نقار خانہ یا سہ دری کے تھی وہ سب معدوم ہوگئی۔

اب اس چبوترے کے نیچے تہ خانے میں چلیئے جس کا دروازہ ۷ فٹ اونچا ۵ فٹ چوڑا مشرق کی طرف ہے جسے حال میں پٹ چڑھا دئے ہیں۔ یہ دروازہ تہرا ہے ایک کے اندر ایک محراب ہے اور اس تمام عرض میں ایک لداوی لمبوتری ڈیوڑھی بن گئی ہے۔ اندر سے مقبرہ ہشت پہلو ہے جس کا قطر ۱۲ فٹ اور چھت کی بلندی (۱۰ فٹ) ہے۔ تہ خانے کے اندر جنوب مغرب میں روشنی کے لئے جالیاں لگی ہوئی ہیں اور کافی روشنی ہے مشرق میں دروازہ شمال کی طرف

بند۔ وسط ہی میں نواب نجف خاں اور اُن کی صاحب زادی فاطمہ بیگم کی قبریں ایک ہی چبوترے پر برابر ہیں۔ گویا باپ بیٹی دونوں ایک جگہ تا قیامت سو رہے ہیں۔ یہ چبوترا نہایت شفاف اور چمکیلے ہوئے سنگ مرمر کا ۹ فٹ × ۸ ہے۔ بلندی ۱ فٹ ۱ انچ ہے۔ یہ دونوں قبریں ۵ فٹ - ۲ انچ × ۲ فٹ سنگ مرمر کی ہیں۔ اونچا تعویذ نہیں ہے بلکہ صرف سل ہے۔ جس پر نہایت خوش خط کتبے بخط نستعلیق ہیں۔ جن میں سنگ موسیٰ کے حروف سے لکھا ہے جو بالکل سیاہی بھری ہوئی معلوم دیتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج لکھا گیا ہے۔ خط ایسا نفیس ہے کہ وہ جو کہتے ہیں کہ آنکھیں روشن ہو جائیں تو واقعی یہ خط ایسا ہی ہے کہ تہ خانے کے اندر بھی چمک رہا ہے۔

نجف خاں کی قبر کا کتبہ

ھو الحی الذی لا یموت

این چرخ کج نہاد کماں پشت بر سہام　　کز سہم حادثات نسازد خطا ہدف
در بر نشانہ اشرف سادات را کہ بود　　نسل سیادت صفوی را ازو شرف
شایستہ میوۂ شجر باغ ہشت و چار　　پاکیزہ جوہر دو گہر دُرِّ نہ صدف
بخشی الملوک امیر نجف خانِ شیر دل　　کشور کشائے ہند بتائید لاتخف
آن انجبی کہ دست چو بردی بذوالفقار　　سلطانِ لافتاش ستودے زہے خلف
بادا جلیس بدرِ رسل ختم مرسلیں　　باجدِ خویش کاشفِ اسرارِ لو کشف
زد کلک وحیِ تو امِ عالی بخاک او　　تاریخ سال را رقم "[۱] این تربت نجف"
۱۱۹۶ھ

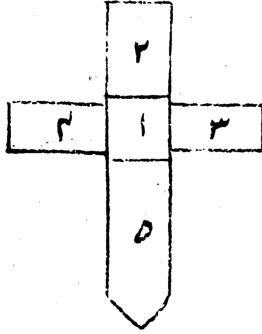
[۱] ایک مادۂ تاریخ اور بھی ہے۔ ع۔ "این قدم گاہِ شہ مرداں نجف آباد کرد" ۱۱۹۶ھ

نجف خاں کی بیٹی کی قبر کا کتبہ

ھو الحی لا یموت

فغاں کہ رفت ازیں خاکدان غم بنیاد　　فرشتہ خوی نکو بانوی خجستہ نہاد
شبیہ محجبۂ ہمنام بنت پیغمبر　　بروح فاطمہ زہرا حقش بیامرزاد
بدل فدائے ولائے علی عالی قدر　　نثار دوالہ نام ائمہ امجاد
کہ بود بنتِ نجف خانِ میر بخشی ہند　　بجان منزل پاکاں خدائش جائید باد
شنیدم آہ و عیاں گشت مصرعِ تاریخ　　علی و فاطمہ روزِ جزا شفیعش باد
۱۲۳۶ھ

بیچ میں باپ بیٹی کی قبر ہے۔ اس طرح کے کمرے لدا دے کے تین طرف ہیں ان میں بھی اور او ر لوگوں کی قبریں ہیں جو نواب نجف خاں کے لواحقین ہوں گے۔



(۱) باپ بیٹی کی قبریں۔ (۲-۳-۴)۔ دوسری قبریں۔ (۵) داخلی دروازہ۔

میں نے شاہ مرداں اور کربلا میں دیکھا کہ اکثر لوگ مثل سنیوں کے قبر کا تعویذ اونچا نہیں رکھتے بلکہ زیادہ تر قبر کو سطح زمین کے برابر رکھتے ہیں اور بجائے ابھرے ہوئے تعویذ کے صرف ایک سل پاٹ دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ اہل تشیع کے ہاں قبر کا اونچا رکھنا شرعاً ممنوع ہو۔

نجف خاں کے انتقال کے پچیس برس کے اندر ہی اندر مغلیہ سلطنت انگریزی راج ہوگیا اور سلاطین مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوگیا۔ ورنہ رہا سے سیندھیا کی لوٹ اور فرانسیسیوں کی مداخلت کی متقاومت جنرل لیک کو کرنی پڑی اور انگریزوں نے شاہ عالم ثانی تاجدار مغلیہ کو سرکار انگریزی کا پنشن خوار بنادیا۔

جنرل لیک کی فتح کے تیرہ دن بعد یعنی ۲۴ ستمبر ۱۸۰۳ء کو جنرل اختر لونی کا مالی اور فوجی عمل دخل دہلی میں ہوگیا۔ جب سے صرف تین قابل ذکر واقعے پیش آئے۔ شاہ عالم بادشاہ نے ۱۸۰۶ء میں انتقال اور قطب صاحب میں دفن ہوئے۔ ۱۸۲۱ء میں اُن کے پوتے مرزا جہانگیر دنیا سے رخصت ہوئے اور درگاہ حضرت نظام الدین اولیا میں رکھے گئے۔ ۱۸۳۷ء میں شاہ عالم کے بیٹے معین الدین اکبر شاہ ثانی نے رحلت کی اور قطب صاحب میں اپنے باپ کے پہلو میں آسودہ ہیں۔ ابو المظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ ۱۸۳۷ء میں برائے نام تخت پر بٹھا دئے گئے اور یہی سلطنت مغلیہ کے آخری تاجدار تھے۔ ان کی برائے نام سلطنت کا خاتمہ بھی غدر ۱۸۵۷ء میں ہوگیا اور آپ کو رنگون جلاوطن کیا گیا جہاں آپ نے کڑھ کڑھ ۱۸۶۲ء میں دنیوی آلام سے چھوٹ کر ابدی نجات

پائی۔ قطب صاحب میں بہادر شاہ کے لئے جو سرد ابہ اُن کے جد امجد اور والد کے بیچ میں رکھا گیا تھا لیکن مشیت ایزدی اور ہی کچھ تھی اور اُن کی مٹی رنگوں کی تھی اب تک خالی پڑا ہے اور پڑا رہے گا۔ ؎

جوانی سے زیادہ وقت پیری جوش ہوتا ہے
بھڑکتا ہے چراغ صبح جب خاموش ہوتا ہے

شہر مبارک آباد ۸۳۷ھ ۱۴۳۲ع

سلطان مبارک شاہ ثانی نے (۸۳۳ھ ۱۴۲۱ع) جمنا کے کنارے ۷ ربیع الاول ۸۳۷ھ میں ایک شہر کی بنا ڈالی اور اُس کا نام مبارک آباد رکھا (۱۴۳۲ع اکتوبر) اور اس کی طرح اندازی اور تعمیر میں اپنا بہت وقت صرف کیا۔ تبر ہند میں کچھ عرصہ رہ کر بادشاہ مع الخیر والعافیت مبارک آباد کو واپس آیا۔ ہندوستان کی طرف روانگی کے وقت بادشاہ کے ساتھ بڑا لاؤ لشکر تھا رستے میں چند دن چبوترہ سرگاہ میں قیام کر کے شہر کی تعمیر کو ملاحظہ کرنے کے لئے بادشاہ مبارک آباد میں داخل ہوا (از تاریخ مبارک شاہی)۔ بادشاہ کے ہندو وزیر سرور الملک نے سازش کر کے اپنے علاقے کے ایک ہندو شخص سے بادشاہ کو ۹۔ رمضان ۸۳۷ھ ۱۴۳۴ع میں قتل کر ڈالا۔ یہ نیا شہر جمنا کے کنارے اور غالباً خضر آباد ہی کے پاس تھا لیکن بادشاہ کی لاش مبارک پور کوٹلے میں لا کر دفن کی گئی۔ اس لئے ہم اب مبارک پور کے مقبروں کا حال لکھتے ہیں جن کا نام عوام کی زبان پر مبارک پور کوٹلہ چڑھا ہوا ہے۔

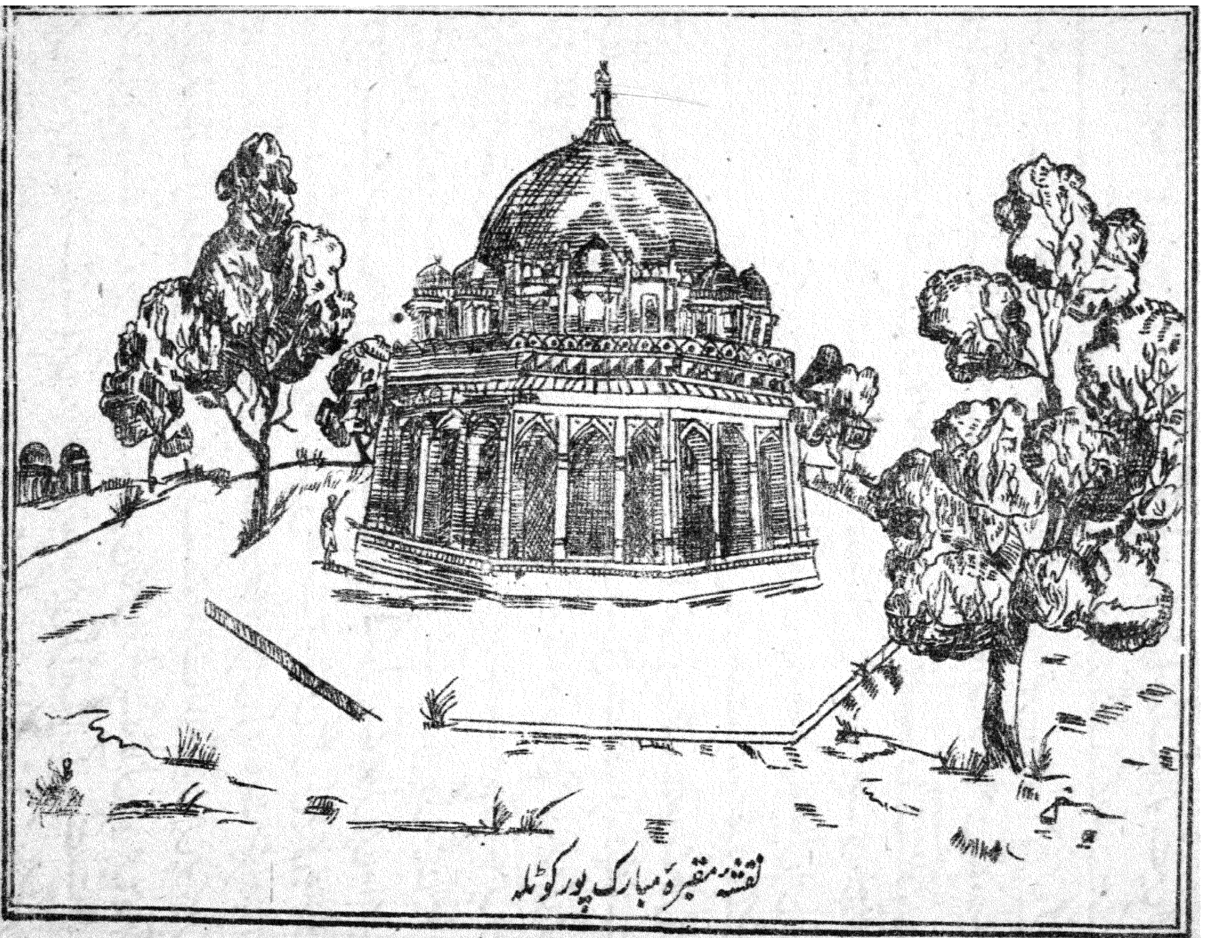
قطب روڈ کے چھٹے میل کے پانچویں اور چھٹے فرلانگ کے بیچ میں بائیں طرف ایک بورڈ لگا ہوا ہے:-

"الیشور پاٹری ورکس رائے سینا۔ پنڈت امرناتھ بھاسکر۔ بی۔ اس سی۔ سی۔ ای۔ گلاسگو" اُس کے آگے کانچ سازی کا کارخانہ ہے۔ یہ زمین موضع بی بی پور غیر آباد کی ہے یہاں صرف چند جھونپڑیاں رہ گئی ہیں وہ بھی خالی اور ایک بہت بڑا بھٹہ اینٹوں کا ہے۔ یہیں سے تمام اینٹیں نئی دہلی کی عمارتوں کے لئے سپلائی کی جاتی ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر مبارک پور کوٹلے کی بستی ہے چونکہ یہ آبادی محصور ہے اس واسطے کوٹلے کے نام سے مشہور ہے۔ اب تو اس بستی کی حیثیت ایک معمولی گاؤں کی رہ گئی ہے مگر اس کی شان دار فصیل عالی شان دروازے بڑی بھاری مسجد اور متعدد نہایت عظیم الشان گنبدوں

سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی کوئی بڑا مقام رہا ہوگا۔ اب ہم یہاں کی عمارات کا حال بیان کرتے ہیں:۔

سلطان مبارک شاہ ثانی کا مقبرہ ۸۲۴ھ-۱۴۳۴ع

بادشاہ کے قتل کیئے جانے کے بعد اس کی نعش مبارک پور کوٹلے میں لائی گئی جو صفدر جنگ کے مقبرے کے پاس اور شہر دہلی سے کوئی (۷) میل کے فاصلے پر ہے اور یہیں اس مقبرے میں دفن کیا گیا جو مبارک شاہ کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقبرہ ایک وسیع صحن کے درمیان واقع ہے جس کے اطراف فصیل کی شکل کا احاطہ ہے۔ ساخت اس مقبرے کی ایسی معلوم دیتی ہے جیسے شیر شاہ اور اسلام شاہ کے وقت کی عمارات ہوتی تھیں اور بعینہ اسی وضع قطع کا ایک اور مقبرہ عیسیٰ خاں کا ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔ سر سید کے خیال میں یہ عمارت اتنی مدت کی بنی ہوئی نہیں معلوم دیتی بہرحال عام شہرت ہے کہ یہ مقبرہ مبارک شاہ کا ہے اور اسی کے نام سے یہ گاؤں **مبارک پور کوٹلا** مشہور ہے۔ یہ عمارت نہایت خوش قطع سنگ خارا سے بنی ہوئی ہے لیکن سنگ خارا اس خوب صورتی سے لگایا ہے کہ دیکھنے سے علاقہ رکھتا ہے قطع اس کی نہایت خوب ہے اور گرد اس کے بہت خوش قطع مثمن غلام گردش بنی ہوئی ہے ستون اور پٹاو بھورے پتھر کا ہے۔ ستون بجز سرے کے لمبوترے ہیں۔ فصیل کے دروازے کے قریب ایک پتلا ٹیکہ گرم کرکے بٹھلائی ہوئی رنگین اینٹوں کا ہے جس کے نیچے سنگ مرمر کی تختی پر دو خوب کھلے ہوئے کنول کے پھول ہیں۔ اس دروازے سے تھوڑی دور آگے بڑھ کر گنبد کی عمارت ہے۔ جو مثمن شکل کی بڑی بھاری عمارت سنگ خارا کی ہے جو ایک بلند چبوترے پر کھڑی ہے جس کی سات سیڑھیاں ریٹ نما جنوب کی طرف بنی ہوئی ہیں۔ مقبرے کے اطراف غلام گردش میں چوبیس ستون چبوترے کی زہ پر استادہ ہیں۔ یہ ستون خاص وضع کے قابل دید ہیں جو لمبوترے ہیں اور اس طرح تراشے گئے ہیں کہ دو ستون جدا جدا ہیں مگر ایک باریک ٹیکے سے جڑے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ اس ہشت پہل عمارت کے ہر بیرونی ستون کو ایک سنگین پشتیبان دے کر مضبوط کر دیا گیا ہے جس سے ایک نئی شان اور پائیداری ظاہر ہوتی ہے۔ گنبد ایک پست استوانے پر ایستادہ ہے جس کے بالائی حصے میں سو لھا رنگین


نقشۂ مقبرۂ مبارک پور کوٹلہ

گلدستے ہیں۔ گنبد کی چھت میں ایک ہشت پہل شکل کا روشن دان ہے۔ گنبد کے کونوں پر آٹھ برجیاں پست نیل پایوں پر ایستادہ ہیں۔ اس مقبرے کا ایک ہی دروازہ جنوب رُخ پر ہے جو اُسی وضع قطع کا ہے جیسا کہ احاطہ کا دروازہ ہے۔ دروازے کی چوکھٹ اور محراب کی گولائی کے درمیان پتھر کی ایک جالی لگی ہوئی ہے۔ دوسرے چھ دروں میں سوائے اُس در کے جو بجانب مغرب جنوبی دروازے کے جواب میں ہے۔ سب میں پتھر کی جالیاں نصب ہیں جن کی لمبائی میں دو دو پتلی پتلی پتھر کی کڑیاں ڈال دی ہیں۔ مغرب کی طرف جالی کی تراش نہایت نازک اور خوب صورت ہے۔ جس کے پیچھے بھی نقش و نگار ہیں ان دروازوں کے اوپر چار محراب دار کھڑکیاں ہیں جن کے اوپر سے گنبد کا ارتفاع شروع ہوتا ہے۔ گنبد کا قطر بہت کافی ہے جس میں رنگین کھڑی پٹیاں ہیں جو نیچے سے اوپر جاکر ایک رنگین دائرے میں جا ملتی ہیں۔ گنبد کے وسط میں قبریں پتھر کی ہیں لیکن چوں کہ سابق میں ایک عرصے تک یہ گنبد بطور رہائشی مکان کے استعمال میں رہا ہے اس وجہ سے باوجودیکہ ساری قبریں سنگ مرمر کی تھیں مگر سب کی آب و تاب جا کر ایسا میلا ہو گیا ہے کہ اب اُسے سنگ مرمر شناخت کرنا بھی مشکل ہے۔ یہ مقبرہ مبارک شاہ سے منسوب ہے اور قرائن بھی اسی کے مقتضی ہیں۔ گنبد کی تراش خراش۔ چینی کی اینٹیں۔ دروازوں کے نقش و نگار۔ یہ سب پندرہویں صدی کے طرز کے ہیں۔ گنبد کی وسیع عمارت۔ اُس کی خطیر لاگت اُس کا وسیع اور شان دار احاطہ یعنی فصیل اور پھر مسجد خصوصاً اُس زمانہ میں جب کہ دہلی کی حالت بالکل خراب اور پست تھی ایسی عمارت کا بنا کر کھڑا کر دینا سوائے بادشاہ وقت کے کسی ایسے ویسے امیر کے بل بوتے کی بات نہ تھی۔ اس لیئے کوئی وجہ شک کی نہیں ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ مقبرہ ہو نہ ہو خاندان سادات کے دوسرے بادشاہ یعنی مبارک شاہ ثانی ہی کا ہے۔ پہلے شاید ایسا نہ ہو اب تو اس مقبرے کو بالکل مکانات نے چاروں طرف سے دبا لیا ہے اور وسط آبادی میں آگیا ہے بستی کے لوگ اسے لودھی خاں پٹھان کا مقبرہ کہتے ہیں یہ مقبرہ مثمن ہے جس کا ہر بڑا ضلع ۱۳ فٹ - ۸ انچ ہے۔ ہر طرف تین تین درجملہ (۲۴) در ہیں۔ گرد ۱۳ فٹ عریض بن گھڑے پتھروں کا فرش ہے۔ ایک پر ایک تین چبوترے ہیں پہلا ایک انچ دوسرا ۳ فٹ - ۲ انچ - تیسرا ۲ فٹ - اونچا ہے۔ گیلری کی چوڑان ۲ فٹ ہے۔ دروں کی چوڑان ۲ فٹ۔ گیلری اور مقبرے

کے اندر بن گھڑے پتھروں کا فرش ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب سارے مقبرے میں عمدہ گھڑا ہوا صاف اور نفیس پتھر لگایا گیا ہے۔ تو فرش میں اس کا خیال کیوں نہ رکھا گیا۔ مقبرہ کا دروازہ ایک ہی ہے جو جنوب کی طرف ہے جس کی بلندی ۸ فٹ اور چوڑائی ۴ فٹ ہے۔ اندر سے قطر ۲۴ فٹ ہے۔ اندر چھ جالیاں سنگ خارا کی ہیں مغرب کی طرف کا در بند ہے۔ چھت میں چار روشن دان ہیں اوپر (۱۲) طاق دیوار دوز ہیں۔ قبروں کا موجودہ نقشہ یہ ہے:۔

(۱) بائیں طرف سے پہلی لین۔ یہ تینوں قبریں بڑی اور اونچی سنگ مرمر کی ہیں۔ نمبر (۱) کی مردانی قبر کے سرہانے اینٹوں کا بھدا سا چراغ دان بعد میں بنا دیا ہے۔ اوپر کلمہ دو طرف اللہ اللہ۔ (۲) زنانی۔ کلمہ اور دو طرفہ اللہ اللہ اس کے گرد شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو تا وھو العزیز الحکیم (۳) زنانی۔ کلمہ اور اللہ اللہ۔

(۲) دوسری لین بائیں طرف سے۔ (۱) خام۔ (۲) مرمر زنانی کلمہ اللہ اللہ۔ (۳) مرمر مردانی کلمہ اور اللہ اللہ (۴) مرمر مردانی کتبہ ندارد۔ (۵) خام صرف ایک طرف کا پتھر رہ گیا ہے۔

گنبد کی ہر محراب پر دو طرفہ طغرے کلمے وغیرہ اور یا فتاح جا بجا لکھا ہے۔ گنبد کی چھت کے ایک بینڈ میں اسمائے حسنیٰ ہیں۔ باوجود روشن دانوں کے بھی گنبد کے اندر اندھیرا ہے اور گنبد کی چھت پر کا کتبہ صاف نظر نہیں آتا۔ اور بوجہ بلندی کے پڑھا نہیں جاتا اور یہی حال محراب کے دو طرفہ طغروں کا ہے۔

پیش طاق۔ جو مغرب میں ہے اس کی پہلی لین میں اللہ (۲) شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو تا وھو العزیز الحکیم۔ ان الدین عند اللہ الاسلام الخ (۳) آیۃ الکرسی۔ (۴) بسم اللہ اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشہد ان محمدا عبدہ و رسولہ (۵) الملک للہ (۶) کلمہ۔ گنبد کے اوپر ہشت دری آٹھ برجیاں سنگ خارا کی ہیں جن کا قطر ۶ فٹ ہے۔ گنبد کے گرد چوڑا اور بھاری چھجہ ہے گنبد کے اوپر چو دری برجی بھی ہے جس پر کلس ہے۔ کلس ٹوٹ کر نیچے کا تھوڑا رہ گیا ہے۔ مغرب کی طرف (۲۰) سیڑھیوں کا چکر دار زینہ ہے۔ کل بلندی مقبرے کی چھت تک ۲۶ فٹ ہے۔ بستی چاروں جانب سے کنگورے دار فصیل سے محصور ہے اور چار طرف چار عالی شان دروازے سنگ خارا کے ہیں ۱۸×۷ فٹ کے

تین بُرجیاں اور باغیچی

جنوبی دروازے کے بالکل پاس ایک ہشت دری برجی اور چوڑے رستے کے اُس پار دو گمٹیاں اور ہیں اور یہیں ایک باغیچی کا پختہ احاطہ ہے۔ آگے والی کنجنی اور پچھلی چونکہ سکشتہ ہے منڈی کہلاتی ہے۔ کچھ پتہ نہیں کہ یہ کن کی ہیں۔

مسجد

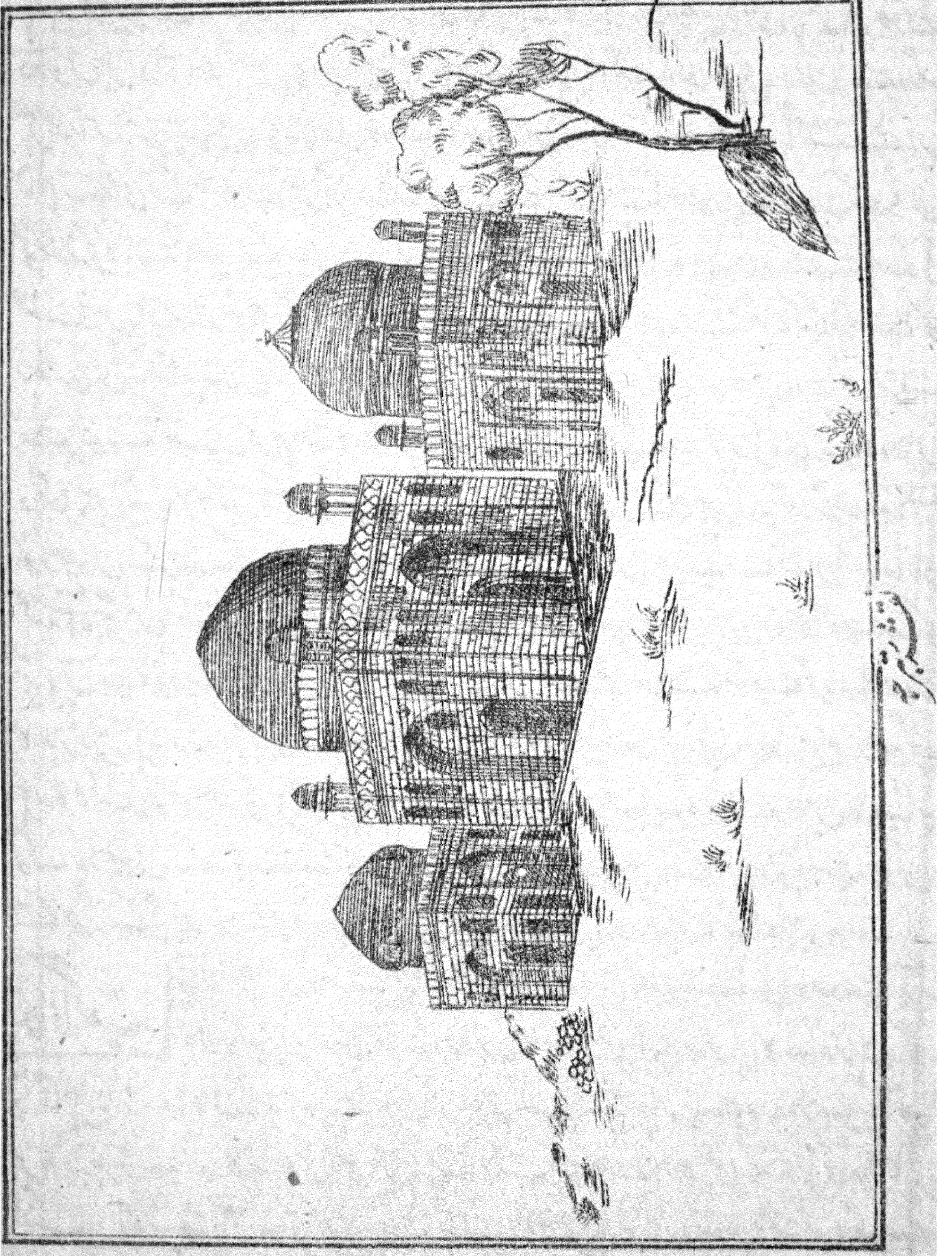
مبارک شاہ کے مقبرے سے تھوڑی ہی دور فصیل کے اندر جنوب مغرب کی طرف تین گنبدوں اور پانچ دروں کی ایک مسجد دُہرے دالانوں کی اُسی زمانے کی تمام تر سنگ خارا کی بنی ہوئی ہے جس کے بھورے پتھر کے چورس ستون ہیں اور بیچ میں بھی ستونوں کی ایک قطار ہے۔ بیچ کا گنبد بڑا ہے ادھر اُدھر کے چھوٹے۔ اندر دونوں دالانوں کی چھت میں پانچ پانچ گنبد جملہ دس گنبد ہیں۔ لوگوں نے لیکا پکا کر بالکل کالا کر دیا ہے۔ مسجد کے دونوں دالان ۲۵×۶۶ فٹ ہیں۔ منبر باقی نہیں رہا۔ فرش اکھڑ گیا خالی زمین رہ گئی۔ پانچوں در ساڑھے گیارہ گیارہ فیٹ چوڑے ہیں۔ در دُہرے سنگ خارا کی کڑیوں کے ہیں در کا پھیر ۸½ فٹ اونچا اور بیٹھک ۱½ فٹ اونچی ہے۔ در سوا فٹ مربع ہیں۔ صحن ۴۵×۶۶ فٹ ہے جس میں سلین کچی ہوئی ہیں۔ زینہ (۱۲) سیڑھیوں کا جنوب میں ہے۔ بلندی مسجد کی چھت تک ۲۴ فٹ ہے۔ دروں کے روکار پر دو طرفہ کلمۂ طیبہ کا طغری ہے۔ سامنے چوڑا اور بھاری چھجہ ہے۔ مبارک شاہ کے مقبرہ کی طرح یہ عمارت بھی بہت مضبوط بنی ہے پتھر کے سوا اینٹ کا نام نہیں۔ جس طرح مقبرہ مکانوں سے گھر گیا ہے یہ مسجد بھی مکانوں کے شکنجے میں کس گئی حتی کہ صحن کا ایک حصہ بھی داب لیا ہے۔ اس وقت بھی اس مسجد میں مویشی باندھے جاتے ہیں۔ اس مسجد کو مانک چند بقال نے اپنی ملک سمجھ لیا ہے کیوں کہ اُس کا مکان یہیں ہے اور اُس نے ایک دروازہ لگا کر مسجد کو بند کر رکھا ہے بنیئے کے مکان کی ڈیوڑھی میں سے جسے دیہاتی بروٹھا کہتے ہیں گزر کر مسجد میں جانا ہوتا ہے۔ بستی میں مسلمان بالکل کم اور ہندو زیادہ ہیں مسلمان جو ہیں وہ مفلس اُن کو پیٹ کے آگے مسجد کی کیا پڑی۔ غرض مسجد کی حالت افسوس ناک ہے اور زیادہ افسوس اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مسجد بالکل درست حالت میں ہے کہیں سے ذرا بھی نہیں کھلی گو کہ اسے بنے ہوئے (۴۶۲) برس ہو گئے۔

تبرجہ
سنہ ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء

مبارک پور کوٹلے کی بستی سے نکلتے ہی بجانب مغرب کئی گنبد پہاڑ
کے پہاڑ کھڑے ہیں جنھیں سرسید نے تبرجہ لکھا ہے لیکن در اصل
دو برجہ ہے تیسرا گنبد تو ان دو برجوں سے بہت دور ہے۔ البتہ یہ دونوں
گنبد جو چھوٹے خاں اور بڑے خاں کے کہلاتے ہیں پاس پاس ہیں اور
دونوں میں ۸۳ فٹ کا فصل ہے رہا تیسرا جو کالے خاں کا گنبد کہلاتا ہے وہ ان سے الگ
ہے اور اس لین میں نہیں ہے۔ گاؤں والے اب تو چھوٹا گنبد۔ بڑا گنبد اور کالا گنبد کہتے ہیں
نام سے کسی کے منسوب نہیں کرتے سرسید نے لکھا ہے کہ عام طور پر لوگ ان گنبدوں
کو متذکرہ بالا اشخاص کے بیان کرتے ہیں جس کے سوائے زبانی روایات کے اور کوئی
سند نہیں اور سند ہو بھی کیا سکتی ہے اُس زمانے میں بانی گنبد کے نام کا کتبہ لگانے کا
رواج ہی نہ تھا۔ حالاں کہ سارے گنبد قرآنی آیات سے لیپے پڑے ہیں اور اس کثرت
سے چھوٹے گنبد میں کلام اللہ منقوش ہے کہ میں نے تو سوائے خیر پور کی مسجد کے اور کہیں
دیکھا نہیں مگر نام کا کتبہ نہ کہیں گنبد پر ہے نہ کسی قبر پر۔ سرسید لکھتے ہیں کہ یہ گنبد بلحاظ ساخت
لودھیوں کے عہد کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں اور اس سبب سے قیاس کیا جاتا ہے
کہ ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء میں سکندر لودھی کے عہد میں بنے ہوں گے۔ درمیانی برج ادھر اُدھر کے
بُرجوں سے دوچند اونچا ہے۔ یہ تینوں گنبد مربع ہیں جن کے سکڑے ہوئے گردنے لودھیوں
کا طرز خاص ہے۔ دروازوں سے دو فیٹ اوپر دیوار میں ایک چھوٹی سی کھڑکی بھی رکھی گئی
ہے۔ کالا گنبد تو خیر معمولی ہے مگر چھوٹا اور بڑا یہ دونوں گنبد معمولی لوگوں کے نہیں۔ یقیناً یہ
لوگ لودھیوں کے زمانے کے کوئی بڑے امیر کبیر رہے ہوں گے جب تو بادشاہوں
کے جوڑ کے گنبد بنوائے ورنہ ایسے ویسے امیر کے بل بوتے کا یہ کام نہیں۔

کالا گنبد

کالا نام اس وجہ سے پڑا ہے کہ باہر سے امتداد زمانے کی وجہ سے بالکل
کالا ہو گیا یا یہ کہ کالے خاں کا ہو۔ لیکن آج نہ کوئی کالے خاں کو
جانتا ہے نہ بڑے خاں کو نہ چھوٹے خاں کو۔ اس گنبد کے چار بڑے دروازے ۱۰×۶½ فٹ
ہیں اور ہر بڑے دروازے کی بغل میں ایک ایک چھوٹا دروازہ بھی ۷½×۳¼ فٹ کا ہے
گنبد اندر سے ۲۶½ فٹ مربع ہے۔ اور باہر سے (۳۲ فٹ) بیچ میں دو قبریں پختہ ہیں مگر بے
مرمت۔ مغرب جانب کی دیوار دو محراب پر کلمہ اور بسم اللہ اور ہر دروازے کی



محراب پر کلمے کے طغرے ہیں۔ کرسی ۲ فٹ ۳ انچ بلند۔

گھانس والی گمٹی چوں کہ اس میں گھانس بھری رہتی ہی لہذا یہی نام پڑ گیا۔ مذکورہ بالا گنبد سے (۴۸) قدم کے فصل سے ہے۔ ۲۷½ فٹ مربع اندر سے باہر سے ۴۴ فٹ۔ تین دروازے ۸×۴ مغرب کی طرف بند۔ گنبد کی چندیا پر آیۃ الکرسی اور دروازوں پر طغرے الملک للہ کے۔ کرسی چھ فیٹ۔

چھوٹا گنبد یا چھوٹے خاں کا گنبد۔ اب نہ بڑے رہے نہ چھوٹے موت کے زبردست ہاتھوں نے سب کو خاک میں ملا دیا۔ باہر سے (۳۳ فٹ) مربع بالکل سنگ خارا کا۔ اس پر کثرت سے چینی کا کام تھا جس کی لمبی لمبی عمودی پٹیاں اب بھی باقی ہیں تین طرف دروازے مغرب کی طرف بند۔ دروازوں کی دونوں جانب برجیاں ہیں۔ کرسی ۲ فٹ ۲ انچ۔ محرابوں کے رو کار پر نیلی اینٹ کی ٹائیلز ہیں اندر سے قطر (۲۶ فٹ) فرش ندارد۔ اندر ایک قبر کا کچا ڈھیر۔ گنبد کے اوپر (۱۶) طاق۔ چبوترا مقبرے کا پہلے تھا اور اس پر قبریں بھی تھیں وہ دھ گئیں گڑھے باقی رہ گئے۔ ڈوم کے اندر قینچی اور رنگ کا کام ہے۔ گنبد کی چندیا پر آیت الکرسی منقوش ہے (۲۴) سیڑھیوں کا زینہ مشرق کی طرف۔ تین طرف ہشت پہل برجیاں چھ فیٹ قطر کی صرف جنوب کے طرف کی برجی گر گئی ہے۔ چاروں طرف کے رو کار پر اوپر سے نیچے تک چھوٹے چھوٹے طاق محض خوب صورتی کے لیے بنا دیے ہیں۔ بلندی گنبد کی چھت تک (۲۹ فٹ)۔ محرابوں میں ہر طرف سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جو سب ندارد ہیں صرف شمال کی طرف ایک جالی کا کچھ حصہ باقی بچ رہا ہے وہ بھی چند روزہ مہمان ہے۔

مقبرے کے باہر وار کتبے بجانب شمال۔ (۱) بسم اللہ فَلَمَّا رَاَوْہُ زُلْفَةً تا ختم سورہ الملک۔

(۲) اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (پارہ ۳ نصف) قُلْ ھَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا (پارہ ۱۶ سورہ کہف ع ۱۲)

(۳) ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ تا آخر سورہ پارہ (۲۸) سورہ حشر

(۴) لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ فَھُمْ غٰفِلُوْنَ (پارہ ۲۲ سورہ یس ۸ ع ۱) لَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ (پارہ ۲۹ س ملک ع ۱)۔ آیۃ الکرسی۔

جانب مغرب۔ (۱) بسم اللہ۔ سورۂ قدر۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ (۲) (۳) آیۃ الکرسی

جانب مشرق۔ (۱) بسم اللہ ۔۔۔۔ یؤمن و یسلم علیہ ۔۔۔۔ (۲ و ۳) سورۂ جمعہ کامل۔
جانب جنوب (۱) بسم اللہ۔ قال ۔۔۔۔ لیئف کل آنات النبیؐ ۔۔۔۔ قال النبیؐ علیہ الصلوٰۃ ۔۔۔۔ فاتقوا صوا ۔۔۔۔ باللہ یا غفور۔ (۲ و ۳ و ۴) آیۃ الکرسی۔

گنبد کے اندر کے کتبے جانب مغرب (۱) وتلک حجتنا اتینٰھا ابراھیم علیٰ قومہ تا ان ھو الا ذکریٰ للعلمین۔ پارہ (۷) س انعام ع ۱۰۔ (۲) لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق تا ختم سورہ پارہ (۲۶) س فتح ع ۱۲۔
گوشہ جنوب مغرب۔ بسم اللہ۔ آمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ تا ختم سورۃ البقرہ پارہ (۳)
جانب جنوب (۱) ان الذین آمنوا وعملوا الصلحٰت کانت لھم جنٰت الفردوس نزلا تا آخر سورۂ کہف۔ پارہ (۱۶)
گوشہ جنوب مشرق۔ (۱) ولقد خلقنا الانسان ما توسوس بہ نفسہ پارہ (۲۶) س ق ع (۲) ولقد خلقنا الانسان من سلٰلۃ من طین تا وانا علیٰ ذھاب بہ لقٰدرون۔ پارہ (۱۸) س مومنون ع (۳) وما محمد الا رسول تا وسیجزی اللہ الشٰکرین۔ پارہ (۴) س آل عمران ع ۔ (۴) ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔ پارہ ۲۔ س البقرۃ ع ۱۲ کلمہ سورۂ کوثر اور الاخلاص۔
جانب شمال (۱) ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عٰلم الغیب والشھادۃ تا آخر سورۂ حشر پارہ (۲۸) ع (۲) الفجر (۳) والضحیٰ
گوشہ شمال مغرب۔ (۱) ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ تا عذاب النار۔ پارہ (۲) س البقرہ ع ۔ (۲) سورۂ الرحمٰن پارہ ۲۷
ہر اندرونی محراب کے دو طرفہ طغرے ہیں۔

بڑا گنبد جسے بڑے خاں کا گنبد کہتے ہیں اور یوں بھی یہ گنبد بہت بڑا اور نہایت عالی شان ہے اور کسی لودھی بادشاہوں کے گنبد سے کم نہیں ہے۔ تین طرف دروازے سنگ سرخ کے ہیں مغرب کی طرف بند۔ کرسی ۵ فٹ۔ گرد چبوترا ۱۵ گز مربع۔ دروازوں کی حکلان ۸ گز۔ گنبد ہشت پہل ہے جس کا قطر اندر سے ۱۷ گز ۱/۲ ۔ فرش اندر و پہلے تھا اب تو جابجا گڑھے پڑے ہوئے ہیں۔ اندر پانچ قبریں ہیں۔ جن میں دو بڑی باقی بالکل شکستہ ہیں۔ ایک سب سے بڑی قبر ۱/۲ ۲ x ۶ گز ۔ ۱۰ لمبی چوڑی اور ۱/۲ ۳ فٹ اونچی ہے غالبًا یہی بڑے خاں کی قبر ہوگی۔ باقی قبروں کے نرے پتھر ہی پتھر رہ گئے ہیں چونا جھڑ گیا جس طرح کہ لودھیوں کے مقبرے کی قبروں کی مرمت سرکار نے کرادی ہے ان قبروں میں سونے والے زبان حال سے اسی سلوک کے طالب ہیں۔ چاروں محرابوں پر چار روشن دان ہیں۔ قبہ کے اندر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا

اب صرف چند پایوں گیر دی سطح پر سفید حروف میں آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہو اس کے سوا اور کوئی کتبہ نہ گنبد میں ہو نہ قبروں پر البتہ محرابوں کے دونوں طرف کلمہ وغیرہ کے طغرے ہیں۔ گنبد کے اندر ہر چہار طرف سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جن میں کی صرف ایک شمال کی طرف باقی رہ گئی ہو اور دوسری طرف کی جالیاں لوگ اُکھاڑ لے گئے اُن دروں کو معمولی پتھر لگا کر بند کر دیا ہو۔ گنبد کے اندر مغربی رُخ کا دروازہ جو بند ہو اُس میں ایک محراب سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہو جس پر نقاشی کا کام بہت خوبی سے کیا ہوا ہو اور اس پر کلمۂ طیبہ کھدا ہوا ہو۔ مقبرے کے اندر مشرق کی طرف دو طرفہ (٥٦) سیڑھیوں کا زینہ ہو چھت تک بلندی گنبد کی (٢٦ فٹ ٣ انچ) ہو۔ گنبد اوپر سے شکستہ ہو کر قبہ میں جا بجا گھانس اُگ آئی ہو جو اُس کو قبل از وقت بٹھا دے گی کہ پانی اُس میں جذب ہوتا ہو۔ گنبد کی چاروں طرف ہشت پہل برجیاں ۸ - ۹ فٹ قطر کی ہیں جن میں سے جنوب کی طرف کی گر گئی ہو۔

دریا خاں کی درگاہ

چھوٹے اور بڑے گنبدوں سے قطب روڈ کی طرف چلو تو رستے میں کھیتوں کے بیچ میں دریا خاں کی درگاہ ایک وسیع اور پختہ (٩٠ فٹ) مربع چبوترے پر بنی ہوئی ہو جو ۸ فٹ اونچا ہو۔ اور بارہ سیڑھیاں ہیں۔ اس کے علاوہ ایک خام چبوترا اور ہو جس کے گرد سرکار نے تار کی باڑھ لگا دی ہو۔ دریا خاں کون تھے کچھ معلوم نہیں نام سے معلوم ہوتا ہو کہ کوئی اُسی زمانے کے لودھی پٹھان ہوں گے۔ اس چبوترے کے چاروں کونوں پر (١٢) در کے چار بُرج سنگ خارا کے بنے ہوئے ہیں جن کا چبوترا ٣٣ فٹ مربع ہو۔ ستونوں کی ایک ہی کرسی ١ فٹ ٥ انچ چورس چھ فٹ لمبی بیٹھک ١ فٹ ٣ انچ اونچی اور کل در کی بلندی و عرض ۵ فٹ ۸ انچ × ۵ فٹ ہو۔ مشرق کی طرف کا برج نصف گر گیا ہو باقی تین طرف کے سلامت ہیں۔ ان کے اندر آیۃ الکرسی منقوش ہیں۔ چبوترے کے بیچ میں ایک ہشت پہل چبوترا ہو جس کا قطر ٣٣ فٹ ہو اور اونچائی ٣ فٹ ہو جس کے بیچ میں دو قبریں زیر سما گچ کی ہیں جن میں کی ایک بالکل شکستہ ہو اور ان میں سے ایک قبر دریا خاں کی ہو گی۔ اس کے علاوہ ایک اور چبوترہ ۱۹ فٹ مربع ۲ فٹ اونچا ہو اس پر ایک ہی قبر گچ کی ہو۔ کتبہ کسی قبر پر نہیں۔

مجاہد پور کا نامعلوم گنبد

قطب روڈ میل (٧) فرلانگ (٢) پر ذرا سڑک سے ہٹ کر بائیں ہاتھ کی طرف ایک سڑک اس گنبد کو گئی ہو جس کا نمبر ۵/۲۲ ہو۔ چار طرف چار دروازے ہیں۔ ۲۶ فٹ ۶ انچ باہر سے اور اندر ۲۰ فٹ مربع عمارت ہو فرش اور قبر معلوم نہیں ندارد۔ اندر باہر پلاستر جا بجا سے گر گیا ہو پتھر چونے کا بنا ہوا ہو۔ گنبد کا قبہ چاروں طرف سے کھنڈر کر بڑی بڑی دراڑیں پڑ گئی ہیں۔

گرد خام چبوترا تھا جو گر گیا۔ گنبد کی چند یا پر آیۃ الکرسی کے سوا اور کوئی کتبہ نہیں ہے۔ موضع مجاہد پور کی حدود میں یہ گنبد ہے لیکن کچھ نہیں معلوم ہو سکتا کہ کس کا ہے۔ مگر ہے بہت قدیم۔

یوسف سرائے (۸) میل (۲) فرلانگ سڑک کے داہنی طرف اس نام کا ایک ویران موضع ہے جس میں اب چند مکانات رہ گئے ہیں۔ گرد اس موضع کے پختہ فصیل ہے اور کوئی خاص بات نہیں۔ پہلے سرائے ہو گی اب تو نرا گاؤں ہی گاؤں رہ گیا وہ بھی بالکل چھوٹا۔

موٹھ کی مسجد ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء یہ مسجد مبارک شاہ کے مقبرے کے پاس ہے جو خاندان سادات کا دوسرا بادشاہ تھا۔ یہ مسجد ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں بعہد سکندر شاہ ثانی بن بہلول لودی تعمیر کی گئی تھی۔ مسجد کے پاس ایک بہت بڑی باؤلی بھی بنائی گئی تھی جس کے اندر سنگ سرخ کی لوح پر ذیل کا کتبہ ہے جو لونی لگ کر جا بجا سے جھڑ گیا ہے۔ اب جو کچھ بمشکل پڑھا جا سکتا ہے وہ یہ ہے اور اس کے علاوہ اور عبارت بھی ہے جو پڑھی نہیں جاتی:۔

(ایں) مسجد در عہد ....

دولت بندگی حضرت سلیمان ...... سلطان (ہند) سکندر شاہ بن بھلول شاہ

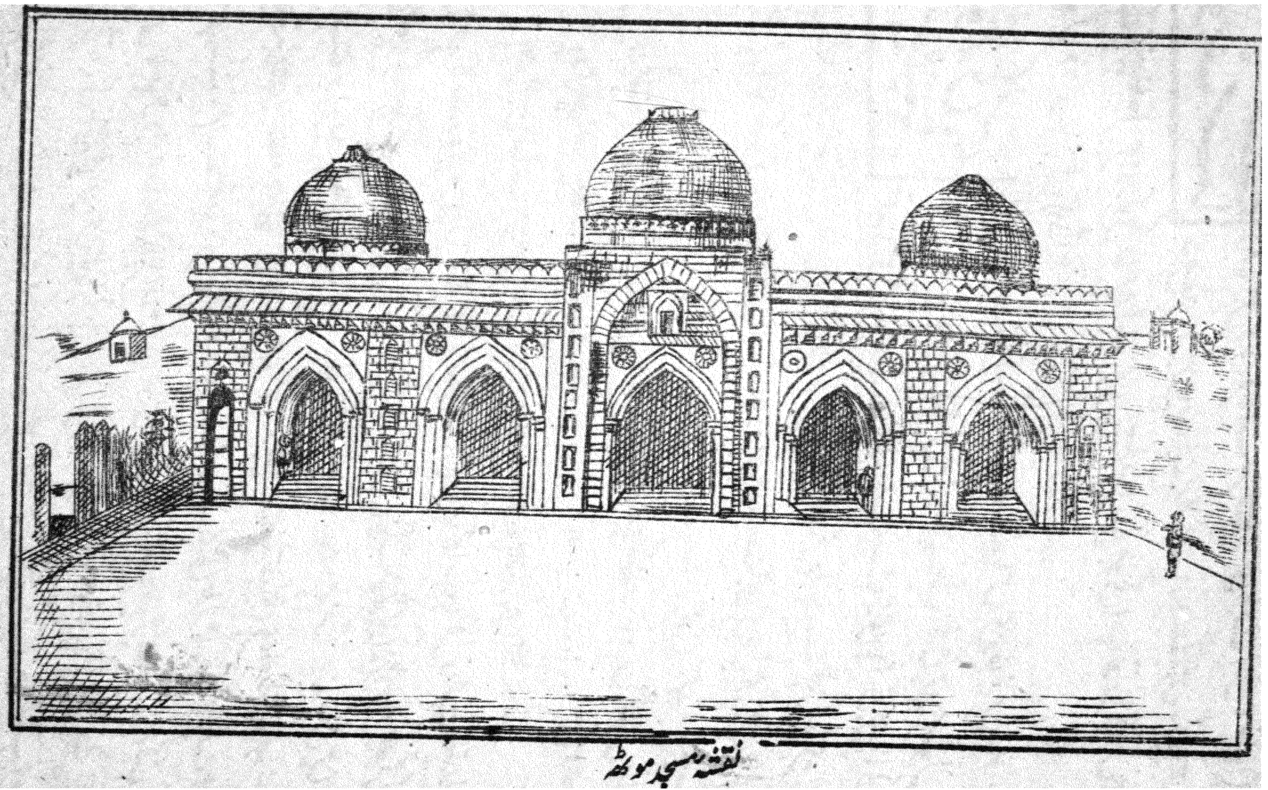
لودی خلد اللہ سلطانہ .... ین معصر

اللہ حسین شہاب الساکن قصبۂ سہارن پور۔ سفمہ جمہری علی لا۔

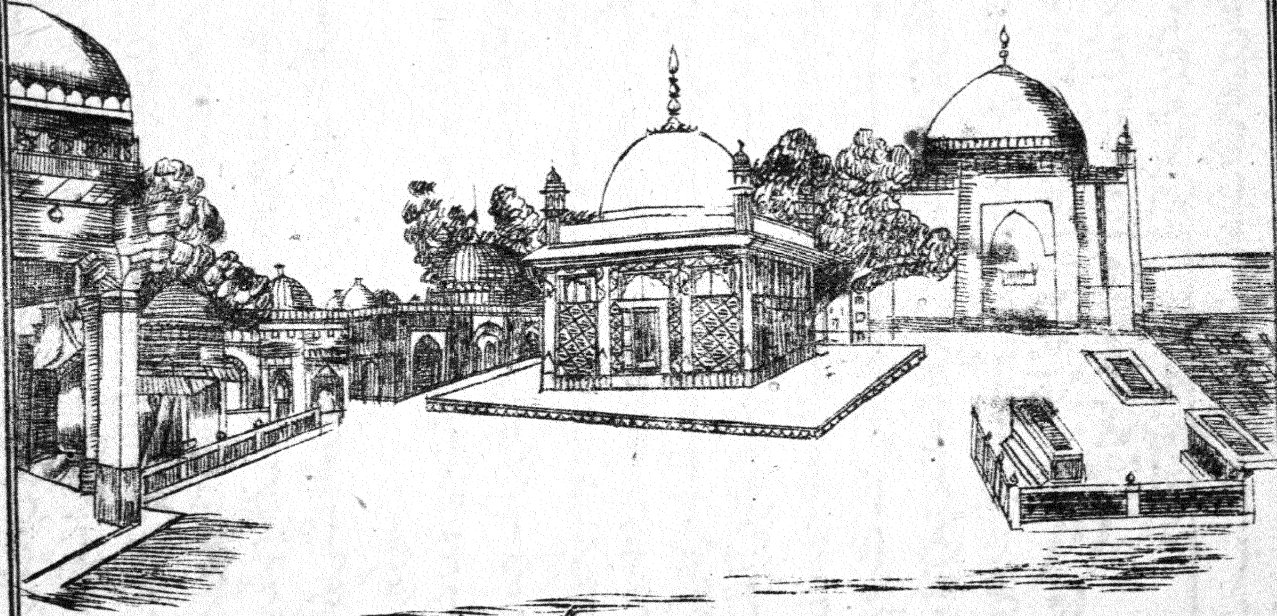
اس مسجد کا صدر دروازہ کسی زمانے میں بڑا عالی شان رہا ہو گا اب بالکل حالت انہدام میں ہے۔ اس مسجد کی وجہ تسمیہ یہ کہی جاتی ہے کہ کسی شخص نے[1] راہ چلتے میں ایک موٹھ کا دانہ پڑا ہوا دیکھ کر اٹھا لیا اور اُسے بو ایا وہ اُگا اُس سے جو دانے نکلے وہ پھر بوا ے وعلم جرًا۔ چند سال میں پیداوار بڑھتے بڑھتے بہت روپیے جمع ہو گئے اور اُسی روپیہ سے یہ مسجد بنی ہے۔ اور اسی وجہ سے موٹھ کی مسجد کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد لودیوں کے زمانے کی طرز عمارت کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اس کا چبوترہ چھ فٹ اونچا ہے اور عرض و طول میں ۱۳۰ فٹ × ۳۰ فٹ ہے چبوترے پر سے گنبد کی چوٹی تک (۲۶ فٹ) کی بلندی ہے۔ اس میں پانچ در ہیں اور ادھر اُدھر دو در چھوٹے چھوٹے اور ہیں جن میں سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ درمیانی بلند دیوار دوز محراب میں دروازہ نصب ہے۔ ان محرابوں کے دیوار دوز ستون چھوٹے چھوٹے طاقوں سے جو آٹھ ہیں ایک کے اوپر

---

[1] اور کوئی کہتا ہے کہ بادشاہ نے دانہ پایا اور وزیر کو دیا اُس نے تعظیماً اس دانے کو بوایا



نقشہ مسجد موٹھ



درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی

ایک آراستہ ہیں اور پانچ پانچ طاق پہلو کی محرابوں میں ہیں۔ درمیانی محراب کی روکار کے بہت سے پتھر لوگ اکھاڑ لے گئے ہیں جس سے دیوار ٹنڈی اور بدنما ہو گئی۔ چھت پر تین گنبد ہیں ایک بیچ کے حجرے پر اور دو دونوں پہلوؤں کے حجروں پر۔ گنبد چونے اور پتھر کے ہیں مگر نہ بڑے ہیں اور نہ مشتمن۔ ان کی گردنیں لمبوتری ہیں جو لودیوں کا خاص طرز تھا۔ پہلو کے دونوں گنبدوں کی حالت خستہ ہے۔ بیچ کی محراب اونچی ہے اور ادھر اُدھر کی اُسی مناسبت سے کم۔ ان کے سامنے بھاری چھجہ تھا جس کا بہت ہی تھوڑا حصہ اب رہ گیا ہے۔ غرض یہ کہ اس مسجد کے ایک عمدہ عمارت ہونے میں کچھ شک نہیں مگر بے درد لوگوں کے ہاتھوں سے جو تباہی اس کی ہوئی ہے وہ مسٹر بگلر کے ذیل کے ریمارک سے ظاہر ہو گی:۔

"اس مسجد کے روکار پر بہت کچھ نقش و نگار اور رنگ آمیزی تھی۔ یہ ساری عمارت بن گھڑے پتھروں اور چونے کی ہے لیکن بعض بعض مقامات پر تراشے ہوئے پتھر بھی لگے ہیں خصوصاً ستون جو کھڑے ہوئے ہیں۔ صدر دروازے پر سنگ مرمر کی تختیوں پر آیات قرآنی کندہ ہیں جو سادی اور رنگین ہیں مسجد کے اندر کی تمام گل کاری اور رنگ آمیزی کا کام دھوئیں کی تہ چڑھ جانے سے برباد ہو گیا لیکن دروازے پر اب بھی سبز اور سرخ رنگوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ پتھر بھی ہر قسم کا سرخ۔ سفید۔ زرد۔ سیاہ جابجا لگا ہوا تھا احاطے کی دیواریں اندر باہر چاروں طرف طاق بنے ہوئے ہیں۔ شمالی اور جنوبی دیواریں دو زینے چھت پر چڑھنے کے ہیں۔ یہ مسجد اب تک مبارک پور کے گنواروں کی بود و باش میں پھنسی ہوئی ہے جنھوں نے جابجا اپلے پاتھ کر مسجد کی ساری صناعی کو خاک سیاہ کر دیا اور طرفہ یہ کہ جابجا کچی دیواریں کھڑی کر کے چھوٹی چھوٹی کوٹھریاں بنا کر رہی سہی رونق بھی برباد کر دی"۔

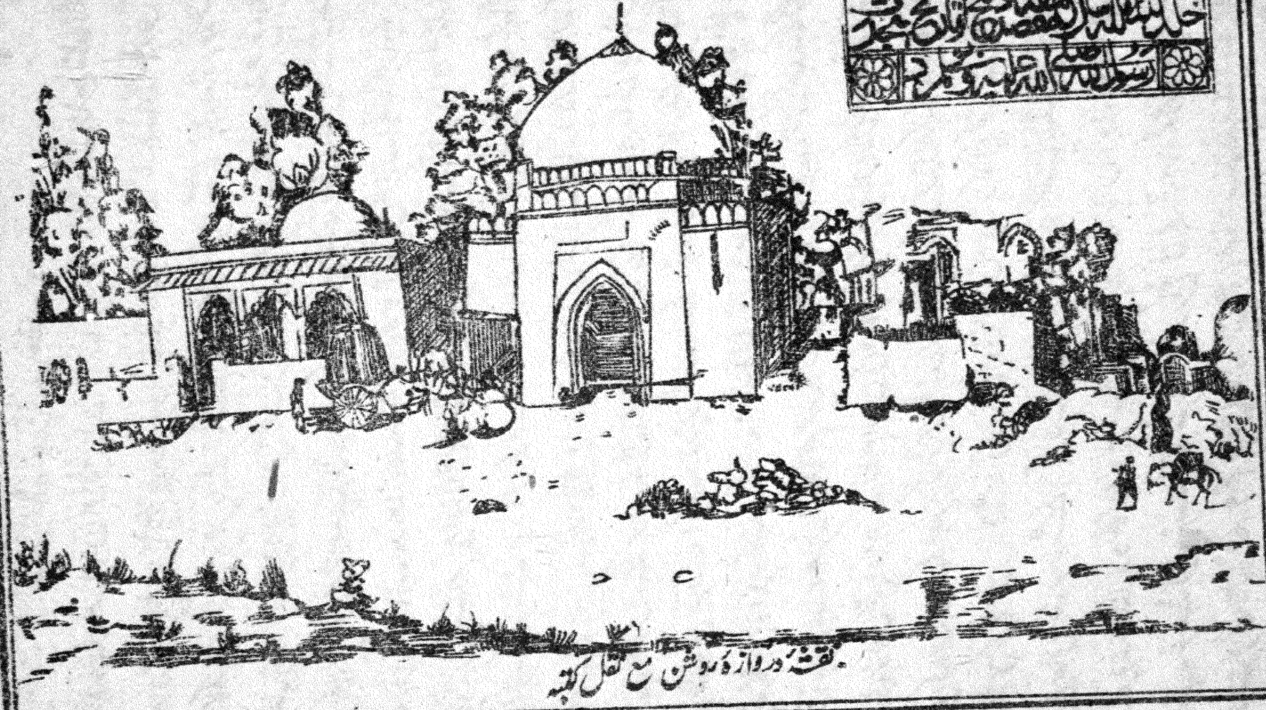
درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی
سنہ ۷۵۷ھ ۱۳۵۶ء

ہنگامہ گرم ہستی ناپایدار کا
چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

شیخ نصیر الدین محمود خاندان چشت کے دلی کے سب سے اخیر بزرگ تھے۔ آپ حضرت نظام الدین اولیا کے اکبر خلفا میں سے تھے۔ آپ بڑے ذی علم مقدس اور خدا پرست تھے۔ بڑے واعظ اور صاحب تصانیف کثیرہ بھی تھے۔ مذہب اسلام کی آپ نے بہت کچھ اشاعت کی سلطان

محمد تغلق سے آپ سے بھی ان بن تھی آپ نے بہت صبر و تحمل اور استقلال کو کام فرمایا جب مخدوم جہانیاں سید جلال صاحب مکہ معظمہ تشریف لے گئے تو آپ سے عبد اللہ یافعی نے طواف کعبہ میں دریافت کیا کہ اب تو دہلی کے بیشتر بزرگان دین مر مرا گئے اب وہاں کون رہا ہوگا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا کہ "نہیں اب بھی دلّی میں نصیر الدین محمود ہیں جو دلّی کے روشن چراغ ہیں" جب سے آپ کا لقب روشن چراغ دہلی مشہور ہو گیا۔ آپ کے صفات اور کمالات سے کتابیں بھری پڑی ہیں غایت شہرت سے حاجت بیان کی نہیں۔ سلطان فیروز شاہ کو آپ کی خدمت بابرکت میں بڑی عقیدت تھی اور آپ کی خدمت بہت کیا کرتا تھا۔ آپ کی درگاہ کا گنبد آپ کی عین حیات سلطان فیروز شاہ نے ۷۵۹ھ ۱۳۵۸ء میں بنوایا تھا۔ شب جمعہ ۱۸ رمضان المبارک ۷۵۷ھ ۱۳۵۶ء میں آپ کا وصال ہوا اور اُسی گنبد میں آسودہ ہوئے۔ آپ کو ایک سن چلے جالندھری فقیر نے جو آپ کے پاس کچھ خیرات مانگنے آیا تھا خنجر سے شہید کیا۔ وقت شہادت آپ کا سن شریف (۸۲) سال کا تھا۔ آپ یہیں قریب موضع کھڑکی میں اسی حجرے میں رہتے تھے جہاں کہ آپ دفن ہیں۔ آپ کی قبر میں آپ کے ساتھ جبہ، عصا، کلاہ اور مصلیٰ جو آپ کو آپ کے مرشد حضرت نظام الدین سے ملا تھا۔ دفن کیا گیا۔ آپ کا مقبرہ ایک مستطیل احاطے کے اندر ہے جو ۱۸۰×۱۴۰ اور ۱۲ فٹ بلند ہے۔ اس احاطے کا بڑا حصہ اور قصبے کے گرد جو فصیل ہے محمد شاہ بادشاہ نے ۱۱۴۲ھ ۱۷۲۹ء میں بنوایا۔ یہ فصیل بہت بڑی اراضی کو گھیرے ہوئے ہے جو نالے سے بہت بلندی پر بنائی گئی ہے بستی کے سامنے اُس زمانے میں ایک پل بھی نالے پر بنا ہوا تھا اور آگے چل کر نالے کے بہاؤ کی طرف نیچے وار ایک اور پل بھی تھا۔ اب دونوں پلوں میں سے ایک بھی باقی نہیں رہا۔ درگاہ کا صدر دروازہ آپ کی وفات کے ۱۲ سال بعد ۷۷۵ھ ۱۳۷۳ء میں فیروز شاہ نے بنوایا تھا جس پر

ا؎ بعض کتابوں میں جمعہ کے دن آپ کا وصال ہونا لکھا ہے کتاب مخبر الواصلین میں ۷۵۲ھ ہی سال رحلت صحیح ہے۔ آنکہ دانش چراغ راہ یقین ست۔ نام نامی او نصیر الدین ست۔ ذات او راچراغ دہلی داں۔ بلکہ خورشید ہر دو عالم خواں۔ عمر از شصت و پنج سالہ شمار۔ بے کم و بیش اے ستودہ شعار۔ بشب جمعہ داد حق راجاں۔ ہژدہم بود از مہ رمضاں۔ شد ز دنیا چو آں نصیر زماں۔ سال نقلش "مہ بہشت" بداں۔ شمع جمع صوفیاں ۷۵۷ بھی آپ کی وفات کی تاریخ ہے۔ ۱۲



نقشہ دروازۂ روشن مع نقل کتبہ

ایک بڑا گنبد ہے۔ یہ دروازہ درگاہ کے شمال شرق کے کونے میں ہے جس پر ایک سنگ مرمر کی تختی پر یہ کتبہ ہے:۔

بسم اللہ تیمناً بذکرہ

عمارۃ ایں گنبد در عہد ہمایون الواثق باللہ ابوالمظفر فیروز شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ سال ہفصد ہفتاد و پنج از تاریخ ہجرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بود۔

اس دروازے کا کمرہ ۱۹ فٹ مربع ہے جس کے سامنے ایک پختہ چبوترا ۲ فٹ بلند ہر دو جانب ہے۔ آپ کے گنبد کا ارتفاع دیواروں تک (۲۷) ہے اور یہاں سے گنبد شروع ہوا ہے جس کی بلندی ۱۵ فٹ ہے اس طرح سب ملاکر (۴۲ فٹ) کی اونچان ہے۔ دروازے کی منڈیر کے دونوں طرف دو برجیاں ہیں۔ دروازے سے کوئی ۳۰ فٹ شمال کی طرف ایک حجرے میں آپ کا مزار ہے جو تیس فیٹ مربع اور ۴۰ فیٹ اونچا ہے جس پر ایک گنبد ہے اور گنبد پر سنہرا کلس چڑھا ہوا ہے۔ گنبد کے چاروں کونوں پر آٹھ فیٹ بلند تپلی تپلی میناریں ہیں چھت کے گرد کنگورہ ہے جس کے نیچے چوڑا چھجہ ہے۔ اس گنبد کے بارہ در ہیں جن میں سنگ خارا کے ستون لگے ہوئے ہیں سب دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں جنوب کی طرف ایک در میں گنبد کے اندر جانے کا رستہ ہے۔ گنبد چونے اور پتھر کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر سنہرا کٹورا لٹکا ہوا ہے۔ **اکبر شاہ ثانی** کے عہد میں شاہزادے **مرزا غلام حیدر** پسر اکبر شاہ ثانی نے اس گنبد کے گرد سنگ سرخ کی بارہ دری بنوادی تھی اور حضرت نظام الدینؒ کی درگاہ کے ستون یہاں لاکر لگائے تھے مگر یہ بارہ دری ایسی بودی بنی تھی کہ دس برس کے بعد ہی گر پڑی۔ گنبد درگاہ شریف کے پاس ہی ایک مسجد چونے اور پتھر کی بنی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ یہ مسجد فرخ سیر بادشاہ کی بنوائی ہوئی ہے اس مسجد پر کوئی کتبہ نہیں جس سے بننے کا صحیح صحیح حال معلوم ہوسکے۔ اگر فرخ سیر کا زمانہ لیں جو ۱۷۱۳-۱۹ء ہے۔ تو آج اس مسجد کو بنے ہوتے پورے دوسو برس ہوئے۔ اس گنبد کے پاس دو برج اور ہیں۔ ایک برج میں جو جانب غرب ہے حضرت شیخ **فرید شکر گنج** کی پوتے سوتے ہیں دوسرے میں جو شرق کی طرف ہے اس میں **مخدوم زین الدین علی** صاحب حضرت کے بھانجے کی قبر ہے۔ اس کے متصل سنگ باسی کے جالی دار حجرہ میں شیخ **کمال الدین علامہ** جانشین حضرت آرام فرماتے ہیں آپ کے گرد سنگ سرخ کا کٹہرا لگا ہوا ہے اس حجرہ

ہیں دس جالیاں سنگ سرخ کی ہیں۔ آپ خلیفہ اور ہمشیرہ زادے مخدوم چراغ دہلی کے ہیں۔ نسب شریف آپ کا حضرت امیر المومنین امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما تک پونہچتا ہی۔ علم تفسیر اور حدیث اور فقہ میں علامہ مشہور تھے۔ کچھہ مدت احمدآباد میں سکونت کی اور گجرات اور دکن کے لوگوں کو ارشاد وتلقین فرماتے رہے بعد ازاں دہلی تشریف لاکر تلقین خلایق کی اولاد اور خلیفہ آپکے اب تک دکن میں موجود ہیں۔ ۲۷ ذی قعدہ ۷۵۶ھ میں آپنے رحلت فرمائی۔ رحمت حق تاریخ وفات ہی اور باقی بہت سی قبریں ہیں من جملہ اُن قبروں کے فیض طالب خان بنگش اور مفتی صدر الدین خاں صاحب کی قبریں ہیں۔ خواجہ کمال الدین علاقہ کے مجمر کے جنوب میں مرزا شبّو ولیعہد بہادر کی قبر ایک دوسرے اور کشادہ سنگ مرمر کے چبوترے پر مبنی ہوئی ہی۔ پہلا چبوترا ۱۰ فٹ مربع اور اُس کے اوپر کا ۶ فٹ ۲ مربع ہی۔

حضرت روشن چراغ دہلی کے مزار مبارک کے مشرق میں خواجہ طاہر کا مزار ایک جالی دار کٹہرے کے اندر ہی۔ تعویذ قبر سنگ مرمر کا ہی جس کے گرد آیۃ الکرسی ہی اور پر کلمہ طیبہ اور ایک طغریٰ یا دائماً بلا فناءٍ ۔ ۔ ۔ ولا زوال لکلہ عز بہ بقاء ہی جو مسلسل پڑھا نہیں جاتا اور پائینتی یہ قطعہ کندہ ہی:۔

خواجہ طاہر خواجہ صاحب رضا	آنکہ دایم بود باجود وکرم
چون شنید از ہاتف غیب داین ندا	کرد رحلت از جہان سوے ارم
سال فوتش مادر ایام گفت ۹۷۶	آہ از خواجہ محمد طاہرم

اس درگاہ کے احاطے کے اندر دو عالی شان گنبد پٹھانوں کے وقت کے ہیں معلوم نہیں کہ اُن میں کن کن کی قبریں ہیں درگاہ کے خدام کہتے ہیں کہ محرم علی صاحب چشتی نے ان گنبدوں میں کی قبروں کی جو بہت شکستہ ہوگئی تھیں مرمت کرادی ہی اور یہ بات موجودہ حالت کے نظر کرتے صحیح معلوم دیتی ہی درگاہ کا گنبد اور سب نہایت بے مرمت ہوگئی تھی خصوصاً غلام گردش کے گرنے سے جس کو مرزا غلام حیدر نے بنایا تھا گنبد درگاہ کا بہت بودا ہوگیا تھا اور خادم وہان کے ہر شخص سے مرمت کی درخواست کرتے تھے۔ خواجہ محمد خاں نے تمام درگاہ اور مسجد اور دروازے اور

۵۶ یہ لفظ جھڑ گئے ہیں سیاق عبارت پر سے میں نے لکھہ دیئے ۱۲

صحن کی مرمت اور استرکاری کروادی اور درگاہ کے گنبد کے گرد چھجہ سنگیں بنوادیا
اس مرمت کی بدولت حقیقت میں سارا مکان نیا ہوگیا۔ درگاہ کی چار دیواری
اور تین درکا ایک دالان شمال کی طرف اور چھوٹا سا سنگین کٹہرا مولوی فخرالدین
صاحب نے بنوایا ہی اور غلام گردش جو گر پڑی تھی۔ اس کے ستون صحیح و سالم اب
تک درگاہ کے سامنے پڑے ہیں۔ آپ کا عرس شریف ۱۷ ار رمضان شریف
کو ہوتا ہے اور بہت لوگ جمع ہوتے ہیں اور رات کو رہتے ہیں اور اٹھارویں
تاریخ قُل کے بعد چلے جاتے ہیں۔ دروازہ کے باہر خدام نے مل کر ایک دالان
بنا لیا ہی جس سے لوگوں کو بڑا آرام ہوگیا ہی درگاہ میں ایک تخت سال کی لکڑی کا ۵ فٹ
تین فیٹ اونچا ایک ہی لکڑی میں ترشا ہوا رکھا ہی جس پر بہت ہی عمدہ گلکاری
اور نقاشی کی ہی۔ یہ تخت دکھنی بیگ نے بنگالے سے بھیجا تھا اور اس پر یہ شعر اور
عبارت کھدی ہوئی ہی: ؎

تخت چوبی نیاز دکھنی بیگ بجناب نصیر دیں محمود قدس سرہ العزیز
۱۱۴۳ھ مطابق سنہ ۱۲ جلوس محمد شاہ غازی

اس درگاہ کے پاس ایک بستی آباد ہی جس میں ہر قسم کے لوگ رہتے ہیں۔ گرد اس بستی کے
محمد شاہ بادشاہ نے فصیل بنوادی جس میں چار دروازے اور ایک کھڑکی ہی کہتے
ہیں کہ اس فصیل پر پسنے چار لاکھ روپیئے خرچ ہوئے۔ گو یہ فصیل بہت پختہ مستحکم
اور بلند ہی مگر پھر بھی اُس ارزانی کے زمانے میں اتنا زرِ خطیر صرف ہونا قرین قیاس
نہیں ہی۔

جو کچھ بیان درگاہ شریف کا اوپر لکھا گیا اُس پر میری طرف سے یہ اضافہ ہی کہ آپ کے گنبد
کا فرش سنگ مرمر کا ہی اور مزار منور کے گرد ایک نہایت مصفی اور مجلی کٹہرا سنگ مرمر
کا لگایا گیا ہی جس کی نو جالیاں ہیں دسویں جالی پر ذیل کا کتبہ بہ خط نستعلیق نہایت خوش خط
کندہ ہی:-

"گزرانیدہ غلامان غلام فدوی محی الدین خاں
شمس الامرا امیر کبیر خورشید جاہ بستم رمضان المبارک
سنہ ۱۳۰۳ ہجری"

اس کٹہرے کا طول و عرض ۸ – ۱۰ × ۷ – ۱۰ اور بلندی ۱ – ۵ ہے یہ فرش اور کٹہرا حیدر آباد دکن کے امیر کبیر مرحوم مغفور نے بنوایا تھا جس سے رونق مزار مبارک کی اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی درگاہ میں کچھ ایسی شفافی اور جلاے ظاہری ہے جو نظر میں کھبی جاتی ہے اور شفاء الصدر اور جلاے باطنی کی طرف منجر ہوتی ہے۔ حضرت کے مزار مہبط انوار کے سرہانے ایک قلمی قرآن شریف ۲ – ۴ × ۱ – ۱۰ رکھا ہے جس کے آخر پر یہ لکھا ہے:۔
دو نوشتہ سید سلطان علی ولد سید فیض علی بن سید محمد علی ساکن قصبہ فرید آباد بتاریخ ۲۷ ذیقعد سنہ ۱۲۱ ہجری" ایک صاحب رحیم بیگ نامی نے ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۷ء میں ایک نہایت خوش خط رباعی آئینہ دار چوکھٹے میں لگا کر نذر گزرانی ہے جو سرہانے آویزاں ہے:۔

الله اکبر — تعالیٰ شانہ — عز اسمہ

غلام بخت بلندش ایاز مقصود است	کسیکہ ہمت او چوں نصیر محمود است
شب حصول وصول خدا بمعراجش	کمینہ منزل وادنیٰ مقام محمود است

اب ساری عمارات اندرون درگاہ عمدہ حالت میں ہیں اور نئی مرمت ہوئی ہے۔ حضرت کے گنبد کی جالیاں سنگ سرخ کی ہوں گی مگر اب تو اُن پر اس قدر سفیدی کی تہیں چڑھی ہوئی ہیں کہ وہ گچ ہی کی معلوم دیتی ہیں۔ صحن درگاہ شریف میں ایک کھرنی کا بڑا بھاری بہت پھیلا ہوا بہت پُرانا درخت دور دور اپنا سایہ پھیلائے ہوئے ہے۔ جس کی سبزی اور تروتازگی نظروں میں کھبی جاتی ہے اور نظر میں نور دل میں سرور پیدا کرتی ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اُسی زمانے کا ہے کہ جب درگاہ مقدس بنی تھی۔ اور غالباً ایسا ہوگا بھی۔ احاطۂ درگاہ کے دروازے کا گنبد بہت شکستہ اور لداؤ کا ہے جس کے دونوں جانب لمبی لمبی کشادہ سہ نشین ہیں۔ حضرت علاوہ درویشی کے بڑے ذی علم تھے۔ شریعت کے بدرجۂ غایت پابند۔ سماع مزامیر وغیرہ ممنوعات شرعیہ سے سخت اجتناب کرتے تھے۔ کبھی کبھی اشعار بھی فرمایا کرتے تھے مگر وہ بھی عشق الٰہی میں ڈوبے ہوئے۔ ایک غزل آپ کی جو بہت مشہور اور لوگوں کی زبان پر چڑھی ہوئی ہے تبرکاً لکھتا ہوں:۔

بے کارم و با کارم چوں مد بحساب اندر	خاموشم و گویانم چوں خط بکتاب اندر
اے زاہد ظاہر بیں از قرب مپرس از من	او در من و من در وی چوں بو بگلاب اندر

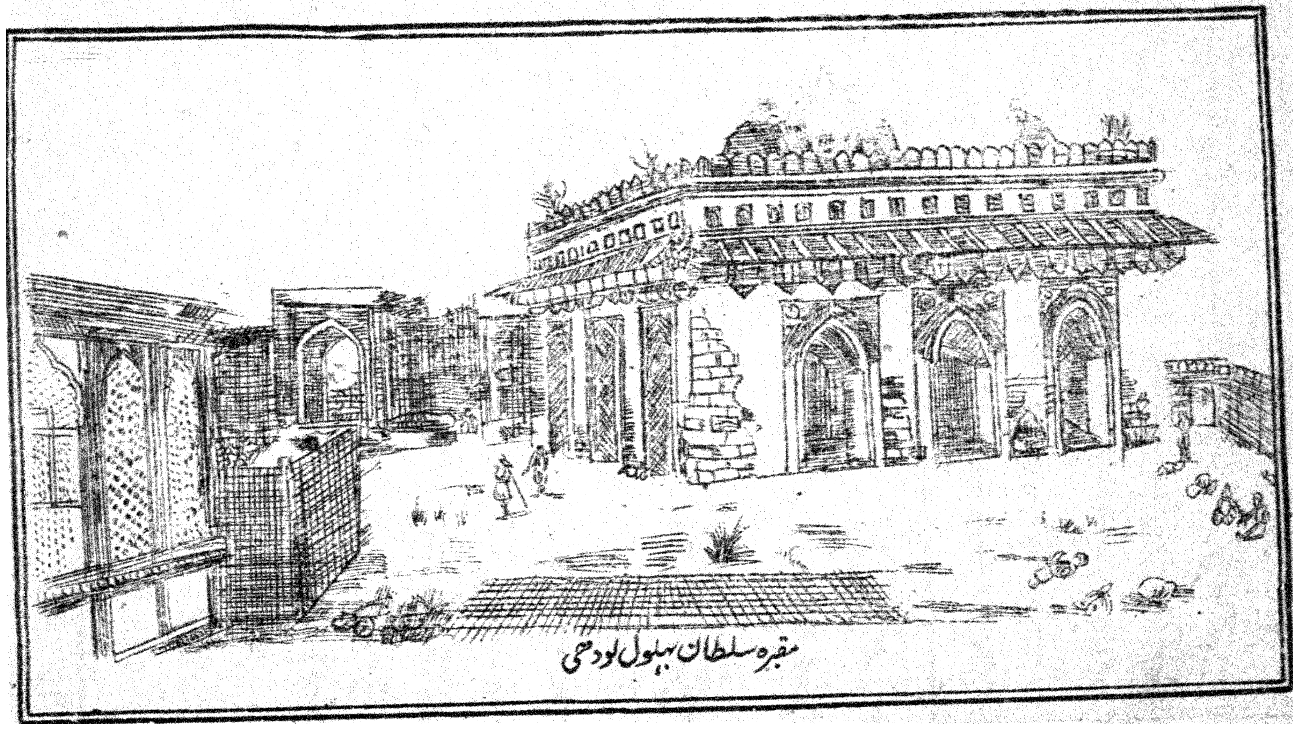
دریا رود از چشم لب تر نشود ہرگز
زیں شعبدہ حیرانم تشنہ ست با آب اندر
گہ رنجم و گہ شاداں از حالتِ خود غافل
گہ خندم و گہ گریاں چوں طفل بخواب اندر
در سینہ نصیرالدین جز دوست نمی گنجد
ایں طرفہ تماشہ بیں دریا بہ حباب اندر

حضرت کی جہاں درگاہ ہے آبادی بھی آپ ہی کے نام نامی اور اسم گرامی سے مشہور ہے۔ قطب روڈ کے آٹھویں میل پر سے بائیں ہاتھ کی طرف ایک کچا رستہ پھوٹ جاتا ہے۔ دو میل وہ خام رستہ طے کرنے کے بعد آپ کے درِ دولت پر حضوری نصیب ہوتی ہے۔ راستہ ناہموار۔ خراب اور پتھریلا۔ اتنی بڑی زیارت گاہ مرجع خلایق اور سڑک ندارد اسی سبب سے لوگ کم فیض یاب ہوتے ہیں۔ بستی کے قریب وہی نالہ رواں ہے جس پر کہ ست پلہ ہے بستی کے گرد ایک بڑی وسیع عظیم الشان اور نہایت مستحکم فصیل ہے جو اب تک زمانے کے حوادث کا مقابلہ کر رہی ہے اس کے چار عالی شان سر بفلک دروازے ہیں پھر ایسی فصیل پر اگر چار لاکھ روپیہ صرف ہوا تو کیا کچھ بے جا اندازہ ہے۔ اب اس فصیل کا کچھ کچھ حصہ جا بجا سے گرنا شروع ہو گیا ہے پھر بھی ابھی اس کے گرنے کو صدہا برس چاہئیں بستی کے اندر جانے کا دروازہ اسی فصیل میں ہے لیکن جیسا کہ قدیم زمانے کا دستور تھا دروازے کے سامنے بڑے بڑے پتھروں کی ایک ریٹ بنی ہوئی تھی اُس کے پتھر جا بجا سے اکھڑ جانے سے پیدل تو خیر مگر کوئی سواری نہیں جا سکتی۔ قطب صاحب کی سڑک کے دو طرفہ دور دور تک جہاں تک نظر دوڑتی ہے گنبد ہی گنبد اور کھنڈر ہی کھنڈر نظر آتے ہیں اور سڑک چھوڑ کر دو میل جو ہم پیادہ پا گئے تو ادھر اُدھر مبارک پور۔ کھیر پڑہ۔ کالو سرائے۔ کھڑکی۔ بیگم پور۔ شاہ پور جٹ۔ زمرد پور (سرائے شاہ جی یہ موضع اب اجاڑ ہے) کی بستیاں تھیں۔ اُن میں بھی عمارات قدیم کثرت سے ہیں پھر رستے میں سرائے شیخ کی بستی ملی جس کو شیخ علاء الدین اور شیخ صلاح الدین حضرت بابا فرید شکر گنج کے پوتوں نے جو سکندر بہلول لودھی کے زمانے میں (سنہ ۱۵۰۱ء) آئے تھے آباد کیا تھا۔ اس سے کوئی دو تین فرلانگ پر روشن چراغ دہلی کی بستی اور درگاہ ہے۔ غرض یہ کہ سارے کا سارا وسیع میدان جو کوسوں تک چلا گیا ہے عمارات سے پٹا پڑا ہے جن میں سے بہت سی گر گئیں

کچھ اب گرنے کو ہو رہی ہیں اور کچھ اپنی حالت پر کھڑی ہیں۔ اگرچہ اس میدان میں
ہل پھر گیا اور کھیت ہی کھیت ہو گئے مگر کوئی کھیت ایسا نظر نہ آیا جس میں عمارتوں کا
نشان نہ پایا جائے کچھ نہیں تو اینٹوں کے ٹکڑے۔ روڑے۔ چونے کے ڈلے
اب تک کثرت سے بکھرے پڑے ہیں۔ یہ حصہ مجھے بہت تباہ اور ویران معلوم ہوا اور
زیادہ تر کس مپرسی کی حالت میں ہے کئی گنبد ایسے نظر آئے کہ اچھے خاصے ہیں مگر ہم اندر
نہیں جا سکتے۔ پاس جا کر دیکھا تو دروازے چن دئے گئے ہیں۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ
کسی جاٹ صاحب کے قبضے میں ہیں کسی نے اوپلے بھر رکھے ہیں تو کسی نے بھوسہ۔ کیا خدا
کی شان ہے۔ گنبد کس کا اور قابض و متصرف کون ع آدمیاں گم شدند ملک خدا خر گرفت
یہاں کے لوگ کسی ہندو ڈپٹی صاحب کا نام لیتے ہیں کہ انھوں نے بوقت بندوبست
قبضہ قابضین کا بحال رکھا یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایسی جائداد اوپر کسی کا قبضہ جائز طور پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا اگر کوئی قابض
ہو سکتا ہے تو گورنمنٹ نہ کہ ما و شما۔ اگر لارڈ کرزن کا زمانہ کچھ دن اور رہتا تو ان
قابضین کی قلعی کھلتی۔ راقم کے نانا مولوی عبد القادر صاحب نے پنجابی کٹرے کی
مسجد کا جس کے وہ امام تھے معاوضہ طلب کیا تھا کہ وہ حدود ریلوے سٹیشن دہلی
میں آگئی تھی تو سرکار نے ان کو ٹکا سے کورا جواب دے دیا کہ مسجد شاہی تھی کچھ تمہاری
ملک نہ تھی تم خواہان معاوضہ کون اور یہ جواب ایک حد تک معقول و مسکت تھا بعینہ
یہی حالت ان گنبدوں کی ہے۔ ورنہ جاٹ کجا اور یہ گنبد کجا۔ درگاہ شریف کے اندر مکانات
کا حال ہم لکھ چکے اب بستی کے حصار کے اندر جو چند عمارتیں قابل الذکر ہیں ان کا
مختصراً بیان کرتے ہیں:۔

دو نامعلوم گنبد

درگاہ کے شمال میں بیرون احاطۂ درگاہ مگر حصار مسجد کے
اندر فصیل کے بالکل قریب ایک ہی وضع قطع کے دو گنبد
ہیں جو پٹھانوں کے زمانے کے معلوم ہوتے ہیں۔ دونوں بیس بیس فیٹ مربع ہیں
کلس ٹوٹ گئے۔ امتداد زمانہ سے باہر سے کالے پڑ گئے۔ ہر چہار طرف
دروازے ہیں۔ قبریں دونوں میں نہیں۔ جو لوگ ان میں رہتے ہیں قبریں ان کی بود و
باش کی آسائش میں مخل انداز ہوتی ہیں۔ بجائے اس کے کہ قبروں کو توڑ تاڑ کر برابر کر دیتے
انھوں نے بھرت کر کے قبروں کو دبا دیا۔ اوپر سطح جگہ نکل آئی۔ تدبیر تو اچھی کی۔ ایک



مقبرہ سلطان بہلول لودھی

گنبد کے اندر تو ہم جا ہی نہ سکے کہ کسی کا زنانہ تھا۔ باہر سے ہی دیکھ لیا۔

جلال الدین خلجی کی ناتمام مسجد سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۰ء

درگاہ کے غرب میں بڑی بھاری عمارت ہے۔ کہتے ہیں کہ علاء الدین خلجی نے بنوائی تھی اور ناتمام رہ گئی۔ اب وہ ساری ہی گر پڑی ہے تو ہم اس کا کیا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مکمل ہو چکی تھی یا ادھوری رہ گئی تھی۔ مسجد کے سامنے صحن ہے جو اب خام ہے اور اس پر بہت سی قبریں ہیں۔ اوپر وار چھت سپاٹ ہے نہ گنبد نہ مینار۔ اندر سے البتہ گنبد دار لداؤ چھت ہے۔ مسجد تین در کی ۴۳ × ۲۲ فٹ ہے اور بلندی ۲۷ فٹ ہے اور یہی بلندی محرابوں کی ہے چھت پر جانے کا (۲۸) سیڑھیوں کا زینہ ہے چھت پر کی کنگورے کی منڈیر گر گئی ہے صحن مسجد جس طرح آگے ہے پیچھے بھی تھا۔ مسجد کے گرد فصیل نما کنگورے دار احاطہ تھا وہ بھی جا بجا سے گر گیا ہے۔ داہنی طرف کے در کی چھت بیٹھ گئی ہے۔ زینہ ادھر بھی تھا۔ اندر باہر کا سارا پلاستر جھڑ کر قالی پتھر نکل آئے ہیں۔ مسجد کے اندر باہر کہیں پختہ فرش کہیں رہا۔ مسجد بہت بری حالت میں ہے علاوہ مویشیوں کے باندھے جانے کے لوگ بھی غلاظت پھیلانے میں کمی نہیں کرتے۔ خدا کی شان ہے کہ اب اس مسجد کی یہ حالت ہے!

مقبرہ سلطان بہلول لودھی سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء

جسم یوں روح سے لگا کہنے ‏ تن سے جب نکلے بے قرار چلی

چھوڑ کر ساتھ ایک عمر کا آج ‏ حیف ای جان غمگسار چلی

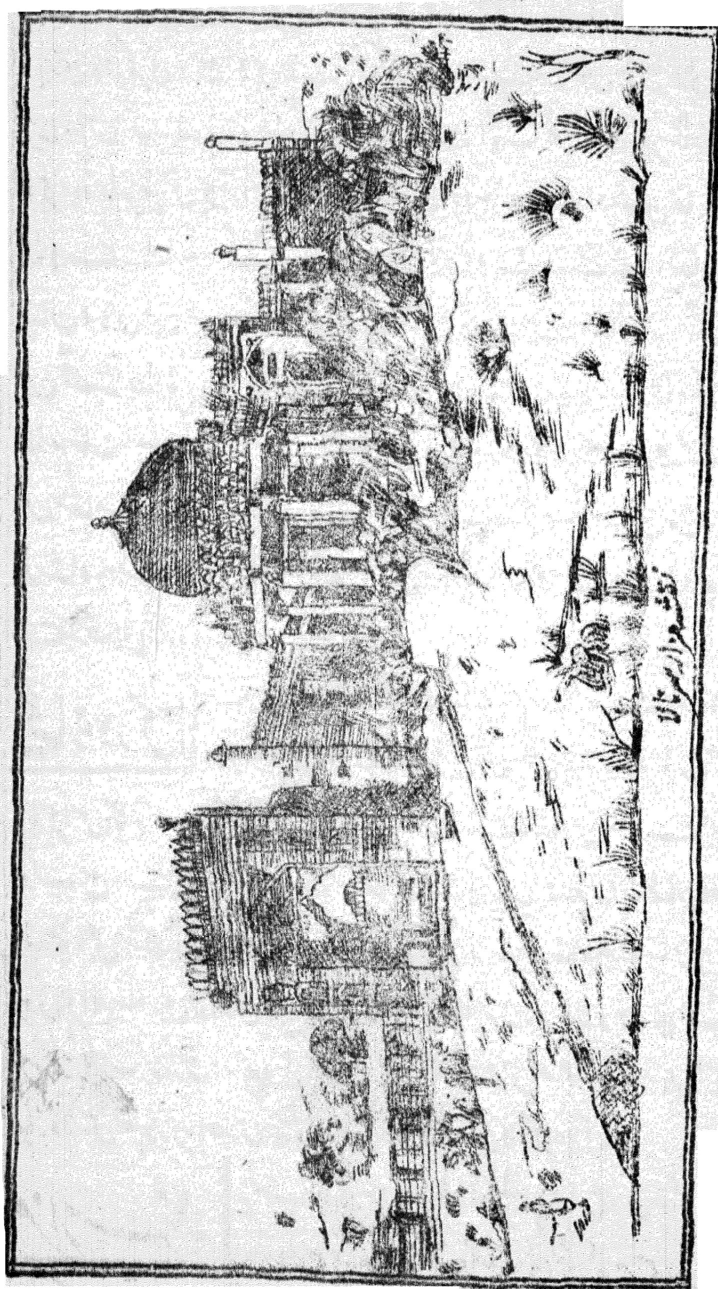
سکندر لودھی پسر بہلول لودھی نے یہ مقبرہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں بنوایا اور موضع بدھولی سے اپنے باپ کی نعش لاکر یہاں دفن کی۔ یہ مقبرہ حضرت نصیر الدین روشن چراغ دہلی کی درگاہ کے احاطے کی غربی دیوار سے ملا ہوا ایک باغ کے اندر ہے جو جودھ باغ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ مقبرہ ۴۴ فٹ مربع ہے جس کے تین طرف در ہیں جن کے بارہ ستون آٹھ فٹ اونچے اور دو فیٹ مربع سنگ سرخ کے ہیں محرابوں کی پیشانی پر نقش و نگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں جن کے اوپر ایک سنگین چھجا ہے چھت پر ایک سنگین اور مستحکم منڈیر ہے۔ چھت زمین سے ۱۸ فٹ بلند ہے گنبد کے اندر سنگ سرخ کے چوکوں کا فرش ہے۔ قبر کا تعویذ نقش و نگار سے آراستہ ہے جس کا رنگ استداد زمانہ سے بھورا ہو کر سیاہی مائل ہو گیا ہے۔ بابر نے اپنے روزنامچہ میں لکھا ہے کہ مدد دہلی کے فتح

کرنے کے بعد وہ سلطان بہلول اور سکندر لودہی کے مقبروں اور باغوں میں گیا تھا"۔ جس سے
معلوم ہوتا ہی کہ اب جہاں چٹیل میدان ہی وہاں باغ بھی تھے۔ اس مقبرے کے اوپر نہایت
خوب صورت پانچ برجیاں چونے گچ کی ہیں۔ جن میں بیچ کی برجی اوروں سے اونچی گنبد
دھاری دار کمر کی وضع کا ہی۔ اب اس گنبد میں حضرت روشن چراغ دہلی کے خدام رہتے
ہیں۔ اس مقبرے سے چند گز کے فاصلے پر ایک نوشتہ مربع مجحر سنگ سرخ کی جالیوں
کا ہی اور عام خیال ہی کہ اس میں جو قبریں ہیں وہ وزرائے بادشاہان خاندان لودہی کی ہیں
شاہ درے سے دلّی آتے ہوئے بہلول لودھی نے رستے میں انتقال کیا۔ تاریخ خان
جہان لودھی میں لکھا ہی کہ بادشاہ نے موضع ملاؤلی میں انتقال کیا۔ مگر تاریخ داؤدی
میں قصبۂ جلالی (ضلع علی گڈہ) میں وفات پانا درج ہی۔ بادشاہ کی نعش اُس کا بیٹا
نظام خان الملقب بہ سکندر لودہی دلّی لایا اور درگاہ روشن چراغ دہلی کے پاس
اس مقام پر دفن کیا جہاں کہ اب ہی۔ یہاں سے درگاہ روشن چراغ دہلی کی فصیل جو
محمد شاہ بادشاہ نے ۱۷۲۹ء میں بنوائی تھی وہ اور اس کا ایک دروازہ نہایت خوشنمائی
سے دکھلائی دیتا ہی۔

گیارہ دری اب یہی مقام گیارہ دری کے نام سے شہرت پاگیا ہی اس کا ایک
دروازہ درگاہ کے صحن میں بھی نکلتا ہی۔ جو وہ باغ جس کا اوپر ذکر
آیا ہی اُس کا تو اب نشان بھی نہیں رہا۔ ایک عرصے سے اس مقبرے میں درگاہ کے
لوگ مع اپنے اہل و عیال کے مستقلاً سکونت پذیر ہیں اور چوں کہ مسلمان اور پردہ دار ہیں کسی کا
اندر جانا بھی مشکلات سے ہی۔ اس میں شک نہیں کہ یہ عمارت نہایت شان دار اور پختہ بنی
ہوئی ہی اور ساری لداوی ہی۔ گنبد اور مقبرے کا طرز عاکر بارہ دری کے مشابہ
ہی۔ تین طرف تین تین در ہیں۔ پشت پر یعنی بجانب غربی صرف دو در ہیں اسی سبب سے
گیارہ دری مشہور ہی۔ اور اس سے ملی ہوئی وہ مسجد ہی جس کا ذکر اوپر آیا۔

مزار سرنالہ یہ گنبد اور مزار درگاہ روشن چراغ دہلی کے نیچے نالے کے
اوپر واقع ہی۔ ہر چند تحقیقات کی گئی کہ یہ کس کی قبر اور کب بنی
ہی اور کس نے بنائی ہی کچھ معلوم نہ ہوا مگر سچ بھی ایک فضا کا مقام ہی نالے کے سرے

ملک آثار الصنادید میں موضع بعد دلی نوح سکیت میں مرنا لکھا ہی واللہ اعلم بالصواب۔



پر واقع ہے۔ جب کبھی نالے میں پانی بہتا ہوگا تو یہ جگہ بھی نہایت سیرگاہ ہوگی۔ یہ برج مع
ستون اور فرش وغیرہ کے سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور اُس پر بہت خاصی منبت کاری
بھی کی ہے۔ ہیئت مجموعی اس مکان کی خالی از لطافت نہیں۔ اس برج کی وضع اور
ساخت اور خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اوپر جس مسجد کا ہم ذکر کر آئے ہیں اُس
کے غرب میں بستی کی فصیل کے باہر مگر بالکل ملی ہوئی یہ عمارت ہے جسے سرسید مرحوم
نے مزار سر نالہ لکھا ہے مگر اس کا طرز عمارت بتلا رہا ہے کہ یہ کوئی خانقاہ تھی۔ جس نالے
کے اوپر ایک بلند ٹیلے پر ایک وسیع اور پختہ چبوترا بنا کر خانقاہ بنائی گئی تھی وہ
نالہ کھڑکی بند کہلاتا ہے اور اسی پر ست پلہ ہے۔ یہ نالہ فیروز شاہ کی شکارگاہ سے آتا ہے
اور اب بھی بستی کی فصیل کے برابر رواں ہے۔ چبوترے کی بندش دب گئی ہے مگر شکل باقی
ہے۔ یہاں جو عمارت ہے اُس کے بھی بارہ در ہیں اور چھت لداؤ کی ہے۔ گو بارہ دری مختصر
ہے۔ مگر بڑی ہی خوش نما اور سڈول ہے۔ ولے بر حال ما کہ کسی جاٹ نے سارے درہن گھڑے
پتھروں سے چن کر اُپلے بھر دیئے ہیں جس کے سبب سے ہم اندر نہ جا سکے یہ بارہ دری
مربع ہے۔ باہر سے ہی دل کو اپنی طرف کھینچے لیتی ہے اندر کی حالت خدا ہی جانے۔ چبوترے
پر متعدد پرانی پرانی قبریں ہیں۔ شمال میں ایک لداؤ دالان تھا جس کی چھت کی دیوار
اور کچھ حصہ پاکھے کی دیوار کا کھڑا ہے۔ چھت کا بھی تھوڑا حصہ باقی ہے۔ طرز عمارت پٹھانوں
کے عہد سے مختلف اور زیادہ نزاکت لیے ہوئے ہے۔ پلاستر بھی سیاہ نہیں ہوا بلکہ سفید ہی
ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پٹھانوں کے بعد کی بنی ہوئی ہے۔

بھوتلا گنبد

حضرت روشن چراغ دہلی کی درگاہ کے شمال میں نالے کے اُس
پار ایک گنبد بارہ در کا سنگ سرخ کا چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے
یہ برج ۲۲ فٹ مربع ہے کرسی اس کی تین فٹ ہے۔ گرد فصیل نما پختہ احاطہ ۱۰۰ فٹ × ۹۰ فٹ ہے۔
اس کے علاوہ ایک اور احاطہ بیرونی بھی تھا جو گر گیا۔ اندرونی احاطے میں بجانب
غرب ساٹھ فیٹ لمبی اور ۲۰ فٹ اونچی کنگورے دار دیوار کھڑی ہے جو ایک ضلع
اندرونی احاطے کے عرض کا ہے جو قناتی مسجد کی دیوار معلوم ہوتی ہے کہ اس کے پیچھے پشتی
بان بھی لگے ہوئے ہیں اور طاق طاق طبھانچیوں کے بنے ہوئے ہیں۔ گنبد کے اندر
دو قبروں کی اوپر کی سلین اکھڑی پڑی ہیں ایک سیدھی ہے دوسری اوندھی۔ ایک کے

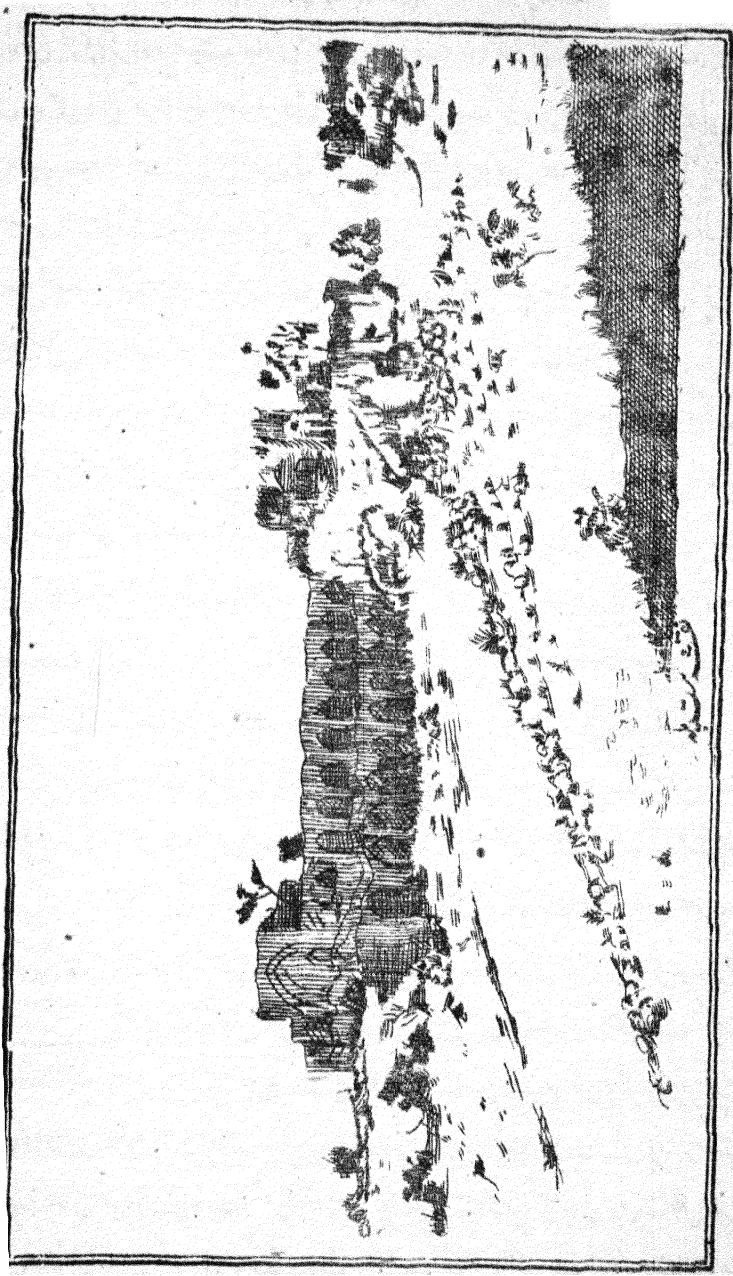
اوپر کی طرف اللہ اللہ اور اوپر ہی جدول کے طور پر آیتہ الکرسی منقوش ہے۔ دوسری اوندھی پڑی ہے اور بہت بھاری سل ہے اُٹھائے نہ اُٹھ سکی مگر ہے وہ اسی کے جوڑ کی اور اس پر بھی اسی قسم کا کتبہ معلوم دیتا ہے۔ قبر کی جگہ اب گڑھا ہے۔ خوب دل کھول کر کھدائی کھودی ہے۔ قبر کے ساتھ فرش بھی کھود ڈالا ہے کمپونڈ کا صحن پختہ تھا وہ بھی اُکھڑ بکھڑ گیا۔ کمپونڈ کا صدر دروازہ شرق رویہ ہے اس کمپونڈ میں متعدد قبور ہیں۔ اس گنبد کے دور دور تک کھنڈر پھیلے ہوے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گنبد کے گرد اور عمارتیں تھیں جو گر پڑ گئیں۔ یہ گنبد بھوتلا گنبد اس وجہ سے مشہور ہے کہ اس ویرانے میں بس یہی ایک عمارت رہ گئی ہے۔ یہاں کا بھیانک سما ایسا ہے کہ بھوتلا گنبد کہنا کچھ بیجا نہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ **جلال الدین خلجی** کا ہے لیکن اس کی کوئی سند نہیں۔ خود جلال الدین خلجی کا مزار بے ٹھور ٹھکانے ہے کہ آج تک اُس کا مقام تحقیق نہیں ہوا۔ ایسے بڑے نامی گرامی اولوالعزم بادشاہ کا مزار یوں معرض گمنامی میں ہے تو وائے بر حال ما دشما۔ اسی گنبد کے پاس بجانب مغرب **قلعہ سیری** کا گھوگس ہے جس کی شکستہ فصیلوں اور برجوں کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے اور یہ سارے کا سارا خطہ تباہی اور ویرانی کا ایک وحشت خیز منظر ہے۔ جہاں یہ گنبد ہے وہاں سے شرق کی طرف کوئی ایک میل کے فصل سے ومردپور کی بستی ہے۔ اس گنبد کے شمال میں اور ایک شکستہ چار دیواری ہے بھی پرانی پرانی قبریں ہیں

ست پلہ
سنہ ۷۲۷ھ ۱۳۲۶ء

نمرداں کہ مانند پس از وے بجاے　　محل و مسجد و چاہ و مہماں سراے

ست پلہ موضع کھڑکی کی سرحد میں ہے۔ درگاہ روشن چراغ دہلی کے قریب ہے پل محمد عادل تغلق شاہ[۱] نے ۷۲۷ھ ۱۳۲۶ء میں بنایا۔ یہ درحقیقت ایک قسم کا

[۱] آثار الصنادید مطبوعہ سنہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۷ء میں تو ست پلے کو محمد تغلق شاہ ہی کا بنایا ہوا لکھا ہے مگر ایڈیشن سنہ ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۴ء میں اس کا بانی فیروز شاہ کو بتلایا ہے حالانکہ انگریزی کتابوں میں بھی روایت اول ہی لی گئی ہے۔ اگر ست پلے کو فیروز شاہ کی تعمیر خیال کیا جاے تو اُس کا قصہ یوں ہے کہ فیروز شاہ کا بیٹا فتح خاں جو بہت عقل مند اور نہایت لایق تھا ۷۷۶ھ ۱۳۷۴ء میں مرگیا۔ بادشاہ کو اُس کے مرنے سے اتنا غم ہوا کہ اپنے جینے کو مرنے سے بدتر جانتا اور بادشاہی کو گدائی سے کمتر سمجھتا کسی کام میں اُس کا دل نہ لگتا اور سلطنت کے انتظام میں خلل پڑتا۔ امیروں نے بہت سمجھایا اور اس غم کے بھلانے کو یہ بند بنلیا۔ بہت اچھا وسیع جنگل دیکھ کر کئی کوس کے فاصلے پر دیواریں کھنچیں اور اس میں طرح طرح کے درخت لگا کر شکار گاہ بنائی۔ اُن میں کی (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)



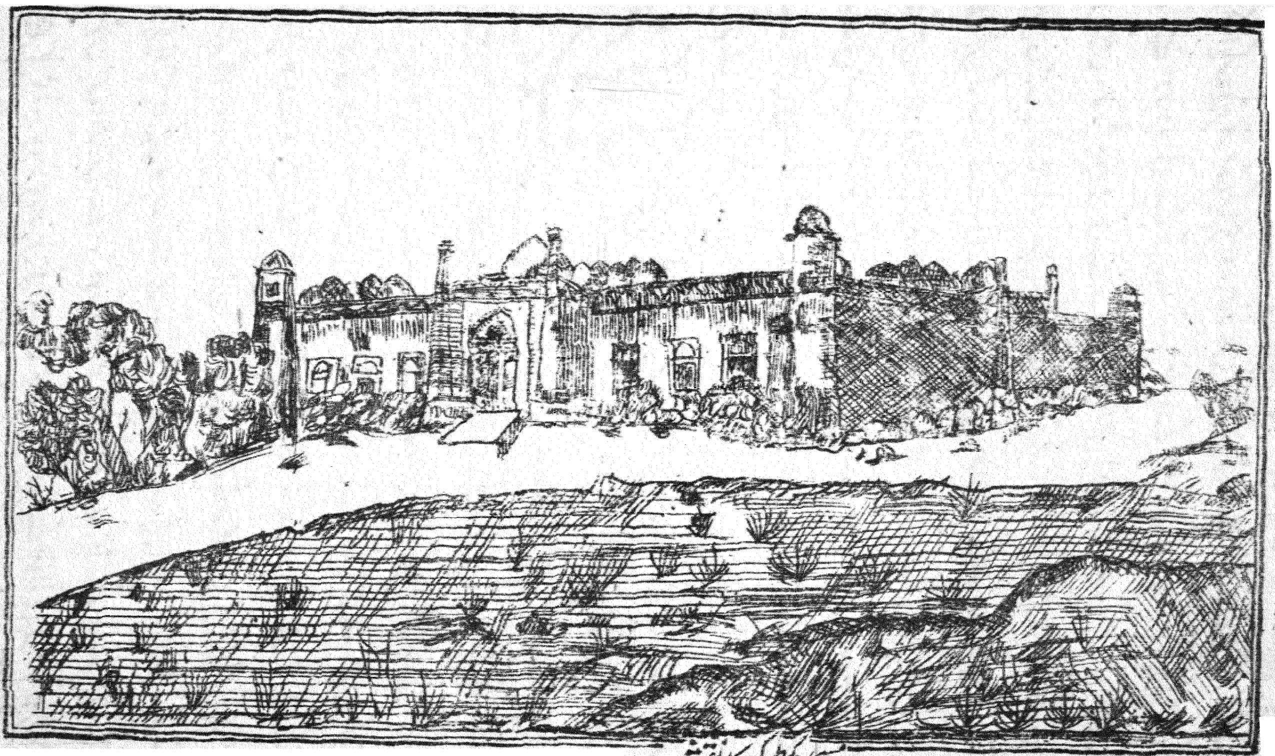
بندہی جس سے دور دور کے پانی کو روک کرنالے کے بیچ میں یہ پل سات در کا نہایت پختہ اور مضبوط ۸ فٹ اونچا باندھ دیا ہی اور اسی وجہ سے ست پلہ مشہور ہی۔ درمیانی تین در گیارہ گیارہ فیٹ اور باقی نو نو فیٹ عریض ہیں۔ پل کی لمبائی ۱۲۲ فٹ ہی اور دونوں سرے کے دروازے ملالیں جو ۳۹ فٹ چوڑے ہیں تو پل کی پوری لمبائی ۲۰۵ فٹ ہوگی۔ پل کے اوپر بھی مکان بنے ہوئے ہیں اور دروازے بہت خوش نما بنائے ہیں۔ ان برج دار دروازوں کی وضع علاؤالدین کے عہد کی سی ہی جو ۸ فٹ لمبے اور بیس فیٹ سے کچھ ذرا ہی زیادہ اونچے ہیں۔ ان برجوں میں ایک ایک ہشت پہلو کمرہ ہی اور ان کمروں کے بیچ میں ایک ایک طاق بھی بنا ہوا ہی۔ مشرقی محراب جس کے بیچ میں ایک دروازہ ہی سات فیٹ چوڑی اور جو دروازہ سولہا فیٹ چوڑا ہی۔ اور اس میں بھی طاق بنے ہوئے ہیں۔ پل کے دونوں دروازوں کے سامنے ایک ایک چبوترا ۲۲ فٹ مربع پل کی سطح کے برابر ہے مگر سطح زمین سے ۸ فٹ اونچا ہی دو دو دروں پر ایک ایک محراب بھی ہی جو چودہ فیٹ اونچی اور گیارہ فیٹ چوڑی ہی۔ پل کے دونوں طرف سطح زمین کے برابر دونوں طرف کھلی محرابیں ہیں۔ جن میں اوپر چڑھنے کا زینہ ہی۔ بعض بعض جگہ سے دیوار گر پڑی تھی تو سرکار کی طرف سے کچا بند باندھ دیا گیا تھا اور دروں کو بند کر کے پانی روک دیا۔ تمام کھیتیاں اسی پانی سے سیراب ہوتی ہیں اور زمینداروں کو بہت فائدہ ہوتا ہی۔ اس مقام پر حضرت روشن چراغ دہلی کے خادموں نے اپنی کمائی کا عجب ڈھنگ نکالا ہی۔ کہتے ہیں کہ جس جگہ اس بند کے در ہیں اُس مقام پر ایک دفعہ حضرت روشن چراغ دہلی تشریف لائے تھے اور عصر کی نماز کا وقت تنگ ہوتا اور پانی نہیں ملتا تھا۔ آپ نے اس مقام پر زمین کو کریدا فوراً پانی نکل آیا جس سے آپ نے وضو کیا اور یہ دعا دی کہ جو کوئی اس پانی سے نہائے گا وہ تمام بیماریوں سے شفا پائے گا اور اس بات کو کرامات ٹھیرا کر ان دروں کے آگے ایک چھوٹی سی کوئیاں کہ جس کا پانی شرعاً بھی پاک نہیں کھود رکھی ہی اور بے نذر بھینٹ لیئے اس کا پانی کسی کو نہیں

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) ایک دیوار یہ ہی۔ اس دیوار کے بیچوں بیچ ایک بہت بڑا نالہ ہی کہ قطب صاحب کی امرئیوں اور تمام نالوں کا پانی مل کر اس نالے میں بہتا ہی۔ اس واسطے اس دیوار کے بیچ میں نالے کے بہنے کو پل کے طور پر در بنا دئے ہیں۔ ۱۲

دیتے ۔ یہ بات اول تو کسی روایت سے ثابت نہیں اور اگر ایسا ہوا بھی ہو تو شکم نالے میں ذرا سا کھودنے سے بالعموم پانی نکل آتا ہے۔ غرض مسلمانوں نے بھی اس جگہ کو ایک تیرتھ مقرر کیا ہے اور بیماروں کو اُس پانی سے نہلاتے ہیں۔ کاتک (اکتوبر) کے مہینے اور دیوالی کے قریب اتوار منگل کے دن اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ جس کا کچھ بیان نہیں۔ عورتیں بچوں کو لے لے کر آتیں اور اس پانی سے نہلاتی ہیں اور چھوٹی چھوٹی ٹھلیوں میں پانی بھر اور سرس کے پتے رکھ تبرک لے جاتی ہیں۔ اور لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہاں کے پانی سے آسیب۔ جن۔ جادو اور بھوت پریت سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان دنوں میں خادموں کی بن آتی ہے چھ ٹکے سے کم پانی کی ٹھلیا نہیں دیتے اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو شرک و کفر سے بچائے اور اعتقاد فاسد سے نجات دے جب کسی نے اللہ کے سوا دوسرے کو پوجا اُس نے اپنے ہاتھ سے اپنے دین کو کھویا۔

کھڑکی کی مسجد
۷۸۹ھ ۱۳۸۷ع

ست پُلے کے پاس قدیم زمانے میں ایک گاؤں ہے جو کھڑکی کہلاتا ہے اس مقام پر خان جہاں فیروز شاہی۔ جب کہ یہ پُل بنوایا تھا ۷۸۹ھ میں ایک مسجد بنوائی تھی جو ایک عظیم الشان قابل دید عمارت ہے اور ایک مقام مرتفع پر سیاہ رنگ کے پتھر سے بنی ہوئی ہے جس پر گچ کا پلاستر ہے جو اب استداد زمانے سے بالکل کالا پڑ گیا ہے اس تبدیلی ہیئت کذائی نے مسجد کی ظاہری حالت میں اور عظمت اور وقار پیدا کر دیا ہے یہ عمارت چوکھونٹی اور چاروں طرف مربع کے ضلعوں کے بیچ میں ایک ایک مربع بطور تاج کے نکلا ہے بمنزلہ گاؤدم اور ایک ایک برج چاروں تاج کے مربعوں پر ہے جو پچاس پچاس فیٹ بلند ہے اور مسجد میں نو جگہ ملے ہوئے نو نو برج بنائے ہیں اور ہر ہر برج کے تلے چار چار ستون ہیں اور اس کے سوا اور بھی بہت سے ستون جا بجا لگے ہوئے ہیں۔ پہلی منزل سے نیچی ہے اور دوسری منزل کی چھت مسجد کے فرش کے متوازی ہے اور تیسری منزل اس چھت کے اوپر دار ہے مسجد کے تین بڑے بڑے عالی شان دروازے شمال جنوب و مشرق میں پٹھانوں کی عمارات کے طرز کے بنے ہوئے ہیں جو مسجد کی دیوار سے ۲۴ قدم کے فاصلے پر ۱۰ فٹ اونچے ہیں شمالی دروازے میں چوبی کواڑ لگے ہوئے ہیں۔ ہر دروازے



مسجد کھڑکی کا نقشہ

پر ایک لداؤ کا گنبد ہے جس کی چھت پر بھاری منڈیر ہے اور بیرونی کونوں پر آٹھ فٹ اونچی مناریں ہیں مسجد کی مشرقی مغربی اور جنوبی دیواروں میں کھڑکیاں ہیں جن میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ دروازے کے دونوں طرف اس قسم کی چھ چھ کھڑکیاں ہیں اور اسی قسم کی کھڑکیاں دروازے کے داہنی اور بائیں طرف کی دیواروں میں بھی ہیں۔ مغربی دیوار کے وسط میں مسجد کی بڑی محراب ہے یہ جگہ شمال سے جنوب کو (۲۰) فٹ اور مشرق سے مغرب کو (۱۹) فٹ ہے اور اس دیوار میں کوئی کھڑکی نہیں ہے۔ یہ مسجد دو منزلہ ہے۔ حصہ اول (۱۵) فٹ بلند ہے جس میں پست اور گہرے حجرے ہیں اور دوسری منزل (۲۲) فٹ بلند ہے جس میں (۸۹) چھوٹے چھوٹے گنبد سادی وضع کے نہایت مستحکم بنے ہوئے ہیں۔ پہلی منزل کی دیوار کا اثار (۷ فٹ) ہے اور بالائی منزل کی دیوار کا آثار ۵ فٹ اور اس طرح جوں جوں بلندی ہوتی جاتی ہے آثار کم ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ اوپر پہنچ کر دو ہی فٹ کا آثار رہ گیا ہے یہ تمام عمارت سوائے شمال ومشرقی رخ کے اب تک اچھی حالت میں ہے اس کونے کی چھت گر گئی ہے۔ یہ نقصان مسجد کی عمارت کے نقص کی وجہ سے نہیں پہنچا بلکہ (۱۳۲) برس ہوئے آئے کہ مسجد کے اس حصے میں گاؤں والوں نے چارہ بھر رکھا تھا جسے کسی نے آگ لگا دی جس کی وجہ سے یہ حصہ منہدم ہو گیا جب سے ویسا ہی پڑا ہے۔ یہ عمارت مال مسالے کے اعتبار سے بالکل کالی مسجد کی وضع قطع کی ہے اور اس کا طرز بھی مصری سا ہے۔ کالی مسجد برج ملا کر (۱۴۱ فٹ) لمبی ہے اور یہ مسجد برجوں سمیت طول میں (۲۱۰ فٹ) ہے۔ کلاں مسجد کی شکل قایم الزوایا متوازی الاضلاع ہے اور یہ مربع۔ کالی مسجد میں وسط عمارت میں ایک دالان ہے اور اس میں چار دالان ہیں۔ اس مسجد میں داخل ہوتے ہی ایک بہت بڑا وسیع ہال نظر آتا ہے جس کی بہت بڑی بھاری چھت علاوہ دیوار دوز ستونوں کے دوسرے ستونوں کی چودہ قطاروں پر ٹکی ہوئی ہے تمام مسجد میں سینکڑوں ستون ہیں کہ گنتی میں نہیں آ سکتے مسجد کے صحن میں چار چار چوک تیس تیس فٹ مربع ہیں۔ مسجد کی پہلی منزل میں (۱۰۴) محراب دار حجرے ہیں جو نو نو فٹ مربع ہیں علاوہ اس کے نیچے بھی حجرے ہیں جو کل ملا کر تعداد میں (۱۱۲) ہیں جن میں سے اکثر کوڑے کرکٹ سے بھرے ہوتے ہیں اور بعض میں مٹی اٹ گئی ہے۔ قریب (۱۴۲) برس کے گذرے ہوں گے کہ محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں جو انقلاب عظیم ہوا اُس

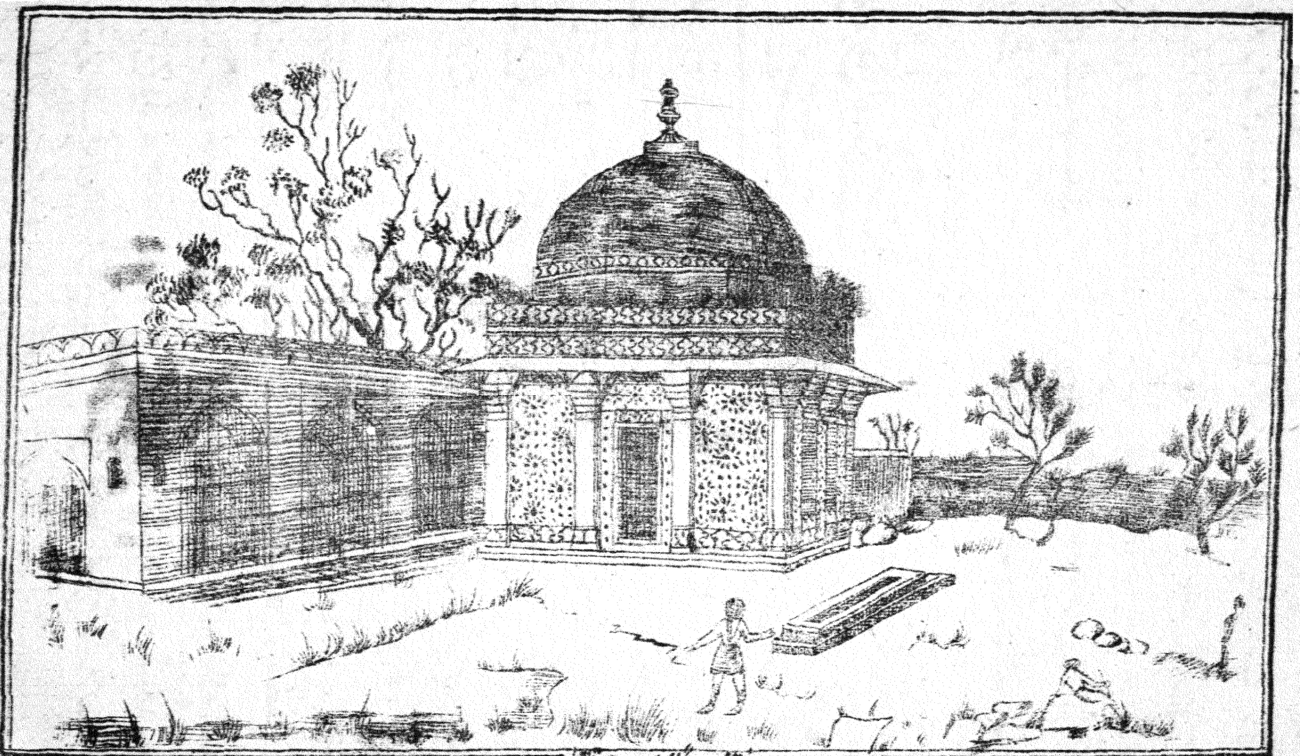
وقت موضع کھڑکی کے گوجروں نے اسی مسجد میں پناہ لی تھی اور بہت مدتوں اسی میں رہے سہے اور اپنی بود وباش کے لیئے جابجا در بند کرکے اپنے گھر بنا لیئے۔ تھوڑا عرصہ ہوا کہ حکام مقامی نے اسے خالی کروالیا۔ بہتر برس پہلے مسٹر سائے۔ رابرٹسن نے اس مسجد کو دیکھا تھا تو لکھا تھا کہ "اس مسجد میں اٹھارہ گھرانے بستے ہیں جن میں بیالیس مرد اور بیالیس عورتیں تیس لڑکے اور بیس لڑکیاں جملہ (۱۳۴) نفوس کے علاوہ (۱۴۷) مویشی بھی بندھے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں میں سے صرف (۳۸) مسلمان تھے باقی سب ہندو تھے" افسوس کہ ہونے کو تو یہ اتنی بڑی مسجد مگر کتبہ کوئی بھی نہیں جس سے اس کی بنا کی صحیح تاریخ معلوم ہو سکے۔

درگاہ شیخ یوسف قتال
۹۰۳ھ
۱۴۹۷ء

یہ درگاہ حضرت شیخ یوسف قتال کی کھڑکی کی مسجد کے پاس ہی ہے جو مرید ہیں قاضی جلال الدین لاہوری کے ۹۰۳ھ ۱۴۹۷ء میں سلطان سکندر شاہ ابن سلطان بہلول لودھی کے عہد میں بنی ہے اور حضرت شیخ علاء الدین شیخ فرید شکر گنج کے نواسے نے بنوائی ہے۔ برج اور گرد کی جالیاں سنگ سرخ کی ہیں اور گنبد چونے کا ہے اور حاشیہ گنبد پر چینی کا کام بنا ہوا ہے اور ایک طرف کو چونے پتھر کی مسجد ہے جس زمانے میں کہ یہ گنبد اور مسجد بنی ہوگی پاکیزگی اور لطافت سے خالی نہ ہوگی لیکن اب پرانی ہوگئی ہے اور کوئی مرمت کرنے والا نہیں رہا۔ گنبد تو بہرحال اچھا ہے مگر مسجد بہت خراب خستہ ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ کھڑکی کے رہنے والے زمیندار اس درگاہ کو بہت مانتے ہیں اور "یوسف اولیا صاحب" کی درگاہ کہتے ہیں۔ درگاہ پر یہ کتبہ بخط عربی ہے:- بنای این عمارت گمبد در عہد سلطان الاعظم ابوالمظفر سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ و سلطانہ بانی گنبد علاؤ الدین نور تاج بلسہ شیخ قطب العالم شیخ فرید شکر گنج ماہ محرم سنۃ ثلث تسعمائۃ ۹۰۳
حضرت یوسف قتال کا وصال ۹۲۳ھ ۱۵۲۶ء میں ہوا ہے اور درگاہ بنی ہے ۹۰۳ھ میں۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے حین حیات درگاہ بن گئی تھی۔

لال گنبد یعنی مقبرۂ کبیر الدین اولیا

یہ عمارت سرتاپا سنگ سرخ کی ہے جس میں جابجا سنگ مرمر بھی بطور آرائش



نقشہ درگاہ یوسف قتال

کے لگا یا گیا ہے۔ اس کی دیواریں بھی تغلق شاہ کے مقبرے کی طرح گاؤدم ہیں۔ یہ گنبد
حضرت شیخ یوسف قتال کی درگاہ کے پاس شمال مغرب کی طرف ہے۔ آپ شیخ معز
کے صاحب زادے اور اپنے والد ماجد کی طرح بڑے صاحب کرامت تھے۔ یہ مقبرہ
عموماً **لال گنبد** کے نام سے مشہور ہے۔ اسی کے پاس چند متفرق بکھرے ہوئے
پتھر کے ستونوں کو یکجا کر کے کھڑا کر دیا ہے جن کے اوپر ایک پتھر ڈھنک دیا ہے یہاں
ایک تحت الارض چھوٹی سی کوٹھری تین فیٹ چوڑی ہے جو اب کوڑے کرکٹ سے
اٹ گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ دن کو آپ اسی مختصر حجرے میں اور رات کو اوپر رہتے تھے
یہیں ایک پرانا کنواں بھی ہے جس پر ۱۰۲۱ھ کندہ ہے۔ اس گنبد کے شمال اور مشرق
میں **سیری** کی فصیلوں کے کھنڈر اور درخت ہیں جو آڑ ہو جانے سے صاف
نظر نہیں آتے۔ موضع **شاہ پور جٹ** یہیں ہے۔ **روشن چراغ دہلی** کے احاطے
کے باہر **جہاں پناہ** کی فصیل کا سلسلہ جا بجا سے گرا پڑا اب تک موجود ہے۔ عوام میں
یہ گنبد **بنجارے کے گنبد** کے نام سے مشہور ہے لوگ کہتے ہیں کہ کسی بنجارے نے
اپنی خوش اعتقادی سے بنوا دیا تھا۔ اس گنبد کا پختہ چبوترا ۵۰ مربع اور ۴½ بلند ہے۔
اصل مقبرہ ۵۱ مربع ہے جس کا قطر اندر سے ۲۹ ہے۔ اور سنگ خارا کی سلوں کا فرش
ہے۔ دروازہ داخلی مشرق رویہ ہے دو طرف جالیاں ہیں۔ مغرب میں بند۔ اندر چار چار کی
دو قطاروں میں آٹھ قبریں چونے گچی کی بہت بڑی بڑی بنی ہوئی ہیں۔ سوائے ایک قبر کے کہ
اس پر قل ہو اللہ کندہ ہے۔ اور کسی پر کوئی کتبہ نہیں نہ گنبد پر کسی قسم کا کتبہ ہے

اس گنبد کے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ کلس اور کنگورا چرانے کو چور آئے تھے
چنانچہ انہوں نے اوپر چڑھنے کو چور کابیں گاڑی تھیں ان میں کی ایک دو اب بھی
باقی ہیں جب چور اوپر چڑھ گئے تو اندھے ہو کر گرے چنانچہ ان کے خون کے
دھبے مشرق کی جانب جدھر کاب گڑی ہوئی ہے اب بھی توڑوں اور دیوار میں غور کرنے
سے معلوم دیتے ہیں۔ واللہ اعلم اصل معاملہ کیا تھا۔

معروف کا مقبرہ

لال گنبد کے پاس ہی بجانب مشرق یہ بہت پرانا گنبد ۲۹ مربع ہے۔ اندر اُپلے بھرے ہیں چاروں طرف کے در چُن
دیئے ہیں لہٰذا ہم کسی مزید کیفیت کے لکھنے سے مجبور ہیں بعض لوگ اسے عبد الصمد کا مقبرہ

بتلاتے ہیں۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ صحیح حال کچھ کھلتا نہیں۔ بہر حال کسی صاحب کا بھی ہو جو صاحب اس میں آسودہ ہیں تھے وہ حضرت کبیر الدین اولیا رحمہ کے ساتھیوں میں کے۔

دو محاط ہڑواڑیں

اسی جگہ دو احاطے گھرے ہوئے ہیں۔ یہ احاطے بہت مضبوط اور مستحکم فصیل نما بنے ہوئے ہیں۔ وضع قطع مسجد کی ہے اندر جاکر دیکھو تو مسجد کی طرح کی ایک دیوار کھینچ کر ایک بلند چبوترا بنا کر اس پر صرف قبریں بنادی ہیں۔

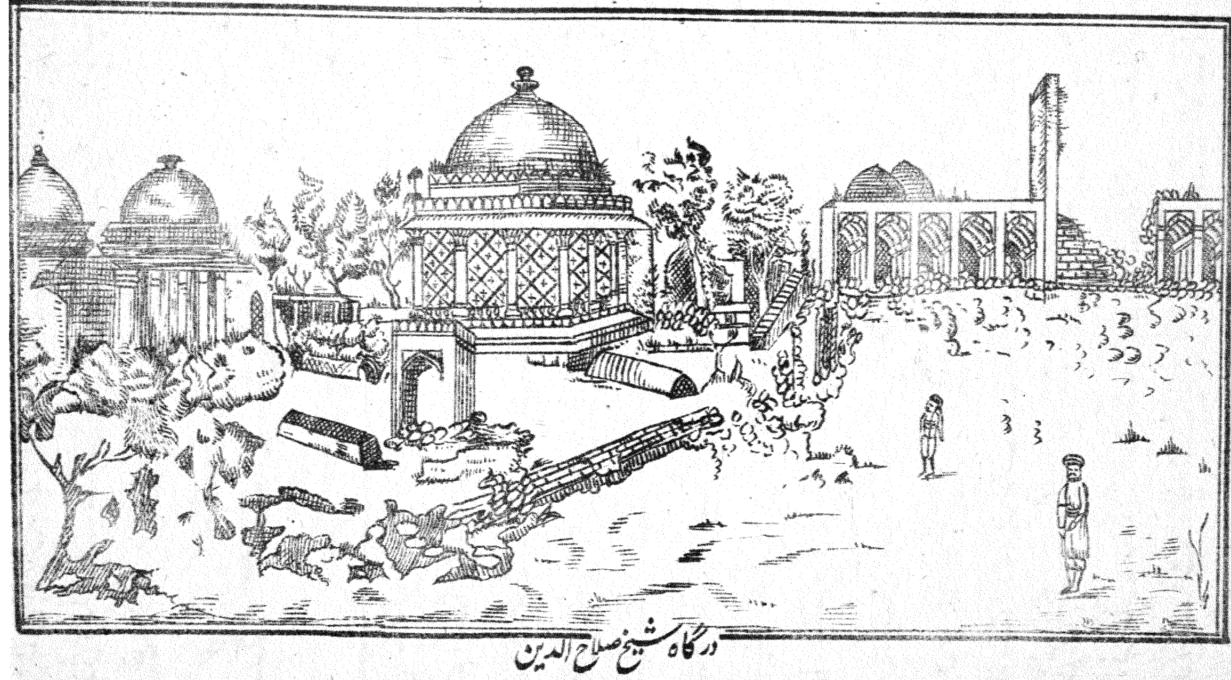
(۱) اس احاطے کا ایک چھوٹا سا معمولی دروازہ غرب رویہ ہے۔ یہ احاطہ ۳۰ مربع اور اچھی حالت پر قایم ہے۔ مغرب کی طرف مسجد نما ایک دیوار کھینچ کر اس میں تین دیوار در محرابیں بنادی ہیں جس کے سامنے ۲۹ مربع اور چار فیٹ بلند چبوترے پر تین پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں۔ چھت پہلے ہی سے نہ تھی۔ ایسا ہی ایک اور چبوترا ۳۳ مربع ۵ اونچا ہے جس پر نو پختہ قبریں بنی ہوئی ہیں جن میں سے صرف دو اچھی حالت میں ہیں باقی ٹوٹی پھوٹی ہیں۔ اس احاطے کی دیوار پر کنگورا نہیں ہے سادی ہے۔

(۲) یہ احاطہ پہلے احاطے سے بہت بڑا ہے اور احاطہ کی دیوار بھی کنگورے دار ہے جس کے چاروں کونوں پر برج تھے۔ تین طرف کی دیواریں اور برج گر گئے صرف مغرب کی طرف کی دیوار اور ایک برج باقی ہے۔ گو اب اس میں زراعت ہوتی ہے تب بھی قدیم احاطے کا نشان باقی ہے ۲۲ مربع تھا اس احاطے میں اسی طرح کا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں ایک پختہ چبوترا ۵ مربع اور سات فیٹ اونچا ہے جس پر دو شکستہ اور ایک سالم قبر ہے۔

یہ دونوں مجھے اس زمانے کے امرا کی ہڑواڑیں معلوم دیتی ہیں۔ اب بھی بڑے بڑے لوگ اپنی ہڑواڑوں کی جگہ محصور کر لیتے ہیں جیسے کہ درگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ اور حضرت سید حسن رسول نما میں موجود ہیں۔

دو برجی مسجد

موضع شیخ سرائے کی حدود میں یہ ایک بہت پرانی مسجد ہے جو کالو سرائے اور بیگم پور کی مسجد کی وضع قطع کی ہے۔ جو اسی نواح میں فیروز شاہ کے عہد میں سنہ ۷۸۹ھ ۱۳۸۷ء کی بنی ہوئی ہے۔ قوی قرینہ اس کا ہے یہ مسجد بھی اسی زمانے کی تعمیر ہوگی۔ یہ مسجد دہرے دالانوں کی تھی۔ ہر دالان پر پانچ پانچ گنبد تھے



درگاه شیخ صلاح الدین

اسی وجہ سے وہ برجی کہلاتی ہے۔ پچھلا دالان مع برجوں کے گر گیا صرف اگلا دالان اور پانچ برج کھڑے ہیں۔ مسجد کی بغلی میں ایک ایک حجرہ بھی داہنے بائیں تھا وہ بھی گر گئے مگر نشان باقی ہیں۔ مسجد کا طول و عرض ۵۳ × ۳۰ ہے۔ اب اس مسجد کی زہ تک زراعت ہوتی ہے۔ اطراف کے کھنڈر شہادت دیتے ہیں کہ مسجد کے گرد بستی اور مکانات تھے ورنہ جنگل میں مسجد کا کیا کام ہے۔

درگاہ حضرت شیخ صلاح الدین

۷۵۴ھ ۱۳۵۳ء

دنیا ہم نے سرائے فانی دیکھی
ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی

حضرت روشن چراغ دہلی کے پاس آپ کی درگاہ ہے۔ آپ شیخ صدر الدین کے خلیفہ ہیں آپ کا انتقال دلی میں ہوا اور موضع کھڑکی سے ایک میل کے اندر ہی اندر آپ کا مقبرہ ہے جو ۷۵۴ھ میں بنا۔ آپ بڑے متقدس اور ذی علم بزرگ تھے۔ آپ کے تقوے اور ورع کی شہرت دور دور تھی۔ آپ حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کے ہم عصر تھے۔ اور یہ دونوں بزرگ پاس پاس ہی رہا کرتے تھے۔ آپ محمد شاہ تغلق کے عہد میں تھے۔ آپ کا فیض عام تھا اور خلایق کو پند و نصائح ہی آپ کا کام تھا۔ اگرچہ آپ بادشاہ کو بعض اوقات سختی سے جواب دیتے تھے مگر پھر بھی بادشاہ آپ کے ارشادات کو بڑی کشادہ پیشانی سے سنتا تھا۔ یہ مقبرہ کھنڈروں کے بیچ میں کھڑا ہے یعنی اطراف کی عمارتیں سب گر پڑگئیں بس ایک یہ مقبرہ رہ گیا ہے۔ گنبد ۳۳ فٹ مربع چبوترے پر واقع ہے اور چبوترے کی کرسی چار فیٹ اونچی ہے۔ گنبد ۱۹ فٹ مربع اور ۲۵ فٹ بلند پتھر چونے کا بنا ہوا ہے جس کے سارے ردکار پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ گنبد کے بارہ در دس دس فیٹ بلند ہیں جن میں سنگ مرمر کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ مشرق کی جانب بیچوں بیچ میں دروازہ ہے۔ قبر سنگ مرمر کی آٹھ فیٹ لمبی چار فیٹ چوڑی اور فٹ بھر اونچی ہے جس کے گرد ایک فٹ اونچا سنگ سرخ کا کٹہرا ہے۔ گنبد کی چھت میں ایک الٹا پیالہ لٹک رہا ہے۔ یہ گنبد خاندان تغلق کے زمانے کے گنبدوں کی طرح کا ہے جو تین فیٹ اونچے اسطوانے پر ہے جن پر چار فیٹ اونچا تانبے کا ملمع کیا ہوا کلس ہے۔ گنبد کے ساتھ ایک مسجد بھی تھی جو اب بالکل کھنڈر ہوگئی ہے مسجد کے عملاوہ ایک [illegible] خانہ اور [illegible]

عمارتیں بھی تھیں جو سب کی سب گر گرا گئیں۔ اس گنبد اور دو برجوں میں حضرت فرید شکر گنج اور شیخ صلاح الدین کے خاندان کے لوگوں کی قبریں ہیں۔ سرسید مرحوم اس درگاہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "حضرت صلاح الدین بڑے فقیروں میں سے تھے اور روشن چراغ دہلی کے پاس آپ کی درگاہ ہی کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ درگاہ کب بنی اور کس نے بنائی (کیوں کہ کوئی کتبہ نہیں ہے) مگر اس کی عمارت کی طرح اور ساخت فیروز شاہ کے عہد کی عمارت سے بہت ملتی ہے اور بے تامل کہا جا سکتا ہے کہ یہ فیروز شاہ کے وقت کی عمارت ہے۔ حضرت شیخ صلاح الدین کے مزار پر ایک گنبد ہے اور اس کے چاروں طرف جالیاں لگی ہوئی ہیں اور اس کے پاس ایک چھوٹی سی مسجد ہے اور اس مسجد کے پاس ایک اور بڑی مسجد گنبد دار ہے کہ وہ اکثر جگہ سے گر پڑی ہے۔ اور پیش طاق بھی ٹوٹ گیا ہے مگر بعض بعض در باقی ہیں اور حضرت شیخ صلاح الدین کے گنبد کے قریب شرق کی طرف ایک برج اور ہے اس میں بھی ایک قبر ہے مگر نہیں معلوم کہ وہ کس کی قبر ہے اور اسی کے پاس ایک مختصر دالان بنا ہوا ہے کہ اس کو **مجلس خانہ** کہنا چاہیئے۔ اس درگاہ پر کوئی میلہ یا عرس نہیں ہوتا"۔ ۲۰ صفر کو آپ کا عرس ہوا کرتا تھا وہ بھی ایک عرصے سے موقوف ہے۔

ہیں نے کیا دیکھا اب تو جنگل میں کھیتوں کے بیچ میں آپ کی درگاہ ہے اطراف میں کھیت ہی کھیت اور گری پڑی عمارتوں کے مہیب ڈھیروں کے [illegible] کچھ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ یہ میدان عرف میں **شیخ** [illegible] کا **جنگل** کہلاتا ہے۔ درگاہ کے گرد ایک وسیع پختہ احاطہ تھا جو جا بجا سے گر گیا۔ درگاہ کا کوئی چبوترا ۳۳ مربع اور [illegible] اونچا ہوگا۔ اب در اصل کوئی چبوترا باقی نہیں ہے۔ گنبد کا چبوترا ہے جو ۲۳ مربع اور دو فٹ اونچا ہے۔ درگاہ کے سامنے زیادہ تر قبریں ہیں وہ بہت پرانے طرز کی سنگ خارا کے لئے اور بھدے تعویذوں کی ہیں جو بالکل سادہ طور پر چورس کر دیئے گئے ہیں ان میں کوئی نزاکت یا صنعت نہیں ہے۔ درگاہ سے جنوب کی طرف دو پختہ برج ہیں ان میں بھی قبریں ہیں۔ ایک بڑی سنگین **مسجد** کا بھی باقی ماندہ حصہ کچھ در اور گنبد باقی ہیں اور دور تک کھنڈر ہی کھنڈر چلے گئے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ درگاہ کے اطراف دور دور تک عمارتوں کا سلسلہ تھا۔ مسجد ۳۲x۳۲ ہے۔ مسجد کے تین گنبد باقی ہیں

اوپر چڑھنے کا زینہ بھی تھا جو اب بہت مخدوش حالت میں ہے مسجد کے تین در ہیں یہ مسجد دالان در دالان تھی آگے کا دالان مع گنبدوں کے گر گیا پچھلا حصہ جوں کا توں کھڑا ہے مسجد کے متصل ایک عمارت تھی اس کا طرز پکار رہا ہے کہ وہ مدرسہ رہا ہوگا جس میں تین تین دروں کے دوہرے دالان تھے چھت گنبددار اراؤ کی تھی جس میں صرف ایک در گرا ہے اور پانچ در باقی ہیں۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔

درگاہ حضرت شیخ علاؤالدین سنہ ۹۱۳ھ

شیخ سرائے کی بستی سے بالکل لگی ہوئی آپ کی درگاہ ہے جس کا ایک بہت بڑا وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ ہے جس میں متعدد قبریں ہیں اس احاطہ کے اندر آپ کی درگاہ کا نہایت عالی شان اور خوش نما گنبد ہے اور علاوہ درگاہ کے اور کئی عمارتیں بھی اسی احاطے کے اندر ہیں۔ آپ کا گنبد ۲۸ فٹ مربع ہے۔ گنبد کا داخلی دروازہ مغرب رویہ ہے۔ اندر دو دو قبروں کی تین قطاریں ہیں تقریباً چونے گچی کی ہیں اور گرد بارہ جالیاں لگی ہوئی ہیں جس قبر پر سیت کٹہرا چونے گچی کا ہے وہ آپ کا مزار ہے باقی پانچ قبریں آپ کے اعزہ واقربا کی ہوں گی۔ دروازہ پر بسم اللہ اور کلمۂ طیبہ کا طغری ہے۔ گنبد کی چھت پر سب سے اوپر آیۃ الکرسی ہے یہ پہلا مینڈ ہے دوسرے ٹکے میں بسم اللہ کے بعد هو الله الذی لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة تا آخر سورۂ حشر رکوع (۶) پارہ ۲۸۔ اور اسمائے حسنیٰ ہیں تیسرے ٹکے میں حضرت رسول اللہ صلعم کے اسمائے مبارک ہیں اور ہر ہر جالی کے دو طرفہ نہایت نفیس نمونے ہیں۔ صدر دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ بخط نسخ ہے:۔

بنا این عمارت گنبد در عہد سلطان الاعظم ابو المظفر سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ بانی گنبد شیخ علاء الدین نور تاج شیخ بنسه قطب العالم الشیخ فرید شکر گنج ماہ محرم سنۃ ثلث عشر و تسعمائۃ (۹۱۳)

آپ حضرت شیخ فرید شکر گنج کے نواسے تھے۔ علاؤالدین اجودھنی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ نور الدین اجودھنی۔ تاریخ ولادت سنہ ۸۷۲ھ وفات سنہ ۹۴۸ھ صحن میں معمولی سنگ خارا کے چوکوں کا فرش ہے۔ صدر دروازہ کی جالی کے ایک طرف یا علیا مظہر العجائب والغرائب اور دوسری طرف تحیۃ؟ نوشتہ؟

فی النوائب کے طغرے ہیں۔ جنوب کی طرف لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کے طغرے ہیں اور مغرب میں فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین (پارہ ۸) سورہ اعراف ع ۹ ربنا ولا تحملنا ما لا طاقۃ لنا بہ تا آخر سورۂ بقرہ۔ شمال میں۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ یا اللہ المحمود فی کل حال۔ پھر کلمہ۔ مشرق میں یا دائما بلا فناء...... ولا زوال۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔ یا الٰہ الآلھۃ الرفیع جلالہ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تکون لنا عیداً لاولنا واٰخرنا وانت خیر الرازقین۔ پارہ (۷) رکوع (۵) سورۂ مائدہ۔ وغیرہ چاروں طرف طغرے ہی طغرے ہیں۔

چوکھنڈی ۲۲ مربع۔ آٹھ جالیاں تین دروازے چوتھا مغرب کی طرف کا بند۔ اندر تین قبریں پختہ۔

ہشت درہ برج کھلا ہوا اس میں دو قبریں پختہ ہیں۔

مدرسہ ۹۴۹ھ درگاہ کے شمال میں مسجد کے شکل کی تین در کی ایک وسیع عمارت ۱۱۰ x ۳۰ ہے اس کے بیچ کے در کی پیشانی پر یہ کتبہ بہ خط نسخ ہے:۔

بنی ھذا المدرسۃ باسم قطب العالم شیخ فرید شکر گنج فی زمان السلطان الاعظم نصیر الدین محمد ھمایون بادشاہ سلطان غازی وکان بانیہ فی تاریخ شیخ سنۃ احدی واربعین وتسعمائۃ

اس مدرسے کی اصلی عمارت تین ہی دروں کی تھی بعد میں دو دو در اور داہنی طرف بڑھا گئے۔ صحن مدرسہ جو غضب درگاہ ہے اس میں ابھی سنگ رخام کی سلیں بچھی ہوئی ہیں۔

سہ دری مدرسے کے داہنی طرف تین در کا ایک دالان ہے جس کے آگے کا برآمدہ گر گیا۔ یہ سہ دری بھی غالباً مدرسہ ہی کے متعلق تھی یا کوئی جداگانہ قطع رہا ہو تو بھی عجب نہیں۔

ایک پرانی مسجد درگاہ سے تھوڑی دور بجانب غرب ایک شکستہ مسجد ہے جس کا چبوترہ ۳۳ x ۲۹ فٹ اور ۴ فٹ اونچا ہے۔ اس کی صرف دو محرابیں کھڑی ہیں۔ یہ بھی موضع شیخ سرائے کی حدود میں ہے۔

بارہ کھمبا ایک نہایت خوش نما سنگ سرخ کا ہشت پہل بارہ در دہلی کا گنبد ہے جو ۳۰ مربع ہے۔ اطراف وسیع اور پختہ احاطہ ہے۔ اندر ایک قبر بھی ہے بارہ کھمبا کہلاتا ہے شیخ سرائے کے ایک معمر شخص نے اسے شیخ فرخ کا گنبد بتلایا جو شیخ علاؤ الدین و شیخ صلاح الدین کے خاندان کے کوئی بزرگ تھے زیادہ حال کچھ معلوم نہیں۔ اس گنبد کے اطراف کھیت ہی کھیت ہیں۔ جو لوگ کھیتوں میں تھے وہ شیخ میٹھے والا پیر کا گنبد کہتے ہیں۔ اصل میں کسی بزرگ کا مدفن ہے پردۂ خفا میں ہے۔ کوئی کتبہ نہ گنبد پر ہے نہ قبر پر پھر پتہ چلے تو کیسے ہے۔

اکیس دری۔ کالا گنبد اور حمام موضع شاہ پور جٹ کی حدود میں کھیتوں کے درمیاں یہ تینوں عمارتیں پاس پاس ہیں۔

(۱) بارہ دری کی عالی شان اور بہت پختہ لداؤ کی عمارت پٹھانوں کے زمانے کی معلوم دیتی ہے جس کا طول و عرض ۶۰ فٹ × ۳۰ فٹ ہے اندر تو گنبد ہی گنبد ہیں مگر اوپر چھت سپاٹ ہے۔ ستون سنگ رخام کے ہیں۔ فرش اب باقی نہیں رہا کچی زمین ہے۔ یہ عمارت تہرے دالانوں کی ہے۔ سات در لمبان میں ہیں اور تین چوڑان میں اس طرح ۷ × ۳ = ۲۱ در کی عمارت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اکیس دری مشہور ہے۔

(۲) اسی کے پاس ایک پختہ وسیع اور فصیل نما شکستہ احاطے کے اندر ایک مرتفع گنبد ہے جو ۲۹ فٹ مربع ہے گنبد کے چار دروازے چار طرف ہیں کسی جاٹ کے قبضے میں ہے اس لیے اندر بھس بھر کر چاروں در چن دیئے ہیں۔ جب اندر کسی کا دخل نہ ہو تو حال کیا معلوم ہو کہ کوئی قبر بھی ہے یا نہیں۔ کالا گنبد اس وجہ سے مشہور ہے کہ امتداد زمانے سے دہلی کی کالی مسجد کی طرح باہر سے کالا ہی کالا نظر آتا ہے۔

(۳) اس گنبد کے پاس ہی ایک پرانی لداوی عمارت ہے جو حمام کے نام سے مشہور ہے یہ عمارت سہ گبی اور نو گنبدوں کی ۶۰ فٹ مربع ہے۔ عمارت کہیں سے گری پڑی نہیں جوں کی توں کھڑی ہے۔ فرش خام ہے۔ اندر جانور باندھ باندھ کر ایسا غلیظ کر دیا ہے کہ پاؤں دھرنا بھی مشکل ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس موقع پر حمام کیسا؟ قیاس چاہتا ہے کہ اس کے گرد جو اب کھیت دکھلائی دیتے ہیں۔ ان میں کوئی محل رہا ہوگا۔ جس کے متعلق یہ حمام تھا اور بارہ دری بھی اسی محل کا ایک جزو ہوگی۔

لنگر خاں کا مقبرہ
سنہ ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء

یہ مقبرہ موضع زمرد پور اور رائے پور کے سوانے میں واقع ہے اور یہ دونوں سوانے سے ملے ہوئے ہیں۔ رائے پور بالکل اجاڑ ہے آس پاس کے گاؤں کے زمیندار اس گاؤں کی زمین کی کاشت کرتے ہیں اس مقبرے کو لنگر خاں نامی سکندر لودھی کے عہد کے ایک بڑے امیر نے سنہ ۹۰۰ھ ۱۴۹۴ء میں تعمیر کرایا تھا۔ اس مقبرے میں سوائے اس کے کہ بڑی بھاری (نہایت مستحکم اور عالی شان عمارت) ہے اور کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ یہ گنبد آٹھ فٹ اونچے اور ستر فٹ مربع چبوترے کے مغرب جانب بنا ہوا ہے۔ گنبد (۴۳ فٹ) مربع اور (۶۶ فٹ) بلند ہے جس کے چار دالانوں پر چار برجی دار حجرے (۱۸ فٹ) مربع اور (۴۰ فٹ) اونچے تھے۔ شمال و مغرب کے کونے کا حجرہ تو گر گیا جس کا نشان اب بھی معلوم دیتا ہے اور شمال مشرق کی طرف کے حجرے کی برجی گر گئی۔ ان حجروں میں قبریں تھیں۔ چنانچہ شمال و مشرق کے حجرے میں اب بھی ایک قبر موجود ہے۔ جس گنبد میں لنگر خاں کی قبر ہے وہ سطح زمین سے چھت تک (۳۲ فٹ) بلند ہے اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک اور (۳۰ فٹ) کی بلندی ہے اس میں تین طرف تین دروازے ہیں۔ مغربی دیوار میں تین دیوار دوز محرابیں بشکل ایک مسجد کے ہیں۔ اس حجرے میں تین قبریں ہیں جن میں سب سے بڑی مغربی دیوار سے ملی ہوئی لنگر خاں کی قبر ہے جو چونے گچی کی (۱۲ فٹ) لمبی۔ (۹ فٹ) چوڑی اور (۸ فٹ) اونچی ہے۔ مسجد کے وسط میں ایک کھلا ہوا مسقف مقام (۲۳ فٹ) مربع ہے جس کے بارہ ستون ہیں اور اس پر ایک برجی بھی ہے۔ صحن سے چھت تک اس کا ارتفاع (۱۲ فٹ) ہے اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک اور (۱۶ فٹ) کی اونچان ہے۔ گنبد اور اس کی ملحقہ عمارت سب پختہ چونے گچی کی ہیں جن کی دیوار کے باہر دار استرکاری ہے۔ بلحاظ صناعی کے لودیوں کے زمانے کی عمارات کا یہ کوئی بہت عمدہ نمونہ نہیں ہے۔

پنج برجہ زمرد پور
سنہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء

موضع زمرد پور موجودہ شہر دہلی کے جنوب میں چھ میل کے فاصلے پر ہے یہ گاؤں پٹھانوں کے وقت سے آباد ہے اگلے زمانے میں اس گاؤں کو کنچن سرائے کہا کرتے تھے پھر یہ گاؤں زمرد خاں نامی کو جاگیر میں ملا جب سے زمرد پور نام ہو گیا۔ اس

مقام پر پانچ برج چونے اور پتھر کے پختہ بنے ہوئے ہیں اور اُن میں بہت سی قبریں ہیں۔ معلوم نہیں کہ یہ زمرد خاں کون تھا اور یہ برج کس کے عہد میں بنے ہیں مگر ساخت عمارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ برج پٹھانوں کے عہد کے بنے ہوئے ہیں ان برجوں میں سے کسی پر کتبہ نہیں ہے کہ جس سے تاریخ بنا اور بنانے والے کا نام معلوم ہو سکے اس واسطے بجز اس کے نہیں کہا جا سکتا کہ پٹھانوں کے وقت کی یہ عمارت ہے اور جتنی مدت پٹھانوں کی سلطنت کو ہوئی۔ اتنی ہی مدت ان برجوں کے بننے کو بھی ہوئی۔ یہ زمرد خاں کی ہڈ داڑھی ہے اور اس خاندان کے پانچ نامور مشاہیر یہاں مدفون ہیں اور اسی وجہ سے پانچ برج کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مقابر سارے کے سارے لودیوں کے بنوائے ہوئے ہیں اور سر سید کی تحریر قرین قیاس ہے کہ سکندر لودی کے زمانِ سلطنت میں ~~۸۹۴~~ھ ۱۴۸۸ء میں بنائے گئے ہیں۔ انھیں برجوں کے پاس اُسی عہد کا ایک بہت بڑا کنواں ہے مگر اُس میں پانی کی چلو ہوگا گہنگی کے سبب سے یہ کنواں اندر سے بالکل بودہ اور بوسیدہ ہو گیا ہے کہ مرمت کے قابل بھی نہیں رہا۔ انھیں برجوں کے نیچے موضع زمرد پور آباد ہے اور زمینداروں نے چند جھونپڑیاں ڈال رکھی ہیں۔

پہلا برج داخل ہوتے ہی ملتا ہے جو چالیس فٹ مربع احاطے میں ہے جس کی دیواریں گیارہ فٹ بلند ہیں۔ سامنے کے رخ پر ٹوٹی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کے ایک پھاٹک میں سے گزر کر احاطے میں پہنچتے ہیں۔ پھاٹک ۱۵ فٹ بلند اور ۱۳ فٹ عریض ہے جس میں خالص دروازہ چار فٹ چوڑا ہے۔ احاطے کی پچھلی دیوار گر کر زمین کے برابر ہوگئی ہے۔ مقبرہ ایک کھلا ہوا مربع مقام ہے جو دو فٹ بلند چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ گنبد بارہ پتھر کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ سطح زمین سے گنبد کی بلندی ۱۵ فٹ ہے۔ چھت کے اطراف کنگورہ اور ایک پتھر کی چوڑی کنگنی ہے۔ گنبد پتھر اور چونے کا بنا ہوا ہے۔ گنبد کے اندر کی قبریں سب ٹوٹ پھوٹ کر نیست و نابود ہو گئی ہیں۔ احاطے کے کونے پر جو چاروں برجیاں تھیں وہ بھی گر گرا گئیں۔

دوسرا برج یہ گنبد ہشت پہلو (۲۰ فٹ) مربع اور سطح زمین سے (۹ فٹ) بلند ایک احاطے کے اندر ہے۔ یہ گنبد دو فیٹ کے کرسی کے چبوترے پر بنا ہوا ہے۔ گنبد کا قطرہ ۱۸ فٹ ہے۔ گنبد کے چھ ستون ہیں کل بلندی گنبد کی ۲۲ فٹ ہے۔ اس گنبد میں

بھی کوئی قبر باقی نہیں رہی۔

تیسرا برج یہ بھی ۱۹ ½ فٹ مربع ہے جس کا گنبد بارہ سنگین ستونوں پر استادہ ہے۔ سطح زمین سے تا بسقف ۱۳ فٹ اور گنبد کی بلندی تک ۲۳ فٹ کی اونچان ہے۔ پتھر اور گچ کا بنا ہوا ہے۔ بیچ میں ایک قبر سنگ سرخ کی ۴ ½ فٹ لمبی ۲ ½ فٹ چوڑی اور چھ انچ اونچی ہے۔

چوتھا برج ان برجوں میں یہ برج سب سے زیادہ شان دار اور پُر رونق ہے جو ۸ فٹ مربع ہے۔ مگر چبوترا نہیں ہے۔ گنبد کے اطراف کنگورا ہے چھت تک ۲۳ فٹ کی بلندی ہے اور چھت سے لے کر گنبد کی چوٹی تک ۲۸ اور۔ یہ بھی چونے پتھر کا ہے۔ گنبد کے تین دروازے اور بیس ستون پتھر کے ہیں۔ اس میں چھ قبریں ہیں جو نہیں معلوم ہوتا کہ کس کی ہیں۔ جنوب مغرب کی طرف سیڑھیاں بھی ہیں جن سے اوپر چڑھ سکتے ہیں۔

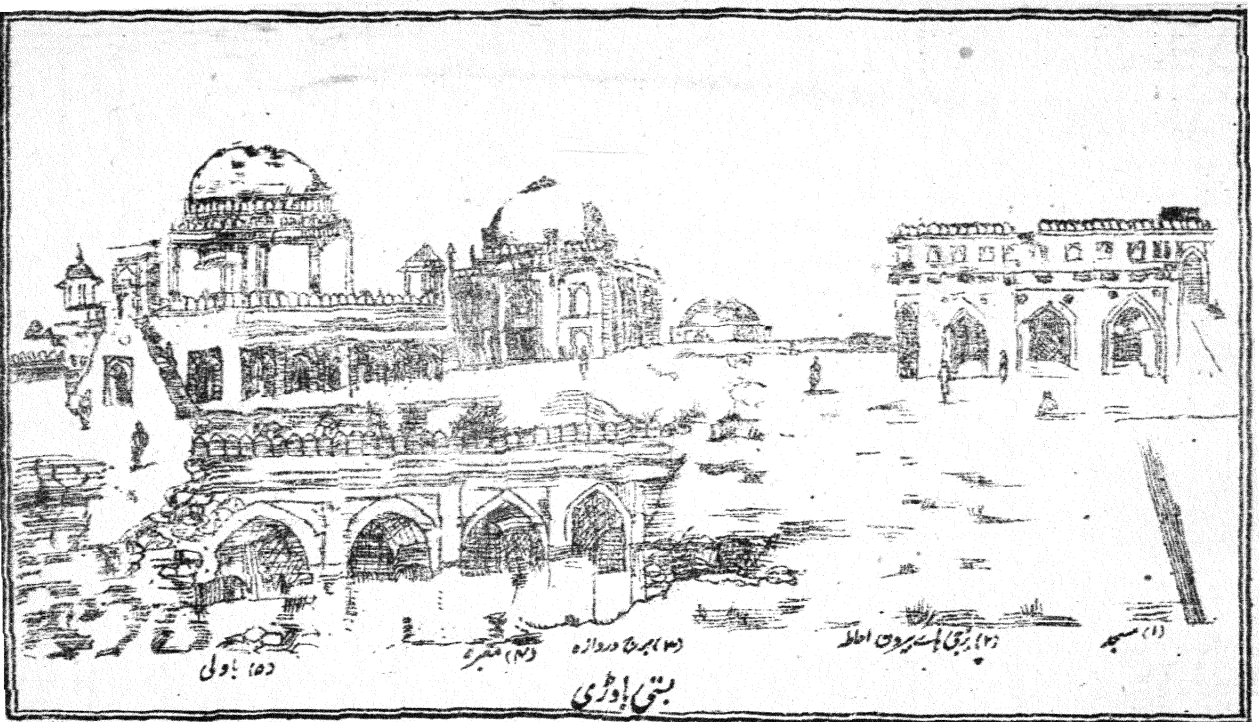
پانچواں برج یہ ایک محاط عمارت ہے جو بلحاظ تعمیر سب میں عمدہ اور حالت موجودہ کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہے۔ گنبد ۸ فٹ مربع ہے اور سات فیٹ کے کرسی دار چبوترے پر بنا ہوا ہے سطح زمین سے چھت تک ۱۳ فٹ اور گنبد کی چوٹی تک ۲۳ فٹ کا ارتفاع اور ستنزا دہے۔ گنبد پتھر اور گچ کا ہے۔ باقی عمارت بھُر بھُرے پتھر کی ہے۔ شمال اور جنوب اور مشرق میں تین دروازے ہیں۔ چھت چوبیس سنگین ستونوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ اس گنبد میں تین سادی قبریں ہیں جن پر نہ نقش و نگار ہے نہ کوئی کتبہ۔

بستی[۱] خاں کی باؤلی۔ مسجد دروازہ اور مقبرہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء

بستی خاں خواجہ سرا سکندر لودھی کے زمانے میں ایک ذی شان اور با رفعت امیر تھا جس نے موضع نظام پور کی حدود میں بہت سی اراضی محاط کر کے ایک بہت بڑا گنبد دار مسجد کا دروازہ، مسجد، نہایت کشادہ باؤلی اور اپنا مقبرہ ۸۹۴ھ ۱۴۸۸ء میں بنوایا۔ اگلے زمانے میں باؤلی کو باؤڑی یا بائیں کہتے تھے پھر باؤلی کہنے لگے۔

---

[۱] حضرت نظام الدین کی درگاہ سے جو خام رستہ روشن چراغ دہلی کو جاتا ہے اُسی پر ارادت مند خاں کا کٹرہ ہے اس کے پیچھے وار ریل کی سڑک اور تین در کا آہنی پل ہے۔ سڑک کے پار یک ڈنڈی کا رستہ ہے (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)



بستی باوڑی

باؤلی

یہ باولی بہت بڑی اور بہت گہری ۱۱۲ فٹ ۱۳ سے ۱۳ ہے مگر اب بالکل ڈھ گئی اور خشک ہوگئی ہے۔ اگلے زمانے میں باؤلی کو باوڑی یا بائیں کہا کرتے تھے۔ اس باؤلی ہی کے سبب سے اور اس کے بانی بستی خاں کے نام سے یہاں جو بستی تھی **بستی باوڑی** مشہور تھی۔ اب نہ کوئی گاؤں ہے نہ بستی اب تو جہاں تک نظر دوڑاؤ کھیت ہی کھیت نظر آتے ہیں جس میں نظام پور۔ روشن چراغ دہلی۔ مبارک پور کوٹلے۔ مجاہدپور وغیرہ کے لوگ زراعت کرتے ہیں۔ باؤلی کے چوطرفہ نہایت خوش نما دالان بنے ہوئے تھے۔ اب آمنے سامنے کے دالان تو رہے نہیں گر گراُن کا ملبہ باؤلی کے اندر اٹ گیا ہے۔ داہنے بائیں یعنی شمال اور جنوب کی طرف ایک ایک سہ دری کھڑی ہے جو ۱۱ فٹ مربع اور ۱۳ اونچی ہے اُس میں کا بھی ایک ایک اونچا اور بڑا در جس میں زینہ تھا گر پڑا ہے۔ مشرق کی طرف کا دالان تو اب رہا نہیں مگر اس رُخ پر لاؤ لگا کر پانی کھینچا جاتا تھا چنانچہ لاؤ کی لکڑیاں کھڑی کرنے کی پتھر کی دو کڑیاں دائیں بائیں موجود ہیں جن میں ایک ایک سوراخ ہے۔ اس باؤلی کے اوپر و ارمغرب کی طرف ایک مسجد ہے اور یہ باؤلی گویا اُس مسجد کا حوض ہے۔ غرض یہ کہ باؤلی جب درست حالت میں رہی ہوگی تو ایک پُرلطف اور دل چسپ سیر گاہ ہوگی۔ اب تو دیکھے سے ڈر لگتا ہے۔ باؤلی کی بندش کی دیواریں ۵ فٹ بلند ہیں۔ باؤلی کی سیڑھیاں لب آب تک تھیں اب اُن میں سے صرف نو باقی رہ گئی ہیں وہ بھی شکستہ ہیں اور باقی ملبے میں دب گئی ہیں۔ باؤلی کے شکم میں اب اس قدر جنگل جھاڑی ہوگیا ہے کہ سوائے ایک گڑھے کے باؤلی کی صورت پہچاننا بھی مشکل ہے۔

مسجد

باؤلی کے غرب میں ایک مسجد ۴۵ فٹ ۱/۲ x ۱۶ اور ۱۳ فٹ اونچی ہے۔ یہ مسجد حسب معمول تین دروں کی ہے اور چھت سپاٹ ہے۔ کوئی مینار نہیں ہے۔ بلندی مع کنگورے کے ۲۴ فٹ ہے۔ دو طرفہ چھتیس چھتیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ بیچ کا در ۹ فٹ ۔ ۹ انچ چوڑا اور ادھر اُدھر کے در ۷ فٹ ۱/۲ چوڑے ہیں۔ بلندی دروں کی ۹ فٹ ۔ ۹ انچ ہے۔ سڑک کی طرف جو

تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ درگاہ سے قریب قریب ایک میل جاکر داہنی جانب کھیتوں میں بستی باؤلی کی عمارت نظر آتی ہے جس کے آگے مبارک پور کوٹلہ۔ مجاہد پور وغیرہ ہیں اور پھر صفدر جنگ کے مقبرے سے جو سڑک قطب کو جاتی ہے وہ مل جاتی ہے۔ اور بستی باؤلی کے آگے ہی حضرت روشن چراغ دہلی کی درگاہ شریف ہے۔ ۱۲

مسجد کے پچھیت کی دیوار ہے وہ ۳۳ فٹ بلندہے جس میں دو کھڑکیاں ہیں اور پانچ دیوار دوز محرابیں مسجد کے محاذ میں ۳۲ چوڑا پختہ چبوترا ہے جو بلندی میں (۷) ہے مسجد کے داہنے بائیں جہاں اوپر چڑھنے کا زینہ ہے وہاں مٹیاں تھیں جو گر گئی ہیں مگر ان کے چبوترے ابھی باقی ہیں۔ مسجد کے اندر رنگ آمیزی کا کام تھا جس میں کا اب بہت کم نظر آتا ہے کیوں کہ کھیت والوں نے مویشی باندھ باندھ کے ستیاناس کیا ہے اور پھر کھانا پکا پکا کر مسجد کی ساری دیواروں خصوصاً پیش طاق کو بالکل سیاہ کر دیا ہے۔ مسجد کے اندر چونہ کاری سے قرآن شریف کی آئتیں مثبت لکھی ہوئی ہیں جو جابجا سے جھڑ گئی ہیں۔ پیش طاق پر پہلی سطر میں یہ آیت ہے۔

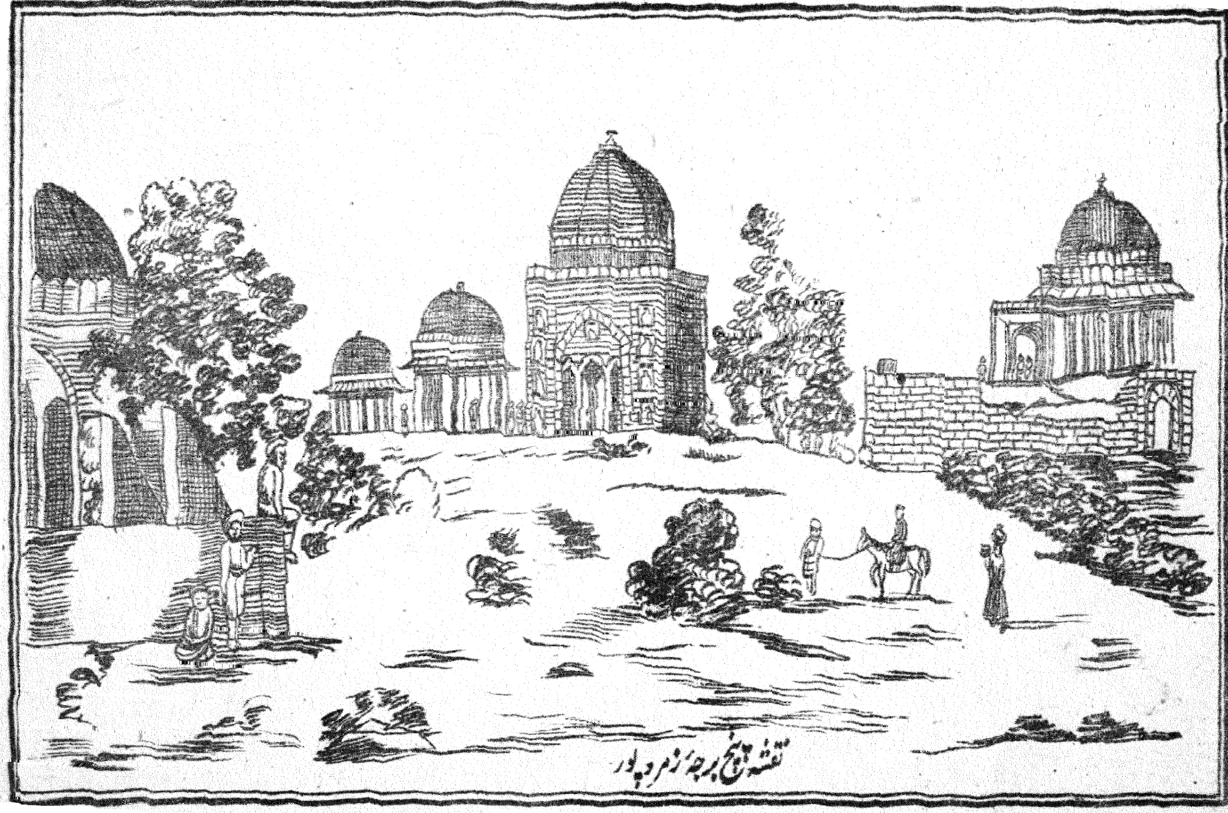
پہلی سطر۔ ...... هو الله الذی لا اله الا هو عالم الغیب والشهادة له الاسماء الحسنی ......

شروع کا اور آخر کا حصہ جھڑ گیا۔

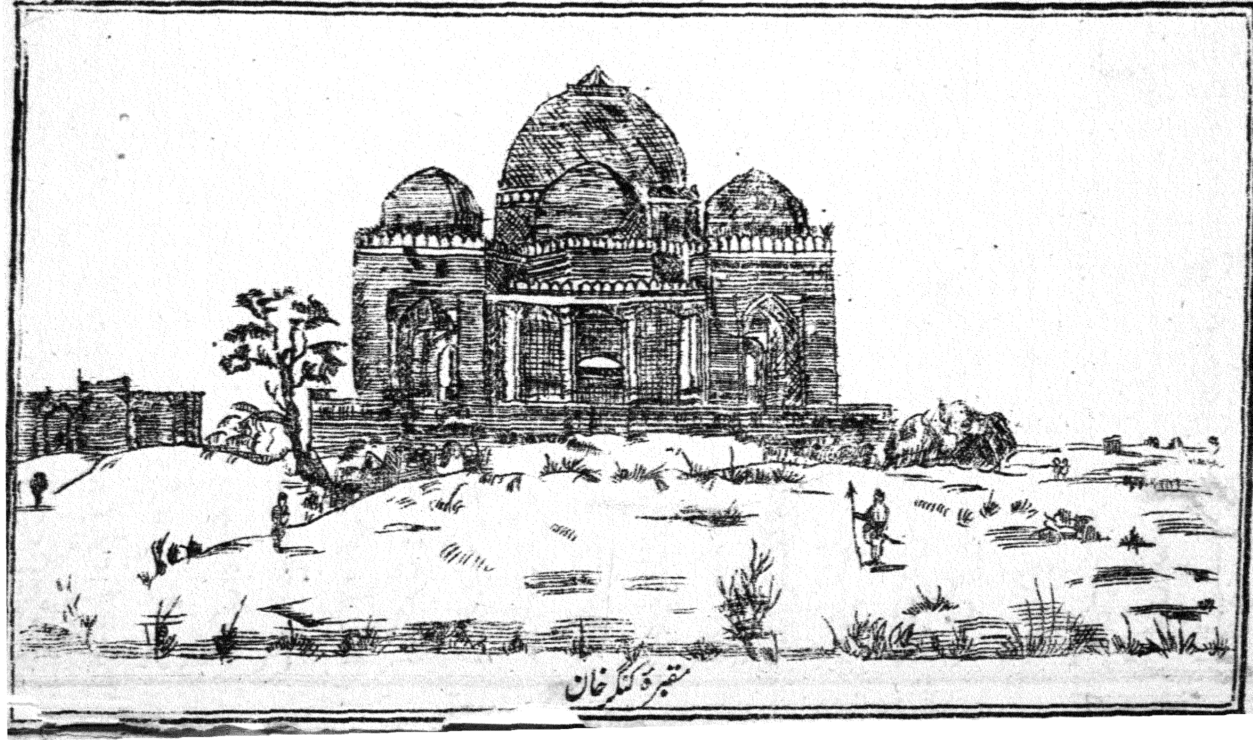
دوسری سطر۔ قل یا ایها الکافرون۔ بسم الله الرحمن الرحیم۔ قل هو الله اور قل اعوذ برب الفلق۔ مگر اس کا بھی کچھ حصہ جھڑ گیا ہے۔

گنبد کے گرد پہلے بیڈ پر۔ اسماے حسنیٰ۔ چھوٹے حلقے میں آیۃ الکرسی۔ مسجد کے ہر کونے پر جابجا الله الله کھدا ہوا ہے۔ تینوں محرابوں پر دو طرفہ طغرے حسبی الله کے ہیں۔

دروازہ پہلے تو ہم اسی کو بستی خاں کا مقبرہ سمجھے تھے کیوں کہ یہ مسجد کا دروازہ نہیں معلوم دیتا بلکہ ایک مستقل گنبد معلوم دیتا ہے گو کہ اس میں کوئی قبر نہیں ہے۔ یہ صدر دروازہ بُرج دار پتھر اور سیچ کا ۳۶ فٹ مربع دس فیٹ بلند چبوترے پر ہے۔ چبوترے سے لے کر چھت تک ۲۷ اور چھت سے گنبد کی چوٹی تک ۲۳ فٹ جملہ بلندی اس دروازے کی (۶۰ فٹ) ہے۔ اس دروازے کی دونوں جانب بلند دیوار دوز محرابیں ہیں اور چاروں طرف ۶ فٹ چوڑے اور ۹½ اونچے دروازے ہیں۔ گنبد کے زینے میں (۲۶) سیڑھیاں ہیں۔ فرش بالکل خام ہے۔ گنبد ہشت پہل ہے اور ہر محراب پر دو طرفہ حسبی الله کے طغرے ہیں۔ گنبد میں اندر دار رنگ کا کام تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ دروازہ کی مغربی جانب محراب میں ایک چھوٹی سی محراب دار کھڑکی بطور نشیمن کے لگی ہوئی ہے دروازے کا مغربی رو کار نقش و نگار سے آراستہ ہے جس میں جابجا سنگ سرخ لگایا گیا ہے۔ چبوترے سے اجارے تک بھورا بھر بھرا پتھر لگا ہوا ہے۔ اس گنبد کا کلس ٹوٹ گیا ہے۔



نقشہ پنج برجۂ زمرد پور



مقبرهٔ کنگر خان

بستی خاں کا مقبرہ

اس دروازے سے چند گز کے فصل سے بالکل سامنے مشرق کی طرف بستی خاں کا نہایت خوش قطع مقبرہ ہے چھتری کی وضع کا چاروں طرف سے کھلا ہوا ہے اس برج کا پہلا چبوترہ ۴۶ فٹ مربع اور ۸½ فٹ اونچا ہے دوسرا چبوترہ ۲۷ فٹ مربع ۲½ اونچا۔ تیسرا چبوترا اصل چوکھنڈی کا ۲۰ فٹ مربع دو ، اونچا ہے۔ بلندی چھتری کی ۱۵½ ہے۔ یہ مقبرہ دو منزلہ ہے پہلے ہم اوپر کی منزل کا حال لکھتے ہیں۔ یہ سر سے پاؤں تک سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے جس کے ہر طرف تین تین در ہیں اور اس طرح چاروں طرف کے بارہ در ہوئے بیچ کا در ۷ فٹ چوڑا اور ۹½ فٹ اونچا ہے اور بغلی کے دو دو در ۴ فٹ چوڑے اور اونچان وہی ۹½ فٹ ہے۔ اس چوکھنڈی کے پہلے چبوترے کے چاروں کونوں پر سنگ سرخ کی ۷ فٹ مربع برجیاں تھیں جن میں چار چار ستون پندرہ پندرہ فیٹ اونچے تھے تین طرف کی برجیاں تو گر گئیں اب صرف ایک مشرق کی باقی ہے۔ چوکھنڈی اوپر سے ہشت پہل ہے۔ اندر چونے کا ایک ڈھیر رہ گیا ہے جسے قبر کا تعویذ سمجھنا چاہیے کیوں کہ اصل قبر نیچے کی منزل میں ہے۔ اس کا احاطہ کنگورے نما ہے جس کا دروازہ مشرق کی طرف ہے جو ۵½ فٹ چوڑا اور ۹½ اونچا ہے اور اگر کنگورے کو شامل کر لیں تو اونچان ۳ فٹ اور بڑھ جائے گی اس کے باہر طرف بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ گنبد بھی سنگ سرخ کا تھا جس کی سلوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی ہے اور ان دراڑوں میں سے اس کثرت سے گھاس اُگی ہے کہ گنبد خضرا کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ہم جب گئے تو برسات کا موسم تھا ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ سبز مخمل کا گنبد کیسا ہے جو دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ گھاس اس گنبد کی موت قبل از وقت کی نشانی ہے۔ حکام کی ذرا سی توجہ سے یہ گھاس نکالی جا سکتی ہے مگر کون ہے جو اس طرف توجہ کرے اور کسے غرض پڑی ہے اور کسے درد ہے۔ قبر کے گرد بھی ایک پست چبوترا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ گنبد کے چاروں طرف یا اللہ یا اللہ بیسوں جگہ کھدا ہوا ہے اور گرد گنبد کے ایک چوڑا چھجہ ہے جو جا بجا سے گر گیا ہے۔ گنبد کے باہر چھجے کے اوپر چاروں طرف سورۂ فتح اور سورۂ قدر پتھر کے تراشے ہوئے حروف سے لکھی ہوئی ہے۔ یہ حروف جا بجا سے جھڑ گئے ہیں۔ اس قبر کو عجیب طرح سے بنایا ہے پہلے تو بہت اونچا چبوترا بنا کر اس میں در دے کے نیچے کوٹھریاں سی بنادی ہیں اور بیچ میں بستی خاں کی اصل قبر کا مقام ۲۳ فٹ مربع چاروں طرف سے بند ہے۔ گرد اس کے ۲½ فٹ چوڑی غلام گردش دی ہے

جس کے ہر طرف پانچ پانچ در ہیں اس طرح بست دری ہوئی اور اسی طرح ہر طرف پانچ پانچ گنبد چھت کے اندر ہیں پس گنبد بھی بیس ہوئے اور بیچ میں اصل برج ہی اور اسی پر اوپر کا برج بنا ہوا ہی۔ نیچے کی منزل ۴۵ فٹ مربع ہی بارہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جاؤ تو بستی خاں کی قبر کا چھتر ہی اس برج کے دروں میں کسی زمانے میں جالیاں لگی ہوئی تھیں۔ مگر اب جالیاں تو لوگ اکھاڑ کر لے گئے صرف ستون اور برج باقی رہ گیا ہی۔ برج کے اوپر کلس تھا اُس کو اُکھاڑنے میں شاید دقت پیش آئی جو اس بے دردی سے نکالا گیا ہی کہ چھت میں ایک بغارا پڑ گیا ہی۔ جس چبوترے پر بستی خاں کی قبر ہی اُس پر بھی تین سیڑھیاں چڑھ کر جانا ہوتا ہی۔ یہ گنبد اوپر کے چبوترے سے ۲۷ فٹ اور زمین سے ۴۴ فٹ بلند ہے ان چاروں عمارتوں کے گرد ایک وسیع فصیل نما کنگورے دار احاطہ ۲۹۰ × ۱۹۰ فٹ ہی جس کی دیوار دس فیٹ بلند ہی۔ یہ مقام کسی زمانے میں بہت نفیس ہوگا۔ اب بھی ایک اچھی سیر گاہ ہی۔ ان مکانوں پر کوئی کتبہ ایسا نہیں ہی جس سے تاریخ بنا معلوم ہو سکے اس سبب سے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ عمارت پٹھانوں کے وقت کی بنی ہوئی ہی۔

ایک منہدمہ مسجد بستی باولی سے جنوب مشرق کے کونے میں ایک بڑا شاندار وسیع اور پختہ فصیل نما کنگورے دار احاطہ ہی جس کے چاروں کونوں پر ایک ایک برجی تھی اب صرف شمال مغرب کے کونے کی برجی رہ گئی ہی وہ بھی آدھی گری ہوئی ہی باقی تینوں طرف کی بالکل منہدم ہوگئیں۔ مغرب رویہ مٹی دار محراب میں سے چھت پر چڑھنے کا (۱۴) سیڑھیوں کا زینہ ہی اسی طرح جنوب مغرب کے کونے کی محراب میں بھی زینہ ہی۔ اس احاطے کے تینوں طرف ایک ایک بڑا عالی شان دروازہ تھا جن میں سے دو شمال جنوب کے اب بھی موجود ہیں مشرق کی طرف کا گر گیا۔ احاطہ کی دیوار کے ہر سکشن میں جو (۴۰ فٹ) ہی تین تین دیوار دوز طاق ہیں دیوار کی بلندی دس فیٹ ہی مسجد کی چھت گر گئی صرف پختہ چبوترا اور داہنے بائیں پاکھے کی دیواریں جن میں زینہ ہی مع اوپر کی ممٹی کے موجود ہیں۔ یہ احاطہ ۸۵ فٹ مربع ہی۔ دروازہ ۸۵ فٹ ۔ ۳ انچ اونچا اور (۵ فٹ) چوڑا ہی جس کے سامنے چھ چھ سیڑھیوں کا دو طرفہ زینہ ہی۔ چبوترے کی کرسی (۱۰ فٹ) بلند ہی اُسے شامل کر لیں تو دروازے کا ارتفاع ۱۸ فٹ ۔ ۳ انچ ہو جائے گا صحن مسجد جو تمام جھاڑیوں سے ایسا بھرا ہوا ہی۔

کہ چلنا مشکل ہی جا بجا کچھ پختہ قبریں بھی ہیں نہ کوئی مینار باقی ہی نہ گنبد کیوں کہ مسجد کا دالان تو پہلے ہی گر چکا ہی۔ مسجد کے گرد عمارات منہدمہ کے کھنڈروں کے نشانات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہی کہ یہ مسجد آبادی میں تھی اور اب بجائے آبادی کے کھیتوں کے بیچ میں نظام پور کے حدود میں ہی۔

ایک چھوٹی سی مسجد بستی بادلی کے مغرب میں مبارک پور کوٹلے کی حدود میں ایک برج اور تین در کی ایک چھوٹی سی مسجد ہی۔ اندر رنگ آمیزی کا کام تھا صحن پہلے ہوگا۔ کھیتوں کی وجہ سے باقی نہیں رہا طول و عرض مسجد کا ۲۳ فٹ × ۱۲ ہی۔

شیخ علی کی گمٹی اس مسجد کے مغرب میں کوئی پانسو قدم کے فاصلے پر یہ ہشت پہلو چھوٹا سا برج ہی جس کے آٹھ در سنگ سرخ کے ہیں۔ اس کے اندر تین قبروں کے نشان ہیں مگر اب کوئی قبر نہیں رہی۔ یہ عمارت ۱۸ فٹ مربع ہی۔ در ۹ فٹ اونچے اور ۵ ½ چوڑے ہیں۔ شیخ علی کی گمٹی مشہور ہی۔

دولت بیگ کا باغ اوپر والی گمٹی کے مشرق میں کھیت میں ایک پختہ دیوار تخمیناً ۵۰ فٹ لمبی اور ۱۱ فٹ اونچی کھڑی ہی کہتے ہیں کہ یہاں دولت خاں نامی کسی امیر کا باغ تھا۔ حدود دیکھنے سے ہزار فٹ مربع کا اندازہ معلوم ہوتا ہی۔ چوں کہ اب اس زمین میں کھیت ہو گئے ہیں باغ رہا نہ چار دیواری اب صرف ایک رخ کی دیوار باقی ہی اس کو بھی دیر سویر لوگ توڑ کر اپنے مصرف میں لے آئیں گے اس احاطے کے بیچ میں ایک چھوٹے سے شکستہ چبوترے پر ایک پختہ قبر باقی رہ گئی ہی قیاس چاہتا ہی کہ وہ صاحب باغ کی ہو۔

ایک ہشت پہل برجی ایک گرے ہوئے چبوترے پر جو اب صرف ایک ٹیلے کی شکل کا رہ گیا ہی۔ بستی خاں کے گنبد کی پشت پر صرف پیچ کا رستہ چھوڑ کر سنگ سرخ کی ایک بہت خوش قطع ہشت پہل برجی ہی جس کے بیچ میں چونے گچی کی ایک قبر ہی اس کا ہر ضلع ۳ فٹ ۱ انچ چوڑا ہی اور یہی دروں کی چوڑان بھی ہی اور اونچان ۶ فٹ ہی۔ ستون سنگ سرخ کے ہیں جس کی بیٹھک اور اوپر کی کھیپی الگ چوکون پتھر کی ہی اور بیچ میں ستون

کا سلگ ٹکڑا الگ۔ آٹھ ستونوں میں سے ایک گر پڑا ہی مگر پڑا یہیں ہی مشرق کی طرف کے ایک ستون کے گرد کلمۂ طیبہ منقوش ہی باقی تین ستونوں پر چاروں طرف "الملک للہ"۔ تین ستون سادے ہیں اور گرا ہوا ستون بھی سادہ ہی ہی۔

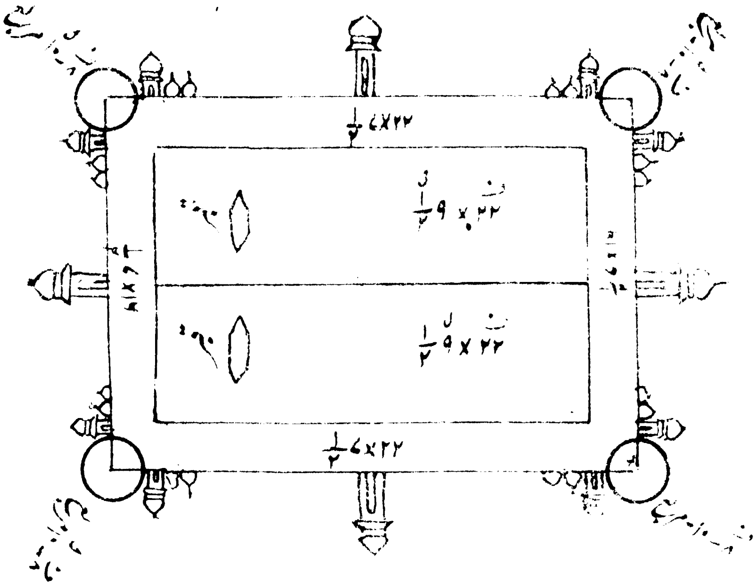
دوطرفہ عمارات کے کھنڈر بستی باؤلی اور اس برجی کے شمال میں پگ ڈنڈی راستے کے دوطرفہ دور دور تک جا بجا عمارتوں کے کھنڈر نظر آتے ہیں۔ کہیں کوئی اونچا ٹیلہ ہی کہیں دیوار کا کوئی حصہ رہ گیا ہی کہیں کسی محراب کا ایک پاکھا ہی کھڑا ہی۔ داہنی طرف کی حالت بھی یہی ہی اوّل تو بستی باؤلی کے آگے ایک بڑے وسیع پختہ احاطے کی دیوار چلی گئی ہی۔ جو اکثر جگہ سے گر گئی ہی اور بعض جگہ موجود بھی ہی پھر اس کے بعد اور ایک احاطہ اسی قسم کا شروع ہوتا ہی یہی سلسلہ حضرت نظام الدین رح کی درگاہ تک مسلسل چلا گیا ہی۔ کہیں چپہ بھر زمین خالی نہیں اور قبروں کا تو کچھ شمار ہی نہیں بہت سی مٹ مٹا گئیں اور بہت سی متفرق طور پر موجود بھی ہیں۔ جب اس سرزمین پر سالہا سال سے ہل پھر رہا ہی اور کھیت جوتے بوئے جاتے ہیں تو اب کسی عمارت یا قبر کا نشان کیسے باقی رہ سکتا ہی مزارعین کا پہلا فرض یہ ہی کہ وہ اپنے کھیت کو اُن رکاوٹوں سے صاف کریں اور انھوں نے کر ہی دیا اور جہاں تک موقع ملتا ہی کرتے ہی جاتے ہیں۔ سنا کرتے ہیں کہ اگلے زمانے کے بادشاہ جب کسی سے ناراض ہوتے تھے تو اُن کے زن بچے کولھو میں پلوا دیا کرتے تھے اور اُن کے مکانوں کی جگہ گدھے کا ہل پھروا دیا کرتے تھے یعنی بال بچوں سمیت مروا ڈالتے تھے اور اُن کے گھر جڑ بنیاد سے اُکھڑوا کر پھینک دیتے تھے اس طرح کہ نشان تک باقی نہ رہ جاتے۔ پس کسی عمارت کو معدوم کرنے کا سریع الاصول نسخہ ہل کا پھروا دینا ہی جواب بھی کثرت سے شائع ہی البتہ شان دوسری ہی۔ یعنی پہلا طریقہ سزاءً تھا اور اب محض اقتضائے لیل دنہار ہی۔

بیوی باندی کا گنبد اسی رستے پر بائیں طرف بستی باؤلی کے شمال میں یہ مقبرہ ہی جس کا قبہ اندر سے بہت خوب صورت ہی اور اس قسم کا ہی جیسے کہ کابلی ٹوپی ہوتی ہی۔ یہ گنبد بہت خستہ ہی سقبے میں چاروں طرف

ایسی بڑی بڑی گہری دراڑیں نیچے سے چوٹی تک پڑی ہیں کہ قبے کی چار پھانکیں ہوگئی ہیں اندر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ اندر سے ان دراڑوں میں سے روشنی نظر آتی ہے خدا جانے یہ حالت کب سے ہے اور کب سے اس طرح کھنڈا ہوا کھڑا ہے اور اب تک گرا کیوں نہیں۔ خیر آج نہ گرا تو کل گرے گا۔ رہے نام اللہ کا۔ نہ اندر فرش باقی رہا ہے نہ کوئی قبر۔ تین طرف در ہیں ۱۱ فٹ اونچے ۵ فٹ چوڑے اور مغرب کی طرف صرف دیوار دوز طاق ہے۔ یہ گنبد ۱۸ فٹ مربع ہے۔ اس گنبد میں اندر کے رخ پر کمر کی وضع کی پھانکیں بنی ہوئی ہیں اور جہاں دیوار ختم ہو کر گنبد شروع ہوتا ہے وہاں گنبد کے گرد ۱۶ طاق ہیں غرض ہے اپنی طرز میں نرالا اور بہت خوب صورت۔ مقامی روایات سے یہ بیوی باندی کا گنبد کہلاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک محراب کا ٹھنڈ یہیں کھیت میں صرف محراب کا بہت اونچا ایک ٹھنڈ یعنی ایک پاکھا کھڑا ہے جس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ محراب تھی بہت اونچی۔ خدا جانے وہ عمارت کیا تھی جس کا یہ باقی ماندہ حصہ ہے۔

ایک نفیس محل نما مقبرہ رستے کے داہنی طرف ایک محل دکھلائی دیتا ہے جو بالکل تبا سہ محل کی وضع قطع کا ہے جیسا کہ ہمایوں کے مقبرے کے پاس ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اس میں ایک ہال اور چاروں طرف دالان اور کمرے ہیں اور اس میں دوہرے دالان اور گرد کمرے ہیں۔ آپ ذرا نقشہ ملاحظہ فرمالیں تو خوب سمجھ میں آجائے گا۔ مگر ہم سے یہ نہ پوچھئے گا کہ یہ کس کا محل یا مقبرہ ہے۔ جس طرح آپ ناواقف ہیں ہم بھی گم ہیں۔ ؎ او خویشتن گم است کرا رہبری کند۔ کیوں کہ ایسی عمارتوں کو کسی سے منسوب کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔ بعض عمارتوں کی نسبت تو لوگ آئین اکبری شاہی سنی سنائی روایات پر کسی نام سے منسوب کر دیتے ہیں جن کی کچھ تصدیق نہیں اور جو حافظہ اور روایات کی دست رس سے بھی زیادہ پرانی ہیں اُن کا خدا ہی حافظ ہے وہ نا و شناکسی سے متعلق نہیں کی جاسکتیں اور اسی قبیل کی یہ عمارت بھی ہے۔ اس کی وضع قطع سے ہم نے اسے کسی کا محل سمجھے اندر جا کر دیکھا تو ایک چھوڑ دو دو قبریں موجود اور پھر کل من علیہا فان کے طغرے نے تصدیق کر دی کہ یہ محل نہیں ہے کسی صاحب کا مقبرہ ہے۔



چاروں طرف مثمن کمرے ۸ فٹ ۱۰ انچ مربع ہیں۔ گرد دالان اور بیچ میں دو دالان ہر طرف
داہنے بائیں دو چھوٹے دروازے اور بیچ کا بڑا دروازہ انہیں کے دو طرفہ طغرے
ہیں جو جھڑ جھڑا گئے چنانچہ مغرب کی جانب بڑے دروازے کے پاکھوں پر
کل من علیہا فان کا طغریٰ بہ مشکل پڑھا جا سکتا ہے۔ اندر دار چھت قبر دار لداؤ کی ہے چاروں
طرف اور بیچ کے دالانوں میں تین تین گنبد ہیں جن میں سے دو ادھر ادھر کے
چھوٹے اور بیچ کا قلم دان نما لمبوترا۔ زینے کی (۱۳) سیڑھیاں ہیں چھت اوپر سے
سپاٹ ہے مگر اوپر ایک چبوترا ۲۲ فٹ مربع اور ۱½ اونچا بنا ہوا ہے مگر اس پر قبر کا تعویذ نہیں
ہے جیسا کہ تبا سا محل میں ہے۔ مقبرے کی عمارت باہر سے ۴۸ فٹ مربع ہے۔ جس کے گرد
۴ فٹ × ۱۲½ کا چبوترا ہے جو ۱۔ ۹ اونچا ہے۔ کل بلندی عمارت کی ۱۶ فٹ ہے۔ مقبرے کے
گرد احاطہ بھی تھا جو کھیتوں کے سبب سے باقی نہیں رہا۔ ہاں نشاں اب بھی باقی ہے۔
مقبرے کے اندر کثرت سے رنگ آمیزی کا کام تھا جو سب ماند پڑ گیا یا جھڑ گیا۔
باہر بھی سر سے پا تک رنگ کا کام جو باوجود امتداد زمانے کے جابجا اب بھی نمایاں ہے۔

باجی والی گمٹی

مقبرۂ بالا کے شمال میں رستے کے بائیں طرف ایک مقبرہ ہے۔
جسے مقامی لوگ اسی نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک

نئی طرز کا دہرا گنبد ہی۔ بیچ میں ایک پورا قبہ ہی اور اِدھر اُدھر آدھے آدھے اس طرح :-



اندر ایک پختہ قبر ہی باہر سے یہ عمارت ۲۷ × ۲۰ فٹ ہی۔ مشرق کی طرف صرف ایک بڑا دروازہ ۳ فٹ ۴ انچ اونچا ۴ ½ فٹ چوڑا ہی۔ شمال جنوب میں دو کھڑکیاں ۴ فٹ اونچی ۲ فٹ ۴ انچ چوڑی ہیں۔ کل عمارت کی بلندی ۳۰ فٹ ہی گنبد کے اوپر ایک ہشت درہ برج بنا ہوا ہی جو ۹ ½ فٹ مربع ہی۔ یہ ایک نیا طرز ہی اور میرے خیال میں خوش نما بھی ہی۔ چھت پر جانے کی (۱۳) سیڑھیاں ہیں۔ چوکھٹیں ندارد۔ گرد ایک مختصر چبوترا تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ نہ کلس ہی رہا۔ یہ ساری عمارت سنگ خارا اور چونے کی ہی۔

منگل والے سیر کا برج

یہ نام بھی گاؤں والوں کا بنایا ہوا ہی۔ یہ ایک ہشت پہل گنبد ہی بہت شکستہ۔ چوکھٹیں جو چار طرف تھیں ندارد کلس غایب۔ پلاستر اندر سے سب جھڑ گیا۔ ۱۳ ½ فٹ مربع عمارت ہی چاروں طرف دروازے ۱۱ × ۸ ½ فٹ ہیں۔ بلندی ۱۵ فٹ۔ فرش ندارد۔ قبر بھی باقی نہیں۔ غرض بالکل خراب و خستہ حالت میں ہی۔ گرد و پیش کے کھیت والے دوپہر اس میں کاٹتے ہیں۔

ایک پختہ کنواں اور حمام

اوپر والے برج سے آگے بڑھ کر ایک بڑا بھاری پکا کنواں ہی جس کے پاس چھ گنبد دار حجرے ہیں جن میں کے چار سالم ہیں اور دو ٹوٹ گئے۔ دیواروں کے کونوں میں مٹی کے نل لگے ہوئے ہیں اور کنوئیں میں بھی ایک ڈاٹ لگا کر نل لگایا ہی اور اسی نل سے اس مکان کے ہر کمرے میں پانی پہنچتا تھا۔ گو یہ عمارت جا بجا سے گر گئی ہی مگر نلوں کی موجودگی اور اُس کے پاس کوئیں کے ہونے سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حمام تھا حمام کے قرب و جوار میں محل یا مکان کا ہونا ضرور ہی۔ کوئی جنگل میں حمام نہیں بنایا کرتا لیکن اب محل تو نایب ہی نرا حمام رہ گیا اور وہ بھی ٹوٹا پھوٹا۔

بے چھت کی مسجد

اب ہم حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کی طرف چلے جا رہے ہیں اور جوں جوں آگے بڑھتے جاتے ہیں ریل کی سڑک پاس آتی جاتی ہے یہ ایک بہت چھوٹی سی بے چھت کی مسجد ہے۔ مگر جتنی چھوٹی ہے اتنی ہی خوب صورت بھی ہے۔ ۵ فٹ × ۶ فٹ - بلندی دیوار کی ۷ فٹ چھپیت کی دیوار میں صرف تین دیوار دو طاق ہیں جن کے دو طرفہ طغرے کلمہ اور یا فتاح کے ہیں۔ اندر دیواروں پر تمام رنگ آمیزی کا کام تھا۔ یہ مستقل مسجد نہیں ہے بلکہ جس طرح ہر دواڑوں میں مغرب رویہ دیوار۔ اور دو پاکھے کھینچ کر مسجد بنا دیتے ہیں ویسی ہی صحن تو کچھ ہی نہیں صرف چھ فیٹ ہے اس کے سامنے تین در سنگ سرخ کے آگے پیچھے امیتن فٹ ۷ - ۱۱ اور ۱۱ - ۳ اونچی ایک چوکھنڈی ہے جس کی چھت قلمدان نما لداؤ کی ہے اس کے آگے چبوترے پر چار قبریں ہیں۔ چبوترا منڈیر چھوڑ کر ۳۲ فٹ × ۵ فٹ ہے۔ اونچان ۵ - ۸ چبوترے کے گرد احاطے کا نشان موجود ہے اور احاطے میں بھی بہت سی قبریں ہیں۔

چبوترا

نالے کے پاس ایک چبوترا ۲۶ فٹ مربع ۵ فٹ اونچا ہے جس پر تین پختہ قبریں ہیں بیچ والی قبر پر چونے میں آیتہ الکرسی کندہ ہے۔

گمزی

علین نالے کے کنارے تین گرڈر کے ریلوے آہنی پل کے پاس تار کے کھمبر ۹۵۱/۹ کے سامنے دلّی سے آتے ہوئے ریل کی سڑک کے داہنی طرف ۲۳ فٹ مربع ۳ فٹ اونچے چبوترے پر ایک چھوٹی سی ۱۴ فٹ مربع گمزی بنی ہوئی ہے جس کے چار دروازے چاروں طرف ۶ - ۵ اونچے اور ۳ - ۲ چوڑے ہیں گھٹیں اور قبر باقی نہیں ہے۔ چھت قلمدان نما ہے۔ گمزی کے اندر رنگ آمیزی کا کام تھا۔ اب صرف کہیں کہیں ایک آدھ ٹپکا نظر آتا ہے اور بس۔

اور دو چبوترے

اور ذرا آگے بڑھئے دو پختہ چبوترے ریلوے فینسنگ یعنی تار کی باڑھ کے پاس ہیں جن کے اوپر قبریں ہوں گی مگر اب تو خالی ہیں اور یہی سلسلہ ریل کی سڑک کے دوسری طرف بھی تھا۔ بہت سی قبریں ریل کی سڑک میں آگئیں اور حسب ضرورت میدان صاف کر دیا گیا۔

ایک برج کی مسجد

ٹیلیگراف پوسٹ نمبر ۹۵۱/۳ ریلوے کے محاذی سڑک کی داہنی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ایک برج اور تین در کی ہے۔ داہنی

جانب کا در ٹوٹ گیا ہی۔ بیچ کا در ۱۱×۷ فٹ اور چھوٹے در ۸×۴ فٹ ہیں مسجد ۵۳×۱۵ فٹ ہی
صحن کا چبوترا ۵۸ فٹ مربع ہی۔

ایک نامعلوم برج اسی مسجد کے پاس ایک چھوٹا سا برج بہت خستہ حالت میں ہی۔ اندر کوئی قبر نہیں۔ دروازہ بھی ایک ہی ہی وہ بھی
چھوٹا سا یہ عمارت ۷ فٹ مربع ہی۔

ایک نامعلوم گنبد ریلوے لین تار کے کھم نمبر ۹۵/۲۳و۲۲ کے بیچ میں سڑک کی بائیں طرف کوئی سو قدم کے فاصلے سے یہ گنبد پختہ اور اچھی حالت
میں ہی اندر رنگ آمیزی پھول بوٹوں گلدستوں کا کام ہی۔ گنبد ۳۲ فٹ مربع ہی۔ قبر نہیں ہی اندر اینٹ کے
چوکے لگا کر دروں میں چوبی چوکھٹیں اور دروازے لگا دیئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کسی شخص
کا مقبوضہ ہی اور سامان زراعت رکھنے کے لیئے یہ سب کارستانی کی گئی ہی۔ ایں ہمہ شکل
برائے اکل۔ دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ بھُس بھرا جاتا ہی۔ اصلی دروں کی بلندی اور
چوڑان ۱۳×۹ فٹ ہی۔ پختہ چبوترا ۵۸ فٹ مربع ہی۔ قبہ کے چاروں کونوں پر چار برجیاں اور اوپر
سنگ سرخ کا کلس ہی۔ معلوم نہیں کس کا ہی۔

حوض خاص کے گرد و نواح کے متعدد مقبرے موضع کھرٹیرے کے محاذی دلی سے جاتے وقت سیدھے ہاتھ کی طرف آٹھویں میل پر قطب روڈ سے بالکل ملے ہوئے دو گنبد نظر آتے ہیں
یہیں سے حوض خاص کا رستہ گیا ہی اور ایک سڑک نکال دی گئی ہی۔ یہاں سے گنبدوں کا سلسلہ
شروع ہوتا ہی اور میرے خیال میں کوئی پانچ میل تک کے حلقے میں جا بجا گنبد ہی گنبد
ہیں جن کا سلسلہ موضع منیرکے سے آگے تک چلا گیا ہی۔ اب ہم ان گنبدوں کا بیان
تفصیل وار لکھتے ہیں

کھرٹیرے کی حدود کے مقبرے

بیوی باندی کے مقبرے یہ دو نون گنبد بالکل سڑک کے کنارے ہیں۔ ان میں ایک بڑا ہی دوسرا اُس سے چھوٹا اور یہ دونوں

مقبرے "بیوی باندی کے مقبرے" کے نام سے مشہور ہیں۔ اب نہ بیوی کو کوئی جانتا ہے نہ باندی کا کچھ ٹھکانا ہے۔ مرے بعد دونوں کا تفرقہ حکومت اور محکومیت کا مٹ گیا دونوں ایک ہی فرش زمین پر ایک ہی حیثیت سے سو رہی ہیں ان کا قصہ یوں زبان زد خاص و عام ہے کہ بڑا گنبد بیگم نے اپنے لیئے بنوایا تھا اور چھوٹا باندی کے لیئے وہ باندی بھی کوئی ہمدم اور رفیق ہوگی جب تو گنبد میں دفن ہوئی۔ اُس زمانے کی باندیاں بھی آج کل کی بیگموں سے بدرجہا بڑھی ہوئی تھیں۔ آج اچھے سے اچھے امیر کو مقبرہ بنانے کی سکت نہیں۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ باندی مری اوّل۔ بیگم تھیں قدر دان بلحاظ تقدم موت اپنے گنبد میں اُسے جگہ دی اور جب بیگم کی باری آئی تو وہ باندی والے چھوٹے گنبد میں آسودہ ہوئیں۔ سڑک سے ملا ہوا پہلا اور چھوٹا گنبد بیوی کا ہے جو ۲۳ فٹ مربع ہے۔ جس کے تین طرف دروازے اور مغربی رُخ بند ہے محراب کی چوڑان ۶ فٹ - ۸ انچ ہے۔ فرش اب باقی نہیں رہا۔ تین قبریں پختہ ہیں مگر شکستہ۔ ان میں ایک بڑی زنانی قبر ہے غالبًا یہی بیوی کی ہے جو ۹ فٹ × ۴ ۱/۲ فٹ طول و عرض میں ہے بلندی قبر کی ۲ ۱/۲ فٹ ہے۔ اس مقبرے پر بجائے کلس کے سنگ سرخ کی ایک چودری برجی ہے دوسرا گنبد۔ جو باندی کا مشہور ہے اوپر والے گنبد کے برابر میں ہے یہ ۲۳ فٹ مربع ہے اس میں بھی چہار طرف محرابیں ہیں مغرب کی طرف بند۔ بیچ کے در کے اِدہر اُدہر ایک ایک چھوٹا در ہے بڑی محراب عرض میں ۷ ۱/۲ چھوٹی محراب کی بلندی اور عرض ۷ فٹ - ۸ انچ × ۲ فٹ - ۱۰ انچ ہے۔ مقبرے کی چھت پر بسم اللہ اور آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے اور محرابوں کی ہر دو جانب کلمہ اور حسبنا اللہ کے طغرے ہیں۔ اس میں چھ پختہ قبریں ہیں مگر سب ٹوٹی پھوٹی جن میں دو اونچی ہیں باقی زمیں دوز۔ اس کا فرش بھی اکھڑ پکھڑ گیا چاروں محرابیں بھی تڑخ گئی ہیں۔

بارہ کھمبا

اس کے چاروں طرف تین تین در ہیں بارہ کھمبے کے نام سے مشہور ہے۔ معلوم نہیں کس کا ہے۔ ۲۲ ۱/۲ مربع ہے۔ قبر اور فرش دونوں ندارد۔ بیچ کی آرچ ۶ فٹ - ۱۱ انچ اور چھوٹی آرچ ۴ فٹ - ۶ انچ عریض ہے۔ اس گنبد کی شمالی جانب بالکل چبوترے سے ملی ہوئی ایک کوٹھری ہے جو بہت خطرناک ہے کم سے کم اُس کی منڈیر بن جاتی۔

ستیوں کے دو مٹھ

بارہ کھمبے کے پاس مغرب کی طرف دو چھوٹے چھوٹے ستیوں کے مٹھ ہیں ہندو ان پر پھول دول چڑھایا کرتے ہیں

گمزی

چار کھلے دروازے۔ باہر سے ۵ ½ مربع۔ قبر اور فرش ندارد۔ یہاں گنبد دن کا ٹھور ٹھکانا نہیں گمزی رہی اپنی جگہ۔

اور دو نامعلوم گنبد

(۱) تین طرف دروازے ایک طرف بند۔ ایک ٹوٹی پھوٹی قبر۔ فرش ندارد۔ لوگ چوکھٹوں کے بڑے چور ہیں کہ دہلیز کے پتھر کام آتے ہیں۔ اکھاڑے گئے۔ یہ گنبد باہر سے ۱۲ مربع ہے۔

(۲) اسی طرح کا جیسا اوپر والا ہے۔ ۱۲ مربع۔ بیچ میں گچ کی ایک شکستہ قبر۔ تین طرف دروازے مغرب کی طرف بند۔ درکی چپکلان (کذا)۔

گنبد باغ عالم یعنی شیخ شہاب الدین تاج خاں اور سلطان ابوسعید کا مقبرہ سنہ ۹۰۶ھ ۱۵۰۱ء

در اصل یہ گنبد جو کھڑکیوں کے مقبروں میں سب سے بڑا اور بہت شاندار ہے شیخ شہاب الدین تاج خاں اور سلطان ابوسعید امرائے سکندر لودھی کا ہے لیکن اب جس سے پوچھو اسے باغ عالم کہتا ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے اس کے گرد کوئی باغ رہا ہو کیونکہ دور دور تک جگہ چھٹی ہوئی ہے۔ غرض یہ معمولی عمارت نہیں ہے یہ مقبرہ بہت خوب صورت بنا ہوا ہے۔ اندر سے ۵۳ مربع ہے۔ تین طرف تین تین دروازے اور ہر در کے ادھر ادھر ایک ایک طاق۔ مغرب کی طرف کا بڑا در بند ہے مگر ادھر ادھر کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں۔ بڑی محراب کی چوڑان ۸ ہے۔ سیڑھیاں نہیں کہ بلندی معلوم کر سکیں۔ گنبد کی چندیا پر بسم اللہ اور اسمائے حسنیٰ دوسرے حلقے میں آیۃ الکرسی منقوش ہے۔ گنبد اس قدر اونچا ہے کہ بلا دوربین کے پڑھ نہیں سکتے۔ چار قبریں چونے گچی کی ہیں جن میں ایک ذرا بڑی اور اونچی ہے۔ فرش اب بالکل نہیں رہا۔ باہر دار سنگ سرخ کے چوکھٹوں کی چار دل طرف بڑی بڑی اٹھیس کھڑکیاں ہیں جن کے تین طرف نیلے ٹکڑے لگے ہوئے ہیں اور اوپر معمار نے تین تین چھوٹے نہایت خوب صورت طاق بنائے ہیں پھر سنگ سرخ کا چوکھٹا لگا کر طاقوں کے اندر نیلے کنگرے لگا دیئے ہیں جو بہت ہی بھلے لگتے ہیں۔ اس مقبرے کی ایک ندرت اس کا نفیس اور خوش خط خط نسخ میں کتبہ ہے کا کیا ہے مگر غضب یہ کیا ہے کہ آمد و رفت ایسی بلندی پر لگایا ہو کہ اسے پڑھنا از بس دشوار ہے۔ یہ کتبہ سنگ سرخ کے چوکھٹے میں سنگ موسیٰ کی تختی پر دو سطری ہے۔

دور سے ایسا معلوم دیتا ہے جیسا کہ گن شل کی لوح ہو۔
یہ کتبہ مغرب کی طرف لگا ہوا ہے بلا دوربین کے پڑھا نہیں جاسکتا اسی وجہ سے لوگوں نے ایک بادہوائی بات اُڑادی ہے کہ اس کتبے میں اُس زمانے کا نرخ اجرت اور اجناس کی تشریح ہے حالاں کہ کتبہ یہ ہے:۔
(۱) بنای این عمارت درعہد دولت سلطان الاعظم سکندر شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ
(۲) این گنبد بنای شیخ شہاب الدین تاجخان سلطان ابوسعید بتاریخ نہم ماہ رمضان سنۃ ست وتسعمائۃ (۹۰۶ھ) اس گنبد کے اندر چار قبریں چونے گچی کی ہیں جن میں ایک ذرا بڑی ہے اس گنبد کا کلس تو اب رہا نہیں مگر اُس کے گرد کا کنگورے دار کنول بہت ہی نفیس ہے۔ یہ اس وضع کا ہے جیسے مراد آبادی خاصدان کے اوپر زردہ رکھنے کی ٹُنّی ہوتی ہے۔

قناتی مسجد

مغرب کی طرف جدھر کتبہ ہے اُدھر ہی گنبد کے پاس ہی ایک وسیع قناتی مسجد ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں۔

ایک اور قناتی مسجد

اس سے آگے بڑھ کر ایک اور محاطہ دار ہے یہاں بھی ایک اور قناتی مسجد ہے اس میں بھی قبریں ہی قبریں ہیں۔

توپوں والا گنبد

یہ نام کیوں پڑا کچھ خبر نہیں۔ یہ گنبد ۳۳ مربع ہے۔ اندر چار قبریں سنگ خارا کی اچھی حالت میں ہیں تین در کھلے مغرب کی طرف بند۔ یہ گنبد بھی عالم گمنامی میں ہے۔

حوض علائی یا حوض خاص اور بدر

سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء — سنہ ۷۵۳ھ ۱۳۸۸ء

آخر آں شاہ جمیع الاحساں ساخت حوضیکہ پُر ز آب بود
وہ چہ حوضیکہ غیرت بحرست بلکہ از صفت بحر انتخاب بود
می زند موج بس ز نور صفا ہر حبابش چو ماہتاب بود
پیش او چشمہ سار آب حیات خشک بے آب چوں سراب بود
حوض کوثر بود مگر کہ مدام آب او بہتر از گلاب بود

یہ تالاب کاہے کو تھا ایک جھیل تھی جو ستر ایکڑ کے وسیع رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس تالاب کو سلطان علاءالدین خلجی نے سنہ ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء میں بنوایا تھا۔ اس تالاب کی بندش ہر چہار طرف سے سنگ بست اور پختہ تھی ۷۵۵ھ ۱۳۵۴ء میں فیروز شاہ تغلق کا زمانہ آیا تو یہ تالاب

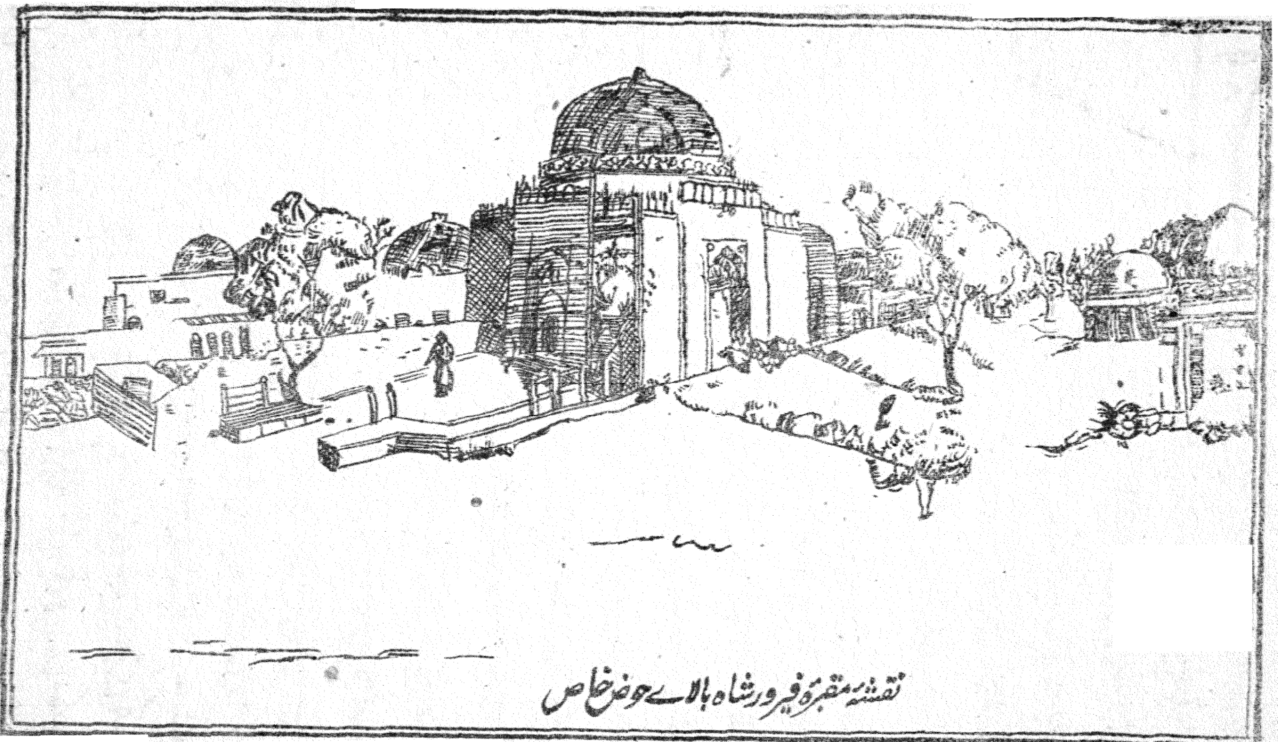
بہت شکستہ ہوگیا تھا مٹی سے تمام اٹ گیا تھا اور پانی کا نام نہ تھا۔ لوگ اس کے شکم میں کوئیں کھود کھود کر زراعت کرتے تھے فیروز شاہ نے گل برآری کرا ایسی مرمت کروائی کہ گویا از سر نو بنوا دیا اور جب ہی سے **حوض خاص** نام پڑا اور اسی سبب سے **امیر تیمور** نے اس تالاب کو فیروز شاہ ہی کا تالاب لکھا ہے چنانچہ امیر موصوف نے لکھا ہے کہ "یہ تالاب فیروز شاہ کا بنایا ہوا ہے جس کے چاروں طرف پختہ سلامی آنری ہوئی ہے"۔ اس تالاب کے چاروں طرف ایک ایک تیر کی زد پر اور نیز تالاب کے گرد عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔ برسات کے پانی سے تالاب لب ریز ہو جاتا تھا اور اس قدر وافر پانی جمع ہوتا تھا کہ رعایا کی سال بھر کی ضروریات کو کافی ہوتا تھا۔ مولینا **شرف الدین یزدی** نے ظفر نامے میں بحوالہ ملفوظات تیموری اس حوض کو فیروز شاہ کا بنایا ہوا گہرا اور عمیق کنواں لکھا ہے۔ ۷۵۳ھ ۱۳۵۲ء میں فیروز شاہ نے اس تالاب پر ایک مدرسہ بھی بنایا (تھا ملاحظہ از تاریخ مبارک شاہی)۔ اس تالاب کے جنوبی رُخ پر اس سرے سے اُس سرے تک مکانات ہی مکانات تھے۔ فیروز شاہ کے مدرسے میں پختہ اور لپست حجرے ہیں جن میں اب گاؤں والے رہتے ہیں۔ اس مدرسے کے متولی **سید یوسف بن جمال** نے ۷۹۰ھ ۱۳۸۸ء میں انتقال کیا اور مدرسے کے صحن میں ہی آسودہ ہیں۔ کسی زمانے میں یہ مقام دل کش اور خوب ہوگا کہ اُس کے دیکھنے کو بے اختیار دل چاہتا ہوگا اور ایک معقول سیرگاہ ہوگی۔ اب بجائے سیرگاہ کے زراعت کا میدان ہے رات دن ہل چلتا ہے اور اس کے شکم میں کھیت ہی کھیت کھڑے ہیں۔ اب یہ حوض کی شکل نہیں رہا۔ بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا اور بھر بھرا کر برابر ہو گیا ایک قطرہ پانی کا نہیں ٹھیرتا سوکھا پڑا رہتا ہے اور لوگ زراعت کرتے ہیں۔ کھڑکیوں سے آتے وقت تھوڑی دور تک اس کا ایک بلند بند ملتا ہے جو حال میں ڈالا گیا ہے یا ممکن ہے کہ پہلے بند پر نئی مٹی ڈال دی ہو۔ اب اس گاؤں ہی کا نام **حوض خاص** ہو گیا ہے اور گنواروں کی زبان پر **ہود کھاس** چڑھ گیا ہے ورنہ اب نہ حوض خاص رہا نہ تالاب رہا۔ وہ وسیع سلسلہ مکانات کا جو اس کے گرد تھے اکثر اُن میں سے کھنڈر ہو گئے مگر پھر بھی یہ مقام دیدۂ عبرت سے دیکھنے کے قابل ہے۔

فیروز شاہ تغلق کا مقبرہ

۷۹۲ھ
۱۳۸۹ء

یادِ ایامِ عشرتِ فانی ؛ نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی
خاک میں رشکِ آسماں سے ملی ؛ ہائے کیسی بلند ایوانی
ایسی وحشت سرا میں سے کون ؛ بے دری کر رہی ہے دربانی
کیا ہوئی وہ بلندی دیوار ؛ کیا ہوئے وہ عمادِ طولانی
جائے گل ہیں چمن میں ریزۂ سنگ ؛ کاہ کرتی ہے یاں ریحانی ؛ پاٹ گئے حوض و نہر غیر از چشم ؛ ایک قطرہ کہیں نہیں پانی
نہ ملا کچھ نشانِ آبِ رواں ؛ خاک سے جہان میں چھانی ؛ سقف رنگیں و زرنگار کہاں ؛ جز سپہر و نجوم نورانی
شور زاغ و زغن ہے مع خراش ؛ اب کہاں بلبل و غزل خوانی ؛ نظر آتی نہیں وہ تصویریں ؛ نقش دیوار کیوں نہ ہو فانی
کی تھی بازار کو خزاں تھی ضرور ؛ میں نے کیا تری بات پہچانی

حوض خاص کے پاس ہی ایک کنارے پر **فیروز شاہ** (۱۳۵۱-۸۸ء) پسر سالار رجب برادر خورد تغلق شاہ کا مقبرہ ہے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حوض اور مکانات ملحقہ تو فیروز شاہ کے بنوائے ہوئے ہیں اور مقبرہ سلطان محمد ناصر الدین بن سلطان فیروز شاہ (۱۳۸۹-۹۲ء) نے جو اپنے بھتیجے ابوبکر شاہ بن ظفر خاں بن فیروز شاہ کے مرنے کے بعد بادشاہ ہوا ۷۹۲ھ ۱۳۸۹ء میں بنوایا تھا۔ یہ مقبرہ اندر سے ۲۹ فٹ ۳ انچ مربع ہے جو بہت عمدہ پتھر کا پختہ بنا ہوا ہے جس کے دو جانب مغرب اور شمال میں ایک ایک لین مکانات اور حجروں کی ہے جو غالباً فیروز شاہ کا مدرسہ تھا۔ گنبد کے دو دروازے کھلے ہیں۔ مغرب اور شمال کی طرف بند اور دروازوں کے جواب میں دیوار میں محرابیں ہیں۔ مقبرے کا صدر دروازہ جنوب کی طرف ہے جس کے سامنے پتھر کی ایک منڈیر کوئی دو فیٹ اونچی گھیر دینے سے ایک مختصر سا خوشنما صحن نکل آیا ہے۔ اور اسی صحن میں سے ہو کر تین سیڑھیاں چڑھ کر مقبرے کے اندر پہنچتے ہیں۔ دروازے کی محراب ۱۰ فٹ بلند اور ۶ فٹ ۲ انچ چوڑی ہے۔ مقبرے کے اندر چار قبریں ایک ہی قطار میں ہیں۔ مغرب کی جانب سے (۱) قبر سب سے بڑی ۹ فٹ ۹ انچ × ۵ فٹ ۴ انچ اور ۲ فٹ ۴ انچ اونچی سنگ مرمر کی ہے اور یہی فیروز شاہ کی معلوم دیتی ہے۔ اس کے پہلو میں مشرق کی طرف دوسری قبر سنگ مرمر کی اور تیسری گچ کی ہے۔ چوتھی نیچے وار قبر نمبر ۴ کے پائین میں ایک چھوٹی سی قبر سنگ مرمر کی ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ اس گنبد میں فیروز شاہ کا بیٹا ناصر الدین محمد شاہ اور علاء الدین سکندر شاہ پسر ناصر الدین بھی مدفون



نقشہ مقبرۂ فیروزشاہ بالاے حوض خاص

ہیں لہذا نمبر ۲ و ۳ کی قبریں ان دونوں صاحبوں کی ہوں گی۔ چوتھی قبر نامعلوم ہے۔ گنبد کا
دروازہ چوڑا مستطیل اور محراب دار ہے جس کے بالائی حصے پر سنگ سرخ کی جالی
لگی ہوئی ہے۔ دروازے کے اوپر کا پٹاؤ اور دونوں جانب کے ستون ذرا آگے
بڑھے ہوئے ہیں جن پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔ مشرقی دروازہ بھی وضع قطع میں
بجنسہ جنوبی دروازے کی طرح کا ہے مگر اس کے سامنے احاطہ کی منڈیر نہیں ہے۔ شمال
رُخ کی دیوار در محراب میں ایک نوکدار محراب کا دروازہ ہے جس میں سے ہو کر مدرسے
میں جانے کا رستہ ہے۔ مقبرے کی دیواروں کی شکل بہت اوپر جا کر بدل جاتی ہے جو مربع
سے مثمن اور پھر سولہ ضلعوں کی شکل کی ہو جاتی ہیں اور اس طرح ایک نہایت پیچ در پیچ شکل
کا چھتہ بن جاتا ہے۔ مقبرے کی چھت کے اطراف ایک پست منڈیر ہے گنبد نصف
دائرے کی شکل کا ہے جس کا قطر بہت بڑا ہے جو چوٹی تک پہنچتے پہنچتے ایک خوب صورت
دائرے کی شکل کا ہو جاتا ہے جس میں سے پٹیاں باہم تقاطع کرتی ہوئی گنبد کے وسط
تک پہنچتی ہیں۔ ان پٹیوں کے باہمی تقاطع سے تین قطاریں مختلف اقسام و اشکال
کے گلدستوں اور پھولوں کی تراشی گئی ہیں۔ ان پٹیوں اور گلدستوں پر اور گنبد کی سقف
کی سفید سطح پر مختلف اقسام کی رنگ آمیزی کی گئی ہے۔ جنوبی دروازے کی پیشانی پر
ایک نہایت عمدہ دو سطری کتبہ بخط طغریٰ نسخ چونے میں کھدا ہوا ہے جس کے ٹھیکرے
جھڑ جانے سے بہت ناقص ہو گیا ہے۔ جو عبارت جھڑ گئی اُس سے قطع نظر کر کے بھی
جو باقی ہے وہ ایسی پیچ در پیچ لکھی ہوئی ہے کہ طبیعت پر بہت زور ڈالنے کے بعد بھی پوری
طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ الفاظ اوپر نیچے اور کچھ پیچ ہونے سے کتبہ کیا ہے ایک بھول بھلیاں
ہے۔ بہرحال کافی غور کے بعد جو الفاظ نکل سکے ہیں وہ یہ ہیں:۔ **کتبہ۔**

پہلی سطر:۔ ..... اللہ محمد رسول اللہ لنا..... باتباع فرمائش درمیان
دہ ماہ مرتب کرد ایں محلہ در عہد..... سلطان السلاطین سکندر
بن سلطان السلاطین ..... بہلول شاہ خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و اعلیٰ
امرہ و شانہ در بستم ماہ رمضان سنۃ ثلثہ عشر تسعمائۃ۔

دوسری سطر:۔ سلطان السلاطین سلطان فیروز شاہ طاب ثراہ و
جعل الجنۃ مثواہ در ..... بن شیخ قاضی بن شیخ حاجی لہ لبناء ہذا

النصر بردہ اللہ انلاد جوتر ... فیروز میان وجلال میاں در سال مندلبوتن

یہ چیدہ چیدہ الفاظ بہ شکل نکلے ہیں جن سے کوئی مطلب نہیں نکل سکتا۔

سرسید نے صرف دوسری سطر پڑھنے کی کوشش کی ہے لیکن اوّل سطر کو بغور ملاحظہ نہیں فرمایا اس میں تو کلام نہیں کہ یہ گنبد فیروز شاہ بادشاہ کا ہے اور اغلب قیاس یہ ہے کہ اسی کے بیٹے نے بنوایا ہوگا۔ لیکن کتبہ کی عبارت بحث طلب ہے۔ اس کتبے کی پہلی سطر میں صاف طور پر نام سکندر بن بہلول شاہ اور سال ۹۱۳ھ درج ہے جو لودھیوں کا زمانہ ہوتا ہے اس سے صاف ظاہر کہ کتبہ زمانہ مابعد میں بعہد سکندر شاہ ثانی لگایا گیا ہے نہ اس سے قبل۔ اس کتبہ کو مُرتب گردانیدہ سلطان السلاطین فیروز شاہ خلد اللہ ملکہٗ ...... بن سلطان فیروز شاہ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کیسے پڑھا گیا اصل کتبے میں نہ مرتب گردانیدہ ہے اور نہ بن سلطان فیروز شاہ اور نہ زندہ آدمی کے نام کے ساتھ طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ لکھا جا سکتا ہے۔ گنبد کے گرد اُس مقام پر جہاں سے کہ گنبد شروع ہوتا ہے سنگ سرخ کا ایک ٹپکہ لگایا گیا ہے۔ جس پر بہت عمدہ نقش ونگار بنے ہوئے ہیں۔ مقبرے کے سامنے جنوب رخ پر احاطے کی ایک بہت لمبی اور اونچی فصیل نما دیوار کھڑی ہے جس میں طاق طاق بنے ہوئے ہیں غالباً ایسی ہی دیوار احاطے کی چوطرف تھی اب صرف ایک ہی طرف باقی رہ گئی ہے۔ لارڈ کرزن کو یہ کھنڈر بھی دعا دے رہے ہیں۔ جس طرح فیروز شاہ کے کوٹلے۔ پرانے قلعے ہمایوں اور صفدر جنگ کے مقبروں قطب صاحب کی لاٹ میں دوبارہ جان ڈال دی ہے فیروز شاہ کے مقبرے کے کھنڈروں کو بھی چمن بنا دیا ہے۔ لال لال بجری کی خوش نما روشیں اور ہری ہری دوب کے ہموار تختے کے تختے عجب بہار دیتے ہیں کھنڈروں پر بھی نکھار ہے گرے پڑے پتھروں کو بھی سمیٹ کر خوش سلیقگی سے قرینے اور ٹھکانے سے لگا دیا ہے۔ کوڑے کرکٹ کا نام نہیں چوطرف سبزہ زار اور تازگی ہے۔ عمارات کی بھی تابہ امکان مرمت کرادی ہے گویا مرنے کے حلق میں پانی ڈال دیا۔ لاٹ صاحب نے یہ کام ایسا کیا ہے کہ اُن کو جتنی دعائیں دی جائیں کم ہیں۔

حوض خاص کی اور عمارتیں

دو گنبد

(۱) اندر سے ۱۷′-۹″ مربع۔ چاروں طرف چار دروازے۔ محراب ۸′-۹″ بلند ۶′-۵″ چوڑی۔ قبر ندارد۔ فرش حال میں سنگ خارا کی سلوں کا کیا گیا ہے۔

(۲) اوپر والے مقبرے کی سیدھ میں مشرق کی طرف۔ دونوں گنبدوں میں (۳۵) قدم کا فصل ہے۔ ۱۷′-۹″ مربع۔ محراب ۸′-۳″ بلند ۶′½ چوڑی۔ مشرق مغرب کے در کھلے باقی دو طرف کے بند۔ قبر باقی نہیں۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا زمانۂ حال کا ہے۔ اس مقبرے کے سامنے ۴۸×۳۱½ کا صحن ہے جس کی دونوں جانب ۲۲½ × ۸½ سہ دریاں ہیں جن کے در ۱۰′ بلند اور ۶½ چوڑے ہیں۔ سہ دریوں میں ایک ایک بغلی کوٹھری بھی ہے۔ مغرب کی طرف گنبد اور سہ دریوں پر جانے کا (۱۳) سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ سہ دریوں کے سامنے چوڑا چھجہ سنگ خارا کی سلوں کا تھا جو اکثر جگہ سے گر گیا۔

مدرسے کے مکانات

ان دونوں گنبدوں کے شمال میں ۱۲۵ فٹ لمبا قطع مکانات کا ہے جس میں کا ۲۵ فٹ کا حصہ گر گیا ہے۔ اس لین کے وسط میں ایک گنبد ہے۔ گنبد کے دو طرف نیچے اترنے کا زینہ ہے جس میں سے تالاب میں اتر جاتے تھے یہی تالاب حوض ہے۔ گنبد کے تین دروازے ہیں شمال کی طرف ایک شہ نشین ہے جس سے تالاب کا نظارہ ہوتا ہے۔ یہ گنبد ۱۹½ مربع ہے۔ فرش اکھڑ گیا۔ سطحی نقشہ یہ ہے:

شمال

سہ دری — دروازہ — سہ دری — صحن — گنبد نمبر ۲ — ۳۵ قدم — گنبد نمبر ۱

مغرب — مشرق

طول عمارت ۱۲۵ فٹ

شکستہ سہ دری ۲۴×۹½

گنبد

صحن

لمبی اونچی طاق دار دیوار

(جنوب)

مقبرے کے شمال میں بھی اسی قسم کا بلاک مدرسہ کی عمارت کا ہے اور اس طرح اب دو بلاک ہیں۔ بالجملہ دونوں بلاک ملا کر بہت وسیع عمارت ہے جس میں کشادہ دالان۔ سہ درے اور حجرے ہیں جو ایک بڑے کالج کے لیئے بالکل ملتفی ہو سکتے ہیں۔

فیروز شاہ کے مقبرے کے شرقی جانب کے برج

(۱) ہشت درہ ہشت پہلو برج جس کا ایک ضلع ۲ گز ۔ ۳ فٹ ہے۔ (۲) اسی لین میں اس کا جواب دوسرا برج۔ (۳) ایک شکستہ لداؤ کوٹھڑی برج نمبر (۱) کے پاس۔

(۴) ہشت درہ برج دوہرے دروں کا۔ ایک ضلع ۱۱ فٹ ۔ ۳ انچ۔ (۵) ہشت پہل برج۔ ایک ضلع ۱۱ فٹ ۔ ۳ انچ۔ اس میں سنگ سرخ کے تعویذ کی ایک قبر زمین کے برابر ہے۔ (۶) بارہ کھمبا (۲۳ × ۲۳) مربع جس کے بیچ میں ایک قبر زمین کے برابر ہے۔

دو دالان

(۱) اس شکل کا

مغرب

جنوب	۳		۲	شمال
		۱		

یہ عمارت ۸۰ فٹ × ۲۶ فٹ سنگ خارا کی بالکل صحیح سلامت ہے۔ لمبان میں گیارہ اور چوڑان میں تین در ہیں۔ دونوں سروں پر دو گنبد۔ گنبد نمبر (۱) ۳۰ ۱/۲ × ۲۳ فٹ ۔ ۹ انچ۔ گنبد نمبر ۱ کے سامنے بالکل تالاب کے کنارے ایک دو منزلہ نہایت وسیع اور مرتفع دالان ۱۷۰ × ۳۰ فٹ ہے۔ اس کے دونوں سروں پر بھی گنبد تھے۔ شمال کی طرف کا برج نصف گر گیا اور جنوب کی طرف صرف دو دروں سمیت ایک پاکھا کھڑا ہے چھت نام کو نہ رہی۔ تحتانی حصہ مولاً نصف گر گیا اور نصف باقی ہے عجب نہیں جل محل یہی ہو اور یوں تو جتنی عمارتیں ہیں سب تالاب کے کنارے ہیں اور سب ہی کا ایک رخ تالاب کی طرف ہے جسے چاہو جل محل کہہ لو۔

تالاب کے کنارے کی مسجد

یہ مسجد عمارات ملحقہ کی شان و شوکت کے لحاظ سے بہت بڑی اور متین بنائی گئی ہے۔ صدر دالان ۵۶ × ۱۰ ۱/۲ فٹ ہے۔ دائیں بائیں دو سہ درے دالان ہیں۔ داہنی طرف کا دالان گر گیا۔

دالان ۳۵ فٹ - ۹ فٹ × ۲۶ فٹ ہیں - مسجد پانچ در کی ہے اور دو دو در بغلی دالانوں کے ملالیں تو نو دری سمجھو - موجودہ صحن مسجد کا اٹھ فٹ یہ مربع ہے جس کے بیچ میں ایک پرانا درخت نیم کا اور دو قبریں سنگ سرخ کے تعویذوں کی ہیں - اس صحن کے علاوہ مسجد کے گرد ایک وسیع پختہ احاطہ بھی ہے - مسجد کے صحن میں ایک حوض بھی ہے جس میں مٹی بھری ہوئی ہے جو ۹ فٹ ۳ مربع ہے - مسجد کی چھپت کی دیوار میں تالاب کے رخ پر تین سنگ سرخ کی نشست نشینیں رکھی گئی ہیں - بیچ کی نشست نشین بڑی ہے اور ادھر ادھر کی چھوٹی -

نگینہ گمٹی

حوض خاص سے ہم موضع منیرکہ کو چلے جو کوئی ڈیڑھ میل جگہ ہے - فیروز شاہ کے مقبرے کے مغرب میں حوض خاص کے کنارے ایک ٹیلے پر ایک برجی کھڑی ہوئی ہے جسے لوگ نگینہ گمٹی کہتے ہیں - یہ ایک شش دری برجی ہے جس کا ایک ضلع ۶ فٹ ۔ ے کا ہے - قبر نہیں ہے - گرد کا چبوترا شکستہ ہو گیا - ایک خشک کنواں بھی چبوترے پر ہے - اس سے ذرا آگے بڑھ کر ایک وسیع اور پختہ چار دیواری کے اندر بہت سی قبریں ہیں -

بجلی خاں کا گنبد

منیرکہ جاتے وقت داہنے ہاتھ کی طرف ایک بلند ٹیلے پر جو گنبد ہے وہ بالعموم بجلی خاں سے منسوب کیا جاتا ہے مگر فنا کے اندھیرے گھپ کے سامنے بجلی کی کوند بھی کچھ روشنی نہیں ڈالتی - گمنامی کی ایسی گہری تاریکی چھائی ہوئی ہے کہ ٹٹولنے سے بھی رستہ نہیں ملتا - یہ مقبرہ اندر سے اٹھ مربع ہے - سارا پلاستر اندر باہر کا گر پڑا کہیں کہیں کچھ ٹکڑا لگا رہ گیا ہے - ایک ہی لین میں چار قبریں سلامت کی ہیں ایک قبر سب میں بڑی اور اچھی حالت میں ہے اس کو سمجھو کہ یہی بجلی خاں کی ہے - باقی شکستہ ہیں - تین طرف کے در کھلے ہوئے ہیں - شرقی جانب بند کر دیا گیا ہے - ۱۸ سیڑھیوں کا زینہ اوپر چڑھنے کو ہے - چونکہ اس نواح میں سارے گنبد فیروز شاہ کے عہد کے پٹھان امرا کے ہیں ہو نہ ہو بجلی خاں ان میں کے ایک ہوں گے - اس مقبرے کے مغرب میں ایک اور چھوٹی سی گمٹی ۱۸ فٹ مربع ہے جس میں ایک لوٹی پھوٹی قبر بھی ہے مگر جب اتنے بڑے گنبد کا کچھ حال نہ کھلا تو گمٹی کس شمار قطار میں ہے -

چھوٹا گنبد - تجلی خان کے گنبد کے پاس ہی اس نام کا ایک ادھ بنا گنبد ہے۔ اس کو دیکھنے سے تو چھوٹے کا نام غلط معلوم دیتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ سارے کا سارا بن گیا صرف قبہ بننا باقی رہ گیا۔ چھت کا نہ نشان ہے نہ چھت کا کوئی گرا پڑا حصہ ہے خدا جانے کیا اتفاق پیش آیا کہ بنتے بنتے رہ گیا۔ یہ اندر سے ۵۰ فٹ مربع ہے۔ قبر نہیں ہے۔

حاجی لنگیا کا مقبرہ اور مسجد - حاجی صاحب کا اصل نام کیا تھا معلوم نہیں مگر اب تو گاؤں والے اسی نام سے پکارتے ہیں۔ گو یہ گنبد اور اس سے اگلا دونوں موضع حوض خاص کی حدود میں ہی ہیں مگر موضع منیرکہ سے قریب ہیں ۳۰ فٹ مربع ایک گنبد ہے اندر پولیاں بھری ہوئی ہیں خبر نہیں کہ قبر ہے یا نہیں۔ مشرق اور شمال میں ایک ایک دروازہ ہے۔ سامنے ایک پانچ دری پختہ مسجد ہے جس میں کے دو در گر گئے مسجد کا دالان ۶۵ × ۹ فٹ ہے صحن مسجد ۱۰۰ × ۸۵ فٹ ہے۔ اسی کے کنارے مقبرہ ہے۔

ایک گمزی - اوپر والے گنبد کے شمال مغرب کے کونے میں ایک گمزی ۱۲ فٹ مربع کھڑی ہے۔ بیچ میں قبر کا صرف گڑھا رہ گیا ہے اور گمزی کا قبہ بھی بالکل کھنڈ گیا ہے۔ چونکہ یہ گمزی اوپر والے مقبرے کے پاس یعنی اس کے احاطے میں ہے قیاس یہ چاہتا ہے کہ بڑے گنبد والے صاحب کے یہ کوئی متوسل ہوں گے ہم کو نہ آقا کا پتہ ملا نہ متوسل کا۔

موضع منیرکہ کے حدود کے گنبد

قناتی مسجد - گاؤں سے دو ایک کوئی دو گولی کے ٹپے پر اوپر والے گنبد کے مغرب میں ساٹھ فیٹ مربع قناتی مسجد ہے۔ چبوترے پر بہت سی قبریں اور بیچ میں ایک پرانا نیم کا درخت کھڑا ہے چبوترے کے گرد منڈیر اور چاروں کونوں پر گول فیل پائے بنے ہوئے ہیں چبوترے کی دیواروں میں چو طرف طاق بنے ہوئے ہیں پچھیت کی دیواروں میں طاق کے پیچھے ایک بڑا طاق اور ادھر ادھر تین تین چھوٹے طاق اس طرح کل سات طاق ہیں۔ بہت پرانی عمارت معلوم دیتی ہے۔ سارا چبوترا جھاڑی اور کائی سے ڈھک گیا ہے۔

موضع منیرکہ کے کئی گنبد

منیر خاں اور وزیر خاں فیروز شاہ کے زمانے کے دو امراء تھے کہتے ہیں کہ دونوں بھائی بھائی تھے۔ اُنہوں نے دو گاؤں بسائے تھے جو اُنھیں کے نام سے مشہور ہیں۔ منیر خاں کا منیر کھاں ہوا جو کثرت استعمال سے منیرکہ ہوگیا اور امیر خاں کا گاؤں امیرکہ کہلانے لگا۔ امیرکہ کی بستی کا تو اب پتہ بھی نہیں رہا ہاں منیرکہ موجود ہے۔ منیر خاں کی نسبت کہتے ہیں کہ شکار کا بہت شوق تھا اور چیتے پالا کرتے تھے۔ دونوں بھائیوں نے دونوں گاؤں جاٹوں کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔ اس بستی کے متصل تو صرف دو گنبد ہیں ایک تو بالکل بستی کے اندر ہے اور دوسرا بستی کے باہر۔ پہلے گنبد سے کوئی ہزار قدم پر۔ دونوں گنبدوں کو لوگ منیر خاں ہی کا بتلاتے ہیں لیکن میرے خیال میں بستی کے اندر والا گنبد کسی اور کا ہوگا رہا باہر والا گنبد وہ بہت عالی شان ہے اور قیاس یہ چاہتا ہے کہ وہی منیر خاں کا ہوگا۔

بستی کا اندر والا گنبد

(۱) ادھر اُدھر دو دو لداوی محرابیں ہیں ۷ مربع۔ بہت خراب و خستہ حالت میں ہے بیچ میں ایک قبر ہے وہ بھی خام جس پر گاؤں والے اُپلے تھاپتے ہیں۔ اس گنبد کے شمال میں دو کوٹھریاں ہیں وہ بھی گنبد کی طرح بوسیدہ ہیں۔

(۲) بستی کے باہر اوپر والے گنبد سے کوئی ہزار قدم کے فصل سے ایک بہت بلند ٹیلے پر (۲۵) سیڑھیاں چڑھ کر یہ گنبد (۱۰م) مربع ہے جس کے دو دروازے ہیں۔ چاروں کونوں پر چار بُرجیاں ہیں اور دونوں دروازوں پر دو دو۔ اس میں تین قبریں سنگ سرخ کی ہیں۔ چوں کہ یہ گنبد بہت بلند ٹیلے پر بنا ہوا ہے اور خود بھی اونچی عمارت ہے دور دور سے دکھلائی دیتا ہے۔ ہو نہ ہو یہی منیر خاں کا گنبد ہوگا۔

مراد آباد پہاڑی کے چار گنبد

منیرکے سے مغرب رُخ پر کوئی ایک میل کے فصل پر ایک بڑا گنبد ہے جو بارلا گنبد کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے آگے ایک اور گنبد ہے مگر چھوٹا جو باجنا گنبد کہلاتا ہے۔ اور آگے بڑھو تو پہاڑی پر دو گنبد اور ہیں ایک بڑا اور ایک چھوٹا۔ یہ چاروں گنبد کن کے ہیں معلوم نہیں۔ پہلے مراد آباد پہاڑی کوئی گاؤں تھا اب اُس کا وجود نہیں ہے

اب تو یہ چاروں گنبد موضع منیرکے کی ہی حدود میں ہیں۔

وزیرکے کے مقبروں کا گروپ منیرکے سے دو گولی کے ٹپ پر پانچ مقبرے برابر برابر ہیں۔ (۱) گمزی ۲۰ فٹ مربع۔ (۲) وزیر خاں کا مقبرہ جو سب میں بڑا اور عالی شان ہے ۶۰ فٹ مربع۔ اندر ٹھاٹھس پولیاں بھری ہوئی ہیں کہتے ہیں کہ اس میں سنگ سرخ کی ایک قبر ہے۔ (۳ و ۴) دونوں ایک ہی طرز کے ۲۶ فٹ مربع گنبد نمبر ۴ میں ایک چونے کی قبر ہے۔ منیر خاں کے گنبد نمبر ۲ کے سامنے ایک گمزی نمبر (۵) ۱۵ فٹ ہے۔ یہ گمزی معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں بنائی گئی ہے کیوں کہ ایسی بے موقع منیر خاں کے مقبرے کی دیواریں گھسا کر بنائی ہے کہ اُس کے پیش کو عیب لگا دیا اور بالکل آڑ ہو گئی۔ مقبروں کی اس لین کے محاذی بجانب جنوب ایک بہت بڑی اور عمیق مستطیل باؤلی ہے جو بالکل ڈھ گئی ہے۔ باؤلی کے عرض میں اودھر اودھر دو برجیاں ہیں جن کے بیچ میں کنواں ہے اور ادھر ہی ایک سہ دری بھی بنی ہوئی ہے۔

دو فنائی مسجدیں منیرکہ اور اسیر خاں کے گنبد کے درمیانی میدان میں بائیں ہاتھ کی طرف تھوڑے تھوڑے فصل سے کھیتوں میں دو فنائی مسجدیں ہیں جن میں کوئی خاص بات نہیں۔

موضع محمد پور کے تین مقبرے

محمد خاں کا مقبرہ (۱) منیرکے سے کوئی میل بھر اور منیر خاں کے گنبد سے نصف میل پر محمد پور نام کا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کی نسبت سرسید نے لکھا ہے کہ " اس موضع میں ایک مقبرہ ہے جس کی نسبت معلوم نہیں ہوتا کہ کس کا ہے"۔ ؎

سراغ عمر گزشتہ کا ڈھونڈیئے گر ذوق تمام عمر گزر جائے جستجو کرتے

میں اس عرض کرنے کی معافی چاہتا ہوں کہ میرے خیال میں سرسید نے اس مقام کو دیکھا نہیں اور سنی سنائی بات پر یہ مختصر سا فقرہ لکھ دیا ورنہ اس عمارت کی

عظمت وشان اس بات کی متقاضی نہ تھی کہ یوں سرسری طور پر ایسی گراں ڈیل شاہانہ عمارت کا ذکر کیا جاتا۔ موضع محمد پور یا محمد شاہ[۱] بادشاہ کے نام پر آباد ہے یا کوئی محمد خاں اس کے بانی ہوں گے۔ پہلی صورت میں یہ شاہی عمارت ہوگی اور دوسری صورت میں محمد خاں کی۔ اگر شق آخر اختیار کی جائے تو محمد خاں بھی منیر خاں اور امیر خاں کے جوڑی دار اور ہم عصر ہوں گے۔ بہر حال یہ خیالی تُکّے ہیں کوئی دل ٹھکتی اور ٹھکانے کی بات ہمارے ہاتھ نہیں لگی۔ مجھے اس عمارت کو مقبرہ کہنے ہی میں تامل ہے۔ اگر مقبرہ لغوی معنوں میں لیا جائے یعنی ہر وہ جائے کہ جہاں قبر ہو تو صحیح ہے اور اگر مترادف معنوں میں لیا جائے تو یقیناً غلط ہے۔ کیوں کہ اس عمارت کی صورت کبھی مقبرے کی نہیں ہے۔ صدہا مقبرے ہماری نظر سے گزرے سب ایک ہی وضع قطع کے ہیں کہ یا مربع ہیں یا ہشت پہل۔ چار طرف چار در اوپر گنبد مگر یہ کیسا مقبرہ ہے جو مسلسل ۱۲۴ فٹ تک چلا گیا ہے۔ میرے خیال ناقص میں تو یہ تین در کی مسجد ہے ۱۲۴×۶۰ فٹ۔ تین بڑے بھاری در ہیں ۲۹ فٹ چوڑے۔ اس عمارت کے تین گنبد ہیں بیچ کا بڑا ادھر اُدھر کے چھوٹے۔ اس طرح تین قطعے ہیں ۴۴½ فٹ مربع۔ بیچ کے گنبد میں دو قبریں ہیں وہ بھی شکستہ۔ کتبہ کوئی ہے نہیں جس سے کچھ پتہ چل سکے۔ سیدھے ہاتھ کی طرف کے پہلے قطعہ کی چھپت کی دیوار میں اوپر وار ایک سنگ اسی کا ٹکڑا کہیں کا لاکر چن دیا ہے جو کسی دہلیز کا ٹکڑا معلوم دیتا ہے جس پر بسم اللہ اور کچھ آیت لکھی ہوئی ہے جو صاف پڑھی نہیں جاتی یہ پتھر بہت

[۱] اس نام کے کئی بادشاہ مختلف خاندانوں میں ہوئے ہیں (۱) محمد بن تغلق (۱۳۲۰-۲۴ء) ۔ ناصر الدین محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۹-۹۲ء) ۔ خاندان سادات میں محمد شاہ بن فرید خاں بن خضر خاں (۱۴۳۳-۴۵ء) سلاطین مغلیہ کے آخری زمانے کے محمد شاہ (۱۷۱۹-۴۸ء) آخر الذکر تو رنگیلے ہی مشہور تھے وہ تو اتنی بڑی عمارت کیا بنواتے اور پھر عمارت ٹھیری بہت پرانی یوں بھی ان سے منسوب نہیں کی جا سکتی نہ اتنی پرانی اور اس طرز کی ہے کہ محمد شاہ تغلق کی کہی جا سکے نہ اس کا طرز خاندان سادات کے بادشاہوں کی عمارتوں کا سا ہے لے دے کے دل اگر ٹھکتا ہے تو اسی پر کہ محمد شاہ بن فیروز شاہ نے یہ مسجد بنوائی ہوگی اور اسی کے نام پر یہ گاؤں آباد ہے یہ میری ذاتی رائے عمارت کے طرز و انداز سے ہے ورنہ خدا معلوم حقیقت نفس الامر کیا ہے۔ ۱۲ من المصنف

بلندی پر ہی کوئی ڈیڑھ فٹ لمبا اور چھ انچ چوڑا ہوگا پس یہ اس عمارت کے متعلق کوئی کتبہ نہیں ہو سکتا نہ وہ جگہ جہاں یہ لگا یا گیا ہی کتبہ کی ہی۔ اس عمارت کی بلندی ۱۵ فٹ ہی اور (۹۸) سیڑھیوں کا زینہ ہی۔ عمارت کے پیش میں سنگ خارا کی سلوں کا چوڑا چھجہ تھا یہ سلیں بہت سی گر گئیں ایک آدھ رہ گئی ہی البتہ سنگ سرخ کے توڑے باقی ہیں۔ عمارت کی حالت سے معلوم ہوتا ہی کہ گاؤں والے اس میں فراغت سے رہتے تھے کیونکہ اندر تمام اُنھوں نے خام دیواریں اُٹھا اُٹھا کر گھروندے بنا لئے ہیں۔ فرش باقی نہیں رہا۔ مویشی باندھ باندھ کر سارے گڑھے ڈال دیئے ہیں۔ ایسی نفیس عمارت کو اس درجے برباد کرنے کے بعد اب شاید خالی کرا لیا گیا ہی کیوں کہ اس میں اب کوئی رہتا نہیں صحن مسجد کا باقی نہیں رہا لوگوں نے مسجد کے اندر تک اپنے مکانوں کو ٹھا دیا ہی اور ایسا گھیر لیا ہی کہ جب تک ان کے مکانوں میں سے نہ گزرو مسجد میں پونہچ نہیں سکتے اور یہ سارے مکانات جب کہ کوئی پرسان حال نہ رہا بعد میں بنائے گئے ہیں جو تمام تر جاٹوں کے گھر ہیں۔

گاؤں کے اندر ایک اور گنبد اور مسجد عین آبادی میں یہ چھوٹا سا ۱۳ فٹ مربع گنبد ہی اسی کے پاس ایک سہ دری ۲۲ فٹ لمبی مسجد ہی۔ گنبد میں دو قبریں ہیں ایک پتھر کی ایک چونے کی۔ گاؤں والوں نے پولیاں بھر رکھی ہیں کہ اندر جا نہیں سکتے۔ خانۂ خدا کو دیکھئے اور اس بے حرمتی کو! شکل یہ ہی:۔

حجرہ ۸ فٹ ۱/۲ مربع		حجرہ ۸ فٹ ۱/۲ مربع
گنبد ۱۸ فٹ ۱/۲ مربع	بڑا گنبد صحن میں	گنبد ۱۸ فٹ ۱/۲ مربع

سہ دری مسجد۔ دونوں طرف دو حجرے سامنے دو حجرے جن پر گمزیاں ہیں۔ صحن میں ایک بڑا گنبد۔ مسجد کی چھت مسطح ہی۔

ایک اور گنبد بستی کے کنارے ۲۰ فٹ ۱/۲ مربع ہی۔ تین دروازے مغرب کی طرف بند۔ اندر دو بہت بڑی نالی قبریں ہیں گچ کی مگر شکستہ۔ ایک قبر ۶ فٹ ۔ ۳ انچ × ۳ فٹ ۔ ۵ انچ اور ۳ فٹ ۔ ۸ انچ اونچی ہی اور دوسری قبر اس سے ذرا چھوٹی ہی۔

برجی بجلی خاں کے مقبرے اور محمد پور کی بستی کے کھیتوں میں ایک چھوٹی سی برجی ہی

ہمایوں پور کا مقبرہ

محمد پور سے کوئی دو فرلانگ پر ہمایوں پور کی بستی ہے۔ پہلے اس گاؤں کے گرد فصیل تھی جس کا تھوڑا سا حصّہ اور ایک کونے کا برج باقی رہ گیا ہے یہاں بھی بستی سے ملا ہوا ایک گنبد اٹھ مربع شکستہ حالت میں ہے۔ اس میں بھی پوریاں بھری ہوئی ہیں۔ قبر کا حال معلوم نہیں۔ اب ہم اپنا چکر ختم کر کے پھر حوض خاص کے سامنے آگئے اور یہاں سے تاج خان کے گنبد پر سے ہوتے ہوئے کھرڑے جا پونہچے۔

موضع کھرڑہ

قطب روڈ کے آٹھویں میل کے پانچویں اور چھٹے فرلانگ کے درمیان دلّی سے جاتے وقت سڑک سے ملا ہوا فصیل سے محصور جو گاؤں ہے وہ کھرڑا ہے اور سڑک کی دوسری طرف سڑک سے ہٹا ہوا حوض خاص۔ فصیل اب جا بجا سے گر پڑی ہے۔ اس وقت تو اس گاؤں میں مشکل سے ایک درجن گھر ہوں گے وہ بھی اُن لوگوں کے جو کہ بہ ضرورت زراعت یہاں رہ پڑے ہیں مگر یہاں کی دو مسجدوں اور عیدگاہ کے لحاظ سے کسی زمانے میں یہ بڑی بستی رہی ہوگی اس موضع میں دو مسجدیں ہیں ایک حصار کے اندر ایک باہر

مسجد

اندر والی مسجد قدیم زمانے کی ہے جس کی مرمت دلّی والے حاجی محمد اسحاق صاحب پنجابی نے کروا کر درست کرا دیا ہے۔ پہلے اس کا صحن زیادہ وسیع تھا اب بقدر ضرورت ۳۲×۴۴ فٹ رکھ کر ۶ فٹ-۹ انچ اونچی دیوار اُٹھا دی ہے۔ مسجد تین در کی ہے۔ محراب کی اونچان ۵ فٹ ۱ انچ اور چوڑان ۸ فٹ-۴ انچ۔ بلندی مسجد کی ۲۵ فٹ-۴ انچ اور پر چڑھنے کی زینے کی ۱۹ سیڑھیاں ہیں والان اکہرا ۴۶ فٹ × ۱۲ فٹ-۴ انچ ہے۔ بیچ کے در پر گنبد ہے اور ادھر اُدھر قلمدان نما لداوی چھت۔ ممبر تین سیڑھیوں کا ہے۔ سنگ سرخ کے نیل پایہ بنا ہوا ہے۔ مسجد کے سامنے چوڑا چھجہ تھا چھجہ تو گر گیا توڑے باقی ہیں۔ فرش والان اور صحن مسجد میں گچ کا ہے۔ چاروں کونوں پر چار برجیاں اور درمیانی محراب کے دو طرفہ ایک ایک برجی۔ شمال میں ایک چھوٹا سا دروازہ ہے اُس کے سامنے کنواں مسجد کے رو کار پر بہت سے چھوٹے چھوٹے طاق بنے ہوئے ہیں۔ آیات قرآنی کے کتبے تو بہت تھے لیکن نا اہلوں کے پنجے میں پڑنے سے سفیدی اور زردی کی لیپ لیپا کے سبب غارت کر دیئے اُن میں تمام سفیدی بھری کہ الفاظ کی تمیز نہیں ہو سکتی۔ چھت کا پلاستر جا بجا سے جھڑ گیا ہے۔ داہنی طرف کی سنگ سرخ کی چھوٹی محراب پر کلمہ اور درود شریف۔ بائیں طرف کی چھوٹی محراب پر بسم اللہ۔ پوری قل ھو اللہ

اور سبحان اللہ۔ جنوبی قلمدان نما در میں اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء تا بیدک الخیر
دوسری طرف کلمہ اور کوئی آیت ہے جو صاف نہیں پڑھی جاتی غالباً اقرا ہے۔ گنبد کے دائرے
میں اسمائے حسنیٰ۔ شمال کی طرف۔ بسم اللہ۔ الحامد۔ المجیب۔ العالم۔ العادل۔
الظاہر۔ الباطن۔ الحفیظ۔ الحلیم۔ لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر۔
دوسری سطر۔ بسم اللہ۔ الملک۔ القدوس۔ السلام۔ المومن۔ العزیز۔
الجبار۔ المتکبر۔ تیسری سطر۔ قل ھو اللہ۔ کلمہ۔ چوتھی سطر۔ بسم اللہ۔ قل اعوذ
برب الفلق۔ چھوٹی محراب پر (۱) بسم اللہ۔ الحمد للہ الذی خلق السموات
والارض۔ الخ (۲) اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء تا بیدک الخیر۔

دروازہ فصیل

عالی شان صدر دروازہ مشرق میں موضع شاہ پور کی طرف ہے۔ جس کا ردکار سنگ سرخ کا ہے ۳۰ فٹ بلند۔ ۲۰ فٹ چوڑا۔
بغلی میں دو طرفہ سہ دری۔ باہر نکلئے تو ایک اور مسجد ہے۔

نیلی مسجد

سہ دری۔ دالان ۴۴ فٹ ۱۲ فٹ ۳ انچ۔ محراب ۲۰ فٹ ۲ انچ اونچی۔ ۸ فٹ چوڑی بیچ کی محراب کے اوپر سنگ مرمر کی سلیں لگی ہیں پر بہت ہی خط نسخ کا خوشخط کتبہ لگا ہوا ہے۔ بس یہی ایک چیز اس مسجد میں دیکھنے کی ہے ورنہ یہ مسجد اب مویشیوں کا کوٹھا ہے کہ دالان اور صحن سب گوبر سے ایسا بھرا ہوا ہے کہ قدم دھرنا بھی مشکل ہے۔ کتبہ کچھ ایسا پٹا ہوا ہے کہ دو دن کی کوشش میں بھی پورا نہیں پڑھا گیا مگر جتنا پڑھ لیا گیا ہے اس سے بانی کا نام اور سال بنا تو نکل آیا یہی غنیمت ہے۔

کتبہ پنج سطری۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ بنی ھذا المسجد المتین در عہد سلطان
السلاطین ظل اللہ فی الارضین × المتوکل علی الرحمن سکندر شاہ بن بہلول شاہ
خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واظہر کل... برہانہ اجمل... شہر دار خان اعظم مسند عالی
خواصخان دام عالیا بانیہ عمارۃ الملک نور تو حنفیہ... الذی رحمۃ اللہ الملک المنان
... خانزادہ اعظم و مکرم میاں تخت خان بن خواصخان الثانی من شہر ماہ
ربیع الاول سنہ احدی عشر وتسعمائۃ ... ایدیہ ابداً
عبادۃ... علی اہل الایمان بانیہ... ثم ایت تخت خان... کاتب
حروف... لال محمد۔

عیدگاہ آٹھ میل چھ فرلانگ پر قطب روڈ کی بائیں طرف۔ طول و عرض ۱۹۰×۳۷ بلندی دیوار (۲۰) پانچ پانچ دیوار دوز محرابیں ادھر اُدھر بیچ میں صدر محراب اسی کے پاس (۱۳) سیڑھیوں کا زینہ۔ کنگورے دار دیوار۔ دونوں سروں پر دو ہشت پہل برجیاں جن کا قطر (۷) ہی۔ دیوار بھی مخدوش حالت میں ہی اور برجیاں تو کھنڈ گئیں مگر ابھی قبہ قایم ہی۔ بائیں ہاتھ کی طرف کی برجی کے پاس سنگ سرخ کی سل پر ایک ہفت سطری کتبہ ہی۔ جو کسی طرح پڑھا نہیں جاتا اول تو کچھ پیچ دوسرے لونی لگ کر حروف سندرس کا ئی جم کر حروف کی اصلی صورت باقی نہیں رہی اور سب سے بڑھ کر اناڑیوں نے چربے اُتار اُتار کول ٹار اور سفیدی لگا لگا کر اور غارت کیا۔ افسوس ہی کہ ہماری کئی دن کی کوشش بیکار گئی۔ دھلوایا صاف کرایا سیڑھی لگا کر چڑھے مگر نہ پڑھا جانا تھا نہ پڑھا گیا مجھ سے جو پڑھا گیا وہ لکھتے ہوے بھی شرم آتی ہی کہ اگر چیدہ چیدہ لفظ نکال لیے تو اُس کا شمار پڑھے جانے میں نہیں ہی۔

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم چون قبل الاسلام ... دار الملک دھلی وبلاد الملک انہ شہر مغل ملا عید وبہادر الکفر۔

(۲) سلطنت غوری .... الی داد مسلمین و اسید المساجد و المقلد... خیرات

(۳) .... درگاہ بانی اقبال خاں عرف ....

(۴) .... السلطان واقبال مسند عالی الملک فی ....

(۵) -

(۶) .... خاص بنا فرمودہ تا ... مسلمانان لفضل او۔

(۷) ....

اب اس عیدگاہ کی یہ گت بنی ہی کہ سارا چبوترا جوت ڈالا بس جلا کہ دیوار کو بھی کھود کر پھینک دیتے عیدگاہ کے چبوترے کے سامنے دو رو سڑک کے لیے کنکر نکال کر کنکر کی کان بنا دیا ہی۔ کتبے میں جو اقبال خاں کا نام ہی اُس کا عرف ملو خاں پٹھان تھا جو سنہ ۸۰۲ھ میں فیروز آباد پر قابض ہو گیا تھا اس حساب سے یہ عیدگاہ سنہ مذکور کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہی۔

عیدگاہ کے پیچھے کی دو عمارتیں

(۱) اس گری پڑی جگہ کو مکان سمجھ لو یا کوئی قناتی مسجد۔ مگر عیدگاہ کے اتنے

پاس مسجد کے بنانے کا کوئی موقع نہیں شاید کوئی بڑا محل ہوگا۔ اس کی چھپت کی دیوار ۹۶ فٹ لمبی چلی گئی ہی جو بیچ میں سے گر بھی پڑی ہی۔ یہ مستطیل عمارت ہی ایک سرے پر ایک حجرہ اور زینہ موجود ہی دوسری طرف کی صرف ایک محراب کھڑی رہ گئی ہی اور بس۔

(۲) اوپر والی عمارت کی سیدھ میں ایک ۱۲ فٹ مربع گنبد ہی جس کے اندر گچ کی ایک بڑی قبر ہی۔ گنبد سے لگا ہوا ایک طرف کو ایک پختہ چبوترا ۲۶½ فٹ مربع ہی جس پر ایک نیم کا درخت ہی جس کے نیچے تین پختہ قبریں ہیں۔

ایک برج اور قناتی مسجد

(۱) عیدگاہ سے جنوب میں وہیں قریب کے قریب کھیت میں ایک گول ٹوٹا کھڑا ہی اُسے برج کہیئے یا مینار غرض وغایت اس کی کھیت کے بیچوں بیچ بنانے کی زمانۂ حال کی موقعی حالت سے تو کچھ سمجھ میں آتی نہیں۔ اس برج کا دور ۷۰ فٹ ہی جس چبوترے پر کھڑا ہی وہ (۲۷ فٹ) مربع اور ۷½ اونچا ہی۔ اس پر جو برج ہی وہ ۲۷ فٹ اونچا ہی اور ۲۳ سیڑھیاں ہیں۔ اسی کے سامنے ۳۵½ گز کے فصل سے مشرق کی طرف ایک قناتی مسجد ۷۰ فٹ لمبی ہی جس کی دیوار کا بہت سا حصہ گر گیا ہی۔ قرینہ یہ چاہتا ہی کہ اب جو چوطرف کھیت ہیں یہاں آبادی رہی ہوگی اور اس برج کے ساتھ کے اور برج بھی رہے ہوں گے۔

شاہ پور

موضع کھڑیے کے مشرق رویہ صدر دروازے کے سامنے ایک میل کے اندر ہی اندر شاہ پور کا موضع ہی جو فی زماننا شاہ پور جٹ کہلاتا ہی۔ یہ موضع پہلے بہت آباد ہوگا جیسا کہ اُس کی موجودہ ویران اور گری پڑی عمارتوں سے ظاہر ہی۔ شہر سیری کے حصار کے اندر یہ بھی تھا۔ یہاں کی مرتفع فصیل اور شاندار برجوں کے سبب سے جو درحقیقت سیری کی فصیل کے ہیں اس حصے کو شاہ پور کا قلعہ کہا جاتا ہی ورنہ اصل میں کوئی خاص قلعہ یہاں نہیں ہی۔ گاؤں میں داخل ہونے سے پہلے فصیل کا گرا پڑا حصہ اور کئی ٹوٹے پھوٹے اونچے نیچے برج ملتے ہیں۔ بستی کے باہر ہی ایک بڑا بھاری گنبد ہی جسے گاؤں والے تخفے کا گنبد کہتے ہیں مگر غور

سے دیکھا تو یہ گنبد ایک وسیع مسجد کا سنٹرل ڈوم (بیچ کا گنبد) ہے جس کی حالت مخدوش ہونے سے سرکار کی طرف سے اس کی بہت کشادہ محراب میں دو دو فیل پائے بطور اڑواڑ کے لگا دیتے ہیں جس سے گرتا ہوا گنبد تھم گیا۔ مسجد کا یہ درمیانی حصہ اندر سے ۴۴ فٹ اور باہر سے ۴۳ فٹ مربع ہے ہم اس کو مسجد کا درمیانی حصہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کے داہنے بائیں پاکھے کی دیواریں اب تک کھڑی ہیں ان دونوں پاکھوں کا درمیانی فصل (۷۶ فٹ) ہے۔ صحن مسجد کا ۱۳۰ فٹ مربع ہے۔ بیچ کا در جس میں دو تھم لگا دیئے ہیں ۲۲ فٹ چوڑا ہے نیچے تو مربع ہے مگر اوپر جا کر گنبد ہشت پہل ہو گیا ہے۔ جنوب کی طرف اوپر جانے کا زینہ تھا ادھر کی چھل گر جانے سے اب اوپر جانے کا رستہ نہ رہا۔ بستی میں گھستے ہی ایک بہت لمبی اور اونچی دیوار کھڑی ہے جو استداد زمانے سے کالی پڑ گئی ہے کسی عالی شان محل کی پچھیت کی دیوار معلوم دیتی ہے۔ اس طرح کے گرے پڑے بہت سے مکان اس بستی میں ہیں۔ بستی کے اندر ایک قدیم عمارت **بارہ دری** کی ہے جو اب کھنڈر ہے اس کے باقی ماندہ حصے میں جاٹ وغیرہ غلیظ لوگ رہتے ہیں۔ **تھانے والا گنبد** اس کا اصلی نام کچھ اور ہو گا اب کچھ دنوں تھانہ رہنے سے یہ نام پڑ گیا۔ بیچ میں ایک چپٹا گنبد ہے دونوں طرف در اور ایک ایک حجرہ ہے۔ جس کا طول و عرض ۴۳ فٹ × ۳۸ ہے محراب کی چوڑان ۱۱½ فٹ۔ بلندی عمارت کی ۱۳½ فٹ اس کے گرد ایک خام مگر وسیع احاطہ کھینچ لیا ہے اور جاٹ لوگ رہتے اور اپنے مویشی باندھتے ہیں۔ اسی گنبد کے پچھواڑے سیری کی فصیل کا ایک بہت بڑا گول برج ہے جس کی منڈیر کنگورے دار ہے۔ برج اچھی حالت میں ہے مگر اوپر چڑھنے کا رستہ نہیں۔ اس برج کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیری کی فصیل معمولی فصیل نہ تھی بلکہ بڑے استحکام سے مناسب فصل سے عالیشان برج بنا کر بنائی گئی تھی۔ بستی کے باہر بجانب مغرب کھر پڑے کی عید گاہ کے مشرق جانب ایک شکستہ مسجد ۱۹×۴۲ فٹ ہے چھت تو گر گئی صرف مغرب کی طرف کی دیوار ۱۰½ فٹ اونچی کھڑی ہے۔ گاؤں کے لوگ اس کے چبوترے پر گُٹّی کاٹا کرتے ہیں۔

چوکھنڈی اور مسجد حضرت مخدوم سبزواری

اسی موضع کی حدود میں واقع ہے چوکھنڈی کے ساتھ ایک پنج دری مسجد ہے جس کا دالان ۵۸×۱۱ فٹ ہے۔ محراب ۱۲½ فٹ اونچی گیارہ فیٹ چوڑی ہے۔ شمال جنوب میں بھی دو دو در ہیں ستون

۹ انچ۔ ۳ فٹ اونچے۔ چوڑان ۲ فٹ ۹ انچ۔ بیٹھک ایک فٹ اونچی۔ یہ بغلی دالان ۷ فٹ ۲۳×۱۱ ہیں جن میں
دو دو حجرے ۷ فٹ مربع بھی بعد میں بڑھا گئے ہیں ایک مسجد کے رد کار پر چوڑا توڑے دار چھجہ ہے
منبر اور اندر کا فرش باقی نہیں۔ مسجد کے دالان کے بیچ میں ایک بڑا گنبد ہے اور ادھر اُدھر
ایک چھوٹا۔ کلس گر گیا ہے۔ بغلی دالانوں کے دو دو حجروں میں سے آخیر کے مشرقی حجرے میں
سنگ سرخ کی جالیاں بھی لگی ہوئی ہیں اس طرح کی جالیاں بطور جواب اُس کے مقابل
کے حجرے میں بھی ہوں گی لیکن اب نہیں ہیں۔ بیچ کی محراب پر جو مغرب کی طرف ہے
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین اور اس کے لہ ما فی السموات
والارض اور کچھ آیت ہے جو برابر پڑھی نہیں جاتی۔ مشرق کی طرف آیۃ الکرسی ہے باہر کے سب
دروں پر دو طرفہ بیل کے اندر اللہ اللہ لکھا ہوا ہے۔ صحن مسجد ۵۸×۴۳ فٹ ہے۔ فرش باقی
نہیں رہا۔ مسجد کے صحن سے ملی ہوئی مشرق کی طرف چوکھنڈی ہے۔ جس کا چبوترا ۲۹ فٹ مربع
اور ایک فٹ اونچا ہے۔ اصل چوکھنڈی ۱۷ فٹ ۱/۲ مربع ہے جس کے بیچ میں ۱۰ فٹ ۱/۲ مربع۔ ۹ انچ
اونچے چبوترے پر ایک شکستہ قبر ہے۔ ۷ فٹ ۱/۲ × ۳ فٹ ۹ انچ۔ ۲ فٹ ۱/۲ اونچی۔ چاروں طرف کے
ملا کر بارہ در سنگ خارہ کے ہیں۔ بیچ کے در کی چکلان ۵ فٹ ۴ انچ ہے اور بغلی دروں کی
چوڑان ۳ فٹ ۹ انچ۔ بلندی دروں کی ۸ فٹ ۹ انچ۔ گرد چوڑا سنگین چھجہ ہے۔ اندر سے چوکھنڈی
ہشت پہل ہے۔ چاروں طرف دروں میں سنگ سرخ کی جالیاں تھیں جن میں سے
اب صرف شمال کی طرف ایک ہی جالی باقی رہ گئی ہے۔ چوکھنڈی کے اندر تمام
رنگین کام بہت کاریگری سے کیا تھا جس کا کچھ حصہ باقی ہے اور گنبد کے قعر میں اب
بھی کثرت سے گلکاری کا حصہ باقی ہے۔ گنبد کی چھت میں چھ حلقے بنا کر گیروی
زمین پر سفید حروف کے یہ کتبے ہیں جو جا بجا سے جھڑ گئے ہیں۔

(۱) بسم اللہ اور یٰسین شریف آخر میں وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔

(۲) اللھم ادخل فی الجنۃ . . . .

(۳) پھول۔ (۴) سورۂ الرحمن جس میں صرف سبز نخ کی بیغیان باقی ہے۔

(۵) آیۃ الکرسی۔ (۶) سب سے نیچے چوکھنڈی کے گرد نیلی رنگ سے بہت خوش خط
بخط نسخ کچھ اشعار کندہ تھے جو سب رنگ اُڑ جانے سے ماند پڑ گئے۔ پڑھے
نہیں جاتے۔ صرف مغرب کی طرف ایک مصرعہ ہے " نقش بند اور بدست سجدہ گاہے از قمر

اور جنوب کی طرف صرف ایک لفظ "رقیب" پڑھا جاتا ہے اور کچھ نہیں۔ خط بے نظیر ہے۔

بیگم پور کی عمارتیں

کھڑکی سے میل بھر قطب روڈ کے بائیں طرف مگر سڑک سے ہٹا ہوا یہ گاؤں ہے اس میں کئی عمارتیں قابل الذکر ہیں۔

ہردم خیالی کی درگاہ

گاؤں کے لوگ اسے کوٹ اور بعض صرف مقام اور چند لوگ ہردم خیالی کی درگاہ کہتے ہیں غرض جتنے منہ اُتنی باتیں۔ ہردم خیالی محض خیالی نام ہے یا اس کی کچھ اصلیت بھی ہے ہمیں خبر نہیں۔ ایک اونچے ٹیلے پر گاؤں کے باہر ایک بہت بڑا ہال تین در اور تین گنبدوں کا بہت مستحکم سفید قسم کے سنگ خارا کا بنا ہوا ہے جو اندر سے ۴۷×۳۷ فٹ ہے اور دو رخہ ہے یعنی سامنے تین در اور پچھیت میں بھی تین در ہال کی دونوں طرف ایک ایک بغلی حجرہ (۱۱) مربع۔ باہر سے اس ہال کی لمبان ۵۳ ہے اور بھی حجروں کا سلسلہ تھا جو گر گرا گئے پچھیت کی دیوار سے کل عمارت کی لمبان ۲۰۰ فٹ ہے۔ سامنے ایک وسیع چورس اور پختہ صحن ہے جس پر کئی پکی قبریں ہیں اور پیلو کے درخت ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مکان لنگر خانے کا ہے پہلے یہاں تنور گڑے ہوئے تھے لیکن اب تو گاؤں کے مویشی بندھتے ہیں۔ غرض یہ ہال ہے بہت اچھا اور دیکھنے کے قابل ہے۔

بیگم پور کی مسجد

۸۷ ۸۹ھ ۱۴۸۷ء

بیگم پور کے گاؤں میں گھستے ہی بجی منڈل کے پاس خان جہاں نے ۸۹ ۸۷ھ ۱۳۸۷ء میں یہ عالی شان اور بے نظیر نہایت وسیع مسجد بنوائی تھی جس کی وضع طرح بھی دلّی کی کلاں مسجد اور کھڑکی کی مسجد کی سی ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ یہ ایک منزلہ ہے جو ایک وسیع چبوترے پر بنائی گئی ہے۔ یہ مسجد بھی پتھر چونے سے پختہ بنی ہوئی ہے اور عہد فیروز شاہی کے دوسری مسجدوں کی طرح امتداد زمانے سے بالکل کالی پڑ گئی ہے۔ اس کی شکل مستطیل ہے۔ شمال سے جنوب کو (۳۰۷ فٹ) اور مشرق سے مغرب کو (۲۹۵ فٹ) ہے اور چبوترا ملا کر (۱۳ فٹ) اونچی ہے۔ اس کے تین دروازے مشرق شمال اور جنوب میں ہیں۔ صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے جس کے تین طرف پندرہ پندرہ سیڑھیاں ہیں۔ باقی دو دروازوں کی طرف کی سیڑھیاں یا تو مٹی میں دب گئیں

یا لوٹ پھوٹ گئیں۔ مشرقی اور جنوبی دروازے جو دیوار کے بیچ میں ہیں مسجد کی دیوار سے دس فٹ آگے بڑھے ہوئے ہیں اور مشرقی رُخ کا دروازہ جو جو صدر دروازہ ہے مشرقی دیوار سے (۳۰) فٹ کے فصل سے ہے۔ جس میں سے ایک رستہ اندروار کو ہے اور دو باہر وار کو۔ مسجد کی چار دیواری کے باہر بازو کے دروازوں میں ایک ایک کمرہ (۲۲ فٹ) مربع ہے اور چار دیواری کے اندر ایک اور کمرہ (۲۵ فٹ) مربع ہے۔ مشرقی دروازے کی طرف کا بیرونی کمرہ (۲۵ فٹ) مربع ہے اور اندرونی کمرہ مستطیل (۲۵ فٹ) لمبا (۱۲ فٹ) چوڑا ہے۔ مسجد میں سنگ سرخ کا فرش ہے۔ صحن مسجد طول میں شمال سے جنوب کو (۲۴۷ فٹ) ہے اور مشرق سے مغرب کو چوڑان میں (۲۲۳ فٹ) ہے۔ صحن کے اطراف محراب دار کوٹھریاں (۱۲ فٹ) اونچی ہیں۔ مشرق شمال اور جنوب رُخ کی کوٹھریاں ۱۲½ فٹ چوڑی ہیں۔ باقی کی چوڑان مختلف طور پر (۶ فٹ) سے (۱۲ فٹ) تک ہے۔ دروازوں کے دونوں جانب سات سات حجرے ہیں۔ مغربی رُخ کے حجرے تہرے ہیں اور محراب درمیانی کے دونوں جانب بھی سات سات حجرے ہیں اس طرح صحن کے ہر سہ جانب کے حجرے بہ شمول دروازوں کے حجروں کے سب ملا کر (۵۴) ہیں۔ مغربی دیوار میں بلند محرابیں ہیں اصل مسجد بیچ کے حصے میں ہے جو (۳۰ فٹ) مربع ہے۔ مسجد کی چھت پر (۴۶) گنبد ہیں جن میں سے بڑے گنبد (۹ فٹ) اونچے ہیں اور ان کی وضع کھڑکی کی مسجد کی سی ہے۔ یہ مسجد جیسی کچھ بھاری بھرکم چوڑی چکلی مستحکم اور عالی شان تھی اور اپنی عظمت و شان کے لحاظ سے جس قدر مستحق قدر تھی اُتنی ہی خراب اور عجلی حالت میں ہے۔ بیگم پور کا سارے کا سارا گاؤں جاٹوں کا مع اُن کے مویشیوں کے اسی میں بستا ہے اس وجہ سے سچ پوچھو تو اس کو اب مسجد کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ سنا ہے بڑی مقدمے بازی کے بعد صرف مغرب جانب کا درمیانی درہ مسلمانوں کو نماز پڑھنے کو مل گیا ہے جو ۲۳ فٹ ۔ ۳۳ فٹ مربع ہے۔ اسی میں سنگ موسیٰ کی دہلیز کا پیش طاق ہے کتبہ کوئی نہیں ہے۔ فرش سنگ خارا کی سلوں کا ہے۔ اس حصے کی محراب ۲۸ فٹ چوڑی ہے اس پر سے اس مسجد کے پھیلاؤ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ چوں کہ یہ حصہ بھی بود و باش کے کام میں تھا گنبد کا سارا کتبہ اندر سے کالا ہو گیا ہے۔ اوپر جانے کا زینہ تین سیڑھیوں کا ہے۔ افسوس لارڈ کرزن کو خبر نہ ہوئی ورنہ اس مسجد کے نصب بلا مقدمہ بازی

سنہ ۱۵ اب فرش ورش کچھ نہیں رہا ۔ ۱۲

کے منٹوں میں جاگ جاتے۔ اب کوئی امید نہیں کہ یہ مسجد کبھی اس مصیبت سے نجات پاسکے گی۔

مقبرہ شیخ فرید بخاری
۱۰۲۵ھ ۱۶۱۵ء

بیگم پور[1] کی مسجد سے بجانب شرق آدھ میل کے اندر ہی اندر یہ مقبرہ شیخ فریدالدین ابن سید احمد بخاری کا ہے۔ جہانگیر کی سلطنت میں آپ مرتضیٰ خاں کے نام سے مشہور تھے جن کا ذکر ہم سلیم گڈھ کے بیان میں کر آئے ہیں۔ مسٹر بلاکمین نے آئین اکبری میں آپ کی پوری تفصیل لکھی ہے۔ آپ اوائل عمر میں اکبرشاہ کی ملازمت میں بعہدۂ میر بخشی سرفراز ہوئے۔ اکبر کی وفات کے بعد شیخ صاحب جہانگیر کے جان نثاروں میں رہے۔ آپ ہی نے شاہزادہ خسرو کو دریائے بیاس کے کنارے شکست دی اور اسی کے صلے میں آپ کو خطاب مرتضیٰ خاں کا ملا اور گجرات کے صوبہ دار مقرر ہوئے اس کے بعد آپ پنجاب کے صوبہ دار رہے۔ آپ نے پاک پٹن شریف میں ۱۱ جلوس جہانگیری ۱۰۲۵ھ ۱۶۱۵ء میں انتقال فرمایا اور بیگم پور میں مدفون ہوئے۔ غالباً قبر پر کوئی مقبرہ رہا ہوگا مگر اب تو قبر زیر سماہی گرد و پیش کی ساری عمارتیں شکستہ حالت میں ہیں دو وسیع احاطے قبروں اور شکستہ مکانوں سے پٹے پڑے ہیں گھٹنوں گھٹنوں برابر جنگلی گھاس اور جھاڑی ہے کہ قدم دھرنا دشوار ہے۔ قبر کے اطراف آہنی جنگلا غالباً محکمۂ آثار قدیمہ کی طرف سے لگا دیا گیا ہے حضرت شیخ صاحب کی قبر سنگ مرمر کی ہے ۷ فٹ ۳ انچ ۔ ۳ فٹ۔ قبر کے سرہانے ایک بہت عمدہ لمبی لوح ۷ فٹ ۳ انچ × ۱ فٹ ۵ انچ کھڑی ہوئی ہے جس پر نہایت خوشخط نستعلیق کا واضح اور روشن پندرہ سطر کا یہ کتبہ ہے:-

یا اللہ

سبحان الملک الحی (الذی) لا یموت ولا یفوت + در زمان دولت حضرت عرش آشیانی جلال الدین اکبر بادشاہ + غازی شیخ فرید الدین ابن سید احمد بخاری بعنایات آنحضرت ممتاز بود و در + عہد عدالت نورالدین جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ بخطاب مرتضیٰ خاں سرفراز گردید بتاریخ ۹ شہر جلوس مطابق ۱۰۲۵ھ +

---

[1] گو یہ مقبرہ بیگم پور کے قریب ہو لیکن دراصل یہ حدود میں سوضع شیخ سرائے کے جو روشن چراغ دہلی کے پاس ہے اور یہاں سے بھی بالکل قریب ہے۔ ۱۲

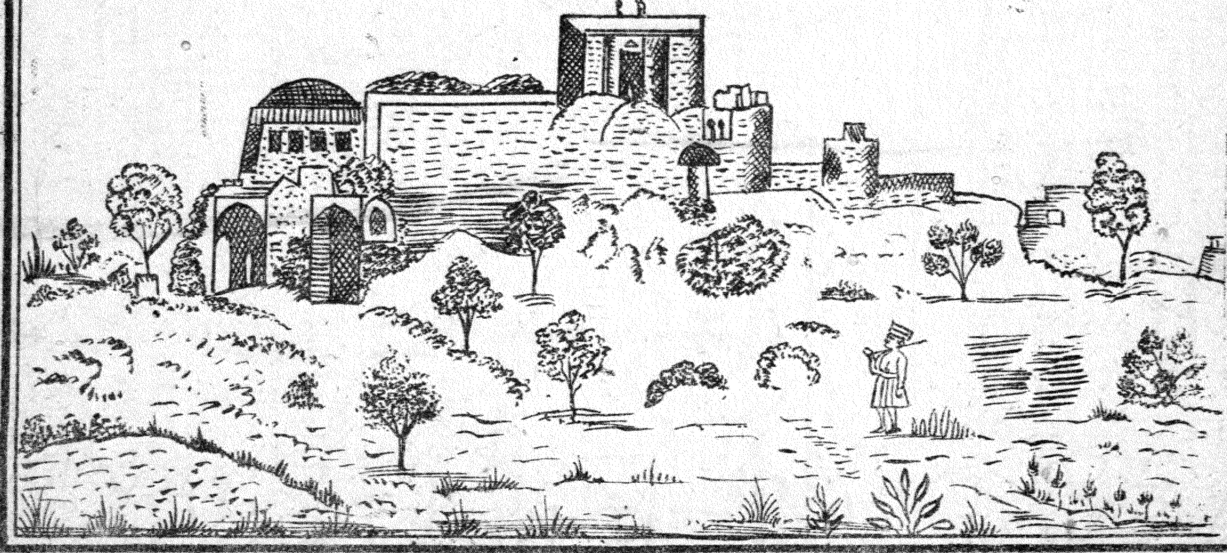
ہجری برحمت الٰہی پیوست۔

مرتضیٰ خاں چو بحق واصل شد گشت اقلیم بقا مفتوحش
بہر تاریخ ملائک گفتند باد پر نور الٰہی روحش

جس پختہ اور بلند احاطے میں شیخ صاحب کی قبر ہی وہیں ایک سہ دری بطور خانقاہ کے اور ایک قناتی مسجد ہی۔ زبانی روایت یہ مشہور ہی کہ لوح مزار کا پتھر اچھا اور خوب صورت دیکھ کر کوئی جاٹ اُکھاڑ لے گیا تھا جسے اُس نے اپنی حویلی میں لگانا چاہا۔ رات کو دست لگ گئے جان بلب ہوگیا صبح ہی پتھر جوں کا توں لاکر نصب کر دیا۔ گو اس بات کو نئی روشنی والے نہ مانیں مگر بزرگان دین کی شان میں بے ادبی کرنے والوں کو زک پہنچنے کے کئی واقعے میری چشم دید ہیں یہیں دتی کی دتی میں بھی ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہی کہ کسی انگریز سینڈرسن نامی نے قطب صاحب کی لاٹ کے نیچے کچھ قبریں اکھڑوا کر میدان صاف کروا دیا تھا وہ بھی دفعتہً رات کو بیمار ہوگیا صبح ہی اُس نے اُس قبر کو جوں کا توں درست کرا دیا چنانچہ اب تک بھی لاٹ کے پاس وہ قبر موجود ہی۔

بنگلہ اور چھوٹی بارہ دری مقبرے کے احاطے سے ملا ہوا ایک دوسرا پختہ اور وسیع احاطہ ہی اس میں ایک بڑا مکان تھا جو بنگلے کے نام سے مشہور ہی اب اس عمارت میں کا سامنے رخ کا ایک لداوی سہ درہ باقی ہی اور دوسری جانب بارہ دری کے صرف تین در کھڑے ہیں جو حالت موجودہ کے لحاظ سے چھوٹی بارہ دری کہلاتی ہی۔

بارہ کھمبا اور بجبنی کوٹھی حضرت شیخ فرید بخاری کے مقبرے کے پاس سے چراغ موضع شاہ جی کی سرائے میں ایک بہت وسیع اور پختہ ۸۲×۶۰ احاطے کے اندر علاوہ قبرستان کے ایک نہایت پختہ اور وسیع لداوی عمارت بارہ کھمبہ کی ہی جو ۳۴ فٹ مربع ہی اب اس میں گاؤں کے ڈھور ڈنگر رہتے ہیں ایسا عمدہ کٹیل شڈ کہاں ملے گا۔ اس وسیع احاطے کے بیچوں بیچ ۴۸×۲۲ فٹ کے ایک پست احاطے کے اندر گچ کی پانچ قبریں ہیں۔ اس کے گرد بڑے احاطے کی دیواروں میں شمال جنوب میں سات سات اور مشرق مغرب میں پانچ پانچ اس طرح چوبیس کوٹھریاں بنی ہوئی ہیں مغرب کی طرف صدر دروازہ اور پچھیں چودہ سیڑھیوں



بدیع منزل عرف بجے منڈل

کا زینہ ہے جس پر سے ہم بارہ کھمبے کی چھت پر پہنچتے ہیں یہیں ایک دو منزلہ سہ دری ہے جس کے دو دلدادئی گنبد ہیں اور ۱۲×۲۲ فٹ کا دالان ہے۔ پھر پچیس سیڑھیاں چڑھ کر سہ دری کی دوسری منزل پر پہنچتے ہیں جس کی چھت گر گئی ہے دو منزلہ کمرہ ۱۲فٹ مربع ہے اور کل بلندی اس عمارت کی ۸۶ فٹ ہے یہاں جنوب کی طرف دیوار میں ایک چھوٹا طاق ہے جس کی سطح میں سنگ سرخ کی ایک سل ہے اُسے بجاؤ تو کھن کھن کرتی ہے اسی وجہ سے یہ بجنی کوٹھی کہلاتی ہے۔ گنواروں کو لبھانے کا یہ اچھا نسخہ ہے ورنہ دراصل کچھہ بات نہیں سل کے نیچے خلا رکھا گیا ہے جس کے لیئے ویبریشن (گونج) ضرور ہے یہی صنعت فتح پور سیکری کی حضرت سلیم چشتی کی مسجد کے ایک ستون میں رکھی گئی ہے چونکہ وہ بہت بڑی عمارت ہے اس کی بہ نسبت اُس میں گونج بھی زیادہ ہے۔ گنوار لوگ اسے بھی ایک معجزہ اور کرامت سمجھتے ہیں۔

بجے منڈل یا بیڑی منزل یا بدیع منزل ۷۵۵ھ ۱۳۵۴ء

ازروے یار خرگہی ایواں ہمی بنیم تہی
وزقدآں سروسہی خالی ہمی بنیم چمن
جاے کہ بود آں دلستاں با دوستاں در بوستاں
شد گرگ و روبہ را مکاں ہم بوم و کرگس را وطن
برجاے رطل و جام مے گوراں نہادستند پے
برجاے جنگ و نائے و نے آواز زاغ ست و زغن

کالو سراے اور بیگم پور کے درمیان یہ ایک مکان ہے قطب صاحب کے رستے میں بائیں طرف نہایت رفیع و دلچسپ و دلکشا فیروز شاہ کا بنایا ہوا اور اس کو جہاں نما بھی کہتے ہیں اور بدیع منزل بھی مشہور ہے عوام الناس اسے بجے منڈل یا بیڑی منڈل کہتے ہیں۔ کتب تواریخ کی رو سے یہ مکان اُسی زمانہ میں بنا ہے جس زمانے میں فیروز شاہ[۱] نے فیروز آباد بسایا تھا یعنی ۷۵۵ھ۔ بس اس کی تعمیر بیش ازیں نسبت کہ چند سال بعد ہوئی ہوگی۔ جنرل کننگھم صاحب کا یہ خیال کہ اس نام کی عمارت تغلق آباد میں تھی صحیح نہیں ہے۔ شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی مصنف اخبار الاخیار جو عہد اکبری و جہانگیری میں ایک مشہور

[۱] اخبارالاخیار میں اس عمارت کو سلطان محمد عادل تغلق شاہ درسنہ ۷۵۲ھ کے وقت کا لکھا ہے۔ ۱۲

بزرگ صاحب تقویٰ تھے اور جن کی وفات ۱۰۵۲ھ (۱۶۴۲ء) میں ہوئی ہے واس عمارت کو جہاں پناہ کا ایک برج بتلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سکندر لودھی کے زمان سلطنت میں شیخ حسین طاہر نامی ایک بزرگ دہلی تشریف لائے تھے وہ بحکم شاہی اسی محل میں ٹھیرائے گئے تھے اُن کا انتقال ۹۰۹ھ (۱۵۰۴ء) میں ہوا اور اسی مکان کے باہر دفن کیے گئے چنانچہ اس جگہ اور قبور بھی اُن کے اعزہ اقربا کے ہیں۔ یہ مکان ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے جو سنگ بست اور سطح زمین سے (۴۳ فٹ) بلند ہے جس پر جانے کی سیڑھیاں ہیں۔ سیڑھیاں اور ٹیلے کے ہر دو جانب کی بندش اب امتداد زمانہ سے بہت خراب ہوگئی ہے۔ یہ ایک مثمن شکل کا کمرہ ہے جس کی چھت گر پڑی ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ اس مکان کی قطع بھی عجیب ہے کہ ایک بلند برج پر چار دروازوں کا ایک کمرہ بنایا ہے اور اُس کی دیواروں میں سے اوپر جانے کا زینہ رکھا ہے اور اُس کے اوپر اگلے زمانے میں بہت خوش نما بارہ دری تھی جو اب ٹوٹ ٹاٹ گئی ہے مگر اوپر چڑھ کر دیکھنے سے اُس کی علامات معلوم ہوتی ہیں۔ ایسے مکانات عرض لشکر کو بنائے جاتے ہیں اور یہ مکان بھی اغلب ہے کہ اسی غرض سے بنایا گیا ہوگا۔ یعنی بادشاہ سلامت فوج کا ملاحظہ فرماتے تھے اور دیگر تقاریب میں بھی جلوس ملاحظے سے گزرتا تھا۔ جس کمرے کا ذکر اوپر آیا ہے وہ سنگ بست اور پختہ بنا ہوا ہے جس کے چاروں کونوں پر سنگ سرخ لگا ہوا ہے۔ یہ کمرہ (۳۸ فٹ) مربع اور ۲۰ فٹ مرتفع ہے۔ دیواریں نیچے پھیلی ہوئی اور اوپر جا کر سکڑی ہوگئی ہیں چنانچہ بیس فیٹ میں چار فیٹ چوڑان بڑھ گئی ہے۔ اس محل کے قریب ہی ایک گنبد دار دالان بھی ہے جو (۵۰ فٹ) مربع اور (۳۷ فٹ) بلند ہے۔ یہ بھی پختہ اور اچھی حالت میں ہے قبرستان کے پاس ایک مسجد بھی ہے۔ کُل مقام پر ویرانی برستی ہے اور اسی کے پاس بیگم پور کا گاؤں بھی ہے کہتے ہیں کہ فیروز شاہ نے ایک سرنگ بنائی تھی جو قلعۂ فیروز آباد سے اس مکان کے نیچے نیچے ہوتی ہوئی حوض خاص تک چلی گئی تھی۔ اس میں تین کوس کا فصل ہے۔ یہ مکان بہت شکستہ حالت میں تھا۔ لیکن محکمۂ آثار قدیمہ سے خاطر خواہ مرمت کرادی گئی ہے۔ اس کی وضع قطع اور ہیئت کذائی نقشے کے ملاحظے سے ظاہر ہوگی۔

بجے منڈل کے دامن میں ایک گنبد

بجے منڈل کے ٹیلے کے نیچے بجانب مغرب ایک بہت پرانا

مگر بڑا بھاری گنبد اندر سے ۳۱ پا مربع ہے۔ قبر اور فرش دونوں باقی نہیں ہر طرف دو دو
در ہیں۔ مشرق کی طرف کے در بند کر دیئے گئے ہیں۔ پلاستر اندر باہر سے سب
گر گیا ہے خصوصاً گنبد کا سارا پلاستر جاتا رہا اور سنگ خارا کی سلیں اور پتھر نکل
آئے جن میں برسات کا پانی خاطر خواہ جذب ہوتا ہے اور اگر خبر نہ لی گئی تو عجب نہیں کہ
بہت جلد گر جائے۔ اس کے در آٹھ فیٹ چوڑے ہیں۔ گنبد کے سامنے ایک
گرا پڑا چبوترا ہے جس پر ایک قبر اب تک بھی باقی ہے۔ یہ بھی نامعلوم اور بن پتہ گنبدوں
میں ہے۔

کالو سرائے کی مسجد ۷۸۹ھ

بیگم پور کی مسجد کے پاس ہی کالو سرائے کی بستی ہے جو قطب روڈ سے ایک فرلانگ بائیں طرف ہوگی۔ اس موضع میں بھی خان جہاں فیروز شاہی نے ایک اور مسجد بنوائی۔ اتنے
قریب قریب مسجدیں بنوانے کی مصلحت کچھ سمجھ میں نہیں آتی ممکن ہے کہ اُس زمانے میں
کالو سرائے کوئی بڑی جگہ رہی ہو اور یہ تو ظاہر ہے کہ زمانۂ حال کی بہ نسبت جب کہ سلطنت
اسلامی عروج پر تھی روزے نماز کا چرچہ زیادہ تھا نماز کی طرف سے اس زمانے جیسی
لاپروائی تو یقیناً نہ تھی۔ بہر حال مسجدیں موقعی ضرورت کے لحاظ سے بنائی گئی تھیں ورنہ
اتنی عقل تو اُن لوگوں میں بھی ہوگی کہ بے ضرورت روپیہ صرف نہ کیا جائے یہ مسجد
بھی چونے اور پتھر سے برجیوں دار بنی ہوئی ہے اور چوں کہ خان جہاں وزیر نے کئی مسجدیں
قریب قریب زمانے میں بنائی ہیں اس واسطے ان کی سال بنا بھی قریباً قریب تصور کیا گیا ہے۔ اس
مسجد کے شمالی اور جنوبی ضلعے منہدم ہو گئے ہیں اور گاؤں کے لوگ اس میں بستے
ہیں مگر ہیں سب مسلمان۔ یہ مسجد بھی ایک مرتفع مقام پر بنی ہوئی ہے جو ہفت دری تھی دو
در گر گئے پانچ رہ گئے ہیں۔ دالان سہ گبے ہیں۔ دروں کی اونچان ۱۰۔۱۰ اور چوڑان
۹۔۳ ہے۔ لمبان اس مسجد کی ۳۳ پا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ اس گاؤں میں کوئی ہندو
نہیں رہتا بیتا بھی مسلمان ہی ہے۔

شیخ ضیاء الدین رومی کا گنبد

آپ کا گنبد قطب روڈ کے کنارے بائیں طرف کالو سرائے کے سامنے ۸ میل ۲ فرلانگ
پر ہے۔ یہ گنبد کچھ بہت بڑا نہیں ہے اندر سے ۲۰ مربع ہے۔ اندر باہر سے پلاستر جھڑ گیا ہے

دروں میں کی جالیاں ٹوٹ گئیں اب پتھروں سے چن دیا ہی۔ بارہ درہ گنبد ہی۔ اندر دو قبریں گچ کی ایک مردانی دوسری زنانی ہ۹ فٹ ۳ ہ۷ فٹ۔ دس انچ اونچے چبوترے پر ہیں گاؤں والے جھاڑو بہارو دیتے رہتے ہیں اور قبروں کی بھی از سر نو مرمت کردی گئی ہی۔ مردانی قبر کے سرہانے دیوار میں پتھر پر یہ کتبہ ہی "شیخ ضیاء الدین رومی در ۷۲۰ہجری نبوی رخت سفر بعالم بقا کشیدند" آپ مشائخ کبار میں سے ہیں شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ ہیں۔ سلطان قطب الدین بن علاء الدین آپ کا معتقد اور مرید تھا کہتے ہیں کہ وصال کے تیسرے دن جب شیخ نظام الدین اولیاء آپ کی زیارت کو تشریف لے گئے تو سلطان قطب الدین وہاں پر حاضر تھا شیخ نظام الدین کو نہ تعظیم دی اور نہ سلام کا جواب دیا۔ حضرت شیخ نظام الدین سے منقول ہی کہ انہوں نے شیخ ضیاء الدین سے سنا تھا کہ ان کا ایک دوست تھا جسے سماع میں حال اور ذوق بہت ہوتا تھا اس کی وفات کے بعد انھوں نے اسے خواب میں دیکھا کہ بہشت میں اسے مقام رفیع ملا ہی مگر مغموم بیٹھا ہی۔ آپ نے اسے ایسے عمدہ مقام ملنے پر مبارک باد دی اور پوچھا کہ اداس کیوں بیٹھے ہو انھوں نے کہا کہ یہ سب کچھ مجھے ملا مگر وہ لذت اور حال جو سماع میں ملتا تھا میسر نہیں۔

اڑھہ چینی یا بی بی نور

قطب روڈ کہ نویں اور دسویں میل کے درمیان بائیں ہاتھ کی طرف یہ گاؤں ہی اور داہنی طرف بی بی نور کی درگاہ۔ اصل نام تو اس موضع کا اڑھہ چینی ہی مگر مسلمانوں نے بستی ہی کا نام بی بی نور رکھ لیا ہی۔ درگاہ کا ایک وسیع احاطہ ہی جس کے اندر درگاہ ہی اور ایک چھوٹا سا گنبد چلے کا ہی۔ سب قبروں پر کتبے لگا دیئے ہیں جس سے بہت آسانی ہوتی ہی احاطے کے اندر خدام کے رہنے کے لیئے ایک شش درہ بھی بنا ہوا ہی احاطے میں نیم کے بہت سے درخت ہیں اور ایک منہدمہ باؤلی بھی ہی۔ قبور کی یہ تفصیل ہی:۔

چلے کے سامنے (۱) حضرت بی بی زلیخا صاحبہ۔ والدہ ماجدہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیا قدس اللہ اسرارہم غرہ جمادی الاخری ۶۴۸ھ سفر آخرت اختیار نمودند۔ آپ کا مختصر حال حضرت کے تذکرے کے ضمن میں آچکا ہی (۲) حضرت بی بی جنت صاحبہ دختر نیک اختر بی بی زلیخا رحمتہ اللہ علیہا۔

(۳) حضرت بی بی زینب صاحبہ دختر نیک اختر حضرت بی بی جنت رحمتہ اللہ علیہا اور

آپ ہی کے برابر آپ کی چار صاحب زادیوں کی قبریں ہیں۔

چلتے کے پیچھے ۔حضرت بی بی حور رحمتہ اللہ علیہا ۔حضرت بی بی نور رحمتہ اللہ علیہا ۔ دختران شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ۔

بی بی فاطمہ سام کا حال

حصۂ دوم کتاب ہذا میں حضرت بی بی فاطمہ سام کے مزار کا ذکر آیا ہے اُس وقت آپ کے حالات میری نظر سے نہیں گزرے اب چونکہ نساء صالحات کا ذکر در پیش ہے یہیں لکھ دیتا ہوں کہ ناظرین اس نیک نہاد بیوی کے حالات سے محروم نہ رہ جائیں " از صالحات و قانتات و عابدات زمانہ بود ذکر او در ملفوظات شیخ نظام الدین و خلفائے ایشاں بسیار است می گویند کہ سلطان المشایخ در روضۂ فاطمہ سام بسیار مشغول بودے ۔ شیخ فرید الدین گنج شکر فرمودے کہ فاطمہ سام مردیست کہ اورا بصورت زناں فرستادہ اند۔ شیخ نظام الدین فرمود کہ شیر از بیشہ بیروں آید کسے نپرسد کہ آں شیر نر است یا مادہ فرزندان آدم را طاعت و تقوی باید خواہ مرد باشد و خواہ زن بعدہ در مناقب بی بی فاطمہ سام غلو فرمود کہ در غایت صلاحیت و کبر سن شدہ بود من اورا دیدہ ام بس عزیز عورتے بود اورا با شیخ فرید الدین و شیخ نجیب الدین متوکل برادر خواندگی و خواہر خواندگی بودہ است۔ بیت ہا بر حسب حال ہر چیزے گفتے ایں دو مصرع من ازو یاد دارم ؎

ہم عشق طلب کنی وہم جان خواہی ہر دو طلبی و لے میسر نشود

ونیز فرمود کہ من از بی بی سام شنیدہ ام کہ می گفت از برائے آں کہ پارۂ نان و کوزہ آب بہ کسے دہند نعمت ہائے دینی و دنیاوی نثار او کنند کہ بصد ہزار روزہ و نماز نتواں یافت و در ملفوظات میر سید محمد گیسو دراز می نویسد کہ روزے در مجلس شیخ نصیر الدین محمود سخن در فضائل بی بی فاطمہ سام بود فرمود فاطمہ سام بعد از موت با شخصے حکایت کرد کہ روزے بر معہود خویش در حضرت رب العزت می رفتم از طور ملکے در گزشتم ناگاہ فرشتہ گفت کیستی بایست چہ باشد کہ نیک بیباک داری گزری و من سوگند خوردم کہ من ہم آں جا نشستہ ام تا خود رب العزت تعالی مرا نہ طلبد بیشتر نروم ساعتے گزشت بی بی خدیجہ و بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما آمدند در پائے ایشاں افتادم گفتند اے فاطمہ امروز ہیچو تو کیست کہ خدائے تعالی بطلب تو ما را فرستادہ است گفتم من کنیزک شمام کدام عزت بالاتر ازاں باشد کہ شما بطلب

من بیائید اما من سوگند خورده ام فرمان شد. فاطمه راست می گوید شما از میدان دور شوید الحق
الحق خاست من از جا جنبیدم بحضرت گفتم خداوند در حضرت تو این چنین بے ادبان
هم باشند که آیندگان حضرت ترا نشناسند این سخن گفت و آہے زد و درمیان گور خود
بنشست. میر محمد سید گیسو دراز کنایت از خود کرده می فرماید کمترین خدمتگاران عرضه می دارد
که چنین گمان دارم که خواجه این حکایت از خدمت محمود می کرد اما برسم قدیم بلفظ غیبت می فرمود
در خیر المجالس می گوید که روزے مولانا حسام الدین بخدمت شیخ نظام الدین آمده بود فرمود
مولانا ے حسام الدین، امروز ابدالے را دیدم عرضه داشت کرد کجا دیدید فرمود بزیارت
بی بی سام رفته بودم نزدیک حظیره حوضے ست یک مرد پیدا شد سبد خیار بر سر کرده کرانه حوض
فرود آورد و خیارها انبار کرد و خود وضوے ساخت که مرا از وضوے او تعجب آمد چون
وضو تمام کرد و برخاست و دو رکعت با راحت تمام نماز گزارد و مرا از ذوق نماز او عجب آمد
بعد ازان میان آب رفت و سه بار سبد بشست بعد ازان یگان یگان خیار می شست و می [illegible]
و در سبد می انداخت تا تمام خیارها همچنین بشست بعد ازان سبد برگرفت و سه بار میان
حوض فرو برد و باز برآورد و در کرانه نهاد تا آب بچکد من از غایت تعجب برخاستم و یک
تنگه سفید در دستار چه من بود باز کردم و پیش او بردم و گفتم خواجه قبول کنید گفت شیخ
مرا معذور دار گفتم خواجه تو برائے دو سه تنگیل چندین بار خیارها گیری و زحمت می بری یک تنگه نقره
خدا تعالی فتوح بتو می رساند چرا نستانی باز گفت معذور دارید گفتم کیفیت بگو چرا نمی ستانی
گفت بنشینید تا بگویم من و آن مرد هر دو نشستیم آغاز کرد پدر من همین کار کردے من خورد
بودم که پدر از سر برفت مادر مرا آن قدر احکام عبادت آموخته بود که پنج وقت نماز
گزاردن می دانم بعد ازاں چون وقت نقل مادر شد مرا نزدیک خود طلبید و گفت درین
چپر گرہے نهاده ام بکش بیار دست به چپر بردم گرہے بیرون آمد پیش مادر نهادم گره
باز کرد و چیزے علیحده کرد و گفت این وجه کفن و غسال و برآوردن گور بود و مقدار بیست
درهم مرا داد و گفت این مایه همه عمر تست. پدر تو ربانات رفتے خیارے و سبزی بستدے
و آن را بفروختے و روزگار بداں گزرانیدے تو نیز خیارے و سبزی بستانی و بفروشی و
جز این وجه هیچ وجه نخوری. چون آن مرد این حکایت تمام کرد دریافتم که آواز ابدال
است از هیچ کس چیزے قبول نکند مگر مزدوری رحمة الله علیه و علی جمیع الصالحین در

سیر الاولیا می گوید کہ بی بی فاطمہ در حوالی قصبہ اندرپت خفتہ است و روضۂ او قبلۂ حاجات خلق گشتہ. تھروے نزدیک دروازۂ نخاس دہلی درخرابہ افتادہ است ہیچ کس نمی داند الا ماشاء اللہ۔ مردم آں را بی بی شام گویند و بعضے عوام الناس بی بی صائمہ گویند ہر دو لفظ غلط است نام ایشاں بی بی فاطمہ سام است (از اخبار الاخیار)

حضرت نجیب الدین متوکل کی درگاہ اور مسجد

بی بی نور کے احاطے سے ملا ہوا ایک اور وسیع احاطہ ہے جس کے اندر ایک اور چھوٹے سے احاطے ۲۴ × ۲۱ کے اندر پانچ قبریں ہیں اور پیلو کا بہت پرانا درخت ہے جس کی جڑ تک امتداد زمانے سے کہنہ ہو گئی ہے سلسلہ قبروں کا بائیں طرف سے یوں ہے اور سب پر کتبے لگے ہوئے ہیں :۔

(۱) حضرت شیخ احمد فرزند شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہم۔
(۲) یا اللہ مزار مبارک حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ۔ وفات ۶۷۱ ہجری
(۳) حضرت شیخ اسمٰعیل صاحب فرزند شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ۔
(۴) حضرت شیخ محمد صاحب فرزند شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہم
(۵) حضرت بی بی فاطمہ دختر شیخ الشیوخ العالم شیخ فریدالدین گنج شکر قدس اللہ العزیز

حضرت نجیب الدین متوکل حضرت فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے برادر اور خلیفہ ہیں۔ آپ بڑے بزرگ اور متوکل تھے۔ دلی شہر میں برابر ستر برس تک رہے۔ آپ کا ظاہری ذریعہ گزر اوقات کا کچھ بھی نہ تھا اور بالکل متوکل تھے باایں ہمہ مع اپنے اہل و عیال کے خوش گزرانی سے بسر اوقات کرتے تھے۔ دنیا اور مافیہا سے اس قدر بے تعلق تھے کہ آپ کو یہ بھی خبر نہ رہتی تھی کہ آج کون سا مہینا ہے اور کون سا دن ہے اور یہ بھی نہ جانتے تھے کہ یہ درم کس مقدار کا ہے۔ درویشوں کی عید کے دن آپ کے گھر میں بہت سے فقیر جمع ہو گئے اتفاق سے اس دن آپ کے پاس کچھ نہ تھا آپ کوٹھے پر چڑھ گئے اور یاد الٰہی میں مصروف ہو گئے اور راز و نیاز ہونے لگے۔ دل میں خطرہ گزرا کہ سبحان اللہ کیسی عید ہے کہ بال بچے بھوکے ہیں اور جو مسافر آئیں وہ بھی ترستے چلے جائیں۔ معاً دیکھتے کیا ہیں

کوٹھے پر ایک پیر مرد تشریف لائے اور یہ بیت پڑھی۔ ؎

با دل گفتم دلا خضر را بینی — دل گفت اگر مرا نماید بینم

ان بزرگ نے کھانا آپ کے سامنے رکھا اور فرمایا کہ تیرے توکل کا ڈنکا تو ملاء اعلی پر بج رہا ہی اور تیرا حال یہ ہی۔ آپ نے فرمایا خدا بہتر جانتا ہی کہ میں نے اپنے لیئے کچھ خیال نہیں کیا بلکہ یہ لوگ جو آئے بیٹھے ہیں اُن کی وجہ سے خیال آگیا۔ شاید وہ بزرگ خواجہ خضر ہی تھے۔ حضرت نظام الدین باباصاحب (حضرت فرید گنج شکر) سے بیعت کرنے سے پہلے آپ کے پاس تشریف لائے اور کہا کہ دعا فرمایئے کہ میں کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ آپ سن کر خاموش ہو گئے جب دوبارہ آئے اور پھر یہی خواہش کی تو آپ نے فرمایا "اجی قاضی بن کر کیا کرو گے تم تو کچھ اور ہی بننے والے ہو"۔ غرض آپ کے محامد اور فضائل بیرون حد و شمار ہیں آپ کی قبر پر حال میں ۱۱۷۶ھ کا کتبہ لگا دیا ہی لیکن بروئے تحقیق معلوم ہوا کہ صحیح سن آپ کی وفات کا ۵۹۶ھ ہی جہاں آپ کا مزار ہی یہیں آپ کا اور حضرت نظام الدین اولیا کا مکان بھی تھا۔ تیجے احاطے کے اندر ہی ایک قناتی مسجد ہی اور صحن مسجد میں کنواں بھی ہی۔ یہ مسجد سہ دری ۱۳×۶۵ فٹ ہی۔ دو طرفہ زینہ بھی ہی۔ پیش طاق پر اسمائے حسنی۔ کلمہ کا طغری اور یہ حدیث ہی۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المومن فی المسجد کالسمک فی الماء والمنافق فی المسجد کالطیر فی القفص۔ دونوں طرف طغرے سبحان اللہ۔ سورہ الفلق۔ انا فتحنا کا کچھ حصہ۔ طاق کے اندر خلا میں سورۂ فاتحہ

شیخ عین الدین قصاب کی قبر

بالکل سڑک سے ملی ہوئی داہنی طرف ایک قبر پر یہ کتبہ لگا ہوا ہی:۔ شیخ عین الدین قصاب رحمۃ اللہ علیہ

قناتی مسجد اور گنبد

قطب روڈ کی دائیں طرف ایک وسیع قناتی مسجد ہی جس کی پشت بالکل سڑک سے ملی ہوئی ہی اسی مسجد کے صحن میں ایک گنبد ۲۳ – ۹ مربع ہی۔ گنبد کس کا ہی معلوم نہیں مسجد اور گنبد دونوں میں جاٹ رہتے ہیں۔ پولیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ پرندہ وہاں پر نہیں مار سکتا۔

درگاہ پنجہ شریف

ایک احاطہ ہی جس کے چو طرف مکانات تھے سب گر گرا گئے اب صرف ایک صدر دروازہ اور دو درہ رہ گیا ہی یہاں ایک چبوترہ پختہ ہی ۱۸×۱۱ – ۳ – ۹ اونچا جس کو لوگ عام طور پر فرخ سیر بادشاہ کی قبر بتلاتے ہیں حالاں کہ بروئے آثار الصنادید فرخ سیر بادشاہ تو ہمایوں کے مقبرے کے چبوترے پر

دفن ہے۔ یہ غلط روایت غالباً اس وجہ سے مشہور ہے کہ یہ مقام درگاہ پنجہ شریف ہے جو فرخ سیر کے زمانے میں بنی تھی جس کتبے کا آگے ذکر آتا ہے وہ اسی درگاہ کا تھا۔ اب تو اس کی حیثیت نہ درگاہ کی ہے نہ مقبرے کی گرد جاٹ رہتے ہیں اور اُس چبوترے پر جو ہر حال میں پنجہ شریف کے نام سے مسلم ہے کھلے خزانے اُپلے تھاپے جاتے ہیں اور ایسا معلوم دیتا ہے کہ گویا یہ چبوترا اُپلے تھاپنے ہی کے واسطے بنوایا گیا تھا۔ خیر اور کچھ نہ ہو تو اس مقام کو مسلمانوں کی ایک متبرک جگہ سمجھ کر گاؤں والوں کو اُپلے تھاپنے سے تو روک دینا چاہیئے اور کم سے کم اس چبوترے کے گرد آہنی کٹہرا گھیر دیا جائے تو اس جگہ کی جو پنجہ شریف سے نامزد ہے ایسی مٹی پلید نہ ہو۔ میں چونکہ مسلمان ہوں یہ حالت دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اس طرح کی غلاظت تو کسی مذہبی مقام پر خواہ وہ کسی فرقہ وملت کا ہو روا نہیں ہے۔ اس گوبرستان کے صدر دروازے سے ملی ہوئی ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہے جس پر گوبر کی کہگل چڑھی ہوئی ہے اور جاٹ رہتے ہیں مسلمان اندر قدم بھی نہیں دھر سکتا یہ بات یقیناً مسلمان کے دل کو تو ضرور کھٹکے گی اور اس سین کو دیکھ کر ضرور دل کڑھے گا۔

موضع اڑھہ چنی کا کتبہ ۱۱۲۷ھ / ۱۷۱۵ء

اس کتبے کو سب سے پہلے سنہ ۱۹۱۰ء میں ڈاکٹر ووگل قائم مقام ڈائرکٹر جنرل آثار قدیمہ نے دیکھا اور اس کے متعلق مولوی ظفر حسن صاحب بی۔ اے نے مقامی تحقیقات کے بعد ایک قابل قدر آرٹیکل اپی گریفیا انڈو مسلیمکا میں دیا ہے اُسی پر سے ہم یہ اندراج کرتے ہیں یہ کتبہ ایک سنگ مرمر کی ۲ فٹ - ۱ انچ × ۲ فٹ - ½ انچ کی تختی پر بخط نستعلیق کھدا ہوا ہے یہ ایک احاطے کے اندر ایک قبر کے سرہانے موضع اڑھہ چنی میں لگا ہوا تھا۔ اس سنگ کتابہ کی حالت بہت افسوس ناک تھی۔ کئی جگہ سے تو پتھر ٹوٹ گیا تھا اور تختی کے کئی ٹکڑے تھے خصوصاً اس کے آخری حصے کو بہت صدمہ پہنچا تھا اور ایک چھوٹا سا ٹکڑا جھڑ بھی گیا تھا۔ علاوہ بریں لوگوں نے پتھر توڑنے کی غرض سے عبارت کو بھی کئی جگہ سے ضائع کر دیا تھا اس لیے مزید نقصان محفوظ کرنے کی غرض سے یہ کتبہ اب قلعہ کے نوبت خانے کی دیوار میں لگا دیا گیا ہے جہاں پہلے میوزیم تھا۔ یہ کتبہ اٹھائیس سطری ہے اور خوش خط اور صاف کھدا ہوا ہے۔ یہ کتبہ ۱۱۲۷ھ / ۱۷۱۵ء کا ہے جس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ایک شخص محمد معصوم نامی نے کھدوایا تھا جن کو حضرت رسالت مآب کا پنجہ شریف ملا تھا۔ حضرت رسول مقبول کے پنجے اور قدم کے نقش ہندوستان میں کئی جگہ ہیں۔ خود دہلی

ہی میں قدم شریف موجود ہی اور نیز گوڑ وغیرہ مقامات پر بھی ہیں لیکن پروفیسر وان برچم Prof Van Berchem لکھتے ہیں کہ بہ مقابلہ ممالک ہند کے دیگر بلاد اسلامیہ میں ایسے نقوش بکثرت ہیں چنانچہ فلسطین۔ مصر۔ وغیرہ مقامات میں موجود ہیں۔ بیت المقدس میں قبۃ الصخرا میں حضرت کا ایک مشہور قدم شریف ہی جس کے حالات عجیب وغریب ہیں کہ جنگ ہائے صلیبی کے پیشتر وہ قدم النبی کہلاتا تھا لیکن صلیبی جنگ والوں نے اُسے حضرت عیسیٰ کا قدم بتلایا جس کے بعد الی الآن وہ قدم حضرت محمد صلعم کہلاتا ہی۔ اسی طرح عراق اور فارس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پنجہ شریف بغداد۔ عکبرہ (متصل بغداد) موصل۔ اردابیل (آذربائجان) وغیرہ مقامات میں موجود ہیں اس قسم کے پنجوں اور قدموں کے نقوش کی روایات قریب قریب ہر مذہب میں ہیں۔ اور بقول جینیوا کے پروفیسر ڈبلیو ڈیونز (Deonna) کے اس بارے میں ایک خاص کتاب ... کی موجود ہی جس پر پتھر کی چٹانوں پر نقوش قدم کے تذکرے ہیں۔ محمد معصوم کی قبر جس احاطہ میں ہی ... شرق سے مغرب ... فٹ اور شمال سے جنوب ... ہی اور باغیچی کے نام سے مشہور ہی۔ یہ احاطہ اینٹوں کا ہی جس کے چاروں کونوں پر ہشت پہلو برجیاں ہیں اور داخلی دروازہ مغرب رویہ ہی۔ احاطے کے جنوبی جانب ایک چھوٹا سا چبوترہ ہی جس کے تین محراب دار در ہیں اور چھت لداؤ کی ہی۔ کچھ عجب نہیں کہ اُس زمانے میں یہی مقام پنجہ شریف کی درگاہ رہا ہو اب یہ احاطہ اور دالان گانؤں والوں کے قبضہ میں ہی اور پنجہ شریف کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ کدھر گیا وہ کتبہ یہ ہی:۔

یا اللہ یا محمد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاتم الرسالۃ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

ازانجاکہ پنجۂ مبارک حضرۃ یافتہ ام شنیدم بمکہ معظمہ بر کوہ حرا کہ آنرا جبل نور گویند پہلوی سنگ نشان بدن انور حضرت است کہ ابتداء وحی جبرئیل علیہ السلام بر آن سنگ سینۂ منور چاک کردہ[1] بالوان پُر نمودہ و در غار جبل ثور کہ حضرت وقت ہجرۃ پنہان شدہ بودند نشان پہلو و پشت دست مطہر است و بطائف متصل مسجد النبی در غاری اثر پہلو و پشت و دست اقدس و نقش پای آہو مادہ بچہ بچہ و قطرات شیر موجود است و حضرۃ بمسجد الحرام۔۔ نماز میخواندند زرقاق الحجر علیہ نگفتہ کسی از تاسف فوت جماعت تکیہ بدیوار نمودند

[1] یہ واقعہ حضرت رسالت پناہی کی صغر سنی میں ہوا جب کہ آپ اہل عرب کے دستور کے موافق دائی حلیمہ کے بیٹوں اور اُن کے لڑکوں کے ساتھ بکریاں چرانے باہر جنگل میں جایا کرتے تھے۔ ۱۲ ۔ سلہ زقاق سے تنگ گلی (بقیہ صفحہ آیندہ)

(بقیہ صفحہ آیندہ)

آرنج مبارک بسنگ درآمد واز دیوار چپ سنگی عرض کرد جماعۃ تیار داں دروغ گو ابلیس بود اثر زبان سنگ ظاہر است آخر کتاب [1] الاعلام با علام بیت الحرام ایاکن زیارت نوشتہ خلاصہ ترجمہ آنکہ مابین مولد النبی وخانۂ حضرۃ خدیجہ درراہ مسجد یست بکوچہ نام او زقاق المرفق انجا . . . (دوکان؟) دیگر؟) بود در صوف میغر وجنت قریش بدیواری سنگیست سود اثر آرنج دستیست ودرکتاب بحر العمیق از زبدۃ الاعمال نوشتہ کہ آن اثر آرنج ید مبارک است دتعی قدسی بتاریخ مکہ گفتہ مردم زیارت آں ہی کنند ومیگویند آنحضرت تکیہ بران سنگ کردہ سخن میگفت باسنگ دیگر کہ پیش آنحضرت بود بجانب چپ [2] زیارت او نیز میکنند اغلب کہ این سنگ ہمان باشد کہ حضرۃ فرمودند سنگی میدانم در مکہ کہ مرا دمیکہ مبعوث شدم سلام میکرد بما در جبل ابوقبیس قبر حضرۃ آدم وحوا وشیث علیہم السلام است وخلص ترجمہ تاریخ آذری آنکہ حدود حرم مکۂ شریفہ حضرۃ ابراہیم باشارہ جبرئیل علیہما السلام

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۶۲) یا کوچے کے ہیں اور حجر پتھر کو کہتے ہیں. زقاق الحجر مکہ معظمہ میں ایک گلی کا نام ہے جہاں ایک پتھر ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ایک دفعہ بول اٹھا تھا۔ حاجی لوگ کہتے ہیں کہ اس پتھر پر [illegible] کی طرح کا اب بھی ایک نشان موجود ہے

[1] اس کتاب کا پورا نام "کتاب الاعلام با علام بیت اللہ الحرام" ہے مطبوعہ [illegible] سنہ ۱۸۵۷ء جس فقرے کا حوالہ اس کتاب میں ہے وہ پورا یوں ہے اور چوں کہ کتبہ ناقص ہوگیا ہے لہذا اس روایت کی پوری عبارت نقل کردینا مناسب معلوم ہوا وہو ہذا۔ قال القاضی ابو البقاء ابن ابی الضیا فی البحر العمیق ذکر سعد الدین الاسفرائنی فی کتاب زبدۃ الاعمال ان اہل مکۃ یمشون اذا ارادوا المولد من دار خدیجۃ رضہا الی مسجد یقولون انہ دکان ابی بکر الصدیق کان یبیع فیہ [illegible] واسلم فیہ علی یدہ عثمان بن عفان وطلحۃ والزبیر رضی اللہ عنہم قال وفی حائط دکانہ الذی کان اثر مرفق رسول اللہ صلعم یروی ان رسول اللہ صلعم جاء دار ابی بکر ذات یوم ونادی یا ابابکر رضی اللہ عنہ

ترجمہ قاضی ابو البقا ابن ابی الضیا بحر العمیق میں لکھتے ہیں کہ سعد الدین اسفرائنی نے اپنی کتاب زبدۃ الاعمال میں لکھا ہے کہ مکے کے لوگ جب مقامات مقدسہ کی زیارت کو جاتے تھے تو حضرت خدیجہ رضہ کے مکان پر سے گزر کر ایک مسجد پر آتے ہیں جس کو لوگ حضرۃ ابوبکر صدیق کی دکان تبلاتے ہیں جہاں آپ ریشم فروخت کیا کرتے تھے اور اسی دکان میں عثمان بن عفان طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم مشرف باسلام ہوئے۔ سعد الدین نا قل ہیں کہ اس دکان کی دیوار میں حضرت رسول اللہ [illegible] کا نشان ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ پیغمبر خدا صلعم ایک دن حضرت ابوبکر کے مکان پر تشریف لے گئے اور آواز دی [illegible]

[2] الکلام [illegible] نامی پر [illegible] بحث نمبر [illegible] میں اس پتھر کا ذکر [illegible] کے [illegible] ہے بعض کہتے ہیں کہ وہ پتھر حجر اسود ہے [illegible] لوگ کہتے ہیں کہ وہ پتھر زقاق المرفق نامی گلی میں ہے۔ (زقاق گلی، مرفق کہنی [illegible])

بسنگ دگل نبانمودہ وحد طرف عرفات کوہ نزہ یازدہ کردہ[۵۱] ازمکہ زیرکوہ در غازی منزل آنحضرۃ روزمرہ
بودوسابق برائے آدم ازجنت خیمہ یاقوت سرخ یاسہ (تنادیل ؟) طلا وحجر الاسود بروشنی ستارہ ملائکہ
آوردہ جائے کعبہ داشتند روشنی انہا تا حدود حرم ....
سیکردند تا نظر شیاطین بر نیفتد[۵۲] وجبرئیل ..... اند آدم .... گفت ....
باشارت انگشت مبارک دو نیمہ شد[۵۳] ہر دو نیمہ ... بعض احادیث ثابت است بآسمان رفت نزیسایندہ
محمد معصوم مخاطب .... (اعتبار ؟) خان عظیم الشانی سنہ ۴ مبارک محمد فرخ سیر
بادشاہ غازی ۱۱۲۷ھ جس پنجہ شریف کا ذکر اس کتبے میں ہے ممکن ہے کہ اُسے دہابیوں نے چرالیا
ہو جو اس قسم کے معجزات اور پرستش کے سخت مخالف ہیں۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے کچھ دنوں
پیشتر بھی دہابیوں نے دلی کی مشہور درگاہ قدیم سے قدم رسول کے اڑا دینے کا قصد کیا تھا۔
اس قدم شریف کو مصر سے سید جلال الدین بخاری عرف مخدوم جہانیاں بزماں فیروزشاہ تغلق (۷۵۲-۷۹۰ھ)
لائے تھے۔ یہ راز عین وقت پر افشا ہوگیا اور بہادر شاہ بادشاہ نے اُن لوگوں کا معقول
تدارک کیا۔ مولوی محمد عمر صاحب قادری المعروف بہ سراج الحق نے قدم رسول کی اصلیت
اور واقعیت پر ایک عمدہ رسالہ الاستشفا والتوسل باثار الصالحین وسید الرسل (مطبوعہ ۱۳۱۹ھ
مطبع خادم الاسلام دہلی) لکھا ہے۔ اس رسالے میں مصنف نے اس معجزے کے متعلق کہ حضرت
رسول مقبول کے لیئے پتھر نرم پڑ جاتا تھا اور آپ کے قدم کا نقش اُبھر آتا تھا تفصیلی بحث
کی ہے اور روایات معتبرہ سے اس معجزے کی صحت کو ثابت کیا ہے۔

---

[۵۱] کروہ اور کوس دونوں سنسکرت کے لفظ "کردس" سے مستخرج ہیں جس کے لفظی معنے ہیں
آواز بلند۔ کوس عموماً دو میل کا شمار کیا جاتا ہے۔

[۵۲] یہاں تعمیر خانہ کعبہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جب کہ حرم کی حدود مقرر کی گئی تھیں۔

[۵۳] معجزہ شق القمر کا ذکر ہے جس کا ذکر الکلام المبین کے صفحہ ۱۰۸ معجزے نمبر (۱۱۰) میں ہے۔ یہ
معجزہ حضرت کے مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے سے قبل کا ہے۔ ۱۲



مسجد جامع یا مسجد قوۃ الاسلام ۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء

صفتِ مسجدِ جامع کہ چناں ست درو — شجرۂ طیبہ بہر سوے چو طوبیٰ بجناں
مسجد او جامعِ فیضِ الٰہ — زمزمۂ خطبۂ او تا بماہ
بر سرِ نہ تخت گرفتہ شہی — منبرش از خطبۂ بیت اللّٰہی
آمدہ در دی ز سپہر کبود — فیض بیک خواندنِ قرآں فزود
غلغلِ تسبیح بگنبد دروں — رفتہ ز نہ گنبدِ والا بروں
گنبدِ او سلسلہ پیوندِ راز — سلسلہ چوں کعبہ شدہ حلقہ ساز
خواندہ امام کعبۂ دین خودش — پیش نشستہ حجر الاسودش
بندہ سنگش در و لعل و عقیق — زدہ ہمہ آزادیِ بیت العتیق
ہر کہ سعادت بودش رہنماے — بر درِ او سر نہد انگاہ پاے
در تہِ سقفش ز سما تا زمیں — نصب شدہ جملہ ستونہاے دیں
قامتِ خود کردہ موذن دراز — دادہ اقامت بہ ستونِ نماز

(امیر خسرو - از مثنوی قران السعدین)

راے پتھورا کے اُس مندر کا یقینی طور پر کچھ حال نہیں معلوم ہوتا جہاں کہ مسجد کا بنانا بیان کیا جاتا ہے۔ یوں بہت سے بے سروپا بیانات ہیں کہ وہ بڑا بھاری مندر تھا جس میں تہری تہری اور چوہری چوہری قطاریں حجروں کی تھیں اور اس کے علاوہ بھی بڑی بڑی عالی شان اور وسیع عمارتیں تھیں۔ بات اصل یہ ہے کہ جب وہ چیز ہی موجود نہیں تو اُس کا اندازہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سلطان محمد غوری کے نامور اور مشہور مرحوم خسروانہ جنرل قطب الدین ایبک نے دلی کی فتح کے بعد ہی جاے حالیہ پر جو مندر تھے اُن کو توڑ تاڑ جگہ ہموار کر کے مسجد بنانی شروع کردی تھی۔ مسلمان مورخین اور بعض یورپین وقائع نگار کہتے ہیں کہ سلطان قطب الدین ایبک نے مسجد بنانے کے لیئے مندر کی صرف غربی دیوار گرا دی تھی اور باقی جوں کا توں کھڑے کا کھڑا چھوڑ دیا۔ لیکن جنرل کننگھم صاحب کی راے یہ ہے کہ نہیں مندر کی عمارت تمام تھا سواے چند ستونوں کے جن کا بیان آگے آئے گا ڈھا دی گئی تھی البتہ چبوترے کا اونچا حصہ پہلے ہی کا تھا جس پر کہ مسجد کی وسیع عمارت بنائی گئی ہے اور اسی سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ مندر کی عمارت کہاں کہاں پھیلی ہوئی تھی لیکن اس چبوترے کے نیچے کے حصے کی چار دیواری

بحالہ چھوڑدی جو اپنی اصلی حالت پر کھڑی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں کے مندر چن چن کے نیست و نابود کیے گئے اور یہ تعصب اس قدر بڑھا کہ شمس الدین التمش کے زمانے میں جو قطب الدین کا جانشین تھا مندروں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا (از ظفر نامہ)

یہ مسجد باہر سے دیکھنے میں بے رونق اور بھدی معلوم ہوتی ہے کیونکہ پتھر کی مربع عمارت ہے جو بنتے بنتے ادھوری رہ گئی استرکاری اور تکمیل کی نوبت ہی نہ آئی ورنہ اس کی صورت شکل نکلتی۔ محراب دار صدر دروازہ مشرقی دیوار کے بیچ میں ہے سات بھاری بھاری سیڑھیاں چڑھ کر ہم اس دروازے میں داخل ہوتے ہیں اور پھر مسجد کا صحن ملتا ہے۔ مسٹر بگلر نے بغرض حصول معلومات جب جا بجا سے کھدائی کی تھی تو معلوم ہوا کہ سیڑھیوں اور مسجد کے صحن کی حالت پہلے کچھ اور ہی تھی۔ ان سیڑھیوں کا سلسلہ اور آگے تک تھا جن کے آگے ایک پختہ چبوترا تھا۔ مسجد کی بیرونی مشرقی دیوار ۱۴۷ فٹ لمبی ہے جس میں چار کھڑکیاں ہیں۔ مشرقی دروازے پر ایک محراب ہے جو ذرا پیچھے وار کو ہٹی ہوئی ہے جس کے بالائی حصے میں بہت کچھ نقش و نگار بنے ہوئے ہیں اور تحتانی حصے پر یہ کتبہ بخط عربی نہایت پیچیدہ طغرے میں کندہ ہے:۔

این مسجد را بنا کرد قطب الدین ایبک خدا بر آن
رحمت کناد هر که بر نیت بانی این خیر دعاء ایمان بوکند

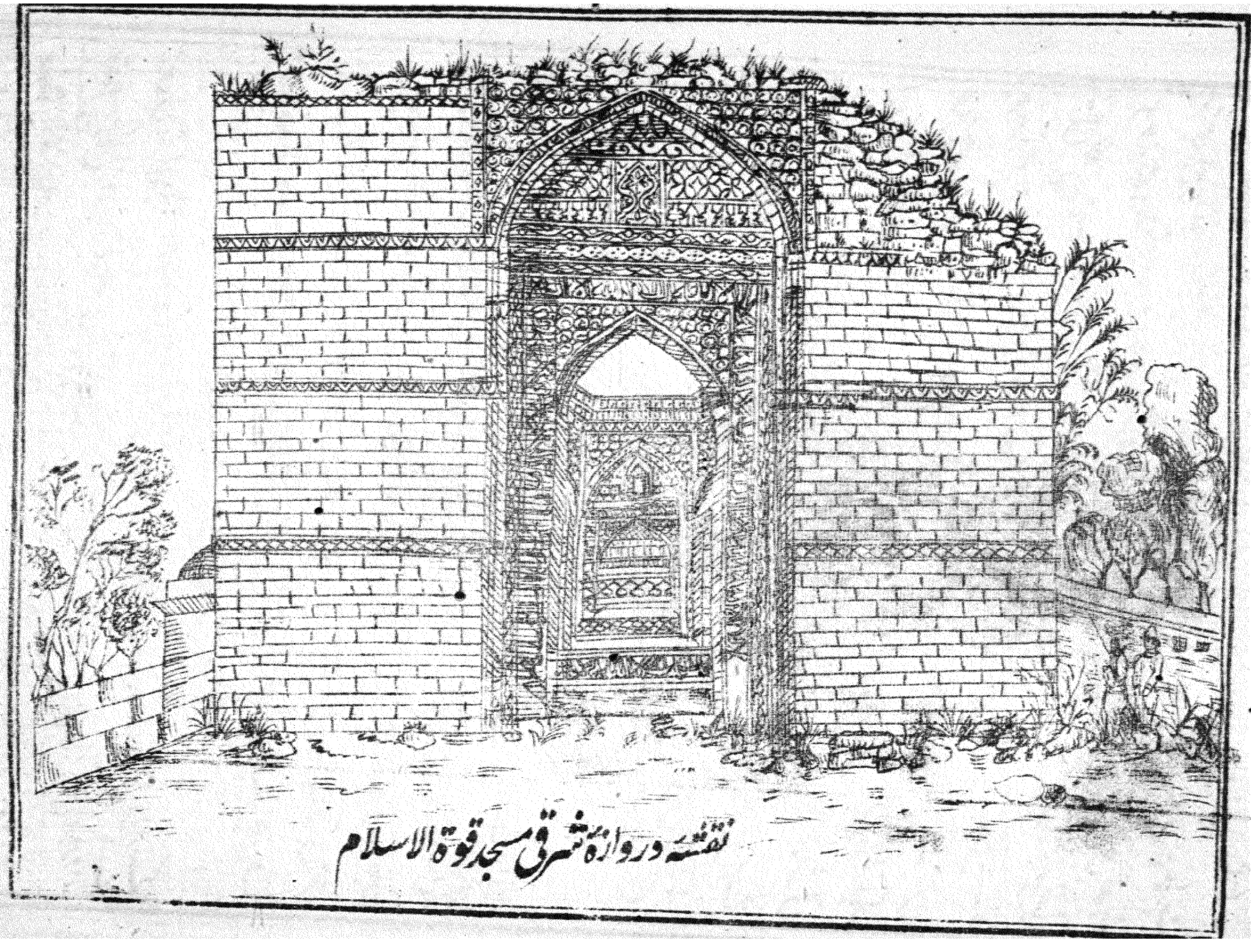
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من دخلہ کان آمنا وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العلمین خدا عزوجل بر آن بندہ رحمت کند هر که بر نیت بانی دعاء ایمان بکوید

این حصار را فتح کرد و این مسجد جامع را بساخت بتاریخ فی شہور سنہ سبع وثمانین وخمسمائۃ امیر اسفہسالار اجل کبیر قطب الدولہ والدین امیر الامراء ایبک سلطانی اعز اللہ انصارہ و بست و ہفت آلت بتخانہ مرکنی در ہر بتخانہ دو بار ہزار بار ہزار دلیوال[1] صرف شدہ بود درین مسجد بکار بستہ شدہ است

مسجد کی مشرقی دیوار کے پائے کی کرسی ۴ ½ فیٹ ہے۔ دو دیواریں ۱۲ فیٹ لمبی اصلی دیوار سے متصل بہ شکل زاویہ قائمہ کھڑی ہیں جن میں وہ سیڑھیاں ہیں جو مسجد میں پہنچاتی ہیں اور دروازہ

[1] فرگسن صاحب جن سے مسٹر ایڈورڈ تھامس بھی اتفاق کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ اگر ہر مندر کی تخمینی لاگت ساٹھ ہزار روپیہ بھی محسوب کی جائے تو ستائیس مندروں کی لاگت سولہ لاکھ بیس ہزار دلیوال ہوئی۔

دلیوال روپیہ کا پانچواں حصہ ہوتا تھا۔ ۱۲



نقشهٔ دروازهٔ شرقی مسجد قوة الاسلام

کی محراب کے اندر تک ہیں ۔ دروازہ گیارہ فیٹ چوڑا ہی لیکن زیادہ اونچا نہیں ۔ مسجد میں داخل ہونے کے بعد ایک چھوٹا سا گنبد ملتا ہی جس کے دائیں اور بائیں دونوں طرف ستونوں کا سلسلہ اور صحن ہی ۔ جو تمام حجروں سے پٹا ہوا تھا لیکن صرف آدھے سے زیادہ صحن میں حجرے باقی رہ گئے ہیں ۔ صحن طول میں ۱۴۲ فٹ اور عرض میں ۱۰۸ فٹ ہی ۔ گنبد ہشت پہلو ہی جو مربع تلے نیچے پر کھڑا ہی ۔ گنبد میں چار چار ستون یکجائی ہیں جن پر گنبد ٹکا ہوا ہی ۔ یہ ستون تیرہ فٹ لمبے اور پائے میں ڈھائی فیٹ چوڑے ہیں اور اوپر کی تھپی ڈیڑھ فیٹ چوڑی ہی ۔ گنبد باہر سے نوکدار مخروطی شکل کا ہی ۔ فرگسن صاحب مسجد کے حجروں کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ عمارتیں اس قسم کی ہیں کہ ان کے گرانے اور دوبارہ پھر کھڑے کر دینے میں کوئی اشکال نہیں ۔ کیوں کہ ستونوں کی کلاسی نہایت عمدگی سے ملائی گئی ہی جو بالکل ہندوؤں کی صناعی ہی ۔ ہر ہر حجرے میں نو نو سلیں پتھر کی اس طرح جمی ہوئی ہیں کہ چار تو ستون کے پاکھے پر ہیں اور چار کونے میں اور ایک بیچ میں ۔ ان سلوں کے جوڑ نہایت عمدگی اور ایسی صفائی سے پیوست کیئے گئے ہیں کہ ان میں مسالا بھرنے کی مطلق ضرورت نہیں ۔ ان کو اتار کر پھر اسی طرح نہایت آسانی سے جما سکتے ہیں ۔ گنبد بھی اسی طرز سے بنایا گیا ہی اس کی سلوں کے جوڑ بھی خوب ملائے گئے ہیں اور اس کی سلیں بھی اسی آسانی سے نکالی اور لگائی جا سکتی ہیں جیسی کہ حجروں کی (از ہسٹری آف آرکی ٹکچر جلد دوم صفحہ ۶۳۸) ۔

زائرین کے داہنی طرف ستونوں کی قطاریں ہیں جو شمالی دیوار کی آخری حد تک ہیں ۔ ان میں سے بعض کے سامنے برآمدے بھی ہیں ۔ پہلی قطار میں سات ستون دیوار سے لگے کھڑے ہیں دوسری قطار پہلی قطار سے چھ فیٹ کے فاصلے سے ہی اس میں چھ ستون ہیں ۔ تیسری قطار بھی دوسری قطار سے چھ فیٹ ہی اور اس میں بھی چھ ستون ہیں ۔ چوتھی قطار صحن میں ہی جو تیسری قطار سے پانچ فیٹ دور ہی جس میں سات ستون ہیں یہ سارے ستون اور نیز وہ ستون جو گنبد کی بائیں جانب ہیں سب نقش و نگار سے بھرے ہوئے ہیں ۔ بعض پر مختلف قسم کی تصویریں ۔ کڑے ۔ چوڑیاں ۔ زنجیریں ۔ بیلیں ۔ لہریئے بھی ہیں جن کے سرے پر گھنٹی یا پھندنا ہی ۔ مشرقی دالانوں کے دونوں سروں پر ایک ایک گیلری دو منزلہ بیس فیٹ مربع ہی ۔ پست گنبد اُسی طرح کے جیسے مشرقی دروازے پر ہیں اس طرف بھی ہیں ۔ مسجد کی دیواروں میں گیلریوں پر چڑھنے کی سیڑھیاں ہیں ۔ گیلری پر کا گنبد ہشت پہلو

ہی جو ایک مربع ہر جس کے آٹھ ستون ہیں بٹا ہوا ہی - چار ستون چار کونوں پر ہیں اور چار بیچ بیچ میں - جنوب و مشرقی گیلری میں ایک نواں کھم بطور اڑواڑ کے لگا ہوا ہی - گیلری کے بیچ میں گنبد ہی اور گنبد کے ستونوں کے اطراف چھ فیٹ چوڑی کھلی جگہ ہی - اس گیلری کے مشرقی اور جنوبی رخ پر مسجد کی مشرقی اور جنوبی دیوار آگئی ہی جس میں چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں ہیں - دوسری جانب چھوٹے چھوٹے ستون ہیں جو دالان کے ستونوں سے آدھے ہیں گیلری کی چھت انھیں ستونوں پر تھمی ہوئی ہی - ان ستونوں میں سے اکثر پر نقش و نگار ہیں - ایک امر یہاں خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہی جس سے بلا شائبہ شک کے ثابت ہو جاتا ہی کہ فرش تو قائم رکھا ہی مگر بالائی عمارت مندر توڑ کر مسجد بنائی گئی ہی - اول تو یہ کہ دیواروں سے ستونوں کے بالائی ٹکڑے آگے بڑھے ہوے ہیں اور اُن کی بیٹھک کا پتھر بھی نہیں ہی - شمال مشرق کی گیلری میں بھی اسی طرح کے ستونوں کے اوپر کے ٹکڑے موجود ہیں چھت کی بعض سلوں میں بودھ کی مورتیں بنی ہوئی ہیں جو کبھی وشنو کے مندر میں نہیں ہو سکتیں - جس طرح کی گیلری جنوب مشرق کے کونے میں ہی ویسی شمال مشرق کے کونے میں بھی ہی - شمال مشرق کے دالان کے ایک کونے میں سے ہم شمالی دالان میں جا نکلتے ہیں جو مسجد کے صحن کی آخری شمالی حد ہی - اس دالان میں ستونوں کی چار چار قطاروں کی جگہ صرف تین تین قطاریں ہیں نہ یہاں کے ستون ایسی اچھی حالت میں ہیں جیسے کہ مشرقی دالان کے ہیں - اس دالان میں (۴۹) ستون ہیں جن میں سے سترہ تو دیوار سے چسپاں ہیں اور یہی گویا پہلی لین ہی - دوسری قطار پہلی قطار سے سات فیٹ کے فصل سے ہی اور اس میں بھی سترہ ہی ستون ہیں - رہی تیسری قطار وہ بالکل صحن کے کنارے پر ہی اور اس میں پندرہ ستون ہیں اور اس قطار میں اور دوسری قطار میں آٹھ فیٹ کا بعد ہی - شمالی دالان کے بیچ میں ایک مخروطی گنبد ہی جو مشرقی دروازے کے گنبدوں سے چھوٹا ہی - اس گنبد کے بالمقابل مسجد کا شمالی دروازہ ہی اور گنبد کی دونوں جانب کی دیواریں تین بڑی بڑی کھڑکیاں ہیں - اس دروازے کی صرف دو سنگین سیڑھیاں ہیں - یہ شمالی دروازہ بھی بعض لحاظات سے مشرقی دروازے ہی کی طرح کا ہی مگر اس کی محراب کو امتداد زمانے سے زیادہ نقصان پونہچا ہی - اس دروازے کی پیشانی پر بخط عربی یہ کتبہ ہی :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم واللہ یدعوا الی دار السلام و یھدی من یشاء الی



نقشہ دروازہ شمالی درجۂ دوم مسجد قوۃ الاسلام

صراط مستقیم فی شہور سنۃ اثنی وتسع [۱]

جرت ھذہ العمارۃ بعالی امر السلطان المعظم معز الدنیا والدین محمد بن سام ناصر امیر المومنین

ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ شمال کی طرف کی دیوار اور اُدھر کا دالان دونوں ادھورے ہیں۔ اس دیوار کے شمال مغرب کے سرے پر تیس فیٹ کا خلا ہی اور ادھر کی گیلری خستہ وشکستہ ہی۔ جنوب رخ کا دالان صحن مسجد کی جنوبی حد بھی ہی۔ جو اس سے بھی بدتر حالت میں ہی۔ اس دالان کے جنوب مشرق کے سرے پر کوئی ساٹھ فیٹ لمبی دیوار اور پندرہ ستونوں کا دالان ابھی تک کھڑا ہی۔ اس کے ستونوں پر دوسرے دالانوں کے ستونوں کی طرح نقش ونگار نہیں ہی بالکل سادے ہیں۔ یہ دالان بمیت کی دوامیت سیج آرسمتھ صاحب اگزیکیوٹو انجنیر دہلی کا بنایا ہوا ہی۔ صاحب موصوف نے سلطان التمش کی توسیع کردہ عمارت کے اُس حصے میں سے جو مسجد کے مشرقی دروازے کے محاذی ہی یہ ستون نکال کر یہاں لگا دئے جو صاف جعلی کھاتے ہیں۔ مسٹر کیمبل اگزیکیوٹو انجنیر دہلی لکھتے ہیں کہ مسٹر سمتھ کے تصرف اور اُلٹ پلٹ سے قطب الدین ایبک کی بنائی ہوئی کھڑکیاں بھی اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہ سکیں۔ اس دالان کے پندرہ ستونوں کے من جملہ چھ تو دیوار سے لگے ہوئے ہیں۔ دوسری قطار پہلی قطار سے پانچ فیٹ کے فاصلے پر ہی جس میں پانچ ستون ہیں اور تیسری قطار بھی اسی فصل سے ہی اور اس میں چار ستون ہیں۔ جنوب مغرب رخ کی گیلری اور گنبد بالکل نیست ونابود ہوگئے ہیں۔ مسجد کے جنوبی جانب بیچ کے حصے میں جتنی دیواریں اب کھڑی ہیں اُن کے سرے پر مسجد کا جنوبی دروازہ ہی جو بالکل شمالی دروازے کے طرز کا ہی ادھر صحن میں جانے کی سات سیڑھیاں ہیں۔ اس دروازے میں جنوب ومشرق کی طرف کھڑکیاں ہیں مگر جنوب مغرب کی طرف کی دیوار اور کھڑکیاں سب کچھ گر گرا گیا۔ مسٹر بگلر نے

[۱] معلوم ہوتا ہی کہ کتبے کے کھودنے والے پڑھے لکھے نہ تھے صرف صورت نویس تھے۔ یہ تو صرف ۹۲ھ ہوتا ہی جو غلط ہی معلوم ہوتا ہی کہ خمس مائۃ رہ گیا ہی یعنی ۵۹۲ھ ۱۱۹۵ع کیوں کہ سلطان معز الدین بن سام کا یہی زمانہ ہوتا ہی۔ پھر اس میں بھی تسع کے لفظ کو سبع سمجھیں تو ع کے نیچے کے نقطے سے سبع کا مغالطہ ہوتا ہی اور سبع سمجھیں تو ت کے نقطے نہ کار ہوجاتے ہیں۔ اور اس قسم کی غلطیاں قطب صاحب کی لاٹ کے کتبوں میں بھی کئی جگہ ہیں بلکہ مع اشیٔ بھی بدرجہا زاید ہیں کہ لفظوں کی ترکیب غلط ہوکر کسی کا سر کسی کا پیر جوڑ گیا ہی جیسے اندھا جوڑ دیا۔ ۱۲

اس دروازے کے نیچے دار بھی کھدا دیا تھا تو ستونوں کے پایوں کے نشان نکلے تھے
جو چبوترے کی زرہ پر تھے گویا مشرقی دروازے کی سیڑھیوں اور پایوں کا جواب تھا۔ اندازے
سے معلوم ہوتا ہی کہ ضرور اسی طرح کا ایک دروازہ مغرب کی طرف بھی تھا چنانچہ اُس طرف
بھی پانچ سیڑھیاں ابتک موجود ہیں جن کی موجودگی بزبانِ حال بتلا رہی ہو کہ یہاں بھی دروازہ
تھا۔ صحن مسجد کے جانب مغرب پانچ بلند محرابیں ہیں لیکن بہ لحاظِ زمانِ تعمیر اُن کا ذکر آگے
چل کر آئے گا کہ انھیں محرابوں کے پیچھے نمازگاہ کا صدر مقام قطب الدین ایبک کی بناکردہ
مسجد کا تھا۔ یہ عظیم الشان ہال بھی دوسرے دالانوں کی وضع قطع کا تھا جس پر ایک بڑا
گنبد مشرقی دروازے کے گنبد کی طرح کا تھا۔ لیکن مسجد میں پچھواڑے کی دیوار میں سے
کوئی رستہ نتھا بلکہ اس میں تین اونچی اونچی دیوار دوز محرابیں تھیں۔ ریاست لوہارو کے
رئیس سابق نواب ضیاء الدین خاں بہادر پانچ طاق بتلاتے ہیں۔ یہ درمیانی ہال
۱۴۷ فٹ × ۴۰ فٹ تھا۔ جس کی چھت سب سے عمدہ اور نفیس نقش ونگار کے ہندوانی ساخت
کے ستونوں کی چار قطاروں پر کھڑی تھی۔ اب یہ مسجد ایسی شکستہ اور تباہ حالت ہی کہ اس کا
عدم وجود برابر ہی۔ تھوڑا سا حصہ جو باقی رہ گیا ہی وہ صرف وہی ہی جو چبوترے کے شمالی رخ
پیچھے اور ذیشان دار کمانیں کھڑی ہیں جن کا ذکر ابھی اوپر آیا ہی۔ یہ حصہ قطب الدین ایبک کا
بنایا ہوا تھا۔ بیچ والی کمان کا کچھ حصہ چبوترے کے اوپر ہی اور کچھ حصہ چبوترے کے جنوبی رخ
کے پیچھے وار اور یہیں مسجد کے چند ستون بھی باقی ہیں۔ شمالی رخ پر چار قطاروں میں بارہ ستون
رہ گئے ہیں۔ ان ستونوں کے سروں اور بیچ کے حصے پر بے نظیر سنگ تراشی کا کام کیا ہوا ہی
ان ستونوں میں صرف ایک ہی ستون ایسا ہی جس پر کچھ کام نہیں اور سادہ ہی۔ بعض ستونوں
پر اب بھی چھت کی سنگین کڑیوں کے ٹوٹے پھوٹے ٹکڑے اِدھر اُدھر کھڑے ہیں۔ اور چھت
کا بھی ٹوٹا پھوٹا تھوڑا سا حصہ دو مقام پر نظر آتا ہی۔ دوسرا حصہ دس ستونوں کا اُسی طرح کا
ہی جیسا کہ شمالی چبوترے پر ہی اور بیچ کی کمان کے دوسرے چبوترے پر ہی۔ اس کی بھی
چار قطاریں ہیں۔ جنرل کننگھم کی رائے یہ ہی کہ قطب الدین ایبک نے مسجد بناتے وقت
ان ستونوں کو ہلایا جلایا نہیں بلکہ جہاں پہلے سے تھے ویسے ہی رہنے دیا۔ لیکن اس
بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ انھیں ستونوں میں سے ایک ستون پر یہ کتبہ ہی۔ "ولعمل فضل
ابن ابی المعالی متولی" مسجد کی مغربی دیوار کا ایک تہائی حصہ شمال کی طرف اب بھی موجود ہی

لیکن جنوب کی طرف کا گر گیا۔ موجودہ دیوار کے وسط میں طاق نما محرابیں بنی ہوئی تھیں جن میں سے دو کا بھی کچھ حصہ اب بھی نظر آتا ہے۔ بیچ کی محراب کا نیچے کا حصہ جو دیوار کا بھی وسط ہے اب بھی سطح زمین سے اونچا ہے۔ اس کا باقی حصہ گر گیا۔ اس کے شمال میں جو طاق نما محراب ہے وہ البتہ جوں کی توں پوری کھڑی ہے لیکن جنوب والی محراب بالکل گر گئی۔ شمال رخ کی دیوار بھی ابھی آدھی باقی ہے جو اسی رخ کے دالان کے سلسلے میں ہے لیکن مغربی دیوار تک نہیں پہنچنے پاتی جنوبی دیوار ایسی گری ہے کہ اب اُس کا نشان تک باقی نہیں ہے۔ مسجد سے کوئی تیس فیٹ پر لوہے کی لاٹ کھڑی ہے جو غالباً مسجد کے بننے سے پہلے ہی سے یہاں ہے۔ مسجد کے صحن میں چار شکستہ قبریں ہیں جن کے چبوترے بلند اور تعویذ خوش نما ہیں۔ مسجد کے اندر آنے کا رستہ بھی ڈیوڑھی کی وضع کا بنا ہوا تھا۔ فرگسن صاحب اس مسجد کی اُس حیثیت کی نسبت جو سلطان قطب الدین ایبک کے زمانے میں تھی لکھتے ہیں کہ "اس مسجد کی وضع قطع بالکل جین کے مندروں کی سی ہے۔ ستون اُسی تراش خراش کے ہیں جیسے کہ کوہ آبو کے مندروں کے ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ان پر زیادہ کام کیا ہوا ہے اور یہ ہیں بھی زیادہ عمدہ۔ ان ستونوں کی ساخت غالباً بارھویں یا تیرھویں صدی کی ہے۔ اب اس نمونے کے ستون کہ جن میں اس قدر نقاشی کا کام ہو ہندوستان میں بہت کم باقی ہیں۔ ان ستونوں کی یہ حالت ہے کہ سر سے پاؤں تک ان میں عمدہ صناعی سے ایک انچ بھی خالی نہیں" (ہسٹری آف آرکی ٹکچر صفحہ ۶۴۸) آگے چل کر اسی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۵۰۶ میں لکھا ہے کہ "اس مسجد کے جہاں اور عجائبات ہیں وہاں اس کی تعمیر کی نوعیت بھی عجیب و غریب ہے۔ افغان فاتحین کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ ایک خاص قسم کی نوکدار محراب بنانے کو فن تعمیر کا اصول سمجھتے تھے لیکن سائنٹفک اصول پر وہ اس طرز کی خوبی بتلانے سے قاصر تھے اس لئے اُنھوں نے ہندو معماروں اور کاریگروں کی مرضی پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنی رائے اور سمجھ کے موافق بنائیں۔ لیکن ہندو معماروں میں اُس زمانے تک کمان اُتارنے کے طریقے سے کوئی واقف ہی نہ تھا بلکہ اس کے بعد بھی کئی صدیوں تک وہ اس اصول سے نابلد رہے اس لئے وہ اُسی اصول پر محراب بنانے لگے جس طریقے پر کہ گنبد بنتا ہے اور وہ طرز یہ ہے کہ پہلے تو وہ جہاں تک بلند کر سکتے تھے اُٹھاتے چلے جاتے تھے بعد پتھر کی سلوں سے پاٹ کر سلوں کا منہ اوپر سے ملا دیتے تھے" مسجد قوۃ الاسلام کی ابتدائی حالت جو ۱۱۹۶ء میں تھی ہم

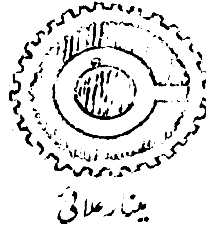
بصراحت بیان کر آئے ہیں۔ وہ بڑی بڑی محرابیں جو بے موقع نظر آتی ہیں بعد کی بنی ہوئی
ہیں۔ مسجد کی سطح دالانوں کی سطح سے اونچی ہے۔ مسجد کے فرش کی سطح میں ہر سو فیٹ
میں آٹھ انچ کا ڈھلاؤ ہے۔ مغربی دیوار سے جہاں سب سے زیادہ مرتفع سطح ہے مشرقی دیوار
تک جو سب سے زیادہ پست حصہ سطح کا ہے۔ اس سرے سے لے کر اُس سرے تک سترہ
انچ کی ڈھلان ہے۔ سلطان محمد غوری کی طلب پر قطب الدین ایبک غزنی چلا گیا تھا وہاں سے
واپسی کے بعد اُس نے مسجد کے سامنے والی محرابیں بنائیں جن کو فرگسن صاحب اس
مسجد کی جان کہتے ہیں (ہسٹری آف آرکیٹکچر جلد دوم صفحہ ۶۴۹)۔ ان محرابوں کے آگے کی
آٹھ فیٹ کے ہیں جن کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ درمیانی بلند دیوار اور ادھر ادھر
دو چھوٹی دیواریں۔ درمیانی دیوار ۵۳ فٹ اونچی اور ۱۳ فٹ چوڑی ہے۔ جب تمام چھوٹی محرابیں
بھی قائم تھیں تو بازو کی ہر دیوار ۵۲ فٹ بلند اور ۲۵ فٹ چوڑی تھی۔ اس دیواریں پانچ
محرابوں کی جگہ رکھی گئی ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ اس سے بانی کا ارادہ آیا یہاں پٹاؤ کرنے
یا کسی قسم کی چھت بنانے کا تھا یا کیا۔ مسجد کے ہر حصہ کے لئے چھت کا ہونا کچھ لازمات
سے نہیں ہے۔ صرف قبلہ رخ ایک دیوار ہونا کافی ہے اور اکثر مسجدوں کو احاطے سے بھی
محصور کر دیتے ہیں تاکہ نماز وغیرہ میں خلل نہ ہو۔ یہ کمانیں سنگ سرخ اور زرد رنگ کے بھربھرے
پتھر کی ہیں اور یہ اس شکل کی ہیں۔ بیچ کی محراب ۲۲ فٹ چوڑی ہے۔ اس کے اطراف کی
چار محرابوں میں سے اب صرف تین رہ گئی ہیں۔ دو شمال میں اور ایک
بیچ کی محراب کے جنوب میں۔ یہ محرابیں ۲۴ فٹ بلند ہیں اور بیچ والی محراب
کے دونوں طرف کی ۱۱ ½ فٹ اونچی اور دس فیٹ چوڑی کلیوں سے ذرا دور ہٹی ہوئی
ہیں۔ بیچ والی کمان کے ستون ۹ ½ فٹ مربع ہیں اور داہنی بائیں کمانوں
کے ۸ فٹ مربع اور جو کمانیں پرے ہیں اُن کے ستون مستطیل ۸ × ۶ ہیں
ان محرابوں میں کوئی طاق نہیں ہیں اور ستون بن تراشے رہ گئے ہیں۔ غرض یہ کہ ادھوری
ہیں۔ ان پر سر سے پا تک نہایت خوشنما کتبے آیات کلام مجید کے ہیں۔ یہ محرابیں ۵۹۴ھ
میں بنائی گئی ہیں اور بیچ کی محراب کے بائیں بازو پر زمین سے آٹھ فیٹ کی اونچائی پر
تاریخ ۲۰ ذی قعدہ ۵۹۴ھ (۱۱۷۵ء) کندہ ہے۔ قطب الدین کا اس مسجد کے متعلق یہ آخری کام تھا
کمانوں اور ستونوں کے بے نظیر نقش و نگار اور خوش خط خوشنما کتبات کے علاوہ

مسجد کی دیواریں بھی آیات قرآنی اور مختلف اقسام کے بیل بوٹوں سے آراستہ تھیں اور
ان میں ایک غرض یہ بھی مضمر تھی کہ تمام نامشروع تصاویر اور بتوں کی شکلیں جو مندر کی تھیں
ان کے نیچے ڈھک گئی تھیں۔ امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "جب مسجد کی تکمیل ہو گئی تو نقش و نگار
اور آیات قرآنی یا پتھروں میں کھدوا دی گئیں یا پلاسٹر میں نقش کر دی گئیں" اب پلاستر جا بجا سے
جھڑ گیا ہی اور جن تصاویر کا چھپانا مقصود تھا خود بخود پھر نمودار ہو گئی ہیں۔ پلاستر جیدہ جیدہ اب
اُن مقامات پر باقی رہ گیا ہی جو محفوظ تھے۔ مسجد کی چھت اور دیواروں میں
بعض بعض سلیں اور پتھر اب بھی ایسے لگے ہوئے ہیں جن میں کرشن کا بچپنا اور دیوتاؤں
کی مجلس بنی ہوئی ہی۔ سب سے صاف اور بہتر حالت میں دو جگہ مورتیں موجود ہیں جنھیں
جنرل کننگھم نے نوٹ کیا ہی۔ مسجد کی شمالی دیوار کے باہر دو کمروں کا نقشہ بتلایا ہی۔
جس کا درمیانی دروازہ نصف کھلا ہوا ہی۔ ان دونوں کمروں میں سے ہر ایک میں
ایک ایک عورت اپنے پاس ایک بچے کو لیئے ہوئے لیٹی ہوئی ہی اور تخت پر شامیانہ
تنا ہوا ہی اور ایک خادمہ پاؤں کے پاس بیٹھی ہوئی ہی۔ بائیں ہاتھ کی طرف کے کمرے
میں دو عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لیئے ہوئے دروازے کی طرف جا رہی ہیں۔ داہنے
ہاتھ کے کمرے میں دو اور عورتیں اپنے اپنے بچوں کو ایک دیوتا کی طرف لے جا رہی ہیں
دالان کے شمال مشرقی کونے میں ایک پتھر پر اُن کھڑکیوں کے پاس جو شمال مشرقی گیلری
میں ہیں ایک دم سے چھ مورتیں وشنو۔ اندر۔ برہما۔ شیو اور دو غیر معلوم دیوتاؤں کی
پائی جاتی ہیں۔ بدھا کی بیٹھی ہوئی کئی مورتیں دونوں گیلریوں میں بنی ہوئی ہیں۔ بعض اُن میں
کی بالکل صاف نمایاں ہیں اور بعض مدھم ہیں۔ لوہے کی لاٹ کے گرد کے دالانوں میں
جنرل کننگھم نے (۳۴۰) نقشین ستون گنے ہیں لیکن جب کہ یہ دالان مکمل حالت میں ہوں گے
تو حساب کی رو سے (۴۵۰) ستون ہوں گے۔ بلا نقش و نگار کے جنرل صاحب نے
(۲۳۶) ستون شمار کیئے ہیں اور موقعی حالت کے لحاظ سے اندازہ لگاتے ہیں کہ کل
دالانوں کی تکمیل کے لیئے اور بارہ ستون ہونے چاہئیں۔ قطب الدین ایبک کی تعمیرات
کی خصوصیات یہ ہیں۔ خاص طرز کے گنبد جو اوروں سے بالکل الگ تھلگ پہچانے جاتے ہیں
مسطح چھتیں۔ دروازوں پر پاٹاؤ۔ دالانوں کے ستون سرخ اور زردی مائل بھربھرے پتھر کے
ستونوں کا بلندی اور سطبری میں دوسروں سے مختلف ہونا۔ ستونوں کے ٹکڑوں کی تعداد۔

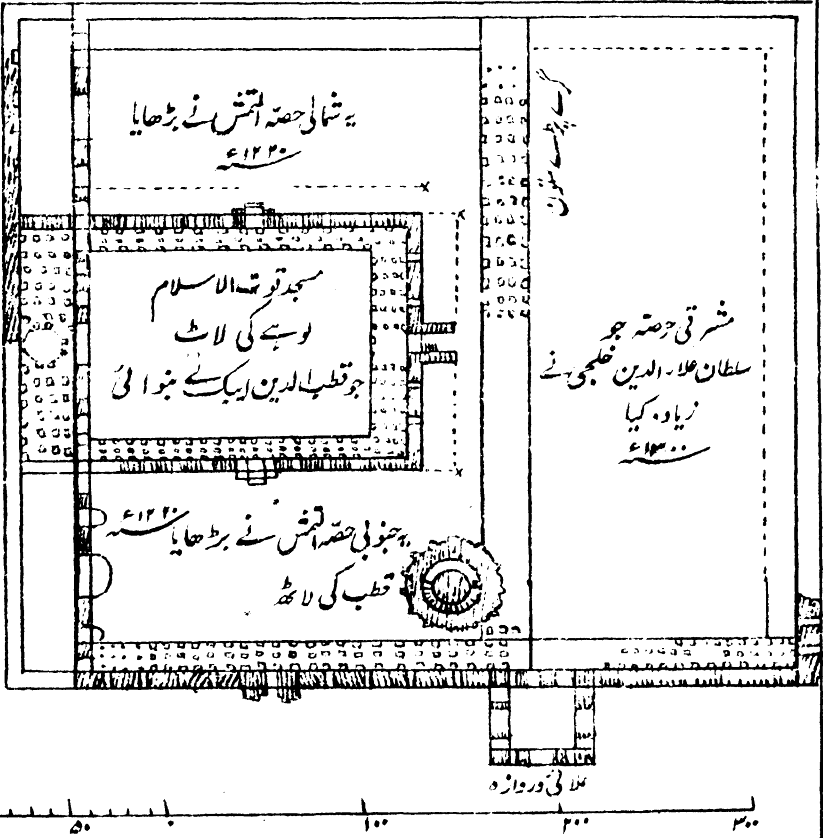
اُن کے نقش و نگار۔ یہ سب باتیں اپنی وضع اور طرز میں نرالی ہیں۔ ستونوں کی نشست کا
سلسلہ بھی پچھلے زمانے کی عمارتوں سے جدا ہے۔ ان ستونوں کے نادر اور عجیب حال بیان کو
ہم جنرل کننگھم صاحب کی آثار قدیمہ کی رپورٹ سے نقل کرتے ہیں "ان شکستہ مندروں کی
چھان بین کی حالت اُس تعمیرات سے جو میں نے ۱۸۵۳ء میں حاصل کی تھی اور جس کی
تکمیل اب میں نے ۱۸۶۳ء میں کی عجیب طرح بہم پہنچی ہے۔ مسجد کے متعلق جنوب و مشرق
کونے میں جو دالان ہیں ان کے ستون پائے اور سر سمیت تمام نئی وضع اور جسامت
کے ہیں اور بالکل الگ پہچانے جاتے ہیں۔ ان ستونوں کے تین حصے ہیں اوپر
اور بیچ کے اور درمیانی۔ ان ستونوں کے بالائی حصے پر نمبر بھی پڑے ہوئے ہیں
اور جہاں تک پتہ چلا سب سے اونچا نمبر (۱۹) ملا ہے۔ اور سترہ خالی قسم نمبر پڑے ہوئے
ملے ہیں جن میں کا نمبر (۱۴) کا تھم شمالی دالان میں نصب ہے۔ جو اپنے سلسلے کے
نمبروں سے بالکل الگ اور دور پڑا ہے۔ تیرہ نمبر پڑے ہوئے حصے زیریں اور سات
بالائی حصے ملے ہیں۔ لیکن ان میں صرف ایک ستون نمبر (۱۰) کا ایسا ہے جس کے تینوں
حصوں پر یکساں نمبر پڑے ہوئے ہیں اور سب جوڑ بھی برابر ملے ہوئے ہیں۔ اس سے
صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کوئی ستون اپنی اصلی جگہ پر قائم نہیں ہے۔ اس کا سر ہے تو کسی کا پیر
کوئی نہیں کھڑا کر دیا گیا تو کوئی نہیں۔ نمبر پڑے ہوئے تھم کل (۱۸) ملے ہیں۔ نمبر پڑی ہوئی
بیٹھکیں (۱۴) ملیں جن میں چار چوکون ہیں اور پانچ کے کونے گول کیے ہوئے ہیں۔
ایک ہی وضع قطع کے بس بالائی حصے ملے ہیں جن میں سے ایک پر نمبر (۱۹) پڑا ہوا ہے۔
ان امور سے یقین ہوتا ہے کہ جن مندروں سے کہ یہ ستون لیے گئے ان میں کل (۲۰) ستون تھے
نمبر (۱۱) کے تھم پر خط ناگری ایک علامت لفظ "کچل" اور دوسری طرف (۱۱۲۴) کندہ ہے جو
بکرماجیت کا سنہ ہے جو ۱۰۶۷ء کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ زمانہ اننگ پال[۱] ثانی بانی لال کوٹ
کا تھا جیسا کہ دہلی پر حکمران تھا۔ راجپوتوں اور سنگ تراشوں نے نہ صرف ستونوں ہی پر
نشان ڈالے ہیں بلکہ اسی قسم کے نشان جابجا پورے بیل پایوں پر ہیں۔ یہ نشان
صاف اور کھلے ہیں مگر پھر بھی صاف طرح ان نشانوں اور نہ الفاظ اصطلاحی کا مفہوم
سمجھ میں نہیں آتا نشانوں کی تفصیل یہ ہے"

۱؎ سرسید اننگ پال لکھتے ہیں اور انگریزی میں جہاں دیکھو انگ پال ہے ۱۲

نقشہ مسجد قوت الاسلام دہلی







(۱) چپ ویڑا ۳ = بالائی ویڑا (ب) نمبر ۳ — (۸) پچھم کی واشن = مغربی جانب کا سردل —
(۲) ″ ″ ۴ = ″ (ب) نمبر ۴ — (۹) پورب کی واشن = مشرقی پہلا سردل —
(۳) پوچکی ۴ = نچلا حصہ (ب) نمبر ۲ — (۱۰) پورب ۳ = مشرقی نمبر ۳
(۴) کھم = ″ (ب) نمبر ۸ — (۱۱) پچھم را ۳ = آ (ب) = مغرب نمبر ۳ بازو (ب)
(۵) وش چوتھی = ویڑا (ب) چہارم — (۱۲) ″ دکن بھی = مغرب عقب
(۶) ویں پنجم = ″ (ب) پنجم — (۱۳) ″ ی ۲ = نمبر ۲ عقب
(۷) پرانتھا واشن = پہلا سردل

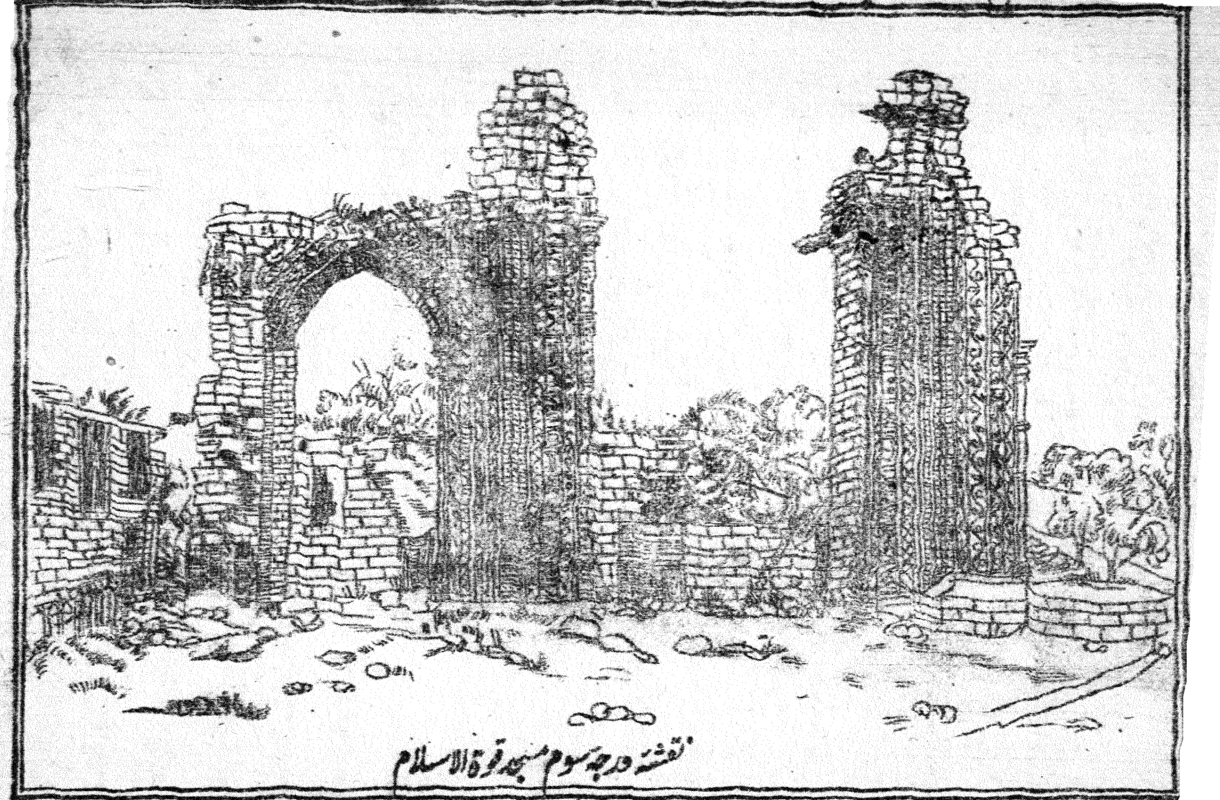
ستونوں کے نمبروں میں ایک اور خصوصیت قابل غور ہے کہ مندر کے اول آخر کا حرف بھی کھدا ہوا ہے۔ مثلاً (۱۴) کے مندر کے اول ... یعنی تین اور (۱۱) کے اول دو ۲'' اور سولہا کے اول پیو۔ اسی قسم کے نشانات ایک دوسرے مندر کے ستونوں پر بھی ہیں اور ایک دوسرے نمونے کے ستون پر بھی '' دو ۲ '' کھدا ہوا ہے۔ اسی طرح ایک دیوار دوز ستون بھی اسی قسم کا ... پر ۱۹'' کھدا ہوا ہے۔ مذکورہ بالا ستون کی پیمائش یہ ہے۔ اوپر کا حصہ ایک فٹ ۴ انچ۔ قاعدہ خم و میانی حصہ ۴ فٹ ۱۱½ انچ ... ۱ فٹ ۱۱½ انچ۔

سلطان التمش کے عہد کی توسیعات ۱۲۳۰ء

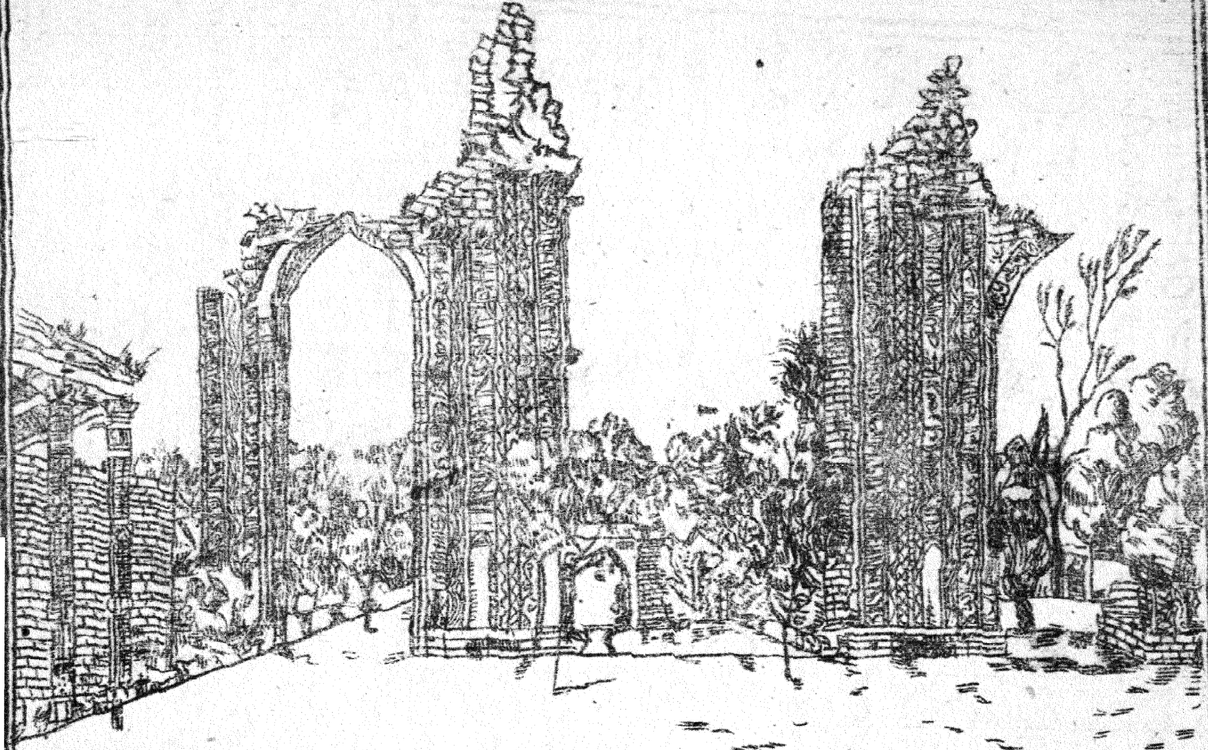
مخوا ہدایں اخیر ... الثانی مانند
سیکھے ہمی ... دو دیگر ... ہمی آید

سلطان التمش نے قطب الدین ایبک کے بنائے ہوئے دالانوں میں ادھر ادھر دو دو دالان اور بڑھا دیے اور مشرقی، شمالی، جنوبی، تین طرف کے دالان بنوائے۔ مسجد کے پچھاں رخ کی دیوار دونوں طرف تقریباً ۱۱۵ فیٹ بڑھوا دی۔ اس طرح ساری دیوار کی لمبائی ۳۸۰ فٹ ہو گئی۔ اس بڑھائی ہوئی دیوار کا اب بہت تھوڑا حصہ رہ گیا ہے البتہ مسجد کے شمال مشرقی کونے کی طرف جو دیوار کھڑی ہے وہ التمش ہی کی بنائی ہوئی ہے لیکن اس میں بھی ۴۰ فیٹ کا ٹکڑا منہدم ہو گیا ہے اور باقی اور دیواریں جو اس رخ تھیں اُن کا پتہ صرف باقی ماندہ بنیادوں کے نشانوں سے چلتا ہے۔ شمالی دالان ۲۸۰ فٹ لمبا تھا جس کا پتہ اب بھی بڑی مشکل سے صرف بنیادوں کے پائے پر سے چلتا ہے۔ جنوبی رخ کی دیوار بھی ۴۸۰ فٹ لمبی ہے جو فی الجملہ درست حالت میں ہے۔ صرف

تھوڑی سی بیچ میں سے گر گئی ہے۔ التمش کے بنائے ہوئے مسجد کے جنوبی مغربی
حصے کی دیوار بھی ستر فیٹ گر گئی ہے مگر یہاں بھی بھری ہوئی بنیاد صاف موجود ہے۔ یہاں
سرے پر مسجد کی پچھیت کی دیوار کوئی تیس فیٹ تک جا بجا گر گئی ہے لیکن ایک دالان جس میں
ستونوں کی تہری قطاریں ہیں اُسی طرح کا جیساکہ مسجد کے جنوبی دروازہ کے پاس ہے
یہ بھی ہے جو مسجد کے دروازے سے جا ملا ہے ابھی موجود ہے۔ اس دروازے کی
محراب گر پڑی ہے اب صرف دونوں طرف کے پاکھے سولہا فیٹ اونچے کھڑے ہیں
یہیں پانچ دُھرے ستون منہدمہ دیوار کی بنیاد کے برابر کھڑے ہیں اور یہی گویا پہلی
لین ہے۔ دوسری لین میں سات ستون ہیں جو پہلی لین سے چھ فیٹ کے فاصلے پر
کھڑی ہے۔ تیسری قطار میں بھی سات ستون ہیں یہ دوسری قطار سے ۶ فٹ کے فصل
سے ہے۔ چار ستونوں پر ایک سپاٹ چھت جس کی سلیں ایک دوسرے پر چڑھی ہوئی ہیں
موجود ہے۔ دروازے کے پاس یہاں ستونوں کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے سو فیٹ کی ایک دیوار
کھڑی ہے جو علائی دروازے تک بڑھتی چلی گئی ہے۔ لیکن اس دیوار میں کوئی بیس فٹ
تک کے ستون گر گئے ہیں۔ ستونوں کی بلندی اور ایک دوسرے کا باہمی فاصلہ اور
چھت سب اُسی وضع کے ہیں جیسے کہ اُس دالان میں ہیں جس کا بیان ہم ابھی اوپر
کر آئے ہیں۔ یہاں بھی ستونوں کی تہری قطار ہے جس میں سے چودہ دیوار سے لگے ہوئے
ہیں۔ دوسری قطار میں سولہا اور تیسری میں پندرہ۔ اس دیوار میں سات بڑی بڑی بلند کھڑکیاں
ہیں جن میں کی پانچ تو پوری بھی نہ ہونے پائیں اور ویسی ہی ناتمام رہ گئیں جن کے سامنے
پردے کی دیوار تک نہیں ہے باقی دو ان سے بھی بڑی ہیں جن کے سامنے سنگ سرخ
کی جالیاں علائی دروازے کی کھڑکیوں کی جالیوں کی طرح کی ہیں۔ اس مقام سے دس
فیٹ پر قطب صاحب کی شان دار لاٹ کھڑی ہے۔ عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ التمش کی توسیعات
یہیں ختم ہوگئی ہیں اس سے آگے نہیں بڑھیں بلکہ دو بڑی کھڑکیاں جو دیوار میں ہیں وہ بھی
علاء الدین خلجی کی بنوائی ہوئی معلوم دیتی ہیں۔ بیشک یہ کھڑکیاں علاء الدین کے وقت کی معلوم
دیتی ہیں لیکن علاء الدین کی بنائی ہوئی عمارات کا سلسلہ جب ہی جو کوں ہو سکتا ہے جب کہ
جنوبی دیوار کو علائی دروازے سے جا ملائیں اور اغلب یہ ہے کہ علاء الدین نے یہ کھڑکیاں
التمش کے دالان کو گروا کر بنائی ہیں علائی دروازے کے داہنی طرف چھوڑ کر ٹھیک



نقشۂ درجہ سوم مسجد قوۃ الاسلام



نقشۂ درجۂ اول مسجد قوۃ الاسلام

شمال کی طرف سامنے ہی التمش کے بنائے ہوئے مشرقی دالانوں کے کھنڈر مٹی کے
تلے دبے پڑے ہیں - اس کے بعد ہم قطب الدین کی مسجد کے مشرقی دروازے پر
جا نکلتے ہیں جو علائی دروازے سے دو سو فیٹ کے فاصلے پر ہے - یہاں سے تیس فیٹ پر
التمش کے شرقی دالانوں کا کچھ باقی ماندہ حصہ ہے جس میں (۴۳) ستون ہیں - جن میں سے
انیس کھڑے ہیں اور پندرہ گرے پڑے ہیں - ان ستونوں کی چار قطاریں ہیں - پہلی
قطار میں نو ستون اُس سڑک پر ہیں جو مسجد اور دالانوں کے درمیان ہے - دوسری قطار میں
گیارہ - تیسری میں گیارہ اور چوتھی میں صرف تین - ان قطاروں میں چھ چھ فیٹ کا فاصلہ
ہے اور چھت کا تھوڑا سا حصہ جہاں کہیں باقی رہ گیا ہے وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ جنوبی دالانوں
کا ہے - اس دالان کے بعد التمش کی توسیعات ختم ہو جاتی ہیں - التمش نے جیسا کہ لکھا جا چکا
ہے نہ صرف حوالی مسجدیں اور دالان بنوائے بلکہ اُس نے قطب کی محرابوں کی بھی توسیع
کی - فرق صرف اتنا ہے کہ التمش کی بنائی ہوئی کمانیں قطب الدین کی کمانوں سے زیادہ
اونچی ہیں مگر پست سطح پر بنائی گئی ہیں اور ان کے پاکھوں میں طاقچے ہیں اور فیل پائے
چوکھٹیں ہشت پہلو تراشی ہوئی ہیں اور اوپر کٹہرا ہے اور فیل پایوں ہی پر ساری نوکدار
محرابوں کا وزن ہے - یہ فیل پائے بوجھ خوب سنبھالے ہیں - ان کمانوں کے نقش و نگار
پہلے زمانے کی صناعی سے بدرجہا نفیس اور بہتر ہیں قطب الدین کی کمانوں کے دونوں
پہلوؤں میں التمش نے بھی تین کمانیں بنائی ہیں ان دونوں زمانوں کی محرابوں کے بیچ میں
آٹھ فیٹ چوڑا رستہ ہے - التمش کی پہلی محراب اب بھی موجود ہے جس کا کنگورا البتہ گر گیا
ہے مگر کمان جوں کی توں کھڑی ہے جو ۲۶ فٹ اونچی اور تیرہ فٹ چوڑی ہے - اس محراب کا
شمالی پیل پایہ جو درمیانی محراب کا جنوبی پیل پایہ ہے ۱۵ فٹ چوڑا ہے - بیچ کی کمان جس کی
محراب بڑی عالی شان ہوگی ۲۴½ فٹ چوڑی ہے - اس کے صرف دو ہی پاکھے ہیں اور
تیسری کمان التمش کی بنائی ہوئی گر گرا گئی اب اُس کا نشان بھی نہ رہا - جنوبی سمت میں جو
کمانیں التمش نے بنائی تھیں وہ ساری کی ساری نیست نابود ہو گئیں - قریب والی اور بیچ
والی دو محرابوں کے وجود کا پتہ صرف اُن کے پیل پایوں سے چلتا ہے - جنوبی رخ کی آخری
کمان البتہ اپنی حالت پر قائم ہے جو بھُر بھُرے پتھر کی پتلی سلوں کی بنی ہوئی ہے اور عن قریب
گرنے والی ہے - یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہے کہ دو محرابیں جو زیادہ مستحکم تھیں وہ تو زمانہ

ہوا کہ گر گئیں اور جو کم زور معلوم دیتی ہی ہنا صحیح سلامت کھڑی ہی۔ التمش کے عہد کی فن تعمیر کی خصوصیات کے متعلق مسٹر کیمبل لکھتے ہیں کہ "ستون بھر بھرے پتھر کے مختلف بلندی کے ہیں جو برخلاف ستون ہائے زمانۂ قطب الدین نے ترتیب نصب کیے گئے ہیں کوئی خیال درمیانی فصل کی یکسانیت کا نہیں رکھا گیا۔ یہ ستون کسی اور پرانی عمارتوں کے معلوم دیتے ہیں مگر مندروں کے نہیں معلوم دیتے۔ محرابوں کی ساخت۔ آرائش۔ صناعی سب باتیں قطب الدین کے زمانے سے بہت بڑھی ہوئی ہیں"۔

سلطان علاء الدین خلجی کی توسیعات

۶۹۵ - ۷۱۵ھ
۱۲۹۵ - ۱۳۱۵ء

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت رفت منزل بدیگر پرداخت

۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء میں سلطان علاء الدین خلجی اپنے چچا جلال الدین بانی خاندان خلجی کے قتل کے بعد دلّی میں تخت نشین ہوا۔ اس نے بھی اپنے عہد میں مسجد قوۃ الاسلام کی توسیع کی۔ حضرت امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "یہ چوتھی توسیع تھی"۔ یہ توسیع جتنے بڑے پیمانے پر تھی اُتنی ہی بہتر اور عمدہ بھی تھی لیکن افسوس ہی کہ باوجود یکہ سب سے بعد بنی تھی مگر سب سے پہلے گر گئی اور اس کا بہت ہی تھوڑا حصہ باقی رہ گیا ہی جس سے اُس کی نفاست کا اندازہ ہو سکتا ہی۔ جس کی تعریف میں اُس زمانے کے نے نظیر شاعر امیر خسرو رطب اللسان ہیں۔ اس زمانے کے اب چھ ستون جو جنوب مشرقی دیوار کی طرف ہیں وہ بمقابلے قطب الدین اور التمش کے عمدہ نمونوں کے لوگوں کی نگاہ میں نہ بھریں گے لیکن نہایت عالی شان "علائی دروازے" کے آگے سب گرد ہیں جس سے اس بادشاہ نے دوامی شہرت حاصل کی ہی۔ علاء الدین کی صرف ایک ہی تعمیر ایسی لاجواب ہی کہ اگر وہ اور ایک اینٹ بھی مسجد میں نہ لگاتا تو بھی اس میں کسی کو محل شک نہ ہوتا کہ دلّی کے بڑے بڑے بادشاہوں نے جو شہرت ابدی بہت سی سر بفلک عمارتوں کی تعمیر سے حاصل کی ہی اُس زمرے میں یہ سب سے دو قدم آگے تھا۔ علاء الدین کے زمانے کی کل توسیعات کو سمجھنے کے لیئے بجائے اس کے کہ ہم التمش کے مشرقی دالان کی جنوب مشرقی حد سے شمال کی طرف رخ کریں ہم کو سیدھے جنوب کی طرف مشرقی دیوار سے زاویۂ قائمہ بناتے ہوے جانا چاہیئے۔ علاء الدین کے زمانے کے ستونوں کی وضع قطع التمش کے ستونوں سے

قدر سے مختلف ہے۔ اب ہم علائی دروازے سے شروع کرتے ہیں۔ وہ ستون جو اندرونی دروازے کے سامنے والے دالان میں تھے اب نہیں رہے اور کوئی تیس فٹ کے میدان صاف ہو گیا ہے۔ اس خلا کے مشرقی جانب سے پھر دالان کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے جو علائی دروازے سے ۱۲۰ فٹ تک چلا گیا ہے جو دوسرے زمانے کے توسیع شدہ دالان سے جا ملا ہے۔ اس دالان میں چار دروازے اور تین بلند کھڑکیاں ہیں۔ کھڑکیوں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس پٹے ہوئے دالان کی پہلی قطار میں بارہ۔ دوسری میں پندرہ اور تیسری میں گیارہ ستون ہیں۔ ان ستونوں اور قطاروں کا باہمی فصل اور چھت سب التمش کے اس دالان کی سی ہے جو جنوب میں ہے۔ جب ہم علاء الدین کی توسیع کے جنوب مشرقی کنارے پر پہنچتے ہیں تو یہاں بیس فیٹ تک دالان کے نشان ملتے ہیں مگر اس کے آگے صرف ملبے کا ایک ٹیلہ سا نظر آتا ہے۔ مشرقی دالان کا جس قدر حصہ اب باقی ہے اس میں صرف گیارہ ستون ہیں۔ چار دیوار سے لگے ہوئے ہیں۔ چار دوسری قطار میں اور تین تیسری میں اور یہیں جنوب رخ کی دیوار میں جو بیس فیٹ لمبی ہے ایک دروازہ بھی ہے۔ حال کی کھدائی سے معلوم ہوا کہ علاء الدین کی توسیعات التمش کی شمال رخ کی توسیع سے بہت آگے تک تھیں اور اسی میں وہ اوھڑی لاٹ بھی شامل ہے۔ یا یوں سمجھیے کہ علاء الدین نے مجملاً ۲۰۰ × ۵۰۰ فٹ زمین کے قطعہ میں دالان بنوائے تھے۔ قطب الدین کی تعمیر کردہ مسجد کی شکل مستطیل تھی جس کے شمالی اور جنوبی ضلعے لمبے تھے۔ التمش کی توسیع نے بھی اس کی مستطیل شکل میں کوئی تبدیلی نہیں کی مگر لمبوترے ضلعے شمالی اور جنوبی سے مشرق اور مغرب کی طرف ہو گئے اور یہی نقشہ علاء الدین کے زمانے میں بھی قائم رہا۔ امیر خسرو نے جو مسجد کی ان توسیعات کا ذکر کیا ہے جو علاء الدین کے زمانے میں ہوئیں اس پر سے اب پتہ چلنا مشکل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ سلامت نے مسجد میں ایک ربع حصہ بڑھایا۔ یہ حصہ تین قدیم دروازوں اور صحن مسجد کے باہر تھا۔ جس میں اونچے اونچے ستون تھے اور پتھروں پر آیات کلام مجید اس نفاست اور عمدگی سے کندہ کرائی گئی تھیں کہ موم پر بھی ہونا ناممکن تھا۔ محرابوں کی بلندی کی یہ حالت تھی کہ بلا مبالغہ یہ معلوم دیتا تھا کہ قرآن شریف آسمان کی طرف صعود کر رہا ہے اور پھر اتر بھی رہا ہے۔ دوسرے مقامات پر جہاں سے نیچے کندہ تھا اس سے ایسا معلوم دیتا تھا کہ کلام مجید نیچے اتر آیا

غرض سرسے پانک سارا کام باحسن الوجوہ مکمل تھا"۔ زمانے کے امتداد فنا کے دور دورے کا یہ کرشمہ ہے کہ اب ان ستونوں کا نشان تک بھی صفحۂ ہستی پر باقی نہیں رہا۔ مسٹر طامس کی رائے ہے کہ امیر خسرو نے جن کمانوں کا ذکر کیا ہے وہ موجودہ کمانیں ہی ہیں لیکن جنرل کننگھم موجودہ کمانوں کو قطب الدین اور التمش کی بتلاتے ہیں۔ ان پر کے کتبات طغرائی میں عجب صنعت رکھی گئی ہے کہ خط بلحاظ بلندی کے گھٹتا بڑھتا ہے یعنی جوں جوں کتبہ اونچا ہوتا جاتا ہے حروف بھی سطر ہوتے جاتے ہیں جس سے دیکھنے والے کو یکساں نظر آتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نیچے کے حروف تو اچھی طرح نظر آتے اور اوپر کے بوجہ بُعد مقامی کے موہوم ہو جاتے۔ یہ ریمارک علائی دروازے اور مسجد کی محرابوں کے کتبات کی نسبت ہے۔ سید فن صاحب کے نزدیک علاء الدین کی بنائی ہوئی آٹھ محرابیں التمش کے شمالی دالان کے شمال میں تھیں۔ بگلر صاحب کی کھدائی ہے اسی طرف بڑے بڑے آثار کی دیواروں کے نشانات ملتے ہیں جو التمش کے وقت کی مغربی دیوار کے سلسلے کی توسیع ہے۔ اب یہاں گھنا جنگل ہے جس میں دیواریں چھپ گئی ہیں پھر بھی دس دس فیٹ زمین سے اوپر کھڑی ہیں۔ امیر خسرو جن چھ محرابوں کا ذکر کرتے ہیں وہ بھی اسی مقام پر تھیں چنانچہ اب بھی اُنکی بنیادوں اور پاکھوں کے نشان موجود ہیں بلکہ ان نشانات سے پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ آٹھ محرابیں رہی ہوں تو عجب نہیں۔ اگر ہم علاء الدین کی دھ بنی لاٹ سے ایک خط مستقیم کھینچیں تو وہ خط علاء الدین کی بنائی ہوئی محرابوں کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کردے گا

علائی دروازہ
سنہ ۷۱۰ھ (۱۳۱۰ء)

کیسے کیسے زرنگار ایواں ملے ہیں خاک میں
ریزہ ریزہ اب بھی ویرانوں میں اطلس پوش ہے

یہ بڑا بھاری عالی شان گنبددار دروازہ سلطان علاء الدین خلجی کا بنوایا ہوا ہے اور اسی کے نام پر سے علائی دروازہ مشہور ہے۔ جنرل کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ "مدافاغنہ کی جتنی عمارتیں دیکھنے میں آئیں اُن سب سے یہ بہتر ہے"۔ فرگسن صاحب کا قول ہے کہ "اس عمارت سے پٹھانوں کے زمانے کی تعمیر کا وہ اعلیٰ طرز ظاہر ہوتا ہے جب کہ فن تعمیر معراج کمال پر پہنچ چکا تھا اور ہندو معماروں نے نہایت خوش نما اور نادر مسلمانی طرز کا کافی ملکہ حاصل کرلیا تھا"۔ یہ دروازہ جو بجائے خود ایک مستقل عمارت ہے علاء الدین کے بناکردہ جنوبی دالان میں ہے جو التمش کے دالانوں کی کرسی سے ذرا آگے ہے۔ یہ دروازہ غالباً مسجد کا وہ

دروازہ تھا جو شہر کے رخ پر تھا۔ اس کے بنا کی تاریخ دروازے کی مشرقی مغربی اور جنوبی محرابوں پر ۵ اشوال سنہ ۷۱۰ھ (۱۳۱۱ء) کندہ ہے۔ یہ عمارت چوکون شکل کی ہے جو اندر سے ۳۴ ۱/۸ فیٹ اور باہر کے رخ سے ۵۶ ۱/۲ فیٹ مربع ہے۔ دیواروں کا آثار گیارہ فیٹ ہے۔ دروازے کی بلندی ۶۰ فٹ ہے۔ دروازے کی عمارت نیچے سے چوکور ہے مگر اوپر جا کر ہشت پہل ہو گئی ہے اور اسی پر گنبد اُٹھایا گیا ہے۔ اس دروازے کی نسبت فرگسن صاحب لکھتے ہیں کہ جہاں تک ہندوستان کی عمارتیں میری نظر سے گزری ہیں اُن میں یہ عمارت بڑی سڈول اور عمدہ ہے" چاروں طرف کے کونوں میں کئی محرب دار خوب صورت اور خوش قطع طاق نکالے گئے ہیں۔ گنبد کے چاروں طرف کھلے اور بلند محراب دار در بطور دروازے کے ہیں۔ جنوبی اور شمالی رخ کے دروازوں کے مقابلے میں مشرقی اور مغربی دروازے ذرا پست ہیں۔ جنوب کی طرف دس فیٹ اونچا ایک چبوترا ہے جس سے سات سیڑھیاں اُتر کر دروازہ ملتا ہے۔ چاروں طرف کے دروازے بے نظیر بیل بوٹوں۔ نقش و نگار سے آراستہ ہیں۔ محراب نعل نما نوک دار ہے یعنی پھیلواں نہیں ہے۔ پاکھوں کی مرغولیں چھ انچ مجوف ہیں جن کو اس طرح تراشا ہے کہ جیسے کپڑا لپیٹا جاتا ہے اور پتلے پتلے خوش نما بل دار ستونوں پر محراب آ رہی ہے محراب کا کنارا اور اندرونی حصہ چھ انچ مجوف ہے اور جا بجا قائم الزوایا پٹکے پڑے ہوئے ہیں اور ان سب پر بہت کتبے عربی خط طغرا میں ہیں جن کے الفاظ پتھر میں تراشے گئے ہیں بعض جگہ کتبوں کے حروف امداد زمانے سے ٹوٹ بھی گئے ہیں۔ اس عمارت کا تمام رو کار سرے پا تک نقش و نگار سے دُلہن بنا ہوا ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ قلم میں طاقت نہیں کہ اُسکا نقشہ کھینچ سکے۔ الفاظ میں وہ قدرت نہیں جس کی خوبی کا ایک شمہ بھی ادا کر سکے غرض یہ کہ چپہ بھر جگہ بھی کاری گر نے ایسی نہیں چھوڑی جو صنعت بے نظیر سے آراستہ ہو ہر دروازے کی دونوں جانب دو دو کھڑکیاں ہیں جو دروازے کے مقابلے میں ایک تہائی ہیں وہ بھی وضع قطع اور صناعی میں عین بعین دروازے ہی کی سی ہیں۔ ان میں نہایت عمدہ سنگ مرمر کی جالیاں نہایت باریک اور نازک کام کی لگی ہوئی ہیں۔ دریں کھڑکیوں کی بہ نسبت پرلی کھڑکیوں کی جالیوں کا کام اور بھی باریک اور نازک ہے۔ ان کھڑکیوں کے اوپر ایک ایک طاق اور بنا یا گیا ہے جو دور سے کھڑکیوں کی طرح کے نظر آتے ہیں جو چار چار

کا کچھا ہیں - ان میں کی دو دو عمودی محرابوں میں سنگ مرمر کے مستطیل پٹکے لگے ہوئے ہیں
اور اِن پر جو چھوٹے چھوٹے نمایشی طاق اوپر وار بنے ہوئے ہیں اُن پر کلام مجید کی آئتیں
اور احادیث شریف نہایت خوش خط اور عمدہ کندہ ہیں - محرابوں کی پیشانی پر جیسا کہ عموماً
دستور ہی انواع و اقسام کے بیل بوٹے سنگ سرخ میں منبت ہیں - جنوب رخ کے
دروازے کی معمولی مرمت میجر اسمتھ نے کرائی تھی لیکن نقش و نگار کو چھوا تک نہیں اور نہ
اُن کی تجدید کی کوشش کی - جب باہر وار آراستگی کا یہ حال ہی تو اندر کا کیا پوچھنا اندر اور زیادہ
صناعی اور نقش و نگار ہیں - چار خانے دار طرح طرح کے طغرے جو دور سے عین مین
پھولوں کا گلدستہ معلوم دیتے ہیں نہایت بے نظیر اور قابل دید ہیں - فرگسن صاحب
خود لکھتے ہیں کہ "عمدگی کے اعتبار سے لاجواب ہیں - دروازے پر کا گنبد بالکل سادہ
اور صاف ہی البتہ اس عمارت کی عمدگی کے مقابلے میں کم تر درجے کا ہی لیکن اندر کا کام
باوجود اس سادگی کے بھی نہایت دل کش اور دل آویز ہی" - باہر سے دیکھو تو گنبد چھوٹا
اور پست نظر آتا ہی - دروازے کی دیواروں پر کنگورا ہی جنوب کے طرف کا کنگورا میجر اسمتھ صاحب
نے جب مرمت کی تو اُتروا دیا - ۱۸۲۷ء میں میجر برٹ (Burt) نے اس دروازے
کو دیکھ کر اس کی خستہ حالی پر توجہ دلائی تھی کہ اگر مرمت جلد نہ ہوگی تو گر جائے گا - اس کے
دو سال بعد زیر اہتمام میجر اسمتھ اس کی داغ دوزی اور مرمت گورنمنٹ نے کرا دی اس
گنبد میں کئی بڑے بڑے کتبے ہیں جن کی ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں :-

مغربی محراب کا کتبہ

چوں ایزد تعالی اعلی اعلاءہ وسمی اسماءہ برائے
احیائے مراسم ملت و اعلاء معالم شریعت خلد ایگان
جہان را برگزیدہ تا ہر لمحہ اساس دین محمدی استحکام می پزیرد و ہر لحظہ
بنائے شریعت محمدی میگردد از برائے دوام مملکت و نظام سلطنت
عمارت مساجد طاعات بحکم کلام من لاریب سواہ کہ انما یعمر مساجد اللہ
من آمن باللہ (والیوم الآخر) ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافہ
ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ الی یوم القیام رفع بناء جوامع الاسلام وابقاء
مدی الزمان فی اشاعۃ الاحسان فی التاریخ فی الخامس عشر من شوال

سنہ عشر وسبعمائة حضرت علیا خلد ایگان سلاطین مصطفی جاہ
الضمار عم لامر الله المخصوص بعنایت اکرم الاکرمین علاء الدنیا والدین غوث
الاسلام والمسلمین معز الملوک والسلاطین القایم بتائید الرحمن ابو المظفر
محمد شاہ سکندر ثانی یمین الخلافة ناصر امیر المومنین خلد الله ملکه بناء
این خیرات سنت وجماعت است عمارت فرمود - این مسجد کہ چون بیت المعمور
در افواہ جہانیان مذکور است بخلوص عقیدت تقضا طویت مجلس اعلیٰ خدایگان
سلاطین زمان علاء الدنیا والدین سلطان البر والبحر ... المؤید بتائید
الرحمن ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافة ناصر امیر المومنین
خلد الله ملکہ الی یوم الدین

جنوبی محراب کا کتبہ

بتوفیق بیهمتا ومعاونت بیشی نثرا مثال لمسجد
اسس علی التقوی تعالیٰ امرہ وشانہ وتعالیٰ
عدلہ واحسانہ بر مقتضی خیر مامور امر فول وجهك شطر المسجد الحرام
محمد الرسول الله علیه السلام کما قال من بنی مسجداً لله بنی له بیتاً
فی الجنة مجلس اعلیٰ خدایگان سلاطین زمان شہنشاہ موسی فر سلیمان
مکان راعی شرائط شریعت محمدی حامل مراسم ملت احمدی موکل معابر
معالم ومساجد وموطد قواعد مدارس ومعابد وممہد بنیان رسوم
مسلمانی وموسس مبانی مذہب نعمانی قالع اصول مردہ فجار وقاطع فروع
قبیلہ کفار وهادم بناصوامع اصنام راضم اساس مجامع اسلام مظهر ایات
(الله) قاهر کفرہ رؤف متین قامع فجرہ روئے زمین فاتح قلاع ساحع امکان
ضابط بقلع راسخ بنیان المعتصم بجلال الله المنان ابو المظفر محمد شاہ السلطان
یمین الخلافة مبین دین الله ناصر امیر المومنین مد الله ظلال جلاله علی رؤس
العالمین الی یوم الدین بنا فرمود این مسجد کہ مسجد جامع اولیا ... ومقام ...
انقیا ومجمع مزیلت کرام ومحضر ارواح انبیاء عظام است بتاریخ فی انتہا ...
من شوال سنة عشر وسبعمائة - در عہد ہمایون حضرت علیا ...

سلاطین جہاں علاء الدنیا والدین العالی بخشوہ الظفر ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافہ ناصر امیر المومنین مد اللہ ظلال خلافتہ علی رؤس العلمین الی یوم الدین این مسجد کہ بوصف ومن دخلہ کان امنا موصوف است۔ این مسجد سے کہ در فسحت ورفعت چوں بیت المقدس مشہور است حضرت اعلی خدایگان فایض فضل ناصل احسان المؤید بتائید الملک المنان علاء الدنیا والدین المظفر ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافت ناصر امیر المومنین مد اللہ ظلال عظمتہ الی یوم الدین بصدق نیت وخلوص عقیدت بنا نمود۔

شرقی محراب کا کتبہ بناء این بقعہ شریف و اساس این عمارت منیف بود در عہد سلطنت وایام مملکت خدایگان سلاطین جہاں خسرو دارنشان سلطان کامل عدل وافر احسان شہنشاہ شمائل برونافذ فرمان معلی منابر اسلام محی آثار احکام بانی منابر مساجد طاعات رافع اساس معابد عبادات عامر بلاد وہدایت غامر دیار غوایت .... وسریر مملکت مظہر قوانین جہاد مبرہن براہین اجتہاد وضیا بخش بلاد .... سلاطین رافع بناء محراب منابر اسلام کاسر اساس صوامع اصنام ناصب قواعد خیرات حافظ حوانیت مسکرات بادشاہ کشور کشا سے سایہ رحمت خدا سے مؤید بتائید یزدان ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافۃ ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ فی عمارت المساجد وایّد سلطانہ فی انارت المعابد وابقاہ فی المملکت والخلافۃ مدی الدنیا ما تلیت سورۃ سبحان الذی اسری بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ بفرمان برگزیدہ حضرت رحمان ضابط ممالک جہان سلطان سلیمان نشان علاء الدنیا والدین غوث الاسلام والمسلمین معز الملوک والسلاطین جامع بناء خیرات ...... والملحدین رافع اساس محراب ومنبر ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافت ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ الی یوم انتہا این مسجد سامع عمارت کردہ شد .... این

مسجد جامع ساطع.. بفرمان برگزیدہ حضرت رحمان سکندر العہد والزمان علاء الدنیا والدین خسرو خسروان آفاق قمر رفیق ...... ابو المظفر محمد شاہ السلطان یمین الخلافۃ مظہر العدل والرافۃ ناصر امیر المومنین

قطب صاحب کی لاٹ
سنہ ۱۲۰۰ء سے سنہ ۱۲۲۰ء تک

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ
آثار پدید است صنادید عجم را

ہندو مسلمانوں میں ایک زمانے سے اس منار کی تعمیر کا مسئلہ مابہ البحث ہے۔ ایک فریق اس عالی شان منار کو اپنی بنائی کہتا ہے تو دوسرا اپنی لیکن جنرل کننگھم صاحب کے مدلل اور مسکت بیان نے (جو آگے آئے گا) اس کا قول فیصل مسلمانوں کے حق میں کیا۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب رئیس لوہارو نے (۶۷) برس ہوئے آئے دہلی کی آثار قدیمہ کی سوسائٹی میں ایک لکچر دیا تھا جس میں انھوں نے واقعات تاریخی سے ثابت کیا تھا کہ یہ منار مسلمانوں ہی کا بنایا ہوا ہے اور اپنے لکچر کے خاتمے پر یہ بھی کہا کہ "اس سے زیادہ قوی اور کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا سوائے اس کے کہ ان لوگوں کے مردے قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے کام کی خود تصدیق کریں"۔ سرسید لکھتے ہیں کہ "یہ لاٹ حقیقت میں مسجد قوۃ الاسلام کا مینار ہے اس کی رفعت اور شان اور بلندی اور خوش نمائی کا بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ لاٹ اس قدر بلند ہے کہ بہت دور دور کے پھرنے والے بجز ایک آدھ جگہ کے ایسی بلند کوئی عمارت روئے

---

۵۱ اگر قطب مینار کی نسبت ہم یہ کہیں کہ اس جیسی خوب صورت سڈول اور شان دار عمارت شاید دنیا پر موجود نہیں ہے تو یہ کچھ مبالغہ نہ ہوگا۔ قطب مینار کے جوڑ کی ایک منار کلک اٹلی کے شہر فلارنس میں گیاٹو (Giotto) کی بنائی ہوئی ہے اور وہ قطب مینار سے تیس فیٹ زیادہ اونچی بھی ہے کیونکہ گرجا کی وسیع عمارت میں ایسی گھری ہوئی پہنچی ہوئی ہے کہ اس کی خوب صورتی اور شان کو بٹہ لگ گیا ہے اور گو یہ مینار بھی بہت خوب صورت ہے مگر کبھی اس درجے بات نہیں جو قطب مینار کھڑے ہیں اس کی اکیلی نمایاں کرتی ہے۔ مسلمانوں کی صرف ایک ہی عمارت قاہرہ کی مسجد حسن کا مینار اس سے اونچی ہے لیکن قطب مینار اول ایک مستقل عمارت ہے جو سب سے الگ تھلگ ہے اور اس وجہ سے اس کا نظارہ کچھ اور ہی لطف دیتا ہے اور اس کی وضع قطع اور بناوٹ مصری منار سے بدرجہا بہتر ہے اور اٹلی اور مصری منارے تو ہیں کچھ موقوف نہیں سچ تو یہ کہ روئے زمین پر اس کا جواب نہیں ہے۔ ۵۲ مستشرقین لکھتے ہیں کہ "اس میں کسی شک و شبہ کا محل نہیں کہ لاٹ کی پہلی منزل قطب الدین ایبک کی بنائی ہوئی ہے۔ لاٹ کا نام جو قطب صاحب کی لاٹ ہے وہ اسی وجہ سے مشہور ہوا ہے اس کو حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یقیناً یہ سلطان قطب الدین کی مسجد کا مینار ہے پانچویں دوسری منزل پر سنہ جمعہ کا آخری رکوع خود اس امر کا بڑا ثبوت ہے" اس سے زیادہ اور معتبر شہادت کیا چاہیے۔ ۱۲

زمین پر نہیں نشان دیتے۔ نقل مشہور ہی کہ اگر اس کے نیچے کھڑے ہوکر اوپر دیکھو تو ٹوپی والے کو ٹوپی
اور پگڑی والے کو پگڑی تھام کے دیکھنا پڑتا ہی۔ یہ لاٹ اس قدر بلند ہی کہ آدمی یہ خیال کرتا ہی کہ اس کے اوپر سے
بیشک آسمان کو پکڑ لونگا اور اس نردبانِ آسمانی کے ذریعے سے نئے شبہ آسمان پر چڑھ جاؤں گا۔ بارہا لوگوں کو
اتفاق ہوا ہی کہ ساون بھادوں کے مہینے میں کہ عین موسم پھول والوں کی سیر کا ہوتا ہی اس لاٹ پر
چڑھے ہوے ہیں جب نیچے اُترے تو دیکھا کہ خوب مینہ برس گیا ہی جب جانا کہ اللہ اکبر
ابر اس لاٹ سے نیچا تھا۔ اس لاٹ کے اوپر سے نیچے کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں
اور چھوٹے چھوٹے آدمی ننھے ننھے ہاتھی گھوڑے دکھائی دینے کے سبب بڑا تماشہ معلوم
ہوتا ہی اور اسی طرح نیچے والوں کو اوپر کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور
ایسا شبہ پڑتا ہی کہ فرشتے آسمان پر سے اُترتے ہیں لاٹ کی چوٹی پر چڑھ کر عجیب وغریب
منظر پیش نظر ہوتا ہی۔ مینار کی جڑ کے پاس مسجد قوۃ الاسلام اور اُس کے متعلقہ دالان اور
عمارتیں ہیں تھوڑی دور بڑھ کر لال کوٹ کی چاردیواری ہی اور بجانب غرب سب سے اونچی
راے پتھورا کے قلعے کی عمارت نظر آتی ہی۔ جس کے سرے پر پرانی عیدگاہ کی بڑی بھاری
کالی کالی دیوار کھڑی ہی۔ قلعہ راے پتھورا کے شمال جانب میدان کے اُدھر جہاں پناہ کی
گری ہوئی فصیل کے ٹیلے ہیں جن کا سلسلہ سیری کی منہدمہ فصیل تک چلا گیا ہی اگرچہ مینار پر سے
یہ آخری حصہ نظر نہیں آتا مگر بیگم پور کی مسجد کی بڑی کالی کالی گراں ڈیل عمارت سے ہم کو اس کا
پتہ چلتا ہی۔ جہاں پناہ سے آگے شمال مغرب کی طرف فیروز شاہ کے مقبرے کا گنبد جو حوضِ
خاص کے پاس ہی دکھلائی دیتا ہی اُس سے آگے بڑھ کر صفدر جنگ کے مقبرے کا مخروطی
قبہ چمکتا ہی اور اسی لین میں جامع مسجد کے برج جگمگا رہے ہیں۔ صفدر جنگ کے مقبرے
کے مشرق میں پرانے قلعے کی لمبی فصیل ہی وہیں پاس حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ شریف
کا گنبد ہی اُس سے ذرا نیچے ہمایوں کے مقبرے کا عالی شان گنبد ہی۔ اس کے جنوب میں
کالکاجی کا مندر ایک بلند مقام پر بنا ہوا ہی۔ یہیں سے نیچے وار کو قطب مینار سے ٹھیک پچھاں
کے رخ پر تغلق آباد اور عادل آباد کے قلعے ہیں جن کے بیچ میں تغلق شاہ کا مقبرہ دکھلائی
دیتا ہی۔ تغلق آباد کی سڑک کے قریب شمال کی طرف ایک بڑی بھاری ویرانی ہی جو حوض
رانی اور کھڑکی کا میدان ہی۔ اس سڑک کے جنوب میں اور مینار کے پاس ہی جمالی مسجد اور
سلطان بلبن کے عالی شان مقبرے کے کھنڈر ہیں۔ جس کے پاس حضرت قطب صاحب

کی درگاہ کے جنوب میں موضع مہرولی کی بستی درختوں کے جھنڈ میں نظر آتی ہے۔ باوصف اس قدر بلندی اور عظمت کے ایسی خوب صورت اور خوش قطع بنی ہوئی ہے کہ بے اختیار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اس لاٹ میں بالکل سنگ سرخ لگا ہوا ہے اور چوتھا درجہ سنگ مرمر کا ہے اور ہر ہر درجے پر آیات قرآنی کھدی ہوئی ہیں اور جا بجا منبت کاری بنی ہوئی ہے۔ اس لاٹ کے بیچ میں مدور اور کمر کی ایسی خوب صورت پٹنیں ہیں کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔" مسلمان کہتے ہیں کہ اس لاٹ کو سلطان شمس الدین التمش نے جو سنہ ۶۰۷ھ میں بادشاہ ہوا اپنے عہد سلطنت میں بنایا تھا۔ کتب تواریخ سے سنہ ۶۲۶ھ کے بعد اس کا تمام ہونا پایا جاتا ہے۔ تقویم البلدان اور فتوحات فیروز شاہی میں اس کو مسجد کا ماذنہ اور سلطان معز الدین کی لاٹ لکھا ہے۔ اس لاٹ کا پہلا دروازہ شمال رویہ ہے اور ہندوؤں کے مندر کی عمارت کا دروازہ ہمیشہ شمال رویہ ہوتا ہے برخلاف ماذنوں کے کہ ان کے دروازے ہمیشہ شرق رویہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سلطان علاء الدین کی وہ لاٹ جو بنتے بنتے رہ گئی اس کا دروازہ بھی شرق رویہ ہے اور مسلمانوں کا یہ بھی دستور ہے کہ ایسی عمارتوں کو اکثر کرسی دے کر بناتے ہیں جیسے کہ ادھ بنی لاٹ کو کرسی دے کر بنانا شروع کیا تھا برخلاف ہندوؤں کے کہ وہ بدون کرسی کے بناتے ہیں جیسی کہ یہ لاٹ بنی ہوئی ہے اور نیز اس سبب سے کہ اس لاٹ کے پہلے درجے کے کتبوں کے پتھر صاف طور پر پیچھے سے لگائے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ علاوہ بریں جس طرح کہ رای پتھورا کے اصل بت خانے میں پتھروں پر لٹکتی ہوئی گھنٹیاں کھدی ہوئی ہیں اسی طرح اس کے پہلے کھنڈ کے پتھروں پر بھی اسی وضع کی گھنٹیاں کھدی ہوئی ہیں اور نیز اس دلیل سے کہ جس طرح کتبہ فتح نامہ کا بنام قطب الدین ایبک سپہ سالار اور دوسرا معز الدین کے نام کا اصل بت خانے پر ہے اسی طرح اس لاٹ پر بھی ہے جس سے اغلب خیال یہ ہوتا ہے کہ اس لاٹ کا پہلا کھنڈ ہندوؤں کے وقت کا ہے اور رای پتھورا کے مندر کا ایک جزو ہے اور کچھ عجب نہیں جس طرح مسلمانوں نے مندر کو ڈھا دیا اس منار کے اس حصے کو جو اس وقت موجود ہو یعنی کم سے کم پہلا کھنڈ اس کے تمام پتھر جن میں بت تراشے ہوئے ہوں نکال کر اپنی طرف سے کتبے کے پتھر جن پر آیات قرآنی کندہ ہیں اور بادشاہ کی تعریف ہے جما دیئے ہوں۔ جو بات مدت سے مشہور چلی آتی ہے اور جسے آوازۂ خلق نقارۂ خدا سمجھنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ یہ لاٹ رای پتھورا نے بت خانے کے ساتھ سمبت ۱۲۴۳ بکرماجیت میں بنائی تھی۔ ممکن ہے کہ اس وقت اس کے

زمین پر نہیں نشان دیتے۔ نقل مشہور ہی کہ اگر اس کے نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی والے کو ٹوپی اور پگڑی والے کو پگڑی تھام کے دیکھنا پڑتا ہی۔ یہ لاٹ اس قدر بلند ہے کہ آدمی یہ خیال کرتا ہی کہ اس کے اوپر سے بیشک آسمان کو پکڑ لوں گا اور اس نردبانِ آسمانی کے ذریعے سے بلا شبہ آسمان پر چڑھ جاؤں گا۔ بارہا لوگوں کو اتفاق ہوا ہی کہ ساون بھادوں کے مہینے میں کہ عین موسم پھول والوں کی سیر کا ہوتا ہی اس لاٹ پر چڑھے ہوے ہیں جب نیچے اُترے تو دیکھا کہ خوب مینہ برس گیا ہی جب جانا کہ اللہ اکبر ابر اس لاٹ سے نیچا تھا۔ اس لاٹ کے اوپر سے نیچے کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے آدمی ننھے ننھے ہاتھی گھوڑے دکھائی دینے کے سبب بڑا تماشہ معلوم ہوتا ہی اور اسی طرح نیچے والوں کو اوپر کے آدمی ذرا ذرا سے معلوم ہوتے ہیں اور ایسا شبہ پڑتا ہی کہ فرشتے آسمان پر سے اُترتے ہیں لاٹ کی چوٹی پر چڑھ کر عجیب وغریب منظر پیش نظر ہوتا ہی۔ مینار کی جڑ کے پاس مسجد قوۃ الاسلام اور اُس کے متعلقہ دالان اور عمارتیں ہیں تھوڑی دور بڑھ کر لال کوٹ کی چار دیواری ہی اور بجانب غرب سب سے اونچی راے پتھورا کے قلعے کی عمارت نظر آتی ہی۔ جس کے سرے پر پرانی عیدگاہ کی بڑی بھاری کالی کالی دیوار کھڑی ہی۔ قلعہ راے پتھورا کے شمال جانب میدان کے اُدھر جہاں پناہ کی گری ہوئی فصیل کے ٹیلے ہیں جن کا سلسلہ سیرھی کی منہدمہ فصیل تک چلا گیا ہی گر چہ مینار پر سے یہ آخری حصہ نظر نہیں آتا مگر بیگم پور کی مسجد کی بڑی کالی کالی گراں ڈیل عمارت سے ہم کو اس کا پتہ چلتا ہی۔ جہاں پناہ سے آگے شمال مغرب کی طرف فیروز شاہ کے مقبرے کا گنبد جو حوض خاص کے پاس ہی دکھلائی دیتا ہی اُس سے آگے بڑھ کر صفدر جنگ کے مقبرے کا مخروطی قبہ چمکتا ہی اور اسی لین میں جامع مسجد کے برج جگمگا رہے ہیں۔ صفدر جنگ کے مقبرے کے مشرق میں پرانے قلعے کی لمبی فصیل ہی وہیں پاس حضرت نظام الدین اولیا کی درگاہ شریف کا گنبد ہی اُس سے ذرا نیچے ہمایوں کے مقبرے کا عالی شان گنبد ہی۔ اس کے جنوب میں کالکا جی کا مندر ایک بلند مقام پر بنا ہوا ہی۔ یہیں سے پیچھے وار کو قطب مینار سے ٹھیک پچھان کے رخ پر تغلق آباد اور عادل آباد کے قلعے ہیں جن کے بیچ میں تغلق شاہ کا مقبرہ دکھلائی دیتا ہی۔ تغلق آباد کی سڑک کے قریب شمال کی طرف ایک بڑی بھاری ابترانی ہی جو حوض رانی اور کھڑکی کا میدان ہی۔ اس سڑک کے جنوب میں اور مینار کے پاس ہی جمالی مسجد اور سلطان بلبن کے عالی شان مقبرے کے کھنڈر ہیں۔ جس کے پاس حضرت قطب صاحب

کی درگاہ کے جنوب میں موضع مہرولی کی بستی درختوں کے جھنڈ میں نظر آتی ہو۔ باوصف اس
قدر بلندی اور عظمت کے ایسی خوب صورت اور خوش قطع بنی ہوئی ہو کہ بے اختیار دیکھنے کو
جی چاہتا ہی۔ اس لاٹ میں بالکل سنگ سرخ لگا ہوا ہی اور چوتھا درجہ سنگ مرمر کا ہی اور ہر ہر
درجے پر آیات قرآنی کھدی ہوئی ہیں اور جا بجا منبت کاری بنی ہوئی ہو۔ اس لاٹ کے بیچ
میں مدور اور کمر کی ایسی خوب صورت پخنیں ہیں کہ جس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا"۔ مسلمان کہتے ہیں کہ اس
لاٹ کو سلطان شمس الدین التمش نے جو ۶۰۷ھ میں بادشاہ ہوا اپنے عہد سلطنت میں بنایا تھا۔
کتب تواریخ سے ۶۲۹ھ کے بعد اس کا تمام ہونا پایا جاتا ہی۔ تقویم البلدان اور فتوحات فیروزشاہی
میں اس کو مسجد کا ماذنہ اور سلطان معزالدین کی لاٹ لکھا ہی۔ اس لاٹ کا پہلا دروازہ شمال رویہ ہی اور ہندوؤں
کے مندر کی عمارت کا دروازہ ہمیشہ شمال رویہ ہوتا ہی برخلاف ماذنوں کے کہ اُن کے دروازے
ہمیشہ شرق رویہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ سلطان علاء الدین کی وہ لاٹ جو بنتے بنتے رہ گئی اُس
کا دروازہ بھی شرق رویہ ہی اور مسلمانوں کا یہ بھی دستور ہی کہ ایسی عمارتوں کو اکثر کرسی دے کر
بناتے ہیں جیسے کہ ادھ بنی لاٹ کو کرسی دے کر بنانا شروع کیا تھا برخلاف ہندوؤں کے
کہ وہ بدون کرسی کے بناتے ہیں جیسی کہ یہ لاٹ بنی ہوئی ہی اور نیز اس سبب سے کہ اس
لاٹ کے پہلے درجے کے کتبوں کے پتھر صاف طور پر پیچھے سے لگائے ہوئے معلوم
دیتے ہیں۔ علاوہ بریں جس طرح کہ رای پتھورا کے اصل بت خانے میں پتھروں پر لٹکتی ہوئی
گھنٹیاں کھدی ہوئی ہیں اُسی طرح اس کے پہلے کھنڈ کے پتھروں پر بھی اُسی وضع کی گھنٹیاں
کھدی ہوئی ہیں اور نیز اس دلیل سے کہ جس طرح کتبۂ فتح نامہ کا بنام قطب الدین ایبک
سپہ سالار اور دوسرا معز الدین کے نام کا اصل بت خانے پر ہی اُسی طرح اس لاٹ
پر بھی ہی جس سے اغلب خیال یہ ہوتا ہی کہ اس لاٹ کا پہلا کھنڈ ہندوؤں کے وقت کا ہی
اور رای پتھورا کے مندر کا ایک جزو ہی اور کچھ عجب نہیں جس طرح مسلمانوں نے مندر کو
ڈھا دیا اس منار کے اُس حصے کو جو اُس وقت موجود ہو یعنی کم سے کم پہلا کھنڈ اس کے
تمام پتھر جن میں بت تراشے ہوئے ہوں نکال کر اپنی طرف سے کتبے کے پتھر جن پر
آیات قرآنی کندہ ہیں اور بادشاہ کی تعریف ہی جما دیئے ہوں۔ جو بات مدت سے مشہور
چلی آتی ہی اور جسے آوازۂ خلق نقارۂ خدا سمجھنا چاہیئے وہ یہ ہی کہ یہ لاٹ رای پتھورا نے
بت خانے کے ساتھ سمبت ۱۲۳۴ بکرماجیت میں بنائی تھی۔ ممکن ہی کہ اُس وقت اس کے

اتنے کھنڈ نہ ہوں بہرحال ایک بلند منار ضرور تھا کیونکہ راجہ کی بیٹی سورج مکھی مذہب کی تھی اور ہندو دریائے جمنا کو سورج کی بیٹی سمجھتے ہیں اس واسطے اس عقیدے والے جمنا کا درشن کرنا بھی بڑا دھرم جانتے ہیں اس واسطے راجہ نے اپنی بیٹی کے لیے تاکہ وہ جمنا کا درشن کیا کرے بنوایا تھا۔ سنہ ۱۱۹۱ء ۵۸۷ھ میں اس بت خانے کو مسلمانوں نے فتح کیا اور اُس کے بعد سے جو کچھ تصرفات مسلمانوں نے کیے اُس کا تفصیلی بیان ذیل میں ہے۔ یہ منار ایک گاؤدم شکل کا بہت بڑا اور بہت اونچا ستون ہے جس کی بلندی ۲۴۲ فٹ ۱۔انچ ہے جس کا دور پائے میں ۴۷ فٹ ۳۔انچ ہے اور چوٹی پر نو فیٹ۔ منار کی اس وقت پانچ منزلیں ہیں جن کو کھنڈ کہتے ہیں۔ اور ہر کھنڈ کے گرد ایک مختصر سی غلام گردش بطور برآمدے کے ہے جس پر انواع واقسام کے نقش و نگار کے بند لگے ہوئے ہیں۔ منار کا پایہ ایک کثیر الزوایا شکل کا ہے جس میں چوبیس ضلعے ہیں اور ہر ضلع ۶ فٹ ۔ ۶½ انچ کا ہے۔ منار دو فیٹ اونچے چبوترے پر ہے۔ نیچے سے فیروز شاہ تغلق کی برجی تک مینار کی اونچان ۲۳۸ فٹ ۱۔انچ ہے۔ سب سے پہلا کھنڈ ۹۴ فیٹ ۱۱۔انچ اونچا ہے جو سنگِ سرخ کا چوبیس ضلعوں کا بنا ہوا ہے۔ اس کھنڈ پر کے کتبے کو جو پہلے ہی سے غیر موزوں تھا رہا سہا اُس کو مابعد کی مرمت نے اور بھی غارت کر دیا۔ کچھ تو استداد زمانے سے پہلی سطر کے حروف جھڑ گئے اور مرمت اس خوش سلیقگی سے ہوئی کہ جس کا سر نہ پیر حروف کو ایسا بے ترکیب جوڑا کہ مطلب فوت ہو گیا۔ اب صحیح عبارت جو پڑھی جا سکتی ہے وہ صرف اتنی ہے" الامیر الامراء الاسفہسالار الاجل الکبیر" اور چیدہ چیدہ لفظ جو پڑھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

پہلی سطر

لقل - الله - الله الا - سلام والا - لله - لا عظیما الا - المر تلك آیات الکتاب وھو العزیز - الا الله - الرحیم - الناس الا - علی الله رزقھا - والمومنین - وصاعقة -

دوسری سطر

السلام والقادر الباھر ولله عظیما الله[۱] رقاب الامم

السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالك رقاب الامم

[۱] اس کتبے کے اکثر حصے کی ترکیب اول جلول ہے۔ حروف پتھروں میں تراشے ہوئے تھے مرمت کے وقت ایسے لوگوں نے جو جاہل تھے جیسا اُن کا دل چاہا جوڑ دئے آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن میں بعض بے تعلق عبارات سے جوڑ ملا دیا ہے ورنہ کتبے کا تو نہ سر ہے نہ پیر۔ ہم نے کتبے کی صورت نویسی کر دی ہے اور نیچے اُس کے مصنف آثار الصنادید نے جو پڑھا ہے وہ لکھ دیا ہے بمصداق نقل را چہ عقل - ۱۲

مولی ملوک العرب والعجم اعلی السلاطین فی العالم المعزالدنیا والدین

مولی ملوک العرب والعجم اعلی السلاطین فی العالم معزالدنیا والدین

غیا اللہ بالھرتان لیین لھا اللوالاین لاطر باساط لعر والاحسانک

غیاث الاسلام والمسلمین تاج الملوک والسلاطین باسط العدل والاحسان

لا ضل ن لا اللا ظل اللہ فی الخافقین الراعی لعباد اللہ الحامی لبلاد اللہ

فی الثقلین ظل اللہ فی الخافقین الراعی لعباد اللہ الحامی لبلاد اللہ

الصادحا لما لا بمان القایم محم ال سم الد الا للہ للر اا لد القابن السمل

الموئیل من السماء ....

المنصور لااعلا الدفا لمو داحما اللہ الھرہ جلال الامۃ الباھرۃ لمک الدنیا

المنصور علی الاعل اء علاء الدولۃ القاھرۃ جلال الامۃ الباھرۃ فلک الملۃ

االا فرہ اللہ الاۃ و العدن سلطان البر والبحر مکمن حیما لللدنیا ومظہر

الطاھرۃ .... سلطان البر والبحر محرز مما لک الدنیا ومظہر

کلمۃ اللہ ھی العلیا اسکندر الثانی ابی المظفر محمد بن سام ایام للہ لا الا

کلمۃ اللہ العلیا اسکندر الثانی ابو المظفر محمد ابن سام ناصر امیر المومنین

ومملکتہ وسلطانہ وتعلی الہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ

خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وتعالی امرہ وشانہ

ھو الرحمن الرحیم واقل العالیہ ا۔

گوالفاظ برابر پڑھے جائیں اور پڑھے کیسے جائیں جب کہ جہّال کے ہاتھ سے اس کی یہ گت بنی ہو مگر اتنا غنیمت ہے کہ مطلب اب بھی فوت نہ ہوا۔ سطر دوم میں مظفر معزالدین بن سام بادشاہ کی تعریف ہے جو عام طور پر سلطان محمد غوری کے نام سے مشہور ہے۔

تیسری سطر اس کا بھی وہی حال ہے جو دوسری سطر کا ہے یہاں سرے سے بسم اللہ ہی غلط ہے مگر چونکہ قرآن شریف کی آیت ہے اس واسطے سمجھ میں آگئی۔ پھر اس میں یہ اور زیادہ اشکال ہے کہ قرآن شریف کے ایسے منفرد الفاظ بنا ... کہ ایک کا دوسرے سے جوڑ نہیں ملتا۔ خدا جانے کدھر کا ٹکڑا کدھر لگا دیا۔

بسم الله الرحمن الرحیم له الملک

فیحا الدا بسم الله ولا جاهل... من تلک وحا ملحه لا فلله نعمته...

لعامر بر امحا خسفنها[ا] و مرس لب صل ار لرم اهوا ل لا ما

هو الذی انزل

لسا لسکینة بے فی مل ان ... لیزدادوا اغلما مع ایمانهم لله جنود

السکینة فی قلوب المومنین لیزدادوا ایمانا مع ایمانهم ولله جنود

السموات والارض وکان الله علیماً حکیماً ل لمحل ال ھس والمومن

السموات والارض وکان الله علیماً حکیماً لیدخل المومنین والمومنات

جنات تجری من تحتھ الا نهار خالدین فیها ویکفر عنهم سیا تهم

جنت تجری من تحتها الانهار خالدین فیها ویکفر عنهم سیاتهم

صل[۲] علی ماب لمر ع ک الله لوزا عظیما ورمدب لہ ب

...... وکان ذلک عند الله فوزاً عظیماً واقترب

حسد لدو المر امنا مد۔

مناقب

چوتھی سطر اس میں معزالدین ابوالمظفر محمد بن سام بادشاہ کی تعریف ہے:۔

.... السلطان المعظم شهنشاه الاعظم مالک رقاب

الامم مولی ملوک العرب والعجم سلطان السلاطین والعالم غیاث الدنیا

والدین المعز الاسلام والمسلمین محی العدل فی العالمین علاالدولہ

علاوالدولة

القاهره اصللله لل لل لما الامرہ الراهره شهاب الخلافة باسط

فلک الملة الطاهرہ جلال الملة الباهرہ

الاحسان والرا فلدمل والثقلین ظل الله فی الخافقین الحامی لبلاد الله

والرافة

[ا] خدا جانے یہ لفظ یہاں کیسے آگیا قرآن شریف کی آیۃ یہ ہے "فخسفنا به وبداره الارض"

[۲] خدا جانے صل علی۔یہاں کہاں سے آگیا ۱۲۔

الراعی لعباد الله محرر ممالك الدنیا و مظهر کلمات الله هے العلیا
ابو العا الحعسد دل بکل لیامرکا سرحر مسمر احمر الموحسو لمسلمین
ابو المظفر محمد بن سام قسیم امیر المومنین والمسلمین للمه برهنا نه
خلد الله ملکه **پانچویں سطر** نو دو نہ نام باری تعالیٰ
بسم الله الرحمن الرحیم هو الله الذی لا اله الا هو عالم الغیب و الشهادة هو الرحمن الرحیم هو الله الذو لا اله الا هو الملك الولوس السلام
الذی القدوس الموحق المهیمن العزیز الجبار المتکبر الخالق الباری المصور الغفار
المومن الجبار القهار الوهاب الرزاق الفتاح العلیم القابض الباسطر الخافض
الباسط الرافع المعز المذل السمیع لصر الحکم العدل اللطیف الخابر
البصیر الحکیم الخبیر العظیم الحلیم الغفور الشکور العلی الکبیر الحفیظ المعسر الحسیر
المقیت الحسیب الجلیل الکریم الرقیب المجیب الواسع الحکیم الودود المجید الباحه
الباحث الشهید الحق الوکیل القوی المتین الولی الحمید المحصی المسلمو
المبدی لمعلد المحیی الممیت سرالحمسو الواجد الماجد الواحد الطهر
المعید الحی القیوم الصمد

القادر المستدر المقدام لمہدر الاول الآخر الظاہر الباتنا

المقتدر　　المؤخر　　الباطن

الله لا تعالی المرا الیوار المنتقم العفو الرؤف مالک الملک ذی الجلال

الوالی المتعالی البر التواب

والاکرام المقسط الجالمع لعنی لمعو - آگے پتھر ٹوٹ گیا ہے اور دس نام

الجامع　الغنی المغنی

باقی رہ گئے ہیں -

چھٹی سطر　　قرآن شریف کا رکوع

بسم الله الرحمن الرحیم - یا ایها الذین امنوا انفقوا مما رزقناکم من قبل ان یاتی یوم لا بیع فیه ولا خلة ولا شفاعة والکفرون هم الظلمون الله لا اله الا هو الحی القیوم - آیة الکرسی تا هم فیها خالدون - الم تر الی الذی حاج ابراهیم فی ان اتاه الله الملک -

پہلے کھنڈ کے دروازے پر کا کتبہ

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من بنا مسجداً لله تعالی بنی الله له فی الجنة بیتاً مثله - عمارت منار مبارک حضرت سلطان السلاطین شمس الدنیا والدین مرحوم و مغفور طاب ثراه وجعل الجنة مثواه شکست شده بود منارهٔ مذکور در عهد دولت سلطان الاعظم والمعظم والمکرم سکندر شاه بن بهلول شاه سلطان خلد الله ملکه وسلطانه واعلی امره وشانه عمل خانزاد فتح خان بن مسند عالی خواص خاں جونا ناکبنا ای و در زبندی مرتبها بالا مرمت کرده مرتب کنانید الغرة من ماه ربیع الآخر سنه تسع وتسعمائة - العبد میر حسن (سنه ۹۰۹ھ ۱۵۰۳ء)

دروازے کے پاس کا ایک اور کتبہ

متولی این مناره فضل ابن ابو المعالی بوده است

اس کتبے کا ذکر خاص طور پر آگے چل کر آئے گا کہ منار کے اس حصے کی تاریخ معرض بحث میں ہے۔
۱۵۰۳ء میں سکندر شاہ لودی نے پہلے کھنڈ کی مرمت کرائی تھی پھر تین سو برس تک کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ انگریزوں کے دور حکومت میں جس کا آغاز ۱۸۰۳ء سے ہی اس دروازے کی مرمت دو مرتبہ ہوئی ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۸۲۹ء میں میجر اسمتھ کے ذریعے سے اور پھر ۱۸۴۳ء میں زیر نگرانی مسٹر جی۔ ایچ۔ لی آنز ([illegible]) اگزیکیوٹو انجنیر کے دروازے کی تجدید اور داخلی دروازے کی مرمت کرائی گئی۔ و بلہ ثانی میں نیچے کی زمین کو اونچا کر کے چبوترا درست کیا گیا۔ جنرل کننگھم کی شکایت واجبی ہے کہ میجر سمتھ کو چاہیے تھا کہ طرز قدیم کا تتبع کرتے جیسا کہ انھوں نے اس مینار کی مرمت کے متعلق اپنی رپوٹ میں لکھا تھا کہ مرمت اس نہج پر کی جائے گی کہ جہاں تک ممکن ہو پرانی طرز سے میل کھا جائے لیکن دروازے میں تو انھوں نے ایک نئے طرز کا چھجہ اور کنگنی نکال کر اور کتبے کے پتھروں کو الٹ پلٹ جما کر ایک نئی ہی شان نکال دی۔ پہلے تو کھنڈ کے گرد بڑے بڑے سنگین توڑوں پر برآمدہ تھا جس میں نہایت نفیس اعلی درجے کا شہد کے چھتے کی وضع کا ایسا باریک کام تھا کہ دلی کی کسی عمارت میں اس کی نظیر نہ تھی۔ جنرل صاحب کی رائے میں یہ صنعت جسے Honeycomb کا کام کہتے ہیں اکثر مناروں کے قبوں میں دیکھی گئی ہے (آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۱۹۰)۔ مسٹر کیمبل لکھتے ہیں کہ اس قسم کا کام جو مینار کی شہ نشینوں میں کیا گیا ہے بالکل غرناطہ اور الحمرا (Alhambra) کے مشابہ ہے۔ (جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد ۳۵ - حصہ اول صفحہ ۲۰۴)۔ اس گیلری کے اطراف کا کٹہرا ۳ ½ فیٹ اونچا ہے اور اسی طرح باقی چار کھنڈوں پر بھی کٹہرے ہیں۔ یہ کٹہرے میجر سمتھ کے بنوائے ہوئے ہیں۔ قدیم عمارت میں کٹہرے نہ تھے بلکہ نہایت نفیس برآمدے تھے ان کو نکال کر یہ کاٹھ جو کٹہرے ایسے جیسے عموماً باغوں کی بارہ دریوں میں ہوتے ہیں لگا کر عیب لگا دیا جو صاف پھلی کھاتے ہیں اور اتنے بھاری بھاری عمدہ توڑوں پر کسی طرح موزوں نہیں ہیں۔

دوسرا کھنڈ ۵۰ فٹ ۸ ½ انچ اونچا ہے۔ اس میں کمر کی پٹیاں ہیں اور دو ٹکول

میں سلطان التمش کی تعریف کندہ ہے۔

پہلی سطر السلطان الاعظم شہنشاہ المعظم مالک رقاب الامم مفخر ملوک العرب والعجم ظل اللہ فی العالم شمس الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین تاج الملوک والسلاطین باسط العدل فی العلمین علاء الدولۃ القاہرۃ جلال الملۃ الباہرۃ المویل من السماء المظفر علی الاعداء شہاب سماء الخلافۃ ناشر العدل والرافۃ محرک ممالک الدنیا مظہر کلمۃ اللہ العلیا ابو المظفر الیتمش السلطانی ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ وسلطانہ واعلی امرہ وشانہ

دوسری سطر۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء توتی اکلہا کل حین باذن ربہا ویضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یتذکرون ۔ یا ایہا الذین آمنوا اذا نودی لصلوۃ من یوم الجمعۃ تا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون۔

کتبہ بالا دروازہ درجۂ دوم امر باتمام ھذہ العمارۃ المؤید من السماء شمس الحق والدین ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین ۔

پہلے کھنڈ کی طرح دوسرے کھنڈ کے اطراف بھی گیلری ہے جس پر سیحر سمتھ کا بنایا ہوا ۳ ½ فٹ اونچا کٹہرا ہے۔ اس کے توڑے پہلے کھنڈ کی طرح زیادہ بھاری اور مضبوط نہیں مگر ان پر بھی نقش ونگار کی کچھ کمی نہیں ہے۔ آراستگی میں یہ بھی کسی طرح اُن سے کم نہیں۔

تیسرا کھنڈ ۹ ½ - ۹ انچ اونچا ہے۔ اس میں بھی ابھری ہوئی پخیں ہیں اس میں دو پٹکے ہیں پہلے پر صرف نقش ونگار اور بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور دوسرے پر یہ کتبہ ہے:۔

السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک العرب والعجم سلطان السلاطین فی العالم حافظ بلاد اللہ ناصر عباد اللہ المظفر علی الاعداء المویل من السماء تاج الاسلام والمسلمین غیاث الملوک

والسلاطین الحامی لبلاد اللہ الراعی لعباد اللہ یمین الخلافۃ باسط العدل والرافۃ ابو المظفر التمش السلطان ناصر امیر المومنین خلد اللہ ملکہ وسلطانہ ویعلی امرہ وشانہ -

کتبہ بالائے دروازہ درجۂ سوم

السلطان المعظم شہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم خاتم ملوک العرب والعجم المؤید من السماء المظفر علی الاعداء سلطان ارض اللہ حافظ بلاد اللہ ناصر عباد اللہ محرز ممالک الدنیا مظہر کلمۃ اللہ العلیا جلال الدولۃ القاہرۃ نظام الملۃ الباہرۃ شمس الدنیا والدین غیاث الاسلام والمسلمین ظل اللہ فی العالمین التاج الامم والخلافۃ صاحب العدل والرافۃ سلطان السلاطین

کتبہ بر پہلو دروازہ درجۂ سوم

تمت ھذہ العمارۃ فی نوبت العبد المذنب محمد امیر کوہ (انجنیر)

اس منزل میں ایک چھوٹی سی سطر ناگری کتبے کی بھی ہی جس میں "محمد سلطان" کا نام اور سمت ۱۳۸۲ (۱۳۳۵ء) درج ہی جو سلطان محمد تغلق شاہ کا سنہ جلوس ہوتا ہی - تیسری منزل پر بھی دوسری منزل کی طرح کٹہرا ہی مگر تین فٹ اونچا ہی

چوتھا کھنڈ

۲۴ فٹ - ۴ - انچ - اونچا ہی - یہ کھنڈ سادہ بنا ہوا ہی اس میں پخیں نہیں ہیں - اس کھنڈ کے روکار میں علاوہ سنگ سرخ کے کہیں کہیں سنگ مرمر بھی لگا ہوا ہی - اس کھنڈ پر چار پٹکے ہیں جن میں سے ایک پر یہ کتبہ ہی اور باقی تین پر بہت خوب صورت نقش و نگار ہیں :-

امر بھذہ العمارۃ فی ایام الدولۃ السلطان الاعظم شاھنشاہ المعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک الترک والعرب والعجم شمس الدنیا والدین معز الاسلام والمسلمین ذوالامن والامان وارث ملک سلیمان ابو المظفر ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین (آگے پتھر ٹوٹ گیا ہی)

اس کھنڈ کی شہ نشین ہلکی پھلکی ہی اور کٹہرے کی اونچان تین فیٹ ہی -

پانچواں کھنڈ

۲۲ فٹ - ۴ - انچ اونچا ہی - اس کا ستون درمیانی گول ہی - اس پر سنگ سرخ اور سنگ مرمر کے منقش ٹکڑے ہیں جس پر آہنی اور برنجی جنگلا لگا ہوا ہی اور دروازے پر یہ کتبہ ہی :-

...... درین منار ہ شہور سنہ سبعین و سبعمائۃ باٰفت برق خلل یافت صرت بتوفیق ربانی برکشیدہ عنایت سبحانی فیروز سلطانی این مقام را با حتیاط تمام عمارت کرد خالق بیچون این مقام را از جمیع آفات مصئون داراد-

فیروز شاکی برجی کا ٹوٹا ہوا کھنڈ جو قریب دو فٹ کے اونچا ہی پانچویں منزل پر اب بھی کھڑا ہی - اس منزل پر دو کتبے ناگری کے بھی ہیں جن کے متعلق جنرل کننگھم صاحب لکھتے ہیں کہ "پہلے کتبے کی دو سطریں ہیں جس میں سمت ۱۴۲۵ (۱۳۶۸ء) زمان سلطنت پیروج شاہ (فیروز شاہ تغلق) درج ہی - دوسرا کتبہ دروازے کے جنوبی پاکھے پر ہی جس کا کچھ حصہ سنگ مرمر پر کندہ ہی اور کچھ سنگ سرخ پر - اس میں بھی فیروز شا کا نام درج ہی لیکن سمت ۱۴۲۶ ہی" - اس کتبے کو جنرل صاحب بہت اہم خیال کرتے ہیں لیکن اس میں خرابی یہ ہی کہ بہت مشکل سے پڑھا جاتا ہی - اس میں صرف اتنا پڑھا جاتا ہی "سری وسوا کرم پرسا د رچتیا - اور کتبے کے آخر میں "سلہبی" تعمیر کنندہ لقب ہی جو چھڈ دیوپال کے بیٹے "نانا سلہا" کے واسطے مستعمل ہوا ہی جس نے منار کی مرمت کی تھی - اس کتبے کے بیچ میں پانچ ہندسے بھی ہیں -

چھٹا کھنڈ

فیروز شاہ کی برجی ۱۷۹۴ء تک موجود تھی جس سے ۱۲ فٹ ۱۰ انچ منار کی بلندی اور بڑھ جاتی تھی - ۱۸۰۳ء میں زلزلے کے صدمہ سے گر پڑی - چوں کہ اس زمانے کی لاٹ کا کوئی نقشہ ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا لہٰذا ٹھیک طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ اس برجی کی وضع قطع کیا تھی - ۱۸۲۹ء میں جو ایک کمیٹی لاٹ کی ترمیم شدہ حالت پر رپورٹ کرنے کو مقرر ہوئی تھی اُنھوں نے جہاں تک معلوم ہوسکتا تھا برجی کی کیفیت اور سمجھ سے جو اس کے عوض میں نئے جوڑ تعمیر کی تھی ان واقعات کو قلم بند کیا ہی - میجر صاحب خود کہتے ہیں کہ "نہ تو میں نے

برجی کے قدیم طرز کا پورا تتبع کیا اور نہ میں نے یہاں کے بڑے بڑے لوگوں کی زبانی روایات کی پیروی کی بلکہ دراصل برجی صرف چار ستونوں پر بنی ہوئی تھی" میجر صاحب نے جس برجی کو درست کیا ہے یہ چھٹی ساتویں منزل کہلاتی تھی چھٹی منزل سنگ سرخ کی صرف ایک برجی تھی جس کے آٹھ ستون تھے اور چھجہ اور کارنس بڑی نفیس تھی۔ اس کی بلندی ۶ ½ فٹ تھی جس پر تین فیٹ اونچا سنگ سرخ کا کٹھرا مع منڈیر کے تھا۔

ساتواں کھنڈ

بالکل سیدھا سادا شیشم کی لکڑی کا ایک سایبان (منڈوا) تھا۔ جس پر جھنڈا لہرایا کرتا تھا۔ اس منڈوے کے تھم آٹھ فیٹ اونچے تھے اور جھنڈے کا کھم جو سال کی لکڑی کا تھا ۳۰ فٹ لمبا تھا ۱۸۴۸ء میں لارڈ ہارڈنگ[۱] گورنر جنرل کے حکم سے مینار پر سے یہ بدنما[۲] حصہ اُتروا دیا گیا جو اب تک ایک چھوٹے سے چبوترے پر بلا جھنڈے کے دھرا ہوا ہے۔ چنانچہ کپتان سلیمن (Capt: Sleeman) صاحب رزیڈنٹ دہلی نے اس برجی کو ملاحظہ فرما کر نہایت برجستہ ریمارک کیا تھا کہ" اگر فیروزشاہ کی برجی بھی ایسی ہی تھی جیسی کہ آپ نے بنائی ہے تو اُس کا بجلی سے نیست و نابود ہو جانا ہی اچھا ہوا۔" جس وقت جھنڈا چڑھایا گیا جب ہی لوگوں نے اسے بے ڈول اور بھنگم خیال کر کے ناک بھوؤں چڑھائی تھی۔ لوگوں کی ناپسندیدگی کی خبر پا کر میجر سمتھ نے حضرت بہادر شاہ صاحب بادشاہ دہلی سے استمزاج کیا۔ حضور اقدس نے مہتمم محلات کی معرفت میجر صاحب کو لکھا کہ جہاں پناہ نے دوبار لاٹ کو ملاحظہ فرمایا

---

۱ کہیں لوگوں کو شبہ نہ ہو یہ سر ہنری ہارڈنگ ۱۸۴۴-۴۸ء تک گورنر جنرل رہے جو حال کے گورنر جنرل بیرن ہارڈنگ آف پنشرسٹ کے جو نومبر ۱۹۱۰ء میں گورنر جنرل مقرر ہوئے اور جن کے عہد میں ہمارے شہنشاہ جارج پنجم ملک ہندوستان میں رونق افروز ہوئے ان کے دادا تھے۔

۲ فیروز شاہ کی برجی ایک قبہ نما منڈوا تھا جس کے چار یا شاید آٹھ در تھے لیکن فرنیکلن صاحب اور ڈینیل صاحب نے اپنی کتاب میں جو نقشے دیئے ہیں اُس میں یہ شکل نہیں ہے۔ مگر این سین جیمس بلنٹ جو ۱۷۹۴ء میں دلی میں آیا تھا وہ اس برجی کے متعلق لکھتا ہے کہ" اس مینار کی چوٹی پر ایک شان دار برجی سنگ سرخ کی تھی" اور اب بھی اگر کسی عمدہ ڈزین کی خوش نما برجی بنا دی جائے تو لاٹ جو اب لنڈی نظر آتی ہے بے انتہا خوش نما ہو جائے۔

اور ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرز پر کہ آپ تعمیر کرنا چاہتے ہیں وہ مابدولت کو پسند ہی۔ لاٹ کی پہلی تین منزلیں ریتیلے سنگ سرخ کی ہیں لیکن سب کے پتھر کا رنگ یکساں نہیں ہی۔ پہلی اور دوسری کا پتھر ہلکے گلابی زردی مائل رنگ کا ہی اور تیسری منزل کا پتھر گہرا سرخ ہی۔ اس سے اوپر کی دو منزلوں میں ریتیلا بھربھرا سنگ سرخ اور سنگ مرمر دونوں لگا ہوا ہی۔ مگر زیادہ تر سنگ مرمر ہی ہی۔ اندر جو چکردار زینہ ہی اُس کا بھی یہی حال ہی۔ تحتانی درجوں میں درمیانی محوری ستون اور اُس کے گرد کی سیڑھیاں سنگ خارا کی ہیں۔ زینے پر کی کھڑکیوں اور روشن دانوں کی محرابیں ہندوانی وضع کی ہیں۔ بالائی دو کھنڈوں میں محوری ستون اور دیوار کے اندروار اور سیڑھیاں سب ریتیلے سنگ سرخ کی ہیں۔ چوتھی منزل اپنی اصلی حالت پر قایم نہیں ہی بلکہ اُس میں بہت کچھ ترمیم و تبدیل ہوگئی ہی۔ فیروز شاہ نے حسب مرضی خود اس کی تعمیر کرائی اور گو کہ دروازہ اور کتبہ علی حالہ قایم ہی مگر پھر بھی فیروز شاہی عہد کی ترمیم بلحاظ اپنے طرز کے بالکل الگ معلوم دیتی ہی ابو الفدا مورخ نے سنہ۱۳۲۱ء میں فیروز شاہ کی دست اندازی سے بہت پہلے مینار کی (۳۶۰) سیڑھیاں بتلائی ہیں۔ اب اگر ہم سیڑھیوں کی تعداد (۳۶۰) پوری کرنی چاہیں تو ہم کو پانچویں منزل کی بھی اکیس سیڑھیاں ملانی پڑیں گی جو در حقیقت سلطان التمش کے زمانے کی چوتھی منزل تھی۔ مینار کی تین تحتانی منزلوں اور اُس کے اوپر کی منزلوں کی طرز تعمیر میں ایسا کھلا فرق ہی کہ یہ دونوں ایک ہی زمانے کے کاریگروں کی بنائی ہوئی ہو نہیں سکتیں۔ چکردار زینے کی سیڑھیوں کی صحیح تعداد (۳۷۹) ہی۔ جن میں سے صرف تین سیڑھیاں بیجر سمتھ کی بنائی ہوئی برجی کی ہیں۔ لیکن تعجب ہی کہ جتنے منہ اُتنی ہی باتیں ایک ذرا سے معاملے میں بڑے بڑے دانشور بھی جنھوں نے مینار کو غور سے دیکھا اور سیڑھیاں گنی ہیں چکر میں پڑ گئے۔ تھارن صاحب (۳۸۵) فرینکلن صاحب (۳۸۰) وان آرلک (۳۸۳) سرسید (۳۸۸) سیڑھیاں بتلاتے ہیں۔ در حقیقت یہ مینار کبھی پانچ منزل سے اونچا نہ تھا۔ سنہ۱۲۳۱ء میں التمش کی تعمیر ختم ہوگئی اور اُس زمانے میں (۳۶۰) سیڑھیاں تھیں۔ اس تعداد کے لحاظ سے ہم پانچویں منزل کی اکیسویں

سیڑھی پر جا پونہچتے ہیں۔ اسی برس بعد ۱۳۶۸ء میں جب مینار پر بجلی گری تھی تو فیروز شاہ نے چوتھے اور پانچویں کھنڈ دونوں کو پہلے ہی مال مسالے سے بتمامہا از سر نو بنوایا۔ چوتھے کھنڈ میں اُس نے قدیم دروازہ اور کتبہ بدستور قایم رکھا۔ چنانچہ خود فیروز شاہ نے لکھا ہو کہ اُس نے ایک برجی بنوا کر اسے اونچا کرا دیا۔ سرسید اس مینار کو سات کھنڈوں کا "ہفت منظری" لکھتے ہیں لیکن اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ ہمیشہ سے وہ پانچ ہی کھنڈ کی تھی فیروز شاہ نے صرف اسے ذرا اونچا کروا دیا تھا۔ بانی مینار کی نسبت اب کسی قسم کی اختلاف رای کا موقع باقی نہیں رہا۔ کچھ شک نہیں ہو کہ پہلی منزل قطب الدین ایبک کی بنوائی ہوئی ہو جس کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہو کہ اس پر کے کتبے میں صاف طور پر "محمد غوری" کا نام موجود ہو جو اس بادشاہ کے زمانے کا ایک بڑا امیر تھا اور بقول سرسید خود قطب الدین کا نام موجود ہی اور سب سے بڑھ کر یہ ثبوت ہو کہ "فضل ولد ابو المعالی" مینار کا متولی تھا اور یہی بعہد قطب الدین مسجد قوۃ الاسلام کا بھی متولی تھا۔ مسٹر کیمبل کی یہ رای کہ مینار قطب الدین کی مسجد کا ماذنہ تھا بالکل بامو قع ہو۔ ابو الفدا نے بھی اپنی "تاریخ مختصر" میں اسے "ماذنۂ جامع مسجد دہلی" لکھا ہو۔ ماذنہ اُس مینار کو کہتے ہیں جس پر چڑھ کر اذان دیجاتی ہو۔ ابو الفدا، شمس سراج اور امیر خسرو اس مینار کو سلطان التمش سے منسوب کرتے ہیں۔ اس ملک میں اور خصوصاً دلی میں کوئی نئی بات نہیں ہو کہ جو کسی عمارت کی مرمت کرتا ہو اُسی کا نام ہو جاتا ہو۔ فیروز شاہ نے اسے معز الدین سام کا مینار لکھا ہو۔ ابن بطوطہ اس مینار کی تعمیر معز الدین کیقباد کی طرف منسوب کرتا ہو۔ لیکن کسی کی کہی سنی بات بمقابلے اُن کتبات کے جو خود اس مینار پر ڈنکے کی چوٹ بتلا رہے ہیں کب قابل وثوق ہو سکتی ہو۔ دوسرے درجے کے دروازے پر جس میں اس عمارت کی تکمیل کا فرمان ہی وہ خود اس بات کا ثبوت ہو کہ آغاز کار اس بادشاہ کے وقت میں نہیں ہوا اور پہلے درجے کے دروازے پر کا کتبہ دوسرے درجے کے دروازے کے کتبے کے برخلاف التمش کو بانی مینار قرار دیتا ہو اور ایسا ہی سب سے آخری زمانے کے سکندر لودی کے کتبے میں جو سب سے نیچے کی منزل کے دروازے پر ہے

درج ہی۔ پہلا کتبہ جو تیسری منزل کے دروازے پر نصب ہی اور دوسری منزل
کے دروازے کے کتبے کی متضاد عبارت کا میلان جنرل کننگھم صاحب نے یوں
کیا ہی کہ پہلا کتبہ صرف چوتھی منزل کے متعلق ہی نہ کہ سارے مینار پر محتوی ہی اور لودی
کے زمانے کے کتبے میں جو لکھا ہوا ہی وہ پہلے کتبے کی محض نقل کی بنا پر ہی۔
بدیں وجوہ مینار کی پہلی منزل جو قطب الدین ایبک سے منسوب کی جاتی ہی وہ بالکل
درست ہی رہی باقی عمارت وہ شمس الدین التمش کی بنوائی ہوئی ہی اور فیروزشاہ
کی مرمت بھی اس سے الگ ہی۔ اس مینار کی تعمیر میں سنہ ۱۲۰۰ء سے سنہ ۱۲۲۰ء تک بیس
سال کا عرصہ لگا ہی۔ جنرل کننگھم نے سلطان علاء الدین کا نام بھی لاٹ کے بانیوں
میں لیا ہی۔ جس کو وہ ایک "نیا دعوی دار" کہتے ہیں وہ امیر خسرو کی تاریخ "علائی"
سے نقل کرتے ہیں کہ "سلطان علاء الدین نے بھی ایک روکار کی درستی اور
ممٹی بنانے کا حکم دیا تھا"۔ اس پر سے جنرل صاحب کی رای ہی کہ موجودہ تمام روکار
سنگ سرخ کا علاء الدین خلجی کا بنوایا ہوا ہی مگر اتنی بات ضرور ہی کہ علاء الدین نے
قطب الدین ایبک کے طرز کو نہیں چھوڑا۔ بابر نے بھی اس منار کو علاء الدین خلجی کا
کہا ہی لیکن جن لوگوں نے اُس زمانے کی تاریخ پڑھی ہی اور علاء الدین کے
کیرکٹر پر غور کیا ہی اور علائی دروازے پر اُس کے غیر متناہی کتبے پڑھے ہیں
وہ ہرگز یقین نہیں کر سکتے کہ اگر سلطان علاء الدین نے قطب مینار کو ہاتھ لگایا ہوتا
تو جس طرح کہ علائی دروازے میں بار بار اُس کا نام آیا ہی کوئی وجہ نہ تھی کہ مینار کے
کسی کتبے میں وہ اپنا نام نہ درج کرواتا۔

لاٹ ہندو نقطۂ خیال سے

ببیں کرامت بت خانۂ مرا ای شیخ
کہ چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

یہ خوب صورت مینار جو دنیا کے سات عجائبات میں کا ایک ہی اس کی نسبت یہ خیال
کہ اس کی بنا اہل ہنود کی ہی بالکل واجبی ہی۔ یہ ستون راجہ پرتھی راج کا بنوایا ہوا ہی جو
اُس نے سنہ ۱۱۹۱ء میں مسلمانوں کو شکست دے کر بطور "جی ستمبھا" (یادگار فتح) کے بنایا تھا۔ یہ بھی
کہا جاتا ہی کہ یہ مینار راجہ نے اپنی بیٹی کے لیے بنوایا تھا کہ وہ اس پر چڑھ کر جمنا کا درشن
کرلیا کرے۔ یہ عمارت یقیناً ہندوانی ہی۔ جس پر مسلمانوں نے قرآن شریف کی آیتیں

(بعد میں) لگا دیں۔ اس کھمبے کے بانی وِسواکرم دیوتا کے نام پر اسے بنایا جو ہندوؤں کا بڑا دیوتا ہے جسے عمارات کے بنانے کی قدرت کا ملہ ہے۔ پرتھی راج کی وفات کے بعد دلّی پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور اُن کے جنرل قطب الدین نے اس کو اپنے طرز پر ڈھال لیا۔ اُسے منہ مانگی مراد ملی۔ بنی بنائی عمارت ہاتھ لگی۔ اس سے بہتر بلند اور موزوں عمارت اذان دینے کے لیے کہاں مل سکتی تھی۔ منار پر کی مرغولیں اور گھنٹیں مسلمانوں نے بتوں کی مورتیں نکال کر بنالیں۔ تسلسل واقعات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے لیکن ہم خواہ مخواہ کا جھگڑا اکھیڑا کرنا نہیں چاہتے کہ شیر شاہ کی ڈاڑھی بڑی تھی یا سلیم شاہ کی۔ اس ستون کے پاس ہی ایک خوب صورت مندر تھا جسے توڑ کر مسجد بنائی گئی ہے اور دلّی کے پرانے پرانے لوگ جن سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے وہ سب اس امر میں یک زبان ہیں کہ منارا ور مسجد دونوں دراصل اہلِ ہنود کی عمارات تھیں جنھیں مسلمانوں نے توڑ پھوڑ کر اپنے مطلب کا بنالیا۔ اگر یہ بات واقعی ہے اور ہمارا خیال صحیح ہے تو یہ بات دوسری ہے کہ قطب الدین غلام تھا یا نہ تھا مگر اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ وہ ایک دانشمند اور زیرک حکمراں تھا۔ کیوں کہ کسی خوب صورت چیز کو نیست و نابود کر دینے سے یہ بہت بہتر ہے کہ تھوڑے رد و بدل کے ساتھ ہم اُسے اپنے کام میں لے آئیں۔ مسجد قوۃ الاسلام کے ستون جن پر نہایت نفیس نقش و نگار ہیں وہ پرتھی راج کے مندر ہی کی باقیات ہیں"۔

مسٹر کننگھم اور مسٹر بگلر کا اختلافِ رائے کے بعد قولِ فیصل

جھکی ذرا چشم جنگ جو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزا اُس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

مسٹر جے۔ ڈی۔ بگلر محکمۂ آثار قدیمہ کے اسسٹنٹ (مددگار) ڈائرکٹر جنرل نے اپنی ۱۸۷۱-۷۲ء کی رپورٹ میں (جو سلسلۂ آثار قدیمہ کی چوتھی جلد ہے) قطب صاحب کی مسجد اور لاٹ کو بالکلیہ ہندوانی عمارت ثابت کیا تھا۔ جس سے میجر جنرل۔ اے۔ کننگھم سی ایس آئی۔ ڈائرکٹر جنرل نے ایسے مدلل طور پر اختلاف کیا کہ بگلر صاحب کو قائل ہونا پڑا۔ ہم دونوں صاحبوں کی رپورٹ یہاں لکھتے ہیں جو بہت عالمانہ اور دلچسپ ہے۔ بات یہ ہے کہ عقل مندوں کا ہر کام عقل مندی کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ لڑیں گے بھی تو

اپنی آن لیئے رہیں گے۔ بحث کریں گے تو تہذیب سے۔ اختلاف کریں گے تو نہایت عمدگی سے۔ کیا مجال کہ اُس میں ذاتیات کی جھلک نظر آئے یا دلوں میں کدورت آ جائے۔ ہر شخص اپنی رائے میں آزاد ہی۔ خواہ وہ ماتحت ہی کیوں نہ ہو۔ پھر ان کی صفائی قلب۔ حق پسندی کو دیکھیئے کہ واجبیت کے سامنے اپنی بات کی ذرا بھی پچ نہ کی اور فوراً اپنی غلطی کو کشادہ پیشانی سے تسلیم کر لیا۔ ؏

عیسائیوں میں ساری مسلماں کی خصلتیں ۔۔۔ اسلامیوں میں اُنکی سی کوئی ادا نہیں
واں اتحاد و یک دلی و الفت و وفاق ۔۔۔ یاں ایسے اختلاف کہ کہنے کی جا نہیں

مسٹر بگلر کی رپورٹ پر جنرل صاحب کے ریمارک

مسٹر بگلر کی رپورٹ پر میں تمہیدی ریمارک اُن چند ضروری ابواب کی نسبت کرنا چاہتا ہوں جس میں مجھے اپنے ماتحت سے اختلاف ہی۔ مجھے اپنے خیالات کا اظہار قطب صاحب کی مسجد اور مینار کی نسبت زیادہ ضروری ہی مبادا میری خاموشی توافق رائے نہ سمجھ لی جائے حالانکہ میں اُن کی رائے سے کلیتہً مخالف ہوں۔

پرانی دہلی میں سب سے بڑھ کر دلچسپ یہ دو عمارتیں ہیں۔ ایک قطب صاحب کی مسجد اُس کی شاندار محرابوں سمیت۔ دوسری وہ عجیب و غریب موذن کا ستون جو قطب مینار کہلاتا ہی اور جو تقریباً دو سو پچاس فیٹ بلند ہی۔ اس مسجد کی تعمیر ہمیشہ قطب الدین ایبک سے منسوب کی جاتی ہی جو دہلی کا پہلا مسلمان بادشاہ تھا۔ درحقیقت اس بات کی صراحت اُس مشرقی کتبے میں موجود ہی جو مسجد کے صدر دروازے پر لگا ہوا ہی۔ اور نیز یہ بھی اُسی کتبے میں ہی کہ مسجد کا مال مسالا ہندوؤں کے ستائیس مندر توڑ کر فراہم کیا گیا ہی۔ یہاں کے دالانوں کے ستونوں کا ہندوانی ہونا ایک ایسی بات ہی جو ہر شخص پر ظاہر ہی اور اسی کے ساتھ یہ امر بھی اُسی طرح کھلا ہوا ہی کہ ان کو مسلمانوں نے از سر نو ترتیب دے کر دو دو تین تین تھم اوپر تلے جما کر موجودہ اونچان پوری کی ہی۔ یہ بات جس طرح مجھ پر ظاہر ہو با ہر ہی مسٹر فرگسن کو بھی اس کا علم تھا۔ مسٹر بگلر اگرچہ اپنی رپورٹ میں ستونوں میں کچھ رد و بدل کیئے جانے کو تسلیم کرتے ہیں مگر پھر بھی اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ جس طرح وہ ہندوؤں کے مندر کے دالان میں تھے اُسی طرح اپنی اصلی جگہ پر اب بھی ہیں اور نیز کہ اُن کی

موجودہ اونچان بھی وہی ہے جو کہ ہندوؤں کے دالان میں ابتدا ئً تھی۔ وہ اپنی اسی
رای کے وثوق پر مسلمان بانیان مسجد کے اُس قول کی تردید کرتے ہیں کہ انھوں نے
ستائیس مندر توڑ کر یہ مسجد بنائی اور اس کو مسلمانوں کی نری شیخی خیال کرتے ہیں
میرے خیال میں یہ رائے بالکل نا قابل قبول ہے۔ مسلمان فاتحین کو ستائیس مندروں
کے توڑنے کی ایک غلط خبر مشتہر کرنے اور پھر اس صریح جھوٹی بات کو ایک
عظیم الشان مسجد کے دروازے پر کندہ کرانے سے کچھ سفاد نہ تھا۔ اس لیئے
میں (مسلمانوں کے) اس بیان کو بالکل وثوق سے صحیح (اور مطابق واقعہ) سمجھتا ہوں
علاوہ ازیں میرے اس خیال کی تصدیق صحن کے تینوں طرف کے دالانوں ستونوں
کی ساخت سے کافی طور پر ہوتی ہے اور جیسا کہ میں نے دلی کے بیان میں ظاہر کیا ہے
یہ ستون یقیناً متعدد اور مختلف مندروں کے ہیں۔ اس میں مجھے کچھ شک نہیں ہے
کہ جس جگہ مسجد بنائی گئی ہے یہ جگہ فی الواقع ایک ہی مندر کی تھی اور جب بگلر صاحب
نے میرے ایما سے کندیدگی کا کام شروع کیا تھا تو میں نے اُن پر اپنی رای
ظاہر کر دی تھی کہ مسجد کے اونچے چبوترے کا نشیبی حصہ جو محاط ہے وہ ہندوؤں کے
مندر کا ہے اور وہ اپنی اصلی حالت پر قایم ہے۔ مسٹر بگلر نے ان دیواروں کے
باہر باہر کھدائی کی تھی اُس سے میری رای کی تصدیق ہو گئی۔ اسی وجہ سے
اُس اونچے چبوترے کو جس پر کہ مسجد کھڑی ہے پرانی دلی کے ایک بڑے بھاری
مندر کا مقام سمجھتا ہوں اور اسی (مندر) میں سے حالت اصلی پر وہ لمبے لمبے
ستون باقی رہ گئے ہیں جو بڑی محراب کے عین عقب میں ہیں۔ یہ ستون عین میں
ہندوانی ہیں جن کو نہ مسلمانوں نے ہلایا جلایا نہ بدلا بدلایا۔ (یعنی یہ کہ جہاں پہلے
تھے وہیں اب بھی ہیں) ان ستونوں کی نسبت میرا یہ کہنا کہ ان کو مسلمانوں
نے ہلایا جلایا نہیں اس وجہ سے ہے کہ ان کی جگہ چبوترے پر چھینی سے کھانچے
بنے ہوئے ہیں اور بدلا بدلایا نہیں اس پر میں کہتا ہوں کہ اُن کے تمام سلاک سلاک
اُسی طرح کے ہیں جیسے کہ (عموماً) ہندوؤں کے مندروں میں ہوتے ہیں۔
باقی اطراف کے سارے دالانوں کے تمام ستونوں کو مسلمانوں نے اس
طرح ترتیب دیا ہے کہ دو دو تین تین ٹکڑے (اوپر تلے) جوڑ کر بقدر ضرورت اونچا

کیا گیا ہی - میں اپنی اس رای کی تائید میں کہ بڑی محراب کے پاس کے ستونوں کو اپنی جگہ سے جنبش نہیں دی گئی ایک اور ثبوت پیش کر سکتا ہوں اور وہ یہ ہی کہ بڑی محراب کے پاکھوں کے پتھروں میں جو گھر ان ستونوں کے بٹھانے کے تراشے گئے ہیں اُن میں ان کی چولیں ٹھیک بیٹھی ہوئی ہیں - اس سے معلوم ہوتا ہی کہ محرابیں ستونوں کے بعد بنی ہیں اور مسلمانوں نے مندر کے پرانے ستونوں کو پیش نظر رکھ کر (انھیں کے لحاظ سے) بنائی ہیں اور انھیں وجوہ سے میں اس نتیجے پر پونہچا ہوں کہ یہ ستون اپنی اصلی جگہ پر قایم ہیں - دالانوں کی ساخت میں پرانے اور نیئے کاموں کے ملا دینے کا طریقہ بالکل بدل گیا ہی یعنی یہ کہ ایک دیوار دوز ستون میں جو شمالی دالان میں ہی - یہاں کی دیوار کے ایک پتھر میں ایک قدرتی پھوڑا تھا جس کے جمانے کے لیئے ستون میں اُتنا ہی سوراخ کر کے پھنسا دیا ہی - میں ان کو دیوار دوز ستون اس واسطے کہتا ہوں کہ وہ دیوار سے لگے ہوے ہیں لیکن ان میں کے اکثر ستون پورے ہیں جو دیوار سے ملا کر کھڑے کیئے گئے ہیں - لیکن ان ستونوں کی بیٹھکیں بیچوں بیچ میں نہیں ہیں بلکہ اپنی اصلی جگہ سے کئی انچ آگے بڑھی ہوئی ہیں - اس سے میں نہایت وثوق سے یہ نتیجہ نکالتا ہوں کہ اطراف کے دالانوں کے تھم اپنی اصلی جگہ پر قایم نہیں ہیں بلکہ مسلمان ان ستونوں کو ہندوؤں کے ویران مندروں سے لائے ہیں اور یہاں کی دیواروں میں لگا دیئے ہیں - اس امر کے ثبوت میں کہ ان ناہموار ستونوں میں جوڑ لگائے گئے ہیں میں ذیل کے واقعات پیش کرتا ہوں :-

(۱) شمالی دالان میں بیرونی قطار کا پہلا مشرق رویہ ستون جو بالکل سنگ خارا کا ہی اُلٹی بیٹھک پر کھڑا ہی -

(۲) شمالی دالان میں بیرونی قطار کے دو پاس پاس کے ستونوں میں ایک ہی قسم کے تین تین ٹکڑے ایک کے اوپر ایک جمے ہوے ہیں - جن کی ساخت اور نقش و نگار ایک ہی طرح کے ہیں - ان دونوں تھموں کے چھ ٹکڑوں میں سے چار تو ہشت پہلو ہیں - جن کے ضلع کا ہر دوسرا رخ گھڑا ہوا ہی اور باقی دو ٹکڑے سادے ہشت پہلو ہیں - ایک تھم میں تو یہ بن گھڑا ٹکڑا بیچ میں

میں سب سے اوپر وار کا ہی، اور دوسرے میں اوپر نیچے کے ٹکڑے چھوڑ کر بیچ میں لگا ہوا ہی

(۳) بہت سے سادے ہشت پہلو تھم اور ان کے ساتھ دوسرے تھم کہ جن کا ہر دو سرا رخ گھڑا ہوا ہی مربع بیٹھک پر ایستادہ ہیں حالاں کہ یہ بیٹھکیں ابتدائً چوکوں تھموں کے لیئے گھڑی گئی تھیں۔ یہ بات چوکوں بیٹھکوں کی سطح بالائی اور خالی کونوں کے دیکھنے سے بخوبی ظاہر ہو سکتی ہی کیوں کہ ہشت پہلو ستون ان چوکوں بیٹھکوں پر اچھی طرح نہیں بیٹھے بلکہ ابتک ویسے ہی بن گھڑے کھڑے ہیں جیسا کہ معماروں نے چھوڑ دیا تھا۔ پرانے مال مسالے کو ردوبدل کر کے استعمال میں لانے کا ثبوت کچھ دالان کے ستونوں ہی پر منحصر نہیں ہی بلکہ دروازوں پر کے گنبدوں اور دالانوں کے کونوں کے کمروں میں بکثرت اور زیادہ متیقن ثبوت ملتے ہیں۔ ان گنبدوں کو بھی مسٹر بگلر قدیم ہی کا خیال کرتے ہیں لیکن ذیل کے واقعات سے ان میں بھی مسلمانوں کا تصرف ظاہر ہو جائے گا:۔

(۱) جنوب و مشرق کے کونے میں ایک ہشت پہلو قطعے سے گنبد شروع ہوتا ہی اور یہ مثمن ایک مربعے کے آٹھ ستونوں پر ٹکا ہوا ہی۔ یعنی چار ستون چاروں کونوں پر اور چار بیچ میں۔ بدیں وجہ مثمن کے زاویوں کا بوجھ بجائے ستونوں کے شہتیروں پر پڑتا ہی۔

(۲) شمال و مغرب کے کونے کے گنبد میں یہ صریح غلطی اور بھی زیادہ واضح ہی۔ کیوں کہ ستونوں کا باہمی فصل درمیانی ستون مربع اضلاع کے بیچ میں نہ ہونے سے یکساں نہیں ہی۔

(۳) شمالی و مشرق کے کونے میں گنبد ایک مثمن سے شروع ہوتا ہی جو بارہ ستونوں پر ٹکا ہوا ہی۔ جس سے ایک مربع شکل بن گئی ہی لیکن ستونوں کے بالائی حصے پانچ پانچ توڑے مربعے کے ہر کونے میں ملے ہیں اور بعض جگہ اسی مثمن کے کونے میں عام قسم کے ستونوں کے سرے چار توڑوں ہی کے مثمن کے کونوں میں لگا دیئے ہیں۔ یہ توڑوں کے لگانے میں جو صریح غلطی ہوئی ہی جب تک کہ ان میں ردوبدل نہ کیا ہوگا کیسے ممکن ہو سکتی ہی۔

(۴) مشرقی دروازے کی طرف کے بڑے گنبد میں بھی اسی قسم کی نئے ترتیبی پائی جاتی کہ

بجاے اس کے کہ ستونوں کو پانچ توڑوں کے نیچے لگایا جاتا وہ صرف دو توڑوں اور ستونوں کے بالائی حصے کے چار مشترک توڑوں کے بیچ میں لگے ہوے ہیں۔ پتھر کے شہتیر بھی یکساں نہیں بعض بالکل سادے ہیں بعض نقشین۔ اس سے ظاہر ہی کہ اس گنبد کی سابقہ حالت میں مسلمانوں نے ردوبدل کرکے موجودہ حالت پر پایا ہی۔

(۵) کنارے کے کمروں کی چھوٹی چھتوں میں دیکھا جاتا ہی کہ مربع نقشین چوکوں کو کاٹ کر اُنھیں مستطیل جگہ میں پھنسا دیا ہی اور جو بن گھڑی سلیں ہیں اُن کو اس طرح پھنسایا ہی کہ لمبان میں جو جگہ خالی رہ گئی وہاں سلیپے ڈال کر پُر کردیا۔ اس لیئے یہ چھتیں یقیناً اپنی اصلی حالت پر قایم نہیں ہیں اور مجھے یہ نتیجہ نکالنے میں ذرا بھی پس وپیش نہیں ہی کہ جب قطب الدین ایبک ستائیس مندروں کو ڈھاکر اُن کے مال مسالے سے یہ مسجد بنوا رہا تھا تب مسلمانوں نے (اپنی مرضی کے موافق کاٹ چھانٹ کرکے۔ پتھر کی سلوں کو جہاں اور جس طرح مناسب سمجھا لگا دیا۔ چنانچہ حالت موجودہ خود) اسی تصرف کا نتیجہ ہی۔

(۶) شمال ومشرق وجنوب ومشرق کے کونوں کے بالائی کمروں کی چھتوں کے پٹاؤ کے چوکوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ جینیوں کے کسی مندر کے ہیں کیوں کہ بہت سے پتھر جو مربع کھڑکیوں کی کشادگی کم کرنے کے لیئے کونوں میں لگائے ہیں اُن کے بیرونی رخ پر انسان۔ ہاتھی۔ گھوڑوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں اور بیچ میں تو ایک پتھر پر ایک شخص آلتی پالتی مارے ہوے بالکل برہنہ بیٹھا ہی جس کے دونوں ہاتھ اُس کی گود میں لٹک رہے ہیں جو بالکل جین مت کے لوگوں کے بتوں کا طرز ہی۔ اور بھی اسی طرز کی مورتیں بنی ہوئی ہیں۔

غالباً اسی بنا پر مسٹر بگلر استدلال کرتے ہیں کہ اس دالان کے کُل ستون جینیوں کے ایک ہی مندر کے ہیں۔ یہ ایک ایسا استدلال ہی جسکی نفی اُس آہنی ستون کے کتبے ہی سے ہوسکتی ہی جو اسی صحن میں کھڑا ہی جس میں خود اس ستون کا نام "وشنو کا بازو" لکھا ہوا ہی۔ علاوہ اس کے وشنو کی بہت سی مورتیں جو اطراف کی دیواروں پر بنی ہوئی ہیں مثلاً "دس اوتار" اور "نارائن" جو اننتا سانپ کے پھن پر ٹیکا دیئے ہوے ہی یہ بھی بگلر صاحب کی رای سے اختلاف کرنے میں ممد ہیں۔ قطب صاحب کی مسجد کی بابت میں صرف اسی

نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اُس کی تعمیر ہندو راجوں نے مسلمانوں کی نگرانی میں ستائیس مندروں کے مال مسالے سے کی ہے جن میں سے شک نہیں کہ بعض مندر جینیوں کے بھی ہوں گے۔ اس سے اُن تمام غلطیوں کی جو تعمیر کے متعلق ہم اوپر بتلا آئے ہیں اور نیز دالانوں کے ستونوں کی بے ترتیبی کی کافی وضاحت ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کا مقصود ایک بلند (اور عالی شان) عمارت بنانے کا تھا لیکن ہندوؤں کے مندروں کے تھم بالعموم پست ہوتے ہیں۔ اس کی تلافی (مسلمانوں نے) اس طرح کی کہ دو دو اور تین تین تھم جوڑ کر سرے اور بیٹھکیں لگا کر کھڑے کر دیئے۔ اس میں شک نہیں کہ عام طور پر یہ منظر خوش نما ہی لیکن۔ یہ خوش نمائی صرف ستونوں کی خوب صورتی اور نقش ونگار کی وجہ سے ہی جو نظر کو اپنی جانب ایسا متوجہ کر لیتی ہی کہ ستونوں کی بے ترتیبی اُن کے موٹے موٹے (بھدّے) تھم جن کے اوپر پتلے ٹکروں کے جوڑ لگے ہوئے ہیں اور خالی توڑے جو کسی چیز کو سہارا نہیں دے رہے اور بے سہارے گے آگے بڑھے ہوئے طاق (یہ سب اسقام) چھپ جاتے ہیں۔ اگر یہی ستون (نقش ونگار سے معرا اور) سادے ہوتے تو میں یقین کرتا کہ سب سے پہلے نگاہ تو ان کی عدم یکسانیت پر پڑتی اور ان کی بے ترتیبی اور غیر مناسب جوڑ فوراً ظاہر ہو جاتے۔ مسٹر بگلر کا یہ بھی خیال ہی کہ قطب مینار کی شروعات ہندوؤں سے ہوئی ہی صاحب موصوف اپنی رای کی تائید بڑی ہوشیاری سے کرتے ہیں۔ ہندو خود اس بات کے مدعی ہیں کہ یہ مینار اُن کا ہی اور کہتے ہیں کہ پرتھی راج نے اپنی بیٹی کے واسطے جمنا کا درشن کرنے کے لیئے بنایا تھا۔ اس کے متعلق میں نے تفصیلی وجوہات اپنی رپورٹ جلد اول کے صفحہ (۱۹۰) میں بیان کر دیئے ہیں کہ قطب مینار تمام تر مسلمانوں ہی کی عمارت ہی اور اب میں (چند) اور باتیں بھی پیش کرتا ہوں جو بگلر صاحب کے ساتھ دو مرتبہ قطب مینار جا کر میں نے دیکھیں پہلی مرتبہ مجھ کو بگلر صاحب نے ذیل کے چھوٹے (چھوٹے) کتبے بتلائے جو مینار کے نیچے کے حصے میں بخط ناگری کندہ ہیں:-

(۱) دروازے کے باہر سیدھی طرف (سمّت (و) ت ۱۲۵۶)

(۲) دروازے کے اندر ڈیوڑھی میں بائیں طرف (سمّوت ۱۲۵۶ (۱))

(۴) دروازے کے رستے میں محراب کے پاس (سموت ۱۲۵۶)

میں ان کتبوں کو اُن راجوں کا کھودا ہوا سمجھتا ہوں جنھوں نے اس مینار کو بنایا ہے اور یہ امر کہ وہ جاہل محض تھے اس بات سے ظاہر ہے کہ پہلے کتبے میں وؐ واؤ کا حرف ہی چھوڑ گئے ہیں اور دوسرے کتبے میں ہزار کا ہندسہ ہی غائب ہے۔ یہ تینوں کتبے سموت ۱۲۵۶ مطابق ۱۱۹۹ء کے ہیں جو میرے خیال میں یا تو اس مینار کے شروع کا سال بتلاتے ہیں یا اختتام کا۔ ایک ہی تاریخ کا بار بار اعادہ کرنا ہندو راجوں کا دستور ہے۔ اسی طرح جونپور کی اٹالا مسجد کے ستونوں پر جو سابق میں ایک مندر تھا اور جس کو ابراہیم شاہ شرقی نے اپنے ۱۴۰۸ء مسجد سے تبدیل کردیا۔ میں نے سموت ۱۴۶۴ کو تین جگہ پر مکرر کھدا ہوا اس طرح دیکھا ہے:-

(۱) شمالی دروازے کے بیرونی رخ پر سیدھے پاکھے پر۔	سموت ۱۴۶۴ سماپت شترادھاراپدماوی سائی ستراودھاراسوتا	سموت سال ۱۴۶۴ میں پدماوی راج پسر سائی راج نے ختم کیا۔
(۲) نیچے کے ایک چوکور ستون پر۔	سموت ۱۴۶۴ بنیادی پاری	سموت سال ۱۴۶۴ میں بنایا گیا
(۳) جنوبی رخ کے ایک بیرونی ستون پر۔	سموت ۱۴۶۴	

علاوہ ان سموتوں کے (جو قطب مینار پر کندہ ہیں) میں نے ایک اور کتبہ بھی اُسی مستری کا دیکھا ہے کہ جس کی زیر نگرانی یہ مینار بنی ہے۔ یہ کتبہ چبوترے کے جنوبی روکار پر ہے جسے مجھے بگلر صاحب نے بتلایا تھا۔ بدنصیبی سے یہ کتبہ پتھر کے ترخ جانے سے ناقص ہوگیا ہے۔ با ایں ہمہ کچھ حروف اور ہندسے جو صاف باقی رہ گئے ہیں وہ یہ ہیں:-

× × ماگھ ۵۱ ۔۔۔۔ ۸۳ دار نا ہی

۵۱ کے ہندسے کے پیچھے ہی ایک چوڑی یا لمبی سیدھی لکیر بنی ہوئی ہے جس کے

دونوں سرے پیچھے کی طرف جھکے ہوئے ہیں اور اس کی داہنی طرف کوئی ایک انچ کے فصل سے اسی طرح کا ایک نشان اور ہی جو کچھ کچھ مٹ گیا ہی۔ یہ دونوں سطریں چبوترے کی بیرونی سطح پر ہیں۔ لفظ دار مُنی کے معنی میرے خیال میں سہاول کے خط کے ہیں۔ (Plumb line) کتبے کی عبارت سے ایسا معلوم دیتا ہی کہ یہ لین دوبارہ ایک انچ ہٹاکر صحیح کی گئی ہی۔ یہ کہ یہ کتبہ کسی ہندو کا ہی بجاے گز کے لفظ "گج"[1] سے ظاہر ہی ورنہ یہ کیسے ممکن تھا کوئی فاتح مسلمان ایسا (غلط لفظ) استعمال کرتا۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہی کہ میں نے اسی طرح کا ایک نشان مسجد کی پچھیت کی دیوار کے آگے بڑھے ہوے حصے میں بھی دیکھا ہی جو مسجد کے پیچھے وار بیچوں بیچ میں ہی اور جو غالبًا مسجد کی بیچ کی لین کو سدھ کرنے کو لیا گیا تھا۔ کیوں کہ یہ نشان بڑھے ہوے حصے کے بیچ سے بھی کئی انچ آگے بڑھا ہوا ہی۔

مسٹر بگلر کی راے دو امور پر مبنی ہی:۔

(اول) مینار کے نیچے کے تین گنبدوں اور اُس کے اوپر کے دو گنبدوں کی طرز تعمیر میں فرق ہی۔ جس سے وہ یہ نتیجہ مستنبط کرتے ہیں کہ پہلا حصہ ہندوؤں کا بنایا ہوا ہی اور بعد کا مسلمانوں کا۔

(دوم) گنبدوں کا درمیانی فاصلہ عمل ہاے حسابی واقلیدسی کے لحاظ سے ہی جو کسی Arithmetico geometrical series معمولی شخص کا کام نہیں نہ وحشی مسلمان فاتحین کو یہ حسابی[2] طریقہ معلوم تھا۔ اس لیے یہ کام دانش مند ہندوؤں کا ہی۔

مسٹر بگلر کی پہلی توجیہ میں اُنھوں نے اس واقعہ کا خیال نہیں رکھا کہ لاٹ کی اوپر کی دو منزلوں کو تو فیروز شاہ تغلق نے ازسرنو بنوایا ہی تھا جیسا کتبات اور اُس کی

---

[1] ہندی میں (ز) کا حرف ہی ہی نہیں۔ جب یہ امر مسلّم ہی کہ راج ہندو تھے تو پھر یہ بحث ہی تحصیل حاصل ہی۔

[2] شاید بگلر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ مسلمان بہت بڑے ریاضی داں تھے اقلیدس اور جبر و مقابلہ اُنھیں کی ایجاد ہی اور اُنھیں سے انگریزوں نے لیا ہی چنانچہ اقلیدس اور الجبرا کے نام ہی خود اس امر کا بدیہی ثبوت ہیں۔ ۱۲

سوانح عمری سے ظاہر ہے۔ طرز تعمیر کا مختلف ہونا البتہ حیرت انگیز ہے۔ لیکن اس سے سوائے اس کے اور کچھ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ قطب الدین ایبک سے لے کر فیروز شاہ تغلق تک ڈیڑھ صدی کا زمانہ گزرا۔ اس لمبی عرصہ مدت میں فن تعمیر کے مذاق میں کیا کیا کچھ تبدیلیاں نہ ہوئی ہوں گی۔ پس یہ اختلاف طرز اختلاف مذاق اور زمانے کا نتیجہ ہے۔ نیچے کے برآمدوں کی عمدہ نقاشی بعینہ اُسی طرح کی ہے جیسی کہ دہلی اور اجمیر کے پچھلے زمانے کی مسجدوں میں پائی جاتی ہے۔ اب رہا سنگ مرمر اور سنگ سرخ کا برابر برابر لگانا یہ طریقہ فیروز شاہ کے وقت کا ہے جیسا کہ اس بادشاہ کے بنائے ہوئے اُس ستون میں موجود ہے جو حصار میں لگا ہوا ہے۔ میں اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ان پسندیدہ نقاشیوں کا طرز ہندوانی ضرور ہے لیکن مسلمانوں کی شروع شروع کی عمارات میں یہ ایک ضروری امر اس وجہ سے تھا کہ فاتحین سپاہی منش تھے ان کو قدرتی طور پر مقامی کاریگروں سے کام لینا پڑا (جو ہندو تھے) اسی وجہ سے ایک کمان دوسری پر چڑھ گئی ہے اور نقش ونگار میں بھی ہندوؤں کے طرز کی جھلک نظر آتی ہے۔ مسٹر بگلر کی دوسری دلیل جس کا دارومدار سینہ بہ سینہ حسابی اقلیدسی عمل پر ہے میں اُس کی تردید کرتا ہوں کہ وہ محض ایک خیال ہی خیال ہے۔ لو فرضاً وہ صحیح بھی ہو تو بھی یہ امر بہ آسانی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ محمد غوری کا سارا لشکر (اس سرے سے اُس سرے تک) جاہل محض تھا۔ خصوصاً جب کہ ہم کو معلوم ہے کہ اس زمانے سے بہت پہلے محمود غزنوی کے ساتھ ابوریحان جیسا عالم فاضل آیا تھا۔ بگلر صاحب کہتے ہیں کہ عمل ہائے حسابی واقلیدسی کوئی آسان کام نہ تھا۔ میں ایسے مستحیلات پر کچھ زور نہیں دے سکتا۔

مسٹر بگلر مزید برآں یہ بھی کہتے ہیں کہ کنول کے پھولوں کے پٹکوں اور عربی کتبوں کے پٹکوں کے سطحی اُبھار میں فرق ہے۔ پھولوں کے نقش ونگار والا پٹکہ سطح کے برابر ہے حالاں کہ دوسرا پٹکہ بہت اُبھرا ہوا ہے۔ لیکن صرف سب سے نیچے کے کھنڈ کے کتبے کی تحریر سطح کی برابر ہے باقی سب اُبھرے ہوئے ہیں۔ سب سے نیچے والے پٹکے کا یہ حال ہے کہ امتداد زمانے اور نااہل لوگوں کی شکست وریخت سے ایسا نقصان پہونچا ہے کہ اب برابر پڑھا ہی نہیں جاتا۔ سرسید بھی اس کتبے

میں سوائے "امیرالامراء" کے کچھ نہ پڑھ سکے[1]۔ اس لیئے میرا خیال یہ ہی کہ یہ پٹکہ جو
دوبارہ ہوا ہی محض اُن لوگوں کی بدولت ہی کہ جنھوں نے دوبارہ اسے نصب کیا۔
میرے اس خیال کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہی کہ روکار میں لال پتھر جو
لگائے گئے ہیں وہ اس (بدتمیزی) سے بیچ میں سے کاٹ ڈالے گئے ہیں کہ
اُن کی دراڑوں میں سے اندر کے بن گھڑے پتھروں کی کوریں نظر آتی ہیں۔
یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ حسابی اقلیدسی عمل کا اس پٹکے سے کوئی تعلق
نہیں ہی اور مجھ کو یقین کلی ہی کہ مینار کا یہ حصہ بھی قدیم آراستگی کا اصلی جزو ہی تو میں
ہندوؤں کی عمارات کے متعلق سینہ بسینہ عمل ریاضی کو نرا ایک خیال ہی خیال
سمجھتا ہوں۔ قطب مینار کے ابتدائی نقش و نگار کے متعلق کہ وہ ہندوؤں کے
بنائے ہوئے نہیں ہیں بالکل قطعی ثبوت امیر خسرو کی تاریخ علائی سے ملتا ہی جو
علاءالدین خلجی کا ہم عصر تھا۔ علاءالدین خلجی نے جب ایک نئی مینار بنانے کا حکم دیا
تو امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "(بادشاہ) نے حکم صادر فرمایا تھا کہ پرانی مینار کی باہر وار سے
درستی کرادی جائے اور پرانی برجی کے ساتھ ایک اور نئی برجی بھی بنادی جائے"
۔ اس تحریر کی رو سے جو چشم دید ہی معلوم ہوتا ہی کہ سنگ سرخ کا تمام روکار علاءالدین
کا بنوایا ہوا ہی اور تمام عمدہ برآمدے اور نقش و نگار کے پٹکے بھی ضرور اُسی نے
لگوائے ہیں اور یہی وجہ ہی کہ بابر بادشاہ نے اس تمام (ترمیم و) درستی کا حال سن کر کہ
سلاطین افاغنہ نے کی ہی اس کو "علاءالدین خلجی کا مینار" کہا ہی۔
مینار کے روکار اور نقش و نگار اور پٹکوں کے ہندوانی نہ ہونے کی نسبت تصفیہ
کرنے کے بعد اب ہم اصل مینار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سرسید لکھتے ہیں کہ یہ

---

[1] کتبہ جب اپنی اصلی حالت پر ہو تو پڑھا جائے۔ یہ کتبے کھدے ہوئے تو ہیں نہیں بلکہ مثبت ہیں اور حروف تراش کے جمائے گئے ہیں۔ ایسے لوگوں نے دوبارہ جمایا ہی جو پڑھے لکھے نہ تھے۔ چنانچہ سرسید خود تحریر فرماتے ہیں کہ "نہایت افسوس ہی کہ مرمت کے وقت اس لاٹ کے کتبوں کے حرف جو گر پڑے تھے بالکل غلط بنائے ہیں اکثر جگہ صورت لفظوں کی بنادی ہی جب غور کر کے دیکھو تو وہ لفظ نہیں ہیں صرف نقش ہیں اور بعضے غلط لفظ بنا دیئے ہیں اور بعض جگہ اپنی طرف سے ایسی عبارت کھود دی ہی کہ اصل کتبے کے مضمون سے بالکل علاقہ نہیں رکھتی کسی نے اس لاٹ کے کتبے نہیں پڑھے تھے یہ سرسید ہی کا کام تھا کہ دوربین لگا کر ان کو پڑھا۔ جَزَاھُمُ اللہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

مینار ہندوؤں کی ساختہ ہونے کے متعلق ایک ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہی کہ مسجدوں
میں عموماً دو دو مینار ہوتے ہیں اور یہ فرد ہی" لیکن دو دو مینار بنانے کا طریقہ تو صرف
تین ہی صدیوں سے چلا ہی ورنہ ذیل کے واقعات سے معلوم ہوگا کہ اس سے
پہلے مسلمان مسجدوں میں ایک ہی مینار رکھا کرتے تھے - جسے "ماذنہ" کہتے تھے۔
(۱) ابن طولون کی مسجد جو قاہرہ میں ۸۷۶ء میں بنی ہی اُس میں ایک ہی مینار ہی۔
(۲) محمود غزنوی کے بنائے ہوے دو مینار غزنی میں جو تقریباً ۱۱۰۰ء میں بنے ہیں۔
یہ دونوں مینار مختلف بلندی کے ہیں اور دونوں میں نصف میل کا فصل
ہی۔ اس لیئے یہ دونوں مینار دو جداگانہ مسجدوں کے ہوں گے (نہ کہ ایک کے)
(۳) سلطان برکت کی مسجد قاہرہ میں جو ۱۱۴۹ء میں بنی ہی اس کا بھی ایک ہی مینار ہی
(۴) کوئیل (Koel) کا منار جو ۱۲۵۲ء میں بنا تھا وہ بھی فرد ہی اور اُس
کی مقامی حالت بلحاظ مسجد سے فصل کے بجنسہ قطب مینار کی سی ہی۔
(۵) علاء الدین کی ادھ بنی مینار جو ۱۳۱۲ء میں بنی (بنتے بنتے رہ گئی) -
(۶ و ۷)[1] بیانے کی دو مسجدوں میں صرف ایک ہی مینار ہی اور وہ بھی صحن مسجد کے باہر
شمال و مشرق کے کونے میں ہیں - بخلاف قطب مینار کے یہ تو (صحن مسجد کے)
جنوب و مشرق کے کونے میں ہی - ان میں سے ایک مینار پر نصیر الدین محمد کا کتبہ ہی جو
۱۳۹۰ء میں حکمراں تھا - ان سات مثالوں سے جن میں پانچ صدی سے زیادہ کا
زمانہ پھیلا ہوا ہی اور اکبر شاہ سے ایک سو آٹھ برس پہلے تک یہ بات ظاہر ہی کہ اُس
وقت تک مسلمانوں میں مسجدوں میں ایک ہی مینار بنانے کا دستور تھا - یہ کہ قطب مینا
دراصل ماذنہ تھا اس کا ثبوت خود اُس کے کتبوں سے ملتا ہی جن سے کبھی چشم پوشی
نہیں کی جا سکتی - نیز ابو الفدا نے بھی اسے ماذنہ ہی لکھا ہی - اب رہی یہ بات کہ یہ
مسلمانوں ہی کا ڈزائین (خاکہ) تھا اس کی تائید میں وہ واقعہ موجود ہی کہ دہلی کے
فاتحین غزنی کے حکمراں تھے جو محمود غزنوی کے میناروں (کے طرز) سے واقف

[1] اور آٹھویں نظیر میں پیش کرتا ہوں کہ رایچور مملکت سرکار عالی نظام کے قلعے میں "ایک مینار کی مسجد" مشہور ہی اس کا
بھی ایک ہی مینار گاؤدم اسّی گز بلند اور دس گز دور میں ہی جو ۹۱۹ھ ۱۵۱۳ء میں بعہد سلطان محمود بہمنی ملک عنبر نے بنوایا تھا۔ ۱۲

تھے جن کا طرز (Star polygon) ستارہ نما کثیرالزوایا وضع کا گہرے کنگورے دار زاویوں کا ہے۔ قطب مینار کے بنانے میں مسلمانوں کی ایک خاص غرض[1] بھی مدنظر تھی جو اُن کے مذہب کے روزانہ (بلکہ پنج وقتہ) عمل سے متعلق ہے اس لیئے مجھے یقین واثق ہے کہ یہ عمارت غرض اور طرز دونوں اعتبار سے خالصاً مسلمانوں کی ہے۔ اگرچہ ساری عمارت نہیں تو اکثر عمارت کا حصہ خصوصاً چڑھی ہوئی اور گوسلے دار محرابوں کی وضع قطع البتہ ہندوانی طرز کی ہے۔

مسٹر بگلر کا آخری نوٹ

میری اب تک قطب مینار اور مسجد کی نسبت وہی رائے تھی جو کہ میں نے رپورٹ میں لکھی ہے۔ چونکہ میں نے (اپنی رپورٹ کو) اس کلیۂ فرضیہ سے شروع کیا تھا کہ بنیادیں اور مسجد کے اندرونی اور بیرونی احاطوں کی دیواروں کے وہ حصے جو سطح زمین سے پست ہیں دراصل اہل ہنود کے (بنائے ہوئے) ہیں تو مجھے اُس نتیجے پر پہنچنا ناگزیر تھا جو میں نے ظاہر کیا۔ لیکن اسی سال کے اوائل ماہ نومبر میں میں اور جنرل صاحب دونوں مل کر قطب صاحب کی باقی ماندہ عمارتوں کو دیکھنے گئے اور صاحب موصوف نے مجھے اختلافات دکھلائے جن سے صاف طور پر ظاہر ہو گیا کہ اندرونی اور بیرونی احاطے بحالت موجودہ دراصل ہندوؤں (کے زمانے) کے نہیں ہیں۔ لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض بعض حصص اور اغلباً مسجد کی پچھیت کی دیوار کا وہ حصہ جو اصل مسجد کے بالکل عقب میں ہے ہندوانی ہے۔ مجھے ضرور معلوم دیتا ہے کہ میں اس امر پر غور کروں اور خاص طور پر اس (امر) کا اظہار کروں۔ جیسا کہ میں نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ

---

[1] جنرل صاحب کا نوٹ۔ میں بگلر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ہندوؤں کے معابد کو مینار سے کیا تعلق ہے۔ کیا ہندوؤں نے مسلمانوں کی فتوحات سے پہلے یا بعد کوئی ایسی مینار بنائی ہے۔ اور سب سے بڑھ کے یہ کہ ایسی مینار کے بنانے سے ہندوؤں کی کونسی غرض پوری ہوتی تھی۔ ۱۲

مسجد کی تمام دیواروں کا مال مسالا جس کو میں نے ہندوانی بتلایا ہی ٹھیک طور پر وہ ہندوانی ہی ہی۔ سوائے اندرونی احاطے کی جنوبی دیوار کے ایک حصے کے جس میں ایک نہیں بلکہ کئی پتھر ایسے لگے ہوئے ہیں کہ جن میں آگے بڑھے ہوئے توڑے لگے ہوئے ہیں یا کسی زمانے میں لگے ہوئے تھے۔ جنرل صاحب نے مجھ کو مسجد کی چھت کی دیواریں چند ایسے پتھر بتلائے کہ جو اکھڑے لگے ہوئے تھے اور جن کے اندر تصویریں بنی ہوئی تھیں اور علاوہ اس کے وہ دُہری کارنس بھی بتلائی جو مسجد کی چھت کی دیوار کے برابر کونے تک چلی گئی ہی۔ جس سے یہ امر ثابت ہوا کہ اندرونی احاطہ کسی زمانے میں مکمل تھا اور باایں ہمہ یہی کارنس التمش کے زمانے کے توسیع کردہ عمارتی حصے میں بھی ہی اور اس حصے کا مال مسالا اور ساخت بالکل قطب صاحب کی مسجد کی وضع کی ہی۔ دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ یہ ساری کی ساری ایک ہی مسلسل دیوار ہی۔ لیکن میں نے پہلے اس بات کا خیال نہیں کیا کہ قطب صاحب کی مسجد کے احاطے کے کونے کے پاس کارنس کا رخ مڑ گیا ہی اور اس طرح کی اور فروگزاشتوں کی وجہ سے اب مجھے یقین ہوتا ہی کہ قطب صاحب کی مسجد اور سلطان التمش کی توسیعات کی بنیادیں اور دیواریں (بجز شاید ایک تھوڑے غیر محدود حصے کے) سب مسلمانوں ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس بات کے تسلیم کر لینے کے بعد جو دلائل کہ میں نے اپنی رپورٹ میں بیان کیے ہیں وہ بالکل بدل جاتے ہیں مگر بریں ہمہ اُن کی موزونیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ میں نے (اپنی رپورٹ کو) اس کلیۂ فرضیہ سے شروع کیا تھا کہ بنیادیں تمام ہندوانی ہیں اور میں نے اس بات کو ثابت کیا تھا کہ بحالت موجودہ مسجد کے دوسرے حصے مسلمانوں کے (بنائے ہوئے) ہو نہیں سکتے۔ اور چونکہ مینار اصولاً مسجد کا ایک جزو لاینفک ہی لہٰذا وہ بھی مسلمانوں کا بنایا ہوا نہیں ہو سکتا (یعنی جب مسجد مسلمانوں کی بناکردہ نہ ٹھہری تو مینار جو اسی کا ایک جزو ہی مسلمانوں کا کیسے سمجھا جا سکتا ہی)۔ (لیکن) اب میرا یہ خیال ہی کہ بنیادیں بھی ہندوؤں کی نہیں ہیں بلکہ مسلمانوں ہی کی بنائی ہوئی ہیں۔ تو (ایسی حالت میں) میری تمام پچھلی دلیلیں بھی نہایت زور سے

اس بات کے اثبات کی طرف منجر ہیں کہ (کام کا) جو حصہ ہندوؤں کا بنایا ہوا (میں نے) فرض کیا تھا (لامحالہ) وہ بھی مسلمانوں سے منسوب ہوتا ہے - مختصر یہ کہ میرے استدلال کا دارومدار اس بات پر تھا کہ جس زمانے کی بنیادیں ہیں اُسی زمانے کا مینار بھی ہے - اور چوں کہ میں نے ایک غلط مفروضہ اختیار کیا تھا - بالضرور استدلالاً ایک غلط نتیجے پر پہنچا (یعنی بِنَاءُ الْفَاسِدِ عَلَى الْفَاسِدِ) کہ مینار اہل ہنود کا بنایا ہوا ہے - اب میں بلا تامل نہایت خوشی سے اپنی بڑی بھاری غلطی کو جو مجھ سے سرزد ہوئی تسلیم کرتا ہوں - اور جنرل صاحب کو معلوم ہو جائے گا کہ جس کو صاحب موصوف نے میرا خیالی قاعدہ فرمایا ہے وہی قاعدہ اُن کی رائے کی تائید میں بھی ایک سب سے زیادہ قوی ثبوت ہے - بنائر علیہ اب میری یہ رائے ہے کہ جس قدر حصے کو میں نے اپنی رپورٹ میں ہندوؤں سے منسوب کیا ہے وہ سب قطب الدین اور التمش کے زمانے کے مسلمانوں سے متعلق ہونا چاہیئے اور نیز یہ کہ جس کام کو میں نے (شروع ہی سے) مسلمانوں سے منسوب کیا ہے وہ درحقیقت اُن تعمیرات مابعد اور مرمتوں کا نتیجہ ہے جو (جلد اول) میں علاء الدین خلجی اور (جلد دوم) میں فیروز شاہ (تغلق) نے کرائی تھیں چنانچہ اِن دونوں مرمتوں کے متعلق کتب تواریخ میں صاف لکھا ہے کہ زمانے کے دست برد سے جو نقصان عمارات کو پہنچا تھا (ان دونوں بادشاہوں نے) ایک وسیع پیمانے پر مرمت کرائی - (جلد سوم) میں وہ ترمیمیں بالتصحیح ہیں جو فیروز شاہ کے بعد لازمی طور پر ہر بادشاہ نے اپنے اپنے وقت میں کرائی ہوں گی جن کی تفصیل سے تاریخ ساکت ہے - باقی حال ساری کی ساری عمارت بنی تو ہندوؤں ہی کے ہاتھ سے ہے جس کی بدیہی وجہ یہ ہے کہ قطب الدین اور التمش کو جو کاریگر میسر آئے وہ ہندو ہی تھے - میں اس موقع پر جنرل کننگھم صاحب کی مہربانی اور اُس تحمل کا جو صاحب موصوف نے مجھے میری غلطی پر متنبہ کرنے میں (برداشت) فرمایا - علی الاعلان اظہار کرتا ہوں - غلطی بھی کیسی غلطی کہ جس کی تصحیح محض دلائل (تحریری) سے نہیں ہو سکتی تھی اور اگر ہم دونوں (مل کر) بر سر موقع نہ جاتے تو غلطی اسی طرح بلا تصحیح رہ جاتی کیوں کہ جنرل صاحب کے کسی استدلال نے میرے دلائل کی واجبیت کو اور نہ میرے "خیالی" قواعد کو جن کے محکوم مسجد کے ستون اور مینار ہیں جنبش نہیں دی -

میں اپنے آیندہ مضمون میں اپنے اُسی قانون کو اُن عمارات سے منطبق کرکے
بتلاؤں گا جن میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہے کہ وہ ہنود کی بنائی ہوئی ہیں۔ مثلاً وسط ہند کے
بڑے بڑے عالی شان مندر جس سے ظاہر ہو جاوے گا کہ ہندو ماہرین فن عمارت
اُس قانون کو خوب جانتے تھے اور یہی میرے استدلال کی جڑ ہے۔ اگرچہ قطب صاحب
کی عمارتیں مسلمان بادشاہوں کے حکم سے بنائی گئیں اور اُنہیں کے صواب دید
پر عمارتوں کا ڈول ڈالا گیا لیکن طرز تعمیر خواہ وہ تفصیلی ہو یا جزئی اور نیز نقش و نگار
اور آراستگی (کا ڈھنگ) وہ تو سارے کا سارا ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں تھا۔

جنرل صاحب کا آخری نوٹ

یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ قطب مینار کے کھنڈوں
اور ہلکوں کے باہمی فصل ارتفاعی کا تعین کوئی
اتفاقی بات نو نہتی بلکہ ضرور ہے کہ وہ کسی حسابی یا اقلیدسی عمل ارتقا پر مبنی ہے۔ اس میں
شک نہیں کہ وہ عمل بالکل سیدھا سادا تھا لیکن پھر بھی ہم اُس کی دریافت سے
محض اس وجہ سے قاصر رہے ہے کہ ہر ہر کھنڈ کے فاصلۂ درمیانی کی صحیح صحیح ناپ
حاصل کرنے میں بڑی دقت ہے۔ اوپر جو کئی جگہ "خیالی قواعد" کا ذکر آیا ہے اُس سے
مراد یہی حسابی اور اقلیدسی گر ہے جس کی رو سے قطب مینار بنائی گئی ہے۔ اگر مینار
کی بلندی ناراستی نہ ہوتی اور ہر ہر کھنڈ کا صحیح ناپ مل جاتا تو ممکن تھا کہ اُس پر سے
ریاضی داں لوگ اُن اصول موضوعہ کو معلوم کر سکتے جن پر سے قطب مینار بنائی گئی ہے۔

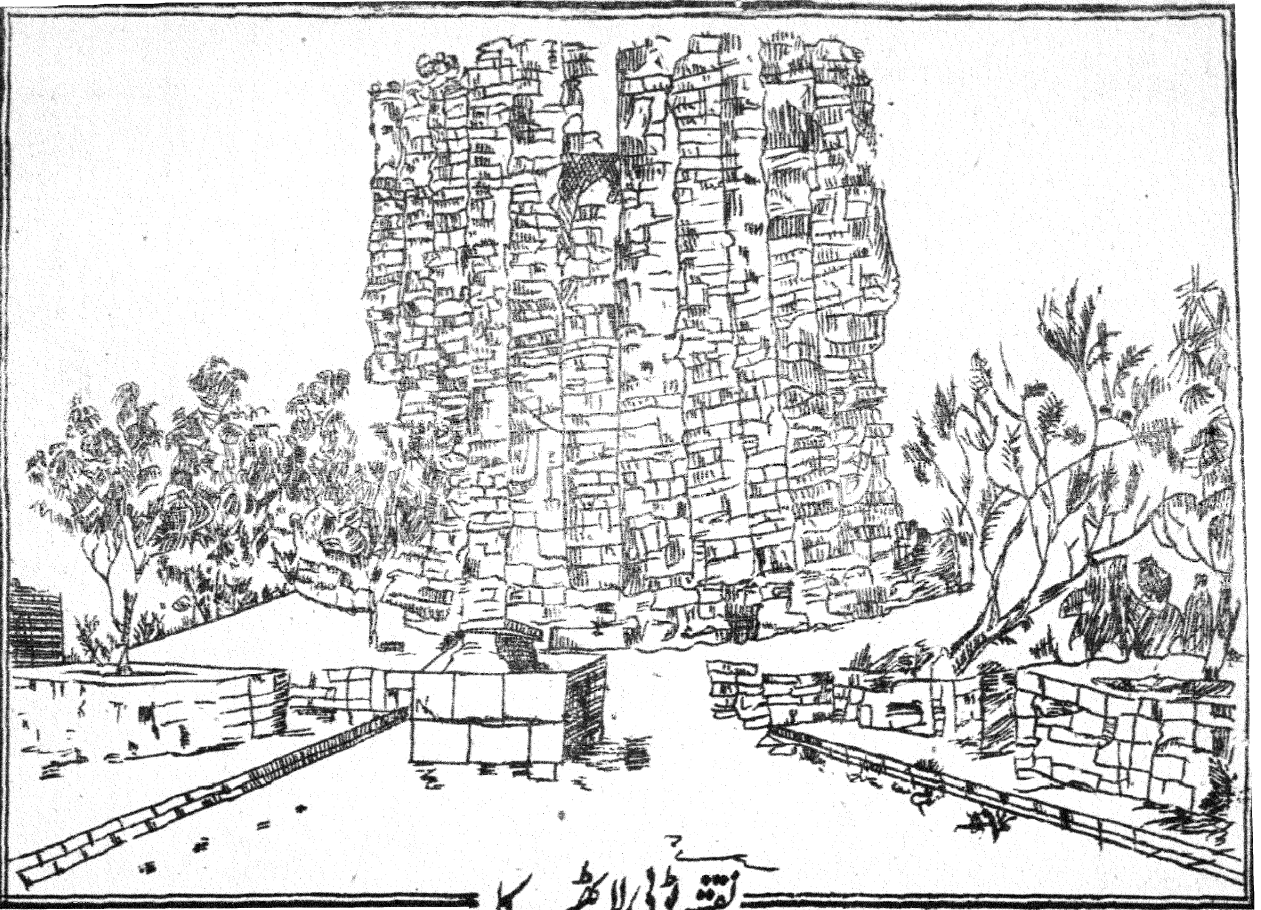
ادھوری لاٹ

سنہ ۷۱۱ھ

صفت شکل منارہ کہ زرفعت سنگش
از پئے خنجر خورشید شدہ سنگ فشاں

شکل منارہ چو ستونے ز سنگ
سقف سما کز کہنی شد نگوں
تا سرش از اوج بگردوں شتافت
آں کہ زر بر سرش افسر شدہ است
سنگ وی از بس کہ بخورشید سود

از پئے سقف فلک شیشہ رنگ
در تہ او داشتہ سنگیں ستوں
گنبد نے سنگ فلک سنگ یافت
سنگ ز نزدیکی خور زر شدہ است
زر و زر خورشید عیاری نمود



نقشہ ٹوٹی لاٹھ کا

سنجرِ سنگیں کہ ستونِ سپہر   آمدہ از مہر شدہ ہم بہمر
گرنہ خزف شد فلک شیشہ ساز   از چہ بران سنگ بود شیشہ باز
دیدنِ او را کلہ افگندہ ماہ   بلک فتادش کہ دیدن کلاہ
ماہ نخسپد ہمہ شب تا سحر   کز سر سختش خلد از دبر
زاں خلہ ہر بار کہ در ابر داد   برق زجا جست و دگر جا فتاد
شد چو بلند از شرفِ نفسِ خویش   زد ببلندی بحق چرخ نیش
بر ملکش سایہ طرف بر طرف   تا فلکش پایہ شرف بر شرف
از پئی بر رفتنِ ہفت آسماں   کرد زمیں تا بفلک نردباں
گرد سرش کرد موذن چو گشت   قامتش از مسجدِ عیسیٰ[1] گزشت
موذنش[2] آنجا کہ اقامت کشید   قامت موذِن نتواند رسید
مسجدِ جامع ز درون چون بہشت   حوض ز بیرون شدہ کوثر سرشت

(امیر خسرو مثنوی قران السعدین)

مسجد قوۃ الاسلام کے متعلق یہ ایک آخری دل چسپ مقام ہی - یہ قطب مینار سے کوئی پاؤ میل کے فصل پر ہی -

حضرت امیر خسرو اس ناتمام مینار کی نسبت لکھتے ہیں کہ " علاء الدین خلجی نے ایک دوسری مینار جامع مسجد کے جوڑ کی بنوانی چاہی جو اُس وقت سب سے مشہور مینار تھی اور منشا یہ تھا کہ یہ منار اتنی بلند ہو کہ جس سے زیادہ اونچا کرنا ناممکن ہو - بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ قطب مینار سے اس کا دور دُگنا ہو اور اسی مناسبت سے وہ بلند بھی کی جائے " (تاریخ ہند مصنفہ الیٹ صاحب جلد سوم صفحہ ۷۰)

ایک اور مورخ لکھتا ہی کہ افسوس ہی کہ بادشاہ کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اپنا ارادہ پورا نہ کرنے پایا تھا کہ جاں بحق ہو گیا - ؏

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں   سامان سو برس کا ہی کل کی خبر نہیں

[1] بیت المقدس - ۱۲

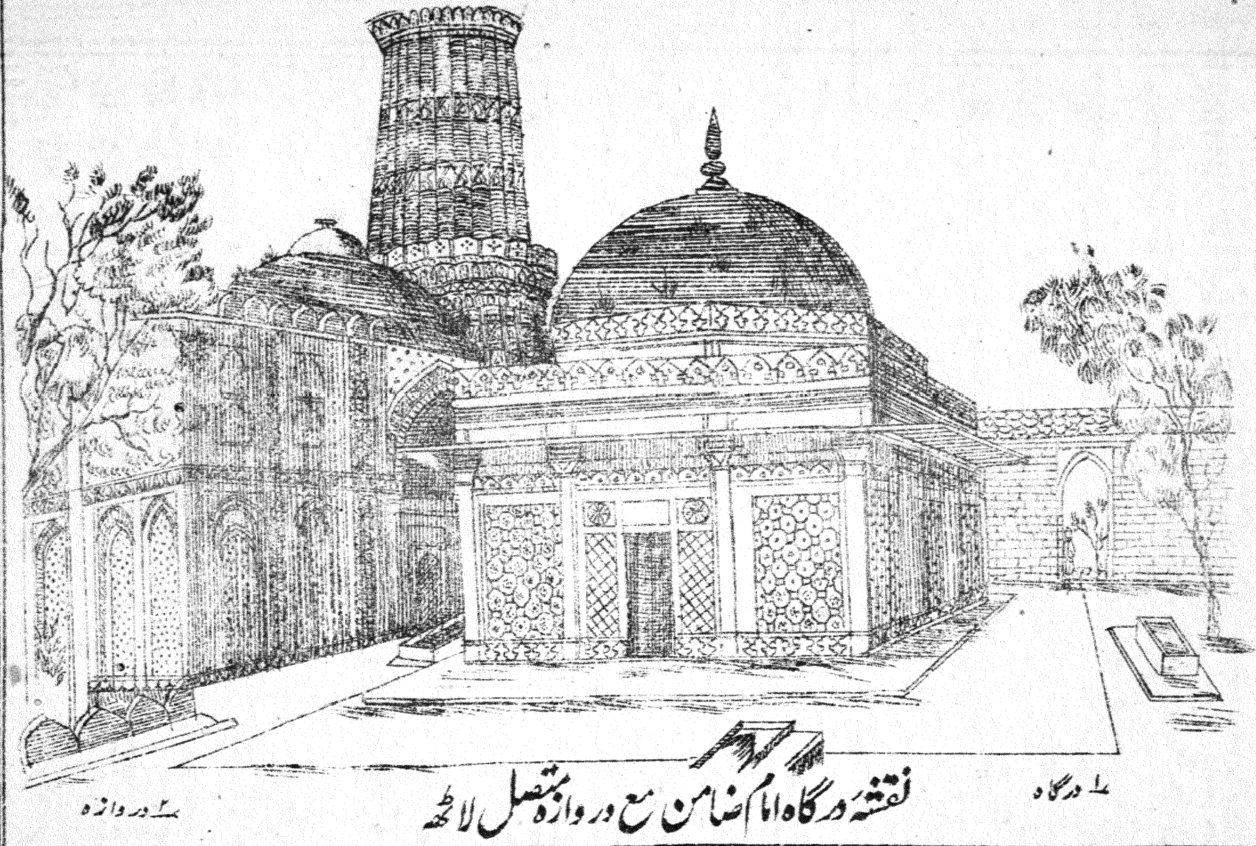
[2] موذن ظرف از اذان یعنی مکبّرہ کہ موذن بر آں ایستادہ اذان می گوید - ۱۲

مینار کی موجودہ حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنتے بنتے رہ گئی۔ جتنی بنی ہے وہ صرف ایک
ڈھانچ ہے اُس عظیم الشان مینار کا جس پر بہت کچھ صناعی صرف کی جانے والی تھی۔
ایسی حالت میں اس بات کا اندازہ کرنا فضول ہے کہ اس کاروکار کس قسم کا بنانا
مرکوز خاطر تھا۔ موجودہ حالت اس کی یہ ہے کہ پایئے میں بتیس ضلعے ہیں جن میں کا
ہر ضلع آٹھ فیٹ کا ہے۔ بقول کننگھم صاحب مینار کی شکل بظاہر ایک بڑے بھاری
سلہ log wheel (وہ پہیہ جس میں دانتے بنے ہوئے ہوں) کی سی ہے۔
اس میں تمام تر سنگ خارا لگا ہوا ہے۔ اس کا چبوترا ۲۲ فٹ مربع اور ۴ ½ انچ اونچا
ہے۔ کننگھم صاحب اس کا دور ۲۵۷ فٹ بتلاتے ہیں اور کار سٹیفن صاحب
۲۵۴ فٹ اور فرینکلن صاحب جنھوں نے اس مینار کو (۱۲۲) برس اول دیکھا تھا
۲۰۲ فٹ دور بتلاتے ہیں۔ بیرونی دیوار کا آثار ۱۹ فٹ ہے اور کل مینار کرسی سمیت
۸۰ فٹ بلند ہے۔ مینار کا قطر جس کے اطراف چکردار زینہ بنانا مقصود تھا ۲۰ فٹ ہے
اور زینے کی چکلان ۹ فٹ ۹ انچ۔ اس مینار کی تعمیر ۱۳۱۱ء ۷۱۱ھ میں شروع ہوئی اور
علاء الدین خلجی کی وفات سے ۱۳۱۵ء ۷۱۵ھ میں ملتوی ہوگئی۔

عام حالات

یہ عام حالات اُس مشہور مسجد قوت الاسلام کے تھے جسے مسجد آدینہ
اور جامع دہلی بھی کہتے تھے۔ اس مسجد کو قطب الدین ایبک نے
مندروں کو توڑ کر اُن کے مال مسالے سے بنایا تھا۔ مندروں کو ہاتھیوں سے
ڈھوایا گیا اور جو بیبہ لوٹ کا ہاتھ لگا سب اس مسجد میں لگایا گیا۔ اس مسجد کے
سامنے شمس الدین التمش نے بکرماجیت کا بت جسے مہاکال کے مندر سے
لایا تھا ایک متبذل مقام پر رکھا تھا۔ اور اس کے بعد سلطان علاء الدین خلجی
سنہ ۱۲۹۷ء میں سومنات کے مندر کی لوٹ کے بعد جو بت وہاں سے لایا تھا اور جس کے
لیئے ایک ہزار اشرفیاں ملتی تھیں مگر قبول نہ کیں۔ اُس بت کے ٹکڑے کر کے
اسی مسجد کے دروازے کے فرش میں لگا دیا تھا چنانچہ مسٹر بگلر کی کھدائی میں

سلہ یہ لفظ میرا نہیں ہے بلکہ سٹیفن صاحب نے یہی لفظ استعمال کیا ہے۔ ۱۲


۱۔ درگاہ
نقشہ درگاہ امام ضامن مع دروازہ متصل لاٹھ
۲۔ دروازہ

دو بت سنگ سیاہ کے مسجد کے شمالی دروازے میں گڑے ہوئے نکلے تھے
۱۲۳۲ء میں پرانی دلی کے ملحدوں نے اس مسجد کو لوٹ ڈالا اور تیمور کے تسلط کے
ابتدائی دنوں میں ہندو بھاگ کر اسی مسجد میں چھپے تھے۔ تیمور نے اُن کا تعاقب
مسجد تک کیا۔ اُس زمانے میں دلی کے تین شہر جدا جدا تھے۔ سب کو یکے بعد دیگرے
دھڑی دھڑی کر کے لوٹا۔ سلطان محمد تغلق کے زمانے (۱۳۲۴-۵۱ء) میں ابن بطوطہ
نے اس مسجد کو دیکھا تھا اُس نے لکھا ہے کہ "اس شہر کا جواب کیا بلحاظ اُس کی
عظمت اور وسعت کے اور کیا باعتبار حسن و خوبی کے دنیا کے پردے پر نہیں ہے"۔

امام ضامن کا مقبرہ

۹۴۴ھ
۱۵۳۷ء

آپ کا نام امام محمد علی اور آپ کا مزار "سید حسن یا مینار" کے نام سے مشہور ہے۔ سکندر لودی کے عہد میں آپ مشہد مقدس سے تشریف لائے تھے۔ آپ کو مسجد قوت الاسلام کے متعلق کوئی بڑا عہدہ تھا۔ آپ نے اپنی زندگی ہی میں اپنا نہایت خوب صورت مختصر سا گنبد دار مقبرہ ۹۴۴ھ ۱۵۳۷ء میں بنوایا تھا اور اُسی میں آپ آسودہ ہیں۔ مقبرہ علائی دروازے سے لگا ہوا کوئی دس گز کے فاصلے سے ہے اور اب تک نہایت عمدہ حالت میں زمانے کی دست برد سے محفوظ ہے۔
یہ مقبرہ ۲۴ فٹ مربع اور ۵۴ فٹ اونچا ہے۔ اس مقبرے کے تین طرف سنگ سرخ کی جالیاں ہیں۔ جنوبی دیوار میں اندر جانے کا دروازہ ہے جس کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے جس کے دونوں طرف اُسی وضع کی جالیاں ہیں جیسی کہ سامنے وار ہیں۔ چاروں کونے کے چار ستون ملا کر مقبرے کے بارہ ستون ہیں۔ ان ستونوں کے بالائی حصوں اور بیٹھک میں نقاشی کا بہت کام ہے۔ بالائی حصے سے محراب کی گولائی شروع ہوتی ہے اور ایک چھجہ گنبد کے چاروں طرف ہے جس سے چار فیٹ چھت کے اطراف ایک نہایت خوشنما اور آراستہ منڈیر ہے۔ گنبد سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے مگر اُس کے اوپر پلاستر کر دیا گیا ہے جس پر وقتاً فوقتاً سفیدی ہوتی رہتی ہے۔ اگرچہ یہ مقبرے کی چھت پست ہے لیکن بہت خوب صورت اور خوش وضع ہے جو مثمن چار دیواری پر بنی ہوئی ہے۔ قبر سنگ مرمر کی (۷) فٹ لمبی۔ ۴ فٹ چوڑی۔ ۱۸ انچ اونچی بالکل

سادی سودی ہے۔ قبر کے سراہنے سنگ سرخ کا ایک طاق دو فیٹ اونچا ہے۔ گنبد کے دروازے کی پیشانی پر سنگ مرمر کی ایک بڑی تختی پر بخط نسخ وطغری چار سطر کا یہ کتبہ ہے جو بہت پیچیدہ ہے اور بہ مشکل پڑھا جاتا ہے:۔

(پہلی سطر) بسم اللہ الرحمن الرحیم وظیفہ حمد و دعائیکہ مجاوران حظیرۂ قدس وساکنان روضہ اش بان قیام نمایند نثار خلاوند کرمقربان درگاہ او دنیا وآخرت را فدائے راہ او نمودہ ونقد جان ودل پیکر این گل راصرف بارگاہ او

(دوسری سطر) فرمودہ ودر درود وافر وتحیات متکاثرہ بہ مشہد معظم وحظیرۂ منور شفیع روز محشر وآل اصحاب اطہر و واصل ومتواصل باد وبحضرت موفق الخیرات ومبشر البریات توفیق ازلی را رفیق حضرت ھدایت مرتبت صفوت محمد علی حسنی منسب

(تیسری سطر) حسنی نسبت عمدہ سادات عظام خلاصۂ اتقیائے کرام عیسی عالم تجرید موسی کوہ عزلت وتفرید المویدمن عنداللہ الغنی قطب الملۃ والطریقۃ سید حسنی الحسینی گردانید تا این بقعۂ شریف ومنزل لطیف را احداث نمودہ وصیت فرمود کہ چوں

(چوتھی سطر) مدت کہ اندیک قیامت بپیوندد باد لبسراند وبتشریف ادخلوھا بسلام آمنین مشرف گردیدہ بسوی حظیرۂ قدس وروضۂ انس پرواز نماید مقبرہ فایض الانوار حضرت این بقعہ نامدار فرمان باشد اتمام ھذہ البقعۃ فی شہور سنہ اربع واربعین وتسعمائۃ۔ ۹۴۴ھ

آہنی ستون یا لوہے کی لاٹ

اس مشہور آہنی ستون کو جسے لوہے کی لاٹ کہتے ہیں اُس کو مسٹر پرنسپ راجہ دھاوا ایک معروف شخص سے منسوب کرتے ہیں اس کی اصلی حقیقت بھی زمانے کی تاریکی میں منظر

نہیں آتی اور اس کے متعلق روایات بھی ایسی ہی گڈمڈ ہیں جیسے کہ اس بانی کا تشخص عموماً کہا جاتا ہی کہ یہ ستون راجہ اننگ پال اول کا بنایا ہوا ہی جو رای پتھورا کے مندر میں استادہ کیا گیا تھا - جب اس مندر کو توڑ تاڑ کر قطب الدین ایبک نے مسجد بنا لیا تو اس ستون کو جہاں پہلے سے کھڑا تھا وہیں چھوڑ دیا لیکن روایت یا درایت کسی سے بھی اس کے بانی یا غرض بنا پر روشنی نہیں پڑتی - ڈاکٹر بھاؤ داجی کا خیال ہی کہ یہ ستون جس پر دھاوا کا کتبہ کھدا ہوا ہی اپنی اصلی جگہ پر برقرار نہیں ہی بلکہ وہ کسی وشنو کے مندر میں تھا - یہ معلوم کرنا بہت مشکل ہی کہ وشنو کا مندر اور وشنو پا آثری کہاں واقع تھے - اگرچہ مسجد قوت الاسلام میں اب بھی دسویں اور گیارھویں صدی کے جَین - شیو اور وشنوی مندروں کے پتھر لگے ہوئے موجود ہیں مگر اس ستون کے اس مقام پر کھڑے کیئے جانے کی کوئی معقول وجہ یقینی طور پر معلوم نہیں ہوئی - یہ ستون مصفا اور مجلی بنائے ہوئے لوہے کا ہی - چاند نامی شاعر نے کہا ہی کہ راجہ نے سونہ لوہا منگوا کر گھڑوایا پھر لوہاروں نے اُس کا ایک ستون پانچ ہاتھ لمبا بنایا "کانوڑا دل پرتھی راج ریاسا" -

سر سید اسے ڈھلے ہوئے لوہے کا لکھتے ہیں - لیکن اکثر سیاحوں اور دیگر اصحاب نے اس ستون کو پنچ رسی دھات کا کہا ہی جو پیتل - تانبا - اور دوسرے مرکب اجزا سے بنا ہی - جرکوے مانٹ ([illegible] Jaquemont) اس ستون کو نرم لوہے کا بتلاتا ہی - ڈاکٹر مرے طامسن جنھوں نے جنرل کننگھم کی خواہش پر اس کے ایک ٹکڑے کی کیمیائی تجزی کی تھی وہ کہتے ہیں کہ یہ ستون صرف نرم لوہے کا نہیں ہی بلکہ یہ مختلف چند دھاتوں سے بنا ہی - جو گھڑا جا سکتا ہی اور جس کا ثقل مخصوص Specific gravity ۶۶ء۷ ہی - لیکن ڈاکٹر بھاؤ جی کو اصرار ہی کہ اس ستون میں لوہا مطلق نہیں ہی بلکہ یہ مختلف دھاتوں کا مرکب ہی - اس ستون کی ٹھیک بلندی ۲۲ فٹ - ۸ انچ ہی - موجودہ چبوترا بننے کے پیشتر ۲۲ ½ فیٹ کے قریب اوپر تھا اور قریب چودہ انچ کے زمین کے اندر گڑا ہوا تھا - ستون کی جڑ نے قاعدہ لٹو کی شکل ہی جو چھوٹی چھوٹی آہنی سلاخوں پر ٹکی ہوئی ہی اور ستون کو ہمیشہ سے پتھر میں جما دیا گیا ہی - ستون کی بر جی نما چوٹی

۲۴ فیٹ لمبی ہے اور صاف حصہ ستون کا ۱۵ فیٹ لمبا ہے - باقی حصہ بن گھڑا ہے جس کے جوڑ بھی اچھی طرح سے پیوست نہیں کیئے گئے - ستون کے حصۂ اسفل کا قطر ۴، ۱۶ انچ ہے اور بالائی حصے کا قطر ۰۵، ۱۲ - اس ستون پر لوگوں نے گولیاں بھی چلائی ہیں اور دو نشان توپ کے گولوں کے بھی موجود ہیں جو ستون کے پہلو کو چاٹتے ہوئے نکل گئے ہیں مگر ستون کے درمیانی حصے کو کوئی نقصان نہیں پونہچا - اس ستون کے متعلق بہت سی روایات زبان زد خاص و عام ہیں - جنرل کننگھم نے جو قول کچھ ٹھور ٹھکانے کے تھے سب اکھٹے کر لیئے ہیں - جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں یہ ستون اننگ پال کا بنوایا ہوا ہے جو بیلان دیو کے نام سے مشہور تھا اور تنوار خاندان کا بانی تھا - راجہ اننگ پال سے کسی بزرگ برہمن نے وعدہ کیا تھا کہ اگر یہ کھمب اچھی طرح شیش ناگ (جس کے پھن پر دنیا ٹکی ہوئی ہے) کے سر پر مضبوط طور پر گاڑ دیا جائے گا تو جس طرح یہ ستون اٹل رہے گا اُسی طرح تیری سلطنت بھی ابد قرار رہے گی خیر ستون تو گڑ گیا لیکن راجہ کے دل میں کھدبدی لگ رہی تھی اور اُس کو اس بات کا یقین نہ آیا اور دل میں کہا کہ لاؤ برہمن کی بات کو آزما کر تو دیکھیں چنانچہ اُس نے اس ستون کو اکھڑوا دیا تو یہ بات عجیب و غریب دیکھ کر اُس کے ہوش و حواس باختہ ہوگئے کہ ستون کی جڑ ساری خون سے بھری ہوئی تھی کہا یہ تو برہمن کی بات سچ تھی - یہ ستون سانپ کے سر پر گڑا ہوا تھا اور یہ خون اُسی کا ہے - راجہ گھبرایا اور کہا کہ جو نہ ہونا تھا سو ہوا خیر اب کسی نہ کسی طرح اسے پھر جوں کا توں گاڑ دو - پھر ہزار کوشش کی مگر ستون کو نہ جمنا تھا نہ جما - زمین میں وہ اچھی طرح نہ پھنسا اور سوراخ میں ڈھیلا رہا - وہ جو سانپ تھا جس کا سر ستون کے بوجھ سے دبا ہوا تھا وہ چلتا ہوا - ع اب جا چکا ہے سانپ تو پیٹا لکیر کر - چنانچہ یہ دوہا مشہور ہے:-

کِلّی تو ڈھلّی بھئی - تمار بھیا مَت ہِین

یعنی ستون تو ہوگیا ڈھیلا اور تمار خاندان کی مراد پوری ہوئی - اسی حکایت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے - چاند نامی شاعر نے تو اس پر ایک کتاب ہی لکھ ڈالی جس کا نام "پرتھی راج روسا در باب کلّی ڈھلّی کتھا" اس نے بھی بجنسہٖ وہی قصہ لکھا ہے جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں صرف فرق اتنا ہے کہ وہ اس واقعے کو راجہ اننگ پال

دوم سے منسوب کرتا ہی - ریاست گوالیار کا کھڑگ بھاٹ اس واقعہ کا سال ۷۳۶ء بتلاتا ہی اور سر سید رای پتھورا خاندان ہنود کے آخری راجہ کے زمانے میں اس امر کا وقوع کہتے ہیں - مسٹر وصیلر اس ستون کو پانڈر راجاؤں کا کہتے ہیں - بقول چاند اننگ پال ثانی نے ایک بسا بزرگ بیاس نامی سے اپنے پوتے کی پیدائیش کی نیک ساعت دریافت کی - اُس نے کہا کہ "یہ ساعت بہت نیک ہی - تمھارے راج کو زوال نہیں جس کی جڑ شیش ناگ کے پھن پر گڑی ہوئی ہی" - لیکن راجہ کو ویاس کی بات کا یقین نہ آیا - تب ویاس نے اپنی بات کی تصدیق یوں کرائی کہ ایک لوہے کی سلاخ لی اور اُسے ساٹھ اُنگل زمین میں یہاں تک دھنسایا کہ وہ سانپ کے پھن تک جا پونہچی تب اُس نے سلاخ کو نکالا اور راجہ کو دکھلایا کہ لو دیکھو اس کا سرا اُسی شیش ناگ کے خون سے بھرا ہوا ہی یا نہیں - تب بیاس نے راجہ سے کہا کہ تو نے میری بات نہ مانی - اب کیا ہو سکتا ہی - تیرا راج اس سلاخ کی طرح ڈگمگا گیا ہی یعنی متزلزل ہو گیا اور یہ دوہا کہا :-

بیاس جگ جوتی یوں بولا یہ باتیں ہونے والی ہیں
تمارتب چوہان اور تھوڑے دنوں میں ترک

کلکتہ جرنل میں ایک شخص نے جو تمام اسی برس ہونے آئے کہ دلی گیا تھا ایک مضمون لکھا تھا کہ مقامی لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ ستون کے برباد کرنے کی دو مرتبہ کوشش کی گئی - نادرشاہ کا حکم نادری اس کو کھود کر پھینک دینے کا ہوا - لیکن مزدور کام نہ کر سکے - سانپ نے اپنا پھن ہلانا شروع کیا جس کی وجہ سے ایک سخت زلزلہ بھی آیا - دوسرے ویلے میں مرہٹوں نے اس پر ایک بھاری توپ لگا دی لیکن اُس سے بھی کچھ نہ ہو سکا سوائے اس کے کہ گولے کا تو ایک نشان پڑ گیا - یہ لوہے کی لاٹ بناوٹ کے لحاظ سے تو کوئی عجیب وغریب یا قابلِ قدر چیز نہیں ہی - اس پر کا کتبہ البتہ ذرا قابل قدر ضرور ہی - اُن کتبوں میں سے جو اس پر کھدے ہوے ہیں یہ بات تعجب کی ہی کہ جو کتبہ سب سے پرانا ہی وہی سب سے زیادہ صاف اور واضح ہی - بعض لوگ اس کتبے کو چھٹی عیسوی

لہ یہ دوہا اصل نہیں ہی بلکہ ترجمہ ہی - ۱۲

صدی کا کہتے ہیں - ۱۸۲۸ء میں کپتان آرچر - لارڈ کامبرمیر کے ساتھ ممالک مغربی
وشمالی کے دورے کو آئے تھے تو اُنھوں نے اس کتبے کو دیکھ کے کہا کہ وہ ایسے
قدیم خط میں ہی کہ اُسے کوئی پڑھ ہی نہیں سکتا - ۱۸۳۴ء میں لفٹنٹ ولیم الیٹ نے
بشپ کالج کے ڈاکٹر مل کے لیئے اس کتبے کا چربہ اُتارا تھا لیکن وہ کچھ ایسا بے ڈھنگا
اُترا کہ ایک لفظ بھی پڑھا نہ گیا - چار برس بعد کرنل برٹ Col: Burt نامی نے جو
بنگال کے ایک انجنیر تھے اُنھوں نے البتہ اس بارے میں کچھ کامیابی حاصل کی اور
ہمارے سب سے بڑے ماہر فن آثار قدیمہ مسٹر جیمس پرنسپ James Princep
نے اصلی کتبے کو من وعن اُتارا اور زمانۂ حال کی مروجہ ناگری اور انگریزی میں ترجمہ کر کے
بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جرنل میں چھپوا دیا - لیکن مسٹر پرنسپ کے ترجمے پر بمبئی کے
مشہور اور نامور ڈاکٹر بھاؤ داجی نے بڑی حرف گیری کی ہی اور ۱۳ اپریل ۱۸۷۱ء
کو اسی سوسائٹی میں ایک بڑا فاضلانہ مضمون پڑھا - اس کتبے کا خط قدیم زمانے
کی ناگری ہی - اس کتبے کا زمانہ پرنسپ اور جنرل کننگھم صاحبان تیسری یا چوتھی صدی قرار
دیتے ہیں مگر مسٹر ایڈورڈ طامسن طرز تحریر کے لحاظ سے اس کو اس سے بھی زیادہ
پرانا خیال کرتے ہیں - جنرل صاحب اس تحریر کو گپتا کے زمانے کے خط تحریر کے
مماثل بتلاتے ہیں لیکن ڈاکٹر بھاؤ داجی جن کی رای سے دلی کے علمائے سنسکرت متفق
ہیں اس کو گپتا کے زمانے کے بعد کی تحریر قرار دیتے ہیں - ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں
کہ لفظوں کے [illegible] ترے دینے کا رواج گپتاؤں کے زمانے کے بعد دیکھا گیا ہی -
اس کتبے کی روش کتابت مان کھاڑی کے اُن دو کتبات سے زیادہ ملتی جلتی ہی جو
ملک بہار کے دو پہاڑی غاروں پر ہیں یعنی اننتا درم کے غار جوناگرجونا اور بارابار میں
ہیں - مسٹر شیفر صاحب طرز کتابت اور نشستِ الفاظ کے لحاظ سے اس کتبے کو عیسوی
پانچویں صدی کے آخر یا چھٹی صدی کے شروع کا قرار دیتے ہیں - پنڈت بانکے رای صاحب
دہلوی بھی ایک بڑی اتھارٹی (مستند) ہیں اُنھوں نے بھی اس ستون کی بابت یہی
لکھا ہی جو ہم لکھ آئے - اُنھوں نے جو کچھ مزید روشنی ڈالی ہی اُس کو ہم ناظرین کے ملاحظے
کے لیئے لکھے دیتے ہیں کہ گوش زدہ اثرے دارد - یہ ستون مہاراج پرتھی راج کے اُجاڑ مندر کے
بیچوں بیچ میں اکیلا کھڑا ہوا اپنی عظمت اور شان وشوکت دکھا رہا ہی - اُس کے کتبے کا

عجیب و غریب خط اُس کی اُس سنہ شمار قدامت کو بتلاتا ہی جو اس کے بانی راجہ چندر گپت[1] پسر راجہ سمدر اگپت و پدر راجہ کمار گپت کے زمانے کو گزرا۔ چندر گپت ایک بڑا جری اور ایک بڑے خاندان کا شخص تھا۔ ہندوستان اور دوسرے راجہ اُس کے تابع فرمان تھے اور وہی سب کا سردھرا تھا۔ راجہ وشنو کا پیرو تھا اُس نے پانچویں صدی کے اوائل میں یہ ستون سری وشنو کا جھنڈا چڑھانے کو لوہے کا ڈھلوایا و باوجود اس قدر زمانہ مدید گزرنے کے موسمی اثرات سے محفوظ اور جوں کا توں کھڑا ہی۔ اس کا بڑا بھاری وزن اس کی گولائی اور موزونیت۔ اس کے یہاں لانے اور کھڑے کرنے کی ہمت اور وہ مشینیں جن کے ذریعے سے اتنی بھاری لاٹ یہاں کھڑی کر دی گئی انسان کو متعجب اور محو حیرت بنا دیتی ہی۔ کہتے ہیں بانی کا نام "چندرا" ہی جس کا چہرا چاند کی طرح چمکتا تھا۔ چندرا سے مراد چندر گپت ثانی ہی۔ یہ بات ہم اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کتبے کی طرز کتابت بالکل اس راجہ کے عہد کی تحریر سے ملتی جلتی ہی۔ دوسری بات یہ ہی کہ چندر گپت ثانی ہی وشنو کا بڑا پجاری تھا اور یہ لاٹ بھی وشنو کے مندر کی ہی۔ چندر کے ساتھ گپت کا لفظ محض نظم کی رعایت سے چھوڑ دیا گیا ہی جیسے رام چندر کو رام اور بھیم سین کو بھیم بطور اختصار کہہ دیا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں لکھا ہی کہ یہ ستون وشنو پارا کے پہاڑ پر گاڑا گیا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاں اب یہ ستون گڑا ہوا ہی اسی کا نام

---

[1] گپتا خاندان کا زمانہ ۳۲۰ء – ۵۲۸ء تک رہا ہی۔ چندر گپت اول ۳۲۰ء اور سمدرا گپت ۳۳۰ء اور چندر گپت ثانی جس کو بکرماجیت بھی کہتے تھے اور جس نے مالوہ اور اُجین کو فتح کیا تھا اور سمت جو چلا ہی وہ بھی اسی کا ہی اس نے ۳۷۵ء – ۴۱۳ء تک راج کیا اور ۴۱۳ء میں اس کا بیٹا کمار گپت اپنے باپ کی جگہ جانشین ہوا۔ عام طور پر جو یہ خیال کیا جاتا ہی کہ سمت بکرمی ۵۷ء – ۵۸ ق۔م کسی راجہ سے جو بکرماجیت یا راجہ بکرم اُجین کا تھا متعلق ہی یہ بات غلط ہی اس زمانے میں اس نام کا کوئی راجہ ہی نہ تھا اس میں شک نہیں کہ سب سے پہلے مالوے میں اس سمت نے رواج پایا اور غالباً اُجین کے نجومیوں کا نکالا ہوا ہی چنانچہ پہلے اس کا نام مالوہ سمت تھا۔ "وکرم کال" کی اصطلاح سے جو بعد میں رواج پایا وہ بکرماجیت کے نام کے کئی راجہ گزرے ہیں اُن میں سے کسی ایک سے متعلق ہوگا جو سمت کا بانی سمجھا جاتا ہی لیکن وہ دراصل چندر گپت دوم بکرماجیت تھا جس نے ۳۹۵ء میں اُجین کو فتح کیا تھا اور اُسی وقت سمت گیتا اور سکے کے نام بدل کر دلچسپی اور یادگار کے طور پر مقرر کر دیئے گئے (از تاریخ ہند مصنفہ ونسنٹ سمتھ صفحہ ۸۰ و ۸۲ – ۸۳) (نوٹ (۲) بر صفحہ آیندہ)

وِشنو پاڑا تھا۔ دوسرے لوگ ناقل ہیں کہ نہیں یہ ستون متھرا سے لایا گیا ہے۔ پنڈت جی ایک تیسری بات کہتے ہیں کہ اُن کی رائے میں گیا کی ایک بڑی تیرتھ گاہ سے لایا گیا تھا کیونکہ وہاں وشنو پاڑے کے نام کا ایک پہاڑ الی یومنا ہذا موجود ہے۔ بڑی خرابی یہ آن پڑی ہے کہ کتبے میں کوئی سن ہی نہیں تو ساری باتیں محض قیاسی ہی ٹھیرتی ہیں۔ اب جو کچھ بھی کہنا سننا ہے اُس کا دارومدار طرزِ کتابت پر ہے اور اسی پر سے چندر گپت ثانی پر بات آن ٹھیری جس کا زمانہ سمت بکرماجیت (۴۰۰) ہوتا ہے۔ اور اس کتبے سے ہی پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ لاٹ تو چندر گپت نے بنوا کر کھڑی کرائی لیکن یہ کتبہ اُس کی وفات کے بعد غالباً اُس کے بیٹے کمار گپت نے کندہ کرایا۔ کتبے کی پہلی سطر کا خط دوسری سطروں سے بہت خفی ہے۔ اس

نوٹ صفحہ گزشتہ

۵ے اس آہنی ستون کو کہیں اور سے لا کر سطحِ زمین پر کھڑا کر دینا بلحاظ اُن غیر معمولی واقعات کے جو دوسری جگہ ہو چکے ہیں مجھ کو تو کچھ بھی تعجب نہیں معلوم دیتا۔ بیجاپور کی مشہور توپ "ملک میدان" جس کے دہانے میں آدمی بیٹھ کر پگڑی باندھ لیتا ہے اور جس کا وزن چار سو من ہے وہ ۹۵۶ھ ۱۵۴۹ء میں بنی احمد نگر میں ڈھال سے پرینڈے کو لائی گئی جو (۵۰) میل کا فاصلہ ہے اور برج پر چڑھائی گئی خیر یہاں تک بھی غنیمت تھا۔ اُس زمانے میں نہ پختہ سڑکیں تھیں نہ پل تھے اتنی بڑی بھاری توپ کو تنکے کی طرح اُڑا لے اُڑا لے پھرے ۱۶۳۲ء میں سو میل کی مسافت طے کر کے بیجاپور لائی گئی اور وہاں کے سب سے اونچے شرزہ برج پر ۵ صفر ۱۰۴۲ھ کو چڑھائی گئی ہم کو حیرت ہے کہ اُس زمانے میں جر ثقیل پہیے آسے تھے نہ بڑے بڑے کرین تو اتنی بھاری توپ سیکڑوں کوس کچے رستوں ندی نالوں میں احمد نگر سے پرینڈہ اور پرینڈہ سے بیجاپور اور بیجاپور سے مشہور جنگ تالی کوٹہ میں ۱۵۶۵ء میں بڑے بڑے دو دریا بھیما اور کشنا عبور کر کے کیسے گئی ہوگی اور پھر کس وقت سے بیجاپور واپس لائی گئی ہوگی۔ قلعہ پرینڈہ کے عالی شان برج پر اس کا چڑھانا اور اُتارنا اور نیز بیجاپور کے اُس برج پر جو سب سے بلند ہے چڑھانا اُتارنا اور پھر چڑھانا درحقیقت انھیں لوگوں کی ہمت اور حوصلے کا اقتضا تھا۔ اسی طرح قلعہ رائچور کی فصیل میں ایک بڑا بھاری پتھر جو ۴۱ فٹ ۵ انچ لمبا اور تین فیٹ چوڑا ہے جو ۶۹۳ھ ۱۲۹۴ء میں چڑھایا گیا کیوں کر چڑھا ہوگا۔ دور کیوں جائیے خود دلی ہی میں فیروز شاہ کے کوٹلے میں پتھر کی ایسی بھاری لاٹ اتنی دور موضع نہیرے سے جو (۱۲۵) میل کا فاصلہ ہے۔ کیوں کر لائی گئی ہوگی اور اتنی اونچان پر ۷۵۷ھ ۱۳۵۶ء میں کیسے کھڑی کی گئی ہوگی اور ٹوٹی کیوں نہیں ۱۲۔

کتبے کا چربہ پہلے پہل مسٹر پرنسپ نے اپنی کتاب اکس کرژن (Excursion) میں دیا ہی جواب دستیاب نہیں ہوتی - سر سید نے آثار الصنادید کے پہلے ایڈیشن مطبوعہ سنہ ۱۲۷۰ھ ۱۸۵۴ء میں بھی اس کی نقل اور ترجمہ دیا ہی - پنڈت بانکے رای صاحب دہلوی نے بھی ایک ترجمہ کیا ہی جو لاٹ کے سامنے والی دیوار میں سنگ مرمر کی تختیوں پر ناگری - اردو - انگریزی زبانوں میں الگ الگ لگا دیا گیا ہی - کار سٹیفن صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۹ - پر یہ چربہ دیا ہی - اور صفحہ ۲۰ پر پرنسپ صاحب کا ترجمہ اور صفحہ ۲۱ پر ڈاکٹر بھاؤ جی کا ترجمہ - چربہ میں نے اس واسطے نہیں اُتروایا کہ بے کار ہی - پڑھ کون سکے گا ناگری خط میں اُس کی نقل ناگری داں پڑھ لینگے وہ یہ ہی :- ناظرین سب ترجمے دیکھ لینگے اور اپنی جگہ فیصلہ کر لیں کہ کونسا ترجمہ دل لگتا ہی -

کتبہ زبان سنسکرت

यस्योद्वर्तयतः प्रतीप मुरसा शत्रून समेत्यागता। न्वङ्गेष्वा हववर्तिनेभिलिखिता खड्गेन कीर्तिर्भुजे।१। तीर्त्वा सप्त मुखानियेन समरे सिन्धोर्ज्जिता बाल्हिका। यस्याद्याप्यधिवास्यते जलनिधि र्वीर्यानिलैर्द्दक्षिणा।२। खिन्नस्येव विसृज्य गां नरपतेर्गामाश्रितस्येतरां। मूर्त्या कर्म्मजितावनीं गतवतः कीर्त्या स्थितस्य क्षितौ।३। शान्तस्येव महावने हुतभुजो यस्य प्रतापो महान्नाद्याप्युत्सृजति प्रणाशितरिपोर्यत्नस्य शेषः क्षितिम्।४। प्राप्तेन स्वभुजार्जितञ्च सुचिरं चैकाधिराज्यं क्षितौ चन्द्राह्वेन समग्रचन्द्र सदृशीं वक्त्रश्रियं बिभ्रता।५। तेनायं प्रणिधाय भूमिपतिना भावेन विष्णौ मतिं। प्रांशुर्विष्णुपदे गिरौ भगवतो विष्णोर्ध्वजः स्थापितः॥६॥



سر سید کا اردو ترجمہ

(۱) اُس شخص نے کہ جس نے یہ خبر سنی کہ میرے دشمن اچھی سپاہ اور رفیقوں کے ساتھ مجھ سے لڑائی اور مورچے بندی کی طیاری کرتے ہیں ایک آلہ شہرت کا کھدوایا جس طرح کہ اُس کی تلوار اعضائے دشمنوں پر جو شخص کہ مالک سات سلطنت کا تھا اُس نے دریائے سندھ سے عبور کر کے سندھیوں کی قوم وہلیکار کو دبا لیا اُس کی باقاعدہ فوج اور گھاتیں جو بطرف جنوب اُس دریا کے تھیں اس زمانے میں بھی پاکیزگی کے ساتھ یاد ہیں۔

(۲) جس طرح کہ شیر ایک شکار چھوڑ کر دوسرا شکار پکڑتا ہے اسی طرح اُس نے اس دنیا کو چھوڑ کر اُس عالم پر قبضہ کیا یعنی مر گیا مگر اُس کی ناموری اب تک بھی زمین پر سبب اُس کے پہلے کاموں کی شہرت کے اگرچہ وہ اب مر گیا ہے لیکن اُس کے ہتھیار کرنے کی طاقت جو دشمنوں کا تباہ کرنے والا تھا اب تک عالم میں باقی ہے۔

(۳) اُس شخص نے جس نے بوسیلہ اپنی تلوار کی مدد تک زمین کی بادشاہت کی اور اُس نے اپنے میں سورج اور چاند کی خاصیتیں اکھٹی کی تھیں اور اُس کے چہرے کی خوب صورتی مثل پورے چاند کے تھی اُسی راجا دہاوا کا جس نے اپنا سر جھکایا پاؤں وشنوں میں اور لگایا اپنا دل اُسی وشنو پر یہ اونچا ہتھیار یعنی لاٹھ وشنوں کے نام پر جو قابل پرستش کے ہے بنایا ہوا دہاوا کا

ڈاکٹر پرنسپ کے انگریزی ترجمے کی اردو

پہلا سلوک۔ اُس پہلے جس نے اپنے دشمنوں کی اُن کی خندقوں میں جنگی طیاریاں سن کر اپنی بہتر بدر

۵ ترجمے کی مشکلات ارباب نظر پر مخفی نہیں۔ ترجمے میں اصلی زبان کا لطف قایم رکھنا بڑا مشکل کام ہے۔ اور یہ تو ترجمہ در ترجمہ ہوا۔ پرنسپ صاحب اور بھاؤ داجی صاحب نے اصلی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا اور پھر دونوں اپنی اپنی جگہ صحت کے دعوی دار اور پھر ایک دوسرے پر معترض اور مطلب میں آسمان زمین کا فرق اور میں بے چارہ جو کسی شمار قطار میں نہیں انگریزی سے اردو میں ترجمہ کر رہا ہوں میری شرم خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ اصل زبان سے میں نابلد خدا جانے کیا کا کیا ہو جائے بہر حال میں نے تو یہی کوشش کی ہے کہ انگریزی سے اردو ترجمے میں کوئی نقص نہ آئے۔

سپاہ اور معاونین کے ساتھ ایک شہرت کی یادگار (دیا بازو) اپنی تلوار سے اُن کے بازوؤں پر منقوش کردیا وہ جو مالک سات استفنا (دولت) کا مالک تھا (اسی طرح جیسے کہ گورنمنٹ کے سات بازو ہوتے ہیں) ... دریائے سندھ [؟] کو عبور کر کے سندھ کے واہلیکون کو ایسا مطیع کر لیا کہ تا یومنا ہذا بھی اُس کی آراستہ افواج اور حفاظت کا اُس جانب جنوب (دریا) کی بھی وہ مقدسانہ تعظیم کرتے ہیں۔

دوسرا سلوک وہ جس نے جس طرح کہ شیر ایک جانور کو دبوچتا ہے اور دوسرے کو چھوڑتا ہے اس دنیا کو چھوڑنے کے بعد اُس دنیا میں اپنی جگہ پیدا کرلی۔ جس کا ذاتی وجود اب تک پردۂ دنیا پر بوجہ اُس کے کارہائے (سابقہ) کے اب تک باقی ہے جس کی قوت بازو اب بھی اگرچہ (کہ وہ) اب آرام میں ہے۔ (متوفی) اور اُس کی جبروت کا کچھ حصہ جو دشمنوں کا بیخ کن تھا اب بھی زمین سے ملصق ہے۔

تیسرا سلوک۔ اُس نے جس نے اپنی قوت بازو سے غیر منقسم سلطنت ارضی پر مدتوں حکم رانی کی ہے وہ (جس میں اوصاف مجتمع تھے) چاند اور سورج کے بوجھ وھویں رات کی طرح حسین تھا۔ اسی راجہ دھاوا نے جس نے اپنا سر وشنو کے قدموں پر جھکا دیا تھا اور اپنی لو اُس سے لگا دی تھی۔ یہ بہت بلند بازو (ستون) واجب التعظیم وشنو کا بنوایا۔

ڈاکٹر بھاؤ داجی کے انگریزی ترجمے کی اُردو

وہ جس کے دست قدرت پر شان عظمت تلوار (کی نوک) سے منقوش ہے جب اُس نے علی التواتر اپنے مجتمعہ دشمنوں کے میدان جنگ میں (بمقام ونگاس (بنگال؟) ... پھیر دیئے۔ جس نے سندھ کے سات دہانوں کو عبور کر کے باہلیکوں کو ...

(نوٹ بر صفحہ آیندہ)

میں مفتوح کیا جس کی شجاعت کی خوشبو سے نسیم اب تک جنوبی سمندر میں اُڑتی پھرتی ہے جس نے دنیا سے (دنی) کو من وجہ رنج (والم) میں چھوڑ کر دوسرے عالم میں (عرش بریں) پر چلا گیا جو دار الجزا کو جسمانی شکل میں چلا گیا لیکن اُس کی شہرت اس زمین پر (بدستور) باقی ہے۔ جس نے اپنے بچے کھچے دشمنوں کو فنا کردیا جس کی بہادری سنل جنگل کی ایک بڑی بھڑکتی ہوئی آگ سے تھی۔ (اُس کی یادہی) زمین سے نہیں چلی (مٹ گئی) اور وہ جس نے اپنے قوت بازو سے اس دنیا کی ایک لاثانی سلطنت مدت ہائے دراز تک کی۔ جس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔ اس خداوند دنیا کا نام "چندرا" تھا جس نے وشنو سے عقیدت رکھنے کی وجہ سے اپنے دل کو مطمئن کرلیا تھا (یعنی صاحب دل تھا) یہ جھنڈے کا کھمبھ بھگوان وشنو کا وشنو پاڈاگری (وشنو کے نقش قدم کا پہاڑ) تعمیر و استادہ کیا۔ ڈاکٹر بھاؤ داجی کہتے ہیں کہ میں نے جو کتبے کی نقل کی ہے اُس کی ہر سطر بہ نسبت پرنسپ صاحب کی اُس نقل سے مختلف ہے جو اُنھوں نے جرنل میں چھاپی تھی جس کو اُنھوں نے "دہاونا" پڑھا ہے وہ دراصل "بھاونا" اسی طرح "دھواج" غلط "بھواج" صحیح۔ اور اسی طرح جیسے "چندرارکنا" پڑھا ہے وہ "چندرادہنا" ہے۔ یہ غلطی اس وجہ سے ہوئی ہے کہ حرف "ڈھا" پر ایک پھانٹا درمیان سے بائیں طرف لگادینے سے "دھا" ہو جاتا ہے۔ دہاوا سرے سے کسی راجہ کا نام ہی نہیں ہے جس کو اس ستون کا بانی سمجھا گیا ہے بلکہ اس کا بانی چندرا راجہ ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہے جو نروار راجاؤں کے خاندان میں سے تھا جس کے سکے کا ذکر جنرل صاحب نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل نمبر ۳ بابت ۱۸۶۵ء میں کیا ہے۔ سکوں میں جن کی تحقیقات کی گئی ہے ایک سکے پر "چندرا" کا نام

ف کیا یہ بالمیک سوراسٹر کے "ساہ" خاندان کے راجہ تھے؟ جو یقیناً ۳۰۰ء میں دریائے سندھ کے کنارے رہتے تھے اور جو ۲۳۵ء یا ۲۲۵ء میں نکالے گئے (دیکھو رائل ایشیاٹک سوسائٹی جرنل جلد ششم صفحہ ۲۵) ابھی یہ بات متحقق نہیں ہے لیکن اگر پایۂ تصدیق کو پہنچ جائے تو یہ گتھی بھی سلجھ جائے۔ ۱۲

موجود ہے۔ لیکن جنرل صاحب اِس چندرا کو کوئی اور راجہ چندر راگپت خیال کرتے ہیں جو زمانِ مابعد میں ہوا ہے۔ مگر چندر گپتا خاندان کے کسی راجہ کا سکہ اُس سکے سے جس پر ہم بحث کر رہے ہیں ملتا جلتا نہیں ہے۔ علاوہ ازیں سکے پر لفظ "چندرا" ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اُس میں گپتا کے لفظ کا بھی انضمام کیا جائے۔ سرسید اِس ستون کو تیسری صدی عیسوی سے بھی پہلے کا بتلاتے ہیں۔ کتبے کی نسبت اُن کا خیال ہے کہ اِس میں سمت نہیں ہے اِس وجہ سے وہ ۵۰ ق م سے بھی زیادہ پرانا ہے کیوں کہ بکرما جیتی سمت کا رواج اُس وقت سے قرار پا چکا تھا۔ سرسید کی رائے میں ستون کا بانی راجہ "دھاوا" تھا جو یدھشٹر کی اولاد میں تھا اور جس نے ۳۱۹ ق م میں حکمرانی کی تھی۔ کار سٹیفن صاحب کی رائے میں ڈاکٹر بھاؤداجی ایک بڑے ماہر علم السنہ کے ہیں اُن کی رائے زیادہ بھروسے کے قابل ہے کہ کتبے کی روشن تحریر گپتا راجاؤں کے مابعد کے زمانے کی ہے اور دہلی کے تمام ذی علم اہل ہنود اور مسٹر ایڈورڈ طامس کا بھی اسی طرف رجحان ہے۔

اِس ستون پر اِس بڑے کتبے کے سوا اور بھی چھوٹے موٹے کتبے کثرت سے ہیں جن میں سے کوئی بھی وقیع نہیں پھر بھی ہم لکھے دیتے ہیں۔ "اننگ پال دوم "سموت دہلی ۱۱۰۹ اننگ پال بھائی" یعنی سمت ۱۱۰۹ / ۱۰۵۲ء میں اننگ پال نے دلی کو آباد کیا۔ دو کتبے چوہان راجہ چتر سنگھا کے ہیں جو راے پتھورا کے خاندان کا تھا۔ یہ دونوں سمت ۱۹۲۰ / ۱۸۶۳ء کے ہیں۔ خود راے پتھورا کا زمانہ سمت ۱۱۵۱ / ۱۰۹۴ء کا ہے۔ اب حال کا ایک کتبہ چھ سطری بخط ناگری سمت ۱۲۶۷ / ۱۲۱۰ء بندیلہ راجہ چندیری کا ہے جس کے نیچے دو فارسی کے کتبے سنہ ۱۰۶۰-۶۱ھ / ۱۶۵۰-۵۱ء کے ہیں یہ صرف اُن لوگوں کے نام ہیں جو اِس ستون کو دیکھنے آئے تھے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ ایسے مقامات پر خواہ مخواہ اپنا نام لکھ کر اپنا دل خوش کر لیتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ زمانہ ایسا مٹانے والا ہے کہ آج بڑے بڑے راجاؤں اور بادشاہوں کا پتہ نہیں چلتا بیسیوں گنبد لکھوکھا روپیے کی لاگت کے کھڑے ہیں لیکن کوئی یہ بھی

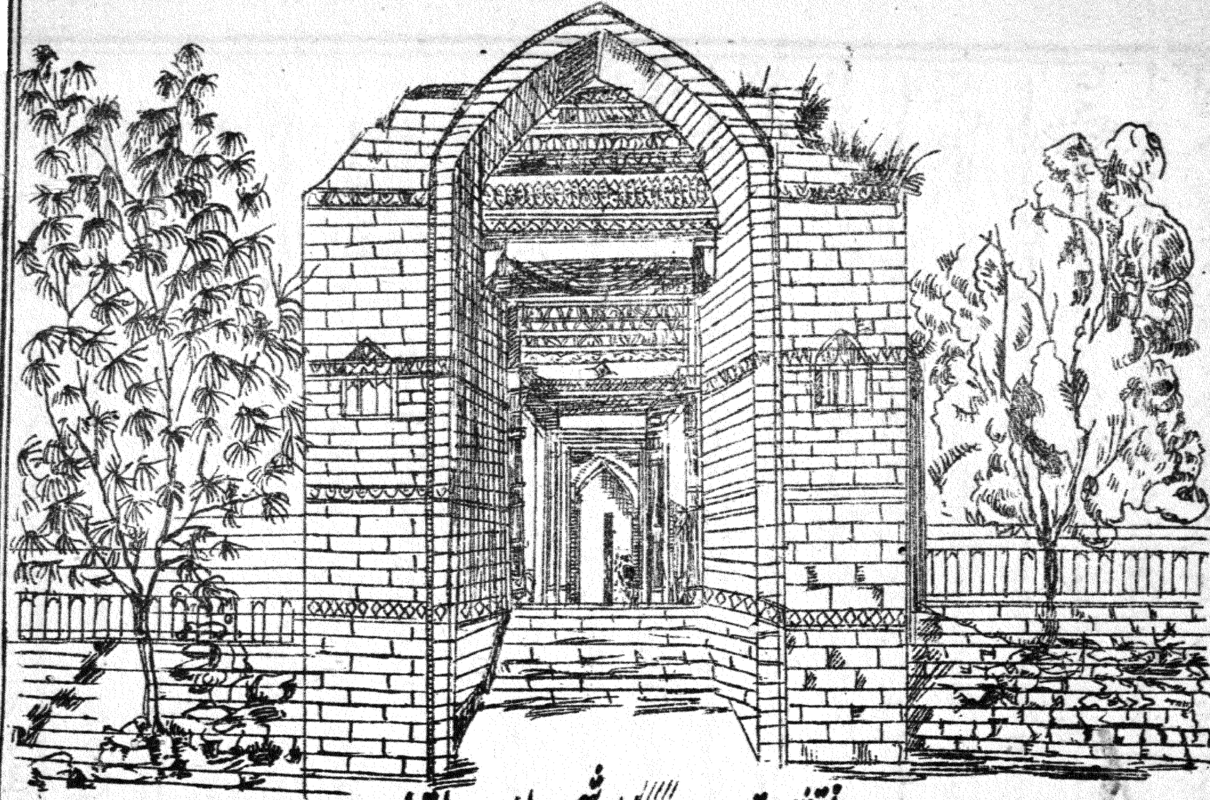
نہیں جانتا کہ کس کے ہیں۔ باد شما کس شمار و قطار ہیں وہ تو یہ کہو کہ لوہے پر نام باسانی کھد نہیں سکتا ورنہ ساری لاٹ پر آج نام ہی نام نظر آتے ۵

کسی کا کندہ نگینے پہ نام ہوتا ہے
کسی کی عمر کا لبریز جام ہوتا ہے

عجب سرا ہے یہ دنیا کہ جس میں آٹھ پہر
کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

ترجمۂ پنڈت بانکے رای صاحب دہلوی

(وہ راجہ) جس کے بازو پر تلوار نے ناموری نقش کر دی جب کہ ملک ونگ (بنگال) کی لڑائی میں اُس نے (اپنی) سینہ زوری سے اُن دشمنوں کو تباہ کیا جو جمع ہو کر اُس کے مقابلے کو آئے تھے۔ جس نے سندھ کے سات دہانوں کو عبور کر کے قوم وہلک پر فتح پائی۔ جس کی شجاعت کی نسیم سے بحر جنوبی آج تک مہک رہا ہے۔ جس مالک اُمم نے افسردہ خاطر سا ہو کر دنیا کو چھوڑ سفر آخرت اختیار کیا اور بشخص خود اُس (عالم بہشت) کو سدھارا جس کو اُس نے اپنے اعمال سے حاصل کیا تھا (مگر) ناموری کے سبب اس عالم میں باقی ہے جس کی اعدا کش طاقت کا اثر ایک بڑے جنگل کی جلی بجھی آگ کی بڑی تیز حرارت کے مانند اب تک زمین پر سے زائل نہیں ہوا۔ جس نے اپنے بازو سے حاصل کی ہوئی شہنشاہی کو مدتوں قایم رکھا۔ جس کا نام چندر (اور) جس کے چہرے کا حسن پورے چاند کی مانند ہے۔ اسی روئے زمین کے مالک (مہاراجہ) نے جو وشنو کا بڑا بھگت تھا۔ وشنو بھگوان کا یہ بلند نشان وشنو پد پہاڑی پر نصب کیا۔ (چوتھی صدی اے ڈی) شری نیت پنڈت وشو ویشور ناتھ جی کے سپتیٗ شریمنت پنڈت بانکے رای نزول گوسوامی نے اس لاٹ کے نیتہ کتابہ کا یہ اردو ترجمہ اس لوہے پر کھدوایا۔ بکیم جنوری ۱۹۱۰ء



نقشہ مقبرہ سلطان شمس الدین التمش

سلطان شمس الدین التمش کی قبر

۶۰۷ - ۶۳۳ھ
۱۲۱۰ - ۱۲۳۵ء

چنین ست آئین باغ جہاں　گہے نوبہارست گاہے خزاں
بہاریکہ خندد لبش در چمن　خورد سیلی فصل دی بر دہن
اگر صبح را جلوہ ہائے نکوست　بلائے غم شام دنبال اوست
نہ دانی کہ شمع از چہ رو مضطرست　دم صبح با تیغ کیں بر سرست

اگر قلعہ داری ز فولاد سخت　کلہ گوشہ ات گرز گردوں گزشت
چو زیر نگینت بود ملک جم　ترا گر ز انجم فزوں شد حشم
بروزیکہ فوج اجل سر کشد　ترا فرصت دم زدن کے دہد
بکارت نیاید ازاں تاج و تخت　بخاک اندر آئی ز اسباب و رخت
غم و شادمانی نماند ولیک　جزائے عمل ماند و نام نیک
کرم پائے دارد نہ دیہیم و تخت
بدہ کز تو ایں ماند اے نیک بخت

خاندان غلامان دہلی کے سب سے بڑے اور نامور بادشاہ شمس الدین التمش نے ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ ۱۲۳۶ء کو انتقال کیا جو مسجد قوت الاسلام کے باہر شمال و مغربی کونے میں آسودہ ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ یہ مقبرہ سلطانہ رضیہ کا بنوایا ہوا ہے مگر اس کا کوئی وثیقہ نہیں مسٹر کیمبل اس کے برعکس خود بادشاہ ہی نے اپنی حین حیات اپنا مقبرہ بنوانا لکھتے ہیں۔ کیونکہ مسجد کے اُس حصے کی جو اس بادشاہ نے بنوایا تھا یہ ہو بہو نقل ہے۔ علاوہ بریں سلطان التمش کے جانشینوں کی مدت سلطنت ایسی کونسی لمبی چوڑی اور خالی از تردد و افکارات تھی کہ وہ اتنے بڑے بھاری اور مشکل کام کو اتنا زر خطیر لگا کر کر سکتے۔ جنرل کننگھم صاحب نے گو اس بارے میں کوئی صاف و صریح رائے نہیں دی مگر یہ وہ ضرور کہتے ہیں کہ مسجد اور مقبرہ یہ دونوں ساتھ ہی ساتھ بنے تھے۔ اس مقبرے کا ایک ہی کمرہ اندر سے ۲۹ فٹ مربع ہے۔ دیواروں کا آثار ۷ ½ فٹ کا ہے اور موجودہ بلندی ۲۸ فٹ۔ مقبرے کے مشرقی شمالی جنوبی تین رُخ پر دروازے شمال رُخ کا دروازہ پہلے پتھروں سے چن دیا گیا تھا مگر اب صاف کر دیا گیا۔ مغربی دیوار میں تین طاق اُسی طرح کے ہیں جیسے کہ مسجدوں میں عموماً ہوتے ہیں بیچ کا طاق ۹ فٹ اونچا اور ۷ ½ فٹ چوڑا ہے۔ اُس کے اِدھر اُدھر کے طاق ۵ فٹ بلند اور ۲ ½ فٹ عریض ہیں تینوں دروازے ۱۲ فٹ اونچے اور ۷ فٹ چوڑے ہیں جن کی دیواروں میں

باہر غار کو ۷ فٹ ۳ انچ اونچی ۱۱ فٹ ۱/۲ چوڑی اور دو فیٹ عمیق محرابیں ہیں۔ مقبرے کے باہر سنگ خارا
ہی اور اندر سنگ سرخ۔ اندر علاوہ سنگ مرمر کی سلوں کے یوں بھی جا بجا سنگ مرمر
کی تحریر ہی۔ دروازوں میں نیچے سے لے کر اوپر تک طرح بطرح کی نقاشی کے علاوہ
کلام مجید کی آیات منقوش ہیں۔ دروازوں کی بیرونی محرابیں جن کا اوپر ذکر آچکا
ہی نہایت بلند اور دیواروں کے اندر تراشی ہوئی ہیں نیچے وار کی محرابیں جو مقبرے
کے داخلی دروازے میں ہیں وہ وسعت میں بیرونی محرابوں سے دو تہائی کم ہیں۔
اندرونی محرابوں کے دونوں طرف نہایت خوب صورت پتلے پتلے نازک
ہشت پہلو ستون لگے ہوئے ہیں اور ان محرابوں پر بھی قرآن شریف کی آیتیں منقوش
ہیں۔ مقبرے کا اندرونی رخ تمام نقش و نگار سے لپا ہوا ہی جس میں بڑی کاریگری
صرف کی گئی ہی۔ مغربی دیوار کے بیچ کا طاق سر بسر سنگ مرمر کا ہی اور نقش و نگار و
آیات قرآنی سے بہت آراستہ اور خوش نما ہی۔ دوسرے طاق نرے سنگ سرخ
کے ہیں۔ مقبرے کے چاروں کونوں میں نہایت خوب صورت دیوار دو ستون
اسی طرح کے لگے ہوئے ہیں جیسے کہ باہر کی محرابوں میں ہیں۔ قبر سرتاپا سنگ مرمر
کی ہی جو ۱۴ × ۹ فٹ اور ۲ فٹ ۱/۲ بلند ہی جس کے اوپر اور ایک چبوترا
۱۰ × ۶ فٹ اور ۳ فٹ ۱/۲ بلند ہی۔ تعویذ ۷ × ۳ فٹ اور ۱ فٹ ۳/۴ اونچا اور ایسا مجلی اور مصفا ہی کہ جس
میں منہ دکھلائی دیتا ہی۔ جس پر آیات قرآنی نہایت خوش خط بخط طغریٰ منقوش ہیں۔
قبر کا سالم حصہ بشمول چبوترے کے ۷ فٹ بلند ہی۔ فرگسن صاحب کو اس مقبرے
کے مسقف ہونے میں شک ہی وہ لکھتے ہیں کہ یہ مقبرہ بنتے بنتے ادھورا ہی رہ گیا۔
جنرل کننگھم کی رائے ہی کہ اس پر ہندوانی طرز کی چھت ضرور تھی چنانچہ اب تک بھی
چھت کا ایک پتھر نکلا ہوا موجود ہی جس پر کچھ الفاظ عربی کے کندہ ہیں۔ مقبرے کی
جنوبی دیوار کا جس قدر بالائی حصہ اب تک باقی ہی اُس کی حالت کے مشاہدے سے
یہ امر بدرجۂ یقین کو پہنچتا ہی کہ اس پر چھت ضرور تھی۔ فتوحات فیروز شاہی میں جو عبارت
ذیل فیروز شاہ نے لکھی ہی اُس سے چھت کا ہونا مسلّم ہی اور مقبرے کے چاروں کونوں
پر برجیاں بھی تھیں لیکن اب سوائے جنوبی دیوار کے طرف کے نیچے کچھے حصے کے اور
کسی چیز کا پتہ نہیں رہا:۔

"مقبرے کے ستون گر گئے تھے اُن کو میں نے پہلے سے بہتر بنوا دیا۔ مقبرے کا صحن پختہ نہ تھا وہ بھی میں نے بنوایا۔ زمین کھود کر جو زینہ نکالا گیا تھا اُسے میں نے بڑھوا دیا اور چاردیں برجیوں کے ستون پھر سے بنوائے"

فرگسن صاحب پھر لکھتے ہیں کہ "اگرچہ یہ ایک مختصر سی عمارت ہے تاہم اہل اسلام کی اغراض کے لئے ہنود کی اُس صناعی کا جو پُرانے قلعے میں ہے ایک قابل قدر اور خوب صورت نمونہ ہے۔ اگرچہ اسلام کے طرز جدید کے اختیار کرنے میں کاریگر بعض بعض جگہ چوک بھی گئے ہیں"

سلطان شمس الدین التمش کے مقبرے کے نیچے تہ خانہ بھی ہے جس میں اکیس سیڑھیاں اُتر کر جاتے ہیں۔ اصل قبر تہ خانے میں ہے اور اوپر تعویذ ہے۔ مقبرے کے اندر باہر پیش طاق وغیرہ پر کثرت سے قرآنی آیات کھدی ہوئی ہیں۔

جنوبی دروازے پر۔ باہر وار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورہ الرحمٰن از ابتدا تا فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَّنَخْلٌ وَّرُمَّانٌ۔ باہر وار۔ وَلَوْ اَنزَلْنَا۔

للہ ما فی السموات وما فی الارض تا ختم سورہ بقر

اندر وار۔ ولو انزلنا ھذا القران علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون۔

شمالی دروازے پر باہر وار: (۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورہ نوح تا قال رب انی دعوت قومی لیلا ونھارا۔ (۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سورہ مومنون تا الذین یرثون الفردوس ھم فیھا خالدون۔

اندر وار ولقد خلقنا الانسان من طین وجعلنہ فی قرار مکین تا فاسکنا فی الارض وانا ذھاب بہ لقادرون۔

شرقی دروازے پر باہر وار۔ (۱) بسم اللہ اور سورہ فتح تا وکان ذلک عند اللہ فوزا عظیما۔ (۲) بسم اللہ سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا تا عبدا شکورا۔ (اندر وار)

غربی دروازے پر۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل

پیش طاق پر اندر وار۔ (۱) نغفر لکم ذنوبکم ویدخلکم جنت تجری من تحتھا الانھار تا ذلک الفوز العظیم۔

(۲) انہ لقرآن کریم فی لوح محفوظ لا یمسہ الا المطہرون تنزیل من رب العالمین۔

(۳) فنادتہ الملیکۃ وھو قایم یصلی فی المحراب تا من الصلحین۔

شمال رُخ کے چھوٹے طاق پر۔ (۱) ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادہ تا سبحان اللہ عما یصفون۔ الغفور۔ الشکور۔ العلی۔ الکبیر۔ المقیت۔ الحسیب۔ الجلیل۔ الکریم۔ الرحیم۔

(۲) قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء تا انک علی کل شی قدیرا۔

(۳) وا ولوا العلم قائماً بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا العلم بغیا بینھم......

جنوب رُخ کے دوسرے چھوٹے طاق پر۔ (۱) اسمائے حسنیٰ الحکیم الودود..... النور الہادی البدیع الباقی الرشید الصبور الخ....

(۲) ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین شاکرا لانعمہ اجتبٰہ وھدٰہ الی صراط مستقیم۔

(۳) کل نفس ذائقۃ الموت وانما توفون اجورکم تا وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔

تعویذ قبر پہلا چبوترا۔ نیچے سنگ سرخ اوپر سنگ مرمر کی سلیں۔ ۱۴ × ۷۔۹ بلندی ۲۔ دوسرا چبوترا جس میں یکے بعد دیگرے اوپر تلے تین حصے ہیں ۱۰۔۱ × ۵ ½۔ بلندی ۱۔۴۔ قبر کے تعویذ کا پہلا حصہ ۸۔۱۰ × ۳۔۱۰ بلندی ۱۔۹
قبر کا دوسرا حصہ۔ ۸ ½ × ۳ ½ بلندی ۸۔
قبر کا تیسرا حصہ ۷۔۱ × ۲۔۱ بلندی ۱۔۹

اس طرح پانچ چبوترے ہیں۔ کل ارتفاع قبر کا ۷۔۸۔ فرش سنگ خارا کے چوکوں کا ہے۔ اندر سے مقبرہ ۲۹ فٹ مربع اور اوپر جاکر ہشت پہل شکل کا ہے۔ تین طرف دروازے مغرب میں پیش طاق۔

اس امر پر بحث کہ اس قبر پر گنبد تھا یا نہیں بالکل بے سود ہے۔ تھا اور ضرور تھا۔ اب تک بھی اس کی کھلی علامتیں موجود ہیں۔ بلکہ چھت گرنے ہی سے فرش بھی ضائع ہوگیا ورنہ ایسے نفیس مقبرے میں اور سنگ خارا کی سلوں کا فرش کیا معنی؟ چھت گرنے سے قبر کو بھی ضرور صدمہ پہونچا ہے جب ہی تو جدید چبوترا بنانا پڑا اور اس کے گرد کتبوں کے

پتھروں کو اوندھا سیدھا جوڑ کر ستیاناس کر دیا۔ اب آپ خود ملاحظہ فرمائیے کہ کیا گت بنی ہے:۔

(۱) وَللسابقون السّا هو قلیلۃٌ المتقون فی جنات النعیم ثلثا وللبر و قلیلہ ما..... فی ا..... بناکلو و کا ۳۔ (۲) برایقین ولیصلحون عنھا و(۹ نہ فوا فاکلہ مما الله مما مانشۃ ھوحوعین کانال۔
حورعین کامثال

(۳) اللولوء المللمون جزابما کانو لا لیعلمون لیسمعون فیما لغو ولا بیما اثما
المکنون جزاءً کانوا × یعلمون لو　فیھا لغوا تاثیما

قیماالو سلوما سلوما و اصحاب الیمین مااصحاب الیمین۔
قلیلاو سلما سلما اصحب

مسجد قوۃ الاسلام کی شکستہ محرابوں پر کے کتبے

مسجد قوۃ الاسلام کی تین سر بفلک محرابیں سلطان التمش کے مقبرے کے سامنے کھڑی ہیں۔ تیسری محراب کا آخری پاکھا گر گیا اور ساتھ ہی اپنا کتبہ بھی لے گیا۔ سرکار کی طرف سے سنگ خارا کا ایک فیل پایہ بنا کر گرتی ہوئی آرچ کو تھام لیا ہے ورنہ وہ بھی دھڑام سے آن پڑتی۔ انہیں کے جوڑ کی سوا چار محرابیں لوہے کی لاٹ کے اُس طرف باقی ہیں۔ چار در سالم ہیں پانچویں محراب کا صرف اوپر کا ذرا سا سرا بے سہارے معلق کھڑا ہے۔ یہ ساری محرابیں بنتے بنتے ناتمام رہ گئیں اور اُسی طرح ادھوری زیر سما کھڑی ہیں یعنی نہ ان کی کسی قسم کی حفاظت ہے نہ اوپر سایہ غور کیجئے کہ کیسی تو کس مپرسی کی حالت اور اُس پر گزرے (۷۰۰) برس اور اتنی ہی برساتیں ان کے سر پر سے گزر گئیں۔ حیرت ہے کہ اتنی بھی اب تک کیسے باقی رہیں۔ یہ محرابیں بہت بلند ہیں اور جتنی بلند عمارت ہوتی ہے اُتنی ہی اُس کی بقا معرض خطر میں ہوتی ہے لیکن خدا جانے کس بلا کا مال مسالا لگایا ہے کہ صدیوں پر صدیاں گزر گئیں مگر ذرا بھی جنبش نہیں کھائی۔ بناتے وقت کوئی دقیقہ ان کی خوش نمائی کا اُٹھا نہیں رکھا گیا۔ ان کے ردکار پر سر سے پا تک کلام مجید کی آیات نہایت نفاست سے کندہ ہیں۔ کتبات مائیقری نہیں رہے اول تو کائی جم جم کر ہیئت کذائی بگڑ گئی دوسرے حصہ زیرین کو جہاں تک کہ

ہاتھ پونہچا ہی بہت نقصان پونہچا ہی۔ جا بجا سے حروف جھڑ گئے ہیں اور بلندی پر نگاہ کام نہیں کرتی۔ بہرحال جو کچھ پڑھا جا سکتا ہی اُس کا قلم بند ہو جانا البتہ غنیمت ہی کہ کل کو فنا کے ہاتھوں اس کو بھی بقا نہیں۔

تین بڑی شکستہ محرابوں پر کے کتبے

شمس الدین التمش کے مقبرے کے سامنے جو بہت بڑی تین شکستہ محرابیں کھڑی ہیں اُن پر یہ کتبے ہیں:۔

پہلا پاکھا۔ (۱) کلمہ تھا ٹوٹ گیا۔ (۲) کلمہ۔ (۳) چھوٹے طاق کے اندر قل ھو اللہ۔ (۴) آیۃ الکرسی۔ (۵) باہر کی بڑی لین بسم اللہ و سورہ ملک تا الیہ النشور۔

دوسرا پاکھا۔ اندر کا طاق (۱) کلمہ جلی خط سے۔ (۲) کلمہ خفی خط سے۔ (۳) شهد الله انه لا اله الا هو والملٰئكة واولو العلم قائمًا بالقسط تا لا اله الا هو العزيز الحكيم (۴) ما كان محمد ابا احد من رجالكم تا و اعدّ لهم اجرا كريما۔ (۵) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ انّا فتحنا تا فان تطيعوا يؤتكم الله اجرا حسنًا۔ تیسرا پاکھا تو گر ہی گیا ہی۔

سوا چار محرابوں پر کے کتبے

(۱) بسم الله الرحمن الرحيم ولله ملك السموات والارض والله على كل شيء قدير ان في خلق السموات والارض واختلاف الليل تا ربنا فاغفر لنا۔ سورہ آل عمران پارہ ۴۔ ۱۰ واع۔

(۲) بسم اللہ اور احادیث ہیں جو برابر پڑھی نہیں جاتیں۔

(۳) تبارك الذي جعل في السماء بروجًا وجعل فيها سراجًا وقمرًا منيرًا تا والذين اذا انفقوا لم يسرفوا۔ پارہ (۱۹) الفرقان ۱۴ع۔

(۴) احادیث۔

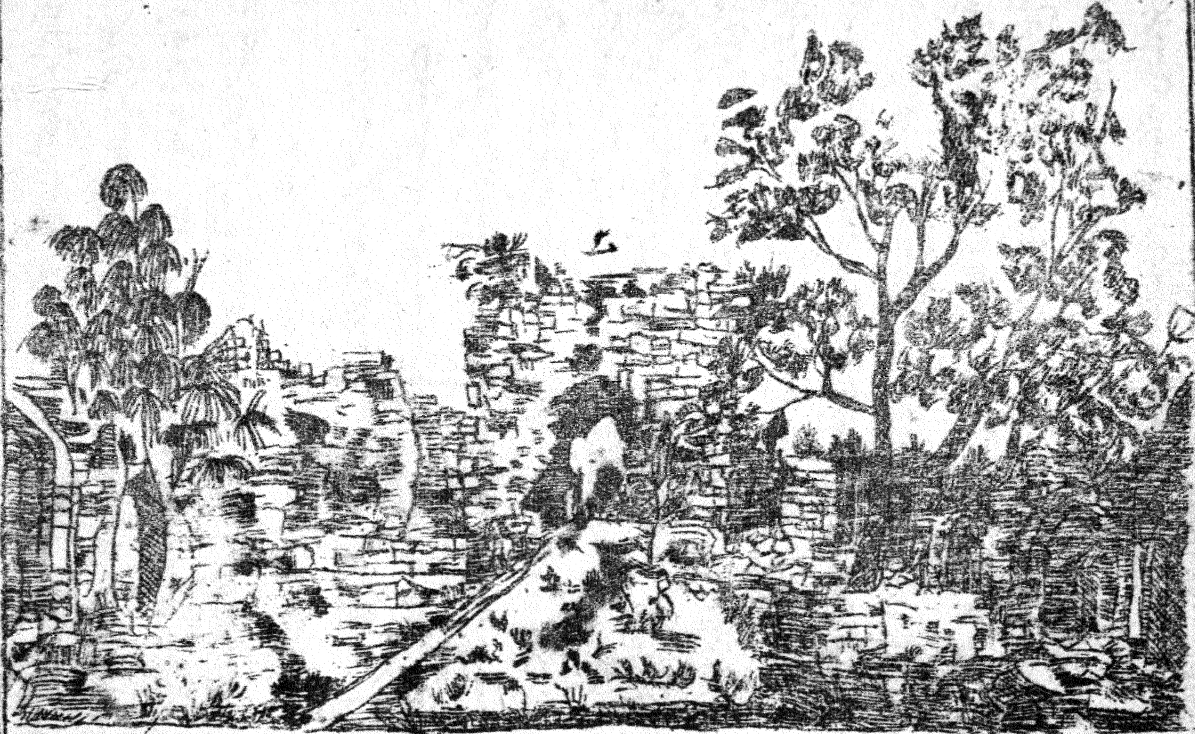
(۵) بسم اللہ۔ سبحٰن الذي اسرى بعبده ليلا تا ثم رددنا لكم الكرة (پارہ ۱۵) سورہ بنی اسرائیل ۱ع

(۶) پڑھا نہیں جاتا۔

(۷) سورہ فتح پارہ (۲۶) از شروع تا وكان ذلك عند الله فوزا عظيما۔

(۸) فسبحٰن الله حين تمسون وحين تصبحون وله الحمد في السموٰت والارض (آگے ٹوٹ گیا ہی) پارہ (۲۱) سورہ روم ۶ع۔

(۹) الٓمٓ الله لا اله الا هو الحي القيوم تا ان في ذلك لعبرة لاولي الابصار (پارہ ۳) سورہ آل عمران ۹ع



نقشہ مقبرہ سلطان علاؤالدین خلجی

(۱۰) وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم تا واللہ یحب المحسنین (پارہ ۴) آل عمران ع ۶)

(۱۱) یا ایہا الذین آمنوا ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علی اعقابکم فتنقلبوا خسرین بل اللہ مولیٰکم۔ (پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۷)

(۱۲) بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام تا وکل شیٔ فصلنہ تفصیلا۔ پارہ (۱۵) سورہ بنی اسرائیل ا ع ۲۔ موجودہ پاکھوں پر یہی آخری ہے اور اس کے آخر پر فی شہر ۲ ذی قعدا ور سنہ سبع عشر وستمائۃ پڑھا جاتا ہے جو ۶۱۷ھ ہوا اور یہی زمانہ سلطان التمش کا ہے پھر خدا جانے کار سٹیفن صاحب نے ۵۹۴ھ ۱۱۹۷ء کیسے پڑھا ہے۔

مقبرہ سلطان علاء الدین خلجی

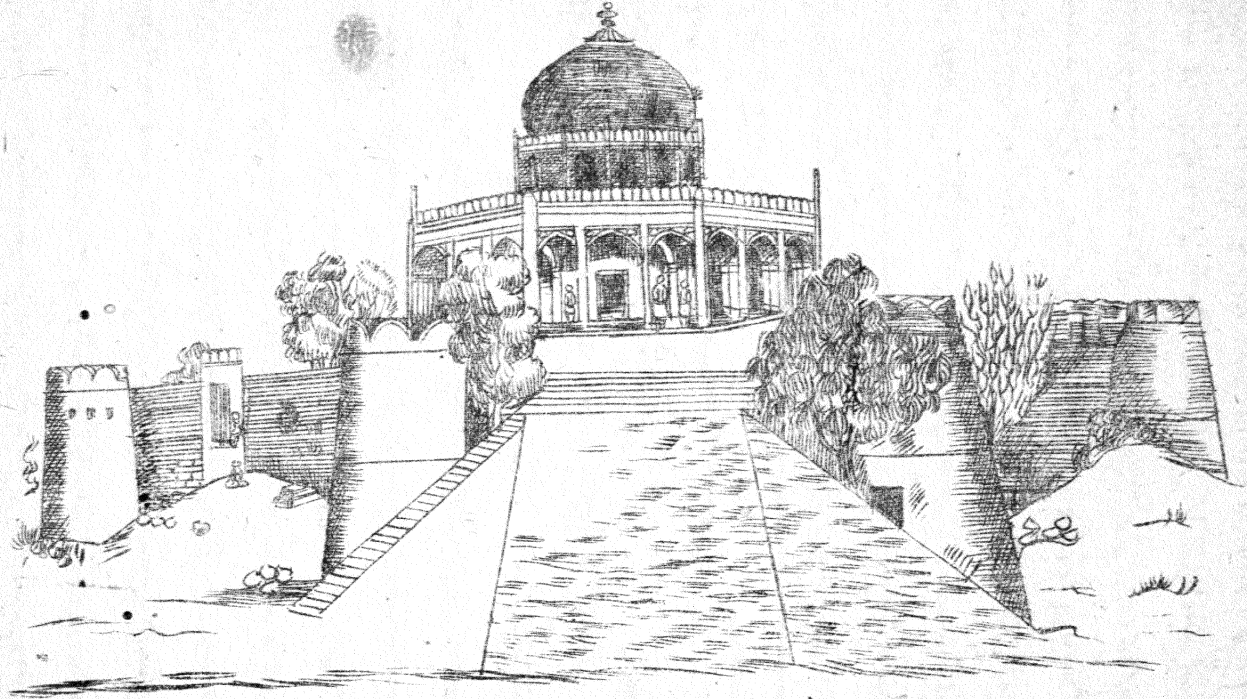
۶۹۵-۷۱۵ھ
۱۲۹۶-۱۳۱۶ء

نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

۶۔ شوال ۷۱۵ھ ۱۳۱۶ء کی صبح کو علاء الدین خلجی نے انتقال کیا۔ اس کا جنازہ سیری کے لال محل سے برآمد ہو کر جامع مسجد میں دفن کیا گیا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں عام روایت کی رو سے اور نیز سر سید کی تحریر کے موافق علاء الدین کا مزار بتلایا جاتا ہے لیکن بگلر صاحب کہتے ہیں کہ وہ ایک سنگ مرمر کا نہایت عمدہ اور نفیس تعویذ سیری میں پڑا ہے جو امتداد زمانہ اور باہر کھلا پڑے رہنے سے زرد پڑ گیا ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ ایسا بیش قیمت اور بہتر تعویذ کس کی قبر کا ہے عجب نہیں وہ ضرور علاء الدین ہی کی قبر کا ہوگا کیوں کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ علاء الدین قصر ہزار ستون میں دفن کیا گیا تھا۔ لیکن یہ بات صریح غلط ہے سر سید کے قول کی تائید تاریخ فیروز شاہی سے ہوتی ہے۔

فیروز شاہ تغلق کے عہد میں جن عمارات قدیم کی مرمت کرائی گئی اُن کی فہرست میں یہ مقبرہ بھی شامل ہے اس کی مرمت کے علاوہ ایک صندل کے کواڑ دل کی جوڑی بھی چڑھائی گئی تھی آبدار خانے اور مسجد قوۃ الاسلام کی غربی دیوار جو مدرسے کے اندر ہے اس کی مرمت بھی اُسی زمانے میں ہوئی تھی اور چوکوں کا فرش بھی بچھوایا گیا۔ علاء الدین کی قبر مسجد کے صحن کے جنوبی حصے میں ہے۔ گنبد کا احاطہ چار سو فیٹ لمبا اور دو سو فیٹ چوڑا ہے جس کے احاطے کی مغربی اور جنوبی دیواریں علاء الدین کے جانشین شہاب الدین کے عہد کی بنی ہوئی ہیں۔ شمالی دیوار ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی پوری ہوئی ہی نہیں۔ رہی مشرقی دیوار اُس کے پانچویں حصے کے

قریب مسجد قوۃ الاسلام کے اُس حصے کے مغربی دیوار ہی جو سلطان التمش کا بنوایا ہوا ہی۔ گنبد کے صحن میں گو چاروں طرف رستہ ہی لیکن اصل صدر دروازے مشرق اور مغرب کی جانب ہی ہیں۔ مشرقی دروازہ سلطان التمش کی بنائی ہوئی مسجد کی دیوار میں ہی جس کا ذکر اوپر آچکا ہی مغربی دروازہ اُس سڑک کی جانب ہی جو قطب صاحب کی لاٹ سے ادہم خاں کے مقبرے کو جاتی ہی۔ یہ دروازہ پٹھانوں کے زمانے کی سی عمارت معلوم دیتی ہی جو پتھر اور گچ کا ہی اور جو باقی عمارتیں اس احاطے میں ہیں وہ بھی اسی قسم کی ہیں۔ دروازہ چودہ فیٹ اونچا اور گیارہ فیٹ چوڑا ہی جس کے اوپر سردل کی دیوار اور چار فیٹ بلند ہی۔ اگر ہم دروازے کے اندر جاکر دروازے کی طرف رُخ کرکے کھڑے ہوں تو ہماری داہنی طرف ایک کمرہ جس پر گنبد ہی دروازے سے بھی آٹھ فیٹ اونچا دکھلائی دیتا ہی۔ اسی سے ملے ہوے اور تین کمرے ۱۴x۱۱ محراب دار ہیں۔ ان کے آگے اور ایک گنبد دار کمرہ ہی جو پہلے کمرے سے چوڑا ہی اور بظاہر ایک دوسرا دروازہ معلوم دیتا ہی۔ اس کی داہنی طرف بھی اُسی طرح کے تین کمرے ہیں جیسے کہ ہم اوپر لکھ آے ہیں مگر اس میں کا آخری کمرہ گر کر زمین کے برابر ہوگیا ہی۔ یہ بیان احاطے کے غربی جانب کا ہوا۔ شمال کی طرف سب سپاٹ میدان ہی کوئی عمارت باقی نہیں رہی۔ جنوبی رُخ پر تین گنبد دار گرے ہوے کمروں کے نشان باقی ہیں۔ علاء الدین کی قبر بیچ والے کمرے میں ہی جو ۵۰x۴۲ ہی جس کے دونوں طرف رستہ ہی جو دوسرے کمروں سے اسے جدا کرتا ہی۔ بازو کے دونوں کمرے بیچ کے کمرے سے آدھے ہیں۔ ان کمروں پر کے گنبد گر گئے ہیں۔ دیواروں کا پلاستر جھڑ گیا ہی۔ رد کاری پتھر کی سلیں مدتیں ہوئیں کہ لوگ نکال لے گئے۔ ان کمروں کے پچھواڑے کئی کوٹھریاں نشست کی چوبیس فیٹ چوڑی احاطے کی مغربی دیوار کی لمبان کے برابر تھیں جو سب گر پڑیں۔ ان کوٹھریوں کی جنوبی دیوار میں چھ طاق اور بیچوں بیچ میں ایک دروازہ ہی۔ جنوب و مشرق کی دیوار میں چھت پر چڑھنے کا رستہ ہی۔ گنبد اور تمام مکانات ملحقہ کی دیواروں کی استرکاری جھڑ جھڑا کر خالی دیوار میں کھڑی رہ گیا۔ احاطے کی مشرقی دیوار میں تین نیچی نیچی کوٹھریاں محراب دار دروازوں سمیت اُسی طرح کی ہیں جیسی کہ مغربی طرف ہیں۔ ان سے ملا ہوا ایک دروازہ ہی جو اس کے محاذ کے دروازے کا جواب ہی۔ غالباً یہ دروازہ بستی کے رُخ پر تھا اور ادھر ہی سے قطب صاحب کی آبادی کے لوگ آمد و رفت رکھتے تھے۔ اس سے آگے بڑھ کے مسجد قوۃ الاسلام کی بڑھائی ہوئی مغربی



نقشہ مقبرۂ ادہم خاں عرف بھول بھلیاں

دیوار ہے۔ گنبد کے جنوب و مشرقی کونے میں اس مقبرے کے متعلق جو مسجد تھی اُس کے کھنڈر ہیں۔ مدرسہ اور آب دار خانہ دونوں (جس کی مرمت فیروز شاہ نے کرائی تھی) مقبرہ کی شرقی اور غربی دیوار سے ملے ہوئے حجروں میں تھے۔ چوں کہ لاٹ کے گرد کے گرے پڑے کھنڈروں کو صاف کر کے سڑکیں نکال دی گئیں ہیں اور ایک قسم کی چمن بندی ہو گئی ہے اس لیئے موجودہ حالت اس مقبرے کی صرف یہ ہے کہ قطب صاحب کی لاٹ کے مغرب میں قریب ہی ایک خالی چار دیواری کھڑی ہے جس کے تین طرف ایک ایک دروازہ ہے۔ یہ مقبرہ اندر سے ۳/۱ ۲۳ مربع ہے اور بیچ میں ایک خالی چبوترا دو فیٹ اونچا ۱۳×۸ ۱/۲ ہے غالباً اسی پر قبر ہوگی جو اب ناپید ہے۔ پلاستر کا نام باقی نہیں خالی سنگ خارا کی دیواریں کھڑی ہیں۔ اندرون مقبرہ فرش کسی قسم کا رہا ہی نہیں صرف بجری کوٹ کر ہموار کر دیا ہے۔ گنبد گر کر زمانہ ہوا اب نری چار دیواری ہی چار دیواری باقی رہ گئی ہے اور شکل سے یقین آتا ہے کہ یہ اتنے بڑے جلیل القدر بادشاہ کا مقبرہ ہے۔ اس کے زمانے سے پہلے پہلے کی عمارتیں قایم و برقرار ہیں اور یہ ایسی تباہ ہوئی کہ اب صورت تک بھی نہیں پہچانی جاتی۔

ادہم خاں کا مقبرہ یا بھول بھلیاں اور مسجد ۹۶۹ھ ۱۵۶۱ع

دنیا میں تو دو دن کا فقط جینا ہے
اور اُس پہ یہ حسد اور بغض و کینہ ہے
ظاہر ہے کہ جام جم کا نہ رہا
اور حال سکندر کا تو آئینہ ہے

قطب صاحب کی لاٹ سے جو سڑک مہرولی کو جاتی ہے اُس کی داہنی طرف ادہم خاں کا مقبرہ ہے۔ یہ مقبرہ اکبر شاہ بادشاہ نے ادہم خاں اپنے کوکے اور اُس کی ماں ماہم انگہ کے لیئے بنوایا تھا۔ خان اعظم کے مقبرے کے ضمن میں ہم وہ واقعات لکھ آئے ہیں جس بنا پر آگرے میں اکبر شاہ کے محل میں اعظم خاں کو ادہم خاں اور اُس کے ساتھ والوں نے قتل کر دیا تھا۔ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ ”مرا ہم خسروانہ کے گھمنڈ پر اعظم خاں کو مار کر ادہم خاں درانہ حرم سرائے شاہی کے دروازے پر جا کھڑا ہوا۔ بادشاہ سلامت یہ سن کر شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیئے ہوئے معاً بر آمد ہوئے اور وہیں قاتل کی مشکیں کس لی گئیں اور اُسی طرح بندھا بندھا یا سزائے قتل میں محلے کی فصیل سے نیچے لڑھکا دیا گیا۔“ شمس الدین محمد خاں اتگہ غزنوی المخاطب بہ اعظم خاں

(جو اکبر بادشاہ کی ایک دوسری رضاعی ماں کا شوہر تھا) کے قتل کا افسوس ناک واقعہ ۱۲ رمضان المبارک ۹۶۵ھ ۱۵۶۱ء کو ہوا۔ بدایونی لکھتا ہے کہ "قلعے کی فصیل سے دھکیل دینے کے بعد بھی ادہم خاں سخت جان میں کچھ جان باقی تھی۔ بادشاہ نے اسے دوبارہ گروایا تب کہیں وہ مرا۔ چنانچہ مقتول خان اعظم کے ایک دن بعد اس کی تجہیز تکفین ہوئی۔" ماہم اتگہ نے جب اُڑتی پڑتی خبر سنی تو اسے یہ معلوم نہ تھا کہ وہاں کام تمام ہو چکا۔ ماں کی ممتا گو بیمار تھی مگر دلی سے گرتی پڑتی آگرے پہنچی۔ بادشاہ کے حضور میں باریاب ہوئی۔ بادشاہ نے ارشاد فرمایا کہ "تمہارے صاحب زادے نے میرے (رضاعی) باپ کو قتل کیا۔ میں نے جان کے بدلے تمہارے بیٹے کی جان لی"۔ ماہم اتگہ مزاج شناس تھی سمجھی کہ اب عرض معروض کرنا بے فائدہ ہے۔ ؎

بے فائدہ اب ہے رنج و حرماں خود کردۂ خویش را چہ درماں

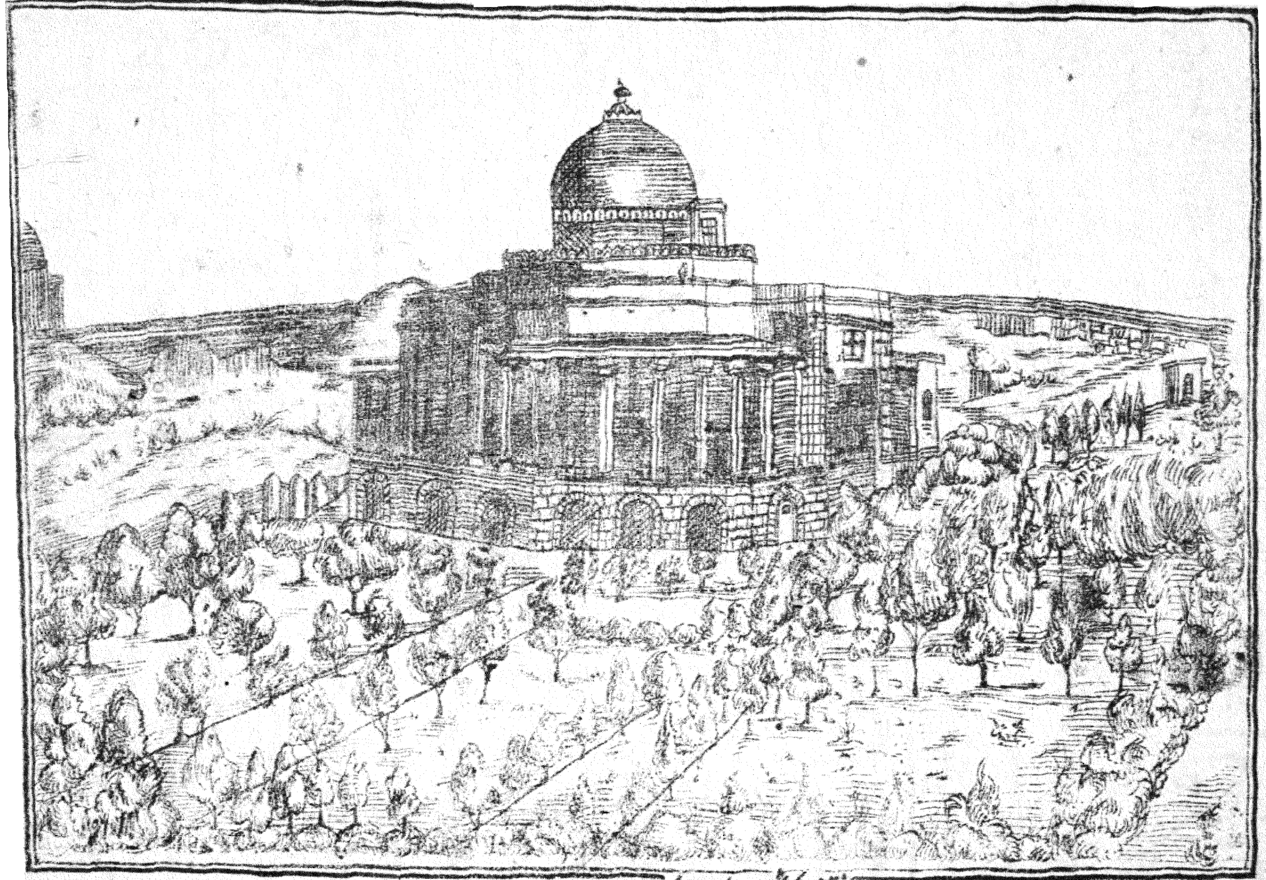
بولی۔ "جہاں پناہ نے جو کچھ کیا خوب کیا"۔ یہ کہہ واپس چلی گئی۔ جوان بیٹے کے بن موت مارے جانے کا بڑھیا ماں کو ایسا دہکا بیٹھا کہ چالیسواں بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ اپنے بیٹے سے جا ملی اور اسی مقبرے میں اپنے بیٹے کے پاس دفن ہوئی جو اکبر بادشاہ نے بنوا دیا تھا (از آئین اکبری مترجمہ بلاکمین)

اب ہم مقبرے کی عمارت کا کچھ حال لکھتے ہیں۔ دو اونچی اونچی سیڑھیاں چڑھنے کے بعد مقبرے کا صحن ملتا ہے۔ یہ صحن سڑک کی سطح سے سترہ فیٹ اونچا ہے۔ مقبرہ ہشت پہلو ہے صحن کا قطر دو سو فیٹ کا ہے۔ صحن کا وہ حصہ جو سڑک کی طرف ہے کھلا ہوا ہے۔ شمال و مغرب کی دیواریں جدھر سے قلعۂ رائے پتھورا کا رستہ ہے ایک چھوٹا سا دروازہ ہے اسی طرح کا ایک اور دروازہ جنوب و مغربی دیواریں بھی ہے جس میں سے اس مسجد میں جانے کا رستہ ہے جو مقبرے کے مغربی رُخ پر کوئی بیس گز کے فصل سے ہے۔ احاطے کی دیوار زمین سے دس فیٹ اونچی ہے جس میں جھانجیاں رکھی گئی ہیں لیکن اب بہت بڑا حصہ اس دیوار کا منہدم ہو کر مشکل سے صرف ایک چوتھائی باقی رہا ہے۔ صحن کے آٹھوں کونوں پر ایک ایک برجی بنی ہوئی ہے اور مقبرے کے گرد چھ فیٹ اونچا کنگورا ہے۔ دیوار اور برجیاں سب گھڑے ہوئے پتھروں اور چونے کی ہیں۔ برجیوں کے بیچ میں احاطے کی دیوار سے چند فیٹ ہٹ کر کچھ کھنڈر ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ

وہ آیا منہدمہ برجیوں کے ہیں یا اُس چبوترے کے ہیں جو مقبرے کی رونق اور
لوگوں کے آرام کے واسطے بنایا گیا تھا۔ مقبرہ ساٹھ فیٹ اونچا ہی اور چبوترے کی کرسی
چار فیٹ کی ہے مقبرے کی ساری عمارت ہشت پہل ہی درمیانی حجرے کے گرد
غلام گردش بطور برآمدے کے ہی۔ چبوترے پر سے گنبد کی بلندی ۴۲ فٹ ہی جس کے
آٹھوں ضلعوں میں ہر طرف تین تین در ہیں۔ ستون ان دروں کے چوکون ایک کے
اوپر ایک پتھر رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ بعض بعض ستون سنگ خارا کے ایک ہی ٹکڑے
کے بے جوڑ ہیں جن کے سرے اور بیٹھکیں دوسرے قسم کے پتھروں کی ہیں۔ کونوں
کے ستون دُہرے ہیں۔ چھت پر چار فیٹ اونچی جھانکی دار منڈیر ہی جس کے
دونوں کونوں پر چھ چھ فیٹ اونچی برجیاں ہیں۔ درمیانی ہشت پہل حجرے کا قطر پچاس
فیٹ کا ہی۔ آٹھوں ضلعوں کے بیچ بیچ میں ایک ایک در ہی جس کی دونوں طرف
دو دو فیٹ اونچا ایک ایک طاق ہی۔ گنبد کا قبہ بیرونی رُخ سے سولھا اضلاع کے
چبوترے پر بنا ہوا ہی جس کی بلندی بارہ فیٹ ہی اور جس کے ہر ہر کونے پر ایک ایک
چھوٹی برجی بنی ہوئی ہی۔ گنبد پتھر اور چونے کا بنا ہوا ہی جس پر استرکاری کی ہوئی ہی جس کے
نظر کا ارتفاع سولھا فیٹ ہی جس پر پتھر کا کمر کی کلس چڑھا ہوا ہی۔ گنبد کا قطر ۲۵ فٹ ہی گنبد
کے نیچے کی دیواروں کا آٹا رسات فیٹ کا ہی۔ درمیانی حجرے کی چھت کا اندرونی حصہ
ہشت پہل دیواروں پر کھڑا ہے۔ گنبد لداؤ کا ہی جس کی کُل بلندی ۳۲ فٹ ہی اور یہ دیواریں
سولھا ضلعوں کی ہیں جن کے در بھی سولھا ہیں جن میں سے ایک کھلا اور ایک
بند ہی۔ جس کے اوپر جاکر پھر (۳۲) ضلعوں کی دیواروں پر گنبد ٹکا ہوا ہی۔ گنبد کی دیواروں
میں ایک طرف اوپر جانے کا زینہ ہی اور ایسا ہی رستہ بنا ہی کہ دیوار ہی دیوار کے گرد پھرا کرتے
ہیں اور اس میں ایک مقام پر ایسا دھوکا رکھا ہی کہ آدمی خیال کرتا ہی کہ جس رستے
کو میں جاتا ہوں اسی رستے سے نیچے اُتر جاؤں گا حالاں کہ برخلاف اپنے قیاس کے
اوپر چڑھ جاتا ہی اور پھر جب نیچے اُترنے کا ارادہ کرتا ہی تو بسبب اس کے کہ
نیچے اُترنے کا رستہ ایک کونے میں نظر سے پوشیدہ رکھا گیا ہی اُسی رستے پر
آن پڑتا ہی اور پھر اوپر چڑھ جاتا ہی اسی وجہ سے لوگوں نے اس مقبرے کا نام
بھول بھلیاں یعنی ایسا مقام کہ جہاں آدمی بھول جائے اور چکر کھا جائے رکھا ہی

بہرحال قطب صاحب کی عمارتوں میں یہ بھی ایک مشہور اور قابل دید ہے۔ اس میں اکثر
انگریز اُترا کرتے تھے اور بطور مسافر بنگلے کے استعمال کیا جاتا تھا اسی سبب سے
ادہم خاں کی قبر کا تعویذ کوئی اسّی برس گذرے کہ اُکھاڑ کر باہر غلام گردش میں ڈال دیا اور
سطح زمین اپنے آرام و آسایش کے لئے برابر کرلی۔ جب ادہم خان کی قبر کے ساتھ
یہ سلوک ہوا تو اُن کی ماں کی قبر کا کیا پتہ چل سکتا ہے۔ ہمارے خیال میں جب ادہم خاں
کی قبر اُکھاڑی گئی تب ہی اُس کی ماں کی قبر بھی نکال دی گئی ہوگی کیونکہ بدوں
اس کے نہ جگہ صاف ہوسکتی تھی نہ مقبرہ رہنے کے قابل ہوسکتا تھا۔

موجودہ حالت اس مقبرے کی یہ ہے کہ سڑک سے (۱۹) سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچتے
ہیں چبوترے کے آٹھوں کونوں پر برج تھے جن میں سے کچھ گر گئے کچھ باقی ہیں۔
چبوترا بھی مقبرے کی مناسبت سے ہشت پہل ہے اور مقبرے میں اور چبوترے
میں ۵۰ فٹ کا فصل ہے۔ چبوترا بہت کشادہ ہے جس کا ہر ضلع ۵۷ فٹ لمبا ہے۔ کمپونڈ کی دیوار
سڑک کی سطح سے ۱۳ فٹ بلند ہے اور منڈیر ۳ ۱/۲ فٹ اونچی ہے۔ گنبد کے چبوترے کی کرسی
چار فیٹ کی ہے۔ چھ سیڑھیاں چڑھ کر گنبد کے اندر داخل ہوتے ہیں۔ گنبد کا ہر
بیرونی ضلع ۳۴ فٹ لمبا ہے۔ گنبد ہشت پہل ہے اندر سے قطر ۴۸ فٹ ۱/۲ ہے۔ اوپر چھت میں
کچھ طاق کھلے ہیں آٹھ بند یہ دُہری لین ہے۔ یعنی پھر اُس کے اوپر طاقوں کی ایک
ایسی ہی لین اور ہے۔ دروازے آٹھ ہیں جن کے دو طرفہ یا اللہ اور کلمے کے طغرے
ہیں۔ غلام گردش ۱۲ فٹ عریض ہے اور دروں کی چکلان ۱۱ فٹ۔ گنبد کی بلندی اجارے تک
۲۶ فٹ اور اُس سے اوپر ختم دیوار تک اور ۱۸ فٹ۔ اس طرح صرف دیوار دیوار کا ارتفاع
۴۴ فٹ ہے۔ گنبد دو منزلہ ہے دونوں منزلوں میں بیس بیس سیڑھیاں ہیں۔ اس گنبد کے
قعر میں رنگ کے کام کا کچھ کچھ حصہ باقی ہے۔ باہر وار بھی کہیں کہیں رنگ آمیزی پائی جاتی
ہے۔ چونکہ عرصہ تک یہ گنبد بطور مسافر بنگلے کے استعمال کیا گیا ہے اور انگریزی
اصول کے موافق وہیٹ واش یعنی سفیدی ہونا ضرور تھی لہٰذا دیواروں پر کئی کئی کوٹ
سفیدی کے چڑھ جانے سے سارے نقش و نگار اور گلکاری ڈھک گئی ہے۔ یہی
تصرف فرش میں بھی ہوا ہے یعنی پہلا فرش باقی نہیں رہا اب تو گچ کردی گئی ہے۔ جو تعویذ
پہلے نکال دیا گیا تھا اب پھر اپنی جگہ پر لگا دیا گیا ہے جو سنگ سرخ کا ہے۔ ۹ فٹ ۴ x ۲ فٹ ۴ x ۱ فٹ ۹



نقشۂ کوٹھی صاحب کلان بہادر

اور آپ اونچا ہے جس میں کوئی ندرت نہیں۔ رہی ادہم خاں کی ماں کی قبر اُس کا پتہ نہیں۔ اس مقبرے کے متعلق جو سہ بدری اس کی اصلی حیثیت بھی باقی نہیں رہی کہ مرمت کے ساتھ اندر باہر استرکاری کرادی گئی ہے۔

ادہم خاں کے بھائی کا مقبرہ

مسجد کے بعد سڑک پر ہی ایک اور بڑا گنبد ادہم خاں کے گنبد کی طرح کا ہے جس میں اب سرکاری ڈاکٹر خانہ ہے۔ ڈاکٹر خانے کی ضروریات کے موافق اُس کی بھی شکست۔ ریخت کی گئی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ مقبرہ ادہم خاں کے بھائی کا ہے۔ یہ چار بھائی تھے۔ ادہم خاں۔ ٹماٹے خاں۔ عمر خاں۔ محمد قلی خاں جس کو لوگ ٹنکلی خاں کہتے ہیں۔ عمر خاں کے مقبرے کا بیان تو آگے آتا ہے اب یہ مقبرہ ہونہ ہو یا ٹماٹے خاں کا ہوگا یا محمد قلی خاں کا۔ واللہ اعلم۔

عمر خاں کا مقبرہ

قطب کی لاٹ سے بجانب جنوب ایک میل کے اندر ہی اندر مرتفع پہاڑی پر ایک مقبرہ بنا ہوا ہے جو ادہم خاں کے بھائی عمر خاں کا کہلاتا ہے۔ اکتالیس سیڑھیاں چڑھ کے اوپر پہنچتے ہیں۔ یہ گنبد پچاس فیٹ مربع ہے اور چار دروازے چار طرف ہیں جو ۱۰ فٹ ۱/۲ ۷ انچ ۶ فٹ ۹ انچ ہیں۔ اندر سات قبریں چونے گچی کی ہیں جو بہت شکستہ ہیں اور فرش کے برابر ہو گئی ہیں۔

طامس صاحب کی شکار گاہ

اوپر والے گنبد سے کوئی ڈھائی سو قدم کے فصل سے ایک اور اونچی سی پہاڑی ہے اُس پر ایک عمارت بنی ہوئی ہے جو طامس صاحب کی شکار گاہ کے نام سے مشہور ہے۔ پہاڑ پر دو کنگورے دار برج ہیں جن کے بیچ میں ایک دیوار کھچی ہوئی ہے۔ پرانے لوگ اسے سلطان شمس الدین التمش کی شکار گاہ کہتے ہیں۔ میرے خیال میں بادشاہ کی بنائی ہوئی کوئی سیر گاہ ہوگی جسے طامس مٹکاف صاحب نے درست کرالیا ہوگا۔

کوٹھی دلکشا

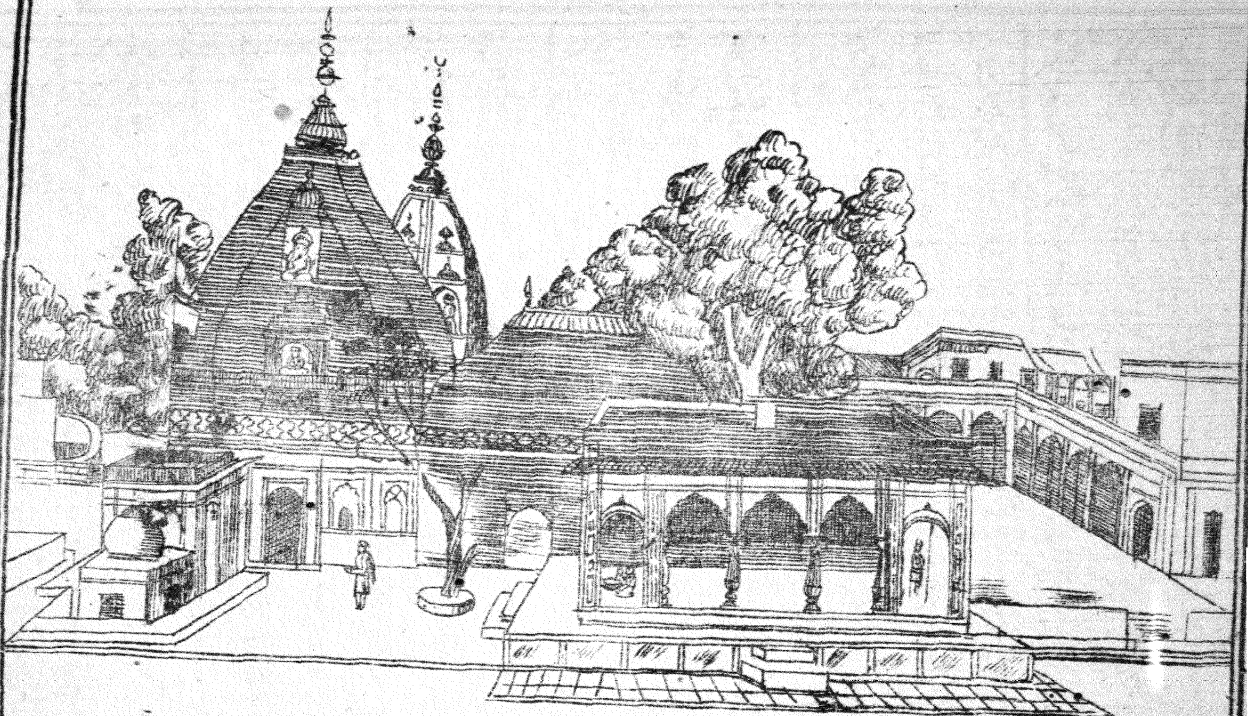
۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء

قطب صاحب کی لاٹ کے قریب ایک مکان نہایت خراب خستہ ناقص و شکستہ محمد قلی خاں کے مقبرے کے نام سے مشہور تھا جو اکبر بادشاہ کے کوکا تھے اس لحاظ سے یا تو یہ عمارت اکبر اعظم کے عہد کی ہوگی یا جہانگیر بادشاہ کے وقت کی اس کو سر تھیافلس مٹکاف

نے جن کا شاہی لقب معظم الدولہ امین الملک اختصاص یار خاں طاس تیا فلس شکف صاحب بہادر فیروز جنگ صاحب کلاں تھا بنوایا اور آراستہ کیا اور گرد درخت لگب کرائے۔ اب بالکل ویران اور خستہ حالت میں ہے۔ اب کوٹھی دلکشا جا کر وحشت کدہ ہو گیا ہے۔

جوگ مایا کا مندر

قطب صاحب کی لاٹ کے پاس لوہے کی لاٹ سے کوئی ۲۶۰ فٹ کے فاصلے سے سرحد یوسف سرائے پائے مینار میں ایک اونچے احاطے کے اندر جوگ مایا یعنی مقدس دیوی کا مندر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مندر بہت قدیم اور راجہ بدھشٹر کے زمانے کا بنا ہوا ہے لیکن موجودہ عمارت کو دیکھو تو وہ سو برس کی بھی نظر نہیں آتی۔ ممکن ہے کہ مندر کی پرانی عمارت بوسیدہ ہو جانے سے نئے سرے سے بنایا گیا ہو۔ جوگ مایا کی پوجا تو کم سے کم آٹھ سو سال سے راجہ پتھورا کے وقت سے مروج ہے لیکن اس کی ابتدا کا پتہ نہیں چلتا کہ کب سے اس دیوی کا استھان یہاں پر ہے۔ مندر کا احاطہ چار سو فیٹ مربع ہے۔ احاطے کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں۔ احاطے کے اندر مندر کو ملا کر کُل بائیس عمارتیں ہیں۔ جن کو اکبر ثانی بادشاہ کے عہد کے ایک امیر سید حصل نے بنوایا تھا۔ اس مندر میں آس پاس تین برج الگ الگ ہیں اور جس برج کے آگے گھنٹہ لٹکا ہوا ہے اسی میں وہ پتھر کا ٹکڑا ہے جو دیوی کے نام سے مشہور ہے۔ اصل مندر کوئی خوب صورت اور دل کش عمارت نہیں ہے۔ ایک بھدی سی عمارت کے سامنے یہ مندر بنا ہوا ہے اور یہ عمارت بھی کچھ مندر سے زیادہ قدیم نہیں پائی جاتی۔ اصل مندر بتمامہا مع فرش سنگ سرخ کے باسٹھ سال کے اول بنا تھا اور پھر بعد میں سنگ مرمر سے پاٹا گیا ہے۔ اس کی چوٹی پر سنہری کلس ہے جس کو ملا کر ۴۲ فٹ کی بلندی ہے۔ اس کلس پر آئینہ لگا ہوا ہے جس کی پرچھائیں دور تک جاتی ہے۔ کمرہ جس میں سنگ سیاہ کی دیوی کی مورت ہے ستر فیٹ مربع ہے۔ دراصل یہ کوئی مورت بھی نہیں ہے بلکہ نرا ایک پتھر ہے۔ مندر کی چھت پست ہے جس پر چھوٹی چھوٹی برجیاں ہیں۔ حجرے کا دروازہ سنگ مرمر کا ہے۔ مقدس مورت ایک سنگ مرمر کے حوض میں رکھی ہوئی ہے جو دو فیٹ چوڑا اور ایک فیٹ گہرا ہے۔ جس پر سرخ زرق غلاف ہمیشہ پڑا رہتا ہے اور ٹینی کے دو پنکھے چھت میں لٹکے ہوئے ہیں۔ ایک چوکی سنگ مرمر کی اٹھارہ انچہ مربع اور نو انچہ اونچی مورت کے سامنے رکھی ہوئی ہے جس پر چڑھاوا اور پھول وغیرہ

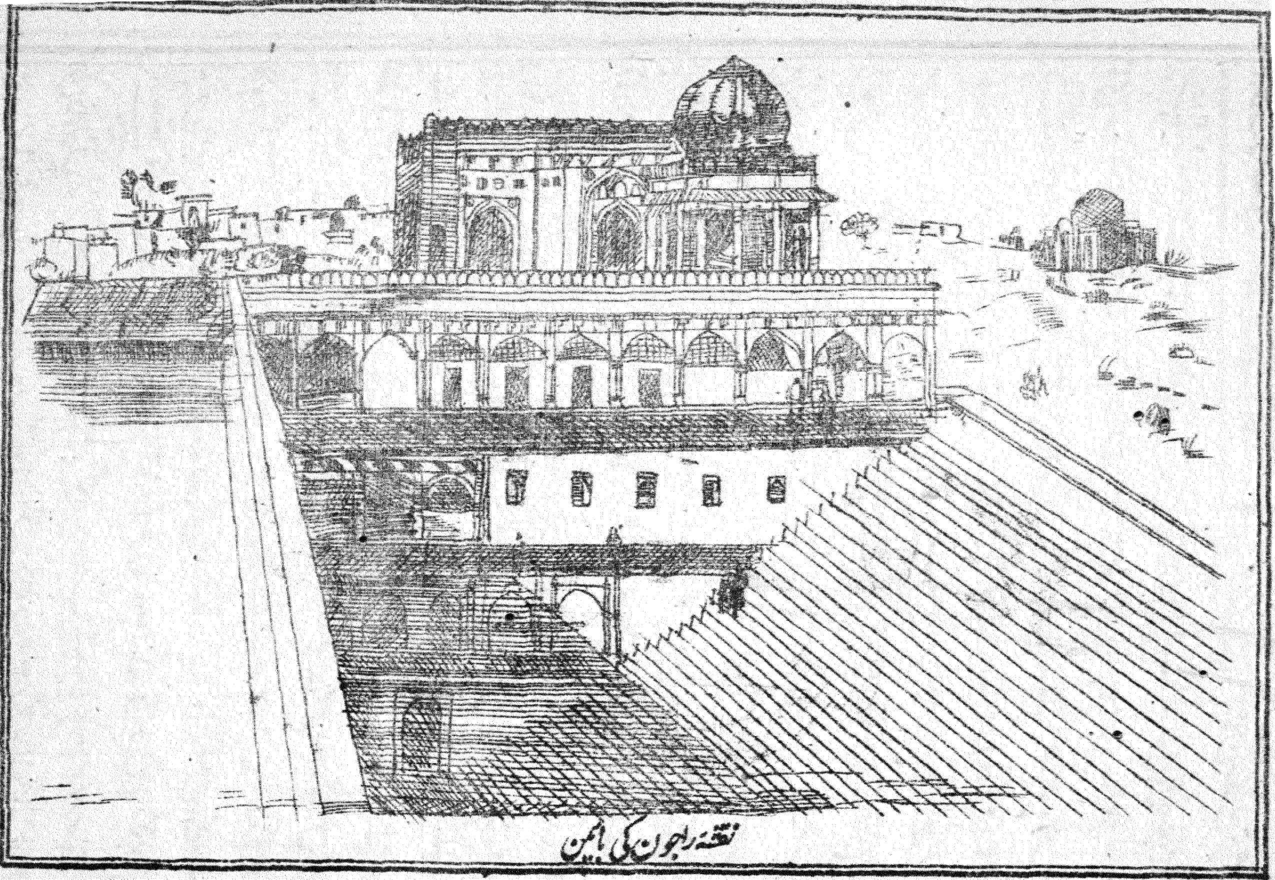


نقشہ مندر جوگ مایا

رکھے جاتے ہیں۔ شراب کا یہاں گزر نہیں۔ اکثر مندروں کی طرح یہاں کوئی گھنٹہ بھی نہیں ہے کہتے ہیں کہ دیوی کو گھنٹے کی آواز پسند نہیں۔ مندر کے سامنے آٹھ فیٹ پر ایک لوہے کے پنجرے میں دو پتھر کے شیر ہیں۔ پنجرا پانچ فیٹ مربع اور دس فیٹ اونچا ہے۔ مندر سے پنجرے تک کا رستہ پٹا ہوا ہے۔ چھت ہلکے تختوں کی ہے جس پر اینٹ اور چونے کا پلاستر ہے اس کی چھت میں چار گھنٹیاں پجاریوں کے لیئے لٹک رہی ہیں۔ دیوی کی طبعی خاصیت بہت غصیلی اور جابر بتلائی جاتی ہے یعنی جلال بہت ہے اور دنیاوی لذات سے بالکل متنفر ہے اور مندر کو شراب یا گوشت سے ناپاک کرنا بالکل پسند نہیں کرتی اس دیوی کا تفصیلی حال سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہوتا جو بھگوت پران میں لکھا ہے کہ یہ دیوی کشن اوتار کی بہن تھی جس کا یہ قصہ مشہور ہے کہ وہ بجلی بن کر لوپ ہوگئی اور یہاں آن پڑی۔ جب سے یہ مکان جوگ مایاجی کا استھان ہوگیا۔ اور بعضے لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ رائے پتھورا کی بیٹی مایاجی تھی جو جاجی روز یہ کے پاس گئی اُس وقت اِس کے ساتھ بہت سی سہیلیاں تھیں جس وقت رائے پتھورا کی بیٹی مسلمان ہوگئی ان سہیلیوں نے یہ بات سوچی کہ اب ہم راجہ کو کیا منہ دکھائیں گے اور بھگوان جانے وہ ہمارا کیا حال کرے گا۔ اس ڈر اور شرمندگی سے سب کی سب ایک کوئیں میں جو اس مندر کے پاس تھا اور بعض کہتے ہیں یہی کنواں تھا جو اب اس مندر کے پاس موجود ہے گر کر مر گئیں جب کہ رائے پتھورا کو اس حال کی خبر ہوئی اُس نے ان کی لاشوں کو نکالا اور اس مقام پر جہاں اب مندر ہے پھونک دیا اور کہا کہ "انھوں نے بڑا جوگ کمایا" جب سے اس کا نام جوگ مایا ہوگیا اور یہاں پھول مٹھائی چڑھنے لگی اب رفتہ رفتہ یہ نوبت پونچی کہ یہ لوگ اس کو دیوی کہنے لگے اور پوجا پتری کرنے لگے اور مان منت ماننگنے لگے غرض کہ یہ سب پوجاریوں کی لن ترانیاں ہیں حقیقت حال کچھ معلوم نہیں ہوتی۔ لوگ اس دیبی کو کالکا دیبی سے اچھا جانتے ہیں کہ وہاں تو جیو چڑھتا ہے یعنی قربانی ہوتی ہے اور یہاں پھول پنکھڑی۔ احاطے کے اندر پلنگ یا چارپائی لانے کی اجازت نہیں۔ لالہ ہردیان سنگھ صاحب رئیس دہلی نے وقتاً فوقتاً اس مندر کی تعمیر و ترمیم کرائی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اچھی حالت میں ہے یہاں ہفتے وار ایک دن چھوٹا سا میلہ ہوا کرتا ہے۔

راجوں کی بائیں (باؤلی) اور مسجد ۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء

قطب صاحب کی لاٹ کے قریب جنوب و مغرب میں) کوئی پانچ منٹ کے رستے پر ادہم خاں کے مقبرے کے جنوب میں یہ ایک عالی شان مکان ہے جس کو ۹۱۲ھ ۱۵۰۶ء میں سکندر شاہ لودھی بن بہلول شاہ لودھی کے عہد میں ایک امیر دولت خاں نامی نے بنوایا تھا۔ اس مکان کی لطافت اور نزاکت بیان سے باہر ہے۔ اگرچہ یہ مکان چونے اور پتھر سے بنا ہوا ہے لیکن سنگین مکانوں پر ہزار درجے شرف رکھتا ہے۔ اس مقام پر ایک باؤلی ہے بہت نفیس و لطیف نہایت بڑی اور بغایت دل کشا بالکل سالم گویا ابھی معمار اٹھ کر گئے ہیں۔ کسی زمانے میں اس باؤلی کے مکانوں میں راج بستے تھے جب سے راجوں کی بائیں مشہور ہوگئی ہے مگر پھر راج جا کر مدتوں چمار آ بسے تھے اور اب خالی پڑی ہے۔ باؤلی کے شمالی رخ پر سیڑھیاں ہیں جو پانی کی تہ تک چلی گئی ہیں جن میں سے ستاون تو پانی کے اوپر ہیں اور نو پانی میں دکھلائی دیتی ہیں لیکن قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ سیڑھیوں کا سلسلہ باؤلی کی تہ تک ہوگا۔ باقی باؤلی کے تین طرف اونچی اونچی دیواریں کھڑی ہیں جن میں چار قطاریں محراب دار حجروں کی ہیں جو عرض و طول میں یکساں ہیں مگر تعداد میں مختلف۔ باؤلی کی دیواریں ۷۰ فٹ اونچی ہیں اور مشرق اور مغرب کی دیواریں ۸۰ فٹ لمبی۔ اصل باؤلی کی چوڑان ۳۵ فٹ ہے۔ جب ہم نے دیکھا تو نو فیٹ پانی تھا مگر موسم بارش میں پانی بہت چڑھ جاتا ہے بلکہ حجروں کے نیچے کی منزل ڈوب جاتی ہے۔ باؤلی کے جنوب میں اوپر وار ایک ہشت پہل کنواں ۱۰ فٹ قطر کا ہے جس میں مروے لگے ہوئے ہیں۔ باؤلی کے اوپر ایک بہت خوبصورت مسجد ہے جس کے دیکھنے سے آدمی کا دل خوش ہو جائے اور نہایت فرحت حاصل ہو۔ باؤلی کی مغربی دیوار کی سطح کے برابر مسجد کا پختہ صحن ہے جس میں چوکے بچھے ہوئے ہیں۔ مسجد کا طول ۵۸ فٹ عرض ۱۲ فٹ اور بلندی ۲۶ فٹ ہے۔ مسجد تین دروں کی ہے جو ۹ فٹ – ۹ فٹ × ۶ فٹ – ۸ فٹ ہیں۔ چھت سے نیچے ایک بھاری چھجہ لگا ہوا ہے جو پتھر کے توڑوں پر لگا ہوا ہے۔ مسجد کی دونوں جانب چھت پر چڑھنے کا چھبیس چھبیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ تمام عمارت پتھر اور چونے کی بنی ہوئی ہے چھت پر ایک کوٹھی دار گنبد ۲۸ فٹ مربع اور ۲۷ فٹ بلند ہے۔ مسجد میں تین سیڑھیوں کا منبر ہے اور فرش گچ کا ہے۔ لوگوں نے پکا پکا ساری مسجد کو اندر و باہر سے کالا بھٹ



نقشہ راجون کی باین

کر دیا ہے کیوں کہ مدتوں اس میں لوگ رہے ہیں۔
مسجد کے پیش طاق پر بسم اللہ اور تین سطروں میں اسمائے حسنی اور منبر کے پاس
والی محراب پر ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو عالم الغیب والشہادۃ تا ختم سورۂ حشر پارہ ۲۸ ع ۶
مسجد کے صحن میں پتھر کے ستون کھڑے کرکے ایک نہایت خوب صورت اور
مستحکم کھلا ہوا چھپتر بنا دیا ہے جس میں ایک قبر ہے۔ اور باہر اس چھپتر کے ایک قبر اور ہے۔
دولت خاتون کی قبر سنگ خارا اور سنگ سرخ کی ہے جو نو فیٹ لمبی اور چھ فیٹ
چوڑی اور دو فیٹ اونچی ہے اس پر کسی قسم کا کتبہ سوائے کلمۂ طیبہ کے نہیں ہے۔ البتہ
مذکورہ بالا برج کی پیشانی پر یہ کتبہ بخط نسخ ہے:۔

(۱) در عہد دولت ہمایوں سلطان الاعظم المعظم المتوکل علی
(۲) الرحمان سکندر شاہ بن بہلول شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ
(۳) وسلطانہ بنا کرد این گنبد بندۂ امیدوار برحمت پروردگار
(۴) دولت خاتون احسا قوم خواجہ محمد غرہ ماہ رجب سنہ اثنی عشر وتسعمائۃ ۹۱۲ھ

یہ چوکھنڈی ۸ ۱/۲ - ۱/۴ مربع ہے۔ چاروں طرف چار چار در ہیں ۳ - ۱۰/۱ چوڑے۔ گنبد
کے اندر درود اکبر نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے۔ دولت خاتون کون ہوی تھیں معلوم
نہیں۔

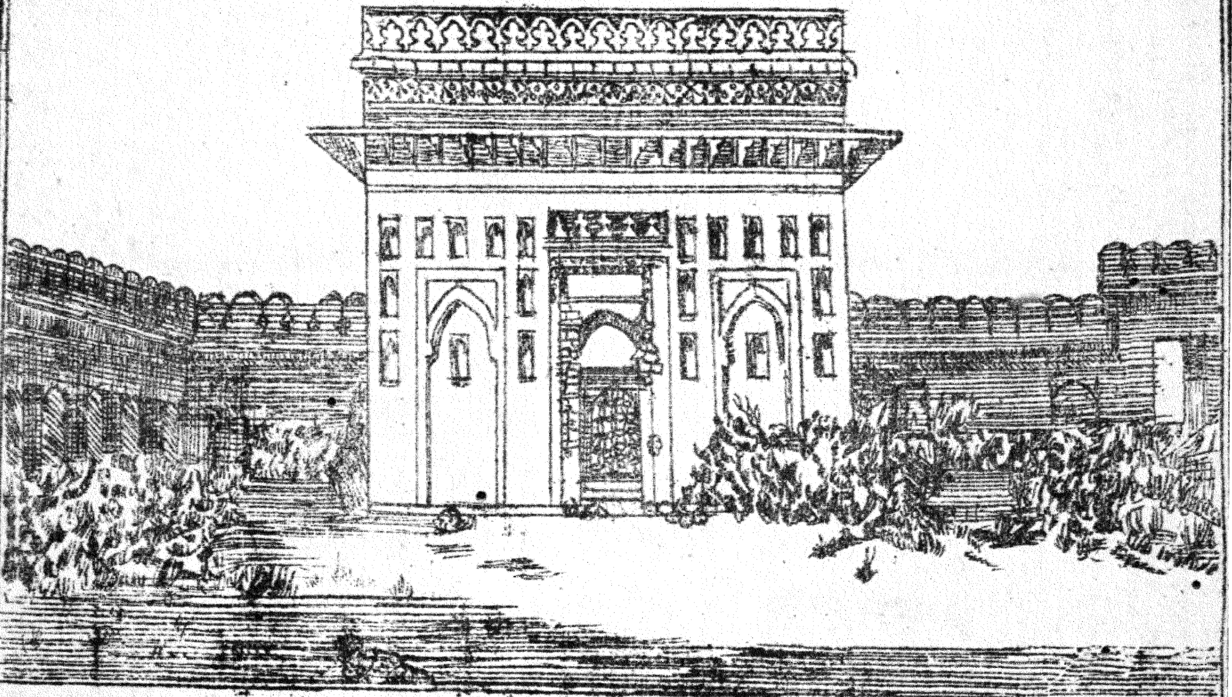
دو برج اس باؤلی کے پاس ہی ایک ٹیلے پر دو چوکھنڈی نما برج سنگ خارا
کے بنے ہوے ہیں۔

(۱) ۱/۲ - ۹ مربع۔ اس میں چار قبریں گچ کی ہیں اور چاروں قبریں مردانی ہیں۔ باایں ہمہ
یہاں کے لوگ اس برج کو رضیہ بیگم کا برج کہتے ہیں حالاں کہ بیگم موصوف
کی قبر دلی میں ہے نہ کہ یہاں۔ یہاں کی ایک قبر پر سورۂ ملک اور سورۂ حشر کا آخری
رکوع گچ میں کھدا ہوا ہے اور اسی طرح بیچ والی قبر پر آیتہ الکرسی ہے۔
(۲) اوپر والے برج کی طرح کا بارہ دورہ راجوں کی بائیں کے شمال
میں ہے۔ برج کے اندر کوئی قبر نہیں ہے مگر باہر چبوترے پر متعدد پختہ قبریں
ہیں۔ یہ دونوں برج بے پتہ اور نامعلوم ہیں۔

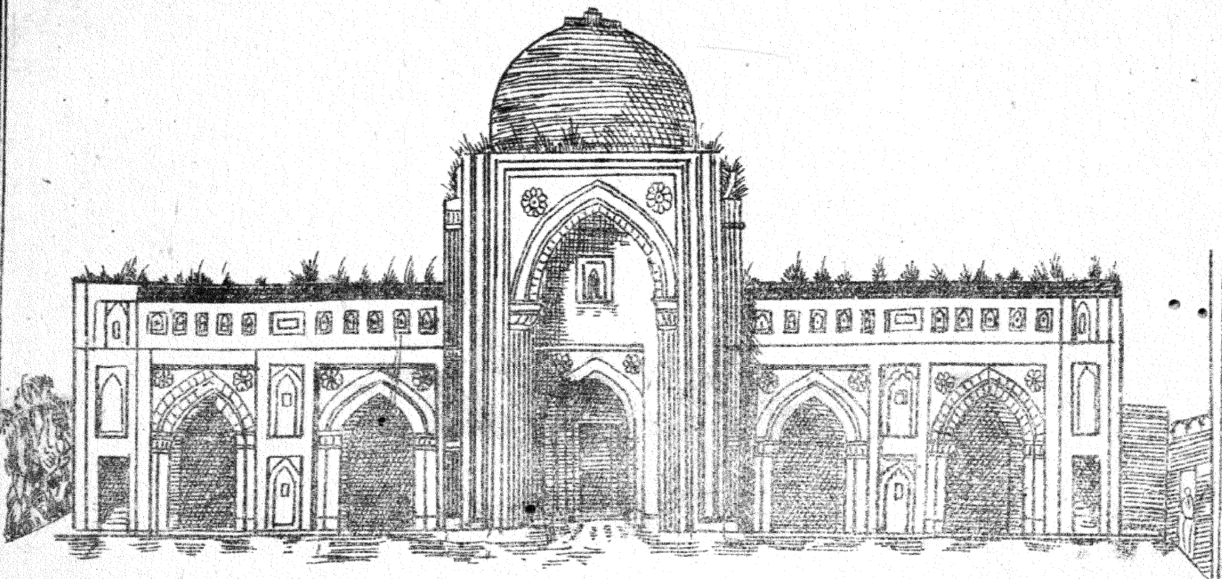
مولٰنا جمالی اور کمالی کی درگاہ اور مسجد ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء

ہیہات من از کجا و ایں کار کجا
در خورد من ضعیف ایں بار کجا
اوصاف بزرگاں ز شمار افزونست
در طاقت تقریر من زار کجا

شیخ فضل اللہ عرف جلال خاں جو حضرت جمالی کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک بڑے سیاح۔ عالم متبحر۔ نامی گرامی شاعر اور اہل اللہ تھے جن کے علم و فضل اور تقدس کا شہرہ دور دور تھا۔ درگاہ آپ کی راجوں کی بائیں کے پاس پختہ بابر شاہ بادشاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہے۔ آپ ایک بڑے باکمال شاعر تھے۔ مثنوی۔ غزلیں قصائد سب ہی کچھ کہتے تھے مگر قصائد آپ کے بڑے پُر معنی اور پُر زور ہوتے تھے۔ آپ اول جلالی تخلص کرتے تھے پھر جمالی تخلص کرنے لگے۔ آپ مولٰنا سماء الدین علیہ الرحمہ کے مرید تھے۔ آپ کے حسن کلام کی وجہ سے دربار شاہی میں آپ کی بڑی وقعت تھی۔ آپ کے زمانے میں دہلی میں چار بادشاہ ہوئے۔ سکندر لودی۔ ابراہیم لودی۔ بابر اور ہمایوں۔ سکندر لودی کے زمانے میں آپ کا نیّر اقبال چمک رہا تھا اور طوطی بول رہا تھا اور اُس زمانے کے اولیائے کاملین میں آپ کا شمار تھا۔ اگرچہ ہمایوں بادشاہ کے عہد میں آپ کی وہ بات نہ رہی تھی پھر بھی متوسلان شاہی میں آپ کا مرتبہ بلند تھا۔ آپ کو مذہبی مباحث میں ید طولیٰ حاصل تھا اور سب آپ کے آگے سر تسلیم خم کرتے تھے حتیٰ کہ علماء اور فضلائے دیگر بلاد بھی آپ کا لوہا مانتے تھے۔ ۹۳۵ھ ۱۵۲۸ء میں آپ نے ایک مسجد اور یہ درگاہ اور پھر اپنا مقبرہ قطب صاحب کی پرانی بستی میں راجوں کی بائیں کے پاس بنوایا۔ یہ مسجد نہایت عمدہ اور بڑی شان و شوکت کی چونے پتھر سے بنا ہوئی ہے اس کی خوبی وضع اور دل کشائی کا بیان نہیں ہو سکتا حقیقت میں یہ مسجد کسی زمانے میں بہت دل چسپ اور نہایت دل پسند ہوگی اس مسجد پر کوئی کتبہ یا تاریخ بنا نہیں اس سبب سے یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ مسجد کب بنی اور کس نے بنائی مگر یہ ظاہر ہے کہ درگاہ کے ساتھ کی مسجد ہے اور اسی زمانے میں بنی ہوگی جب کہ درگاہ بنی۔ اس کی وضع قطع ہمایوں بادشاہ کے عہد کی عمارتوں سے بہت ملتی جلتی ہے اس لیئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسجد



نقشہ درگاہ مولانا جمالی



نقشہ مسجد درگاہ مولانا جمالی

ہمایوں بادشاہ کے عہد کی بنی ہوئی ہے اور درگاہ کے ساتھ بنی ہے۔ اگرچہ یہ مسجد اب ویران ہے مگر اگلے زمانے میں عین قطب صاحب کی آبادی میں واقع تھی چنانچہ اب بھی ٹوٹی پھوٹی حویلیوں کے کھنڈر اس کے اطراف میں موجود ہیں۔ آپ ہمایوں بادشاہ کے ساتھ گجرات تشریف لے گئے تھے اور وہیں ۱۰ ذی قعدہ ۹۴۲ھ ۱۵۳۵ء میں آپ کا وصال ہوا۔ "خسرو ہند والے" آپ کی تاریخ وفات ہے۔ آپ کی نعش گجرات سے دلی لائی گئی اور جس حجرے میں آپ رہا کرتے تھے اُسی میں آسودہ ہیں مسجد اور درگاہ کے احاطے گو علیحدہ علیحدہ ہیں مگر ملے ہوئے ہیں چنانچہ مسجد کی شمالی دیوار جو درگاہ کی جنوبی دیوار ہے درمیان میں راستہ بھی تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ صحن مسجد ۱۲۰ × ۷۰ ہے جس میں جانے کا دروازہ مشرق کی دیوار میں ہے جو حال کا نکالا ہوا معلوم دیتا ہے۔ قدیم دروازہ جنوبی دیوار میں تھا جو ایک جدید دیوار سے جو مشرقی اور مغربی دیواروں کو ملاتی ہے بند ہو گیا ہے۔ جمالی مسجد کی وضع قطع موٹھ کی مسجد جیسی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اول الذکر میں صرف ایک گنبد ہے اور آخر الذکر میں تین۔ جمالی مسجد کا گنبد لودیوں کے زمانے کی آخر طرز کا ہے۔ مسجد ۱۳۰ فٹ لمبی اور ۲۷ فٹ چوڑی اور ۳۳ فٹ اونچی

(۱) بسیار فاضل و باخرد و دیانت بوده در خوردی نام او جلال خاں بود و تخلص جلالی داشت چوں جوان شد باشارہ پیر خود شیخ سماء الدین جمال خاں نام و جمالی تخلص کرد۔ سیر العارفین از تصنیفات اوست و در زمان ابوالغازی سلطان حسین مرزا بخراسان رفته و تا آخر عمر مرزا بداں دیار گزرانیده در ہند مراجعت نموده مصاحب سلطان سکندر بود۔ بابر شاہ بادشاہ احترام او کماہی بجا می آورد و ہمایوں بادشاہ را بصحبت او میلے موفور بوده ہموارہ با او مجالست می نمود۔ از ابیات اوست:

مارا ز گرد کویش پیراہنیست بر تن   واں ہم ز آب دیده صد چاک تا بدامن

تاریخ رحلت از فخر الدین

محو ذات خدا جمالی بود   عاشق و مست لا ابالی بود

شعر رنگین و تازه اش بجہاں   ہست عشرت فزائے پیر و جواں

لقبش را بداں ز روئے یقیں   بود بے اشتباہ فخر الدین

بسال نقلش بہ فرزند و سکیں

غیب نیز گفت ماه خسرو ہند بریں ۔ ۱۳

۹۴۲

ہے چھت سے گنبد تک اور دس فیٹ کی بلندی ہے۔ مسجد پنج دری ہے درمیانی محراب
دیوار میں دو فیٹ اندر دار کو ہے جو (۳۰ فٹ) بلند اور (۱۵ فٹ) چوڑی ہے۔ دیوار دوز ستونوں
کے سرے جہاں سے محراب شروع ہوتی ہے سنگ سرخ کے ہیں جن پر عمدہ نقش و
نگار ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ کبھی یہ ستون چھت تک بلند تھے یا نہیں۔ محراب کی
اندرونی حصے پر بھی مینت کاری کے عمدہ نقش و نگار ہیں اور محرابوں کی پیشانی پر
بھی خوش نما بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں اور سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی پٹیاں
پڑی ہوئی ہیں۔ محراب کے نیچے اُس دیوار میں جس میں بیچ کا دروازہ ہے ایک چھوٹی سی
محراب دار کھڑکی ہے۔ اس کھڑکی سے تین چار فیٹ نیچے وہ دروازہ ہے جس کا ذکر اوپر
آیا ہے جو ۱۴ فٹ بلند اور ۱۰ فٹ چوڑا ہے۔ اس دروازے پر بھی سنگ مرمر اور سنگ
سرخ کی پٹیاں بیل بوٹے اور نقش و نگار ہیں۔ درمیانی محراب کی ادھر اُدھر کی
محرابیں ۱۲ فٹ اونچی اور دس فٹ چوڑی ہیں بیچ کی محراب کی چھت دونوں جانب
کی محرابوں کی چھت سے ۸ فٹ اونچی ہے۔ آخری بازو کی محرابوں کے دیوار دوز ستونوں
میں دو طاق کم گہرے اور تین فیٹ اونچے ہیں۔ بیرونی دیوار دوز ستونوں کی نچلی
محرابیں کھلی ہوئی ہیں اور ان میں سے مسجد پر چڑھنے کا زینہ ہے۔ چھوٹی محرابوں کی
پیشانی پر بھی نقش و نگار ہیں جن میں بھورا اور لال پتھر لگا ہوا ہے۔ صحن مسجد میں چوکے
بچھے ہوئے ہیں۔ پانچوں دروں کے جواب میں پچھیت کی دیوار میں بڑی بڑی
دیوار دوز محرابیں ہیں۔ ان محرابوں میں سنگ مرمر کے ٹکڑے اور نقش و نگار ہیں
بیچ کے حصے پر گنبد ہے جس کی چھت محراب دار ہے اور اطراف کے حصوں کی سطح۔
درمیانی حصہ مربع ہے مگر اوپر جا کر ہشت پہلو ہو گیا ہے۔ درمیانی حصے کے کونوں
کی مثلثی جگہ میں عمدہ نقش و نگار ہیں۔ مسجد کی عقب کی دیوار میں بھاری بھاری توڑے
جگہ کو پُر کرنے کو لگا دیئے ہیں۔ صحن مسجد کے شمال و مغرب کے کونے میں کوئی
ستر فیٹ مربع زمین نصیبل نما احاطے سے محصور ہے۔ احاطے کی دیوار دس
فیٹ اونچی ہے اور اسی میں مولنا جمالی کا مزار شریف ہے۔ یہ احاطہ بھورے پتھر اور
گچ کا ہے جس میں جانے کے لیئے شمالی دیوار میں ایک پست دروازہ لگا ہوا ہے۔
تمام دیواریں طاق ہی طاق ہیں اور مغرب رُخ کی دیوار کے طاق کھلے ہوئے ہیں

اس احاطے کے جنوب ومغرب کے کونے میں ایک حجرہ ہے جو غالباً خدام
کے لیئے بنایا گیا ہے اور یہیں وہ دروازہ تھا جس میں سے مسجد میں جانے کا
رستہ تھا جو اب بند کر دیا گیا ہے۔ حضرت کے مزار کے مشرق میں ایک وسیع
احاطہ ہے جس میں بہت سی قبریں ہیں۔ حضرت کی قبر ۵ فٹ ۲ مربع اور ۱۲ فٹ اونچے حجرے
میں ہے جس کا دروازہ جنوب کی دیوار میں ہے۔ دروازے کے سامنے اور عمارت
کے گرداگرد سنگین چھجہ ہے جس کے نیچے توڑے لگے ہوئے ہیں۔ اسی کے نیچے
حجرے کے اطراف ایک کاشانی اینٹوں کے کام کا پٹکہ ہے۔ حجرے کی سطح
چھت کے اطراف بھی رنگین نقاشی کا کام ہے۔ دروازے کے دونوں طرف
دو طاق ہیں جن کے اوپر چھوٹے چھوٹے طاق روشنی کے لیئے بنے ہوئے ہیں
حجرہ شریف میں سنگ مرمر کا فرش ہے جس پر سنگ موسیٰ کی تحریر ہے۔ مغربی دیوار
میں ایک چھوٹا سا سنگ مرمر کا طاق قبلہ کی طرف ہے جس پر یہ کتبہ ہے:-

لا الہ الا اللہ الملک الجبار محمد رسول النبی المختار۔ اللہ (۲ مرتبہ) شہد اللہ
انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم ۱۸
پارہ (۳) س آل عمران ع۔ الملک الواحد القہار لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ
یا اللہ۔

شمالی اور مغربی دیواروں میں سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔
ان جالیوں کے دونوں طرف جہاں مغربی دیوار میں دروازہ اور دیوار دوز
محراب ہے روشنی اور ہوا کی آمد ورفت کے لیئے دو فیٹ مربع طاق بنا دیئے
ہیں۔ حجرے کی چھت اندر سے گنبد دار ہے جس میں نہایت عمدہ مگر ضرورت سے
زیادہ نقش ونگار اور رنگ آمیزی ہے۔ حضرت کی قبر شریف حجرے کے بیچ میں
ہے۔ آپ کی داہنی طرف اور ایک قبر ہے جو آپ کے بھائی **کمالی صاحب**
کی کہی جاتی ہے۔ بائیں طرف ایک قبر کی جگہ خالی ہے۔ دونوں قبریں نہایت
شفاف سنگ مرمر کی ہیں جو بہت مجلیٰ کیا گیا ہے۔ قبروں کے تعویذ سیدھے
سادے چپٹے ہیں جن پر نہ کوئی نقش ونگار ہیں نہ کوئی کتبہ۔ درگاہ کے اندر گنبد
کے گرد چونے کی منبت کاری میں ذیل کی دو غزلیں آپ کی کہی ہوئی کھدی

ہوئی ہیں :-

غزل

اگر بکفر گشد سر سیاہ کاری ما — بود بعفو تو چشم امیدواری ما
بہ آستان تو شرمندہ سگانِ تو ام — کہ شب قرار ندارد یا آہ و زاری ما
اگر بہ پردہ رازے تو محرمی یابم — نفر بفجر نماید بہ پردہ داری ما
بخاک کوے تو در چشم مردماں خوارم — بہ نزد اہل نظر عزت است خواری ما
ز ابر لطف تو شد تا پدید گرد گناہ — ولیک شستہ نشد داغ شرمساری ما
بروز ہجر تو در بیکسی و تنہائی — بجز محمت نرسد کس غمگساری ما

جمالیا بدر یار التجامی آر
کہ ہست بر در دلدار رستگاری ما

دوسری غزل

ز حد گزشت بعشق تو بے قراری ما — امید ہست کہ رحم آوری بزاری ما
جمالِ عفو تو گر آمدے بروں ز نقاب — اگر نہ روے نمودے گناہگاری ما
اگرچہ در خورِ قہریم از گنہ گاری — بود بلطف تو چشم امیدواری ما
بعزت جبروت و بحرمتِ ملکوت — رسیم گر بفرازی بخاکساری ما
اگر بہ پردہ رازِ تو پردہ دار شویم — فرشتہ را نسزد جاے پردہ داری ما
ز یک ترشحِ ابرِ کرم فرو شوئی — غبار جرم ز رخسار شرمساری ما

نظر بسوے جمالی فگن ز روے عطا
مبیں بجانب سستی و خام کاری ما

قطعہ

اے رحمتِ تو از غضب بُرد گرو — دی قہر ترا لطف تو فرمود برو
جاے کہ شد از خرمنِ عفو تو سخن — آں جا گنہ خلق نسنجید بجو

درگاہ گو مختصر ہی مگر بہت خوب صورت اور بالکل درست حالت میں ہی ایسا معلوم ہوتا ہی کہ کل کی بنی ہوئی ہی۔ اندر فرش سنگ مرمر کے چوکوں کا ہی جس میں سنگ موسیٰ کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ آپ کی قبر کا تعویذ ۶ فٹ ۵ انچ × ۳ فٹ ۸ انچ ہی دونوں قبریں ایک ہی وضع کی ہیں اوپر الله اور بیچ میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہی۔ حجرہ شریف اندر سے ۱۳ فٹ ۱۰ انچ مربع ہی۔ دیواروں پر خدا جانے کس نفاست سے بیج کی ہی کہ شکل آئینے کے سنہ دکھلائی دیتا ہی۔ دیواروں پر نقش ونگار کے علاوہ گنبد کی چھت پر جو بہت بلند نہیں لاجوردی رنگ کے ایسے گل بوٹے نکالے ہیں کہ چمن کھلا دیا ہی اور رنگ ایسا پائدار ہی کہ ذرا پھیکا بھی تو نہیں پڑا معلوم ہوتا ہی کہ ابھی نقاش نے قلم دھرا ہی۔ درگاہ کے سامنے ۲۶½ × ۲۴½ فٹ کا چوپڑ کا بہت نفیس فرش ہی جس میں سفید اور گردے رنگ کی چھ انچ مربع ٹھیلیں لگی ہوئی ہیں اور آج تک باوجود روندن کے یہ فرش جھلملا رہا ہی۔ سبحان اللہ کیسے بنانے والے تھے اور کیسے بنوانے والے۔ اسی فرش کے بیچوں بیچ ۶ فٹ ۳ فٹ کا حوض ہی جو اب پاٹ دیا گیا ہی۔

آپ کی درگاہ کا احاطہ بہت وسیع اور فصیل نما کنگورے دار ہی جس کا طول و عرض ۱۱۲ × ۹۸ فٹ اور اونچان ۱۰ فٹ ہی۔ ساری دیواریں طاق طاق بنے ہوئے ہیں۔ اتنے بڑے احاطے کے اندر پورا گچ کا فرش تھا جو سب ضائع ہو کر کہیں کہیں کوئی ٹکڑا رہ گیا ہی۔

سنگ سرخ کی چوکھنڈی

درگاہ کے احاطے کے اندر بجانب مشرق ایک چھوٹی سی مگر بہت سڈول چودری ۹½ فٹ مربع چوکھنڈی ہی جس کے بیچ میں سنگ سرخ کی ایک زنانی قبر ہی جس کے دو طرف الله الله اور بیچ میں کلمہ ہی۔

دوسرا احاطہ

اوپر والی چوکھنڈی کے پاس ایک اور کنگورے دار ۱۰۰ × ۷۳ فٹ طاق دار احاطہ ہی جس کی بلندی ۱۱ فٹ ہی۔ فرش پختہ تھا اب کہیں کہیں کنارے کنارے باقی رہ گیا ہی۔ اس میں بہت سی قبریں ہیں مگر سب شکستہ۔

مسجد

کا مفصل بیان اوپر آچکا ہی۔ بڑی بھاری اور عالی شان بڑے وسیع احاطے کے اندر یہ مسجد ہی عمارت کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ مکمل نہ ہونے پائی اور ادھوری ہی رہ گئی کیوں کہ دو در کتبوں سے خالی رہ گئے ہیں

مسجد میں دو طرفہ اُنتیس اُنتیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ ممبر تک باقی نہیں۔ مسجد کا فرش صرف روڑی کا رہ گیا ہے۔ داہنی طرف سے پہلے در پر (۱) لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب تا واولٰئک ھم المتقون۔ پارہ ۲۔ س بقر۔ ع۔ یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام تا لعلھم یرشدون۔ پارہ (۲) س بقر ع

(۲) آیۃ الکرسی فمن یکفر تک۔ اور کلما دخل علیھا ذکریا المحراب تا ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب۔ پارہ (۳) س آل عمران۔ ع ۱۲

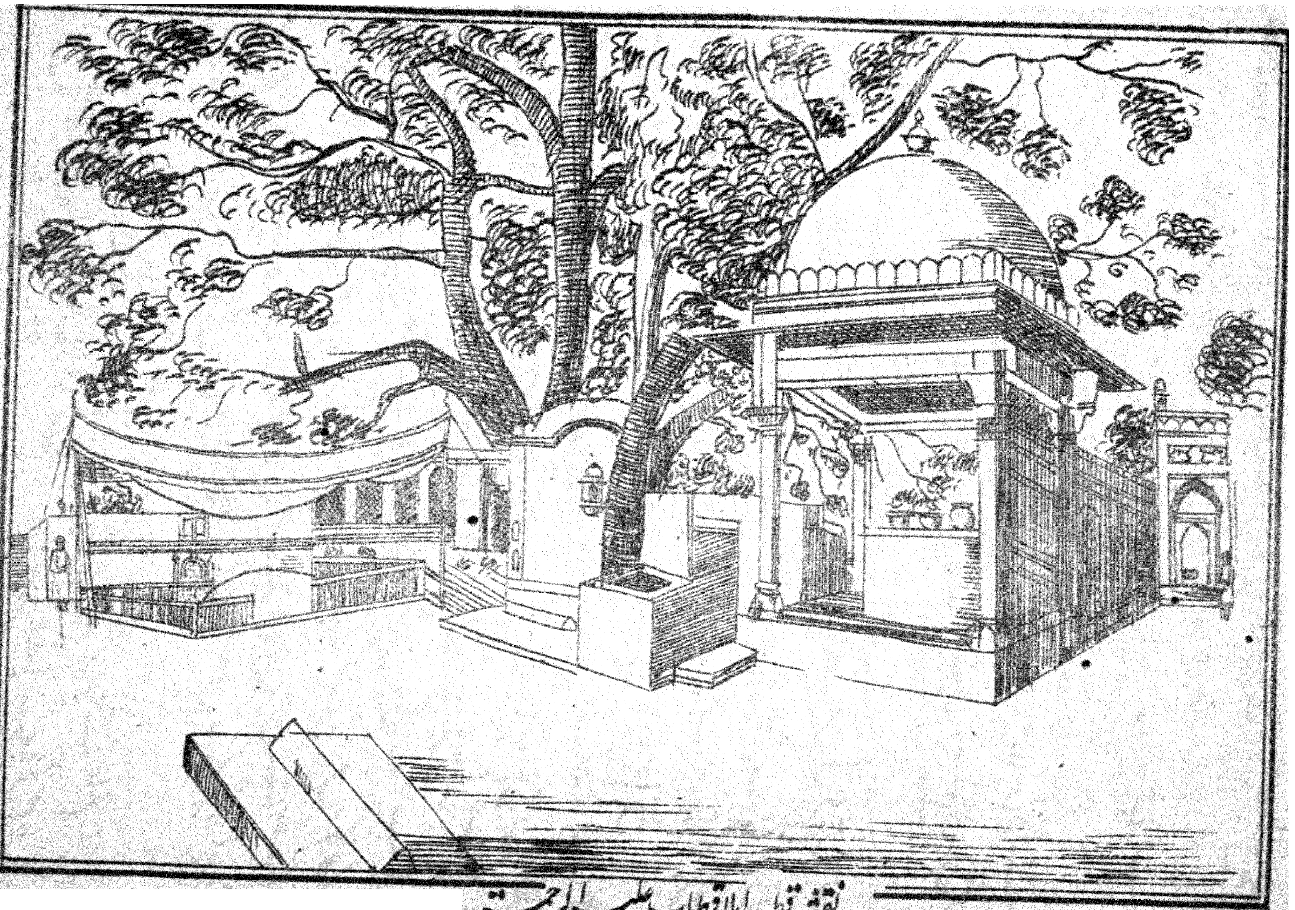
(۳) بیش طاق۔ وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا تا ان اللہ بالناس لرءوف رحیم پارہ (۲) س بقر ع ۱۔ سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون وسلم علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔ پارہ ۲۳۔ س صفت ع ۹۔

باقی دو در کتبوں سے خالی رہ گئے ہیں۔ بیچ کی محراب سنگ مرمر کی ہے جس میں سنگ مرمر اور سنگ سرخ کی نہایت نازک اور نفیس مرغولیں بنی ہوئی ہیں۔ گو مسجد سنگ خارا کی ہے مگر باہر کی محراب کار وکار سنگ سرخ کا ہے۔ اور اُس پر ایک بہت خوب صورت نشیمن سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے۔

ایک برج مسجد کے شمال میں ایک اونچے ٹیلے پر سنگ خارا کا ایک ہشت پہلو برج بہت مضبوط بنا ہوا ہے جس کا قطر ۱۶ہ ہے۔ اور ہر ضلع طول میں ۷ہ ہے اور در کی بلندی ۹ہ ہے۔ مگر اُس میں کوئی قبر نہیں رہی صرف بن گھڑے پتھروں کا فرش باقی رہ گیا ہے۔ مسجد اور درگاہ کے گرد دور دور تک مکانوں کے کھنڈر ہیں مکانوں کی چار دیواری اور حجروں کی دیواریں کھڑی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اب جنگل میں یہ درگاہ ہے پہلے اس کے گرد آبادی تھی۔

حضرت قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ

اے سرور اولیاے عالم
ای قبلۂ اصفیاے اکرم
روے تو کہ آفتاب حسن ست
پیدا شد از و ضیاے عالم



نقشہ قطب الاقطاب علیہ الرحمۃ

حضرت خواجہ قطب الدین صاحب سید حسینی ہیں آپ کے نسب کا سلسلہ حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی خواجہ کمال الدین احمد موسیٰ اوشی ہے۔ آپ اوش[1] ملک ماوراء النہر کے رہنے والے تھے حضرت خواجہ قطب الدین جو عموماً خواجہ صاحب سے مخاطب کیئے جاتے ہیں بزرگان دین میں نہایت اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں۔ حضرت صرف ڈیڑھ یا ڈھائی ہی سال کے تھے کہ آپ کے پدر بزرگوار نے انتقال فرمایا۔ آپ شہر بغداد میں امام ابو اللیث سمرقندی کی مسجد میں بماہ رجب المرجب ۵۲۲ھ حضرت معین الدین حسن چشتی سنجری قدس سرہ العزیز کے مرید ہوئے اور مرتبہ خلافت پیران چشت سے حاصل کیا اور ایک مدت خواجہ بزرگ کے ساتھ بغداد شریف میں محنت وریاضت شاقہ کھینچی۔ جب خواجہ موصوف بغداد سے اجمیر شریف تشریف لائے تو بعد میں آپ بھی پہلے ملتان آئے بعد دہلی پونہچ کر آپ نے خواجہ بزرگ کی خدمت میں ایک عریضہ اشتیاقیہ لکھا۔ حضرت نے جواب دیا کہ روحانی نزدیکی کو مکانی فاصلہ نقصان نہیں پونہچاتا اور نہ پونہچائے گا اے بابا بختیار تم کو دہلی میں رہنا چاہیئے چنانچہ آپ دہلی ہی میں رہے مگر تین بار آپ کی زیارت کو اجمیر تشریف لے گئے۔ سراج الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ ۵۸۴ھ مطابق ۱۱۸۸ء فتح دہلی سے پورے تین سال پہلے رای پتھورا کے زمانے میں ہندوستان تشریف لائے اس وقت سن شریف بیس سال کا تھا اور آپ تحصیل علوم سے فراغ حاصل کر چکے تھے آپ کو دنیاوی معاملات یا امور سلطنت سے کسی قسم کا تعلق نہ تھا آپ کا مشرب ہمیشہ صلح کل رہا۔ سراج الاقطاب میں لکھا ہے کہ آپ کے تعلقات سلطان محمد غوری سے شگفتہ نہ تھے مگر سلطان شمس الدین التمش آپ کا بڑا معتقد تھا اُس کے زمان سلطنت میں آپ کا بڑا

---

[1] اوش بر وزن موش ولایت فرغانہ میں ایک قصبہ ہے مابین سمرقند اور اندجان کے۔ آپ کی علاقہ کے سال میں اختلاف ہے۔ کتب تواریخ سے آپ کی وفات یوم دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۳۵ء میں ہوئی اور وفات کے وقت آپ کی عمر چوہتر سال کی ثابت ہوتی ہے بلکہ صاحب اسرار الاولیا لکھتے ہیں کہ سن شریف کچھ اوپر سو برس کا تھا کیوں کہ آپ کی ولادت ماہ رجب ۵۱۳ھ ہونا کہی جاتی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

دور دورا تھا۔ پہلے پہل آپ نے پانی کے آرام کے خیال سے موضع کیلوکھڑی میں لب آب قیام فرمایا اور کچھ دنوں وہیں رہے کہ شمس الدین التمش نے آپ کو شہر میں لانے کی خواہش کی لیکن آپ نے انکار کیا مگر پھر بھی ہفتے میں دو مرتبہ بادشاہ آپ کی خدمت میں بالالتزام حاضر ہوا کرتا تھا حالانکہ آپ کی اقامت کا فصل پانچ کوس تھا۔ آخر بادشاہ بہت مصر ہوا اور آپ کو نہایت عجز و الحاح سے شہر میں لایا اور اعزاز الدین کی مسجد کے پاس جو ایک پُر فضا اور بصفا مقام تھا آپ کو ٹھیرایا۔ شہر کے چھوٹے بڑے سب خواجہ صاحب سے رجوع ہو گئے۔ تھوڑے دنوں بعد مولٰنا جمال الدین احمد بسطامی شیخ الاسلام نے انتقال کیا۔ بادشاہ نے چاہا کہ یہ خدمت آپ کو دے لیکن آپ کو دنیاوی معاملات سے کیا تعلق تھا آپ نے ہرگز قبول نہ فرمایا۔ آپ دہلی ہی میں شامل ہوئے اور آپ کے دونوں صاحب زادے سید احمد اور سید محمود صاحبان آپ کے برابر ہی آسودہ ہیں بڑے صاحب زادے کا مزار تو کٹہرے کے اندر آپ کے برابر ہی ہے اور چھوٹے صاحبزادے کا کٹہرے کے باہر آپ کی پائینتی۔ بڑے صاحب زادے سید احمد بڑے صاحب جذبات و کمالات گزرے ہیں۔ سید محمود نے عالم طفلی میں سات سال کی عمر میں ہی انتقال فرمایا۔ حضرت خواجہ صاحب کے مزار کے سرہانے خواجہ عبدالعزیز بسطامی اور پائینتی قاضی حمید الدین ناگوری۔ مولٰنا بدرالدین غزنوی اور امام الدین ابدال حضرت ضیاء الدین دست غیب خواجہ صاحب کی دایہ کے صاحب زادے۔ خواجہ شرف الدین بقال اور بہت سے بزرگان دین کے مزارات ہیں۔ آپ کو حضرت خواجہ خضر سے عالم رویا میں ملاقات ہوئی تھی۔ آپ کے کمالات خوارق عادات۔ کراموں غیب گوئیوں کی بہت سی روائتیں مشہور ہیں مگر آپ نے خود کبھی اپنے کشف و کرامات کا اظہار نہیں فرمایا۔ آپ جب تک زندہ رہے مرجع خاص و عام رہے اور گو کہ آپ کے جنازے کو بادشاہ وقت نے کندھا دیا مگر آپ کے بے شمار مریدیں اور معتقدین کو جو عقیدت آج تک ہے اس کے مقابلے میں یہ امر کوئی قابل فخر بات نہ تھی۔ آپ نے اپنے وصال کے وقت اپنا جبہ اور عصا اپنے مرید اور خلیفہ حضرت فرید گنج شکر کے پاس

بمقام پاک پٹن جو ملتان کے قریب ہے بھیج دیا۔
روایت ہے کہ جب ایک بار حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر سے دہلی اس ضرورت سے تشریف لائے کہ آپ کے دو صاحب زادوں کا علاقہ اجمیر میں ایک گاؤں تھا وہاں کا تعلقہ دار تنخواہ دینے میں آپ کو ستاتا تھا۔ آپ نے صاحب زادوں کی خاطر دہلی چل کر بادشاہ سے مشاہرہ لانے کی آمادگی ظاہر فرمائی۔ خواجہ بزرگ دہلی تشریف لائے اور حضرت قطب صاحب ہی کے مکان پر تشریف فرما ہے قطب صاحب نے فرمایا کہ آپ کو بادشاہ کے دروازے پر جانے کی کیا ضرورت اور میں نہیں چاہتا کہ ذرا سی بات کے لئے آپ وہاں تک تکلیف فرمائیں یہ کام تو میں بھی کرسکتا ہوں۔ مختصر یہ کہ آپ بادشاہ کے پاس گئے۔ بادشاہ تو آپ کی ملاقات کا بھوکا ہی تھا آپ کی تشریف آوری کو بسا غنیمت سمجھا اور بہت خوش ہوا اور اسی وقت مقررہ مشاہرے کی اشرفیوں کی تھیلیاں نذر کیں۔ اسی مجلس میں رکن الدین حلوائی حاکم خطۂ اودھ بھی آیا اور حضرت کے بلند مرتبے پر بیٹھا بادشاہ کو یہ سوء ادبی ناگوار معلوم ہوئی آپ نے تاڑ لیا اور خندہ پیشانی سے فرمایا کہ جس وقت حلوا اور کاک موجود ہوتا ہے تو ہمیشہ حلوا کاک کے اوپر رہتا ہے پس اگر حلوائی کاکی سے اوپر بیٹھ گیا تو کیا بُرا ہوا۔
حضرت قطب صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت خواجہ معین الدین صاحب دہلی تشریف لائے اُس وقت شیخ نجم الدین صغرادی کے شیخ الاسلام تھے اور خواجہ بزرگ سے اُن سے قدیم روابط ملک خراسان سے تھے اور آپ کی طبیعت میں چوں کہ انکسار بہت تھا آپ بے تکلف اُن سے ملنے چلے گئے وہ ایک چبوترے کے بنوانے میں مصروف تھے ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ آپ نے نزدیک جاکر السلام علیکم کہا اور کہا کہ شاید تم کو شیخ الاسلامی کا گھمنڈ ہے جو قدیم دوستوں سے یوں بے رُخی کرتے ہو۔ نجم الدین نے بہت کچھ معذرت کی اور کہا کہ معاف کیجئے میں نے دیکھا نہیں ورنہ میں وہی بندہ معتقد اور مخلص ہوں مگر آپ نے اس شہر میں ایک ایسے مرید کو چھوڑا ہے کہ اُن کے سامنے میری خدمت ہیچ ہے آپ مسکرائے اور فرمایا کہ " خاطر جمع رکھو میں بابا قطب الدین

کو اپنے ساتھ اجمیر لے جاؤں گا۔ خواجہ بزرگ نے چندے دلّی میں اقامت فرما کر مراجعت کا قصد فرمایا اور قطب الدین صاحب سے فرمایا کہ "بابا بختیار دفعتہً تو ایسا شہر میں مشہور ہوا کہ بعض لوگ تجھ پر رشک کرتے ہیں اٹھ اور میرے ساتھ چل"، چنانچہ آپ نے بھی حضرت کے ساتھ اجمیر جانے کا تہیہ کر لیا۔ یہ خبر مثل برق صاعقہ کے پھیل گئی جس سے دلی میں ایک تہلکۂ عظیم برپا ہو گیا اور لوگوں نے حضرت معین الدین کے حضور میں واویلا اور منت سماجت کی کہ حضرت کو دلی ہی میں رہنے دیا جائے کہ جن کے دم قدم کی برکت سے ہم لوگوں کی جان میں جان ہے اور شہر میں برکت ہے۔ یہاں تک کہ سلطان شمس الدین التمش یہ خبر سن کر پاپیادہ حضرت کی خدمت میں دوڑا ہوا آیا۔ چوں کہ ایک جم غفیر کی یہ خواہش تھی حضرت معین الدین نے یہ درخواست قبول فرمائی اور خواجہ بزرگ نے آپ کی مفارقت میں تمام شہر کا حال ایسا مضطر و پریشان دیکھا تو فرمایا کہ "بابا قطب الدین تم یہیں قیام کرو میں نہیں چاہتا کہ تمھاری آتش جدائی میں خلق خدا کے دلوں کو کباب کروں۔ جاؤ اس شہر کو ہم نے تمھاری پناہ میں سپرد کیا"۔ قطب صاحب نے بھی قصد روانگی ملتوی فرمایا اور پھر آپ نے یہیں اقامت فرمائی اور یہیں آپ کا وصال ہوا۔

آپ سے لوگوں کی حسن عقیدت اس درجے بڑھی ہوئی تھی کہ اب تک بھی آپ کا مزار مہبط انوار الٰہی ہے۔ سبحان اللہ عجب مکان پر نور اور مقام کرامت نشور اور آستانۂ فیض گنجور اور بارگاہ سراسر سرور ہے کہ ہر در و دیوار اُس کا مطلع خورشید سعادت اور ہر گوشہ اُس کا مشرق انوار ہدایت ہے۔ ہر سنگ اُس کا سجدہ گاہ سبحان بیت المعمور اور ہر ذرہ اُس کا بصیرت افزائے دیدۂ تجلی طور۔ ہر طرف ردائے شوارق رحمت رحمانی نور افشاں اور ہر جانب رشحات سحاب لطف یزدانی فیض رساں۔ باوجودیکہ مزار آپ کے زیر سما ایک انبار گل ہے مگر اُس کی خوشبو سے شمیم گل و بوئے مشک خجل ہے اور باوصف کہ تربت پر کچھ گنبد و آرائش نہیں لیکن اُس کی عظمت و جبروت سے بارگاہ سلطانی اور شوکت خرگاہ آسمانی منفعل ہے۔

تاریخ سلاطین افاغنہ میں احمد یادگار راوی ہے کہ محمد عادل شاہ سور کا سپہ سالار

ہیموں جب دہلی سے مغلوں کے مقابلے کو نکلا تو وہ آپ کے مزار پر حاضر ہوا اور منت مانی کہ اگر وہ دہلی فتح کرے گا اور مغلوں کو پسپا کر کے دلّی کے تخت پر متمکن ہو جائے گا تو وہ قبول اسلام سے مشرف ہوگا۔

جب آپ کے وصال کی خبر پاک پٹن میں پہنچی تو حضرت فرید شکر گنج دہلی تشریف لائے اور حوض شمسی کی مٹی لا کر آپ کی قبر پر ٹوکریاں بھر بھر کر ڈالیں چنانچہ آپ کی قبر شریف آج تک خام ہی بلکہ اُس کا یہاں تک اہتمام و احترام ہی کہ اُن ٹوکریوں کی مٹی کو اُسی طرح چھوڑ دیا ہی سطح کو ہموار تک نہیں کیا۔ اُنھیں پر ایک سفید غلاف پڑا رہتا ہی۔

حضرت کے مزار کے گرد سنگ مرمر کا ایک نہایت نفیس جالی دار کٹہرا ۱۲ - ۹ اونچا ۸ - ۱۴ × ۵ - ۱۵ سر خورشید جاہ بہادر نے نصب کرایا ہی۔ کٹہرے کی نفاست کا کیا پوچھنا مگر کتبہ جو لگایا ہی وہ ایسا بدخط ہی کہ اُس نے کٹہرے کو بھی عیب لگا دیا۔ حال آں کہ نواب صاحب مرحوم و مغفور نے حضرت نظام الدین اور روشن چراغ دہلی کی درگاہوں میں بھی کٹہرے لگوائے ہیں اُن پر تو بہت خوش خط کتبے ہیں اور ضرور ہی کہ یہ کٹہرا بھی جب ہی لگایا ہوگا مگر کتبہ غالبًا بعد میں بے توجہی سے کھدوایا ہی اور وہ یہ ہی۔

"گذرانیدہ غلامان غلام قدی محی الدین بہادر شمس الامرا
امیر کبیر خورشید جاہ نسبت ۲۱ ویکم ماہ صفر المظفر ۱۳۰۰ ہجری"

حضرت کے مزار کے سرہانے دیوار میں بطور چراغ دان کے ایک طاق بنا ہوا ہی اُس پر یہ خوش خط کتبہ ہی:۔

۷۸۶

تاج

لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

جانشین سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین

خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کاکی چشتی رح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یا اللہ بخش

جام شراب الفت آنا کہ بر کشید ند | باز ند جاں ببازی گری گر آید

چراغ دان مزار مبارک حضرت قطب الاقطاب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ

گذرا بندہ خاکسار رسوا رمرزا معافیہ اثر دہلوی ۲۳ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ
فدا حسین سنگ تراش
اکبرآبادی

آپ کے سرہانے ایک اور وسیع احاطہ ہے اس میں بھی متعدد قبور بزرگان دین اور آپ ہی کے معتقدین کی ہیں۔ اس احاطے میں بڑے بڑے چار درخت کھرنی کے بہت پرانے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے لگائے ہوئے ہیں بہرحال ہیں بہت پرانے۔ ان کا گھنا سایہ گرمی میں بڑا لطف دیتا ہوگا۔

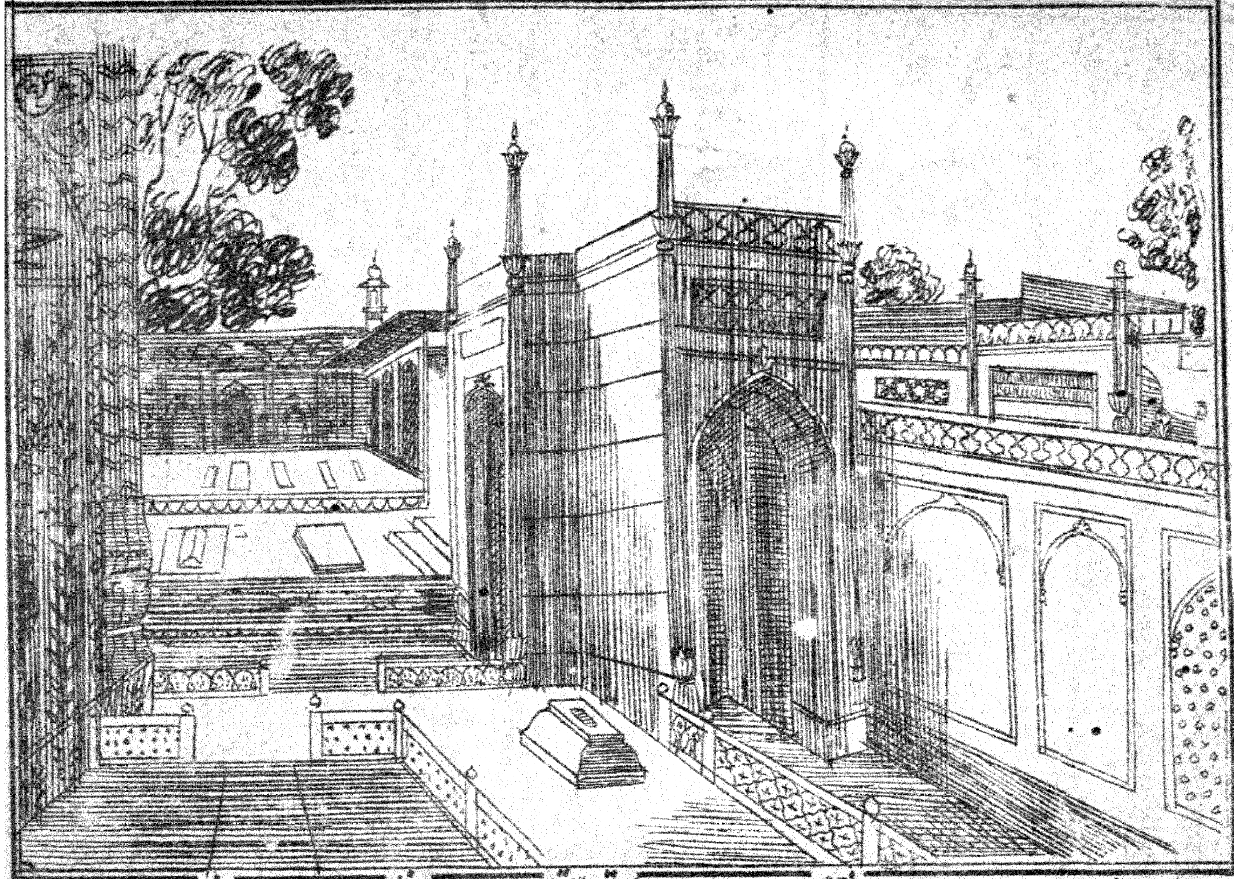
دروازہ متصل مجلس خانہ
۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء

۹۴۸ھ ۱۵۴۱ء میں بزمان سلطنت شیر شاہ خلیل الله[1] نامی ایک بڑے امیر وقت نے آپ کی قبر کے اطراف ایک وسیع احاطہ کھنچوایا اور شمال کی طرف ایک دروازہ بنوا کر یہ کتبہ نصب کیا:- (اشعار بر دروازہ متصل مجلس خانہ)

در زمان آفتاب چرخ دولت شیر شاہ	شاہ را برباب کوکب موکب گردوں غلام
ایں عظیم القدر درگاہے کہ اندر باب او	صادق آمد قول ہذا الباب من دار السلام
بود بست و چار و نہصد سال از ہجرت کہ شد	از اہتمام شیخ دیں پرور خلیل الحق تمام

اب یہ دروازہ **بسنتی دروازہ** کہلاتا ہے۔ دروازہ تو کچھ بڑا عالی شان نہیں ہے۔ اسی دروازے سے بسنت چڑھتی ہے اس سبب سے یہ نام مشہور ہو گیا۔ ۱۲ و ۱۴ ربیع الاول کو بزمان عرس شریف غلاف خوشبوئیں وغیرہ اسی دروازے سے چڑھتی ہیں۔ اسی دروازے کے پاس **سماع خانے** کی قدیم عمارت تھی جو اب شکستہ ہو کر سوائے وسیع احاطے اور ایک شاندار گنبددار دروازے کے کچھ باقی نہیں رہا۔ اس احاطے میں اب صرف قبریں ہی قبریں ہیں بسنتی دروازے میں سے ایک چالیس گز لمبی گلی چلی گئی ہے جو مکانوں کی چھپیت کی دیواروں اور صحن درگاہ کی دیواروں سے بن گئی ہے۔ اس گلی کے سرے پر چھ سیڑھیاں چڑھ کر مولنا فخر الدین کے دروازے میں ہم داخل ہوتے ہیں۔ آپ شاہ عالم کے زمانے کے ایک بڑے امیر تھے۔ اس دروازے کے ایک جانب تین اور دوسری طرف ایک حجرہ ہے جو خدام

[1] مبارک پور کوٹلے کے معافی دار تھے۔ ۱۲



۱ دروازۂ اندرون ۲ دروازۂ بیرون

نقشہ سہ دروازہای درگاہ حضرت خواجہ قطب الاقطاب مع مزار مولانا فخر الدین

۳ مزار مولانا فخر الدین

کے رہنے کے لیئے بنے ہوئے ہیں۔

دروازہ جانب احاطہ ملا موج
۹۵۹ھ ۱۵۵۱ء

دس برس بعد سلیم شاہ کے عہد میں یوسف خاں نے ایک اور دروازہ ۹۵۹ھ ۱۵۵۱ء میں بنوایا جواب صدر دروازہ ہی اور جس پر یہ کتبہ ہی۔

اشعار بر دروازہ جانب احاطہ ملا موج

در زمان شہ جہان اسلام	شد بلندی در سپہر جناب
گرچہ صد ہست باب جنت را	لیس باب بمثل ہذا الباب
کرد قصے بنا کہ در بابش	یوسف ثانی از حق است خطاب
چوں ز تاریخ نام کردم عرض	گفت "درگاہ خواجہ اقطاب"

اس دروازے کا نام مالن دروازہ مشہور ہی جو درگاہ کی مشرق جانب تھا۔ مالن دروازہ اس سبب سے کہلاتا تھا کہ ادھر سے کوئی مالن پھول اور چادر وغیرہ چڑھانے آیا کرتی تھی۔ اب یہ دروازہ گر گیا ہی اس سبب سے یہ کتبہ یہاں سے نکال کر صحن مسجد کے سامنے جو تین حجرے توشے خانے کے بنے ہوئے ہیں اُن میں سے بیچ والے حجرے کی پیشانی پر لگا دیا ہی۔

نوابان جھجر کی ہڑوار

بستی دروازے میں داخل ہونے کے بعد سیدھے ہاتھ کی طرف مجلس خانے کے دروازے کے ملحق ایک احاطہ ۷۵×۸۵ کا ہی جو جھجر کے نوابوں کی ہڑوار ہی۔ اس احاطے کے اندر مغرب میں ایک چھوٹی سی تین دروں کی مسجد ہی اسی کے صحن میں یہ ہڑوار ہی۔ اسی احاطے میں مسجد کی پشت پر ایک مکان تین در اور دو کوٹھریوں کا ہی جس کے صحن میں ایک برجی بھی بنی ہوئی ہی۔ صحن مسجد کے مشرق میں سنگ مرمر کے دو نفیس چبوترے ہیں۔ دونوں ۱۰'×۱۰'۔۳" طول و عرض میں اور دو فیٹ اونچے ہیں۔ دوسرے چبوترے کے گرد سنگ مرمر کا ایک جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہی۔ پہلے چبوترے پر دو قبریں ہیں ایک جھجر کے پہلے نواب نجابت علی صاحب کی اور دوسری اُن کی بیوی کی۔ یہ

نجابت علی وہ ہیں جن کو لارڈ لیک کے زمانے میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ دوسرے چبوترے پر نجابت علی خاں کے صاحبزادے میر فیض محمد خاں کی قبر ہے جس پر سنگ مرمر کی لوح پر بہ خط نستعلیق نہایت خوش خط یہ کتبہ ہے:۔

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

نواب چوں گذشت ازیں ایرماں سرائے ۔۔۔ از جوشش درد و غم ہمہ عالم بہم زدم
تاریخ رحلتش سر لوح مزار او ۔۔۔ آرام گاہ فیض محمد الم زدم

اس قبر کی داہنی طرف ایک اور سنگ مرمر کی ایسی ہی قبر ہے مگر اُس کے گرد نہ کٹہرا ہے نہ لوح۔ یہ قبر میر فیض علی خاں کی ہے جو نواب عبد الرحمٰن خاں جھجر کے آخری نواب کے والد تھے۔ عبد الرحمٰن خاں کو ۱۸۵۷ء کے غدر میں بعلت بغاوت پھانسی دی گئی تھی جن کی نعش کو سرکار نے اُن کی ہڈواڑے میں دفن کرا دیا اس کے علاوہ اس احاطے میں اور بہت سی قبریں ہیں۔ صحن مسجد سے شروع کریں تو پہلی لین میں تین قبریں ہیں (۱) چبوترا اور قبر سنگ مرمر۔ (۲) سنگ سرخ کی۔ (۳) ایک پست قبر گچ کی دوسری لین (۱) سنگ سرخ کے چبوترے پر دو قبریں سنگ مرمر کی۔ دوسرا چبوترا سنگ مرمر اُس پر دو قبریں جس میں ایک سنگ مرمر کی ہے۔ ان دونوں چبوتروں کے بیچ میں ایک زمین دوز قبر۔ تیسرا چبوترا سنگ سرخ کا اُس پر ایک قبر۔ تیسری لین صحن مسجد پر ایک قبر گچ کی صحن سے اُتر کر تین چبوترے سنگ مرمر کے ہیں جن پر نوابان جھجر کی قبریں ہیں اسی لین میں چوتھی قبر گچ کی ہے اور پانچویں قبر سنگ مرمر کی سنگ سرخ کے چبوترے پر ہے۔ چوتھی لین۔ سات قبریں پانچویں لین۔ چار پختہ دو خام قبریں۔ اس لین کی کونے والی قبر پر جو گچ کی ہے یہ لوح لگی ہوئی ہے:۔

ہو القیوم

فرشتہ خصلت و عصمت پناہ و مرتبت عالی
ہوئی واصل بحق از حکم رب پاک بیہمتا
جو پوچھا پاس سن رضواں سے امسکا ز سر بخشش
زہی جنت میں ممتاز النسا گئی بولا

سنہ ۱۳۰۹

یہ احاطہ پتھر چونے کا ہے۔ احاطہ کے بیچ میں نیم کا ایک بہت پرانا درخت ہے۔

شاکر خاں کا دروازہ
سنہ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء

مولٰنا فخر الدین کے دروازے کے اندر داخل ہوتے ہی پہلے تو ایک کھلا ہوا پتھر کے صحن کا فرش ملتا ہے جس کے آگے کوئی بیس گز کے فاصلے سے ایک اونچی دیوار میں ایک دروازہ نصب ہے اور داہنی طرف ایک اور محراب دار دروازہ ہے جس کو سنہ ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء میں بعہد شاہ عالم بہادر شاکر خاں نے بنوایا۔ اب یہ دروازہ بادشاہی دروازہ اس وجہ سے کہلاتا ہے کہ بادشاہی دروازے کے پاس ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ اس دروازے کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے:۔

اشعار بر دروازۂ غربی

خلقے کہ دریں گنج سعادت می رفت — آخر گہر نثار شاکر خاں سفت

گفتم چہ نویسیم رقم تاریخش — رضواں بدر اسرار در جنت گفت

خواجہ نور المخاطب بہ معتمد خاں کی قبر
سنہ ۱۰۸۴ھ

شاکر خاں کے دروازے کی داہنی جانب محراب دار دروازے میں داخل ہونے سے اول ایک دوسرا احاطہ ۵۴ x ۵۴ فٹ ہے۔ جس کی چار دیواری سنگ سرخ کی دس فٹ بلند ہے جس کے اوپر دو فٹ اونچا اور کنگورا بھی ہے۔ سر تھیافلس مٹکاف کی قبر جو دہلی کے سینٹ جیمس کے گرجا میں بنی ہوئی ہے کہتے ہیں کہ اس کا تعویذ پہلے جھجر کے نواب نے اپنے لیے خریدا تھا مگر ۱۸۵۷ء کے غدر سے معاملہ درہم برہم ہو گیا اور ایک مسلمان کی قبر کا تعویذ انگریز کی قبر پر نصب کر دیا گیا۔ اس احاطے میں اب معتمد خاں کی قبر ہے جو اورنگ زیب کے عہد کا ایک خواجہ سرا تھا جس کا اصلی نام خواجہ نور تھا جو قلعہ جات گوالیار و آگرے کا قلعہ دار بھی تھا۔ اس احاطے کے دروازے کی پیشانی پر سنگ مرمر کی ایک تختی پر ایک ایک مصرعہ بخط نستعلیق نہایت خوش خط کندہ ہے کل دس تختیاں ہیں۔

بعہد مظہر حق شاہ عالمگیر محی الدین — کہ از کشش بعہد است پاشد النبی مدجانی

گزیدہ معتمد خاں خاکپائے شاہ قطب الدین — کہ از [illegible]

زنور قبر تشش ہر کس تجلی یاب می گردد　شود حشر از جمال جبہ این چون ماہ نورانی
الٰہی بس عفو کن یارب زمین قرب آندامش　منور ساز روشن راز نور قطب ربانی
سوال سال تعمیرش چو از گردوں بیاں کردم　جواب آمد الٰہی عاقبت مسعود گردانی

اس قبر کا تعویذ بالکل سادا سودا سنگ مرمر کا تین فٹ اونچا اور تین فٹ اونچے چبوترے پر ہی۔ اس احاطے کے مغرب جانب پانچ دروں کی ایک مسجد ہی جو ۲۹ فٹ لمبی اور ۸ فٹ چوڑی ہی جس کے صحن میں پتھر کا فرش ہی صحن ۵ ½ فٹ چوڑا ہی۔ اس احاطے میں اور چار قبریں شاہزادہ مرزا الٰہی بخش صاحب کے خاندان کی ہیں۔ جو مرزا شریا جاہ کے والد تھے اس احاطے کے اندر بیچوں بیچ میں ایک بہت پرانا نیم کا درخت ہی جو قبروں پر سایہ کیئے ہوئے ہی۔

مراد بخش کا مجحر سنہ ۱۲۱۵ھ

بادشاہی دروازے کے پاس یہ مجحر ۳۶ ½ × ۲۶ ½ ہی جس کے اطراف سنگ سرخ کی جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ مجحر کے اندر چھوٹی سی سہ دری اور ایک مختصر سی خانقاہ وہ بھی سہ دری بنی ہوئی ہی۔ اس خانقاہ میں ایک حجرہ بھی ہی۔ مجحر کے اندر چار قبریں ہیں جن میں سے ایک سنگ مرمر کی ہی۔ دو قبریں سنگ مرمر کے تعویذ کی ایک سنگ سرخ کے کٹہرے کے اندر ہیں جس کا چبوترا سنگ مرمر کا ہی۔

اس مجحر کے رو کار پر یہ کتبہ ہی:۔

غوث الاعظم	اللہ و محمد علے فاطمہ حسن و حسین علیہ السلام	پیر دستگیر
تاریخ ز عقل چون بجستم گفت این سجد و خانقاہ او کرد بنا ۱۲۱۵	تعمیر نمود خانقاہ و مسجد پیش درگاہ قطب دین و دنیا	در عہد جہاں پناہ شاہ عالم صد شکر مراد بخش با صدق و صفا

مراد بخش کے مجحر کے پاس ایک پختہ حوض ۲۵ مربع چار فیٹ عمیق بیچ میں فوارہ بندش سنگ سرخ کی ہی۔ کہتے ہیں کہ جب بادشاہ زیارت کو تشریف لاتے تھے تو اسی حوض ... وضو ... درگاہ ... میں داخل ہوتے تھے۔

... [illegible]

گل چشم خاں کی مسجد

مراد بخش کے مجرے سے ذرا آگے بڑھ کر گل چشم خاں کی مسجد ۳۰ فٹ ۲ انچ × ۱۶ فٹ ۲ انچ باہر سے ہے۔ دالان کا عرض ۱۱ فٹ ہے اس میں کوئی خاص بات نہیں۔

مولٰنا فخر الدین کا مزار ۱۱۹۹ھ

معتمد خاں کے احاطے کی بائیں جانب دروازے کے اندر ۵ گز لمبی اور چھ فیٹ چوڑی ایک ڈھلوان گلی ہے جس کا ڈھلاؤ شمال سے جنوب کی طرف پورے چار فیٹ کا ہے۔ داہنی جانب قطب صاحب کے مزار مبارک کے احاطے کی سنگ مرمر کی دیوار ہے اور بائیں طرف حضرت کی مسجد کی پشت کی دیوار ہے۔ اس گلی کے سرے پر ایک سنگ مرمر کا دروازہ ہے جس کی سیدھی جانب **مولٰنا فخر الدین** کا مزار ہے آپ مولٰنا **نظام الدین** اورنگ آبادی کے صاحب زادے اور خلیفہ ہیں آپ کی ولادت ۱۱۲۶ھ میں بمقام **اورنگ آباد دکن** ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب **شیخ شہاب الدین** سہروردی تک پہونچتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ **سید محمد گیسو دراز** کی اولاد میں سے ہیں جن کا مزار پر انوار **گلبرگہ شریف** میں ہے۔ آپ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے مگر پھر دلی میں آن بسے۔ تحصیل علوم الٰہی کے بعد یاد الٰہی میں قدم بڑھایا۔ سر گروہ کاملین میں سے ہوئے۔ تہتر سال کی عمر میں ۲۷ جمادی الثانیہ ۱۱۹۹ھ کو انتقال کیا۔ آپ کی قبر زیر سماء ہے۔ چبوترا سنگ مرمر کا ۱۵ فٹ ۱ انچ × ۸ فٹ ۱۰ انچ اور ڈھائی فیٹ اونچا ہے جس کے گرد نہایت خوب صورت جالی دار کٹہرا ایک فٹ اونچا ہے۔ آپ کے مزار کے سرہانے یہ کتبہ ہے:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ اللہم صلی علی محمد و علی آل محمد

بگذاشت فخر دیں چوں جہاں سرے فانی	بر آستانہ جاداوآں قطب جاودانی
سال وصال آں ماہ از غیب چوں بجستم	تاریخ گفت ہاتف خورشید دو جہانی

۱۱۹۹

من کلام سید اللہ المقبول الٰہی ۱۲۲۲ھ

آپ ہی کی چبوترے پر ایک چھوٹی سی قبر **سلطان التارکین شمس الدین التمش** کے بیٹے کی ہے جس کا تعویذ ۱ فٹ ۱۰ انچ اور نو انچہ اونچا ہے۔ مولٰنا فخر الدین کے چبوترے کی پائنتی ایک ستون سنگ مرمر کا بطور لالٹین کے تھم کے نواب **علاء الدین خاں صاحب**

مرحوم رئیس لوہارو نے بنوادیا ہے جس پر دو طرف قطب زین فخر صاحب[۱۱۹۹] شمع مزار عاشق صادق کندہ ہے اور اسی کے جوڑ کا ایک اور ستون ہے اُس پر چراغدان لحد[۱۲۲۴] - مینو مقام فخر الدولہ[۱۲۲۳] کندہ ہے - یہ دونوں ستون مولٰنا فخر کے سنگ مرمر کے دروازے کے دونوں طرف ہیں -

دو اور مزار

مولٰنا فخر الدین رح کے مزار کے سراہنے یہ دو مزار اور ہیں :-
(۱) شیخ حسین دانا رح - (۲) شیخ اللہ دیا رح -

مولٰنا فخر الدین کے احاطے میں اور خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ کے درگاہ کے احاطے میں بہت سے اولیا و کاملین اور رؤسائے عظام اور عقیدت مندوں کی قبریں ہیں جن کی کیفیت خدام درگاہ سے معلوم ہو سکتی ہے -

سماع خانہ

درگاہ شریف کی مسجد کے قریب - ضابطہ خاں کا بنوایا ہوا ہے اگر یہ صحیح ہے تو ضابطہ خاں نے ۱۷۸۵ء میں انتقال کیا ہے یہی زمانہ اس سماع خانے کی تعمیر کا سمجھیے - یہ ایک تین در کا دالان ہے ۷ گز - ۹ × ۱۶½ - محرابیں بنگڑی دار ہیں - سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے مگر چھت چوبی کڑیوں کی ہے چھت کے چاروں طرف چوکون برجیاں ہیں - سامنے بڑا لمبا چوڑا صحن ہے جو سارا قبروں سے پٹا پڑا ہے - اسی صحن میں داؤد خاں کی بڑی بھاری باؤلی ہے جس کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا -

ضابطہ خاں کی قبر

فرخ سیر کے پہلے سنگ مرمر کے دروازے سے گزرنے کے بعد سیدھی جانب کوئی دس گز کے فاصلے پر بہت سی قبریں ہیں اُن سے اور ذرا آگے بڑھ کر یعنی سماع خانے کے دالان سے ملا ہوا سامنے والا ایک سنگ مرمر کا چبوترا ۱۱½ × ۱۱ گز اور دو فیٹ اونچا ہے جس کے گرد ایک خوب صورت کٹہرا ہے چبوترے پر ایک پرانا اور گھنا نیم کا درخت ہے جو قبروں پر سایہ فگن ہے - اس چبوترے پر سنگ مرمر کی دو خوب صورت قبریں برابر برابر ہیں جن کے تعویذوں پر علاوہ نقاشی کے کل من علیہا فان اور کلمہ اور گرد آیۃ الکرسی منقوش ہے - مردانی قبر ضابطہ خاں کی ہے اور زنانی اُس کی بیوی معصومہ بیگم کی ہے - یہ وہی ضابطہ خاں ہیں جو سلطنت مغلیہ کے قلع قمع کے بانی مبانی تھے اور جن کے صاحب زادے غلام قادر خاں تھے جو مفسدہ پردازی میں اپنے

باپ سے کئی ہاتھ بڑھے ہوئے تھے۔ ؎

زناپاک زادہ نداری امید — کہ زنگی بشستن نگردد سفید
پرستارزادہ نیاید بکار — اگرچہ بود زادۂ شہریار

سماع خانے کے صحن کی دوسری قبریں

پہلی قبر جو باؤلی کی طرف ہے اُس پر یہ کتبہ ہے۔ بسم اللہ۔ کلمہ۔ تاریخ وفات ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۹۲ھ ہجری بروز یکشنبہ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۷۶ء عبدہ نواب محمد کلہ خاں قوم غازی سکنۂ ڈیرہ اسمٰعیل خاں

(۲) کرد رحلت زگیتی گزراں — خان دیں دار حافظ قرآں
گفت سال وصال او ہاتف — بود مقبول حق جواہر خاں

(۳ و ۴) عارف جان و قاسم جان دونوں بھائیوں کی قبریں ہیں۔ یہ قاسم جان وہی تھے جن کی گلی دلّی میں مشہور ہے۔

(۵) جناب حافظ حکیم اجمل خاں صاحب حاذق الملک کے جد امجد کی قبر ہے جس پر یہ کتبہ ہے
ھوالحکیم۔ ھذا مرقد اشرف الحکماء × محمد شریف خاں الدھلوی × دخل الجنۃ بلا حساب
۱۲۱۶ھ

(۶) نواب محلدار خاں کی قبر جن کا باغ دلّی میں مشہور ہے۔

(۷) شیخ حسین فیروز رحمۃ اللہ علیہ۔ مشہور ہے کہ قحط کے دنوں میں مٹی کی گولیاں بانٹا کرتے تھے جو موتی ہوجاتی تھیں۔

نواب علاء الدین خاں کی ہڑوار

یہ قطعہ ایک حصہ ہے مرزا بابر کی کوٹھی کا جو لوہارو کے نواب علاء الدین خاں صاحب نے خرید لیا تھا اس کے احاطے میں کئی قبریں ہیں۔

(۱) ھوالغفور ۱۳۲۵ھ سید مخدوم علی بہ مرد معروف ۱۳۲۷ھ۔

(۲) ھوالغفورالرحیم۔ مدفن۔ مرزا سعیدالدین احمد خاں طالب ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۲۷ھ ہجری یوم یکشنبہ۔

(۳) مدفن امین الدین احمد خاں بہادر ۱۲۸۶ء۔ تعویذ پر کل من علیہا فان اور کلمہ گرد آیۃ الکرسی۔

(۴) چوں ضیاء الدین احمد خاں کشید — رفت از دنیا سوئے دارالسلام
گفت ہاتف ماہئی سال وفات — روز شنبہ سیزدہ شہر صیام
۱۳۰۲

سرہانے یاحی یاقیوم یاذوالجلال والاکرام قائلہ وکاتبہ محمد رضی الدین دہلوی۔
اس احاطے میں کل سات قبریں ہیں جن میں چار سنگ مرمر کی ہیں باقی معمولی۔ یہاں ایک سہ درہ بنا ہوا ہے جس کے محرابیں بنگڑی دار ہیں۔ کچھ قبریں سہ درے میں ہیں کچھ اُس کے سامنے کے صحن میں۔

فرخ سیر بادشاہ کا دروازہ
سنہ ۱۱۲۹ھ

فرخ سیر بادشاہ نے مزار مبارک کے گرد سنگ مرمر کی جالیاں اور سنگ مرمر کا دروازہ بنوایا جس کے اندر باہر یہ اشعار کندہ ہیں:۔

کتبہ اندرون دروازہ۔ اللہ محمد ابی بکر عمر عثمان علی

باہتمام کمترین غلامان	ازسعی کمترین غلامان شہریار	بااعتقاد معتقد کامل العیار	اتمام یافت
[illegible]	رفتند قدسیان بدیار بہشت عدن	تاریخ یافتند حصار بہشت عدن	[illegible]
ستقلان فرخ شاہی			راقم عبدالرشید شیر رقم

کتبہ بیرون دروازہ اللہ محمد ابوبکر عمر عثمان علی

ازحکم بادشاہ جہاں خسرو انام ۔۔۔ فرخ سیر شہنشہ نہ آسماں غلام
گرد مزار خواجۂ دیں قطب نہ فلک ۔۔۔ گردد بگرد روضۂ او آدم و ملک
تعمیر شد محجر زیبا و منتظم ۔۔۔ مانند قبلہ اشرف و چوں کعبہ منتظم

صندل کا کٹہرا
سنہ ۱۲۵۲ھ

سنہ ۱۲۵۲ھ میں خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ نے حضرت خواجہ صاحب کے مزار مبارک کے گرد صندل کا ایک کٹہرا ۱۲ فٹ مربع دو فیٹ اونچا لگوادیا تھا اور اس کار خیر سے مفاخرت سرمدی حاصل کی تھی مگر وہ کٹہرا امتداد زمانے سے بوسیدہ ہوجانے سے سرخورشید جاہ بہادر نے اُس کی جگہ سنگ مرمر کا کٹہرا لگوادیا جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔

قاضی حمید الدین ناگوری کا مزار
سنہ ۶۷۳ھ

خواجہ صاحب کے مزار مبارک کے پائینتی قاضی حمید الدین ناگوری کی تربت ہے۔ نام آپ کا محمد اور باپ کا نام عطا تھا آپ بخارا کے

رہنے والے تھے۔ آپ بڑے عالم اور مشائخ وقت تھے۔ اول آپ کو شیخ شہاب الدین سہروردی اور میر شمس الدین سمرقندی سے فیض خلافت حاصل تھا اور ایک سال دو مہینے مدینہ منورہ میں رہے پھر حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہے۔ بعد وفات خواجہ صاحب کے سنہ ۶۷۴ھ میں آپ نے انتقال فرمایا آپ کے لوح مزار پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

"ہذا مرقد المنور قطب الاولیا فی الآفاق وغوث الاتقیا بالاستحقاق الامام العالم العامل الولی الفاضل الکامل شیخ حمید الدین نور اللہ مرقدہ المنورہ عمرہ الروضہ خادم الفقرا سلیمان بن شیخ بھیکہ سنۃ اربع وسبعین سبعمائۃ وفات حضرت شیخ المحققین م قطب العارفین شاکر بارگاہ قدس وطائف کعبہ انس دو دریائے حقیقت جوہر کان طریقت حضرت محمد محمود حمید بندگی شیخ محمد حمید نور اللہ مرقدہٗ در شب دوشنبہ یازدہم ماہ رمضان فی الحمد ذلک اللیل جار الشمس سنہ ۷۹۵ھ"

باندے کے نوابوں کی ہڑوار

غربی دروازے سے کوئی تیس فٹ کے فصل سے داہنی طرف قطب صاحب کی درگاہ کے احاطے کی جنوبی دیوار ہے جو سنگ مرمر کی ہے جس میں تین جالیاں ہیں۔ دوسرے سنگ مرمر کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے بائیں جانب نواب صاحب باندے کا مجھر ہے جس میں سنگ مرمر کی چار اور سنگ باسی کی ایک قبر ہے۔ باندے کے نوابوں کی یہی ہڑوار تھی لیکن غدر کے بعد سے یہاں دفن کرنا بند کر دیا گیا۔

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کی تعمیر کردہ مسجد

سنگ مرمر کے دوسرے دروازے میں گزرنے کے بعد داہنی طرف سم کو اور ایک احاطہ ملتا ہے جو احاطۂ درگاہ کی مشرقی اور جنوبی دیواروں سے بنا ہے۔ یہ ایک مستطیل احاطہ ۸ ۹ × گز ہے جس کی مغربی دیوار کا سہ ربع حصہ کاشی کام کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے اور باقی دیوار پتھر چونے کی ہے مغربی دیوار کے شمالی کونے میں ایک مسجد ہے۔ اس میں بھی کاشی کام کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں۔

اور لوگ کہتے ہیں کہ جب حضرت فرید گنج شکر تشریف لائے تھے تو آپ ہی نے یہ مسجد بنوائی تھی۔ اس مسجد کے دونوں جانب کے در درمیانی محراب سے ٹھیک فصل پر نہیں بنائے گئے ہیں۔

قطب صاحب کی مسجد

ضابطہ خاں کی قبر سے داہنی طرف چلئے اور اسی گلی کے پختہ فرش پر چلئے جس کا ذکر اوپر آچکا ہے تو قطب صاحب کی مسجد ملے گی جو آپ کی درگاہ کی جالیوں کے پاس ہے کہ قدر و منزلت میں ہم پایہ بیت المقدس ہے اور فیض و برکت میں بے شک خانۂ خدا ہے۔ یہ مسجد ۳۳ × ۲۱ فٹ ہے جس کے تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ دو محرابوں کا کچا تھا یعنی صرف مٹی کا۔ اس حصے کو خود جناب حضرت قطب الاقطاب نے مع اپنے ہمراہیوں کے کہ ہر ایک ولی کامل اور شیر بیشۂ زہد و تقویٰ تھا بنایا تھا۔ ۹۵۸ھ ۱۵۵۱ء میں **اسلام شاہ** نے اس درگاہ کے گرد چار دیواری بنوائی اسی کے ساتھ اس کچے درجے کے آگے پختہ درجہ بنا دیا۔ اس کے بعد **فرخ سیر** نے ۱۱۳۰ھ ۱۷۱۷ء میں جس زمانے میں درگاہ کے گرد سنگ مرمر کا مجھر اور دروازہ بنوایا اسی زمانے میں مسجد کے آگے بھی ایک اور درجہ بنا دیا۔ پس یہ تیسرا درجہ فرخ سیر کا بنوایا ہوا ہے جس پر یہ تاریخ کندہ ہے:۔

خسرو فرخ سیر شاہنشہ مالک رقاب	مورد لطف و عنایات شہ والا جناب
مسجد زیبا بنا و سجدہ گاہ شیخ و شاب	ساخت از روے ارادت وز رسوخ اعتقاد
سال تاریخ بنائش "بیت ربی مستجاب" ۱۱۳۰ھ	باسروش غیب ہاتف گفت در گوش خرد

باہتمام کمترین ......

موجودہ حالت اس مسجد کی بوجہ ترمیم کے بالکل نئی ہوگئی ہے پہلی حالت صرف اس قدر باقی ہے کہ پہلا حصہ جو خام تھا اس کا صرف ایک چھوٹا سا در باقی ہے جو بجنسہ تبرکاً قائم رکھا گیا ہے۔ اس کے آگے دالان در دالان ہے پھر (۵۰) لمبا اور ۱۸ چوڑا صحن ہے جس سے ملے ہوئے تین حجرے بطور سٹور روم کے ہیں جس میں درگاہ شریف کا سامان شامیانے وغیرہ رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ حجرے خانخاناں کے بنوائے ہوئے ہیں چنانچہ جنوب کی طرف کے حجرے میں اُن کی

سا ایک وہ تھے جنھوں نے خانۂ خدا بنایا ایک یہ ہیں جنھوں نے بنانے والے کے نام کو ہی عمداً اکھڑوا دیا۔ رشک و حسد نے گوارا نہ کیا کہ اس بے چارے کا نام بھی نہ رہنے پائے۔ ۱۲

بھی ہے۔ اور انھیں حجروں میں سے درمیانی حجرے کی پیشانی پر مالن دروازے کا کتبہ لاکر لگا دیا گیا ہے کیوں کہ مالن دروازہ اب رہا ہی نہیں۔

صحن مسجد کی قبور

(۱) شیخ نظام الدین ابوالمؤید رحمۃ اللہ علیہ
از مشاہیر بزرگان است در زمان سلطان شمس الدین بعام خواجہ قطب الدین شیخ نظام الدین اولیا نیز اور ادیدہ است۔ میر حسن در فوائد الفوا دمی نویسد کہ بندہ عرضہ داشت کرد کہ شما در تذکیر او وقتے بودید فرمود آرے و لے درآں ایام کودک بودم درک معانی چندانی ہمراہ نبودہ است۔ روزے در تذکیر او رادیدم بر در مسجد نعلین در پائے داشت آنرا از پائے بکشید و بدست گرفت و در مسجد آمد و دوگانہ بگزارد من ہیچ کس را در نماز بہ ہیئت او ندیدہ ام دوگانہ بار احت بگزارد و بالائے منبر رفت مقری بود کہ او را قاسم گفتندے خوش خوان او در آیتے بخواند بعد ازاں شیخ نظام الدین آغاز کرد کہ بخط بابائے خود نوشتہ دیدہ ام ہنوز سخن دیگر نگفتہ بود کہ ایں سخن در حاضران در گرفت ہمہ در گریہ شدند آنگاہ ایں دو مصرع بگفت ؎

برعشق تو و بر تو نظر خواہم کرد جاں در غم تو زیر و زبر خواہم کرد

ایں بگفت و نعرہ ہا از خلق برآمد بعد ازاں دو سہ بار ہمیں دو مصراع بگفت آنگاہ گفت کہ اے مسلمانان دو مصراع دیگر ایں رباعی یادمی آید چہ کنم ایں سخن بر طریق عجز گفت چنانکہ در ہمہ جمع اثر کرد۔ انگاہ قاسم مقری آں دو مصراع یاد داد ؎

پرور دوے بخاک در خواہم شد برعشق سرے زگور بر خواہم کرد

ایں رباعی تمام بگفت و فرود آمد۔ جد شیخ نظام الدین ابوالمؤید را شمس العارفین گویند و شیخ جمال کوتوی کہ مقبرہ او در کول است از اولاد او ست۔

(۲) بی بی سیارہ رحمۃ اللہ علیہا۔ والدۂ شیخ نظام الدین ابوالمؤید بسیار بزرگ بود از متقدمین است۔ وقتے امساک باراں شدہ بود مردم ہمہ دعا کردند و باراں نیامد۔ شیخ رشتہ از دامنی مادر خود بدست گرفت و گفت خداوندا بحرمت آنکہ ایں رشتۂ دامنی ضعیفہ است کہ ہرگز چشم نامحرم بر و نیفتادہ است باراں بفرست۔ از شیخ ایں حرف گفتن و از خدا باراں فرستادن۔ قبر او در پہلوے نمازگاہ کہنہ است کہ قبر حضرت خواجہ قطب الدین پس پشت آں واقع است۔ اب بھی امساک باراں کی حالت میں

آپ کے مزار کو غسل دے کر نیاز دلاتے ہیں اور خداوند تعالی بندوں پر اپنا فضل کرتا ہی

بی بی حنبل کا مزار

صحن مسجد کے پاس چھوٹے سے احاطے کے اندر ہی۔ احاطے میں ایک چھوٹی سی کھڑکی لگا دی ہی تاکہ لوگ اندر نہ جا سکیں

اس احاطے میں دو زنانی قبریں ہیں۔ ایک میں بی بی حنبل خواجہ صاحب کی دایہ آسودہ ہیں اور دوسری قبر خواجہ صاحب کی بیوی صاحب کی کہی جاتی ہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

احاطۂ اولاد فرخ سیر

یہ بڑا وسیع احاطہ ہی جس میں بارہ قبریں سنگ مرمر کی ہیں اور اُنیس گچ کی۔ ایک قبر پر بسم اللہ کلمہ اور تاریخ وصال مرزا مدو صاحب۔ دخل فی الجنۃ (سنہ ۱۲..) لکھا ہوا ہی۔ باقی قبروں پر آیۃ الکرسی کل من علیہا فان اور کلمۂ طیبہ کے طغرے ہیں۔ ان تمام قبروں میں ایک تعویذ سنگ مرمر کا بہت ہی عمدہ نقش و نگار کا ہی جس پر بڑی نفاست اور دیدہ ریزی کا کام کیا ہی اور اس کے گرد آیۃ الکرسی بھی ایسی خوش خط لکھی ہی کہ دیکھنے کے قابل ہی۔

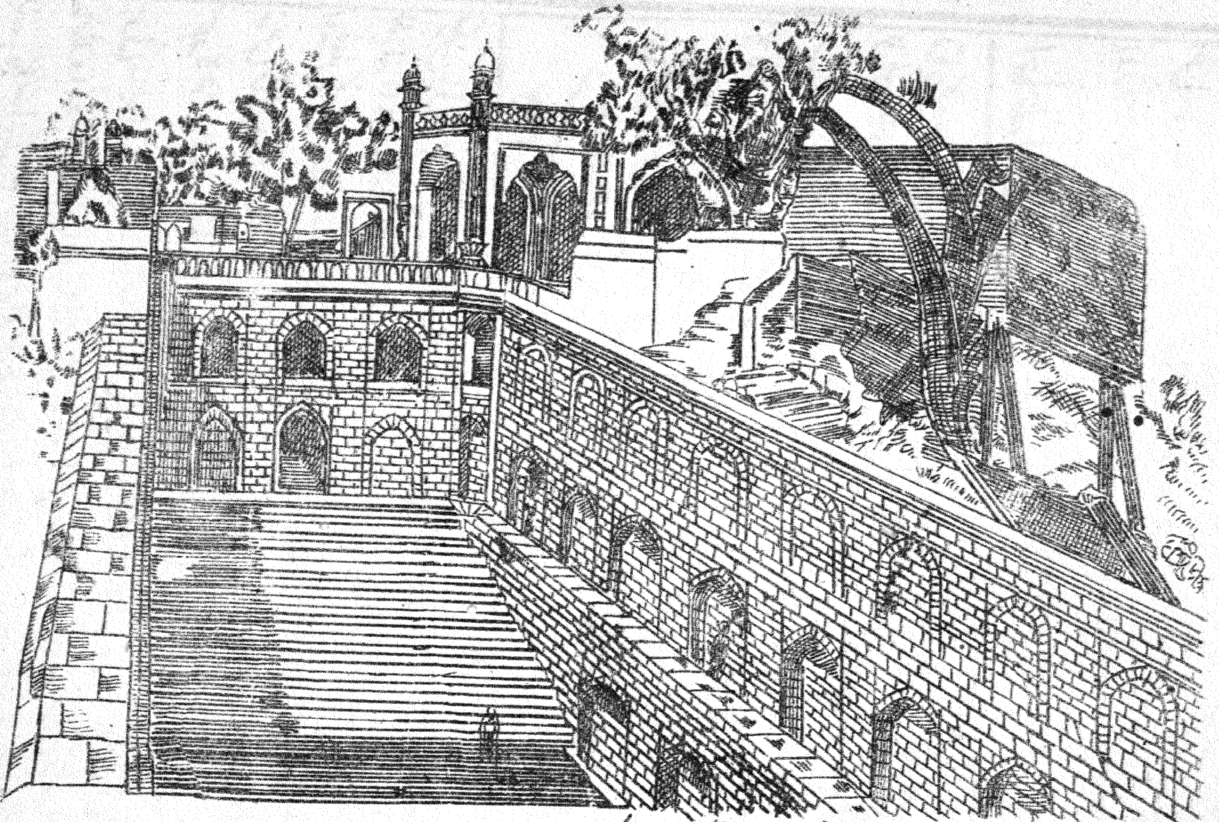
حافظ داؤد کی باؤلی

سنہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۶ء

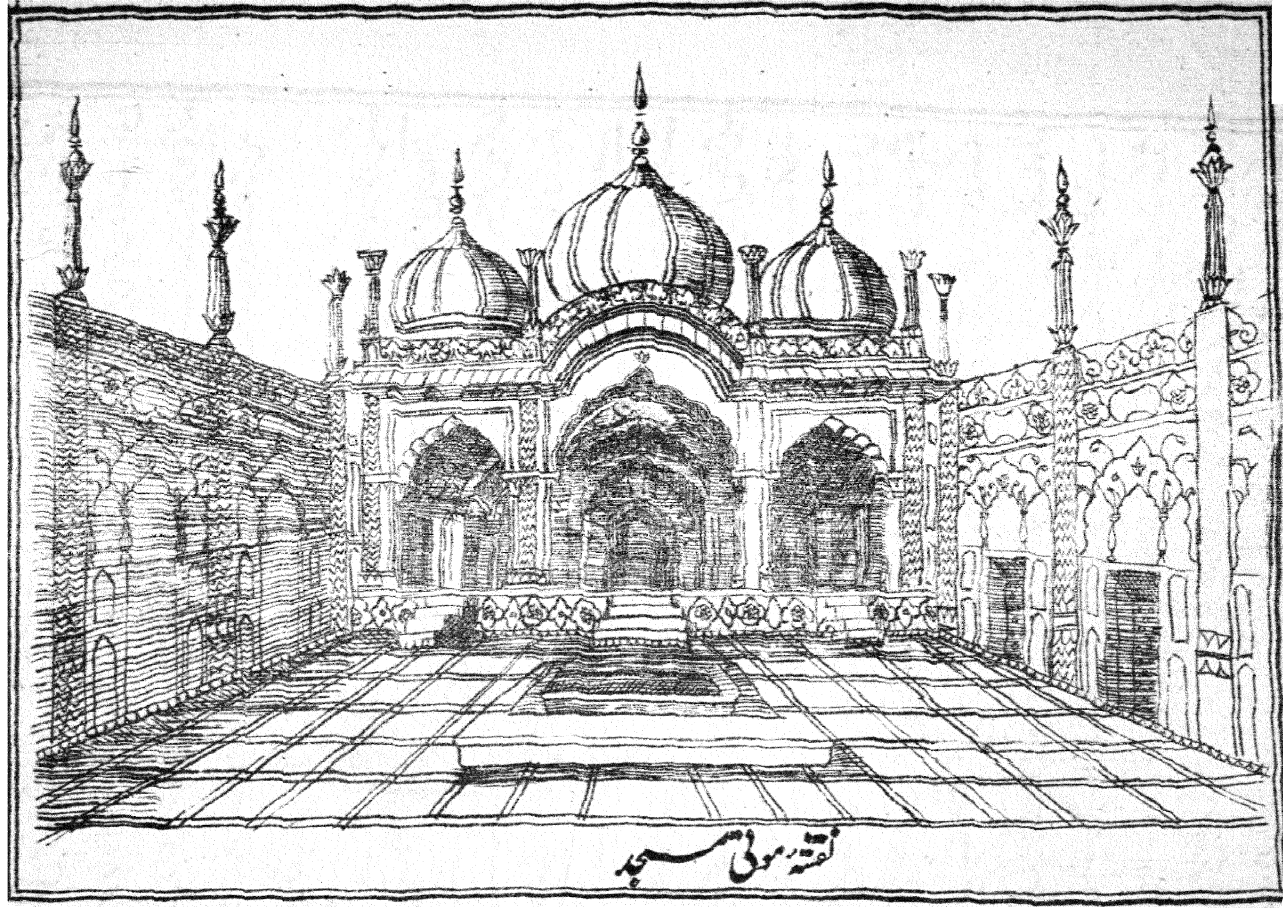
قطب صاحب کی مسجد سے پچیس گز کے فاصلے پر مشرق کی طرف یہ گہری باؤلی ہی۔ اگرچہ مسجد فی نفسہا بے نظیر تھی اور کچھ حاجت مزید خوش نمائی کی نہ تھی۔ ع

حاجت مشاطہ نیست روے دل آرام را

لیکن پانی نہ ہونے سے لوگوں کو بڑی تکلیف تھی اس نظر سے صرف بہ نیت ثواب ندیم الدولہ خلیفۃ الملک حافظ محمد داؤد خاں مستقیم جنگ نے اس مسجد کے پاس اپنی دریا دلی اور فیض بخشی سے بہت عمدہ نفیس دل کشا اور دل ربا باؤلی اور اور اطراف کی عمارات خاص خدام درگاہ کے لیے بنوادیں کہ خلق اللہ کو اُن سے آرام ملے اور یہ باؤلی کیا ہی گویا مسجد کا حوض ہی۔ یہ باؤلی سنہ ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء میں بننی شروع ہوئی اور سنہ ۱۲۶۳ھ ۱۸۴۶ء میں اس کی تعمیر ختم ہوئی۔ یہ باؤلی حضرت نظام الدین اولیا، اور دولت خاں کی باؤلیوں کی طرح کی ہی۔ حافظ داؤد نہایت سخی اور بڑی ہمت والے آدمی تھے اور بڑے صاحب خاندان جن کے نسب کا سلسلہ حضرت امام ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تک پہنچتا تھا اور اُن کے آبا و اجداد ہمیشہ سے خاندان شاہی میں معزز و ممتاز رہے۔ بہادر شاہ آخری بادشاہ دہلی نے انھیں کے والد حافظ محمد خلیل سے استفادۂ کلام مجید کیا تھا۔ ان کو دربار حضوری میں



نقشہ مسجد درگاہ مع باؤلی



نقشہ موتی مسجد

بڑا درجہ تقرب حاصل تھا اور وہ خدمت داروغگی نذر و نیاز اور علاقہ خانسامی پر مشرف تھے۔
وہ بڑے بزرگ سراسر خیر مجسم تھے اور ہر دم ہر لحظہ حصولِ ثواب پر نیت مصروف
رہتی تھی۔ یہ باؤلی (۹۶) فیٹ لمبی اور (۴۲) فیٹ چوڑی اور (۷۵) فیٹ گہری ہے۔
اس باؤلی میں عموماً چالیس فیٹ گہرا پانی رہتا ہے اور موسم بارش میں اس سے بھی
زیادہ ہو جاتا ہے۔ باؤلی میں مغرب اور جنوب کی طرف سیڑھیاں ہیں اس وقت پانی
کے اوپر (۱۷) سیڑھیاں تھیں جو تہ تک چلی گئی ہیں۔ مغرب کی طرف صدر دروازہ ہے جس
میں دو منزلہ محراب دار حجرے ہیں جو نو فیٹ اونچے اور سات فیٹ چوڑے ہیں۔
جن کی تعداد اور عرض حسب گنجایش مختلف ہے۔

موتی مسجد
۱۱۲۱ھ
۱۷۰۹ء

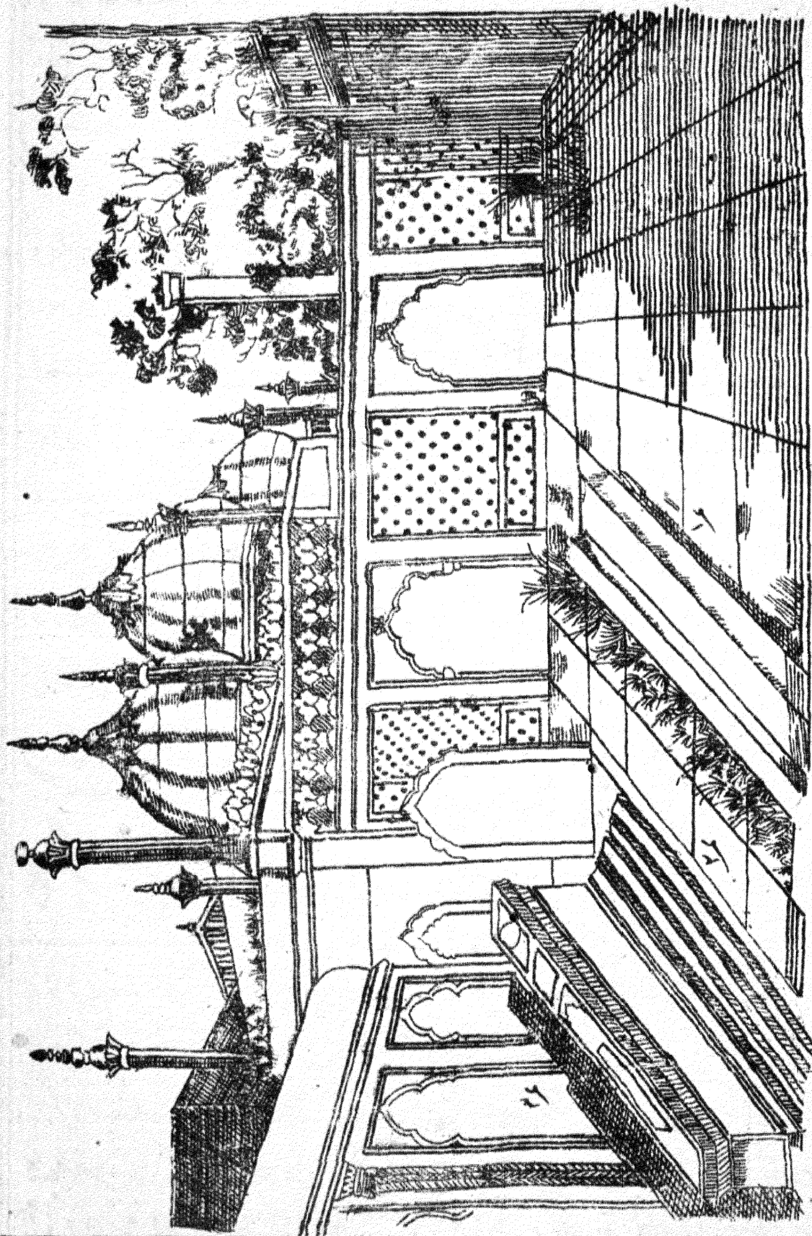
حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ کی شمالی دیوار اور معتمد خاں کے
مزار کی جنوبی دیوار کے درمیان جو رستہ ہے یہاں مغربی دروازے
ہیں سے نکل کر ہم ایک احاطے میں جا پونہچتے ہیں یہیں بائیں
ہاتھ کی طرف موتی مسجد ہے جس کو محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ فرزند
اورنگ زیب نے ۱۱۲۱ھ ۱۷۰۹ء میں تعمیر کرایا۔ مسجد کے صحن میں سنگ مرمر کے مصلے
ہیں جن پر سنگ موسیٰ کا حاشیہ ہے۔ صحن کا طول و عرض ۴۵ × ۵۵ ہے۔ چبوترا دو فٹ
اونچا ہے۔ مسجد سہ دری ۴۵ × ۱۳ کی ہے۔ مسجد کے دونوں طرف دو حجرے ہیں جن میں
شمالی طرف کا حجرہ جدید بنا ہوا ہے۔ پہلے حجروں کا رستہ مسجد کے اندر سے تھا۔
مسجد تمام سنگ مرمر کی نہایت حسین بنی ہوئی ہے جس میں جا بجا سنگ موسیٰ کی
تحریریں بڑا لطف دیتی ہیں۔ جب بنی ہوگی تو سنگ مرمر بہت شفاف ہوگا
اور اسی وجہ سے موتی مسجد کہلاتی ہے کہ اس کی آب و تاب موتی جیسی تھی۔ مسجد کے
تین گنبد ہیں کمر کی وضع کے نہایت خوب صورت اور سڈول جن پر سنگ موسیٰ
کی عمودی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ جس طرح بیاض چشم میں مردمک سیاہ لطف
دیتی ہے وہی بات ان گنبدوں میں ہے۔ گاؤدم مینار چھ چھ فیٹ اونچے مسجد کے ادھر اُدھر
ہیں اور اسی طرح چھوٹی چھوٹی چار برجیاں نہایت نازک مسجد کی چھت کی دیوار
میں ہیں۔ جن میں سے دو تو دونوں کونوں پر ہیں باقی رہیں دو اُن میں سے بیچ کے
گنبد کے ایک ادھر ایک اُدھر۔ چھت کے گرد نفیس کنگورا ہے۔ میناروں پر نہایت

خوش وضع برجیاں تھیں۔ لیکن پرانی ہو جانے سے گر جانے کا اندیشہ تھا۔ ابوظفر محمد سراج الدین بادشاہ نے ۱۲۶۲ھ ۱۸۴۶ء میں اُترو ا دیں۔ بادشاہ رہے نہیں اور کسی کو توفیق نہ ہوئی جو بنوا دیتا اس وجہ سے مینار یں ٹنڈی مُنڈی معلوم دیتی ہیں۔ شاہ عالم ثانی کے عہد میں اس مسجد کا بیچ کا گنبد بیٹھ گیا تھا اُنھوں نے اُسی وقت ایسی عمدہ مرمت کرادی کہ معلوم بھی نہیں ہوتا۔ اب گنبدوں کے کلس ٹوٹ گئے صرف ایک کونے پر کے گنبد کا کلس رہ گیا ہے۔ مسجد میں اب منبر تک بھی نہ رہا۔ مسجد کی جنوبی دیوار کی طرف پانچ سیڑھیاں چڑھ کر ایک پختہ دروازہ ہے جس کے باہر ایک احاطہ ہے۔ اس احاطے کے مشرقی اور مغربی رُخ پر پختہ دیواریں ہیں اور جنوب کی طرف محراب دار حجرے ہیں۔ شمال کی طرف ایک اور محصور صحن ہے جس میں خاندان سلاطین دہلی کی قبریں ہیں۔ اسی سے ملا ہوا ایک قطعہ اور ہے جس کا حصار ادھورا رہ گیا ہے یہ بیگمات اور دیگر ممبران شاہی کا مدفن ہے اور یہیں شاہ آبادی بیگم صاحبہ اور دیگر ممبران خاندان شاہی کی قبور ہیں۔ احاطۂ شمالی کا فرش سنگ مرمر کا ہے طول و عرض ۱۲۱×۶۔ اس احاطے کی سنگ مرمر کی دیواریں دس فیٹ بلند ہیں احاطے کا دروازہ جنوبی دیوار میں مغرب کے کونے میں ہے۔

شاہ عالم بہادر شاہ کا مجرسہ

۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء

موتی مسجد کے پاس بہت تحفہ اور نفیس یہ مجرہ ہے جو سر سے پاؤں تک سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے ایسا کہ اُس کی آب تاب موتی کی آب کو خاک میں ملاتی ہے اور اُس کی نمائش قصر بہشت پر فوق لے جاتی ہے۔ یہ مجرہ ۱۱۲۴ھ ۱۷۱۲ء میں شاہ عالم بہادر شاہ کے صاحبزادے اور جانشین معزالدین جہاں دار شاہ نے بنوایا جس کا طول و عرض ۱۸×۱۴ ہے اور گرد سنگ مرمر کے دسے اور جالیاں لگی ہوئی ہیں۔ جہاں دار شاہ خود ہمایوں بادشاہ کے مقبرے کے چبوترے پر مدفون ہیں۔ بعد اس کے سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ نے ۱۲۲۱ھ ۱۸۰۶ء میں انتقال کیا وہ بھی اسی مجرہ میں رکھے گئے۔ پھر محمد اکبر شاہ ثانی نے ۱۲۵۳ھ ۱۸۳۷ء میں سفر آخرت اختیار کیا وہ بھی یہیں آسودہ ہیں جن کی تیسری قبر ہے محمد معظم شاہ عالم بہادر شاہ اور نگ زیب بادشاہ کے



فرزند اکبر تھے جو اورنگ زیب کے فرزندان دعوی دار سلطنت میں سب سے زیادہ ممیز ممتاز اور قابل تھے۔ اس بادشاہ نے سکھوں کی خوب خبر لی اور کئی فاش شکستیں دیں اور مرہٹوں کا بھی بخوبی استیصال کیا۔ بہادر شاہ نے عمر طبعی کو پہنچ کر ستر برس چھ مہینے کی عمر میں انتقال کیا۔ قبر کی جالیوں کے اوپر سرہانے کی طرف یہ بیت کندہ ہے ؎

درخور زینت بامر مصطفیٰ
شاہ عالم را بود جنت جزا
غلام حیاتستیہ خالیہ سنہ ۱۱۲۴ھ

اس احاطے میں کل چار قبریں ہیں (۱) اکبر شاہ ثانی (۲) شاہ عالم۔ (۳) خالی۔ (۴) بہادر شاہ پسر عالم گیر ثانی۔ (۵) مرزا فخرو ولی عہد

غرض یہ کہ اسی احاطے میں مرزا فخرو۔ محمد سراج الدین بہادر شاہ ثانی کے ولی عہد کی قبر ہے جنھوں نے ہیضے سے انتقال کیا۔ اس قبر کا تعویذ بھی سنگ مرمر کا ہے جو ۶×۲ ہے جس کے گرد دو فٹ اونچا سنگ مرمر کا کٹہرا ہے۔

شاہ عالم ثانی کی قبر نومبر ۱۸۰۶ء / ۱۲۲۱ھ

یہ قبر ابو المظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ کی ہے جو عالم گیر ثانی کے بیٹے تھے۔ انھیں کے داہنی جانب ان کے بیٹے اکبر شاہ ثانی آسودہ ہیں۔ یہ قبر ۶ فٹ × ۱ فٹ ۸ انچ اور ایک فٹ دو انچ اونچی ہے۔ تعویذ پر کلمۂ طیبہ اور کل من علیہا فان اور اطراف آیات قرآنی منقوش ہیں۔ اس قبر کے سرہانے لوح پر یہ قطعہ کندہ ہے:-

ھو الغفور

و بجیل الجنۃ مثواہ

سنہ ۱۲۲۱ھ

ھو الغفار

شد مہر اوج تاجوری در حضیض خاک — دردا کہ از غبار کسوف از اجل نہاں
یعنی کہ شاہ عالم عالم پناہ کرد — زیں عالم انتقال بہ نزہت گہ جناں
سید نوشت خامۂ معجز طراز من — بیتے کہ سال آں شدت زہر مصرعے عیاں
وی آفتاب روئے زمیں بودہ پیش ازیں — شد آفتاب زیر زمیں آہ وا اسماں

سنہ ۱۲۲۱ھ — از کاتب میر کلن رضوی — سنہ ۱۲۲۱ھ

اکبر شاہ ثانی کی قبر
۱۲۵۳ھ
۱۸۳۷ء

اس احاطے میں سب سے پہلی قبر ابو النصر معین الدین اکبر شاہ ثانی پسر شاہ عالم بہادر شاہ کی ہے۔ اس قبر کا تعویذ سنگ موسیٰ کا ہے۔ یہ تعویذ پہلے قاسم علی ہروی کی قبر کا تھا جس کے پائین میں "وفات خواجہ قاسم علی ہروی" کندہ تھا جو چھیل دیا گیا۔ قبر ۵ فٹ ۱۔ ۲ لمبی اور پانچ انچ اونچی ہے۔ تعویذ پر بسم اللہ اور کلمۂ طیبہ اور بائیں طرف شیخ سعدی کا یہ شعر مثبت کندہ ہے ؎

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود　　وانکہ پائندہ و باقیست خدا خواہد بود

اور تعویذ کی سیدھی طرف یہ شعر ہے:۔ ؎

نیز بداں حضرت غیب ... یم ... دل خویش بند　　بندید تو زہم ..... چونکہ جدا خواہد بود (یا کریم رحیم)

قبر کے سرہانے ۲ فٹ ۲ اونچی اور دو فٹ چوڑی سنگ مرمر کی لوح پر سنگ موسیٰ کی پچیکاری سے بہ خط نسخ یہ قطعہ لکھا ہوا ہے:۔

ھو اللہ العلی الکبیر

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ

شاہ اکبر فروغ بخش جہاں　　منخسف گشت از قضا چوں بدر
پی سال وفات گفت ظفر　　عرش آرامگاہ عالی قدر
۱۲۵۳

سر سید نے یہ قطعہ تاریخ وفات کا کہا ہے اور کیا خوب کہا ہے:

چوں برفت ازجہاں شہ اکبر　　شد سیہ آسماں ز دود جگر
پاے شادی شکست واحمد گفت　　سالِ تاریخ او "وعم اکبر"
۱۲۵۳ھ = ۱۰ - ۱۲۶۳

صفہ سر دابہ

شاہ عالم ثانی اور محمد اکبر شاہ ثانی کی قبروں کے بیچ میں ابو ظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ فرزند اکبر شاہ ثانی کا سردابہ تھا جو اپنے باپ کے جانشین ہوئے اور ساڑھے گیارہ برس سلطنت بھی کی لیکن ۱۸۵۷ء کے غدر نے سب سے بڑا ہاتھ اس معمر بادشاہ پر صاف کیا اور پیری میں اُن کو یہ داغ لگا کہ گھر سے بے گھر۔ قلعہ معلی سے اسی طرح بدر ہوئے

جیسے کہ حضرت آدم جنت سے نکالے گئے۔ وطن سے جلاوطن اور ہندوستان سے باہر رنگون میں جاکر بقیہ زندگی غم والم میں کاٹی اور آخر کار آلام دنیوی سے ۱۸۶۲ء میں نجات ابدی حاصل کی اور یہ جگہ خالی کی خالی ہی۔ مٹی ان کی رنگون کی تھی دتی کی زمین کا پیوند کیسے ہو سکتے تھے اور یہ بات سچ ہوئی کہ

دو چیز آدمی را کشد زور زور — یکے آب و دانہ دوم خاک گور

شاہ آبادی بیگم کی قبر ۱۲۶۳ھ

اس مجسر کے مغرب میں کوئی خانقاہ بنی ہوئی ہے جس کے دالانوں کی چھت گر گئی ہے اس کے صحن میں آٹھ قبریں سنگ مرمر کی ہیں جن میں سے ایک قبر شاہ آبادی بیگم صاحبہ کی ہے جس پر ایک لوح لگی ہوئی ہے باقی کسی قبر پر کتبہ نہیں ہے یا فتاح۔ کلمہ گرد آیۃ الکرسی

شہ آبادی آں ماہ زہرہ جبیں — کہ شد از قضا نعش زیر خاک

بجستیم تاریخ ہاتف بگفت — خرامید در عدن با جان پاک ۱۲۶۳

حضرت خواجہ صاحب کے بعض حالات

آپ بختیار کاکی کے نام سے مشہور ہیں۔ بختیار کا لقب تو آپ کو مرشد کی طرف سے ملا تھا اور کاکی کی وجہ تسمیہ مختلف طور پر بیان کی جاتی ہے۔

سیر الاولیاء میں لکھا ہے کہ آپ کے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا تو آپ کی حرم محترم وقت ضرورت خواجہ شرف الدین بقال کی بیوی سے جو پڑوس میں رہتی تھی اناج وغیرہ قرض لیا کرتی تھیں۔ عورتوں کی جیسی عادت ہوتی ہے ایک دن بقال کی بیوی نے خواجہ صاحب کی زوجہ محترمہ کو طعنہ دیا کہ اگر میں وقتاً فوقتاً تمھاری مدد نہ کرتی تو تمھارا کیا حال ہوتا۔ یہ بات شدہ شدہ خواجہ صاحب کے گوش مبارک تک بھی پہنچی آپ نے اپنی بیوی کو قرض لینے کی قطعی ممانعت کردی اور ارشاد فرمایا کہ یہ جو طاق ہے جس وقت تمیں ضرورت ہو بسم اللہ کرکے اس میں ہاتھ ڈالا کرو اللہ تعالیٰ تم کو دے گا۔ چنانچہ جب آپ ہاتھ ڈالتیں گرم گرم کاک اس طاق میں سے نکلتے اور یہ بھی روایت ہے کہ آپ کے مصلے کے تلے سے بے افراط کاک نکلتے تھے اس واسطے آپ ''کاکی'' مشہور ہوے۔

افضل الفوائد میں لکھا ہے کہ حضرت امیر خسرو نے سلطان المشائخ سے پوچھا کہ حضرت خواجہ صاحب کو کاکی کیوں کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ایک وقت آپ حوض شمسی پر بیٹھے تھے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی آپ کے ارباب نے کہا کہ اس وقت گرم گرم کاک ملیں تو کیا اچھی بات ہو۔ آپ نے فرمایا کیا کرو گے۔ انھوں نے عرض کیا کھائیں گے۔ پس آپ اٹھ کر تالاب کی طرف تشریف لے گئے اور پانی میں سے گرم گرم کاک نکال کر ان لوگوں کے سامنے ڈال دیئے جب سے آپ کاکی مشہور ہو گئے۔

کتاب فردوسیہ میں لکھا ہے کہ ایک دن بادشاہی نان بائی کے کاک جل گئے وہ بےچارہ گھبرا گیا کہ اب کیا کروں کہ اتنے میں حسن اتفاق سے آپ کا گزر اس نان بائی کی دکان پر ہوا آپ نے اسے پریشان دیکھ کر فرمایا۔ ایک بار کیا دیکھتا ہے تو بسم اللہ کر کے تنور میں ہاتھ تو ڈال۔ اس نے جو ہاتھ ڈالا تو اچھے خاصے سرخ سرخ کاک نکلے اور اسی طرح کئی مجالس میں آپ نے آستین جھٹکی تو کاک جھڑنے لگے اور اسی وجہ سے آپ کا نام کاکی مشہور ہو گیا۔

نقل از کتاب سیر الاولیا خواجہ صاحب اور شیخ جلال الدین تبریزی ملتان میں شیخ بہاء الدین ذکریا کے مہمان تھے کہ ایک رات فوج کفار کی ملتان کے قلعے کے نیچے آگئی اور چاہا کہ شہر کو غارت کرے۔ کہ ناصر الدین قباچہ والی ملتان ہر سہ بزرگان کی خدمت میں فوج کفار کے دفعیہ کے لئے آن کر خواستگار دعا ہوا اور بہت بے قراری ظاہر کی۔ اتفاقاً اس وقت خواجہ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا قباچہ کو عنایت کر کے فرمایا کہ اس تیر کو اپنے گھر لے جا کر دشمن کی طرف مارو اس نے ایسا کیا جس وقت وہ تیر فوج کفار میں پڑا ساری کی ساری تتر بتر ہو گئی۔

جواہر فریدی سے منقول ہے کہ جب سلطان شمس الدین کی سخاوت کا آوازہ چار دانگ عالم میں بلند ہوا تو ایران کی طرف سے ایک شاعر ناصری ایک قصیدہ چھپن بیتوں کا بادشاہ کی تعریف میں لکھ کر لایا۔ دلی پہنچ کر اس نے خواجہ صاحب کے تقدس اور کرامات کا حال سنا۔ آپ کے شان میں بھی ایک قصیدہ لکھا اور پہلے حضور کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فاتحہ پڑھی اور کہا جا بہت انعام ملے گا۔ شاعر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا نقار خانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے بادشاہ متوجہ نہ ہوا۔ شاعر بےچارے نے خواجہ صاحب کو دل میں یاد کیا تھا بادشاہ متوجہ ہوا اور کہا پڑھو قصیدہ کا مطلع یہ تھا:—

ای فتنہ از نہیب تو انہار خواستہ   تیغ تو مال و فیل ز کفار خواستہ

قصیدے کے (۶۷) شعر تھے بادشاہ بہت مسرور ہوا اور چھپن ہزار تنکہ نقرئی انعام سرفراز ہوا۔ ناصری بےچارے کو کب توقع تھی کہ اس قدر زر خطیر انعام ملے گا۔ فوراً حضور اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو نذر اپنے دل میں مانی تھی گزرانی۔ خواجہ صاحب نے وہ نذر اُسی کو بخشی اور وہ خوش خوش اپنے وطن کو واپس گیا۔

سیر الاولیاء سے مروی ہے کہ ایک دفعہ میں اور قاضی حمید الدین ناگوری سفر کر کے دریا کے کنارے پونہچے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک درخت کے تلے ایک شخص پڑا سوتا ہے اور درخت پر سے سانپ لٹک رہا ہے قریب ہے کہ اُسے ڈس لے ناگاہ ایک بچھو نمودار ہوا اور اُس نے ایسا ڈنک مارا کہ سانپ تڑپ کر پلٹ گیا۔ ہم نے جانا کہ یہ شخص کوئی خاصان خدا سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی حفاظت میں رکھا ہے۔ جب قریب پونہچے تو دیکھا کہ وہ شخص نشہ شراب میں مست پڑا ہے پس ہم کو حیرت ہوئی کہ یہ آدمی کیسا نافرمان اور وہ کیسا مہربان۔ اتنے میں غیب سے ندا آئی کہ "ای عزیزان اگر ہمیں صالحان و پارسایان را حفاظت کنم پس فاسقان و گناہگاران را کہ حفاظت کند"؟ ہم اسی بات میں تھے کہ وہ شخص ہوشیار ہوا ہم نے سارا ماجرا اُس سے کہا وہ سن کر بہت شرمندہ ہوا اور شراب خواری و بدکرداری سے توبہ کی اور خدا کے دوستوں میں سے ہوا۔ ای عزیز! تمیز کر کہ جب وقت نیک آتا ہے اور ہوا مہربانی اور فضل کی چلتی ہے آدمی کیسا ہی خراب ہو ایک دم میں اُس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور مسند نشین اولیاء کرتا ہے۔ برخلاف اس کے اگر قہر کی گرم ہوا چلے سینکڑوں سجادہ نشینوں کو خراب کر کے غارت کرے

اسرار العارفین سے منقول ہے کہ آپ شبانہ روز مراقبے میں رہتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہوتا تو آنکھ کھولتے اور غسل اور وضو تازہ کر کے نماز پڑھتے۔ آپ کو صغر سنی سے نیند کا غلبہ بہت رہتا تھا اور آخر عمر میں شب بیدار تھے اور باقی عمر میں تلاوت قرآن شریف اور ذکر جلی و خفی کیا۔ آپ سالکوں اور برگزیدہ مجاہدوں میں سے تھے گوشۂ خلوت میں رہتے تھے کم سوتے، کم کھاتے اور کم بولتے تھے اور ہمیشہ چلہ کشی کرتے تھے۔

جامع الکلام میں لکھا ہے کہ آپ ہمیشہ لب بستہ اور دل شکستہ رہتے تھے اور کوئی دم رونے سے چین نہ تھا اور حجرے کا دروازہ بند کرکے اکیلے بیٹھے رہتے تھے اور آپ کی زیارت کے لوگ بہت مشتاق ہوتے تو خادم جاکر عرض کرتا آپ ایک ٹھنڈا سانس لے کر اجازت دیتے جب لوگ آجاتے آپ کھڑے ہوجاتے اور سب پر نظر شفقت کرتے اور خادم کو اشارہ کرتے کہ سب کو ایک ایک پیالہ پانی کا دے کر رخصت کرے۔ جب تک لوگ پانی پیتے آپ کھڑے رہتے اور باتیں پند و نصیحت کی کرتے رہتے۔ جب سب کو پانی مل جاتا تو آپ رخصت کردیتے۔

افضل الفوائد میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ کی مجلس میں سلوک کا ذکر ہو رہا تھا آپ کو بدرجۂ غایت سرور ہوا آپ بار بار ٹھنڈے سانس بھرتے اور زار و قطار روتے جاتے تھے کئی دن آپ کی یہی حالت رہی مگر جب نماز کا وقت ہوتا آپ جماعت سے نماز ادا فرماتے اور پھر وہی حال ہو جاتا۔ کسی طرح صبر نہ آتا۔

مراد المریدین سے مروی ہے کہ آپ حافظ تھے اور اکثر اوقات کلام مجید کا ورد فرماتے تھے۔ جب آیتیں یاس و ہراس کی پڑھتے تو زار زار روتے اور اپنا سینہ ناخن سے نوچتے یہاں تک کہ بے ہوش ہو جاتے اور جب ہوش آتا تو پھر تلاوت کرتے اور جب آیتیں رحمت اور رضا کی پڑھتے تو آپ کے چہرے سے بشاشت اور مسکراہٹ ظاہر ہوتی اور وجد کرتے اور اپنے حسب حال اشعار پڑھتے اور پھر تلاوت کرتے۔

فوائد الفوائد میں لکھا ہے کہ آپ زہد و ریاضت چھپوا کرتے اور اپنے آپ کو خلقت سے چھپاتے اور مریدوں کو بھی اخفائے عبادت کی نصیحت فرماتے اور کرامت کے چھپانے کا حکم کرتے اور فرماتے کہ کچھ ضرورت نہیں ہے کہ یہ چیزیں مشہور ہوں۔ فقیر کے لئے مشہور ہونا سخت آفت کا سامنا ہے۔

افضل الفوائد سے منقول ہے کہ ایک دن عالم سرور و شوق میں ارشاد فرماتے تھے کہ جو کوئی راہ حق میں پورا اترا مقصود کو پہنچا اور جس نے زبان سے اُس کی حدیث کہی گویا اُس سے باتیں کیں اور جس نے کہ آنکھ سے اُس کا جمال دیکھا بینا ہوا اور جس نے اُس کی وحدت کی شراب پی مرد کامل ہوا اور اُس میں مستی پیدا ہوئی اور اُس کا غلغلہ بلند ہوا۔ جیسا کہ حضرت نظامی فرماتے ہیں۔ قطعہ

چو دست خلوتش کشتی فلک را خیمہ برہم زن — ستون چرخ درجنباں طناب آسماں در کش
طریقش بے قدم می زن حدیثش بے زباں می گو — جمالش بے بصیری بیں شراتش بے جہاں در کش

راحت القلوب میں لکھا ہے کہ آپ اکثر مع اہل و عیال کے فاقہ سے رہتے اور صبر فرماتے اگر ایسی حالت میں کوئی مسافر آ نکلتا تو آپ مولانا بدر الدین غزنوی کے پاس جو مرید اور خادم خانقاہ کے تھے بھیجتے اور اشارہ فرماتے کہ خیر پانی تو لاؤ کہ آج کا دن بخشش و عطا سے خالی نہ جاوے اور مجلس میں پہنچ کر آپ ہر ایک مسافر کو پانی کا پیالہ دیتے۔

اسرار الاولیا میں لکھا ہے کہ جب آپ کو فاقہ ہوتا تو آپ اس کا اظہار کسی پر نہ فرماتے اور اگر احیاناً اس حالت میں بادشاہ یا کوئی امیر کچھ چیز بھیجتا تو آپ قبول نہ کرتے چنانچہ شمس الدین بادشاہ نے ایک مرتبہ ایک تھیلی اشرفیوں کی آپ کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا کہ اگر آپ اس کو قبول کر لیں گے تو میں بہت ممنون ہوں گا۔ آپ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ اور بادشاہ سے کہو کہ میں تم کو اپنا بڑا دوست جانتا ہوں اور تم مجھ سے دشمنی کرتے ہو جس چیز کو خدائے تعالیٰ دشمنی اور غضب سے اپنے کلام پاک میں یاد کرے اور تمام دوستوں کو اس سے پرہیز کرنا بتا دے تو تم ہمارے واسطے روا رکھتے ہو اور ہم کو اس میں آلودہ کرنا چاہتے ہو۔

کتاب راحت القلوب سے منقول ہے کہ شیخ فرید الدین گنج شکر راوی ہیں کہ ایک دن سلطان شمس الدین کا وزیر آیا اور ایک طشت پر از طلا اور ایک فرمان دس مواضع جاگیر کا لایا اور کہا کہ بادشاہ نے اظہار بندگی کر کے یہ فرمان اور طشت زر آپ کے غلاموں کے لیے بھیجا ہے۔ خواجہ مسکرائے اور فرمایا کہ ہمارے پیروں نے ایسے چیزیں قبول نہیں کی ہیں۔ اس لیے میں بھی نہیں لیتا۔ وزیر نے عاجزی شروع کی آپ نے فرمایا کہ اگر میں آج ان کی متابعت نہ کروں اور جاگیرات اور اس زر کو قبول کر لوں تو میں قیامت کے دن ان کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اور ان کے زمرے میں کیوں کر شامل ہوں گا۔ ان چیزوں کے طالب اور بہت سے ہیں ان کو دو۔ ناچار وہ مع ہدایا کے واپس چلا گیا۔

ایک دن آپ کی خدمت میں قوال آئے اور اس شعر کو نہایت خوشنما اور دلربا طور سے گا رہے تھے:-

سرود چیست کہ چندیں فسون عشق دروست — سرود محرم عشق ست و عشق محرم اوست

یہ شعر سن کر آپ پر حالت طاری ہوئی اور کئی دن بے ہوش رہے دانہ پانی نہ کھایا مگر نماز کے وقت ہمیشہ ہوش میں آجاتے تھے۔

آپ نے اور قاضی حمید الدین ناگوری نے ایک دفعہ مجلس سماع منعقد کی جس میں بہت سے لوگ جمع ہوئے سلطان شہاب الدین غوری نے سنا اور کہا کہ امام ابو حنیفہ کے ہاں گانا حرام ہے اگر یہ میرے شہر میں گانا بجانا کریں گے تو میں ان کو نکال دوں گا آپ نے سنا تو فرمایا کہ "جو شخص ظالم محض ہے اُس پر سماع بے شک حرام ہے اور ہم پر حلال ہے مجھ کو وہ کیا نکالے گا اگر خدا نے بھی چاہا تو وہ خود ہی نکل جائے گا" اس بات پر چند دن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ غزنی جاتے ہوئے رہتک مقام پر گکھڑوں نے اُسے مار ڈالا اور پھر پلٹ کر دلی آنا نصیب نہ ہوا۔

اولیا راہست قدرت از الہ — تیر جستہ باز گرداند ز راہ

کبھی آپ بے ساختہ شعر بھی کہہ دیا کرتے تھے چنانچہ یہ نظم آپ ہی کی ہے۔

اے بگرد شمع رویت عالمے پروانہ — وز لب شیریں تو شور لیست در ہر خانہ

من بچندیں آشنائی من خورم خونِ جگر — قطب مسکیں گر گناہے می کند عیش کن

علالت اور وفات

گر رسد از تو بگوشم کہ بمیر اے سعدی — تا ابد گو رباعزاز و کرامت بروم

در بدانم بدر مرگ کہ حسرم بالتست — از لحد رقص کناں تا بقیامت بروم

جب آپ کی عمر آخر ہونے آئی تو ماہ رمضان تھا کہ آپ کو ضعف ہونا شروع ہوا مگر آپ نے سارے روزے رکھے جب عید ہوئی تو عید گاہ تشریف لے گئے اور وہاں سے پلٹ کر جس جگہ آپ کا مزار ہے پہنچ کر خیال کہ وہ جگہ مصفا اور پاکیزہ تھی دیر تک کھڑے رہے۔ آپ کے ہمراہیوں نے کہا کہ آپ گھر تشریف لے چلیئے کہ لوگ زیارت اور مبارکباد کے لیئے منتظر ہیں اور کچھ کھانا تناول فرمائیے اور لوگوں کو رخصت کیجیئے آپ نے فرمایا کہ "ایں جا مرا بوے دلہا می آید" یہ کہہ کر آپ کو بہت رقت طاری ہوئی۔ اور فرمایا کہ میرا یہ دل چاہتا ہے کہ میرا دفن اسی زمین میں ہو اور اُسی وقت مالک اراضی کو بلوا کر اُس کو قیمت دی اور اپنے گھر تشریف لے گئے۔

ایک روز شیخ علی سگزی کی خانقاہ میں مجلس سماع تھی خواجہ صاحب بھی تشریف فرما تھے

قوال شیخ احمد جام کا قصیدہ نہایت خوبی سے گا رہے تھے جب اس شعر پر پہونچے:۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم، را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

تو آپ ایسے متاثر ہوئے کہ حالت نزع کی ہوگئی اُسی حالت میں آپ کو گھر اٹھا کر لائے اور چار دن تک اُسی حالت میں رہے اور بار بار قوالوں سے اسی شعر کی تکرار کراتے تھے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو ہوش میں آجاتے اور نماز ادا فرماتے۔ مولینا فخر الدین زرادی اپنے رسالۂ اصول السماع میں لکھتے ہیں کہ جب آپ کو سماع میں زیادہ استغراق ہوا اور حالت دگرگوں ہوئی تو آپ کے مرید حکیم شمس الدین صاحب کو جو اپنے زمانے کے بڑے حاذق طبیب تھے بلایا اُنھوں نے نبض دیکھ کر کہا کہ ”دل آپ کا آتش عشق سے جل کر کباب ہوگیا ہے اور جگر آپ کا تک شور محبت سے گھل گیا ہے اب آپ کی سوا شربت دیدار کے اور کچھ نہیں“

لقد لسعت حیّۃ الھویٰ کبدی[۵۱] — فلا طبیب لھا ولا راقی

الّا الحبیب الّذی قد شغفت بہٖ — فعندہٗ رقیتی وتریاقی

قوال جب مصرعۂ اول پڑھتے تو آپ کو سکون ہوتا اور مصرع ثانی سے تڑپ پیدا ہوجاتی بالآخر اسی حالت میں آپ کا وصال ہوگیا کہ آپ کے سر مبارک تو قاضی حمید الدین کے زانو پر تھا اور پائے شریف شیخ بدر الدین غزنوی کی گود میں تھے کہ بدر الدین صاحب کی آنکھ جھپک گئی اور ایسا معلوم ہوا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اے بدر الدین خدا کے دوستوں کو موت نہیں ہے۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن — من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

دار البقا کی طرف رحلت فرما چکے تھے۔ شمس الدین التمش نے جب آپ کی وفات کا حال سنا جو روز دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ کو تخمیناً (۵۲) اور بقولے (۶۲) سال کی عمر میں ہوا تو فوراً دوڑا ہوا آیا اور خود آپ کو غسل دیا اور آپ ہی جنازے کی نماز پڑھائی اور میت کو خود کندھا دیا۔ بادشاہ کو آپ کی صحبت کا نیک اثر ہوا تھا کہ خود بڑا متشرع اور سختی سے پابند صوم و صلوٰۃ تھا اور کہا جاتا ہے کہ اُس نے کبھی نماز کا وقت ٹلنے نہیں دیا قضا کرنا تو ایک دوسری بات تھی۔

[۵۱] میرے جگر محبت کو ایسا ناگ ڈس گیا ہے جس کے لیے نہ کوئی طبیب ہی کافی ہوسکتا ہے نہ کوئی منتر ہی پڑھنے والا سوا اس کے جس دوست پر میں فریفتہ ہوں اُس کے پاس میرا افسوں اور تریاق ہے۔ ۱۲

جس دن آپ نے وفات پائی اسی سال سلطان شمس الدین التمش نے بھی سفر آخرت اختیار کیا۔ حضرت کی وفات کی تاریخ کا یہ قطعہ ہے:۔

فیض بخش جہان بصدق یقیں | قطب آفاق خواجہ قطب الدیں
اسوۂ دہر و قدوۂ عالم | زبدۂ دودۂ بنی آدم
لقبش بختیار کاکی داں | ہست اوشی اوکشیش برخواں
از ربیع تخت چار دہم | بود کاں قطب شد بچرخ نہم
روز ترحیل آں دوشنبہ داں | بے شک و ریب اے ستودہ جواں
عقل تاریخ نقل آں محمود | آب جنت بقطب دیں فرمود ۶۳۴ھ
بازگو سالِ نقل آں نامی | روح اللہ روحہ السامی
عمر پنجاہ و چار سالش بود | کاں زماں سوئے عدن نقل نمود
مرقدِ پاک او بہ دہلی داں | روز و شب فاتحہ برو برخواں
سالِ نقلش بہ بحر دیگر نیز | بیتکے گفتہ ام شنو بہ تمیز

سال آں ولی نیک خو
بود بدر دہر قطب الدیں بگو ۶۳۴ھ

خواجہ صاحب کی درگاہ کے باہر کی عمارتیں

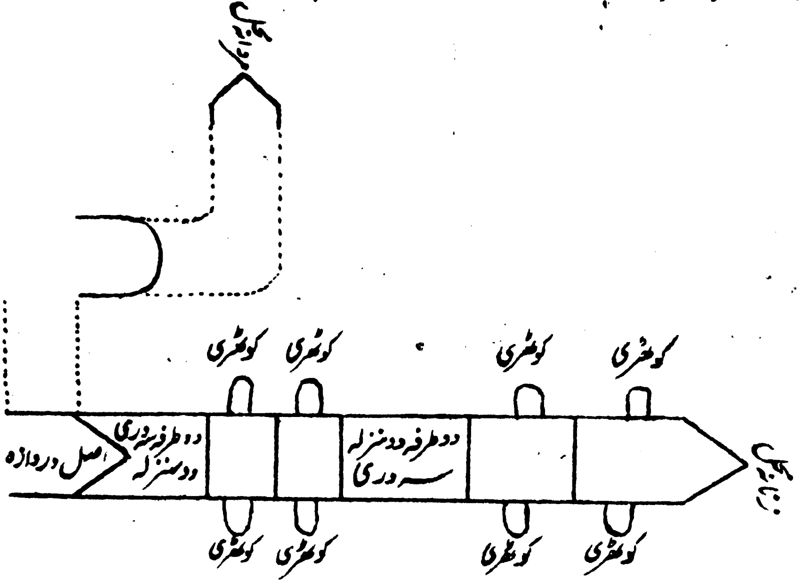
بادشاہی دروازہ

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ کے باہر ذرا ہٹا ہوا بڑا عالی شان دروازہ ہے جس کی بلندی ۹ گز ۱۴ اور عرض ۱۲-۹ ہے اس پر چڑھنے کا (۲۷) سیڑھیوں کا چکردار زینہ ہے۔ لوگ اس کو درگاہ کا دروازہ کہتے ہیں اور میں اسے ایک جداگانہ محل کا دروازہ سمجھتا ہوں کیوں کہ اس دروازے کے اندر بڑے بھاری محل کے کھنڈر ہیں۔ یہ دروازہ سنگ سرخ کا ہے جس پر سنگ مرمر کی پٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔ دروازہ بالکل درست حالت میں ہے۔ اور سہ منزلہ ہے جس کی پیشانی پر یہ کتبہ ہے۔

(کتبہ برصفحہ آئندہ)

سنہ ۱۱ اس در عالی چو شد بکرم بنا حسب المراد ۱۲۶۴ سنہ
گفت دل سال بنا باب ظفر پائندہ باد

دروازہ سات گہاہی یعنی ایک کے اندر ایک سات حصے ہیں اور مردانے محل کی طرف بڑے دروازے کے اندر بائیں طرف تین دروازے ہیں۔ ان دروازوں میں دُھرا دُھر بادشاہ کا ہاتھی مع عماری کے چلا جاتا تھا۔



محل تو اب رہا نہیں مگر یہ بات ظاہر ہے کہ جس محل کا دروازہ ایسا نایاب ہو وہ محل خود کیوں نہ لاجواب ہو۔ دروازے کے حصوں کی بعض چھتیں لداوی ہیں بعض چوبی کڑیوں کی ہیں۔ اسی کے پاس خاص محل کے کھنڈر ہیں۔ یہ دروازہ مغلیہ خاندان کے خاتم السلاطین بہادر شاہ مرحوم و مغفور کا بنوایا ہوا ہے۔

سرائے شاہی خاص محل کے عقب میں سرائے شاہی کی قدیم اور شکستہ عمارت ہے۔ اب اس میں زیادہ تر یکے والے ٹھیرتے ہیں۔ چوطرف ریل کھل جانے سے اب سرائیں بیکار ہیں۔ مسافروں کی ریل پیل بھٹیاریوں کی کشاکش اب نظر نہیں آتی۔ تہذیب یافتہ نئی روشنی والے ڈاک بنگلہ اور ہوٹل ڈھونڈتے ہیں۔ معمولی حیثیت کے لوگ دلی سے سویرے سویرے چلے سیر سپاٹے میں دن گزار شام گھر آن داخل سراؤں میں

رہے تو کون۔ بھٹیارے بھٹیاریوں کا روزگار بند اب جدھر دیکھو خانساماں اور بٹلروں کا دور دورہ ہی۔

شیخ سلیمان دہلوی کا مقبرہ ۹۴۴ھ

بادشاہی دروازے کے پاس شیخ سلیمان دہلوی رح کا مزار ہی۔ جو بہت خوب صورت قلمدان نما داوی تیغ درہ سنگ سرخ کا بنا ہوا ہی جو ۲۳ فٹ ۱۷×۱۷ ہی۔ اس میں دو قبریں سنگ مرمر کی ہیں۔ پہلی قبر شیخ صاحب کی ہی اور دوسری اُن کے بھائی کی کہی جاتی ہی جن کا نام معلوم نہیں۔

شیخ سلیمان بن عفان المندوی الدہلوی در ارشاد و ترتیب طالبان و تلقین واذکار و اشغال درویشان یگانۂ عصر بود۔ مسافرت بسیار کردہ و نعمتہا یافتہ۔ گویند کہ ویرا نقل ارواح کہ مرتبہ الیست از مراتب تصرفات نفس ناطقہ انسانی حاصل بود و بجہت آں از اکثر احوال قرون ماضیہ خبر دادے۔ گویند کہ وی در تجوید قرآن یگانۂ عصر بود و در معاملۂ قرآن را پیش آں سرور صلعم تجوید نمودہ و شیخ عبد القدوس پیش او تجوید کردہ و مدتے مدید در خانقاہ او بودہ۔ وفات او شب چہار دہم ماہ محرم ۹۴۴ھ و مقبرہ او عقب مقبرۂ خواجہ قطب الدین است۔

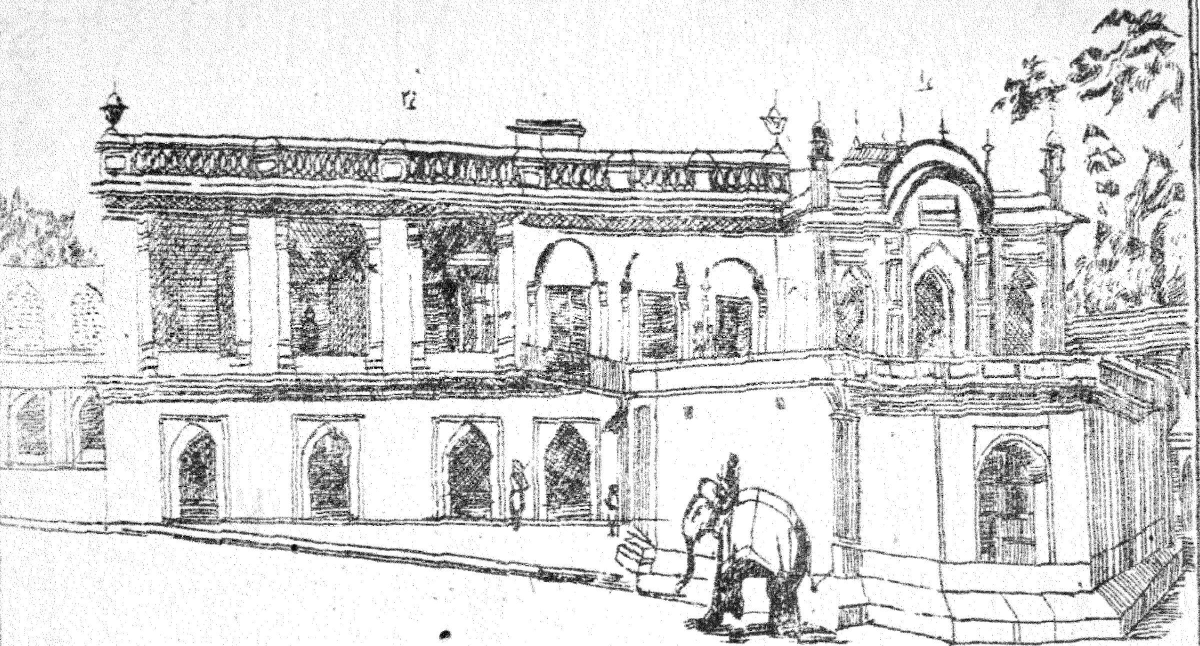
مینا بازار اور باؤلی

بادشاہی دروازے اور خاص محل سے مغرب جانب جب بازار کی طرف چلیں تو مینا بازار ہی۔

یہ وہی بازار ہی کہ جس کے دو رویہ بنگلے ہیں جو عرس شریف کے موقع پر بھاری بھاری کرایے پر جاتے ہیں اسی کے شروع میں ایک بڑا غدار ہشت پہل کنواں ہی جو کہتے ہیں کہ اورنگ زیب نے بنوایا تھا۔ کنواں ہشت پہل بنا ہوا ہی جس کا ہر ضلع ۱۲ فٹ لمبا ہی۔ بہت عمیق اور کشادہ ہی۔ اب تک بھی کثرت سے اس کا پانی استعمال کرتے ہیں اور اچھی حالت میں ہی۔ بہت پختہ بنا ہوا ہی۔

مسجد و مکان حکیم احسن اللہ خاں ۱۲۶۱ھ و ۱۲۶۳ھ

درگاہ شریف کے قریب یہ مکان نہایت خوش نما سر راہ واقع ہی جو مشہور زمانہ احترام الدولہ عمدۃ الحکما معتمد الملک حاذق الزمان حکیم محمد احسن اللہ خاں صاحب بہادر ثابت جنگ کا بنوایا ہوا ہی



نقشۂ مکان و مسجد حکیم احسن اللہ خان بہادر

بہادر شاہ کے دور آخری کے سب سے بڑے رکن رکین یہی تھے۔ مسجد اور مکان دونوں پر قطعاتِ تاریخی لگے ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں :-

تاریخ مسجد

مسجدے ساخت چوں بحسن عمل — احسن اللہ خانِ پاک سرشت
ای ظفر بہر سال تاریخش — خامہ ام "خانۂ خدا" بنوشت
۱۲۶۱

تاریخ مکان

از سالِ بنائے نو بدرگاہ — پیر خردم نمود آگاہ
بوداشتیت سر از دیارِ دہلی — تعمیر نقشِ احسن اللہ
۱۲۶۲

اب اس مکان میں عیسائی لوگ رہتے ہیں۔ اسی کے پاس مرزا ثریا جاہ کی حویلی بھی ایک قدیم عمارت ہے۔

گندھک کی باؤلی

درگاہ کے باہر یہ ایک بہت بڑی باؤلی ہے ۴۰ فٹ ۱۲۸ اور ۳۴ فٹ پانی کے اوپر کا عمق ۷۰ فٹ ہے۔ پانی کے اوپر (۲۹) سیڑھیاں کھلی ہیں جس کا سلسلہ تہ تک چلا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ باؤلی شمس الدین التمش کی بنوائی ہوئی ہے۔ طرز اس کا راجوں کی بائیں اور باؤلی درگاہ حضرت نظام الدین کا سا ہے۔ باؤلی کے شمال کی طرف سہ دری ہے جس کے ایک کے اوپر ایک پانچ در ہیں۔ اس باؤلی میں اب بھی پانی موجود ہے جو کسی قسم کے معدنی اجزا گندھک وغیرہ سے مرکب ہے اور اسی وجہ سے یہاں نہانا امراض جلدی کو مفید ہوتا ہے۔

بہشتی دروازے کے سامنے کے دو نقار خانے

درگاہ شریف کے بہشتی دروازے کے سامنے بیچ میں رستہ چھوڑ کر دو نقار خانے قدیم زمانے کے بنے ہوئے ہیں کہتے ہیں کہ شیر شاہ (۱۵۳۹-۴۵ء / ۹۴۶-۵۲ھ) اور سلیم شاہ (۱۵۴۵-۵۲ء / ۹۵۲-۶۰ھ) کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔ درگاہ کا ایک

دروازہ قاضی کا دربار بھی ہے جو جنوب میں ہے۔

راجوں کی بائیں کے پاس کا ایک مقبرہ

راجوں کی باؤلی کا حال اوپر آچکا ہے اسی کے پاس ایک نامعلوم مقبرہ ۳۶ مربع ہے جو ہشت پہل ہے اور سنگ سرخ کے درہیں۔ اس گنبد میں دو قبریں ہیں نامعلوم۔ اسی گنبد کے پاس ایک بہت بڑا کھنڈر ایک مسجد کا ہے۔ مسجدوں کے اس طرح متعدد کھنڈر ہیں چنانچہ راجوں کی بائیں کے پاس اور دو ٹوٹی پھوٹی بڑی بڑی مسجدیں ہیں جو بالکل منہدم ہو گئی ہیں۔ غرض یہ کہ راجوں کی بائیں کے چوطرف بہت سے کھنڈر ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں یہ باؤلی آبادی کے وسط میں تھی اور اب تو کھنڈروں کے بیچ میں ہے کہ اکیلے دُکیلے جاتے ہوئے بھی ڈر لگے۔

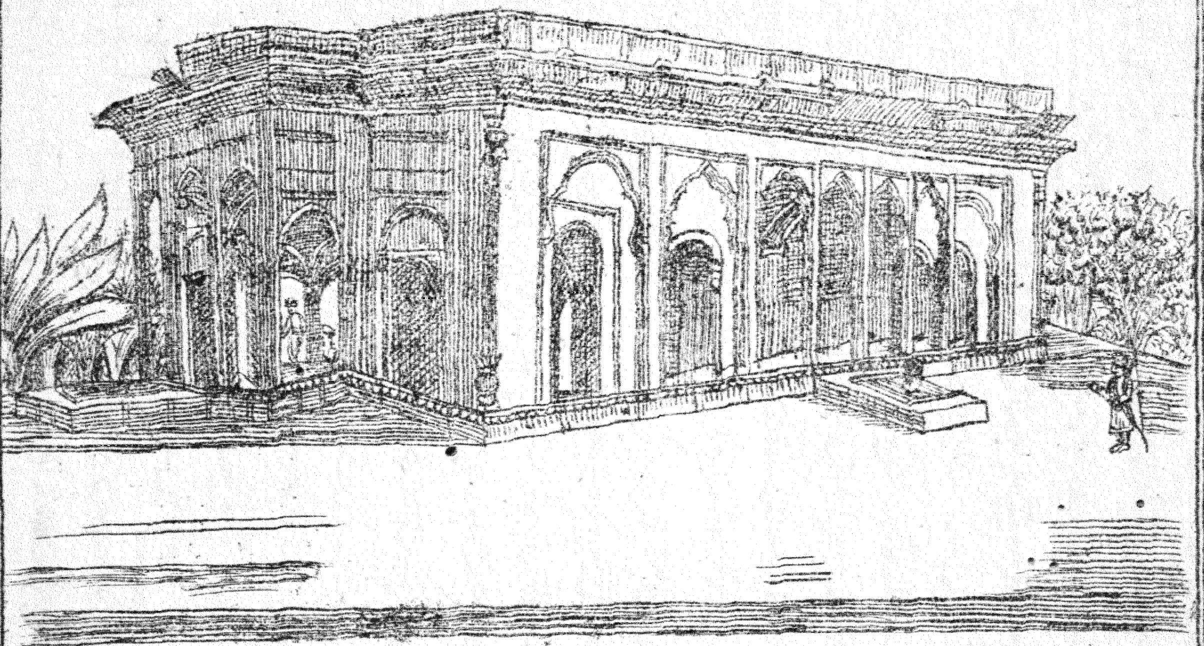
ناظر کا باغ
سنہ ۱۱۶۱ھ ۱۷۴۸ء

یہ باغ قطب صاحب کے جھرنے کے پاس ہے۔ جو سرسبز و شاداب اور ایک اچھی سیرگاہ ہے۔ اس میں مکانات مرغوب بنے ہوئے ہیں۔ پھول والوں کی سیر میں ہزاروں آدمیوں کا جمگھٹا یہاں رہتا ہے اور بڑی رونق کا میلا لگتا ہے۔ اس باغ کو ناظر روزافزوں نے محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں بنایا تھا۔ اس کے دروازے پر یہ کتبہ ہے جس سے اس کا سال بنا معلوم ہوتا ہے:۔

بفرمان محمد شاہ عادل	کہ بر فرقش بود تلج تبارک
بنائے کاشنے در قطب گردید	کہ گلہائش زند رضوان تبارک
بود سرسبز دایم روزافزوں	بحق سورۂ صاد و تبارک
پے تاریخ سالش گفت ہاتف	خدایاری بود باللہ مبارک

سنہ ۱۱۶۱ہجری مقدسہ مطہرہ سنہ ۳۱ جلوس مبارک محمد شاہی

اس باغ کے گرداگرد فصیل نما کنگورے دار نہایت مضبوط چار دیواری ہے جس نے اب تک بھی جنبش نہیں کھائی۔ البتہ مشرق کی طرف کی دیوار گر گئی ہے اور اندر چاروں طرف مکانات سنگین سنگ سرخ کے نہایت عمدہ بنے ہوئے ہیں اور ایک مکان

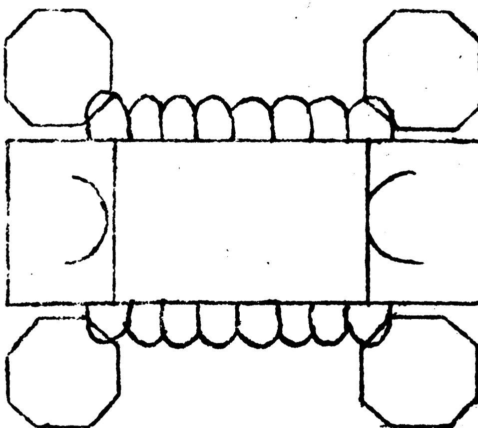


نقشهٔ باغ ناظر

باغ کے بیچوں بیچ بنا ہوا ہے کہ وہ سب سے بڑا اور بہتر ہے۔ صدر دروازہ مغرب رویہ سنگ سرخ کا ہے جو دہرا ہے جس کی بلندی ۲۲ فٹ ہے۔ دو طرفہ چھپیں چھپیں سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ چوبی پٹ ہیں مگر شکستہ۔ دروازے کے اندر دو طرفہ دو منزلہ سہ دری ہے غرض یہ کہ دروازہ بڑا عالی شان ہے اور ایسے نفیس باغ کا دروازہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا۔ گو احاطے کے چار دروازے تھے مگر وہ معمولی حیثیت کے تھے صدر دروازہ یہی تھا جس پر کتبہ ہے۔ پہلے یہ ایک دلکش باغ تھا اور اب نرا جھاڑ جھنکاڑ ہے۔ روشوں نالیوں اور کیاریوں کے نشان اب بھی موجود ہیں مگر جس میں ہل پھر جائے اور زراعت ہونے لگے تو اب کیا خاک رونق رہ سکتی ہے۔ بارہ دریوں اور پُرلطف نشستگاہوں میں جن کی نفاست اور پُر تکلف وضع قطع دیکھ کر اب بھی دل لوٹ جاتا ہے جب مویشی باندھے جائیں اور اُن کے گوبر کے چوتھ ہر طرف سے لگے ہوے ہوں اور اُن کے پیشاب کی بو سے ناک نہ دی جا سکے اور جا بجا اوپلیوں کے انبار اور بھس کے ڈھیر لگے ہوں اُن کی کس مپرسی کی یہ حالت دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی ہے کہ بنانے والے نے روپیہ کی بکھیر کر دی اور اس مقام کو دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا اور آج اس میں گدھے لوٹ رہے ہیں اور بجائے طرح طرح کے پھولوں کے تختوں کے زراعت ہو رہی ہے اور پھولوں کی بھینی بھینی مہک کے بدلے گوبر اور موت کی سڑاند ہے۔ کون سا پتھر کا کلیجہ ہے جو اس تباہی کو دیکھ کر متاثر نہ ہو۔ اب بھی اس باغ میں اُسی زمانے کے پرانے اور بڑے بڑے املی۔ کھرنی۔ آم۔ جامن۔ نیم۔ شہتوت وغیرہ کے درخت اور دو کنوئیں موجود ہیں۔

بیچ کی بارہ دری

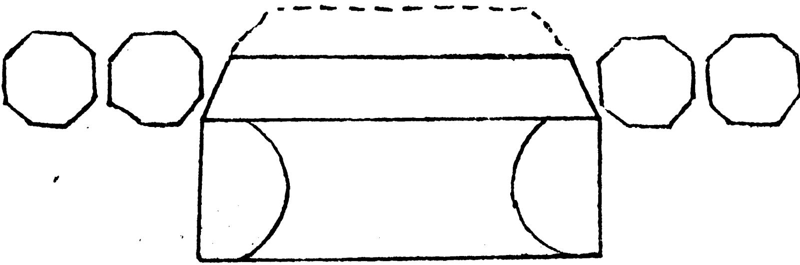
باغ کے بیچ میں ایک نہایت خوش نما اور بہت بڑی سنگ سرخ کی بارہ دری ہے نقشہ یہ ہے:-



مشرق مغرب کی طرف یہ بارہ دری دُہرے دالانوں کی ہے اندر سے ۱۳ × ۵ - ۴ - باہر سے ۲۶ - ۱ - ۴ × ۸ - ۳ شمال جنوب میں ایک ایک برآمدہ ہے۔ چاروں طرف پختہ حوض ہیں جن کے بیچ میں فوارہ ہے۔ تین جانب کے حوض ایک ہی وضع قطع کے ۵ ½ × ۳ - ۹ اور ۲ ½ عمیق ہیں۔ صرف شمال کی طرف کا حوض ذرا بڑا ہے۔ ۱۳ - ۱۰ × ۸ - ۳ عمق دو فیٹ باقی مٹی بھری ہوئی ہے۔ باہر سے عمارت کا طول و عرض ۵۲ ½ × ۲۷ - کرسی ۵ ½ بلند۔ پتھر کی سلوں کی لداؤ چھت۔ گرد چوڑا چھجہ جس کی سلیں جابجا سے گر گئی ہیں۔ اس کے سامنے شامیانہ بھی تانا جاتا تھا جس کے مرد ے لگے ہوئے ہیں۔

مشرق کی طرف کا پنج درا

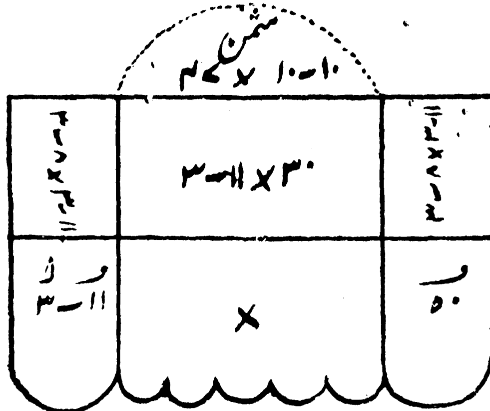
باغ کے مشرق میں یہ عمارت سنگ باسی کی بہت نفیس بنی ہوئی ہے یہ عمارت ۲ بلند ہے اور دو طرفہ اکیس اکیس سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ شہ نشین کی دیواروں میں سنگ سرخ کی جالیاں باہر دار کو لگی ہوئی ہے۔ جو سب ضائع ہو گئیں کہیں کہیں کوئی ٹکڑا لگا رہ گیا ہے۔ اس میں ایک دو چھتی بھی ہیں۔ نظری اور سرسری نقشہ یہ ہے۔



جنوب کی طرف کا پنج درا

یہ بھی سنگ باسی کا پنج درا ہے جس کی کرسی ۵ - ۱ ہے اور شہ نشین کی کرسی اندر وار سے ۱ - ۴ ہے۔ یہ عمارت باہر سے ۲۹ × ۵۳ ہے۔ عمارت کے گرد چوڑی چوڑی سلوں کا چھجہ تھا یہ سلیں اب جابجا سے گر گئی ہیں۔ اس عمارت کی چھت بھی لداؤ ہے اور سلوں سے پٹی ہوئی ہے۔

اس کو ملا کر اب تین مکان باقی رہ گئے ایک باغ کے بیچ میں اور دو تین در کے قیاس یہ چاہتا ہے کہ ایسے ہی پانچ درے مغرب اور شمال میں اور ہوں گے مگر اب نہیں ہیں اس عمارت کا نظری نقشہ یہ ہے:-



مولنا مجدالدین حاجی رحمۃ اللہ علیہ کا مزار اور مسجد ۶۴۶ھ

باغ ناظر کے پاس یہ تین در کی پختہ مسجد ۴۳ فٹ ۴ انچ × ۱۳ فٹ ۳ انچ ہے دروں کی اونچائی ۷ فٹ اور چوڑان ۴ فٹ ۳ انچ ہے۔ پیش میں چوڑا چھجہ سنگ خارا کا نیچے بھاری توڑے ہیں۔ فرش اور منبر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ مینار شروع ہی سے نہ تھے۔ مسجد کی بائیں طرف ایک حجرہ بھی ہے اور اسی طرف گیارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ داہنی طرف صرف چھ سیڑھیاں ہیں شاید اذان دینے کا چبوترا بنایا ہے کیوں کہ سقف مسجد تک سیڑھیوں کا سلسلہ نہیں ہے۔ اس کے صحن میں بہت سی قبریں ہیں مولنا کی قبر شریف پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے "مولنا مجدالدین حاجی ۶۴۶ھ" آپ کی قبر پکی صحن مسجد میں ہے۔ اخبار الاخیار میں مولنا کے متعلق لکھا ہے کہ "آپ کا ذکر کسی ملفوظات مشایخ میں نہیں ملا لیکن بعض بزرگوں سے میں نے سنا ہے کہ آپ خاندان سہروردیہ کے ایک بزرگ اور شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید تھے۔ آپ نے بارہ حج کیے تھے اور آخر کار دہلی تشریف لائے سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو صدر ولایت بنایا آپ اس خدمت سے ناراض تھے تاہم دو سال تک اس خدمت جلیلہ کی مہمات کو بوجہ اتم سرانجام دیا

اور خوب انتظام بٹھلایا اور بخوبی بندوبست کرنے کے بعد التماس کیا کہ فقیر کو اب معاف کریں۔ بادشاہ نے آپ کا فرمانا قبول کیا اور منصب صدارت سے سبکدوش کیا۔ ایام تشریق میں کہ زمانہ اکل وشرب اور ضیافت کا ہے اس نواح کے لوگ شہر کے باہر آپ کے مزار پر جمع ہوتے ہیں اور اس اجتماع کو ختم مولنا مجد حاجی کہتے ہیں،،

صحن مسجد میں اور بھی بہت سی قبوریں جن میں سے صرف تین قبروں پر کتبے ہیں اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ سرکار کی طرف سے دو پیسٹ تیتے بنا کران تینوں قبروں کی بخوبی حفاظت کردی ہے۔ پہلے تیتے میں دو بہت پرانی قبریں ہیں۔ اور دوسرے میں صرف ایک لڑکے کی جس نے سات برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا تھا۔

الله

(۱) وَكَانَ وَنَاتُهٗ..... اَلْعَبْدُ الضَّعِیْفُ..... المرحوم محمد بن علی بن عثمان الملقب بنظام الدین (۲) فی الرابع من شهر المبارك رجب عمر مبأ هه ثمانٍ وَ ثلثین وَ ستمائة (سنه ۶۳۸)

یہ پتھر تنگھے کی شکل کا محراب دار ہے۔ بڑی مشکل سے اتنی عبارت نکلی ہے۔ اس پتھر کے کنارے کنارے نصف دائرے کی شکل میں آیۃ الکرسی منقوش ہے۔

دوسری قبر۔ (۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْجَبَّارُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ الْمُخْتَارُ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ وَسُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ۔

(۲) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ الصَّادِقُ الْاَمِیْنُ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ۔

تیسری قبر

فرزندا عز قرة العین ثمرة الفوا د

اسعد بن حسین نور الله

در ہفت سالگے کلام الله

حفظ کرد و برحمت خدای پیوست

(حاشیہ:) قطعہ تاریخ ... (غیر واضح)

پاس پاس دو گنبد اور ایک قناتی مسجد

مسجد کی داہنی طرف رستے کے اس پار ایک ہی وضع قطع کے

دو گنبد ہیں جن کے بیچ میں ایک کنواں ہے۔

(۱) ۲۹ مربع ہے۔ کوئی خاص نام نہیں۔ اس کے اندر دو قبریں ہیں۔ دو طرفہ چودہ چودہ سیڑھیوں کا زینہ ہے۔ صدر دروازہ کی طرف جو رستے کے رُخ پر ہے ایک سنگ سرخ کی شہ نشین ہے۔ جنوب رُخ کے دروازے پر دو طرفہ طغرے کلمہ۔ بسم اللہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم گچ میں کھدے ہوئے ہیں۔ تین طرف دروازے ہیں مغرب کی طرف دروازہ نہیں ہے۔ شمال کی طرف کے دروازے میں چوبی کواڑوں کے پٹ چڑھا کر پولیاں بھر دی ہیں۔ بڑی مہربانی کی جس سے مقبرے کی حفاظت مقصود نہیں بلکہ اپنی پولیوں کی۔

(۲) دوسرا گنبد کٹورے کا گنبد کہلاتا ہے۔ شاید کبھی اس کی چھت میں کٹورا لٹکتا ہوگا۔ یہ ۲۴ مربع ہے۔ اس میں بھی دو قبریں ہیں اور اس میں بھی پولیوں کا ذخیرہ ہے۔ گویا تمام گنبد بنانے والوں نے اسی مقصد کے لیے یہ یادگاریں ہزارہا روپیوں کے صرف سے قایم کی تھیں ان کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ آگے چل کر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ یہ گنبد نہ صرف گھاس پھوس اور مویشی کے چارے کا سٹور ہوں گے بلکہ ان میں گاؤں والے اپنے مویشی باندھ باندھ کر ان کو استھان بنا دیں گے۔ اس گنبد کے باہر رنگ آمیزی کا کام بھی تھا جس کا کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہے۔ اس کے دروازوں کے دو طرفہ

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

اور چھوٹے طاقوں کے دو طرفہ چاروں طرف بسم اللہ۔ کلمہ۔ یا اللہ لکھا ہوا ہے

قنائی مسجد

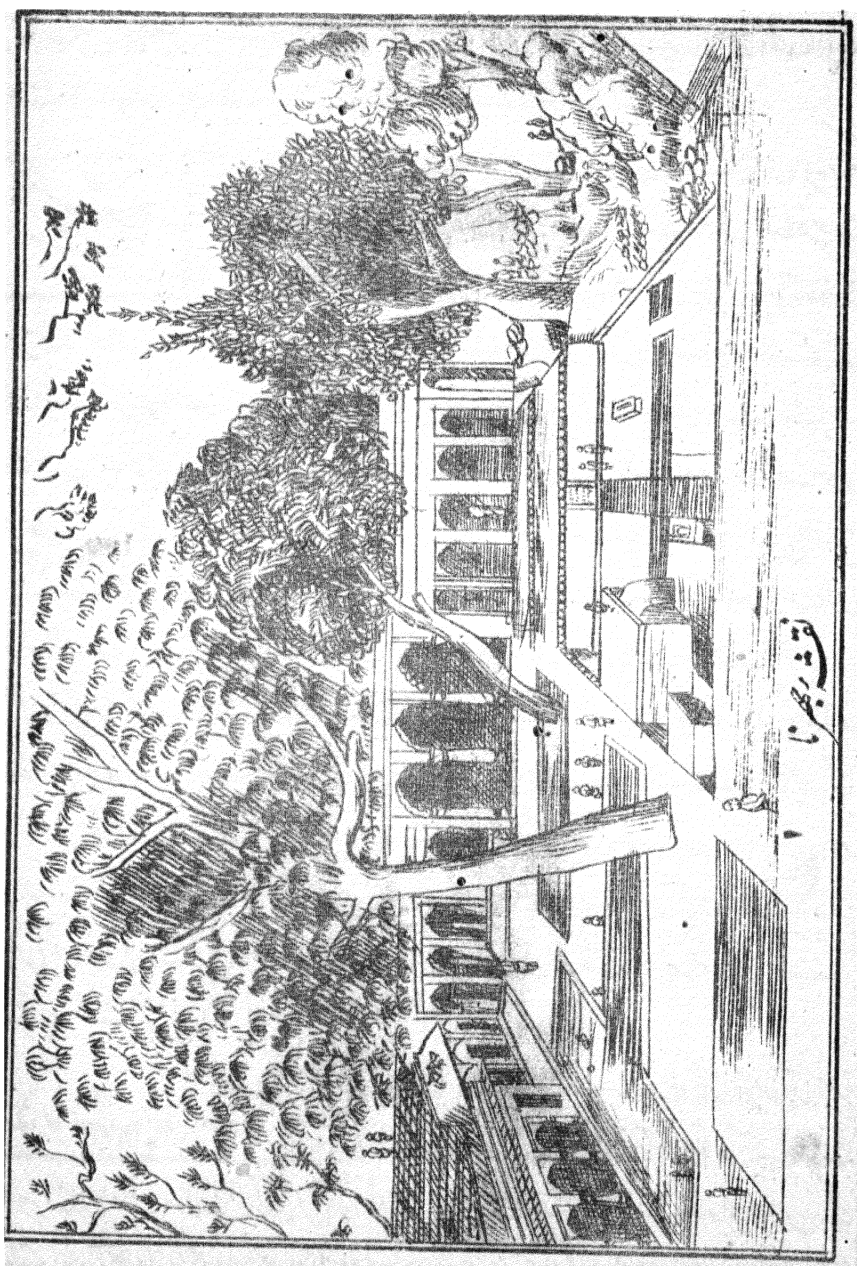
اس مقبرے کے پاس مشرق کی طرف گنبد سے ملی ہوئی ایک قنائی مسجد ۳۰×۹ ہے جس کے پیش طاق میں بہت سے کتبے ہیں۔ چونکہ چونے میں کھدے ہوئے تھے جا بجا سے جھڑ بھی گئے ہیں۔ اس دیوار پر رنگ آمیزی کا کام بھی تھا جس کی کچھ جھلک باقی ہے۔ مسجد کا صحن عرض میں ۲۷ ہے جس میں بہت سی پختہ قبریں ہیں۔ کتبے یہ ہیں۔

(۱) بسم اللہ آیۃ الکرسی (۲) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تفسد واهی الامر التی لا الضعاد قالو اوما هی یا رسول اللہ قال اربعۃ الملوک والعلماء والزهاد والتجار قیل وما هم

یا رسول اللہ قال الملوک رعات (۳) الملوک العلی... فاذا کان الراعی دنیا فمن یرعی.... فاذا کان الطبیب مریضاً فمن یداوی الخلق والزھاد کالخلق فاذا کان اللٰہ بِضاً گا...... اللہ اللہ جھ مرتبہ - یہ کوئی حدیث شریف ہے جو جا بجا سے جھڑ گئی ہے اس وجہ سے مسلسل عبارت نہیں پڑھی جاتی - یہ حدیث کسی کتاب میں بھی نہیں ملی جو اس سے مدد ملتی - (۳) کلمہ - قل ھو اللہ پوری اور اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ والحمد للہ.......

جھرنہ سنہ ۱۲۱۱ھ ۱۷۰۰ء قطب صاحب کا جھرنہ کہلاتا ہے جو درگاہ شریف کے پاس ہے۔ یہ کچھ عجیب وغریب - لطیف ونفیس - دل چسپ ودل کشا فرحت بخش ودل ربا سیر گاہ ہے جس کی سیر سے دل سیر نہیں ہوتا۔ درختان سرسبز وشاداب - نہر دوڑتی ہوئی حوض چھلکتے ہوئے باغ جنت یاد دلاتے ہیں اور بہشت کا سماں آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ پہلے پہل سلطان فیروز شاہ نے اس مقام پر ایک بند بنایا تھا چنانچہ جھرنے کی دیوار وہی بند ہے جو اب تک موجود ہے اور حوض شمسی کا پانی روک کر نولکھی نالے میں ڈالا تھا۔ وہاں سے یہی پانی تغلق آباد کے قلعے کی خندق میں پونہچایا گیا تھا۔ چند مدت کے بعد وہ قلعہ تو ویران ہو گیا اور وہاں پانی جانا بھی موقوف ہو گیا۔ حوض شمسی کا پانی اس بند سے نکل کر جنگل میں رایگاں جانے لگا تو سنہ ۱۷۰۰ء میں نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ نے اس بند کے آگے حوض اور نہر چادریں اور فوارے بنوا دیئے چادروں کا چھوٹنا فواروں کا اچھلنا ایک عجب عالم دکھاتا تھا اور دل کو لبھاتا تھا۔ اب وہ چادر اور فوارے تو سب بند ہو گئے۔ کبھی کبھی دیواریں سے پانی البتہ رسنے لگتا ہے اور حوض میں تھوڑا سا جمع ہو جاتا ہے جھرنے کے چاروں طرف کچھ کچھ مکانات بنے ہوئے ہیں جن کا ذکر ہم مختصراً لکھتے ہیں:-

مکانات جانب غرب بجانب غرب اس دیوار سے لگ کر سنگ سرخ کا ایک سہ درہ دالان ۲۷ - ۳ × ۸ - ۵ ہے اور جھرنہ انھیں مکانات کو کہتے ہیں - دالان کی چھت لداؤ کی ۵ - ۱۳ اونچی ہے جس کے آگے ایک بہت نفیس حوض بنا ہوا ہے۔ چھت پر سے لوگ کودتے اور حوض میں تیرتے تھے۔ لوگوں کے کودنے کے وقت بڑا لطف ہوتا ہے کوئی قلا بازی کھا کر



کودتا ہے کوئی جاپ پھیری پھر کر اور کوئی چھپنی کھاکر اور بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ ایک قوی ہیکل آدمی کو کھڑا کیا اور دو آدمی اُس کے کندھوں پر چڑھ گئے اور درختوں کی ٹہنیاں پھولوں دار ہاتھ میں لیں اور سب سے نیچے کے آدمی نے زغند ماری اور حوض میں کودا اور جو اوپر چڑھے ہوئے تھے وہ بھی لا محالہ ساتھ ہی کود دے اور اس طرح کے کودنے کو اصطلاح تیراکی میں ''درخت کا کودنا'' یا ''جھاڑ جھنکاڑ کا کودنا'' رکھا ہے۔ غرض طرح طرح کے تماشے برسات میں پھول والوں کی سیر میں ہوتے ہیں۔ اس دالان کی چھت ساری کی ساری اندر سے خالی ہے جس کے چھجے کے نیچے تیرہ انبوبے بطور فوارے کے لگے ہوئے ہیں۔ اس چھت پر بھی پانی چڑھتا تھا اور ان انبوبوں میں سے دھاریں چھوٹتی تھیں اور حوض میں گرتی تھیں۔ اس دالان کے اندر بھی ایک چادر ہے ۳ فٹ ۲ انچ چوڑی جو ۳ فٹ ۷ انچ کی اونچان پر سے گرتی ہے۔ اس کے نیچے چراغ جلانے کے طاق بنا دیئے ہیں۔ چادر کا چھوٹنا اور اُس میں چراغوں کا جھلملانا بجنسہ ایسا معلوم دیتا تھا جیساکہ آتش بازی کے پھول جھڑ رہے ہیں یا تارے ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر لوٹ رہے ہیں۔

نظر آئی واں چاندنی کی بہار	کہ آنکھوں نے کی خیرگی اختیار
در و بام یک لخت سارے سپید	ہر اک طاق محراب صبح اُمید
لبالب وہ چوپڑ کی پاکیزہ نہر	پڑے چشمۂ ماہ سے جس میں نہر
لب نہر پر صاف جو غور کی	نوٹ پڑی تھی وہ ایک بلور کی
بڑے اس میں فوارے چھٹتے ہوئے	ہوا میں وہ موتی سے لٹتے ہوئے
زمیں نور کی آسماں نور کا	جدھر دیکھیے واں سماں نور کا
ہر کرتی نگہ جس طرف کو گذر	بجز نور آتا نہیں کچھ نظر

یہ حوض ۲۶ فٹ مربع اور ساڑھے سات فٹ عمیق ہے دہانہ ایک فٹ (۷) انچ کا ہے جس سے اس حوض میں پانی آتا ہے۔ حوض کے سامنے ایک بہت خوش نما نہر ۳۲ فٹ لمبی اور چھ فیٹ چوڑی اور ساڑھے تین فیٹ گہری ہے۔ اس نہر کا پانی چادر پر جاکر برستا ہے۔ یہ بڑی چادر ہوئی اس کے سوا شمال اور جنوب میں آمنے سامنے دو چھوٹی چادریں اور ہیں جو ۲ فٹ ۱ انچ چوڑی ہیں اور دو فیٹ کی بلندی پر سے گرتی ہیں۔ ان چادروں کے آگے ۵ فٹ ۲ انچ کی مینت کاری کے

سلامی پتھر لگا دیئے ہیں جن کے خاروں میں پانی اٹک اٹک کر لہراتا اٹکھیلیاں کرتا عجب خرام ناز اور معشوقانہ انداز سے جاتا ہے کہ اُس کی خوبی حیطۂ تحریر سے باہر ہے۔ ان تینوں چادروں کے سامنے نہریں ہیں۔ بڑی چادر کے سامنے کی نہر ۲ ۳ لمبی۔ ۶ چوڑی اور فٹ بھر گہری ہے اس نہر کے سامنے سنگ سرخ کا ایک بارہ درہ منڈوا ۱۱ - ۱۰ × ۹½ ہے صحن میں ایک پُرانا درخت جامن کا ہے اور کئی درخت آم اور نیم کے ہیں۔ موجودہ نقشہ اس کا یہ ہے:۔



حجرے کا　　　دالان

چھوٹی نہروں کے سامنے کی نہریں ۵ آ ۔ ۳ لمبی ۔ ۲ ۔ ۹ چوڑی اور آٹھ انچ گہری ہیں۔ اب سب لوٹ ٹاٹ کر فوارے اور چادریں سب بند ہیں اور پانی جنگل میں بہ جاتا ہے۔ اب اس مکان کی خوبی اور نفاست کیا لکھی جاوے نہ وہ مکان ہی رہا نہ وہ مکین ہی رہے۔ نہ وہ عیش پسند طبیعتیں رہیں نہ وہ مذاق رہا۔ اب زمانے میں کچھ اور ہی ہوا چلی ہے۔ ہم اس ٹوٹی پھوٹی حالت کو بھی دیکھ کر لٹو ہوے جاتے ہیں۔ چادروں کا گرنا۔ پانی کے دھواں دھوں کا غل جانوروں کا ہرے بھرے درختوں پر پھدکنا اور چہچہانا۔ کوئل کی کو کو پپیہے کی پی کہاں کی صدا مور کا جھنگارنا اور ناچنا۔ فاختاؤں کا گونجنا خلقت کی کثرت اور ریل پیل۔ تماشائیوں کا بن سنور کر عمدہ عمدہ رنگ برنگ کے لباسوں میں گشت کرنا حسینوں کے جھرمٹ۔ گانے کی الاپ طبلے کی تھاپ۔ کٹوروں کی جھنکار۔ سودے والوں کی پکار۔ دکانوں کی سجاوٹ۔ یار دوستوں کی لگاوٹ۔ پھول گجروں کی بہار۔ خوشبو دعطریات کی مہکار۔ کچھ عجب سماں تھا۔ بلا مبالغہ یہ معلوم دیتا تھا کہ راجہ اندر کا اکھاڑا یا پرستان زمین پر اُتر آیا ہے۔ بڈھے ٹھڈے اب بھی یاد کر کر کے مزے لیتے ہیں بھلا ہماری تقدیر ایسی کہاں تھی کہ ہم اس بہار کو دیکھتے ہمارے نصیب میں تو بس یہی رہ گیا ہے کہ گل کی جگہ خار دیکھ کر کف افسوس ملیں۔

کھلی آنکھیں تو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں　　　بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

مکانات جانب شمال

سنہ ۵۳-۱۲۲۱ھ
۳۷-۱۸۰۶ء

اس طرف ایک دہرا دالان پختہ و سنگین بہت خوش نما بنا ہوا ہے جو طول میں ۳۱-۸ اور دونوں دالانوں کی چوڑائی (۲۳) ہے۔ یہ دالان ابو النصر معین محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ نے اپنے عہد سلطنت میں (جن کا زمانہ سنہ ۵۳-۱۲۲۱ھ ۳۷-۱۸۰۶ء تھا) بنوایا تھا جواب بھی موجود ہے۔ یہاں کے سب مکانوں میں یہی ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ اسی سے ملا ہوا ایک درا ۳۱-۹×۱۱-۹ ہے جس کی چھت چوبی کڑیوں کی ہے۔

مکانات جانب جنوب

سنہ ۱۲۲۱-۱۱۷۳ھ
۱۸۰۶-۱۷۵۹ء

اس طرف ایک سہ درا دالان ہے جس کی بغلی میں دو در اور ہیں چنانچہ اسی وجہ سے وہ پنج درہ کہلاتا ہے۔ اور اگر ادھر ادھر کے دروازے ملالو تو ست درہ ہو جاتا ہے۔ یہ شاہ جی کے بھائی سید محمد صاحب نے ابو المظفر جلال الدین سلطان عالی گوہر شاہ عالم ثانی بادشاہ (سنہ ۱۲۲۱-۱۱۷۳ھ ۱۸۰۶-۱۷۵۹ء) کے زمانے میں بنوایا تھا جس کا اب نشان تک نہیں رہا۔ البتہ بیچ میں بہادر شاہ (سنہ ۷۳-۱۲۵۳ھ ۵۷-۱۸۳۷ء) نے ایک سنگین بارہ دری بنوائی تھی جواب بھی موجود ہے۔

مکانات جانب شرق

سنہ ۶۱-۱۱۳۱ھ
۴۸-۱۷۱۹ء

اس طرف کوئی مکان نہیں ہے پہاڑ ہی پہاڑ ہے۔ روشن اختر ابو الفتح محمد شاہ بادشاہ نے (سنہ ۶۱-۱۱۳۱ھ ۴۸-۱۷۱۹ء) ایک پھسلواں پتھر کہ اس پر لوگ چڑھتے اور پھسلتے تھے رکھوا دیا تھا۔ یہ پتھر ۱۸-۳۱ لمبا اور ۷-۲ چوڑا تھا جواب بالکل ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اب صرف کچھ کچھ نشان باقی رہ گیا ہے۔ دروازہ اس کا کچھ شاندار نہیں ہے معمولی آٹھ فیٹ اونچا اور ۵-۳ چوڑا ہے۔ اس کو آہنی جنگلے کے کواڑ حال میں چڑھا دیئے ہیں۔

امریاں

یہیں پاس بہت سے آم کے درخت ہیں جو "امریاں" مشہور ہے۔ پھول والوں کی سیر میں سیلانی چوکڑے یہاں جھولے ڈالتے اور لمبی لمبی پینگیں بڑھاتے ہیں۔ شہر کی تمام طوائف آتی اور عشق و محبت کی ڈوریاں ڈال کر شوق و ذوق کی پینگیں بڑھاتی ہیں۔ تماش بینوں اور اوباشوں کی بے حیائی اور رنڈیوں کی کمائی کا اچھا ذریعہ ہے۔ اس مقام پر ایک قبر بھی ہے جس پر قلعہ کنندہ ہے

عارف حکیم فاضل باز بد پُر قناعت — گروہ ہلاک اللہ اقرانی بد دیانت
تاریخ سال اور ہاتف مرا خبر داد — روح شہید عابد آمد میان جنت

غرض اس طلسم کدے کا حال کیا لکھوں اس کا نقشہ کوئی عاشق مزاج ہی خوب کھینچ سکتا ہے شیخ کیا جانے صابن کا بھاؤ۔

پھول والوں کی سیر

ساون بھادوں کے مہینے ہر سال بڑی دھوم سے میلا ہوتا ہے۔ اب اس گئے گزرے زمانے میں بھی بہت کچھ اہتمام اور دھوم دھڑکا ہوتا ہے ایسا کہ سارا شہر لوٹ پڑتا ہے۔ پہلے زمانے میں آٹھ آٹھ دن جنگل میں منگل رہتا تھا۔ بدھ سے جمعہ تک تین دن تو میلہ شباب پر رہتا ہے اور بڑا ہجوم ہوتا ہے۔ بیچ میلے کا دن جمعرات کا ہوتا ہے۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمی سے کم جمع نہیں ہوتا۔ پھول والے اور اہل حرفہ نہایت خوش نما پنکھے بناتے اور باجے گاجے نوبت نقارے ڈھول تاشے روشن چوکی کے ساتھ لے جا کر حضرت قطب صاحب کی درگاہ پر چڑھاتے ہیں۔ اس وجہ سے اس میلے کا نام "پھول والوں کی سیر" ہے۔ میلے میں شہر کی دکانیں اور بازار خوب سجائے جاتے ہیں۔ سارے مکانات بھر کر لوگ میدان میں رات کو پڑے رہتے ہیں۔ جس طرف دیکھو آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں شہر سے لے کر قطب صاحب تک بہلیوں۔ یکوں۔ گاڑیوں۔ اور سواروں غرض ہر قسم کی سواریوں کا تانتا لگا رہتا ہے اور پیدل چلنے والوں کا تو کچھ شمار ہی نہیں۔ سال بھر یہاں کے مکانات اور بنگلے جو سر راہ ہیں خالی پڑے رہتے ہیں مگر ان تین دنوں میں ایسا کرایہ وصول ہو جاتا ہے جو سال بھر کی آمدنی کے برابر ہوتا ہے۔ میلے میں لاکھوں روپے کی خرید فروخت ہو جاتی ہے۔ ہزارہا آدمی حوض میں نہاتے ہیں اور دالان کی چھتوں دیوار کی منڈیروں اور درختوں پر سے حوض میں کودتے ہیں اور پھلنے پتھر پھسلتے اور امبرتوں میں جھولے جھولتے۔ اس میلے کو اس زمانے کی بڑی بھاری پکنک سمجھیے۔ دلی والا کام پیشہ کوئی ایسا نہ ہوگا جو نہ جاتا ہو۔ مہینوں پہلے سے طیاریاں شروع کرتے ہیں۔ گھر میں چاہے کھانے کو نہ ہو مگر پھول والوں کی سیل (ان پڑھے کام پیشہ یوں ہی بولتے ہیں) ناغہ نہ ہو۔ قرض کریں گے دام کریں گے۔ جورو کا لوم چھلا بیچیں گے مگر پھول والوں کی سیل ناغہ نہیں ہو سکتی۔ چوں کہ ادنیٰ درجے کے لوگ بہت جاتے ہیں اور یہ لوگ وہاں جا کر ادھم مچاتے اور طوفان بے تمیزی برپا کرتے ہیں لہذا اُجلے پوش شریف ذرا جانے میں ہچکچاتے ہیں۔ ایسا ہی شوق چرایا تو صبح گئے اور شام کو

اپنے گھر چلے آئے۔ بلا مبالغہ ساری دلّی خالی ہو جاتی ہے اور چوروں کی بن آتی ہے کثرت سے چوریاں ہوتی ہیں۔ یہاں کے پراٹھے اور کباب بہت مشہور ہیں۔ بات یہ ہے جنگل کی ہوا اور اُس پر چلنا پھرنا بھوک خوب لگتی ہے اور بھوک میں سب ہی چیز اچھی معلوم دیتی ہے سوائے اس کے اور کوئی خصوصیت نہیں۔ بادشاہی زمانے میں اس میلے کا رنگ روپ کچھ اور ہی تھا اور اب دلّی والوں کو بس اتنی تفریح بھی غنیمت ہے۔ جہاں روکھ نہیں وہاں ارنڈ ہی اوکھ ہوتا ہے۔

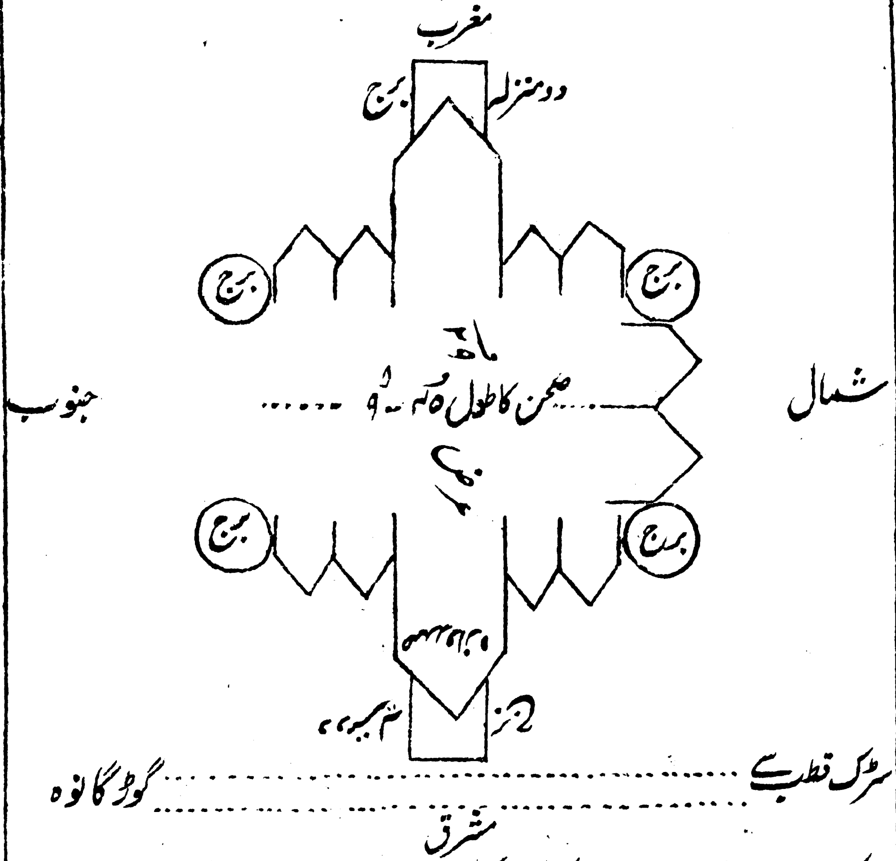
زمانہ دگرگوں شود ہر نفس — نگردد بیک گونہ با ہیچ کس

گوڑگانویں کی سڑک پر کی عمارتیں

بادشاہ پسند سرائے سڑک کے بائیں طرف ایک بہت وسیع اور پختہ سرائے بنی ہوئی ہے جس کا ایک عالی شان سہ گہا دروازہ سڑک سے ملا ہوا ہے۔ اس کے مربع احاطے میں چاروں طرف سہ درے مکان اُن لوگوں کے واسطے بنے ہوئے ہیں جو الگ مکان پردے کی جگہ اپنے زنانے کے واسطے چاہیں۔ باقی تین طرف نو نو حجرے مسافروں کے لیے ہیں۔ یہ حجرے ۸ × ۸-۱۰ گیارہ فٹ اونچی محراب کے ہیں جن کے سامنے ۹ × ۸ کا برآمدہ ہے۔ مغرب کے رُخ صدر دروازہ ہے اِدھر اُدھر چار چار حجرے ہیں۔ چاروں کونوں پر نو نو سیڑھیوں کے زینے ہیں۔ شمال اور جنوب کے دونوں کونوں میں ایک ایک کوٹھری بھی رکھی گئی ہے۔ چونکہ یہ سرائے موجودہ بستی سے ذرا پرے ہے لہٰذا بالکل ویران ہے۔

جہاز محل یا لال محل یا شیش محل سڑک سے بالکل ملا ہوا داہنی طرف جہاز محل ہے جسے بعض لوگ لال محل بھی کہتے ہیں کہ سرتاپا سنگ سرخ کا بنا ہوا ہے اور شیش محل بھی یہی کہلاتا ہے شاید کسی زمانے میں شیشہ آلات لگے ہوئے ہوں اب تو صرف جہاز کے نام سے مشہور ہے۔ وجہ تسمیہ اس کی کچھ معلوم نہیں ممکن ہے کہ جہاز کی شکل کا مبوترا ہونے سے یہ نام پڑ گیا ہو۔ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ کسی سوداگر کا جہاز تباہی میں آ گیا تھا اُس نے منت مانی تھی کہ اگر اُس کا جہاز صحیح

سلامت آجائے گا تو وہ ایک مکان رفاہ عام کے لئے بنا دے گا اور اُس کی مراد پوری ہونے سے اُس نے یہ مکان بنوا دیا۔ سنا جاتا ہی کہ بہادر شاہ بادشاہ بھی اس محل میں ٹھیرا کرتے تھے۔ سر سید نے تو لکھا ہی کہ وہ آپ گر پڑ کر زمین کے برابر ہو گیا۔ صرف نام ہی نام رہ گیا ہی، لیکن موقع پر تو اس محل کا بہت کچھ حصہ اب تک بھی باقی ہی اور اُس وقت تو اس سے بھی بہتر حالت ہوگی۔ ہم موجودہ حالت کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ پہلے تو نقشہ ملاحظہ فرمائیے۔



سڑک پر سے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر محل کے صدر دروازے میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ مکان مستطیل ہی چاروں کونوں پر چودہ چودہ در کے برج ہیں۔ صدر دروازے اور اُس کے مقابل کے دروازے کے اوپر بارہ در کا برج ہی۔ یہ برج اور دروازے سنگ سرخ کے ہیں باقی اصل محل سنگ خارا اور چونے کا ہی۔ جنوب کی طرف کا ضلع گر گیا ہی باقی تین طرف کا حصہ جوں کا توں کھڑا ہی۔ چاروں طرف لداوی چھت کے دالان

اور حجرے ہیں۔ برجوں کے قبوں پر چینی کا لاجوردی کوٹ ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ محل کے اندر بھی چینی کا کام ہوگا لیکن جب پلاستر ہی سارا جھڑ گیا ہی تو اب رنگ کہاں باقی رہ سکتا ہی۔ عمارت کی بلندی چھت تک ۱۹ ہی۔ زینہ چھت پر جانے کا پندرہ سیڑھیوں کا ہی۔

بارہ درہ جہاز محل کے سامنے سڑک کی بائیں جانب اونچے ٹیلے پر بارہ درہ ۸ ۱/۲ آ۔ ۱۰ کا گنبد سنگ خارا کا کھڑا ہی۔ اس کے چو طرف دالان تھے اور بیچ میں یہ گنبد تھا۔ دالان تو سب گر گرا گئے گنبد باقی ہی۔ گنبد کے اندر ایک زمین دوز قبر بھری ہی اور گنبد کے باہر چبوترے پر ایک سنگ خارا کے تعویذ کی قبر ہی۔

گورکنوں کی مسجد جھرنے کے پاس ایک اونچے ٹیلے پر اس سڑک کے بائیں جانب گورکنوں کی مسجد ۴۵ فٹ × ۲۶ ۱/۲ ہی تین در ادھر تین در ادھر بیچ میں نو سیڑھیوں کا زینہ۔ دروں کی اونچان چھ فیٹ اور چوڑان ۴ ۱/۲ ہی۔ چھت لداؤ کی ہی۔ سامنے مسجد کے صحن ہی مگر چبوترا شکستہ ہی اسی چبوترے کے نیچے جھرنا ہی۔ مسجد چونکہ ٹیلے پر بنائی گئی ہی اس واسطے سڑک کے کنارے پانچ در کا ایک لداؤ دالان بنا کر اس پر مسجد کی عمارت بنائی ہی۔ یہیں سنگ خارا کا ایک ہشت درہ منڈوا ۱ ۱/۲ مربع ہی جس میں ایک زنانی قبر سنگ خارا کی ہی۔

اولیا مسجد یہ مسجد شمسی تالاب کے کنارے مشرق کی طرف سڑک کے لگی ہوئی داہنی طرف ۵۸ × ۳۶ فٹ کے ایک پست احاطے میں واقع ہی۔ بعض جگہ تو دیوار تین ہی فیٹ اونچی ہی۔ اصل مسجد تو اب نرا ایک چبوترا ہی چبوترا ہی۔ صرف مغرب کی طرف ایک محراب چھ فیٹ کی بنی ہوئی ہی۔ مسجد کے صحن میں تین مصلے سنگ خارا کے ہیں جن کی نسبت لوگ کہتے ہیں کہ یہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور خواجہ قطب الدین صاحب نے چلہ کھینچا تھا اور چونکہ حضرت خواجہ صاحب اور دوسرے بزرگوں نے خود لکڑیاں ڈھو ڈھو کر یہ مسجد بنائی لہٰذا اولیا مسجد مشہور ہو گئی۔ اب اس کچی مسجد کو لوگوں نے پکا بنا دیا ہی اور ایک اکہرا تین در کا دالان ۲۶ ۱/۲ × ۶ ۱/۲ فٹ کا لوہے کے گرڈروں اور چوکوں کی چھت کا بنا دیا ہی اور سامنے صحن میں گچ کا فرش کرا دیا ہی۔ اس میں ایک بڑ کا بہت بڑا درخت ہی جس سے تمام

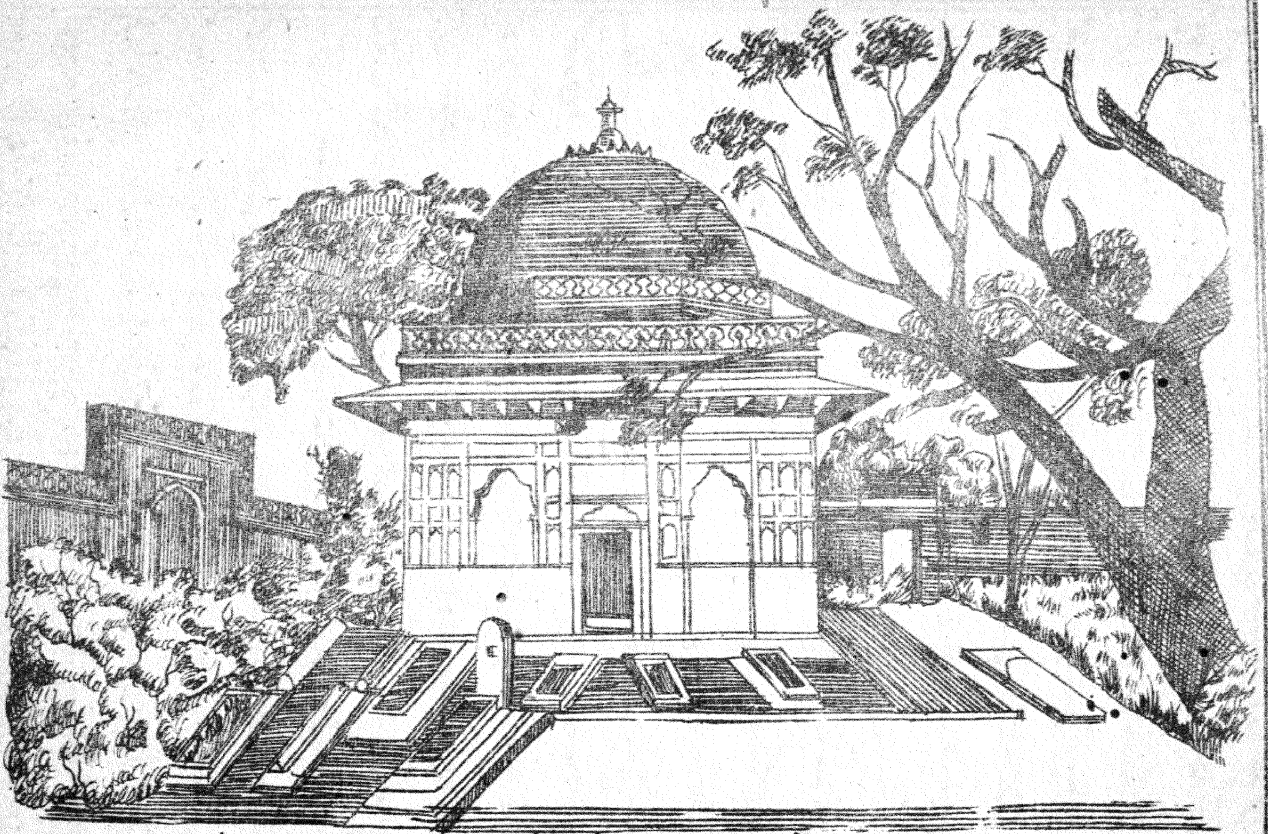
مسجد پر سایہ رہتا ہے۔ مسجد کی بلندی ۷ آپا ہے۔ دروں کی اونچان ۱۲ آپا اور چوڑان ۹-۹۔
ایک طرف زینہ ہے۔ مسجد کی چھت کی دیواریں دو کھلے دروازے ہیں۔ صحن میں ایک
کنواں بھی ہے۔ حوض شمسی میں اترنے کی آٹھ سیڑھیاں ہیں۔ نیچے وار اصل مسجد ہے جس کی ایک
چھوٹی سی قدیم محراب باقی ہے اور بہت چھوٹا سا ممبر بھی بنا دیا ہے۔ یہ حصہ ۳۲×۲۴ ہے۔
اکثر بزرگان دین مسجد کے اس حصے میں چلہ کشی کیا کرتے تھے اور موقع بھی تخلیہ کا بہت
عمدہ ہے۔ مسجد کی غربی دیوار شمسی تالاب سے صرف ۴ہ کے فاصلے سے ہے۔ اب حال میں مسجد
کے جنوب میں ایک شرق رویہ دالان منشی محمد کرم اللہ خاں صاحب مرحوم رئیس دہلی
نے بنوا دیا ہے جس سے لوگوں کو بہت آرام ملتا ہے۔ مسجد کے پختہ صحن کے بعد ایک کونے میں
خام صحن کے حصے میں کچھ قبریں بھی ہیں۔

مقبرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی

سنہ ۱۰۵۲ھ ۱۶۴۲ء

اے اجل گر تن بے جاں تہ خاکش سپری
نتوانی کہ نکو نامیش از یاد بری

حضرت خواجہ صاحب کی درگاہ سے آگے بڑھ کر پختہ سڑک پر
تھوڑی دور چلنے کے بعد حوض شمسی کے کنارے داہنی طرف آپ کا گنبد پختہ بنا
ہوا ہے۔ آپ بڑے عالم متبحر۔ محدث اور مفسر اکبر اور جہانگیر کے عہد کے تھے۔ ملک ہند
میں سب سے اول علم حدیث کی ترویج آپ ہی نے دی اور آپ ہی کی وجہ سے کلام
رسول مقبول کی شہرت اس ملک میں ہوئی۔ آپ کے جد اعلیٰ آقا محمد اپنے وطن
اصلی بخارا سے بعہد سلطان محمد علاء الدین خلجی تا بین سنہ ۶۹۵ھ و سنہ ۷۱۶ھ ایک جماعت
کثیر کے ساتھ دہلی تشریف لائے اور تسخیر ممالک گجرات و بنادر کے مامور ہوئے۔ آپ کے
والد ماجد کا نام شیخ سیف الدین تھا جنھوں نے ۲۷ شعبان سنہ ۹۹۰ھ میں ستر سال
کی عمر میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ انتقال کیا اُس وقت آپ کی عمر ۳۲ سال
سات ماہ کی تھی۔ آپ کی ولادت ماہ محرم سنہ ۹۵۸ھ سلیم شاہ کے عہد میں ہوئی اور وفات
۲۲ ربیع الاول سنہ ۱۰۵۲ھ شاہجہاں کے عہد میں ہوئی۔ دلی میں اب تک موجود ہے۔ آپ کے
سنہ ۹۷ آپ کی اولاد محلہ مفتیان نزد بیرم خاں میں رہتی ہے۔ آپ کی نویں پشت میں مولوی محمد احسان الحق صاحب
دلی کے سربرآوردہ لوگوں میں سے تھے ان کے فرزند اکبر خان بہادر مولوی محمد انوار الحق صاحب (بقیہ بر صفحہ آئندہ)



نقشہ درگاہ حضرت شیخ عبدالحق

مقبرے کی نسبت مراۃ الحقایق میں لکھا ہی کہ نواب مہابت خاں سپہ سالار عہد شاہجہاں نے آپ کی حیات میں بنوایا۔ نواب ممدوح کو حضرت سے عقیدت مفرط تھی۔ مقبرہ طیار ہونے کے بعد حضرت کی خدمت میں اطلاع دی گئی کہ مقبرہ طیار ہی۔ آپ نے فرمایا کہ "وہ ہم بھی طیار ہیں"۔ سر سید نے لکھا ہی کہ یہ مقبرہ شیخ الاسلام نے بنوایا مقبرے کی شمال رویہ دیوار پر یہ کتبہ نصب ہی:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مجملے از احوال کرامت منوال مقتداے وقت صاحب المفاخر ابوالمجد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ آں کہ از مبادی شعور بطاعتِ حق و طلب علم کمر بستہ باوان بلوغ اکثر علوم دینیہ تحصیل کرد و در سن بست و دو سالگی از ہمہ آں فارغ شدہ و کلام مجید از بر گرفتہ۔ بر مسند نشست۔ وہم در عنفوانِ جوانی جاذبہ الٰہی در رسید۔ بیک بار دل از یار و دیار بر کندہ متوجہ حرمین محترمین گشت۔ مدتے مدید بہ آں مقاماتِ شریفہ اقامت ورزیدہ باقطاب زماں و اولیاے کبار صحبتہا داشتہ بودائع ارجمند در رخصت ارشاد طالبان اختصاص یافت۔ و علاوہ آں تکمیلِ فن حدیث نمودہ با برکات فراواں بوطن مالوف مراجعت فرمود۔ و مدتِ پنجاہ و دو سال بجمعیتِ ظاہر و باطن تمکن یافتہ

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ) راجپوتانے کی رزیڈنسی کے بڑے نامور اور مشہور میر منشی تھے جو بڑے ذی علم باخدا اور صاحب تقوی تھے۔ فرزند دوم مولوی وحید الحق تھے جو جوان مرے۔ فرزند سوم مولوی سیف الحق صاحب ادیب بڑے پایے کے شاعر تھے جو دکن حیدر آباد میں پریس رپورٹر تھے یہ بھی نوجوان مرے۔ چوتھے اور سب سے چھوٹے صاحب زادے خان بہادر مولوی شرف الحق صاحب خاکسار کے برادر نسبتی تھے اور حیدر آباد میں مہتمم بندوبست تھے اُنھوں نے وہیں انتقال کیا اب گیارہویں پشت میں کئی صاحب ایم۔ اے اور بی۔ اے معزز عہدوں پر ہیں جن میں سے مولوی شرف الحق کے دو صاحب زادے جو میرے سگے بھانجے ہیں۔ ہیں۔ بڑے صاحب زادے ڈاکٹر مشرف الحق پی ایچ ڈی ڈھاکہ کالج کے سائنس کے پروفیسر ہیں اور چھوٹے ڈاکٹر اشرف الحق۔ ایم۔ بی۔ سی ایچ بی۔ افواج قلعۂ گولکنڈہ گورنمنٹ سرکار عالی نظام کے ڈاکٹر ہیں۔ غرض یہ کہ حصولِ علم میں شیخ کا تصرف اب بھی جاری ہی اور علم کی جھلک اس خاندان میں اب بھی نظر آتی ہی۔ یہ بات دوسری ہی کہ وہ علم الادیان سے بدل کر علم الابدان ہو گیا ہو یا عربی کی جگہ انگریزی نے لے لی ہو۔ سو یہ اقتضاے زمانہ ہی اور اب اسی کی ضرورت اور قدر ہی۔ مشرف الحق نے بھی اس نوٹ لکھنے کے بعد ۱ جنوری ۱۹۲۰ء کو بعالم شباب پردیس میں بمقام ڈھاکہ انتقال کیا ہی۱۲

بتحمیلِ فرزندان طالبان بجا آورد۔ وبنشر علوم سیّما بعلم شریف حدیث پرداختہ۔ بہ نہجیکہ در دیار عجم احدے را از علماے متقدمین و متاخرین دست ندادہ است ممتاز و مستثنیٰ گردید۔ و در فنونِ علمیہ خاصۃً فن حدیث کتبِ معتبرہ تصنیف کرد۔ چنانکہ علماے زماں اعتنا بآں ورزیدہ دستور العمل خود دارند۔ واہل دانش از خواص وعوام بجاں خریداری می نمایند۔ تصانیف ایں فیاض والا گہر از صغیر و کبیر بصد مجلد بحسب شمارِ ابیات بپانصد ہزار رسیدہ است۔ در محرم ۹۵۸ھ ایں نور اتم پرتو ظہور بعالم عنصری داد و در ۱۰۵۲ھ بتمام آگہی و کشادہ پیشانی بعالم قدس خرامید۔ تاریخ ولادت "شیخ اولیا" ۹۵۸ وتاریخ رحلت "فخر العالم" ۱۰۵۲ است۔"

قطعۂ تاریخ وفاتِ حضرتِ شیخ

فاضلِ ہند شیخ عبد الحق	حامیٔ شرعِ دیں بہ نیک نسق
عالم و متقی و عارف بود	بعلومِ عربیہ واقف بود
شرح مشکوٰۃ از تصانیفش	تازی و فارسیست تالیفش
آنچہ اوراد گر تصانیف ست	چہ بہ نظم وچہ نثر تالیف ست
بنہالیش کہ در شمار آمد	ہمگی ہشصد و ہزار آمد
عمرِ او بود یکصد و دہ سال	کاں زماں شد ازیں سرائے ملال
سالِ نقلش خرد عیاں ونہفت	"بخلد بریں بہشت مرقد" گفت ۱۰۵۲
مسکنِ او بشہرِ دہلی دال	مدفنِ او بشہرِ دہلی دال

شاہ عبد الحق صاحب رح کا گنبد ہے اور مربع ہے۔ دروازہ ایک ہی طرف جنوب رویہ ہے۔ یہ گنبد ایک خوش نما باغ اور پُر فضا مقام پر واقع ہے۔ درخت اب تک بھی بہت سے ہیں۔ مقبرے کے صحن میں آپ کی آل اولاد کی بہت سی قبریں ہیں مگر گنبد کے اندر صرف آپ ہی کا مزار ہے۔ گنبد کے گرد چاروں طرف احاطے کی دیوار پر نہایت عمدہ خوش خط بڑے بڑے حروف میں آیۃ الکرسی لکھی ہوئی ہے۔ گنبد اور اُس کا فرش چونے گچی کا ہے۔ گنبد بہت سادا سودا ہی کچھ تکلف اُس میں نہیں کیا گیا مگر اس سادگی میں بھی کچھ عجیب لطف ہے کہ

سالِ ایک سال کم نکلتا ہے اور سن شریف بھی آپ کا ۱۰۹ سال ہوتا ہے نہ کہ ۱۱۰۔ ۱۲

انسان کے دل میں کشش پیدا ہوتی ہے۔ چونکہ آپ کی اولاد محلہ مفتیاں ترایہ بیرم خاں میں موجود ہے آپ کا عرس ہر سال ہوا کرتا ہے اور اسی وجہ سے گنبد کی نگہداشت مرمت آہک پاشی اور صفائی ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ آپ کے صاحبزادے کا بھی مزار یہیں ہے جس پر یہ کتبہ ہے "شیخ نورالحق ابن شاہ عبدالحق صاحب ۱۰۷۳ھ"۔ گنبد کے سامنے صحن چھوڑ کر ایک دو منزلہ سہ درہ لداوی دالان بطور خانقاہ کے ہے جس کا بیچ کا حصہ گر گیا ہے۔ گنبد کا کلس پتھر کا ہے جو قایم ہے۔

خانقاہ سید نیاز محمد صاحب رح

حضرت شیخ عبدالحق کے مقبرے کی پشت پر ایک احاطہ کے اندر صحن میں صرف ایک قبر پختہ بنی ہوئی ہے جس پر یہ کتبہ لگا دیا ہے "سید نیاز محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ" اور اسی احاطے میں ایک پختہ دالان جنوب رویہ نیا بنا ہوا ہے۔ ان بزرگوار کا کچھ حال دستیاب نہیں ہوا۔

حوض شمسی ۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء

صفت حوض کہ در قلعۂ سنگیں گوئی
ریختہ دست فلک زاب خضر صورت جاں

درکمر سنگ میان دو کوہ	آب گہر صفوت و دریا شکوہ
ساختہ سلطان سکندر صفات	در سد کوہ آئینہ زاب حیات
تا خضر آب خوش او نوش کرد	آب خوش چشمہ فراموش کرد
شہر گراز وے بنود آب کش	کس نخورد در ہمہ شہر آب خوش
آب کہ علت ز برائے تر لیست	تری آں آب ز علت بریست
ور نخورد آب وی اندر زمیں	گر بزمیں در خورد آبے چنیں
زنتہ آبش ز صفا ریگ خرد	کور تو اند بہ دل شب شمرد
موج بلندش کہ رسد تا بماہ	باز دہد آب بابر سیاہ
سیل وی آہنگ بکہسار کرد	کوہ بتر دامنی اقرار کرد
چوں مدوجزرش زنشیب و فراز	د آب زکوہ آمد ورفتہ باز
چوترہ قصر بلندش در آب	گشت ازاں ساغر صافی حباب
روی بسے زد شدہ تا آب جون[1]	جوں زنی آب از جہتہ عون

[1] دریائے جمنا کا پرانا نام ہے۔ ۱۲

مرغ بہر رود دوے اندر سرود — رقص کناں ماہی از آوازِ رود
شیشہ گری کرد بآبش حباب — شیشۂ خالی وجہاں پر گلاب
باد کہ بروے خطِ زیبا نوشت — نسخۂ ماہیت دریا نوشت
عمق درو کار بجائے کشید — گز تہ او گشتہ زمیں ناپدید
رفت زمیں را چو حباب از میاں — گشت پدید از تہ آب آسماں
نیم فلک ہست بزیرِ زمیں — چوں تہش نیست زمیں آں ہمیں
بسکہ زمیں رفت بہم ماہیش — گاوِ زمیں شد خورش ماہیش
حوض نگویم کہ جہانے ز نور — نور کز و دیدۂ بد باد دور
گرد وے از اہلِ تماشا گروہ — دامن خیمہ شدہ دامانِ کوہ

(امیر خسرو۔ از مثنوی قران السعدین)

یہ تالاب شمس الدین التمش نے ۶۲۷ھ ۱۲۲۹ء میں بنوایا تھا اور اُسی کے نام سے مشہور ہے۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ المعروف بہ قطب صاحب ہندوستان کے بہت بڑے بزرگ التمش ہی کے زمانے میں تھے اور بادشاہ کو بھی حضرت سے بہت عقیدت مندی تھی۔ اس حوض کے بنانے کے متعلق یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ بادشاہ اور حضرت خواجہ صاحب دونوں کے خواب میں تشریف لائے۔ بادشاہ نے خواجہ صاحب سے خواب کی تعبیر پوچھی تو خواجہ صاحب نے فرمایا کہ جس مقام پر آپ نے حضرت علی کی زیارت کی ہے وہاں ایک تالاب بنوا دینا چاہیے۔ چنانچہ بادشاہ نے بہ تعمیل ارشاد خواجہ صاحب یہ تالاب بنوا دیا۔ جو حوض شمسی کے نام سے مشہور ہے۔ تالاب کے گرد سنگ سرخ کی بندش تھی لیکن اب اُس کا نام بھی باقی نہ رہا۔ تالاب کا رقبہ ۹ بیگھے ۵ بسوے پختہ ہے لیکن برسوں کی کس مپرسی کی وجہ سے بالکل مٹی سے اٹ گیا ہے اور اب ایسے ہی زور کی بارش ہو تو بیٹے میں کچھ پانی ٹھیر جاتا ہے ورنہ ہمیشہ خشک پڑا رہتا ہے۔ ۷۱۱ھ ۱۳۱۱ء میں سلطان علاء الدین خلجی نے جب تالاب کی خراب حالت دیکھی تو گل بر آری اور مرمت کرادی تھی اور اُسی زمانے میں اس کے بیچوں بیچ ایک لدا دی چبوترا جو نیچے سے خالی ہے بنا کر اُس پر ایک نہایت خوش نما برجی بنا دی تھی جس کے سولہ ستون آٹھ آٹھ فیٹ اونچے ہیں اور برجی کا مسقف حصہ (۱۶×۱۶) مربع ہے۔

جس کے وسط میں براق کے قدم کا نشان ہونا کہا جاتا ہی جو تصدیق طلب ہی۔ دو صدی بعد محمد شاہ تغلق نے جب سنا کہ لوگوں نے شرارت سے آمدنی آب کے ذرائع مسدود کردیئے ہیں تو اُن کو قرار واقعی سزا دی گئی اور آمدنی کے منافذ کھلوا کر صاف کرا دیئے گئے اور تالاب کی بھی مرمت کرادی۔ اسی تالاب سے قطب صاحب کے جھرنے میں پانی جاتا ہی اور اسی تالاب کا پانی تغلق آباد کے قلعے کی خندق میں جاتا تھا۔ حقیقت میں اتنا بڑا حوض تو کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ لوہے کی لاٹ سے یہ تالاب کوئی ایک میل کے فاصلے پر ہی اور یہ جگہ اولیائے کرام۔ بزرگان دین اور بڑے بڑے مشاہیر کے مزارات اور قبروں سے پٹی پڑی ہی۔ اس تالاب کے گرد کی زمین تاریخی معرکوں کا مخزن ہی۔ اس سرزمین کے چپّے چپّے پر مقدس اور بہادر لوگوں کی ہڈیاں گڑی ہوئی ہیں جن کا سلسلہ برابر چھ سو سال تک جاری رہا۔ یہیں مشہور اولیا مسجد ہی جس میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور خواجہ صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ نے سلمان بادشاہوں کی کامیابی کی دعا کی تھی۔ حوض کے جنوب میں اندھیریا باغ ہی جس کے اب دس پانچ ہی درخت باقی رہ گئے ہیں۔ اور پانی پت کے کمبوہوں کی بڑواڑہ ہی اور مشرق میں اولیا مسجد۔ اور لال محل ہی جسے جہاز محل بھی کہتے ہیں۔ مغرب میں مولٰنا شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی مصنف اخبار الاخیار کا گنبد اور اس کے شمال میں ایک اُجاڑ باغ ہی۔ علاوہ اس کے بہت سے مزارات ہیں جن کا کچھ پتہ نہیں چلتا اور بعض مقامات یہ ہیں۔ بلخی شاہزادے کا باغ۔ شادی باغ۔ زین الدین زمردین شیخ وجیہ الدین خلیفہ سلطان المشائخ۔ شیخ امجد دہلوی۔ شیخ ادھن دہلوی۔ مولٰنا شعیب۔ سید نور الدین مبارک غزنوی۔ مولٰنا حماد الدین بیر مولٰنا جمالی کے مزارات۔ چاندنی چبوترہ بنا کردہ محمد شاہ جو اب باقی نہیں ہی۔ پیپل والی کوئیں۔ سوہن برج۔ یارانی چبوترہ۔ چہل تن چہل من۔ تکیہ دین علی شاہ۔ خانقاہ عنایت خاں۔ خانقاہ نواب حفیظ الدین۔ ولی مسجد وغیرہ وغیرہ۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں حوض شمسی اور حوض خاص کی وہ حالت جو قدیم زمانے میں تھی خوب دکھائی جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں:-

اس حوض میں برسات کا ہی پانی جمع ہوتا ہی اور لوگ یہی پیتے ہیں۔ اس کا طول

دو میل اور عرض ایک میل کے قریب ہی۔ حوض کے مغربی جانب عید گاہ کی طرف سنگ بست گھاٹ چبوتروں کی شکل بنی ہوئی ہی جو اوپر تلے بنے ہوئے ہیں۔ چبوتروں سے لب آب تک سیڑھیاں ہیں اور ہر چبوترے کے کونے پر گنبد بنا ہوا ہی جس میں بیٹھ کر تماشائی سیر کرتے ہیں اور حوض کے بیچوں بیچ بھی منقش پتھروں کا دو منزلہ گنبد بنا ہوا ہی۔ جب تالاب میں پانی زیادہ ہوتا ہی تو لوگ کشتیوں میں بیٹھ بیٹھ کر گنبد تک جاتے ہیں اور جو تھوڑا پانی ہو تو یونہیں آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس کے اندر ایک مسجد بھی ہی جس میں اکثر زاہد اور متوکل رہا کرتے ہیں۔ جب پانی ہٹ جاتا ہی تو کناروں پر فالیز بوتے ہیں۔ خربوزہ گو چھوٹا ہوتا ہی مگر شیریں بہت ہوتا ہی۔ دہلی اور دار الخلافہ میں ایک اور حوض حوض خاص کے نام کا ہی جو حوض شمسی سے بھی بڑا ہی جس کے کناروں پر کوئی چالیس گنبد ہیں اور اس کے گرد اہل طرب رہتے ہیں اس سبب سے طرب آباد کہلاتا ہی۔ یہاں اہل طرب کا ایک بہت بڑا بازار ہی اور اس میں ایک جامع مسجد بھی ہی اور سوائے اس کے اور مسجدیں بھی ہیں۔ کہتے ہیں کہ گانے بجانے والی عورتیں جو اس محلے میں رہتی ہیں رمضان شریف میں تراویح کی نماز پڑھتی ہیں اور جماعت بھی ہوتی ہی اور ان کے امام بھی مقرر ہیں۔ عورتیں تعداد میں بہت ہیں اور ڈوم ڈھاڑی بھی بہت ہیں اور میں نے امیر سیف الدین بہتی کی شادی میں دیکھا کہ جوں ہی اذان ہوئی ایک ڈوم وضو کر کے مصلیٰ بچھا نماز پر کھڑا ہو گیا۔

مولنا وجیہ الدین پائلی رح کا مزار

شمسی تالاب کے مغربی کنارے پر آپ کا مزار ہی۔ حضرت سلطان المشائخ کے آپ خلیفہ ہیں۔ ۳۲ – ۲ ۳ × ۲ طول و عرض اور ۲ – ۹ اونچے چبوترے پر آپ کی قبر ہی اور یہیں ایک نیم کا درخت سایہ کیئے ہوئے ہی۔

" دانشمند متبحر بود و استاد وقت و در زہد و ورع ممتاز و در آخر مرید شیخ نظام الدین اولیا شد و کمال اعتقاد بخدمت او داشت۔ نقل است کہ وی می گفت وقتی در پانی پت می رفتم در اثنائے راہ صوفی را دیدم پیدا شد در دل من نوعے انکار آمد آں صوفی گفت با مولنا چیزے مشکل داری و مراد رعلم مشکلات ماندہ بود ہر یکے را با وگفتم او جوابہائے موجہ می گفت چنانکہ خاطر من می آسود تا آں مدکہ مسئلہ قضا و قدر اہم بیان

شائی فرمود بعد از اتمام بحث پرسید تو مرید کیستی گفتم مرید سلطان المشائخ و الد بن او گفت شیخ نظام الدین قطب ماست۔ قبر او بر سر حوض شمسی است در حظیرہ قاضی کمال الدین صدر جہاں و قتلغ خاں کہ نسبت شاگردی بہ مولنا داشتند (از اخبار الاخیار)

شیخ ادھن دہلوی کا مزار

مولنا شیخ عبد الحق کے گنبد کے مشرق میں کوئی سو قدم کے فاصلے سے آپ کا مزار ہی جس پر یہ کتبہ ہی "شیخ زین العابدین عرف ادھن رحمۃ اللہ علیہ" "نام اصل ایشان زین العابدین است عرف شیخ ادھن ۹۴۳ دانش مند کامل بود متورع ومتعبد و در غایت خشوع و انکسار و ادب و وقار صاحب الاخبار الاخیار از والد خود نا قل است کہ می فرمودند کہ ہیچ کس را ندیدیم کہ در بیرون و درون یکساں باشد الا ایشاں بہماں آداب و اوضاع کہ درمیان مردم می بودند درون خانہ نیز بودند و زبان ایشاں دایم بذکر اللہ مشغول بود و حلیہ در غایت جمال و نورانیت داشتند چنانکہ انوار علم و تقوی از جبین ایشاں لائح بود۔ اکثر احوال صائم بودے و در لقمہ احتیاط تمام داشتے۔ سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی ایشاں را بجانب خویش خواند قبول نکردند۔ وے مرید مولنا سماء الدین و شاگرد میاں عبد اللہ طلنبی است۔ وفات او در سنہ ۹۳۴ھ است و مقبرہ او در جانب غربی حوض شمسی است" (از اخبار الاخیار)۔

چہل تن چہل من

سڑک کی بائیں جانب ٹیلے پر ایک بارہ فیٹ مربع گنبد بنا ہوا ہی جس کا فرش ریل سوٹن (ریل گھڑے پتھر) کا ہی اس میں کوئی قبر نہیں۔ گنبد کے سامنے ایک پختہ فرش کا احاطہ ۴۲×۵۲ فٹ کا ہی جس میں برابر برابر چالیس قبریں ہیں۔ ان بزرگواروں کے حالات کچھ معلوم نہیں کہتے ہیں کہ چالیس ابدال کی قبریں ہیں۔ جو سید احمد کبیرؒ کی اولاد سے ہیں اور اسی میں سید صاحب موصوف کی قبر بھی ہی۔ ٹیلے کے نیچے اٹھارہ سیڑھیاں اتر کر ایک تین دری مسجد ۳۲×۱۵ فٹ کی ہی جس کا منبر تک باقی نہیں ہی۔

سوہن برج یا ہشت محل

سڑک کی بائیں طرف۔ ہی یہ در اصل بڑا دار مگر کس کی ہی خبر نہیں اتنا بڑا عالی شان

خوش نما برج اور ہال اور حال کچھ کھلتا نہیں۔ ایک طرف تین دروں کا بڑا بھاری پختہ لداؤ کا بنا ہوا تین کمروں کا ہال ۲۵ فٹ × ۱۵ فٹ ۹ انچ کا ہے جس پر تین گنبد ہیں اور سرے پر ایک مربع حجرہ ۱۷×۱۵ کا ہے جس پر ایک اونچا برج ہے اور یہی سوہن برج کہلاتا ہے بعض ہشت محل بھی کہتے ہیں۔ اس مکان کے نیچے تہ خانہ بھی ہے اور اسی کے متعلق ایک قناتی مسجد ۱۱ مربع ہے جس کی پانچ پانچ دو طرفہ دیوار دوز محرابیں ہیں اور بیچ میں ایک بڑا ابیش طاق۔ اس مسجد کا صحن پختہ ہے جس میں متعدد قبریں ہیں۔ اس کا صدر دروازہ مشرق کی طرف ہے اس کے آگے پھر ایک بہت اونچا اور وسیع چبوترا ہے جس کی بیس سیڑھیاں ہیں۔

دو نامعلوم مقبرے

(۱) سوہن برج کے دروازے سے کوئی پچیس قدم کے فاصلے پر بالکل بالمقابل ایک اونچے ٹیلے پر سو ڈیڑھ سو سیڑھیاں چڑھ کر ۸ مربع ایک گنبد ہے جس میں قبر نہیں ہے۔ اسی کے پاس شمال کی طرف ایک چھوٹی سی تین دیوار دوز محرابوں کی قناتی مسجد اور چھوٹا سا چبوترہ ہے (۲) اس مسجد سے کوئی پچاس قدم آگے بڑھ کر شمال کی طرف ایک دوسرا گنبد ۲۵ فٹ مربع دو دروازوں کا ہے ایک مشرق میں ایک مغرب میں۔ قبر اس میں بھی نہیں ہے جو دو حال سے خالی نہیں یا تو قبر تلف ہو گئی یا یہ کہ یہ برج اسی قسم کے ہیں جیسے کہ تاجر بنا بنا کر طیار رکھتے تھے جن کو ضرورت ہوتی تھی لے لیتے ورنہ یوں ہی خالی پڑے رہتے۔

ہڑواڑوں کا جمِ غفیر

سڑک کے بائیں ہاتھ کو سوہن برج کے مقابل ہڑواڑوں کا ایک سلسلہ دور تک چلا گیا ہے ہم سب کا حال یکجائی طور پر بیان کرتے ہیں:۔ (۱) قناتی مسجد تین در ادھر تین ادھر بیچ میں بڑی محراب۔ طول مسجد کا ۳۵ فٹ۔ دونوں سروں پر دو گول برج ۴ فٹ ۹ قطر کے اور یہیں دونوں طرف ایک ایک محراب دار در۔ اس طرح :۔



اس کے سامنے ۹×۶ فٹ چوڑا چبوترا جس پر متعدد قبریں ہیں۔ شمال جنوب میں ایک، ایک دروازہ۔

(۲) ہشت پہل برج۔ قطر ۱۳ فٹ۔ بیچ میں ایک قبر گچ کی جس پر کلمہ کھدا ہوا ہے۔ دوسری ایک قبر اور تھی جس کا صرف نشان باقی ہے۔ پانچ در کھلے ہوئے۔ دو میں اینٹ کی جالیاں ایک میش طاق بجانب مغرب۔ اور اسی طرف قناتی مسجد کی دیوار دروں کی اونچان ۶ فٹ چوڑان ۳ فٹ۔

(۳) پنج دری قناتی مسجد ۲۰×۴۵ فٹ مع چبوترہ۔ جنوب رویہ دالان ۳۰×۱۵۔ سیڑھیاں زینے کی سترہ۔

(۴) یہ سب سے بڑی ہڑواڑ ہے۔ ۲۴۵×۹۰ فٹ کا احاطہ اور پختہ فرش پر صدہا قبریں۔ قناتی مسجد ۹۰×۱۱ فٹ۔ ۹ در۔ شکل یہ:-



جنوب میں پنج درہ دالان اور پندرہ سیڑھیوں کا زینہ۔ بارہ دری میں چھ قبریں گچ کی ہیں جن میں سے ایک حضرت **مولٰنا سماء الدین** رح کی کہتے ہیں۔

مولٰنا سماء الدین جامع بود میان علوم رسمی و حقیقی و تقوی و ورع از دنیا زیادت بر قدر مایحتاج اختیار نکردہ۔ وے مرید شیخ کبیر است نبیرہ مخدوم جہانیان سید جلال الدین البخاری رح و گویند پیش مولٰنا سماء الدین کہ از شاگردان میر سید شریف جرجانی بود تلمذ کردہ بود و از ملتان بسبب بعضے وقائع کہ دراں دیار واقع شدہ برآمد نتنہا در رنتھمبنور و بیانہ وغیرہ آں گزرانیدہ بعد ازاں بہ دہلی آمد و توطن کرد سن کبیر داشت و در آخر عمر حاسۂ بصرش رفتہ بود حق سبحانہ و تعالٰی بے واسطۂ علاج بصارت را بوے رد کردہ (از اخبار الاخیار)

(۵) بارہ دری سنگ خارا ۱۸ فٹ مربع۔ چھ قبریں۔ قناتی مسجد۔ بیچ میں بڑی محراب ادھر اُدھر دو دو محرابیں۔ دونوں سروں پر ایک ایک چھوٹی محراب صحن۔ ۳۵ فٹ مربع۔

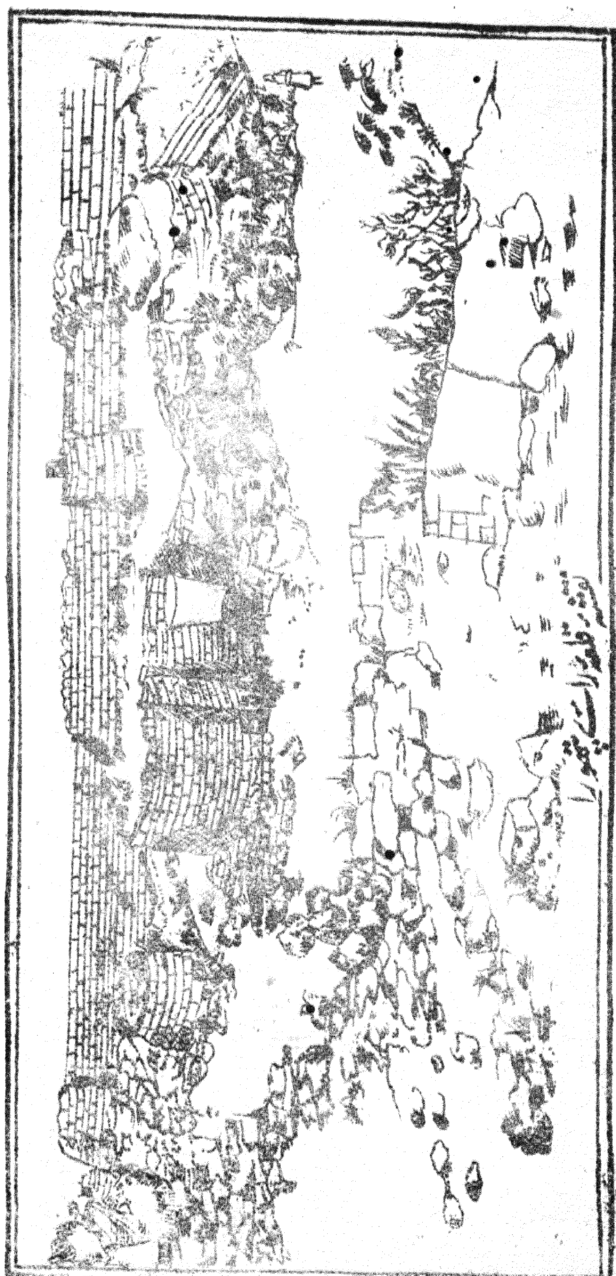
(۶) قناتی پنج دری مسجد ۱۳۴ × ۲۸ - صحن میں قبریں -

(۷) مسجد سقف ۳۲ × ۹ پا صحن ۳۲ × ۲۸ - صحن میں قبریں -

قلعہ رائے پتھورا بقول سید سمبت بکرمی ۱۱۹۸ سنہ ۵۳۸ھ ۱۱۴۳ع بقول جنرل کننگھم سنہ ۱۱۸۰ع یا سنہ ۱۱۸۶ع

جہاں کل جواہر کے انبار تھے — کروروں درم اور دینار تھے
وہاں کیا ہے اب خاک اور سنگ ہے — عجب کچھ زمانے کا نیرنگ ہے

شہر دہلی سے سات کوس جنوب کی طرف قطب صاحب کی لاٹ کے پاس یہ قلعہ پرتھی راج نے جو زیادہ تر رائے پتھورا کے نام سے مشہور ہے بنوایا تھا یہ راجہ سومیسور راجہ کا بیٹا اور وسال دیو چوہان فاتح دہلی کا پوتا انیک پال سوم کی بیٹی کے بطن سے تھا۔ جنرل کننگھم اس راجہ کی مدت سلطنت (۲۲) سال سنہ ۱۱۷۰ع-۱۱۹۱ع بتلاتے ہیں اور سرسید (۴۹) برس سنہ ۱۱۴۲-۱۱۹۱ع لکھتے ہیں - سرسید خلاصۃ التواریخ پر سے قلعے کی تعمیر کا سال سنہ ۱۱۴۳ع کہتے ہیں اور جنرل صاحب ہنود کی پرانی اور قلمی کتابوں پر سے (جو میرے خیال میں زیادہ معتبر ہیں) سنہ ۱۱۸۰ یا ۱۱۸۶ع ٹھیراتے ہیں - اب ان میں قول فیصل کون کرے؟ جنرل صاحب لکھتے ہیں کہ یہ قلعہ صرف ہند کے شمال رُخ پر سے جو مسلمان بڑھتے چلے آرہے تھے اُن کی پیش قدمی روکنے اور شہر کو اُن کی زد سے بچانے کے لیئے بنایا گیا تھا محمود غزنوی کی اولاد نے پچھ عرصے سے پنجاب پر اپنی حکومت جمالی تھی اور رائے پتھورا کی گدی نشینی کے بعد محمد غوری نے لاہور میں غزنوی حکومت کا قلع قمع کر ڈالا تھا جس سے پنجاب سے اس طرف قدم بڑھانے کا زبردست خدشہ لگا ہی ہوا تھا اس لیئے ایک قلعے کے بنانے کی ضرورت داعی ہوئی - اب تو قلعہ بالکل منہدم ہو گیا ہے اور نام ہی نام رہ گیا ہے کہیں کہیں ٹوٹی پھوٹی فصیل کا کوئی ٹکڑا باقی رہ گیا ہے - اس قلعے کے کھنڈر اور شکستہ دیواروں کو دیکھ کر اُس کی عظمت وشان کا خاکہ نظروں تلے پھر جاتا ہے کہ کتنا بڑا یہ قلعہ تھا اور کیسے کیسے بڑے بڑے عالی شان مستحکم و مضبوط اس کے برج تھے اور کس اہتمام اور کس قدر زر خطیر کے صرف سے بنا ہوگا یا آج صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا - اس قلعے کے آثار اور نشانات دو دو تین تین کوس تک معلوم ہوتے ہیں اور تمام



پتھورا کا محل اور مندر جہاں اب قطب صاحب کی لاٹ ہے سب اسی کے اندر تھے۔ یہ
قلعہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بنا ہے اور اس کے گرد پہاڑ ہی میں خندق بھی بنائی ہے اور اس
خندق میں سارے جنگل کا پانی گھیر گھار کر ایک بند بنا کر ڈالا تھا کہ بارہ مہینے بھری رہتی
تھی۔ یہ قلعہ سب طرف سے شکستہ ہو گیا لیکن مغرب کی طرف کہ یہاں "غزنی
دروازہ" تھا فصیل کا کچھ کچھ نشان باقی ہے اور غزنی دروازے کا بھی ٹوٹا ڈھیر معلوم
دیتا ہے۔ قلعے کا بہترین منظر شمال و مغرب کی طرف سے ہے اور قطب صاحب
کی لاٹ پر سے تو یوں نظر آتا ہے جیسا کہ ہتھیلی میں۔ قلعے کے حدود کی ابتدا ہم ادہم خاں
کے مقبرے سے کرتے ہیں کیوں کہ قلعے کی فصیل اس مقبرے کے احاطے سے
بالکل ملی ہوئی ہے۔ اس جگہ سے فصیل سیدھی مغرب کی طرف اس دروازے تک
چلی گئی ہے جو چار سو فیٹ کا فاصلہ ہے۔ اور پھر ذرا سے موڑ کے بعد شمال مغرب کی جانب
پاؤ میل تک فصیل چلی گئی ہے یہاں سے شمال مشرق کی طرف رخ پلٹتا ہے اور کوئی
دو سو قدم آگے بڑھو تو رنجیت دروازہ ملتا ہے اسی سیدھ میں دو سو قدم آگے
جا کر ایک بڑا برج ملتا ہے جو اب بھی اچھی حالت میں ہے۔ کننگھم صاحب اس حصے کو
لال کوٹ کی مغربی فصیل قرار دیتے ہیں۔ فصیل تیس فیٹ چوڑی اور خندق کی تہ سے
ساٹھ فیٹ بلند ہے۔ خندق کی چوڑائی مختلف طور پر ۱۸ سے ۳۵ فیٹ تک ہے۔
پہلے دروازے میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں ہے دوسرا دروازہ "رنجیت دروازہ"
جسے کننگھم صاحب مسلمانوں کا غزنی دروازہ لکھتے ہیں البتہ ایک بہت بڑا عظیم الشان
بڑے معرکے کا مقام ہے جہاں تین ڈھس بنے ہوئے ہیں۔ یہ دروازہ ۱۷ فیٹ چوڑا ہے جس
میں پتھر کا ایک کھم سات فیٹ اونچا دروازہ اٹھانے اور گرانے کا اب تک موجود
ہے۔ فصیل کا یہ حصہ "فتح برج" پر ختم ہو جاتا ہے فتح برج کا قطر اسی فیٹ ہے۔ یہاں
فصیل کے شمال و مغرب میں پرانی عید گاہ کے کھنڈر ہیں جو ایک بہت وسیع اور
بلند عمارت تھی جہاں دہلی کے لوٹنے سے پیشتر امیر تیمور کا کیمپ تھا اور دربار
ہوا تھا (از سوانح عمری تیمور مصنفہ مسٹر بگلر)۔ فتح برج سے فصیل کی دو شاخیں ہو جاتی
ہیں۔ نیچے والی شاخ شمالی رخ لیے ہوئے رائے پتھورا کے شہر کو محصور کرتی ہے اور
بالائی شاخ سیدھی مشرق کی طرف قلعے کے حصار کی ہے جو آگے وار کو بڑھی چلی گئی ہے

اول الذکر شاخ "سوہن برج" سے جاملی ہے۔ جو بمقابلہ فتح برج کے ذرا پست ہے
اور ان دونوں برجوں میں صرف دو سو فیٹ کا فصل ہے۔ فتح برج اور سوہن برج کے
درمیان بھی غالبًا ایک دروازہ جیسا کہ ادہم خاں کے مقبرے کے پاس ہے تھا جس کا اب
کوئی نشان سوائے اس کے نہیں کہ فصیل میں بقدر دروازے کے جگہ خالی چھٹی ہوئی ہے۔
سوہن برج سے تین سو فیٹ کے فاصلے پر "سوہن دروازہ" تھا اور یہ بھی برائے نام ہے صرف
فصیل کے ٹوٹ جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی ایک دروازہ تھا۔ یہاں سے فصیل
بسمت جنوب ادہم خاں کے مقبرے تک جو نصف میل کا فاصلہ ہے نظر آتی ہے۔ فتح برج
اور سوہن برج کے مورچوں کے درمیان بھی چھوٹے چھوٹے سلامی نما دمدمے تھے جو پیچھے
سے بہت پھیلے ہوئے تھے اور جن کے بالائی دور کا قطر ۵ کہ تھا اور ایک دوسرے
درمیانی فصل ۸۰ تھا۔ یہ دمدمے گرگرا کر اب بھی تیس تیس فیٹ اونچے باقی ہیں۔ اس
فصیل کے علاوہ ایک بیرونی فصیل اور بھی ہے جسے بطور دُھس (Faussebraye)
کے بنایا تھا جو تیس فیٹ اونچی ہے۔ سوہن دروازے سے پھر اونچی فصیل کی دو شاخیں
ہو جاتی ہیں۔ اُجڑے پُجڑے نشانات سے جنوب کی طرف فصیل کا سلسلہ
یوں معلوم دیتا ہے کہ انیک تال کے پاس سے گزر کر پھر "دھنڈ دروازہ" ملتا ہے دو فصیل
ادھم خاں کے مقبرے پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری شاخ سو گز تک جنوب مشرق کے
رُخ پر چلی گئی ہے اور علاء الدین خلجی کے ناتمام مینار کو اگر مرکز فرض کیا جائے تو ایک باقاعدہ
ربع دائرے کی شکل ہوتی ہے جو مینار سے تین سو گز کے نصف قطر کو قایم کرتی ہے اور قوس
کے آدھوں آدھ پر دہلی کی سڑک سے تقاطع کرتی ہے اور تغلق آباد کی سڑک کے قریب
جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں سے ادہم خاں کے مقبرے تک کوئی ثلث میل تک فصیل کا پتہ
نہیں ہے۔ جنرل کننگھم اس ربع دائرے کی شکل کو لال کوٹ کی مشرقی دیوار قرار دیتے ہیں لیکن
اُنھیں کے اسسٹنٹ مسٹر بگلر جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے لال کوٹ کو مغربی فصیل اور اُن
کھنڈروں کی لین کے اندر ہی اندر محدود کرتے ہیں جو لین کہ سوہن دروازے سے ادہم خاں
کے مقبرے کو جاتی ہے۔ انیک پال کا لال کوٹ اور رائے پتھورا کا قلعہ بالکل دو جدگانہ چیزیں
ہیں۔ غرض کننگھم صاحب بگلر صاحب کو بر سر غلط کہتے ہیں کہ اُنھوں نے انیک تال کے
تالاب کو لال کوٹ کی حدود میں شامل نہیں کیا لیکن سٹیفن صاحب کی رای میں یہ نصف

دائرے کی شکل کا خطہ لال کوٹ کی پرانی فصیل کی جدید توسیع ہے جو قدیم زمانے کے قلعے کا
اصلی جزو کسی طرح قرار نہیں دیا سکتا جس کی مغربی اور اندرونی فصیلوں کا تفصیلی ذکر بگلر صاحب
کر چکے ہیں۔ بگلر صاحب کی رای نہایت مستحکم اصول پر مبنی ہے۔ دونوں فصیلوں کی ساخت اور
مال مسالے میں فرق بین ہے۔ جو کھلی دلیل اس بات کی ہے کہ نصف دائرے کی شکل کا ٹکڑا
لال کوٹ کے پرانے قلعے کا اصلی جزو نہیں ہے۔ مسٹر بگلر اس کو صحیح طور پر علاء الدین خلجی کے
زمانے کی توسیع خیال کرتے ہیں۔ ضیاء الدین برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتے ہیں کہ جب
مغلوں نے ۱۲۹۷ء میں دلّی پر یورش کی تو سلطان علاء الدین خلجی نے دیکھا کہ پرانی دلّی کی
فصیلیں خراب وخستہ حالت میں حالت میں تھیں۔ اس حملے کے وقت اہالی شہر کی سراسیمگی
ناقابل بیان تھی اور جب مغل بلا جنگ وجدال کے چلے گئے تو یہ بات من جانب اللہ
اور بہت مغتنم سمجھی گئی اور لوگوں کی جان میں جان آئی۔ علاء الدین خلجی شہر کی اس مخدوش
حالت سے آگاہ تھا اس نے مغلوں سے مقاومت کے لیے پرانی فصیلوں کی مرمت
کرائی اور پرانے قلعے کی توسیع کی۔ ۱۳۱۶ء میں قطب الدین مبارک شاہ اپنے بھائی
شہاب الدین عمر کا جانشین ہوا تو اس نے بھی اس شہر اور پرانے قلعے کی تعمیر کی تکمیل
کی جس کو اس کا باپ علاء الدین خلجی ناتمام چھوڑ گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ علاء الدین خلجی
اور مبارک شاہ نے بہت تعمیر اور توسیع کرائی چنانچہ ابن بطوطہ جو دلّی میں ۱۳۳۳ء
میں آیا تھا لکھتا ہے کہ قلعے کی فصیل کا حصہ زیریں پتھر کا بنا ہوا ہے اور بالائی اینٹ کا۔ اس سے
بھی معلوم ہوتا ہے کہ فصیل کا نیچے کا حصہ جو قدیم ہے ہندوؤں کا بنایا ہوا اور اوپر والا جدید حصہ
مسلمانوں کا۔ اب پھر فتح برج سے چلیے جہاں سے فصیل کی دو شاخیں پھوٹی ہیں۔ ان
میں سے ایک شاخ جو مشرق کی طرف جاتی ہے وہ قلعے کی فصیل ہے اور دوسری سیدھی
شمال کی طرف چلی گئی ہے اور اس جگہ بیچوں بیچ میں ایک دروازے کا نشان ہے۔ اسی
رخ پر یہ فصیل قریب قریب نصف میل تک جا کر جہاں پناہ کی شمالی ویران فصیل سے جا ملی
ہے۔ یہاں سے فصیل کا رخ جنوب مشرق کو پلٹا ہے اور تین سو گز سے کچھ اوپر ہی اوپر جا کر ایک
دروازہ ملتا ہے اور آگے جنوب کی طرف بڑھو تو جنوب مشرقی رخ پر ایک اور دروازہ ملے گا
اور اس حصے کے درمیان میں دہلی مہرولی کی سڑک سے تقاطع بھی ہوتا ہے۔ اور ایک
پاؤ میل پر ایک تیسرا دروازہ ملتا ہے جہاں قلعے کی فصیل جہاں پناہ کی دوسری فصیل سے

پھر ل گئی ہے۔ اب یہاں سے فصیل کا رُخ سیدھا جنوب کی طرف ہوگیا ہے اور یہیں "حوض رانی دروازہ" ہے اور اسی سیدھ میں آگے چل کر ایک بڑا بھاری دروازہ ہے جو "بدایوں دروازے" کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں سے فصیل جنوب مغرب کی طرف پلٹتی ہے اور قطب صاحب سے جو تغلق آباد کو سڑک جاتی ہے اُس سے تقاطع کرتی ہے یہاں سے آدھ میل کے بیچ میں "برقعہ دروازہ" ملتا ہے۔ یہاں سے فصیل مغرب کی طرف مڑتی ہے اور تین سو گز جا کر ایک ویران دروازہ ملتا ہے جس کے باہر دمدمے بنے ہوئے ہیں یہاں سے جمالی مسجد تک جو تین سو گز کا فاصلہ ہے فصیل کا سلسلہ ٹوٹ گیا ہے۔ پھر جمالی مسجد سے فصیل ادہم خاں کے مقبرے سے جا ملی ہے۔ اس طرح یہ پورا چکر ختم ہوا اور جہاں سے ہم نے شروع کیا تھا وہیں پھر آن پہنچے۔ قلعہ کے اطراف خندق ہے جس میں اُس پہاڑی حصے کا جو شمالی رُخ پر ہے پانی جمع ہو کر تمام سال خندق میں رہتا ہے۔ ابن بطوطہ محمد شاہ تغلق کے زمانے میں دلی آیا تھا اُس نے اس قلعہ کی فصیل کی نسبت لکھا ہے کہ "فصیل کا آثار ۱۱ ہے جس کے اندر حجرے بنے ہوئے ہیں جس میں رات کو پہرے والے اور دربان رہتے ہیں۔ انھیں کوٹھریوں میں غلہ سامان رسد۔ گولی بارود وغیرہ کے مخزن بھی ہیں۔ ان حجروں میں غلہ بگڑتا نہیں محفوظ رہتا ہے یہ فصیل اس قدر چوڑی ہے کہ اس کے اندر ہی اندر سوار اور پیدل ایک سرے سے دوسرے سرے تک بے تکلف سے چلے جاسکتے ہیں"۔ اس قلعے کے دروازوں کے نام ہم اوپر بتلا چکے ہیں۔ اکثر معتبر رُوات ان دروازوں کو پُرانی دلی کا بتلاتے ہیں اور ساتھ اس کے اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی عہد حکومت میں رائے پتھورا کی پُرانی دلی کے بعض دروازوں کے نام بدل بھی گئے ہیں حضرت امیر خسرو دلی کے بارہ دروازے بتلاتے ہیں لیکن امیر تیمور کی روایت اور مسٹر بگلر کی تصدیق سے شہر کے دس دروازے ہونا ہی زیادہ صحیح معلوم دیتا ہے۔ سردست مسٹر بگلر کے نشان دادہ "حوض رانی" اور "برقعہ" نامی دو دو دروازوں سے بحث کی جاتی ہے۔ جو بدایوں دروازے کے شمال شرق اور جنوب مغرب میں ہیں۔ قلعہ رائے پتھورا کا نقشہ ملاحظہ کرنے سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ حوض رانی کا موضع رای پتھورا کے شہر کی مشرقی فصیل کے مقابلے میں جہاں پناہ کی جنوبی فصیل سے زیادہ قریب ہے۔ ملفوظات تیموری

جس کا حوالہ شرف الدین یزدی نے جابجا اپنے "ظفر نامے" میں دیا ہے اور اسی کا سٹر بگلر بھی حوالہ دیتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ سلطان محمود اور ملو خاں جب قلعہ جہاں پناہ چھوڑ کر پہاڑوں پہاڑوں بھاگ گئے تھے تو اول الذکر تو "رانی دروازے" سے نکلا تھا اور آخر الذکر "برقعہ دروازے" سے۔ ظفر نامے کو جو دیکھا تو یزدی نے صاف لکھا ہے کہ یہ دونوں دروازے یعنی حوض رانی اور برقعہ دروازہ جہاں پناہ کے جنوب میں تھے۔ غزنی دروازے اور برقعہ دروازے کا موقع و محل تو متعین ہے مگر باقی دروازوں کا ٹھکانا یقینی طور پر مقرر کرنا ناممکن ہے۔ قلعہ رای پتھورا کے ضمن میں غزنی دروازے کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ پرانی دلی کا ایک یہ واقعہ قابل ذکر ہے جب کہ چند ملحدوں نے ۱۲۳۷ء میں جامع مسجد پر یورش کی۔ ان میں سے کچھ لوگ تو "قلعہ نور" (جس کی جگہ معلوم نہیں) سے "معزّی دروازے" پر جا پہنچے جو ایک مسجد کے دروازے کے مشابہ تھا۔ اب اس میں جو معزّی دروازے کا ذکر آیا ہے اُس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ "معزی دروازہ" جس کا نام تھا اس کی وجہ تسمیہ کے دو وجوہ قرار دیئے جا سکتے ہیں یا تو وہ ہندوؤں کا بنایا ہوا دروازہ ہوگا اور معزّی امرا نے قبضہ کر لیا ہوگا اور اپنی طرف سے یہ نام رکھ دیا ہوگا یا یہ کہ خود انھیں امرا نے بنوایا ہوگا۔ سلطان معز الدین محمد عرف شہاب الدین غوری کے عہد کے امراء کو مورخین معزی امرا کہتے ہیں۔ "بھنڈارکل" نام کے دروازے کا بھی سراغ نہیں ملتا۔ غالباً یہ دروازہ لال محل اور جامع مسجد کے بیچ میں کہیں ہوگا۔ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ملک حمید الدین کے پارٹی کے لوگوں نے حاجی مولی کا بلوہ جو علاء الدین خلجی کے مقابلے میں ہوا تھا فرو کیا تھا۔ یہ لوگ غزنی دروازے سے قلعے میں داخل ہوئے تھے اور شہر میں بلوائیوں سے کچھ جھڑپ ہونے کے بعد وہ بھنڈارکل دروازے تک پونہچ گئے۔ یہ دروازہ غالباً اُس فصیل کا ہوگا جو قلعہ اور شہر میں مشترک تھی۔ بدایوں دروازے کی سرٹری جدا گانہ ہے۔ ابن بطوطہ نے اسی کو سب سے بڑا دروازہ لکھا ہے اور واقعی یہ تھا بھی صدر دروازہ کیوں کہ اسی میں سے پرانی دلی کے بڑا زے کے مشہور بازار کا رستہ نکلتا تھا۔ اس دروازے کے سامنے فصیل میں حجرے بنے ہوئے ہیں جن میں شراب خواروں کو بند کیا جاتا تھا۔

یہی وہ دروازہ ہے جس کے سامنے علاء الدین خلجی نے مغلوں کو حوض رانی کے میدان میں شکست جاے کر اُن کے سر کاٹ کر دو مرتبے چبوترے بنائے تھے تاکہ آنے والی نسلوں کو عبرت ہو۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ حوض رانی کا میدان بھی تاریخی لحاظ سے عجیب وغریب مقام ہے جس میں بڑے بڑے ہیبت ناک واقعات ہوئے ہیں۔ باغی مغلوں اور بلوائی ملحدین کا قتل عام اسی جگہ کیا گیا۔ ان میں سے کوئی تو ہاتھی کے پاؤں کے تلے روندوا ے گئے کیونکہ ترکوں نے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے یا جلادوں نے سر سے پاؤں تک اُن کی زندہ کھال کھینچ لی۔ اسی بداؤں دروازے پر علاء الدین خلجی نے شراب سے توبہ کی اور صراحی و جام اور تمامی لوازمات شراب نوشی کو توڑ پھوڑ ڈالا اور ساری شراب بہادی جو اس قدر تھی کہ سارے میدان میں ایسی کیچڑ ہوئی جیسی کہ برسات میں ہوتی ہے۔ یہ بداؤں دروازہ ہی بیرونجات کے حملہ آور راجگان و شاہان دہلی کے فیما بین قاتلانہ حملوں اور معرکہ ہائے کارزار کا پہلا مورچہ رہا ہے نیز اس دروازے سے بڑے بڑے جلوس نکلے ہیں۔ غیر ممالک کے ایلچی یا سفیر جو کوئی بھی آیا۔ اسی دروازے سے رجب سے اس قلعہ سے مستقر سلطنت اُٹھا ویرانی اور تباہی کا پیش خیمہ آیا۔ وہ دروازہ جو کبھی باب السلطنت تھا اب مٹی کا ڈھیر ہے۔ دوسرے دروازوں کے صرف نام ہی نام یاد رہ گئے ہیں۔ دروازہ "حوض خاص" کا نام بھی کہیں کہیں تاریخ میں آیا ہے اور "بغدادی" دروازے کا ذکر تو متعدد مقامات پر ہے۔ یہ وہی بغدادی دروازہ ہے جہاں ابراہیم لودی بادشاہ نے گوالیار سے ایک برنجی بیل لاکر استاد کیا تھا پر یں ہم آج کوئی نہیں بتلا سکتا کہ یہ دروازہ تھا کس جگہ۔ قلعہ اور رای پتھورا کی دلی کا گھیر قریب قریب (۵) میل کے ہے۔ امیر تیمور نے پرانی دلی کے دس دروازے لکھے ہیں جن میں سے بعض باہر وار کو کھلتے تھے اور بعض جہاں پناہ کی طرف۔ یزدی اپنے ظفر نامے میں اٹھارہ دروازے لکھتا ہے جن میں سے پانچ جہاں پناہ کی طرف کھلتے تھے۔ جنرل کننگھم امیر تیمور کے بیان کو ترجیح دیتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اب ان دس دروازوں کا بھی ٹھیک پتہ نہیں چلتا کہ کہاں کہاں تھے اور چلے کیسے کیوں کہ فصیل تو جا بجا سے ٹوٹ گئی ہے اور بعض بعض

جگہ خالی چھٹی ہوئی ہے مثلاً شمالی مشرقی فصیل کی دیوار۔ پرانی دلی اور جہاں پناہ کی مشترکہ دیوار میں خالی جگہ موجود ہے۔ بہرحال نقشے میں دس دروازوں کی جگہ بتلائی گئی ہے۔ ۱۱۹۱ء میں رائے پتھورا سے سلطنت منتزع ہو کر مسلمانوں کا دوردورہ شروع ہوا۔ دریائے گھگر کے کنارے رائے پتھورا جیسے بہادر، شجیع، جری اور دلاور چوہان خاندان کے ممبر کا خاتمہ ہوا اور اسی کے ساتھ اس کی تمام سطوت و جبروت بھی خاک میں مل گئی۔ پہلا مسلمان بادشاہ جس نے دلی کو دارالسلطنت قرار دیا اور وہاں رہا قطب الدین ایبک تھا۔ شروع شروع میں تو رائے پتھورا ہی کا قلعہ مسلمان بادشاہوں کی تخت نشینی کا مرکز اور دارالسلطنت رہا۔ آگے چل کر جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے کلوکھری میں معزو شک لعل، محل بنوایا۔ جب سے ہی رائے پتھورا کا شہر "پرانی دلی" کہلانے لگا اور جلال الدین خلجی کا شہر "نئی دلی" مشہور ہوا۔ ابن بطوطہ نے بھی ہندوؤں کے شہر کو پرانی دلی ہی لکھا ہے۔ رائے پتھورا کے پانچ میل کے محصور شہر کی سرزمین دلی بڑی بڑی مشہور یادگاروں سے پٹی پڑی ہے۔ لوہے کی مشہور لاٹ جس کی دریافت سے ماہرین آثار قدیمہ چکر میں ہیں اسی محاط کے اندر ہے۔ اسی میں ہندو راجاؤں کے بنائے ہوئے بیسوں مندر تھے جن کو مسلمانوں نے ڈہا ڈھوا اُن کا مال مسالا اپنی مسجدوں میں لگا دیا۔ یہی خطہ دلی کے قدیم سلاطین کا دارالسلطنت تھا۔ یہیں قطب الدین ایبک کا قصر سفید نامی شہرۂ آفاق وہ محل تھا جس میں چھ بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اسی احاطے میں قطب صاحب کی وہ عجیب وغریب لاٹ ہے جو اولوالعزم مسلمان بادشاہوں اور ہندو صناعوں کی قابل فخر یادگار ہے۔ غرض یہ خطہ زمین کا عجیب و غریب ٹکڑا ہے۔ اسی میں سلطنتیں بنیں اور بگڑیں۔ کسی بادشاہ کا عروج ہوا تو کسی کا زوال۔ کوئی سرفراز ہوا تو کوئی پامال۔ کسی کو خلعت ملا کسی کی گردن ماری گئی۔ کسی کے ہاں خوشی کے شادیانے بجے تو کسی کے ہاں کہرام مچ گیا۔ غرض کوئی بن گیا اور کوئی بگڑ گیا۔ کسی کو انباری ملی تو کسی کو ذلت وخواری نصیب ہوئی۔ کسی نے جشن منایا تو کوئی قید میں سڑ سڑ کر مر گیا۔ لاکھوں کے سر تن سے جدا ہو گئے۔ خون کے ندی نالے بہ گئے۔ اسی میدان میں وزرا اور امرا کی گردنیں ماری گئیں۔ قتل عام۔ غارت گری۔ آتش زنی۔ غرض کہ بے چاری دلی پر جو کچھ بلا آئی وہ سب اسی زمین پر گزرا۔ یہ زمین جنت اور دوزخ دونوں کے خواص رکھتی تھی۔ جس سر کو آج تاج پہناتی تھی کل اسی کو خاک میں رلا بھی دیتی تھی۔

خواہان طرب ہی جسے ادراک نہیں | آرام تہ گنبد افلاک نہیں
پیمانۂ گردوں میں کہاں بادۂ عیش | جُز دُرد تہ جام یہاں خاک نہیں

جہاں ای برادر نماند بکس
دل اندر جہاں آفریں بند و بس

باباحاجی روزبہ کا مزار

اس قلعے کی خندق میں ایک پتھر کی چار دیواری کے اندر نیم کے درخت کے تلے باباحاجی روزبہ کا مزار ہی آپ بڑے ولی اللہ تھے اور اوش کے رہنے والے تھے۔ رائے پتھورا کے وقت میں یہاں آے اور اس خندق میں جہاں آپ کا مزار ہی آن بیٹھے۔ رائے پتھورا کے وقت میں جو منجم تھے اُنھوں نے اُن کے آنے کو فال بد سمجھ کر رای پتھورا سے کہا کہ اس شخص کے آنے سے ایسا معلوم ہوتا ہی کہ قریب میں مسلمانوں کی عملداری ہونے والی ہی اور ایسا ہی ہوا بھی۔ کہتے ہیں کہ راے پتھورا کی بیٹی مایابی عرف بیلا رانی نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور مسلمان ہوئی چنانچہ آپ کے مزار کے پاس مشرق کی طرف جو ایک عورت کی قبر ہی وہ اُسی لڑکی کی کہی جاتی ہی۔ جب تک آپ زندہ رہے ہزاروں ہندو مشرف بہ اسلام ہوے روز بروز شوکت اسلام کی زیادہ ہوتی گئی اور اسی وجہ سے "روزبہ" آپ کا لقب پڑ گیا۔ آخر آپ نے انتقال فرمایا اور جہاں آن کر آپ بیٹھے تھے وہیں آپ کو دفن کیا۔ پورے حالات آپ کے کہیں نہیں ملتے۔ آپ کے مزار کے مغرب میں قلعہ کی فصیل میں اب تک ایک چھوٹا سا دروازہ ہی۔ بیلارانی اسی دروازے سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ سات سہیلیوں سمیت مسلمان ہوئی تھی حضرت کے مزار کے قریب تین قبریں اور ہیں جو گھوڑے اور سانپ کی بتلاتے ہیں نیم کا درخت جس کی نسبت مشہور ہی کہ جو حصہ اُس کا آپ کی قبر پر سایہ کیے ہوے تھا وہ میٹھا تھا باقی کڑوا اب وہ درخت ہی نہیں رہا جو اس بات کی تصدیق ہو سکے نیم کے کڑوے میٹھے ہونے کی روایتیں اور مزاروں سے بھی منسوب کی جاتی ہیں اور یہ بھی ایک تصرف سمجھا جاتا ہی۔

شیخ شہاب الدین عاشق کا مزار

سنہ ۱۷ھ

رائے پتھورا کے قلعہ کے غرب میں فصیل سے کوئی ہزار قدم ہٹ کر ایک احاطے کے اندر ۱۲ ہاتھ مربع چوکھنڈی میں حضرت

موصوف کا مزار ہے جس پر بھی آپکے نام کا کتبہ مع سنہ کے لگا ہوا ہے تعویذ سنگ خارا کا ہے۔ پائینتی آپ کے ایک بہت پرانا پیلو کا درخت ہے۔ اس چوکھنڈی کے باہر بائیں میں آپ کے بھائی کا مزار ہے جن کا نام بھی معلوم نہیں۔ اس مزار سے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر ایک چبوترے پر سات قبریں ہیں جن کو سات بادشاہوں کی قبریں کہتے ہیں۔ یہی مقام تو وہ مقام ہے جہاں اور بادشاہ اور گدا میں تمیز نہیں ہوتی۔ قبریں بہت پرانی ہیں سنگ خارا کے پتھر جوڑ دیئے ہیں چونے کی بندش نہیں کی اور چبوترہ بھی اسی طرح کا بنا ہوا ہے۔ اس چبوترے کے قریب نشیب میں ایک لداوی درے کے اندر ایک چھوٹا سا خام مزار ہے جو **بی بی سرخ بے نام** کے نام سے مشہور ہے کہتے ہیں کہ یہ بی بی بھی کوئی بڑی عابدہ زاہدہ رائے پتھورا کے زمانے میں تھیں۔

عیدگاہ شمس الدین التمش بہت پرانی اور نہایت بے مرمت حالت میں ہے جس کی ایک وسیع چار دیواری ہے۔ مغربی رُخ کی دیوار جس میں آٹھ دیوار دوز محرابیں ہیں لکھوری اینٹ کی بنی ہوئی ہے۔ عیدگاہ کے پیچھے ایک چھوٹی سی سہ دری مسجد ہے جس کی چار دیواری سنگ خارا کی بعد کی بنی ہوئی ہے اس پر یہ کتبہ نہایت خوش قلم بخط نسخ ہے:-

ھو العلی العظیم

ظفر چوں بتر میم آخون جی	صفا داد ایں مسجد کہنہ را
پئے سید سال مرمت زعقل	بگفت آفریں نیک مرد خدا

سنہ ۱۲۷۰

مسجد کے صحن میں **اوحد الدین کرمانی**رح کا مزار ہے۔ یہیں ایک شکستہ چبوترے پر چند قبریں ہیں جو **چہل بیبیوں کے مزار** کہلاتے ہیں۔ عیدگاہ کی پچھیت کی دیوار سے ملے ہوئے چند مزار ہیں جن میں سے دو کے نام لوگ بتلاتے ہیں **جنازہ میاں** **شیخ جلال الدین تبریزی** اور تین قبریں بے نام ہیں۔

تالاب پیراں قلعۂ رائے پتھورا کے مغرب میں ایک چھوٹا سا تالاب ہے جس کے گرد چار دیواری ہے اس کو لوگ **تالاب پیران** کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ شمس الدین التمش نے بنوایا تھا۔ چھان بین کا کوئی موقع نہیں جو لوگ کہہ دیں اُسے آمنّا وصدقنا کہنے کے سوائے اور کیا چارہ کار ہے۔

بھیم کی چھٹنگی

قلعہ کے مغرب میں پہاڑوں کی چٹانوں پر ایک پتھر ۹ ۱/۲ × ۳ عرض و طول میں اور دبازت میں ۴ ۱/۲ - ۵ فٹ رکھا ہوا ہے۔ چوں کہ وہ ادھر رکھا ہوا ہے اور باوجود اتنا بھاری ہونے ایک ہی آدمی اُسے ہلا سکتا ہے۔ اس واسطے اس نام سے مشہور ہے مگر بھیم جس کے نام سے شہرت پا گیا ہے اس کا پتہ نہیں کہ کون تھا۔

چبوترہ ناصرہ
۶۴۵ھ ۱۲۴۶ء

ہر سراسر زیب و وہم و گماں   تاج مغفور وہ تخت خاقانی
بے حقیقت ہے شکل موج سراب   جام جمشید و راحِ ریحانی

یہ چبوترہ بھی اُسی زمانے میں بنا تھا جب کہ قصر فیروزی بنا۔ اس کا نام ہی بتلا رہا ہے کہ سلطان ناصر الدین محمود (۱۲۴۶-۶۵ء) کا بنوایا ہوا ہے۔ جب جلال الدین خلجی نے علم بغاوت بلند کیا اور قلعہ بند ہو کر کلوکھری کے پاس پہاڑ میں بیٹھ گیا اور کیقباد کا صغر سن لڑکا دلی کا بادشاہ ہوا تو اُس نے اسی جگہ کئی مہینے تک دربار کیا۔ جب علاء الدین خلجی (۱۲۹۵ء) ملکِ دکن میں دیو گیری (دولت آباد) کو جو ہم سرحد ورنگل تھا۔ لوٹ کر دلی واپس آیا تو جو کچھ مال غنیمت لایا تھا اسی چبوترے پر سب پھیلایا گیا تھا۔ جہاں امراء و ارکان سلطنت سب جمع تھے اور یہیں اُس نے جلوس بھی کیا اور دربار کے لیئے ایک بڑا سیاہ شامیانہ تانا گیا۔ یہ تمام محلات قصر سفید۔ کوشکِ فیروزی۔ کوشک سبز۔ چبوترہ ناصرہ۔ رائے پتھورا کے قلعے کے اندر ہی تھے اور امرائے معزی خاندان غلامان کے بنائے ہوئے تھے۔ ہمایوں بادشاہ کے محل کا بھی سراغ نہیں ملتا کہ وہ کہاں تھا۔ البتہ صرف اتنی بات کا پتہ چلتا ہے کہ وہ بداؤں دروازے کے پاس تھا۔ بعض لوگ ہمایوں کا محل جہاں پناہ میں بتلاتے ہیں جب شاہی محلات کا یہ حال ہو کہ ڈھونڈے پتہ نہ لگے تو وائے بر حال ما و شما کے مکانوں کے جن پر ہم آج فخر و ناز کرتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے اور مونچھوں پر تاؤ دیتے ہیں۔ ؎

اسی نقش موہوم پہ ناز ہے   جہاں اک طلسم خدا ساز ہے

ہماری مثال اُس چوہے کی سی ہے جو ایک ہلدی کی گرہ پا کر پنساری بن بیٹھا تھا۔ امیر تیمور کا قدم جب پرانی دلی میں آیا (۱۳۹۸ء) اور لوٹ مار شروع کی تو اُس نے چن چن کر محلات کو برباد و تاراج کیا اور اس لٹس سے یہ محلات بھی نہ بچ سکے۔ یہ بتلانا

بہت مشکل ہے کہ جن محلات کا ذکر اوپر آیا ہے آیا ان میں سے کوئی لوٹ کھسوٹ سے بچا بھی یا نہیں (از ظفر نامۂ مولینا شرف الدین علی یزدی)

قصر سفید

سنہ ۶۰۲ھ ۱۲۰۵ء

رہنے والے ہیں یہ نادان کہ جانے والے
خاک سمجھے نہ مکانوں کے بنانے والے

۱۲۰۵ء میں جب کہ رائے پتھورا کو مرکر سوطھا برس ہوئے تھے قطب الدین ایبک نے ایک محل جو تاریخ میں قصر سفید کے نام سے مشہور ہے تعمیر کرایا تھا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامے میں سفید محل کا ذکر کیا ہے اور ضیاء الدین برنی نے جو تاریخ میں معزی محل کا بیان لکھا ہے وہ غالبًا یہی محل تھا۔ ممکن ہے کہ ایک ہی محل کے دو نام رہے ہوں۔ ابن بطوطہ پتہ بتلاتا ہے کہ یہ محل بڑی مسجد کے پاس تھا۔ خدا کی قدرت اور زمانے کے فنا کرنے والے اور مٹانے والے زبردست ہاتھوں کو دیکھو کہ جو محل کسی زمانے میں بادشاہوں کے قدموں سے منور اور مشہور زمانہ تھا اور جس میں تقدیر دول کے فیصلے رات دن ہوتے تھے اور جشن شاہانہ بپا رہتے تھے آج وہ ایسا پردۂ دنیا سے مفقود ہے کہ ڈھونڈنے سے بھی اُس کا نشان نہیں ملتا۔ ملک بختیار خلجی جو شہاب الدین غوری کا ایک بڑا فوجی سردار اور فاتح بنگال تھا وہ اسی محل کے احاطے میں لڑا تھا۔ اسی محل کی چار دیواری کے اندر خاندان غلامان کے سب سے بڑے اور نامور بادشاہ سلطان شمس الدین التمش اور اُس کے پوتے ناصر الدین محمود شاہ نامور بلبن۔ اور دوسرے بھی چند بادشاہوں کی تخت نشینی کے جشن ہوئے۔ جلال الدین فیروز شاہ خلجی کلوکھری میں کیقباد کو (جس نے کلوکھری بسائی تھی) قتل کرکے بادشاہ ہوگیا مگر حسب دستور سلاطین ماضیہ تخت نشینی اُس کی بھی اسی محل میں ہوئی اور اسی طرح اس کے بعد اس کا بھتیجا علاء الدین خلجی بھی اسی قلعے میں تخت پر بیٹھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ ناصر الدین محمود شاہ (۱۲۵۹ء) نے ہلاکو خاں کے ایلچی کو اسی محل میں بڑی شان وشوکت سے باریابی سے سرفراز کیا تھا۔ محمد شاہ تغلق اگرچہ تغلق آباد میں تخت پر بیٹھا مگر چالیس دن بعد پھر قصر سفید ہی میں باقاعدہ مراسم ادا ہوئے اور قدیم تخت سلاطین دہلی پر یہیں رونق بخش ہوا۔ یہ محل محض تخت نشینی یا دربار یا باریابی سفراء و ایلچیان کے لئے مخصوص نہ تھا بلکہ کبھی کبھی اس میں ذی مرتبت لوگ قید بھی

رہے ہیں۔ بعض وقت اس میں خون کے ندی نالے بھی بہ گئے ہیں۔ ملک اختیار الدین کو جو معز الدین بہرام شاہ کا وزیر تھا فرمان قضا شیم کے مطابق تخت شاہی کے سامنے دو ترکوں نے ۱۲۴۱ء میں قتل کیا۔ جب کبھی امور عظام میں مشورہ کی ضرورت ہوتی یا بیرونجات کے حملوں کا خطرہ پیش آتا تو مجلس شوریٰ اسی محل میں منعقد کی جاتی تھی اور یہیں سے مقابلہ مقاتلہ اور مجادلے کے سب مراتب ابتدائی طے ہوتے تھے (از طبقات ناصری)۔ بہرام شاہ کے جانشین کو جو اس محل میں نظر بند تھا کوشک فیروزی میں بخطاب سلطان علاء الدین مسعود تخت نشین کیا۔ جب سے یہاں سے دارالسلطنت اٹھ کر دلی چلی گئی اور یہاں کے محلات چھوڑ دیے گئے بس تباہی شروع ہوگئی۔

کوشک فیروزی
۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء

عیش دنیا سے ہوگیا دل سرد
دیکھ کر رنگ عالم فانی

یہ محل غالباً سلطان التمش نے بنایا تھا (سنہ ۱۲۱۰ء) جو سب سے بڑا محل تھا جس میں رضیہ سلطانہ کی والدہ یعنی سلطان التمش کی بیگم رہا کرتی تھیں۔ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ معز الدین بہرام شاہ کی جگہ سلطان علاء الدین مسعود شاہ کو ۱۲۴۲ء میں قصر سفید سے لاکر یہیں تخت نشین کیا تھا۔ اور اسی محل میں سلطان ناصر الدین محمود شاہ نے جو علاء الدین کے بعد بادشاہ ہوا اپنا پہلا دربار کیا تھا۔ باایں کر و فر اب اس کا نشان نہیں ملتا کہ کہاں تھا۔ ای کاش کھنڈر ہی باقی رہتے ا۔ اب صفحہ دنیا سے بالکل مٹ گیا۔ صرف نام ہی نام رہ گیا۔ مسٹر بگلر نے مسجد قوۃ الاسلام کے عقب میں کھدوایا تو کئی ٹوکرے سبز رنگ چینی کی اینٹوں کے نکلے جن پر الفاظ عربی اور طرح طرح کے گل بوٹے منقش تھے۔ اس پر سے قیاس دوڑایا گیا کہ یہ اینٹیں کوشک سبز کی ہوں گی جن کا ذکر آگے آئے گا لیکن جنرل صاحب ان اینٹوں کا رنگ نیلا بتلاتے ہیں جس میں کچھ سبزی کی بھی جھلک مارتی ہے۔ ممکن ہے کہ یہ اینٹیں اسی محل کی ہوں یا کسی اور رنگین محل کی ہوں۔ گر پڑ جانے کے بعد اس پر طرہ یہ ہوا کہ زمین کے اندر مدفون۔ بھلا اصلی رنگ اور اس کی آب و تاب کیسے برقرار رہ سکتی ہے۔ اسی زمانے کے مال مسالے کی خوبی ہے جو اتنا بھی باقی رہا ورنہ



نقشہ مقبرہ سلطان غیاث الدین بلبن و خان شہید

راکھ ہو جاتا۔

کوشک سبز ۵۱
۶۰۷ھ
۱۲۱۰ء

کچھ نہیں جز طلسم خواب و خیال
گوشۂ فقر و بزم سلطانی

قصر فیروزی اور یہ محل دونوں ساتھ بنے تھے۔ تاریخ میں اس کا ذکر پہلے پہل ناصر الدین محمود شاہ خلف سلطان التمش کے عہد کے ضمن میں آیا ہے جس کی تخت نشینی اسی محل میں ہوئی تھی۔ اور یہیں اُس نے ہلاکو خاں کے سفیر کو باریابی کی عزت بخشی تھی۔ جب کہ جمعیت کی بیس قطاریں کلوکھری سے لے کر یہاں تک کھڑی کی گئی تھیں۔ لیکن فرشتہ اس واقعہ کا قصر سفید میں ہونا لکھتا ہے۔ اور منہاج السراج طبقات ناصری میں کوشک سبز میں بتلاتا ہے اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ نصف صدی بعد رکن الدین پسر اصغر سلطان جلال الدین خلجی یہیں تخت نشین ہوا۔ جلال الدین خلجی کو علاء الدین خلجی (رکن الدین کے بھتیجے) نے قتل کیا تھا غرض جشن دربار حکم احکام سب یہیں سے ہوتے تھے۔ ظفر خاں بعد فیروز شاہ تغلق خان جہاں سے ملنے دلی آیا تھا تو اسی محل میں اتارا گیا تھا۔

کوشک لعل یا قلعۂ مرزغن
۶۶۴ھ ۱۲۶۵ء ۶۶۶ھ ۱۲۶۷ء

یا دارالامان و شاہ غیاث الدین بلبن کی قبر
۶۶۴ - ۸۶ھ
۱۲۶۵ - ۸۷ء

بزخم تیغ جہانگیر و گرز قلعہ کشا
جہاں مسخر من شد چو من مسخر رائے
بسے بلاد گرفتم بیک فشردن دست
بسے قلاع کشودم بیک فشردن پائے
چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت
بقا بقائے خدا لیست و ملک ملک خدائے

ک۵۱ سرسید اس محل کا بانی جلال الدین فیروز خلجی کو بتلاتے ہیں اور سال تعمیر ۶۸۸ھ ۱۲۸۹ء۔ لیکن کارسٹیفن صاحب نے کوشک فیروزی کو سلطان التمش کا بنایا ہوا بتلایا ہے اور کوشک سبز کو بھی اُسی زمانے کا بنا ہوا بتلاتے ہیں۔ بہر حال اس محل کا وجود وقت تخت نشینی ناصر الدین محمد شاہ کے تھا اور جس کا سال تخت نشینی ۶۴۴ھ ۱۲۴۶ء ہے۔ تو لامحالہ اس سال سے پیشتر کا بنایا ہوا ثابت ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اس محل اور قبر کے حالات چوں کہ ایک دوسرے سے ملے جلے ہیں۔
لہٰذا اجمالی طور پر بیان کئے جاتے ہیں۔ سرسید لکھتے ہیں کہ سلطان غیاث الدین
بلبن نے ۶۶۵ھ میں کوشک لعل جسے لال محل بھی کہتے ہیں تعمیر کرایا تھا۔ اس
محل کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ تاریخ بھی سرسید کی بتلائی ہوئی ہے جلال الدین
عہد بلبن کے سرداروں میں سے تھا۔ جب بلبن کا پوتا کیقباد مے نوشی کی کثرت سے
لقوے اور فالج میں مبتلا ہو گیا تو جلال الدین قصر سفید میں تخت شاہی
پر جلوہ افروز ہوا۔ کچھ عرصے بعد کوشک لعل میں گیا جو سلطان بلبن کا دیوان خاص
تھا۔ وہاں پونہچ کر دستور قدیم کے موافق گھوڑے سے اتر پڑا۔ مقربان خاص سے
ایک نے سبب پوچھا تو کہا کہ میں اس مکان کا ادب اس لئے کرتا ہوں کہ وہ میرے
آقا کا بنوایا ہوا ہے۔ مجھے اپنی جان کے خوف سے مجبوراً بادشاہ بننا پڑا ورنہ
میں کہاں اور تخت شاہی کہاں؟ خاندان غلاماں میں التمش کے بعد بلبن
ہی کا مرتبہ تھا۔ کوشک لعل میں مختلف سلطنتوں کے پندرہ ذی مرتبت اشخاص
اس بادشاہ کی پناہ میں تھے اور بڑے بڑے علماء و حکماء اور نامور اشخاص کا
ایک بڑا اچھا مجمع اس قدر دان بادشاہ کے گرد تھا۔ اس محل کے متعلق اور
اہم واقعات قابل تذکرہ ہیں یعنی سلطان بلبن اور علاء الدین خلجی کی وفات
ضیاء الدین برنی لکھتا ہے کہ "بلبن بادشاہ کی نعش سیری کے لال محل سے برآمد
ہو کر جامع مسجد کے سامنے دفن ہوئی"۔ سٹیفن صاحب کی رائے میں کوشک لعل
رائے پتھورا کے شہر کے اندر تھا جو خلاف رائے سرسید کے ہے۔ سید صاحب
اس محل کو درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء کے قریب بتلاتے ہیں چنانچہ
اُس کے کھنڈر کے نشانات اب تک بھی موجود ہیں۔ برنی نے یہ بھی لکھا ہے
کہ "بلبن کے بیٹے کیقباد نے شہر کے لال محل کی سکونت چھوڑ کر کلوکھری میں
ایک نیا قلعہ بنایا تھا"۔ شہر کے لفظ سے غالباً پرانی دلی مراد ہے اور جب کہ
بلبن نے قلعہ رائے پتھورا کو درست کرایا تھا تو یہ بات بعید القیاس ہے کہ اُس نے
اپنا محل اس قلعے کی حدود کے باہر بنوایا ہو۔ سیری میں کسی عمارت کا نام لال محل
کہیں سنا نہیں گیا بلکہ برخلاف اس کے پرانی دلی میں لال محل کا ذکر جابجا پایا جاتا ہے۔

اگر فرشتہ کی روایت صحیح سمجھی جاوے کہ علاء الدین خلجی لال محل میں رہتا تھا اور وہیں وہ مرا بھی اور وہیں سے اُس کی نعش دفن کی غرض سے نکلی تو یہ محل ضرور بلبن ہی کا ہوگا جو رای پتھورا کی دلی میں جس کو پرانی دلی بھی کہتے ہیں ہوگا۔ سرسید لکھتے ہیں کہ "قلعہ مرزغن کوشک لعل کے پاس ہی بنایا گیا تھا اور بلبن اُس میں دفن کیا گیا"۔ اس سے بھی کوشک لعل کے مقام کے تعین میں مدد ملتی ہے کہ بلبن کی قبر اور کوشک لعل دونوں رای پتھورا کی دلی کے حدود میں تھے اور قلعہ مرزغن بھی وہیں تھا۔ بقول امیر خسرو اور ابن بطوطہ کے مرزغن کو قلعہ غلطی سے کہا گیا ہے۔ مرزغن کو بلبن نے ۶۶۴ھ ۱۲۶۶ء میں دلی کی تخت نشینی کے وقت بنوایا تھا۔ وجہ تسمیہ اس کی کچھ معلوم نہیں ہوتی لغوی معنے تو اس کے دوزخ۔ گورستان اور انگیٹھی ہیں۔ قدیم مورخین نے اس کو صرف ایک مکان سے تعبیر کیا ہے جو بالعموم "دارالامان" کے نام سے مشہور تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ "اس محل میں قرض داروں کے قرضے چکائے جاتے تھے اور ہر شخص کے معاملات کا منصفانہ تصفیہ اس میں ہی ہوتا تھا۔ ہر دشمن کو یہاں پناہ اور امن ملتا تھا۔ تیرھویں صدی میں جب ابن بطوطہ دلی میں آیا تو یہ محل موجود تھا چنانچہ اُس نے لکھا ہے کہ "بلبن نے ایک محل بنوایا تھا جس کا نام "دارالامان" تھا۔ بادشاہ اسی محل میں دفن ہوا اور میں خود اس کی قبر پر گیا ہوں"۔ یا برجی اس محل میں آیا تھا اور بلبن کی قبر پر بھی گیا تھا اُس نے بھی کسی قلعے کا ذکر نہیں کیا۔ ابوالفضل نے البتہ اس محل کو قلعہ لکھا ہے جس کی تقلید مابعد کے لوگوں نے بھی کی ہے۔ امیر خسرو ابن بطوطہ "مکان" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ۶۸۳ھ ۱۲۸۴ء میں بلبن کا بڑا بیٹا جو ملتان کا گورنر تھا مغلوں کی لڑائی میں لاہور میں مارا گیا۔ برنی لکھتا ہے کہ اس ناگہانی سانحے سے ملتان میں کہرام پڑ گیا اور اُسی وقت سے شاہزادے کو خان شہید کا لقب ملا۔ بادشاہ کے صدمے اور الم کا کچھ نہ پوچھیے۔ دن کو دربار کرتا تھا لیکن ساری ساری رات اُسے تڑپتے گزرتی تھی۔ اپنا لباس فرط غم سے چاک کر ڈالتا اور سر پر خاک اڑاتا تھا:۔

گر پیر نود سالہ بمیرد عجب مدار ... ایں ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

اس وقت بادشاہ کا سن اسی برس کا تھا۔ بلبن کی سلطنت قریب الاختتام تھی اور
اسی صدمے میں گھل کر اُس نے ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء میں انتقال کیا اور دار السلام میں دفن
ہوا۔ بلبن کی قبر قطب مینار سے چند منٹ کا رستہ ہی اور قطب صاحب کی ویران
بستی کے کھنڈروں سے جواب بالکل اجاڑ ہی سو گز کے فاصلے پر ہی۔ یہ قبر
بڑے بڑے پتھروں کی چھوٹی چھوٹی دیواروں کے احاطے میں ہی جس میں چھوٹے چھوٹے
طاق بنے ہوئے ہیں۔ اسی کے پاس ایک بہت بڑے احاطے کا نشان ہی جو غالباً
کوئی محل سرا ہے تھی اور المطلب ہی کہ یہی محل دار الامان تھا۔ اب جو حالت قبر
کی ہی وہ بس یہ ہی کہ خالی چار دیواری کھڑی ہی کہ جس کے سارے پتھر باہر کے
لوگ اُکھاڑ لے گئے اور دیواریں بحالت موجودہ پتھر اور چونے کا ایک ڈھیم پڑا ہی اس ڈھیم اور بنیاد
کے دیکھنے سے دیوار کا آثار نو فیٹ کا معلوم دیتا ہی۔ بلبن کی قبر التمش کی قبر سے
دو چند بڑی ہی۔ اس کے گنبد کو گرے ہوئے کچھ بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا کہ اب
بھی چوطرف ملبہ بکھرا پڑا ہی۔ قبر کا تعویذ تک لوگ اُکھاڑ لے گئے لیکن خالی قبر کا
نشان اب بھی موجود ہی۔ اس گنبد کے چار دروازے ہیں۔ مغرب اور جنوب کے
دروازے بہ نسبت مشرق اور مغرب کے دروازوں کے ذرا بڑے ہیں۔
مشرقی اور مغربی دروازوں کی پیشانی پر اب بھی کچھ مٹے مٹائے نشان کتبوں کے
ہیں جو بالکل پڑھے جانے کے قابل نہیں ہیں۔ گنبد کے کونے باہر سے گول کیے
ہوئے ہیں اور گنبد کی شکل ہشت پہلو تھی۔ اسی کے قریب ایک اور چار دیواری
ہی اس کا گنبد بھی گر پڑا ہی۔ سید اس گنبد کو بلبن کے بیٹے خان شہید کا بتلاتے ہیں۔
یہ گنبد بہ نسبت بلبن کے گنبد کے بہت چھوٹا ہی اس میں قبر کا پتہ نہیں۔ اس گنبد کا
دروازہ بہت بڑی محراب کا اور کشادہ ہی مگر اب بالکل گرنے کے قریب ہی۔ اس
کی محراب کے اندرونی رُخ پر دیکھنے سے کچھ جھلک رنگ کی بھی نظر آتی ہی جس سے
معلوم ہوتا ہی کہ رنگین کام بھی تھا۔ شمالی دیوار میں کوئی دروازہ نہیں ہی۔ جنوبی دیوار میں
البتہ ایک دروازہ بلبن کے مقبرے میں آنے جانے کا ہی۔ مغربی دروازہ اب تک
موجود ہی مغربی اور جنوبی دیواروں کے دروازے بہ مقابلے صدر دروازے
کے جو مشرق رو ہی بہت چھوٹے ہیں۔ چھوٹے صحن کے گنبد کی دیواروں اور

محراب دار دروازوں کے نشانات اب بھی بعض بعض جگہ ملتے ہیں۔ بڑے احاطے کے نشانات اور بھی زیادہ معدوم ہیں مگر پھر بھی کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ غیاث پور غیاث الدین بلبن کا بسایا ہوا ہے جیسا کہ اُس کے نام سے خود ظاہر ہے مگر یہ ایک معمولی سا گاؤں تھا جس کی شہرت پرانی دلی۔ کلوکھری سیری یا تغلق آباد کی طرح نہ تھی۔

لال کوٹ ہم کو یہ معلوم نہیں کہ اننگ پال اول کے کتنے جانشین تھے جنھوں نے اُس کی دوبارہ بسائی ہوئی دلی میں سلطنت کی۔ جنرل کننگھم دو ہندی قلمی کتابوں پر سے لکھتے ہیں کہ اننگ پال دوم جو کمار پال کا جانشین تھا اور جس نے ۱۰۶۰ء میں دلی بسائی تھی۔ اُس نے اپنے آباد شہر کے پاس ہی ایک قلعہ بھی بنوایا تھا جو "لال کوٹ" کے نام سے مشہور ہے۔ دلی کے پنڈتوں کو بھاٹوں کی تحریرات میں کہیں لال کوٹ کا پتہ نہیں ملتا۔ رائے جیون لال صاحب آنریری مجسٹریٹ جو دلی میں سب سے زیادہ ان امور سے واقف ہیں اُن کا خیال ہے کہ زمانہ مابعد کے کوتک نعل کی طرح لال کوٹ بھی بادشاہوں کی اقامت گاہ رہا ہوگا۔ مگر چپاند یا دوسرے مسلمان مورخین نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ جنرل صاحب کہتے ہیں کہ مسلمان مورخین لال کوٹ کو قلعہ رائے پتھورا کا ایک جزو سمجھتے تھے اور اسی وجہ سے جداگانہ طور پر اُس کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ موضع مہرولی کے باشندے جہاں لال کوٹ کے کھنڈر ہیں کہتے ہیں کہ بھیروا کے مندر کے پاس لال کوٹ نام کی ایک بڑی مشہور عمارت تھی چنانچہ چند شاعر کا بیان ہے کہ اننگ پال نے بیاس کی بات سُن کر غور کیا اور ایک محل بنانا شروع کیا (کانڈاول پرتھی راج راہسا) مسلمان مورخین کے سکوت نے ہم کو بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے اور اُن کا یہ سکوت ہمارے تحیر کا باعث ہے کیوں کہ یہ لوگ بڑے پایے کے اور تفصیلی وقائع نگار تھے۔ مقامی لوگوں کا کہنا کچھ زیادہ لائق اعتبار نہیں۔ اس پر یہ طرّہ یہ کہ ہندو مورخین بھی اس معاملے میں بالکل ساکت اور صامت ہیں۔ مسٹر بگلر نے جنرل کننگھم کی

رای کے خلاف لال کوٹ کی حدود سے مسلمانوں کے مسمار کردہ منادر۔ لوہے کی لاٹ اور خشک شدہ اننگ تال سب کو خارج کر دیا ہے اننگ پال کا لال کوٹ غالباً سنگ سرخ کا ایک بڑا محل تھا جس کی حیثیت گویا تو چوہانوں نے بدل دیا یا یہ کہ اُن کی نظر ہوکر نیست و نابود ہوگیا۔

انیک تال

بکرمی سمبت ۳۳، ۵۷ سنہ ۷۶

یہ تالاب بہت قدیم زمانے کا بنا ہوا ہے جو کسی زمانے میں بڑی سیرگاہ رہا ہوگا اب تو اُجاڑ پڑا ہوا بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔ یوگ مایا کے مندر کے شمال سے رُخ پر مسجد قوت الاسلام کے شمال ومغربی گوشے میں کوئی پاؤ میل پر جو ایک بڑا گہرا کھلا نظر آتا ہے وہ اسی تالاب کا ہے جس کا طول شمالاً جنوباً ۱۶۹ فٹ اور عرض مشرقاً غرباً ۱۵۲ اور عمق ۴۰ فٹ ہے یہ تالاب راجہ انیک پال تنور ثانی دلّی کے راجہ نے بنوایا تھا چنانچہ اُسی کے نام سے اب تک مشہور ہے۔ سر سید لکھتے ہیں کہ ۱۱۶۴ء تک یہ تالاب درست حالت میں تھا۔ اور علاء الدین خلجی (۱۲۹۶-۱۳۱۶ء) کی ادھوری لاٹ کی تعمیر کے لئے اسی تالاب سے پانی جاتا تھا جس کی نالیوں کے نشانات اب تک بھی بعض بعض جگہ پائے جاتے ہیں۔ اب یہ تالاب بالکل خشک ہے حتیٰ کہ موسم بارش میں اتنا بھی پانی نہیں ٹھیرتا کہ اس کے شکم تو تر رکھ سکے۔

انیک پور

بکرمی سمبت ۳۳ ۵۰۷ سنہ ۶۶۷۶

یہ موضع بلبھ گڑھ کے سب ڈویژن میں تغلق آباد سے تین میل پر واقع ہے۔ یہ موضع اپنے اُس بے نظیر بند یا پشتے کے لئے مشہور ہے جس سے پانی روکا گیا ہے۔ اگر ہم اس بند کی قدامت کو خیال کریں جس پر صدیوں کی صدہا یاں کس مپرسی کی حالت میں گزر گئیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ شمالی حصۂ ہند میں یہ فن تعمیرات کا بڑا بھاری کام ہے۔ یہ بند ایک گھاٹی پر بنایا گیا ہے ۵۹۲ فٹ لمبا ہے۔ اسی عظیم الشان اور پر شوکت بند کے شمال میں یہ موضع ہے جس کی

آبادی تخمیناً ہزار نفوس کی ہے۔ سرسید لکھتے ہیں کہ اس گاؤں کو راجہ انیک پال تنور ثانی نے جو دلی کا راجہ تھا سمت ۱۰۲۳ بکرمی مطابق ۹۶۶ء میں آباد کیا تھا اور اُسی کے نام سے یہ گاؤں موسوم ہے لیکن جنرل کننگھم اس سمت کو بلبھی سمجھتے ہیں اور اس حساب سے موضع کی آبادی کا سال ۱۰۱۵ء قرار دیتے ہیں۔ اِسی راجہ نے پہاڑوں کے بیچ میں سیر و شکار کے واسطے ایک نہایت نفیس بند بنا کر پانی کو روکا ہے۔ اس بند کے دو طرف تو پہاڑ ہیں اور بیچ میں ایک چھوٹی سی گھاٹی تھی اُس گھاٹی کو بند سے بند کردیا۔ یہ بند بالکل پختہ اور مستحکم ہے اور سرتاپا پتھر کا بنا ہوا ہے۔ بند پایہ میں ۵۰ فٹ چوڑا اور ۲۰ فٹ اونچا ہے۔ اس بند کے بیچ میں ایک در ۲۰ فٹ گہرا اور ۵ فٹ ۲ انچ چوڑا ہے۔ اس در کے سامنے تین نالیاں آٹھ آٹھ فیٹ اونچی بنی ہوئی ہیں یہ نالیاں دیوار کی ساری چوڑان میں دوڑی ہوئی ہیں۔ ان نالیوں کی دونوں طرف پانی چھوڑنے اور بند کرنے کی کھڑکیوں (Sluices) کے نشان اب تک موجود ہیں۔ اس محراب کے دونوں جانب ۳۰۰ - ۷ سو فیٹ لمبی دیوار ہے جس کی سترہ سیڑھیاں اب موجود ہیں اور پرانے زمیندار بیان کرتے ہیں کہ ہمارے ہوش میں قد آدم سے سوا اونچا تھا اور کئی سیڑھیاں اور نکلی ہوئی تھیں جو اب دب گئی ہیں۔ موری اس بند کی اتنی بڑی ہے کہ کھڑا آدمی اُس میں سے چلا جاتا ہے۔ اگرچہ اس بند میں اب پانی نہیں ٹھیرتا مگر پھر بھی جڑوں میں سے بارہ مہینے پانی رستا رہتا ہے۔ اُسی زمانے میں راجہ نے اسی بند کے پاس ایک پہاڑ کی چوٹی پر گاؤں کے شمال مغرب کی طرف ایک چھوٹا سا قلعہ بنانا شروع کیا تھا۔ مشہور ہے کہ قلعے کی چار دیواری کے سوا اور کچھ بننے نہیں پایا تھا۔ اب وہ چار دیواری بھی نہ رہی۔ کہیں کہیں سے دیوار کا ٹوٹا پھوٹا نشان اب بھی دکھلائی دیتا ہے۔ کنور بھوپال جو انیک پال کا بارہواں بیٹا تھا اس جگہ آباد ہوا چنانچہ ایک عرصے تک اُسی کی آل اولاد بستی رہی چوتھی پشت میں مسمی ساکرا نے ایک گوجرنی گھر میں ڈال لی اور اُس سے

قطعہ تاریخ نوشتہ جناب شاہ محمد چند احسینی صاحب نامی کوہ سوار نظامی صدر مدرس دیودرگ ضلع رائچور دکن

دہلی کا مثل روئے زمیں پر نہیں ہے آج ۔۔۔ مشہور ہے زمانے میں یہ آپ بے عدیل

اسلام و کفر نے کیئے یاں راجدہانیاں ۔۔۔ یہ جلوہ گاہ طور یہی شرک کی کفیل

عزل و نصب رہا ہے زمانے کا قاعدہ ۔۔۔ نمرود آستاں یہ کبھی گلشن خلیل

آماجگاہِ ابیض و اسود ہے اس کی شان ۔۔۔ معیار خیر و شر کی ہے دنیا میں یہ دلیل

ترک و عرب کی جان تھی اک وہ بھی عہد تھا ۔۔۔ رہتے تھے جس میں شیر و شکر کثرت و قلیل

علمائے علم کے اسے مرکز کا فخر ہے ۔۔۔ حکمائے بے نظیر کی یہ ساحت نزیل

عقلائے روزگار کی یہ بزم عام تھی ۔۔۔ شعرائے نامدار کی یہ مسند جلیل

ہر ایک علم و فن کے یہاں آزمودہ تھے ۔۔۔ ایک ہی بساط پہ تھے یہاں اشرف و ذلیل

یہ تخت گاہ اکبر و محمود پر شکوہ ۔۔۔ یہ جلوہ گاہ حضرت اورنگ شاہ عقیل

آثار جن کے آج ہیں مشہور کائنات ۔۔۔ ہے چپہ چپہ فن عمارت کا خود وکیل

اس کو شرف ہے رزم گہ خاص و عام کا ۔۔۔ رہتے تھے اس میں شیر فگن شہسوار یل

دنیا میں اس کا نام عروس البلاد تھا ۔۔۔ بازار حسن ۔ حلقۂ خوبان مہ جمیل

آتے تھے اس کو دیکھنے سیاح نامور ۔۔۔ دہلی تھی سرزمین پہ فردوس کی مثیل

جس کا سواد باعث تسکین اضطراب ۔۔۔ جس کا خیال موجب آسائش طویل

ہر ذرہ ذرہ جس کا رہا جان آفتاب ۔۔۔ جان بخش کائنات رہی جس کی قال و قیل

تاریخ اس کی لکھی بشیر نذیر نے ۔۔۔ جو فاضل یگانہ ہیں علامۂ عدیل

طرز بیان حسن ادا دل فریب ہے ۔۔۔ انداز گفتگو ہے روانی سلسبیل

کوثر میں جو دھلی ہوئی ہے یہ زبان ہے ۔۔۔ سرمایۂ حیات ہے انداز قال و قیل

مبسوط واقعات ہیں دہلی کے بے بدل ۔۔۔ حالات ہیں صحیح صحیح تاریخ ہے اصیل

تاریخ الطباع بگفتہ سروش غیب

نامی بدل نویس کہ ہے تاریخ بے عدیل

۱۳ ۵ ۳ ۷

قلعہ سرزغن ۶۶۶ھ

جب سلطان غیاث الدین بلبن بادشاہ ہوا اُس نے ۶۶۶ھ میں ایک قلعہ بنایا اور اُس کا نام سرزغن رکھا اب اس قلعہ کا نشان تک باقی نہیں رہا مگر لوگ کہتے ہیں کہ جہاں حضرت نظام الدین اولیا کا مزار ہے وہاں تھا۔ بلکہ اُسی کی آبادی کا موضع غیاث پور نام ہے۔

قلعہ علاؤل ۶۹۵ھ

جب کہ سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ ہوا اُس نے اپنے عہد میں کہ ۶۹۵ھ سے شروع ہوا تھا ایک اور قلعہ بنایا اور اُس قلعہ کا نام سیری رکھا۔ چنانچہ اب بھی قطب صاحب کو جاتے ہوے بائیں ہاتھ کو اُس قلعہ کا کچھ کچھ نشان پایا جاتا ہے۔ یہی قلعہ علاؤل بھی کہلاتا تھا۔

سیری یا دہلی علائی ۷۰۳ھ ۱۳۰۳ء ہجری

دیدم چغدے نشستہ در صبح وپگاہ
برکنگرۂ مقبرۂ نوشرواں شاہ
فریاد کناں زرو عبرت می گفت
کو آں ہمہ حشمت و منال آں جاہ

بقول سرسید علاء الدین خلجی نے ۷۰۳ھ ۱۳۰۳ء میں سیری نام موضع کے پاس اسی نام کا ایک قلعہ بنوایا۔ یہ موضع رای پتھورا کے قلعے سے شمال و مشرق میں کوئی دو میل پرے ہٹ کر ہے اب اس جگہ شاہ پور یا شاہ آباد آباد ہے۔ مغل حملہ آوروں نے دو مرتبہ پرانی دلی کو لوٹا۔ اس لیئے علاء الدین نے رای پتھورا کے قلعے کو درست کیا اور اس کے علاوہ خود بھی ایک نیا قلعہ بنایا جس کا نام "سیری" رکھا۔ دلی کی پیاپی لوٹ کا بدلہ علاء الدین خلجی نے یوں لیا کہ اُس نے اس قلعے کی بنیاد اور فصیلوں میں ایک دم سے آٹھ ہزار مغلوں کے چنوا دیئے۔ قلعہ کی فصیل پتھر اور چونے کی پختہ بنی ہوئی تھی۔ یہ قلعہ کیا باعتبار عمدگی و استحکام عمارت کے اور کیا بلحاظ

سقاصد فوجی کے اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا۔ ۹۴۷ھ مطابق ۱۵۴۱ء میں شیر شاہ نے اس قلعے
کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اس کا سارا مال مسالا ڈھلوا کر ایک نیا شہر
شیر گڑھ اپنے نام سے بسایا اور اس میں لگایا۔ تیمور نے سیری کی نسبت لکھا ہی
کہ "یہ ایک مدور شہر ہی جس کی عمارت بلند اور دیواریں اینٹ پتھر کی نہایت مضبوط
بطور گڑھی کے ہیں۔ پرانی دلی میں بھی اسی قسم کا ایک قلعہ ہی مگر وہ اس سے
کچھ بڑا ہی۔ اس قلعے سے پرانی دلی تک ایک نہایت مضبوط فصیل پتھر چونے کی
ہی۔ سیری کے سات دروازے ہیں چار باہر وار کو ہیں جہاں پناہ کی جانب اندر وار
کو"۔ یزدی نے اپنے ظفر نامے میں لکھا ہی کہ "سیری کی شمال مشرقی فصیل سے
پرانی دلی کی جنوب مغربی فصیل تک دو طرفہ ایک اور فصیل بنائی گئی ہی اور اس کا میانی
قطعہ جہاں پناہ کہلاتا ہی"۔ عہد اسلامی کی تیسری سلطنت سیری ہی تھی۔ سلاطین خاندان
غلامان نے باستثنائے کیقباد جو اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا سب قلعہ
رائے پتھورا ہی میں رہے۔ جلال الدین خلجی نے کیقباد کے کلوکھری والے
قلعے کی تکمیل کی جس کا نام بعد میں "نیا شہر" پڑا۔ اُس کے بھتیجے اور جانشین
علاء الدین خلجی نے سیری کا قلعہ بنایا جو ۱۳۲۱ء تک دار السلطنت رہا۔ جس کے بعد
سلطان غیاث الدین تغلق نے تغلق آباد کا ایک نیا شہر بسایا اور وہیں قلعہ بھی بنایا۔
قلعۂ سیری کے ٹھیک مقام کی نسبت اختلاف ہی۔ برجس۔ لوئی۔ کوپ اور کیمبل صاحب
قطب صاحب میں بتلاتے ہیں۔ لفٹنٹ برجس کے علاوہ کرنل لوئی اور مسٹر کوپ
جنھوں نے آثار قدیمۂ دہلی پر نہایت عمدہ مضامین لکھے ہیں لیکن اُنھوں نے
اس قدر تعجیل سے لکھا ہی کہ اُن کی رائے استناداً پیش نہیں کی جاسکتی۔ مسٹر کیمبل
البتہ سوچ سمجھ اور تحقیق سے لکھنے والے ہیں لیکن جنرل کننگھم صاحب کی تحقیق سب سے
زیادہ قابل توثیق ہی۔ چنانچہ سٹیفن صاحب نے بھی بہت کچھ چھان بین کے
بعد بھی یہی رائے قائم کی ہی کہ اگر موضع شاہ پور وہ جگہ نہیں ہی جہاں کہ سیری کا قدیم
شہر بنا تھا تو پھر یوں سمجھنا چاہیئے کہ اور کسی دوسری جگہ تو اس کا پتہ چل ہی نہیں سکتا
تیمور اور یزدی نے جو دلی کے تینوں شہروں کا تذکرہ کیا ہی اُس سے بھی یہی
معلوم ہوتا ہی کہ شہر کی آبادی کا شمالی مشرقی حصہ سیری تھا اور سیری کے شمال مغرب

میں دلّی شہر تھا جو سیری سے کہیں بڑا تھا اور ان دونوں کے بیچ میں جہاں پناہ کی آبادی تھی جو دلّی سے بھی بڑا شہر تھا۔ جنرل صاحب نے سیری کا مقام وہی قرار دیا ہی جہاں کہ فی زمانناشاہ پور آباد ہی اور یہی رائے مسلمان مورخین کی لکھی ہی جو دلّی کو شاہ پور کے جنوب و مغرب میں بتلاتے ہیں اور جہاں پناہ کو دلّی اور شاہ پور کے بیچ میں اور ساتھ ہی اس کے شاہ پور کو دلّی سے چھوٹا بتلاتے ہیں۔ سیری کی جغرافی پوزیشن (تعین مقام) کے متعلق برجس صاحب اور ان کے ساتھ اور چند اصحاب کی رائے ایک طرف اور جنرل صاحب کی رائے ایک طرف۔ مزید برآں جنرل صاحب کی رائے کی تائید میں بہت قوی دلائل موجود ہیں:۔

(۱) قلعہ رائے پتھورا کے باہر سیری کی بستی تھی۔ حوض رانی کے میدان کی طرح سیری کی زمینات بھی بطور کیمپ کے استعمال کی جاتی تھیں۔ جب کیقباد نے ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء میں سیری کو دارالاقامہ مقرر کیا تو کہا جاتا ہی کہ لشکر کا میمنہ تل پت میں تھا اور میسرہ اندرپت میں تو قلب لشکر لامحالہ بیچوں بیچ میں موضع شاہ پور میں آکر ٹھیرتا ہی اس سے صاف ظاہر ہی کہ سیری کی بستی قلعہ رائے پتھورا کے باہر تھی اور مواضع اندرپت اور تل پت کے بیچ میں تھی۔

(۲) سیری کی بنیاد خواہ بطور شہر کے سمجھی جائے یا بطور قلعے کے ۷۰۳ھ ۱۳۰۳ء ہی لیکن سیری کی بستی کا وجود ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء سے پایا جاتا ہی کہ وہ جمنا کے کنارے پرانی دلّی اور نئے شہر دونوں کے بیچ میں سیری نام کی ایک بستی تھی جب علاءالدین خلجی کا بھانجا رکن الدین ابراہیم پرانی دلّی میں تخت نشین ہوا تو علاءالدین کا قیام سیری میں تھا (برنی)۔ اس زمانے میں سیری کے نام کا کوئی قلعہ نہ تھا تو علاءالدین لامحالہ سیری کی بستی ہی میں رہتا ہوگا۔

(۳) ۶۹۷ھ ۱۲۹۷ء میں سلطان علاءالدین نے بڑے تزک واحتشام سے دلّی سے کوچ کیا اور اپنے خیام سیری میں نصب کرائے (برنی)۔ تو یہ خیام ضرور دلّی شہر سے کچھ فاصلے پر ہی ہونگے غایت مافی الباب شہر میں تو ہو نہیں سکتا ضرور شہر کے باہر ہی ہوگا۔

(۴) ایک دوسرے موقع پر یہ بھی لکھا ہوا ہی کہ علاءالدین نے شہر سے کوچ کرکے

سیری میں مقام کیا - شہر سے مراد پرانی دلی ہے اس سے بھی ظاہر ہے کہ سیری ایک جداگانہ مقام تھا -

(۵) مغلوں کے پیاپے خطرناک حملوں نے علاء الدین خلجی کو دلی کے پرانے قلعوں کی مرمت کرنے پر مجبور کیا اور اُس نے ایک نیا قلعہ بھی بنوایا پس اگر یہ نیا قلعہ پرانی دلی کے اندر ہی ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ اُس کا ایک جداگانہ نام سیری رکھا جاتا - ابوالفضل نے جو سیری کا ذکر کیا ہے بالکل غلط ہے کہ شہر بنا ایک جگہ ہو اور نام دوسری جگہ کا رکھا گیا ہو - جب کہ نئے قلعے کا نام سیری تھا تو یقیناً وہ رای پتھورا کے قلعے کی چار دیواری کے اندر تو بنا ہی نہ ہوگا - ہم اوپر امیر تیمور اور یزدی کی تحریرات کا حوالہ دے آئے ہیں جن میں اُنھوں نے تین شہروں کا ذکر کیا ہے جو سب مل کر دلی کہلاتے تھے - ابن بطوطہ نے ایک چوتھی دلی بھی لکھی ہے یعنی ہندوؤں کی بسائی ہوئی پرانی دلی اور سیری کو وہ مسلمانوں کا دار السلطنت لکھتا ہے -

قصر ہزار ستون

سنہ ۷۰۳ھ – ۱۳۰۳ع

اگر پردہ برگیری از روئے خاک
روی تا بہ ہفتم زمیں در مغاک

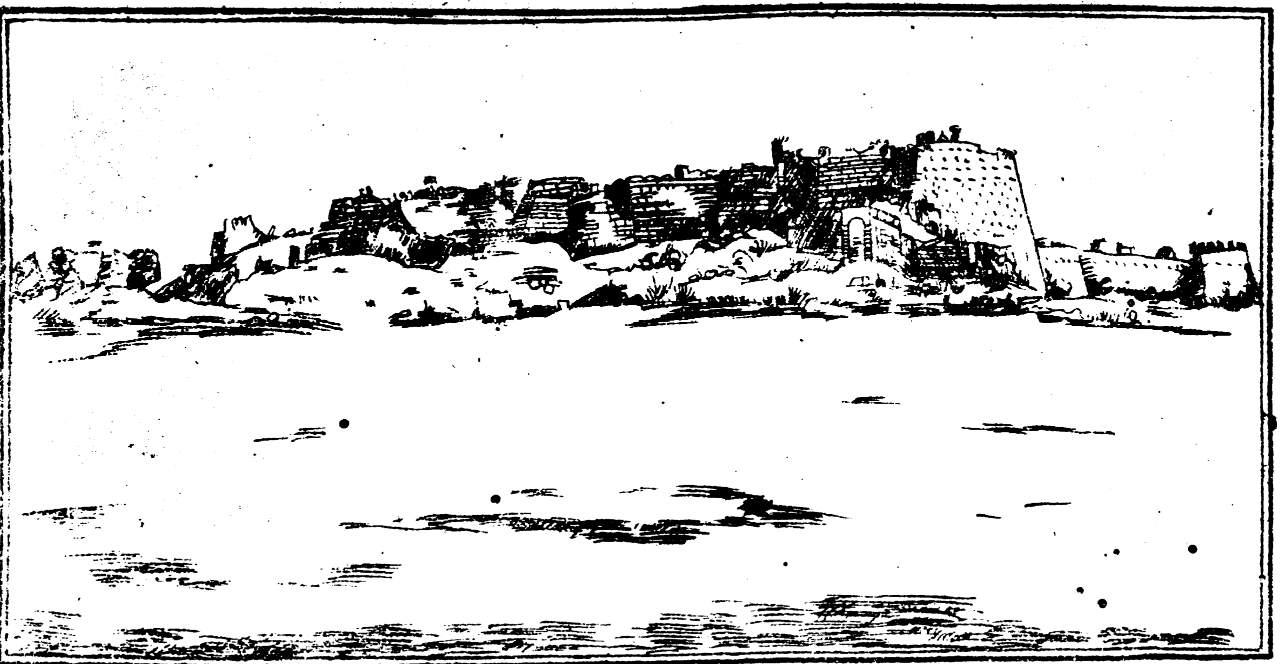
ہمہ فرقِ شاہانِ سرکش بود
رخِ نوعروسانِ مہوش بود

سراپائے گیتی ہمہ غیرت است
پس و پیشِ او حیرت و حسرت است

سنہ ۷۰۳ھ – ۱۳۰۳ع میں جب علاء الدین خلجی سیری میں قلعہ بنوا چکا تو اُس نے ایک محل بھی بنوایا جس کا

۵؎ چوتھی دلی تو کچھ بھی تعجب کی بات نہیں بڑی ہرن صاحب نے اپنی کتاب میں سات دلیاں بتلائی ہیں پرانی دلی - سیری - تغلق آباد - جہاں پناہ - فیروز آباد - شیر شاہ کی دلی - شاہ جہاں آباد - اور آٹھویں دلی رائے سینا میں اب انگریزوں کے عہد میں بن رہی ہے - صانہا اللہ تعالےٰ عن حوادث الزمان





عمارت ہزار ستون

نام "ہزار ستون" رکھا۔ اُس زمانے کے دستور کے موافق اس محل کی بنیاد اور منلوں کے ہزاروں سر چن دیئے گئے۔ جنرل کننگھم نے اس محل کا مقام قلعۂ سیری قصبۂ شاہ پور کے اندرونی نصف شرقی حصے میں بتلایا ہے۔ مسٹر بگلر نے اس کے خلاف قلعۂ سیری میں جنوبی فصیل سے کچھ آگے بڑھ کے اس کے کھنڈر دریافت کیئے ہیں۔ امیر تیمور نے اس محل کو عمارت ہزار ستون سے گڈمڈ کردیا ہے جس کو محمد تغلق شاہ عرف جونا شاہ نے عادل آباد عرف محمد آباد میں سنہ ۷۲۸ھ (۱۳۲۷ء) میں پچیس برس بعد بنوایا تھا۔ چنانچہ محمد شاہ تغلق نے بزمانۂ شاہزادگی لکھا ہے کہ "بیگمات نے محل ہزارستون کے دیکھنے کی خواہش کی جسے ملک جونا نے قلعۂ جہاں پناہ کے اندر بنوایا تھا"۔ کھنڈر کے دیکھنے سے اس محل کی اصلی شان وشوکت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا امیر خسرو لکھتے ہیں کہ "ملک کافور جو علاءالدین خلجی کا ایک نامور سردار تھا جب ورنگل سے بے شمار دولت لوٹ کر لایا تو وہ ساری کی ساری سنہری محل کے سامنے لوگوں کو دکھلائی گئی تھی لیکن تاریخ فیروزشاہی میں اسی واقعے کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے مگر وہ اس واقعہ کو قصر ہزارستون میں ہونا لکھتا ہے۔

علاءالدین خلجی کی وفات (سنہ ۷۱۵ھ ۱۳۱۵ء) کے پچیس دن بعد ملک کافور شیر اعظم سلطان علاءالدین کو قطب الدین مبارک شاہ کے غلاموں نے اسی قصر ہزارستون میں قتل کر ڈالا سنہ ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) میں خسرو خاں کے ہندو ملازمین نے سلطان قطب الدین مبارک شاہ کو اسی محل کے کوٹھے پر قتل کیا جس کے چند مہینے بعد خسرو خاں بھی غیاث الدین تغلق شاہ کے حکم سے اُسی جگہ جہاں قطب الدین مبارک شاہ مارا گیا تھا اس کی بھی گردن ماری گئی اور جس طرح قطب الدین کا سر محل کے نیچے پھنکوایا گیا تھا اس کی نعش بھی سرراہ پھینک دی گئی اور کہ کردو کہ نیافت کا مضمون صادق آیا۔ اور اسی سال اسی محل میں تغلق شاہ بھی تخت نشین ہوا اور سر دربار قطب الدین اور علاءالدین اپنے مربی کے دوسرے بیٹوں کے ساتھ جو برا سلوک ہوا تھا اُس پر بہت رویا۔ اس مشہور محل میں ایسے ایسے اہم وسترگ تاریخی واقعات گزرے لیکن یہ کہ یہ محل کس قسم کا تھا کچھ پتہ نہیں چلتا سوائے اس کے کہ ہم اس کے نام سے یہ اندازہ کرلیں کہ جس محل کے کہ ہزار ستون ہوں گے وہ اسی مناسبت سے کتنی بڑی

اور کیسی عظیم الشان عمارت ہوگی لیکن فنا کی دست درازی کا سب شکار ہیں۔ دنیا کی ساری چیزیں فانی اور مٹنے والی ہیں چنانچہ اس محل کو دیکھیے کہ بااین شان وشوکت آج ہم کو ضرورت اس تلاش کی پڑی ہے کہ وہ کس مقام پر تھا۔

ایسا مکاں بتاؤ جو بن کر گرا نہو پیدا ہوا ہے کوئی بشر جو مرا نہو

جہاں پناہ
۷۲۸ھ ۱۳۲۷ء

ویرانۂ دہلی میں جو گیا اک فاختہ مجھ سے یوں بولی
پیغام تجھے اک دیتی ہوں سن اے غافل کوکو میری
یہ ویرانے جو دیکھتے ہو معمور تھے آبادی سے کبھی
یاں شہر بھی تھے باغات بھی تھے بستی تھی کنارِ جو میری
گو چرخِ فلک کی گردش سے روپوش ہوئی محفل اپنی
ہے آج کے دن تک متجسس یہ چشم نظارہ جو میری
شاہوں کے مقابر کو دیکھو عبرت کے مناظر کو دیکھو
اینٹ اینٹ میں قصرِ جمشیدی ہے دیکھتی آنکھ ہر سو میری
تھا شور جہاں تکبیروں کا ہنگامے تھے تجاروں کے
اب عالم ہو ہر چار طرف باقی ہے فقط کوکو میری
نت رنگ نیا ہے دنیا کا مایوس نہ ہو اے بے خبرو
کہتی ہے یہ کوکو میری۔ کہتی ہے یہ کوکو میری

خاندانِ غلامانِ دہلی کے عہد میں قلعۂ رای پتھورا کے چوطرف دور دور تک بستی ہی بستی پھیل گئی تھی۔ میواتیوں کی لوٹ مار سے قلعے والے پریشان تھے۔ کیقباد کی ضعیف حکومت نے ان لٹیروں کے حوصلے بہت بڑھا دیئے تھے سلطان علاءالدین خلجی کو تخت پر بیٹھتے ہی پہلے یہی مشکل پیش آئی کہ کھلے خزانے لٹس مچ رہی تھی۔ پانی بھرنے کے لیئے جو عورتیں کنوؤں اور حوضوں پر جاتی تھیں اُن کی جان غضب میں تھی۔ میواتیوں کا یہ آسان شکار تھا اُن کے کپڑے تک اُتروا لیتے تھے اسی لیئے معزب ہوتی کہ شہر کے دروازے بند ہو جاتے تھے۔ یہ بادشاہ فیروز شاہ کی طرح نرم تھا اس نے اپنی سطوت اور جبروت کا سکہ اس طرح

بٹھایا کہ اُس نے میواتیوں کے ملک پر تاخت کی اور ایسی تلوار اور آگ برسائی
کہ سب کے سب ٹھنڈے درست ہو گئے۔ جب مغلوں نے جلال الدین خلجی کے وقت
میں دلّی پر حملہ کیا تو شہر کے مقامات کو لوٹ لاٹ کر تباہ کر دیا تھا اور جب علاء الدین خلجی نے
سیری کی بنا ڈالی تو رائے پتھورا کے قلعے کے مقامات اتنے بڑھ گئے تھے
کہ دونوں شہر مل گئے تھے اور مواضع حوض رانی۔ ٹوٹی سرائے۔ اور کھڑکی بھی
اسی سلسلے میں آ گئے تھے۔ محمد تغلق شاہ کو خیال ہوا کہ تمام مختلف مقامات جو
پرانی دلّی اور سیری کے بیچ میں پڑتے ہیں ان سب کو ملا کر میرے وقت میں ایک
جداگانہ شہر ہی کیوں نہ بسایا جائے جس سے مغلوں اور میواتیوں کی روک تھام
کے علاوہ میری ایک یادگار بھی رہے چنانچہ ۷۲۶ھ ۱۳۲۶ء میں یہ ارادہ پورا ہوا اور پرانی
دلّی اور سیری دونوں کی آبادیوں کو فصیلیں کھڑی کر کے ملا دیا گیا اور جہاں پناہ نام
رکھا گیا۔ شمال مغرب کی طرف کی فصیل قریب دو میل کے اور شمال جنوب وشمال
مشرق کی طرف کی دو فصیلیں سوا دو میل لمبی ہیں۔ اور تینوں فصیلوں کی لمبائی پانچ
میل ہے۔ شمال مشرق کی طرف کی دیوار سیدھی نہ تھی بلکہ ٹیڑھی میڑھی تھی
وہ تو گر گرا گئی اور مشرقی دیوار کو سیدھی تھی مگر وہ بھی گر گئی اب رہی تیسری دیوار
جو جنوب رخ پر تھی وہ بھی بالکل سیدھی تھی اُس کا ایک ثلث حصہ تو گر گیا ہے
باقی موجود ہے۔ اس نئے شہر جہاں پناہ کے تیرہ دروازے پرانی دلّی اور سیری
کے ملا کر تھے۔ ان تیرہ دروازوں میں سے چھ تو شمال مغرب میں تھے جن میں سے
ایک کا نام میدان دروازہ تھا لیکن یزدی اس کا نام حوض خاص دروازہ لکھتا ہے
کیوں کہ وہ اسی نام کے حوض کی طرف کھلتا تھا (از تاریخ مبارک شاہی) باقی دروازے
جنوب وشمالی رخ پر تھے۔ جن میں سے صرف دو کے ناموں کا اور پتہ چلتا ہے
ایک حوض رانی دروازہ اور دوسرا برقعہ دروازہ۔ اس نئے شہر کی چار دیواری
کے اندر ایک مشہور عمارت بدیع منزل جس کو عوام بجے منڈل کہتے ہیں تھی
جس کا بیان اپنے موقع پر آیا ہے۔ ابن بطوطہ جہاں پناہ کے متعلق لکھتا ہے کہ وہ حضرت
محمد شاہ تغلق کے رہنے کی غرض سے بنایا گیا تھا اور اس شہر کی تعمیر سے اُس کا
ارادہ یہ تھا کہ پرانی دلّی۔ سیری۔ جہاں پناہ۔ اور تغلق آباد۔ ان سب کو ملا کر محصور

کر دیا جاوے - چنانچہ بادشاہ نے فصیل کا کچھ حصہ بنوایا تھا لیکن چوں کہ مصارف لاتعداد ہوتے تھے لہذا ادھورا چھوڑ دیا"- جنرل کننگھم جہاں پناہ کو دلی کا ساتواں قلعہ لکھتے ہیں اور مشہور ضرب المثل "سات قلعے یا باون دروازے" کی صراحت یوں کرتے ہیں کہ حسب ذیل سات نو قلعے تھے - (۱) لال کوٹ - (۲) قلعۂ رای پتھورا - (۳) سیری یا قلعۂ علائی - (۴) تغلق آباد - (۵) قلعۂ تغلق آباد - (۶) عادل آباد - (۷) جہاں پناہ باون دروازوں کی یہ تفصیل ہے - لال کوٹ ۳ - قلعۂ رای پتھورا ۱۰ - سیری ۲ - جہاں پناہ ۱۳ - تغلق آباد ۱۳ - قلعۂ تغلق آباد ۳ - عادل آباد ۲ - جملہ ۵۲ - لیکن مسٹر فینچ اور مسٹر لاٹ نو قلعے لکھتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہے - کیوں کہ کننگھم صاحب نے کلوکھری اور غیاث پور کے قلعوں کو شمار نہیں کیا جو پہلے محصور تھے - رہا لال کوٹ اُس کا شمار ہندوستانیوں کی روایتوں میں قلعوں میں نہیں ہے - ہندوستانی مورخین صرف تغلق آباد کے باون دروازے اور چھپن برج لکھتے ہیں لیکن کننگھم صاحب سولھا ہی دروازے لکھتے ہیں جو غالباً وہ دروازے ہوں گے جو اب باقی ہیں اور پھر جنرل صاحب نے تغلق آباد کے پاس دو اور چھوٹے قلعے جو ہیں وہ بھی چھوڑ دیئے ہیں اور اُن کے دروازوں کو بھی قلعۂ تغلق آباد کے دروازوں میں شمار نہیں کیا -

بادمنڈل جہاں پناہ میں اس نام کا ایک وسیع چبوترا ہے جس پر سے اطراف و جوانب کا ایک عمدہ نظارہ ہوتا ہے - کہتے ہیں کہ یہ چبوترا سلطان محمد تغلق کے قصر ہزار ستون کا ایک جزو ہے -

دوسرا باب سلطان غازی

یہ مقام قطب صاحب سے تین میل ہے مگر رستہ پہاڑی ایسا پتھریلا ناقص اور ناہموار کہ بگھی تو بگھی یکہ بھی نہیں جا سکتا ہاں بیل گاڑی چل سکتی ہے بشرطیکہ اُلٹ نہ جائے میں کہنے کو یکے پر گیا مگر مجھے اپنے ہاتھ پاؤں تڑوانے نہ تھے گیا بھی پیدل اور آیا بھی پیدل - قطب صاحب سے جاتے ہوئے داہنے ہاتھ کو چھوٹا برج

ملتا ہی اور بائیں ہاتھ کو **سو باتوں کا گنبد** ہی جو ایک بارہ درہ ہشت پہل برج ہی۔ راست دروغ برگردن راوی۔ مشہور یہ ہی کہ اس میں ایک فقیر کی قبر ہی جس نے اللہ تعالیٰ سے سو باتیں کی تھیں۔ یہیں ایک وسیع اور پختہ فصیل نما احاطہ بھی ہی۔ اس گنبد کے شمال کی طرف ایک اور چار دیواری میں **مولینا شعیب**[۱] رح کا مزار ہی آپ مولینا کمال الدین اور جمال الدین رحمۃ اللہ علیہما کے خلیفہ تھے۔ اس سے آگے بائیں ہاتھ کو **باہمن کا مندر اور جوہڑ** ہی جس میں مہادیو کا پنڈ ہی۔ یہ مندر ہشت پہل ہی جس کا ہر ضلع ۶ ½ فیٹ کا ہی۔ دو دروازے ہیں ایک جنوب میں دوسرا مشرق میں۔ مغرب کی جانب ایک نیا سہ درہ دالان بنا ہوا ہی اور اسی کے پاس جوہڑ یعنی چھوٹا سا تالاب ہی جسے دکن میں کُنٹہ کہتے ہیں۔ اسی رخ پر اوپر کے دالان سے ہٹا ہوا ایک اور پنج درہ دالان ہی علاوہ اس کے سہ دریاں بھی ہیں مندر کے سامنے صحن میں ایک پرانا پیپل کا درخت بھی ہی اب مندر سے آگے بڑھیے تو **گنیشی لال** دلی کے کسی باخیر شخص کا پختہ تالاب ہی اس سے آگے جو گاؤں ہی وہ **مسعود پور** کہلاتا ہی۔ سامنے وار کچھ فاصلے پر جھکنڈ نظر آتے ہیں وہی سلطان غاری کا مزار ہی۔

نصیب ما ز باغِ آفرینش میوۂ غم شد نہالے راکہ پروردیم آخر نخلِ ماتم شد	**مقبرۂ سلطانِ غاری** ۶۲۹ھ ۱۲۳۱ء

[۱] عالم عامل در صورت و سیرت ملک مثال بود و در وعظ و تذکیر بے نظیر زمان خود در زمانے کہ او وعظ گفتے و قرآن خواندے ہیچ کس را مجال عبور از انجا نبودے اگرچہ خود بارگراں بر سر داشتے ایستادہ شدے و استماع نمودے و اورا در وعظ بحسب اختلاف مقامات وعد و وعید حالات عارض شدے۔ جمیع اکابر و علمائے شہر در پاے وعظ او حاضر شدندے و اکثر از موالی و اہالی شہر در ابتدا شاگرد او بودند والد ماجد او مولنا **منہاج** در آوان صغر از بلدۂ لاہور بہ قصد تحصیل علم در دہلی آمد و در تحصیل علم ریاضت شاقہ کشید بعد ازاں در عہد دولت سلطان بہلول بودے مفتی شہر شد و ہمیں جا سکونت فرمود۔ نقل است کہ مولنا منہاج در بعضے اوقات آرد و روغن از دکانہا گدائی کردے و ازاں چراغ ساختے و تمام شب بمطالعہ پرداختے و چوں روز شدے از ہماں نان پختے و بہماں قدر اکتفا کردے مدتہا بریں حال گزرانید تا علمے بدست آورد۔ **وفات مولانا شعیب** در سنہ ۹۳۶ھ و قبر او بالاے حوض شمسی است متصل خانقاہ ملک زین الدین کہ از صلحاے زمان سکندر بود۔ (از اخبار الاخیار)



ناصرالدین محمود شاہ خلف اکبر سلطان شمس الدین التمش لکھنوتی[۱] کا حاکم تھا۔ تمام ارا کین سلطنت اور رعایا اسی کو ولی عہد مانتے تھے مگر حکم قضا و قدر اس کے خلاف تھا۔ انسان سوچتا کچھ ہی اور ہوتا کچھ ہی۔ شاہزادہ یکایک ایسا بیمار پڑا کہ جانبر نہ ہوسکا جہاں کی وفات کی خبر ۶۲۸ھ ۱۲۳۰ء میں دہلی پونہچی تو اس سانحہ ہوش ربا سے شہر بھر میں ایک کہرام مچ گیا۔ جوان بیٹے کی موت کا صدمہ شمس الدین التمش کو ایسا پونہچا کہ جتنا غم کرتا تھوڑا تھا۔

شعر

من چوں زیم کہ سینۂ من چاک کردہ اند — لخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ اند

نعش لکھنوتی سے دہلی لائی گئی اور موضع ملک پور میں جو قطب صاحب کے جنوب مغرب میں ساڑھے تین کوس ہی دفن کیا گیا۔ مرنے کے تین سال بعد ۶۲۹ھ ۱۲۳۱ء میں باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کا مقبرہ باپ کی چاہت کی آخری یادگار بنا دیا۔ اس مقبرے کا تہ خانہ بشکل ایک غار کے ہی اس واسطے غاری مشہور ہوگیا۔ تہ خانے کی وضع سے معلوم ہوتا ہی کہ عہد اسلامی سے بیشتر کا بنا ہوا ہی۔ مگر اس بات کا فیصلہ مشکل ہی کہ یہ عمارت سرے سے اہل ہنود ہی کی تھی یا یہ کہ مسلمانوں نے ہندو کاریگروں سے بنوائی تھی۔ مسلمان اس بات کو گوارا نہیں کرسکتے کہ اتنے بڑے بادشاہ نے اپنے چہیتے بیٹے کو کسی ہندو بت کدے میں دفن کرنا گوارا کیا ہو۔ گنبد ایک مربع پختہ احاطے کے اندر ہی۔ استرکاری بوجہ کہنگی کے سیاہ پڑگئی ہی۔ گنبد کا چبوترا چار فٹ تُو انچ اونچا ہی۔ جس پر گول قبہ بنا ہوا ہی جس کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں۔ گنبد میں داخل ہونے کا محراب دار دروازہ مشرق کی طرف ہی۔ صدر دروازہ احاطے کی دیوار سے تین گز ہٹ کر بغلی حجروں سے چار فیٹ کے فاصلے سے ہی جس کے اوپر ایک نشیمن سا کھڑکی ہی۔ صدر دروازہ تیس فیٹ اونچا اور ۱۲ فٹ چوڑا ہی جس کے اِدھر اُدھر کے در چار فیٹ پست ہیں۔ دروازے کی محراب کا حصہ زیریں

(سلسلۂ متن کے لیے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۴۹)

[۱] اس شہر کا قدیم نام گوڑ تھا۔ بنگال کے ہندو راجاؤں کا دارالخلافہ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ شہر کا نام لکھنوتی یعنی لکھنولی تھا اور علاقے کا نام گوڑ بنگالہ تھا۔ سنہ ۱۲۰۴ء میں جب مسلمانوں نے ملک بنگال کو فتح کیا تو اپنا دارالحکومت اسی شہر میں رکھا اور تین سو سال تک

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

(تکملۂ بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

مسلمان بادشاہ اسی شہر میں رہے - بیچ میں کچھ دنوں بعضے بادشاہ پنڈوہ میں جا رہے تھے جس کو حضرت پنڈوہ کہتے ہیں وہ بھی **مالدہ** کے ضلع میں گوڑ کے قریب ہی واقع ہے - **فیروز آباد** بھی اسی شہر کے نواح میں واقع تھا - شمس سراج عفیف نے لکھا ہے کہ فیروز شاہ نے ۷۵۴ھ میں لکھنوتی پر چڑھائی کی تو اُس وقت اس شہر کا نام فیروز آباد رکھا تھا لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ اُس زمانے سے پہلے سکوں میں فیروز آباد کا نام درج ہے اور غالباً یہ نام سلطان شمس الدین فیروز بن ناصر الدین بغرا بن بلبن نے رکھا تھا - جب گنگا کی وہ شاخ جس پر یہ شہر واقع تھا سوکھ گئی اور اُس کا پانی کسی اور رستے پڑ لیا تو دلدل کے باعث شہر کی آب و ہوا بگڑ گئی بنگال کے بادشاہوں نے اپنا پایۂ تخت بدل دیا لیکن پھر بھی وہ حاکم نشین جگہ رہی - ۱۵۳۷ء میں اُس کو **شیر شاہ** نے لوٹ لیا اور ۱۵۷۵ء میں **منعم خاں** خانخاناں نے جو اکبر کا سپہ سالار تھا اُس پر حملہ کیا - آب و ہوا کے بگڑ جانے کے سبب سے حملہ آور لشکر میں وبا پھیل گئی اور خان خاناں بھی وہیں مرگیا - بعضے کہتے ہیں کہ اس زمانے کے بعد پھر گوڑ بالکل غیر آباد ہو گیا لیکن یہ غلط ہے کیوں کہ **ابو الفضل** نے جو **آئین اکبری** میں اس شہر کی بابت لکھا ہے اُس سے اس کی تردید ہوتی ہے اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ **شاہ شجاع** کے وقت مغلئی صوبہ دار اسی شہر میں رہے - حقیقت میں یہ شہر اُس وقت غیر آباد ہوا ہے - جب شاہ شجاع نے **راج محل** کو بنگالے کا دار الخلافہ بنا لیا اور اُس کے بعد آباد نہیں ہوا - پچیس تیس میل مربع میں مسجدوں اور بازاروں اور محلوں کے کھنڈر اب تک نظر آتے ہیں - اجڑنے کے بعد اس کثرت سے جنگل ہو گیا تھا کہ آدمی کو وہاں جاتے دہشت معلوم ہوتی تھی لیکن اب کچھ عرصے سے جنگل صاف کیا گیا ہے اور وہاں چھوٹی چھوٹی بستیاں نکلتی چلی آتی ہیں - اُس کی اینٹوں سے **انگریز آباد - مرشد آباد - مالدہ** اور پڑنیا کی عمارتیں بنائی گئی ہیں - اس کے ویرانوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانے میں یہ شہر **کلکتہ** سے کم نہیں تھا اور چھ یا سات لاکھ کی آبادی رہی ہوگی - اُس کی فصیل جو فقط شمال کی طرف بنی ہے [illegible] کر دیکھی گئی تو اُس کی بنیادیں سو فیٹ چوڑی ہیں اور کہیں کہیں خندق کا نشان ملتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوا سو فیٹ سے کم چوڑی نہیں تھی - فصیل کے شمال مشرقی کنارے پر ایک محل کا کھنڈر پایا جاتا ہے جو بارہ سو فیٹ مربع تھا اُس کو **راجہ بلال سین** کا محل کہتے ہیں - فصیل کے باہر بھی آبادی کے کھنڈر ہیں اُن میں ایک تالاب **ساگر ڈگی** موسوما سو گز لمبا اور آٹھ سو گز چوڑا ہے اب تک موجود ہے جس کی بندش پختہ اینٹوں کی ہے اور پانی نہایت صاف اور خوش گوار ہے - قلعے کے پاس ایک تالاب **پیاس باڑی** نام اب تک ہے

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

(بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ)

لیکن اس کا پانی کھاری ہے کہتے ہیں کہ یہ تالاب قیدیوں کے استعمال کے واسطے بنایا گیا تھا۔ ابوالفضل نے بھی اس تالاب کا ذکر کیا ہے۔ قلعہ اور پیاس باڑی کے درمیان **سنہری مسجد** ہے جو ساٹھ گز لمبی اور بیس گز چوڑی اور بیس گز اونچی عمارت ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کی چھت پر تینتیس گنبد تھے۔ ابوالفضل آئین اکبری میں لکھتا ہے کہ **جنت آباد** پرانا شہر ہے۔ پہلے پایۂ تخت تھا جسے لکھنوتی اور بعضے گور کہتے تھے **ہمایوں** بادشاہ نے اس کا نام جنت آباد رکھا تھا۔ یہاں ایک بہت عمدہ قلعہ ہے اور مشرق میں ایک تالاب ہے جس کا نام **چھتیا بتیا** ہے۔ اس میں بہت سے ٹاپو ہیں اگر اس کا بند ٹوٹ جائے تو سارا شہر ڈوب جائے۔ شہر کے شمال میں ایک کوس کے فاصلے پر ایک عمارت اور حوض ہے جس کا پانی زہر کی خاصیت رکھتا ہے اس حوض کو **پیاز** (پیاس) **باڑی** کہتے ہیں جن قیدیوں کو مار ڈالنا منظور ہوتا تھا وہاں قید رکھتے تھے یہ پانی پی کر تھوڑے دنوں میں مر جاتے تھے ہمارے بادشاہ نے اس کی ممانعت کر دی"۔ **شیخ اخی سراج** کی خانقاہ بھی گوڑ میں ہے آپ سلطان المشائخ **حضرت نظام الدین** اولیاء کے خلیفہ تھے۔ یہ خانقاہ شہر کے ایک نواح میں ہے جس کو **سعداللہ پور** کہتے ہیں ساگر ڈگی تالاب کے شمال مشرقی گوشہ پر واقع ہے آپ کا وصال ۷۵۸ھ میں ہوا۔ باہر دروازے پر ایک کتبہ ہے جس پر ۹۱۶ھ درج ہے اور یہ دروازہ **حسین شاہ** بادشاہ بنگال کا بنایا ہوا ہے۔ خانقاہ غالباً **سکندر شاہ** کی بنائی ہوئی ہے لیکن یہ بات متحقق نہیں۔ کتبہ کی جگہ خالی پڑی ہوئی ہے۔ کلکتہ کے عجائب گھر میں کچھ اینٹیں گوڑ سے آئی تھیں اُن میں **غیاث الدین** بن سکندر شاہ کا نام لکھا ہوا تھا اور سنہ سات سو کے اوپر کچھ اور لکھا ہوا ہے۔ کننگھم صاحب کا خیال ہے کہ پیمائش کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اینٹیں اسی کتبے کی جگہ کی ہیں لیکن یہ نرا ایک قیاس ہی قیاس ہے ممکن ہے کہ صحیح ہو کیوں کہ یہ سلطان غیاث الدین سکندر شاہ کا بیٹا تھا اور وہ بادشاہ تھا جس نے **خواجہ حافظ** کو شیراز سے طلب کیا تھا اور آپ نے وہ غزل جس کا یہ شعر ہے اس کے پاس بھیج کر آنے کا عذر کیا۔ ؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند　　　زیں قندِ پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

کتابِ **اخبار الاخیار** میں لکھا ہے کہ شیخ سراج الدین عثمان المشہور باخی سراج از مشاہیر خلفائے شیخ نظام الدین است و وی از عنفوانِ شباب کہ ہنوز موے ریش آغاز نہ شدہ بود در حلقۂ ارادتِ شیخ در آمدہ بود و در سلک خدمتگاران پرورش یافتہ بعد از چند سال برائے دیدن والدہ بہ مقام لکھنوتی کہ الآن بہ گور مشہور است رفت و باز بہ خدمت می رسید۔ در وقت عطاے خلافت ادرا شیخ فرمود کہ اول درجۂ

(بقیہ نوٹ صفحہ آئندہ)

سنگ سرخ کا ہی اور اجارے کے اوپر سنگ مرمر۔ ستونوں اور محرابوں وغیرہ پر جابجا آیات قرآنی بخط نسخ وکوفی کندہ ہیں۔ چبوترا۔ دروازے کی بغلیاں۔ دیواریں اور برجیاں سب چونے گچی کی پختہ بنی ہوئی ہیں۔ دروازے پر پونہچنے کی سیڑھیاں دُہری ہیں۔ پہلے آٹھ سیڑھیاں چڑھ کر تو چبوترے پر پونہچتے ہیں اور پھر چودہ سیڑھیاں اور چڑھ کر ایک کمرے میں پونہچتے ہیں جو زمین سے چودہ فٹ اونچا ہی اور اسی میں ہو نے گنبد کے صحن میں جا پونہچتے ہیں۔ صدر دروازے کی دونوں طرف صدر دیواریں دو محراب دار کھڑکیاں بھی ہیں اور احاطے کی دیوار کے دونوں سروں پر ایک ایک برجی ہی اس میں بھی دو دو کھڑکیاں ہیں لیکن پتھروں سے چن دی گئی ہیں۔ اس طرف کا گنبد کا ضلع سو فیٹ لمبا ہی۔ احاطے کی شمالی دیوار بھی پختہ ہی اس کے دونوں سروں پر برجیاں ہیں اور تیسری دیواریں اس کے علاوہ اور چھ کھڑکیاں تین تین ملی ہوئی ہیں۔ احاطے کی غربی دیوار شمالی رخ کے طرح کی ہی لیکن چوں کہ اسی کے وسط میں مسجد بھی ہی لہذا یہ دیوار کچھ آگے بڑھی ہوئی ہی۔ احاطے کے جنوب رخ کی دیوار جابجا سے گر گئی ہی اور اس کی بعض کھڑکیاں بھی بند کر دی گئی ہیں باقی حالت شمالی دیوار کی سی ہی۔ گنبد اندر سے بہت پر رونق اور آراستہ ہی۔ اندرونی دروازے کی دہلیز پر بہت کچھ نقش ونگار ہیں اور یہیں یہ کتبہ ہی:-

امر بہ بناے ہذہ البقعۃ المبارکۃ السلطان المعظم شاہنشاہ الاعظم مالک رقاب الامم ظل اللہ فی العالم ذو الامان.. سلطان السلاطین شمس

(بحکاوت صفحہ گزشتہ)

دریں کار علم است او را چنداں نصیبے از علم نیست مولانا فخر الدین زرادی عرض کرد کہ او را در شش ماہ عالم می کنم بعد ازاں مولانا فخر الدین زرادی تعلیم کرد۔ مولانا برائے او تصریف تصنیفے کرد او را عثمانی نام نہاد بعد ازاں پیش مولانا رکن الدین کافیہ ومفصل وقدوری ومجمع البحرین تحقیق کرد بعد از انتقال شیخ سہ سال دیگر تعلیم کرد وبعضے کتب از کتاب خانۂ شیخ ملتمس بود جا ہا وخلافت نامہ کہ از خدمت شیخ یافتہ بود با خود برد وآن دیار را بہ جمال ولایت خود بیاراست۔

در باب او نفس شیخ چنیں رفتہ بود کہ او آئینہ ہندوستان ہست ۱۲

الدنیا والدین المخصوص بعنایت رب العالمین ابی المظفر ایلتمش السلطان ناصر امیرالمومنین خلد اللہ ملکہ ابی الفتح محمود تغمدہ اللہ بغفرانہ بجبویہ جنانہ فی شہور سنہ تسع وعشرین وستمائۃ ۔

اس دروازے میں داخل ہو کر ہم ایک کمرے میں پونہچ جاتے ہیں جس میں سے صحن کا رستہ نکلتا ہی۔ اس کمرے کی چھت سنگ سرخ کی ہی مگر دیواریں سنگ مرمر کی ہیں۔ باہر وارے بغلیوں کے دروازے کا جو حصہ نظر آتا ہی وہ درحقیقت دو چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں کی مشرقی دیوار ہی جو بڑے کمرے کے ادھر ادھر ہیں ان دونوں کوٹھریوں کی دیواریں اور چھت سب سنگ مرمر کی ہیں جس میں چار چار ستون ہیں۔ صحن میں پونہچ جانے کے بعد ایک پٹا ہوا حصہ ہی جس میں چھ دیوار دوز ستون ہیں اور چھ ستون چھ چھ فیٹ کے فاصلے ہیں یہ دالان دیوار کی ساری لمبائی کی برابر نہیں ہی بلکہ صرف ۴۲ فٹ لمبا ہی۔ اس کے مقابل میں احاطے کی غربی دیوار سے ملا ہوا ایک اور دالان ہی جو شمال سے جنوب کی طرف جا کر احاطے کی دیوار سے جا ملا ہی۔ ان دونوں دالانوں کے ستونوں میں پخیں ہیں۔ مغرب رخ کے دالان میں چودہ دیوار دوز ستون ہیں جس کی شکل ایک پست گنبد کی سی ہی جس میں آگے نکلے ہوئے نقشین پتھر ہندوانی وضع کے لگے ہوئے ہیں۔ اسی دیوار کے بیچوں بیچ ایک تین در کی چھوٹی سی مسجد ہی۔ اس مسجد کے دونوں طرف سنگ مرمر لگا ہوا ہی باقی لال پتھر ہی۔ مسجد کی دونوں جانب دو دالان سنگ مرمر کے ہیں جن میں بارہ ستون ہیں۔ ان کا وہ حصہ جو مسجد کے محاذی ہی سنگ مرمر کا ہی باقی سنگ سرخ کا۔ ان دو دالانوں کے سوا سنگ مرمر کے چار ستون بطور مسجد کے مکبر کے ہیں۔ اس طرح مسجد میں سنگ مرمر کے سات ستون ہوئے تین تو دروں کے سامنے اور دو ادھر اُدھر۔ مسجد دس فیٹ مربع ہی۔ چھت مثمن شکل کی سنگ سرخ کی قبہ نما ہی۔ چبوترا چھوڑ کر گنبد ۱۲ فٹ اونچا چونے گچ کا بنا ہوا ہی۔ مسجد کی دیواروں اور محرابوں میں سنگ مرمر لگا ہوا ہی اور مختلف اقسام کے طغرے آیات قرآنی کے منقوش ہیں۔ مغربی جانب کے احاطے کی دیوار کی کھڑکیاں کھلی ہوئی ہیں۔ جنوبی رخ کی دیوار کے اندرونی رخ پر بیچ میں چراغ

جالے نے کے طاق بنے ہوئے ہیں - شمالی دیواریں کوئی خاص بات نہیں -
احاطے کے چاروں کونوں پر جو نوک دار برجیاں ہیں وہ ہندوانی وضع کی ہیں -
ناصر الدین کی قبر ایک پست ہشت پہلو غار میں ہے - اس غار میں ستون کھڑے کرکے
بڑی مضبوطی سے پاٹ کر چھت پر ہشت پہلو چبوترہ ۷ ½ فٹ ×۸ فٹ اونچا بنا دیا
ہے - یہاں کوئی روشن دان نہیں ہے اور تہ خانے میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے -
اس تہ خانے میں تیرہ سیڑھیاں اُتر کر جانا پڑتا ہے جو چھبیس فیٹ عمیق اور اٹھارہ
فیٹ چوڑا ہے جس میں سنگ خارا لگا ہوا ہے - اس چھت کی سنبھال کو چودہ
ستون لگائے ہیں جن میں سے آٹھ دُہرے ستون تو دیواروں سے لگے
کھڑے ہیں اور چار اکہرے ذرا دیوار سے الگ ہیں - یہ ستون سلطان التمش
کے زمانے کے ہیں - اس تہ خانے کے ہشت پہلو اضلاع ہیں - سے ہر ضلع
میں دو دو طاق ہیں - تہ خانے کا عمق ۱۶ فٹ ہے جو بلحاظ طول و عرض ۲۰ فٹ
۹ انچ مربع ہے مگر ساخت اس کی ہشت پہل ہے - داخلی دروازہ جس کو کھڑکی کہنا چاہیئے
جنوب کی طرف ۳ فٹ - ۹ - انچ اونچا اور صرف دو فیٹ چوڑا ہے - اوپر چھوترا ہشت پہل
ہے جس کا ہر ضلع ۱۰ فٹ - ۴ - انچ ہے - اندر چار قبریں ہیں جو نئے پن کی بن پر عرس کے
موقع پر جو ۱۷ - ۱۸ - ذی قعدہ کو ہوتا ہے سفیدی کر دی جاتی ہے -

(۱) ۹ فٹ - ۷ انچ × ۲ ½ فٹ طول و عرض - ۵ فٹ - ۴ - انچ بلندی ہے سلطان غازی
کی قبر ہے جو سب سے بڑی اور تہ خانے کی مغربی دیوار سے ملی ہوئی ہے -

(۲) ۸ فٹ چار انچ × ۵ - بلندی ۴ فٹ - اسی کے پائیں ہیں -

(۳) ایک چھوٹی سی قبر سیڑھیوں سے ملی ہوئی کسی بچے کی ۳ فٹ - ۹ انچ × ۲ فٹ -
۱ فٹ - ۷ - انچ بلند ہے -

(۴) ۷ ½ فٹ × ۷ فٹ - ۲ - انچ - بلندی ۳ فٹ - ۸ - انچ -

مسجد کا ذکر اوپر آچکا ہے صرف اس کا پیش طاق رہ گیا ہے - سلطان غازی کی
قبر گویا اسی مسجد کے صحن میں ہے - یہ سارا پیش طاق سنگ مرمر کا ہے جس پر پہلے
کلمہ ادھر ادھر اللہ اللہ پھر وَاَنَّ المساجد للہ فلاتدعوا مع اللہ احداً اس
کے نیچے اللہ - اس کے گرد خط کوفی میں آیات ہیں جو پڑھی نہیں جاتیں پھر

(۱) اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ تا فَاِنَّ اللہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۔

(۲) خط کوفی ۔ سوائے بسم اللہ کے کچھ پڑھا نہیں جاتا ۔

(۳) اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا تا وَکَانَ ذٰلِکَ عِنْدَ اللہِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۔

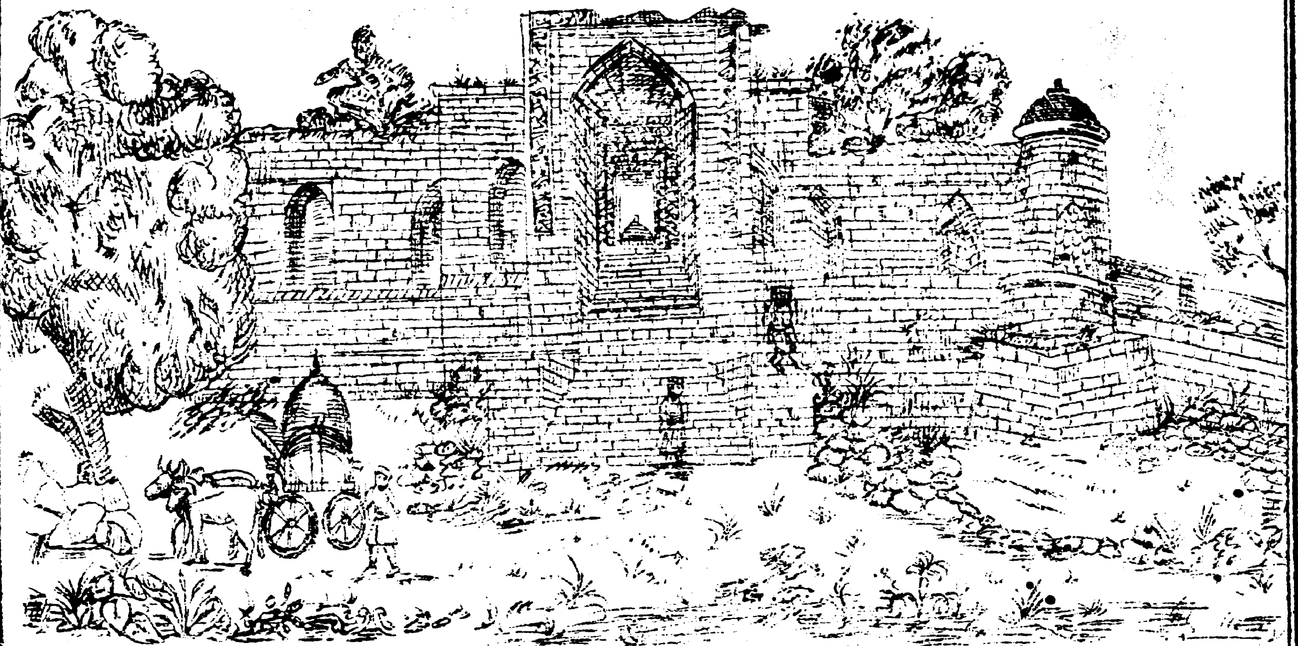
ستون سنگ مرمر کے ہیں ۔ فرش گچ کا ہے پہلے سنگ مرمر کا تھا جس کی سلیں کہیں کہیں باقی ہیں ۔ پیش طاق کا قطعہ ۱۵ فٹ ۔ ۷ ۔ انچ × ۱۲ فٹ × ۲ ۔ انچ ہے ۔ حصۂ مسجد کے چھ در ادھر چھ اُدھر بیچ میں پیش طاق ہے ۔ صحن مسجد ۷۶ × ۶۹ فٹ ہے ۔ دالان کا مسقف حصہ ۷۶ × ۶½ فٹ ۔ پیش طاق کے آگے سنگ مرمر کے چار ستونوں کا برآمدہ ہے ۔ کمپونڈ وال دس فیٹ اونچی ہے جس میں طاق طاق ہیں اس پر چڑھنے کا بارہ سیڑھیوں کا زینہ ہے ۔ اس احاطے کے چاروں کونوں پر برجیاں ہیں ۔ مسجد کے صحن کے سامنے شرق رویہ ایک بیچ درہ ہے جس میں صدر دروازہ ہے اور جس کے ادھر اُدھر دو دو در ہیں ۔ سات سیڑھیاں اُتر کے صدر دروازے میں پہنچتے ہیں ۔ ان سیڑھیوں میں ایک سنگ سرخ کی ہے ایک سنگ مرمر کی ۔ صدر دروازہ شرق رویہ پٹ چوبی ہیں مگر بعد کے ۔ صدر دروازے کے ہر دو جانب بغلی میں ایک ایک درہ ۹ فٹ ۔ ۱۰ انچ مربع ہے ۔ صدر دروازے کی سیڑھیاں بیس ہیں ۔ دروازے کی محراب کی بلندی ۲۲ فٹ ۔ کنگورا دو فیٹ ۔ چبوترا ۴ فٹ ۔ ۹ انچ ۔ جملہ ارتفاع ۲۸ فٹ ۔ ۹ ۔ انچ ۔ چوڑائی دروازے کے بیرونی حصے کی ۱۰ فٹ ۔ ۵ انچ ۔ اندر سے چوڑائی ۵ فٹ ۔ ۸ انچ ۔ بلندی اندر سے ۸½ فٹ ۔ صدر دروازے کی چوکھٹ سنگ مرمر کی ہے جس کے چاروں طرف کتبے ہی کتبے ہیں ایک کتبہ تو ہم اوپر لکھ آئے ہیں باقی یہ ہیں :-

(۱) بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ اِنَّمَا یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ والیوم الآخر تا ان یکونوا من المھتدین ۔

(۲) خط کوفی کا وہی کتبہ جو اوپر لکھا گیا ۔

(۳) بسم اللہ اور آیۃ الکرسی تا ھم فیھا خالدون ۔

ہشت درہ سلطان غازی کی درگاہ سے جنوب رخ سے ملا ہوا سنگ خارا کا



نقشهٔ دروازه سلطان محمود غوری غازی

ایک کھلا ہوا ہشت درہ ۷ افٹ قطر کا ہے۔ فرش باقی نہیں رہا قبر کا صرف نشان ہی نشان رہ گیا ہے۔ دروں کے سردل بوجھ سے سب تڑخ گئے اس سبب سے ہر ہر در میں ایک ایک فیل پایہ کھڑا کرکے چھت کو اڑواڑ لگادی ہے جس سے چھت تھم گئی ورنہ کبھی کی گر جاتی۔ آٹھ اصلی در سنگ خارا کے نو فیل پائے نو احداث اب اس طرح سترہ در ہوئے۔ ہشت درہ ہشت پہلو عمارت ہے جس کے گرد سلوان کا چوڑا چھجہ تھا جو جا بجا سے گر گیا ایک آدھ سل رہ گئی ہے۔ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس کا مقبرہ ہے۔

منہدمہ مکانات سلطان غاری کا مقبرہ ویرانہ میں نہ تھا جیسا کہ اب ہے بلکہ آبادی کے بیچوں بیچ میں تھا یا یہ کہ اس گنبد کی وجہ سے آبادی ہو گئی ہو بہر حال اس کے چو طرف دور دور عمارتوں کے کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں۔ گنبد کے پاس ہی دو بڑے بڑے احاطوں میں مکانات پھیلے ہوئے ہیں۔ ان مکانوں کی صرف چار دیواریاں رہ گئی ہیں۔ ایک چھوٹی مسجد بھی تھی جس کی صرف غربی دیوار رہ گئی ہے باقی گر گئی۔

بڑی مسجد اور ایک بہت بڑی مسجد غار کے مشرق میں ہے جس کی پشت غار کی جانب ہے۔ یہ مسجد پنج دری تہرے دالانوں کی ہے۔ باہر والے دالان کا شمالی رخ کا ڈیڑھ گنبد گر گیا ہے۔ مسجد کا طول ۶۰ فٹ اور تینوں دالان ملا کر چوڑان ۲۹ فٹ ہے۔ دروں کی چوڑان ۱۰ فٹ ۲ انچ ہے۔ تینوں دالانوں کے کل در چوبیس ہیں۔ فرش اور منبر باقی نہیں رہا۔ یہ مسجد سنگ خارا اور چونے کی ہے۔

دو محلوں کے کھنڈر اوپر والی مسجد کے سامنے ایک بڑے عالی شان اور وسیع محل کی چار دیواری کھڑی ہے جس کے اندر دالانوں کمروں کوٹھڑیوں کی دیواریں کھڑی مکان کی پوری حیثیت

شان اور وسعت بتلاتی ہیں صرف چھت نہیں ہے۔ صحن بھی وسیع ہے جس کے چاروں طرف دالان اور پیش دالان تھے۔ اس سے ملا ہوا شمال کی جانب ایک اور محل ہے جو سارے کا سارا گر گیا اب صرف بے چھت کا ایک دالان رہ گیا ہے جس کے تین در کھڑے ہیں اور ادھر ادھر بغلی حجروں کی دیواریں۔ یہ دونوں محل بھی سنگِ خارا اور چونے کے ہیں۔ باقی چھوٹے موٹے گرے پڑے مکانوں کا کچھ شمار نہیں۔

غرض یہ کہ سلطان غاری کا مزار جس طرح اب ویرانے میں ہے کہ انسان کا نام نہیں اکیلے جاتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے پہلے اس کی یہ حالت نہ تھی بلکہ گنجان آبادی کے بیچوں بیچ میں تھا۔

رکن الدین فیروز شاہ اور معز الدین بہرام شاہ کے مقبرے ۶۳۸ھ ۱۲۴۰ع

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند
کز ہستیش بروے زمیں یک نشاں نماند
واں پیر لاشہ را کہ سپردند زیر خاک
خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند

رکن الدین فیروز شاہ سلطان شمس الدین التمش کا بیٹا تھا جو باپ کی جگہ شعبان ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ع میں تخت پر بیٹھا۔ وہ تو ملک اعزاز الدین حاکم ملتان کی تنبیہ کو پنجاب کی طرف روانہ ہوا اس کے پیچھے امرا و ارکان سلطنت نے سازش کر کے جھٹ سلطان رضیہ بیگم کو تخت پر بٹھلا دیا۔ بادشاہ یہ خبر سن کر عجالۃً دلی واپس آیا۔ یہاں آکر دیکھا بساط الٹ گئی تھی۔ کلوکھری کے میدان میں لڑائی ہوئی گرفتار ہوا اور قید میں ہی ۶۳۵ھ ۱۲۳۷ع میں مر گیا۔ اس نے صرف ۶ ماہ ۲۸ یوم سلطنت کی۔ مرنے کے بعد اپنے بڑے بھائی سلطان ناصر الدین محمود شاہ کے مقبرے کے قریب ہی موضع ملک پور میں ایک دوسرے گنبد میں دفن کیا گیا۔ رضیہ بیگم کے بعد ۲۸ رمضان ۶۳۷ھ ۱۲۳۹ع میں بروز شنبہ معز الدین بہرام شاہ سلطان التمش کا چھوٹا بیٹا تخت نشین ہوا۔ وہ بے چارہ دو سال ایک مہینے دو دن ہی سلطنت کرنے پایا تھا کہ نظام الملک مہذب الدین اور دوسرے امرا نے بادشاہ کو

دِلّی میں محصور کر لیا اور تین مہینے تک ہر روز لڑائی رہی آخرکار بادشاہ کو پکڑ کر ۸ ذی قعدہ ۶۳۹ھ / ۱۲۴۲ع میں مار ڈالا اور وہ بھی یہیں ایک گنبد میں دفن کیا گیا۔

شربت سلطنت و جان و جہاں شیرین است
کہ شہاں از پئے او خونِ برادر ریزند
خونِ آزادہ دلاں زار زپیالک مریز
کہ ترا نیز ہماں جرعہ بساغر ریزند

رکن الدین کا مقبرہ معزالدین بہرام شاہ نے ۶۳۸ھ / ۱۲۴۱ع میں بنوایا اور معزالدین بہرام شاہ کا مقبرہ علاء الدین مسعود شاہ پسر رکن الدین فیروز شاہ نے ۶۳۹ھ / ۱۲۴۲ع میں بنوایا۔ سر سید دونوں مقبروں کی تعمیر میں ایک سال کا آگا پیچھا بتلاتے ہیں لیکن یقینی طور پر نہیں معلوم ہو سکتا کہ رکن الدین کا مقبرہ کون سا ہے اور بہرام شاہ کا کون سا۔ اسی واسطے دونوں کا ذکر یکجائی طور پر کیا گیا ہے۔ دونوں گنبد ساخت میں بالکل ایک ہی وضع قطع کے ہیں۔ ان کے گنبدوں میں پتھر کی سلیں لگی ہوئی ہیں جن کے اوپر استرکاری ہے۔ گنبدوں میں آٹھ در ہیں۔ ہر گنبد کے گرد ایک چھوٹی سی سنگ بست پست چار دیواری ہے جس کے مشرقی جانب ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ گنبدوں کے اندر اب کوئی قبر باقی نہیں ہے نہ کوئی کتبہ ہے۔ اگرچہ مہرولی کے گنیڈ بتلاتے ہیں کہ یہ فلاں کا مقبرہ ہے وہ فلاں کا مگر اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ ہم کسی گنبد کو کسی ایک شخص سے مخصوص کر سکیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ دونوں گنبد التمش کے بیٹوں اور دونوں بھائیوں کے ہیں۔ ان گنبدوں کے ستون تو کسی قدیم عمارت کے معلوم دیتے ہیں اور گنبد اس کے بعد کے بنے ہوئے نظر آتے ہیں مسٹر ٹرلپٹ ان گنبدوں کو فیروز شاہ کے بنوائے ہوئے کہتے ہیں کیوں کہ ان گنبدوں کی وضع قطع اہل ہنود کے قدیم زمانے کے گنبدوں سے مختلف ہے چنانچہ انھیں کے بھائی سلطان غاری کے گنبد کو ہی دیکھ لیجیے

جو یہیں پاس کے پاس کھڑا ہی اور جس کی وضع ان سے بالکل الگ ہی اور صاف طور پر یہ گنبد زمانۂ مابعد کے بنے ہوئے معلوم دیتے ہیں۔ اور بن گھڑے پتھروں کے بنے ہوئے ہیں جو خاص کر فیروز شاہی طرز تھا البتہ پتھر کی بڑی بڑی سلیں جو ستونوں کے اوپر چڑھی ہوئی ہیں وہ اُس زمانے کی نہیں معلوم دیتیں۔ مسٹر بگلر ان گنبدوں کو مسلمانوں کی ایک معمولی طرز کی عمارت بتلاتے ہیں کیوں کہ سلطان التمش کے زمانے سے مسلمان اس طرز سے واقف ہو چکے تھے مسٹر بگلر نے ان مقبروں کی مرمت جو فیروز شاہ نے کرائی تھی اُس کا کچھ ذکر ہی نہیں کیا۔ خود فیروز شاہ نے تاریخ میں لکھا ہی کہ "مقبرۂ سلطان معزالدین پسر سلطان شمس الدین جو ملک پور میں ہی بالکل گر پڑا تھا حتی کہ قبر کا نشان تک باقی نہ رہا تھا۔ میں نے گنبد چبوترے اور احاطے کی تعمیر از سر نو کرائی۔ سلطان رکن الدین پسر شمس الدین کے مقبرے واقع ملک پور کے احاطے کو میں نے بنوایا۔ نیا گنبد طیار کرایا اور ایک خانقاہ بنوائی"

تیسرا باب قطب صاحب سے تغلق آباد

پانچ میل کا فصل ہی۔ سیدھی سڑک ہی۔ رستے میں لاٹ سے نکلتے ہی لاڈو سرائے ملتی ہی پھر داہنی طرف دو میل چھ فرلانگ پر سید العجائب کی بستی ذرا سڑک سے ہٹی ہوئی۔ ساڑھے تین میل پر خان پور چوتھے میل پر تگڑی یہ دونوں گاؤں بھی سڑک کی سیدھی طرف ہیں اس کے بعد قلعۂ تغلق آباد بائیں طرف تغلق شاہ کا مقبرہ داہنی طرف آگے تغلق آباد کی بستی۔ قلعہ سے تین میل آگے بدر پور ہی اور یہیں تغلق آباد نام کا ریلوے سٹیشن ہی جو قلعہ سے چار میل اور دلی سے براہِ ریل بارہ میل ہی۔

حضرت قطب صاحب کا چلّہ

لاٹ سے چلتے ہی پہلے حضرت قطب صاحب کے چلے کا متبرک مکان ملتا ہی جو بالکل سڑک کے کنارے داہنی طرف ہی

اور لاڈو سرا سے بائیں طرف - یہ ایک لداوی چھتے نما مکان ہے تین درکا ۲۵ف×۸ بلندی محراب ۶ فٹ - تینوں حجرے الگ الگ ہیں پہلا حضرت باباصاحب فریدالدین گنج شکر کا چلّہ ہے دوسرا حضرت قطب صاحب کا اور تیسرا خالی - چلۂ شریف کے سامنے کا صحن ۴۰ فٹ مربع ہے - شمال کی جانب مسجد کا ایک چبوترہ ہے - تین درخت نیم کے ہیں - حضرت قطب صاحب کے چلّے کے در میں آہنی سلاخیں لگا دی گئی ہیں - اس احاطے کے دو دروازے ہیں شمال میں ایک دوسرا جنوب میں دونوں کو لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی ہیں - احاطے کی دیوار گیارہ فیٹ بلند ہے -

لاڈو سراے عرف چنڈال پور

چلۂ شریف سے دو سو قدم پر بائیں طرف لاڈو سرا کی بستی ہے لوگ اسے خدا جانے کیوں چنڈال پور بھی کہتے ہیں - اس نواح میں سراے کے نام پر بہت سی بستیاں ہیں مگر سراے کسی میں بھی نہیں

شیخ شہاب الدین کی مسجد

یہ ایک بہت بڑی سہ دری قناتی مسجد ایک وسیع احاطے کے اندر ہے - دیوار پر برجیاں اور کنگورے بنے ہوے ہیں - خواجہ شہاب الدین کے نام سے یہ مسجد مشہور ہے - مسجد کے بڑے احاطے کے اندر ایک چھوٹی سی چاردیواری کے اندر بہت سی قبریں ہیں - پیلو کے درخت کے نیچے دو قبریں ہیں جن پر زمانہ حال میں کتبے نصب کیئے گئے تھے جو کسی وجہ سے اُکھاڑ لیئے گئے - اسی احاطے میں ذیل کی قبور ہیں :-

(۱) مولنا شہاب الدین امام اول سلطان المشایخ - آپ شیخ فریدالدین قدس سرہ کے فرزند تھے علوم وفنون وفضائل سے آراستہ -

(۲) رکن الدین[۱] امام دوم ایضاً

(۳) شیخ مسعود بک (۴) فریدالدین[۱] چاک پراں -

---

[۱] شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدرالدین بن شیخ الاسلام بہاؤالدین صاحب

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

(تتمہ نوٹ صفحہ گذشتہ)

سجادہ رہ ستین بہاؤ الدین است ۔ در مناولسے صوفیہ کہ یکے از مریدانِ ایشان تصنیف کردہ است ذکر او بسیار می کند و در مجمع الاخبار می نویسد من ملفوظاتہ فی بعض رسائلہ الی بعض المریدین مقرر آں عزیز باد کہ مجموع آدمی عبارت است از دو چیز صورت و صفت و حکم صفت راست نہ صورت را اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنظُرُ اِلٰی صُوَرِکُم وَلٰکِن یَنظُرُ اِلٰی قُلُوبِکُم (یا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ دیکھتا ہے تمہارے دلوں کو) اما ظہور حکم صفت بر سبیل تحقیق خبر در دار آخرت صورت نہ بندد وچہ آنجا حقائق اشیا ظاہر گردد و ایں صورت متلاشی شود و ہر کس را در صورتیکہ ملائم صفت او باشد حشر کنند چنانچہ بلعم باعورا با چندان طاعت در صورت سگے برانگیزند فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ الکَلبِ (اُس کی مثال کتے کی سی ہے) و ہمچنیں صاحب ظلم و تعدی خونریختن را در صورت گرگے بیند و صاحب کبر در صورت پلنگے و صاحب بخل و حرص در صورت خوکے فَکَشَفنَا عَنکَ غِطَاءَکَ فَبَصَرُکَ الیَومَ حَدِیدٌ (جو پردہ تیری آنکھوں پہ پڑا تھا اب ہم نے تیرے (اُس) پردے کو تجھ پر سے ہٹا دیا تو آج تیری نگاہ بڑی تیز (معلوم ہوتی) ہے۔ و ایں باشد و تا آں گاہ کہ مردم ازیں اوصاف ذمیمہ تزکیہ نیابد ہنوز در اعداد بہائم و سباع است اُولٰئِکَ کَالاَنعَامِ بَل ہُم اَضَلُّ (یہ لوگ چارپایوں کی مثل ہیں بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے ہوئے) و تزکیہ نفس حاصل نشود مگر بہ التجا و استعانت و حضرت عزت وَمَا اُبَرِّئُ نَفسِی اِنَّ النَّفسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّی اِنَّ رَبِّی غَفُورٌ رَّحِیمٌ (اور یوں (میں بھی اپنے تئیں بری نہیں کہتا کیونکہ) نفس (انسانی) تو برائی ہی سکھاتا ہے مگر جس پر میرا پروردگار رحم کرے کچھ شک نہیں کہ میرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے) تا فضل و رحمت او دست گیری نکند تزکیہ حاصل نشود وَلَولَا فَضلُ اللّٰہِ عَلَیکُم وَرَحمَتُہٗ مَا زَکٰی مِنکُم مِن اَحَدٍ اَبَدًا[1] و علامت ظہور ایں فضل و رحمت آنست کہ اورا بعیوب نفس خود بینا کند و پرتوے از انوار عظمت الٰہی کہ ہمہ مکونات در جنب آں متلاشی است بر درونہ او بتابد تا ہمہ دنیا و بندگی ہائے آں در نظر او خاک بود و اہل آنرا در دل وی سنگے نماند چوں ایں حالت بر درونہ مستولی گشت ہر آئنہ از اوصاف سبعی کہ ارباب دنیا بداں گرفتار اند اورا نفرت آید و خواہد کہ بجائے آں اوصاف اخلاقی ملکی روئے نماید چنانچہ بجائے ظلم و غضب و کبر و بخل و حرص ہمہ عفو و حلم و تواضع و سخاوت و ایثار پدید آید و ہنوز ایں معاملت طلاب عقبیٰ راست کار طالبان حق بالاتر ازیں است تَخَلَّقُوا بِاَخلَاقِ اللّٰہِ (اللہ کے سے اخلاق اختیار کرو) ایشاں را مسلم است فہم ہر کس بداں نرسد

عہدیست مرمرا کہ نگیرم بجز تو دوست ۔۔۔ شرطیست مرمرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

و نیز در مجمع الاخبار می گوید کہ شیخ رکن الدین در بعضے رسائل خود کہ بہ بعضے مریداں فرستادہ نوشتہ است

[1] اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کا کرم نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی کبھی بھی پاک (وصاف) نہ ہوتا۔ بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ —

وقتے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ می فرمود کہ ہرگز من با کسے نیکوئی و بر کسے بدی نکردہ ام حاضران آں مقام ازاں کلام تعجب تمام نمودند و گفتند یا امیر المومنین شاید کہ بدی بر کسے از شما در وجود نیامدہ باشد فاما و نیکی چہ می فرمایند فرمود حق جل و علا می فرماید مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا پس ہر نیکی و بدی کہ از من صادر و حادث شدہ باشد و بحقیقت برائے خود و بر خود بود نہ بر دیگرے۔ من وصایا الشیخ متابعت براعمال آنست کہ جوارح را از مناہی و مکارہ شرعی قولاً و فعلاً بند کند و از مجلس لایعنی پرہیزد و ہرچہ طالب را از حق مشغول کند لایعنی وقت اوست و از صحبت بطالاں احتراز کند و ہر کہ طالب حق نیست بحقیقت بطال است۔ در مجمع الاخبار می نویسد کہ روزے سلطان شہید غیاث الدین تغلق شاہ از مولانا ظہیر الدین لنگ پرسید کہ وقتے از کرامات شیخ معائنہ کردہ مولانا گفت یروز جمعہ خلق را دیدم کہ برائے قدم بوس مجمع کردہ ام در خاطر من گزشت مگر خدمت شیخ تسخیر دارد من نیز دانشمندم ہیچ کس بمن توجہ نمی کند بامداد خدمت شیخ بردم ایں مسئلہ از خدمت ایشاں پرسم کہ حکمت در سنت مضمضہ و استنشاق چیست چوں شب بخفتم در واقعہ خدمت شیخ حلوا در حلق من می کند چنانچہ تا روز شیرینی آنرا واجد بودم فکر کردم کرامت ہمچنین است کہ شیطان ہمچنیں عوام را از راہ می برد پگاہ نزمی باید رفت و مسئلہ باید پرسید چوں پگاہ بخدمت شیخ آمدم فرمود منتظر شما بودم بعدہ سخن آغاز کرد کہ جنابت بر دو نوع است جنابت اول وجنابت تن۔ جنابتِ تن از صحبت باذن حاصل شود و جنابت دل بہ صحبت ناہموار۔ جنابت تن پاک بہ آب شود اما جنابت دل بہ آب دیدہ محو گردد و بعدہ فرمود کہ آب را سہ صفت باید تا مطہر افتد و مزیل جنابت باشد و آں سہ صفت لون و طعم و ریح است ہذا شرع بریں نوع مضمضہ و استنشاق در وضو مقدم فرمود تا طعم بہ مضمضہ تحقیق شود و بوے بہ استنشاق باز فرمود کہ شیطان چنانچہ بہ صورت نبی نتواند شد بہ صفت شیخ حقیقی ہم نتواند شد زیراکہ او را متابعت کامل نبی حاصل می شود و بعدہ فرمود مولانا ظہیر الدین از علوم قالی مالی ہست اما از علوم حالی خالی ہست۔ شیخ در زمانِ سلطان قطب الدین بن علاء الدین بدہلی تشریف آوردہ بود۔ شیخ نظام الدین دراں زماں بر مسند ارشاد و تربیت جا داشت برائے استقبال او از مقام خود تا حوض علائی رفت چوں مجلس سلطان قطب الدین را بحضور شریف خود مشرف ساخت پرسید کہ کدام کس از اہل شہر شما را اول استقبال کرد فرمود کسیکہ بہترین اہل شہر است و سلطان را با شیخ نظام الدین نقارے درمیاں بود بعضے گویند کہ مقصود او از طلبیدن شیخ رکن الدین برغم و کسر شیخ نظام الدین بود و

ﻟﻪ جو نیک عمل کرتا ہے تو خاص اپنے فائدے کے لیے اور جو بدکرتا ہے تو اس کا وبال اسی پر ہے ۱۲ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

شیخ مخدوم حیدر کا مقبرہ

لاڈو سرائے کے پاس ہی سڑک کی داہنی طرف ایک معمولی سا گنبد ۱۹ فٹ مربع شیخ مخدوم حیدر کسی بزرگ کا ہے جن کو حضرت نظام الدین اولیا کے خلیفہ کہتے ہیں۔ اس کا ایک ہی چھوٹا سا دروازہ اور اندر ایک ہی قبر ہے۔ آپ کا عرس دلی کے صابن گر کیا کرتے ہیں آپ کے پچھواڑے زیر سما حضرت شاہ طیفور شامی کا مزار ہے۔

سید العجائب یا سید الحجاب

اب سید العجائب نام کا گاؤں ہے۔ بعض پڑھے لکھے لوگ صحیح نام سید الحجاب کہتے ہیں حاجب کے معنے تو دربان کے ہیں لیکن حاجیوں کے سیر قافلہ ہونے سے اس بزرگ کا یہ نام پڑا ہے۔

(تتمۂ نوٹ بر صفحۂ گزشتہ)

شیخ رکن الدین بایں کلمہ رفع توہم او کرد و اورا ازیں توقع نا امید ساخت۔ یک بار شیخ رکن الدین در مرض بجہت عیادت شیخ نظام الدین آمد فرمود کہ عشرۂ ذی الحجہ است ہر کس بہمت دریافت سعادت حج سعی می کند من سعی کردم تا سعادت زیارت شیخ المشایخ دریابم۔ بعد ازاں شیخ نظام الدین رحلت فرمود نماز جنازہ را شیخ رکن الدین حاضر شد و گفت کہ ظاہر احکمت آں کہ مارا سہ سال در دہلی داشتند حصول ایں نعمت بود و در ادنیٰ مدت رجوع بوطن اصلی فرمود۔

۲ شیخ مسعود بک از اقربائے سلطان فیروز است نام اصل او شیر خان است مدتے در لباس اغنیا و اہل دولت بود ناگاہ جذبۂ از جذبات حق گریباں گیر حال او شد و بخدمت درویشاں در حلقۂ صحبت ایشاں آمدہ مرید شیخ رکن الدین بن شہاب الدین امام شد۔ بغایت حالت سکر داشت و ہے از مستان بادۂ وحدت و مجرم شکنان خمخانۂ حقیقت است سخن مستانہ می گوید۔ در سلسلۂ چشتیہ ہیچ کس ایں چنیں اسرار حقیقت را فاش نگفتہ و مستی نکردہ کہ او کرد بگویند کہ اشک او بجدے گرم بود کہ اگر بر دست کسے می افتاد می سوخت۔ در علم تصوف و توحید تصنیفات بسیار دارد و دیوان و اشعار دارد و قصائد و غزل و باقی اقسام سخن در کتاب او موسوم بہ تمہیدات ہست اکثر قصائد و اشعار امیر خسرو را جواب گفتہ اگرچہ در بعضے مواضع طریقۂ شاعری نامرعی ماندہ اما بعضے سخنان متین شاعرانہ نیز آمدہ۔ مراۃ العارفین نیز از تصنیف اوست (از اخبار الاخیار)

۳ فرید الدین چاک پراں۔ آپ کا حال کسی کتاب میں نہیں ملا لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر حالت بہت شدت سے طاری ہوتی تھی اس واسطے آپ کے گلے میں کمہار کا چاک ڈال دیتے تھے مگر اس کو بھی لیکر آپ اڑ جاتے تھے

واللہ اعلم بالصواب

کسی کتاب میں آپ کا حال احقر کی نظر سے نہیں گزرا۔ اس گاؤں میں سوائے ہندوؤں کے مسلمان کا نام نہیں ہے۔ موضع سے بجانب شمال کوئی ایک میل پر ایک اونچے ٹیلے پر ایک پختہ چبوترہ ۱۲۰×۸۰ کا بنا ہوا ہے جس کے بیچ میں پانچ قبریں سنگ خارا کی ہیں اور تین چونے کی۔ دو قبروں کے بیچ میں جو ایک قبر ہے اسے سید العجائب رح کی بتلاتے ہیں لیکن کوئی کتبہ نہیں۔ چبوترے کے مغربی رخ پر ۹۰×۷ دیوار ہے جس میں جالیاں بنی ہوئی ہیں جو شکل ایک قناتی مسجد کی ہے۔

اب گاؤں میں چلیے تین چھوٹے چھوٹے گنبد برابر برابر ایک ہی لین میں ہیں جن میں گاؤں کے لوگ رہتے ہیں باقی گری پڑی عمارتوں کے کھنڈر ہیں جن میں کوئی خاص بات نہیں۔ گاؤں کے پچھواڑے ایک دوگہی پختہ سہ دری سنگ خارا کی مسجد ۳۱ ½ × ۱۵ فٹ ۔ ۳ انچ ہے جس کے اندروار کو چھ برج ہیں سب کھنڈ ہوئے یہیں سنگ خارا کا ایک بارہ کھمبا مدور بنا ہوا ہے بینڈ سٹینڈ کی طرح کا جس کے اندر تین قبریں ہیں۔ مسجد کے سامنے ایک وسیع صحن قبرستان کا ہے جس میں سنگ سرخ کی تعویذ کی متعدد قبریں ایک ہی کینڈے کی ہیں اور بہت پرانی ہیں جن پر کلمۂ طیبہ اور سورۂ اخلاص کندہ ہے اور جن پر خاص کتبے ہیں وہ ہم نقل کر دیتے ہیں :۔

(۱) اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنْ عَبْدِکَ الْمُشْفِقِ عَلٰی نَفْسِہٖ

(۲) لِخَطِیْئَتِہٖ الْمَعْرُوْفُ بِحُرْمَۃِ اَبُوْبَکْرٍ بْنِ مَعْرُوْفِ بْنِ وَحِیْدِ الْقُرَشِیْ۔

(۱) یَاکَرِیْمُ الْمَعْرُوْفِ یَاقَدِیْمُ الْاِحْسَانُ۔

(۲) اَحْسِنْ اِلَیْنَا بِاِحْسَانِکَ الْقَدِیْمِ۔

(۱) اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ
اَلدِّیْنُ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ تا فَاِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۔ پارہ (۳) سورۂ آل عمران ع

(۲) آیۃ الکرسی پوری۔

(۱) شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملائکۃ واولوالعلم قائما بالقسط تا و
ھو العزیز الحکیم

(۲) رَبَّنَا رَبَّنَا رَبَّنَا اَنْبِتْہُ فِی الْاِسْلَامِ نَبَاتًا حَسَنًا وَاسْکِنْہُ جَنَّاتِہٖ حَسَنًا
یَامُحْسِنَ الْخَلْقِ اَحْسِنْ اِلَیْہِ وَاجْعَلْہُ بَعْدَ مَوْتِہٖ حَسَنًا۔

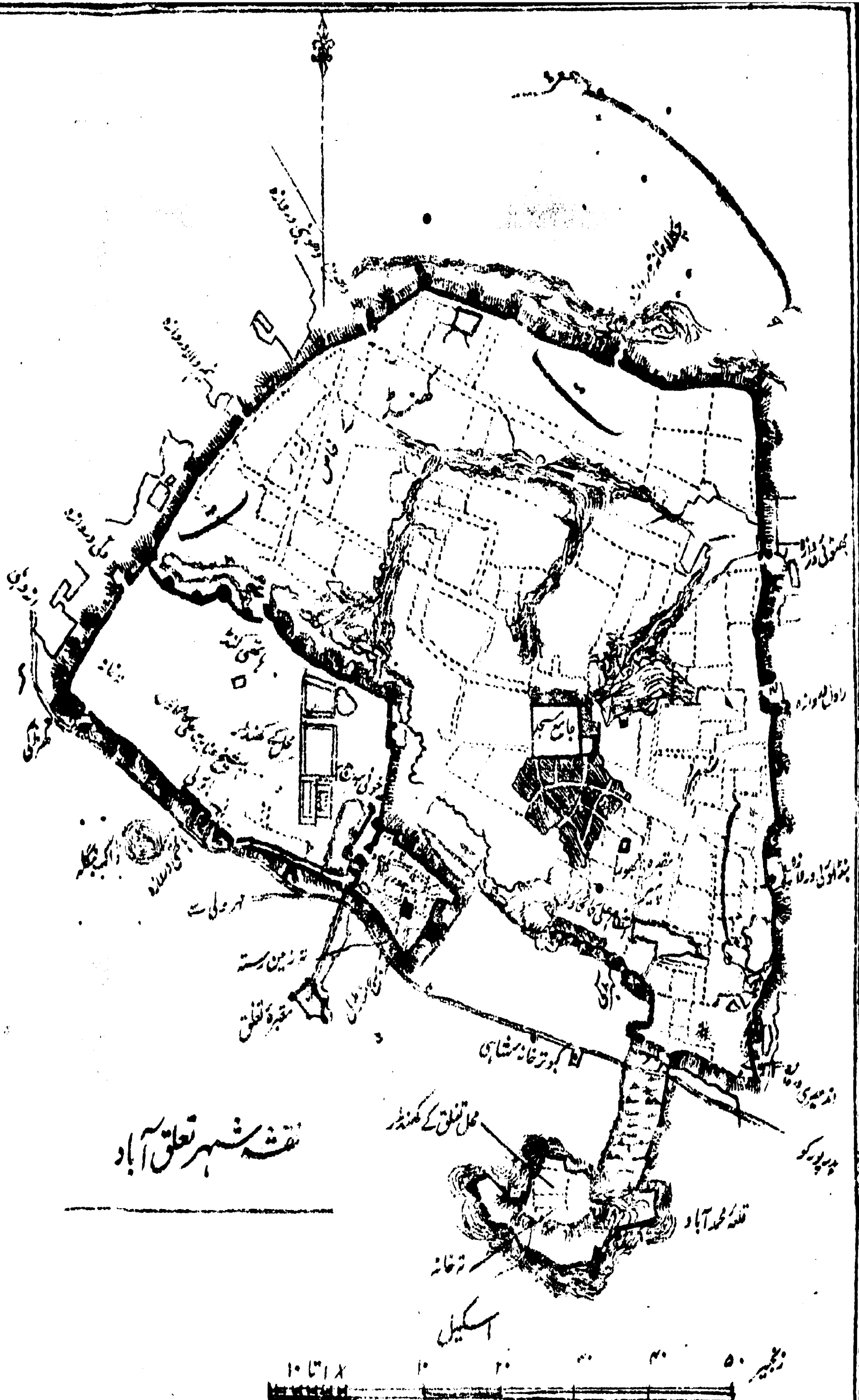
نام کے لحاظ سے یہ قبریں عربوں کی معلوم دیتی ہیں اور وضع قطع بہت پرانی ہی چنانچہ موضع خیر پور کے لودھیوں کے اُس کے مقبرے کے سامنے جو مسجد کا دروازہ کہلاتا ہی بجنسہ اسی طرح کی ایک قبر ہی۔

قلعہ اور شہر تغلق آباد

از ۱۳۲۱ء تا ۱۳۲۳ء

از بلندیش فرق نتوان کرد
آتشِ دیدباں زنور زحل

یہ قلعہ اور شہر دہلی کے جنوب رخ پر چھ کوس کے فاصلے پر ہی۔ اس سے نام کا جی۔ آئی پی ریلوے کا سٹیشن ہی مگر وہاں سے بھی چار میل کا فصل ہی اور رستہ خراب لہذا جانے والے زیادہ تر قطب صاحب ہوکر جاتے ہیں۔ یہ مقام پہلے بلب گڑھ کے راجہ کے علاقے میں تھا۔ غدر ۱۸۵۷ء میں راجہ کی بغاوت کی وجہ سے سرکار نے ضبط کرلیا۔ سرسید لکھتے ہیں کہ اس قلعے اور شہر کی بنیاد ۱۳۲۱ء میں پڑی اور تکمیل ۱۳۲۳ء میں ہوئی۔ دار السلطنت دہلی کا یکے بعد دیگرے یہ چوتھا شہر تھا۔ ابن بطوطہ لکھتا ہی کہ "پہلا شہر پرانی دلی یہ رائے پتھورا کا قلعہ تھا۔ دوسرا کلوکھری یا نیا شہر۔ تیسری سیری اور چوتھا تغلق آباد۔ فرگسن صاحب نہایت واجبی طور پر اس کو "افغان حکمرانوں کا ایک عظیم الشان قلعہ" لکھتے ہیں۔ اس قلعے کی شکل غیر قاعدہ مثمن کی ہی۔ جس کے تین چھوٹے ضلعے مشرق مغرب اور جنوب میں ہیں۔ جن میں کا ہر ایک ضلع تین چوتھائی میل سے کچھ بڑا ہی۔ جانب جنوب اس شکل کا قاعدہ ڈیڑھ میل لمبا ہی جس کے برابر برابر خندق دوڑی ہوئی ہی جو ایک بڑا تختہ آب ہی جس کے جنوب و مشرق کے کونے میں ایک عالی شان کٹہ (بند) باندھ کر پانی کو روک دیا ہی۔ تغلق آباد کا سارا دَور چار میل سے صرف ایک ہی فرلانگ کم ہی۔ قلعہ ایک مرتفع پہاڑی ٹیلے پر واقع ہی جو چاروں طرف سے پہاڑی دروں سے گھرا ہوا ہی۔ صرف ایک ہی طرف نشیب ہی جو غالباً خشک شدہ تالاب کا شکم ہی۔ قلعے کی فصیل بڑے بڑے بھاری پتھروں کی ہی جو غیر معمولی جسامت کے ہیں۔ فصیلوں میں


نقشہ شہر تغلق آباد
جامع مسجد
کبوتر خانہ شاہی
محل تغلق کے کھنڈر
قلعہ محمد آباد
مقبرۂ تغلق
تہ زمین رستہ
اسکیل
زنجیر ۵۰ ۴۰ ۳۰ ۲۰ ۱۰

میں دو منزلہ برجی دار حجرے بنے ہوئے ہیں۔ اس فصیل میں سب سے بڑا بھاری
پتھر جو جنرل صاحب نے دیکھا وہ ۱۴ فٹ × ۲½ فٹ لمبا اور ۲ فٹ × ۱ فٹ - ۱۰ انچ چوڑان
میں تھا۔ جس کا وزن چھ ٹن یعنی ۱۶۸ من سے زیادہ ہوگا۔ جس پہاڑی پر
قلعہ بنا ہوا ہے اُس کا جنوبی رخ ڈھلواں ہے اس مقام کی فصیل ۴۰ فٹ اونچی
ہے۔ جس میں جابجا بندوق مارنے کی جھانجیاں بنی ہوئی ہیں۔ جن پر سات
فیٹ اونچا کنگورا ہے۔ اس اونچی فصیل کے عقب میں ایک اور ۱۵ فٹ اونچی
فصیل ہے اور جہاں نشیب آگیا ہے بلندی یکساں کرنے کو فصیل کی بلندی ۹۰ فٹ
تک پونہچ گئی ہے۔ جنوب و مغرب کے کونے میں بالاحصار سارے قلعے کے
چھٹے حصے میں ہے اور اسی میں ایک بہت بڑے عالی شان محل کے کھنڈر
بھی نظر آتے ہیں۔ فصیل کے اندرونی رخ پر لداؤ کے متعدد حجرے ہیں جو
بقول جنرل کننگھم قلعے کی فوج کے رہنے کے کوارٹر تھے۔ فصیل کے بعض بعض
برج اب بھی بالکل درست حالت میں ہیں۔ فصیل کا رخ اندروار کو مصری عمارتوں
کی طرح گاؤدم ہے۔ قلعے کی وسعت۔ اُس کی نہایت انتہا مضبوطی اور جس چیز کو
دیکھو نہایت انتہا مستحکم اور پائدار۔ تغلق آباد کی عمارت کی نسبت ایک تعجب خیز عظمت
شان و شوکت۔ کا خیال پیدا کرتا ہے (از آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۲۱۳)۔
کیپٹن آرچر لکھتے ہیں کہ "تغلق آباد کو دیکھنے میں اس کی حالت ظاہری شان و شوکت
و عظمت کا ایک ایسا نظارہ پیش نظر ہوتا ہے کہ میں نے اس سے بڑھ کر اور کہیں
نہیں دیکھا۔ مجھے تعجب ہے کہ پتھروں کے اتنے بڑے بڑے لنڈ (ڈھیم) کیونکر
گھڑے گئے ہوں گے اور کس طرح (اوپر چڑھا کر) اپنے اپنے موقع میں
جمائے گئے ہوں گے۔ تھارنٹن گزیٹر میں لکھا ہے کہ "قلعے کی فصیل ایسی عظیم الشان
ہے کہ اس کو اگر کبھی کچھ زوال آسکتا ہے تو بجز زلزلے کے اور کوئی حادثہ نقصان
نہیں پونہچا سکتا"۔ فرینکلن صاحب لکھتے ہیں کہ "قلعے کی حفاظت نہایت مضبوطی
سے مورچوں اور برجوں سے کی گئی ہے۔ قلعے کے اندر ہی شاہی محل بھی تھا۔
خطرے کے وقت شاہنشاہ یہاں ہر طرح محفوظ و مصئون تھا کیوں کہ اس
قلعے کی چڑھائی اب تک بھی بہت موڑ توڑ کی اور مشکل ہے۔ چٹانوں کی ڈھلان کی

وجہ سے وہاں تک پونہچنا ہی متعذر ہی۔ قلعے کے پائیں ہیں ایک بڑا وسیع اور عمیق تالاب ہی۔ جس سے ساری فوج کو پانی میسر آتا تھا"۔ قلعے کے کھنڈروں پر سے جو اندازہ اُس وقت کی عمارت کا کیا جا سکتا ہی اُس کی نسبت مسٹر ہگلر لکھتے ہیں کہ "صحن کی تین طرف اور بعض جگہ چاروں طرف مکانات ہی مکانات تھے۔ ہر مکان کی چار دیواری کے اندر جانے کا ایک ہی دروازہ تھا۔ عموماً دروازے کے سامنے ایک دالان ۲۲ × ۱۲ فٹ ہوتا تھا اور دالان کی دونوں طرف دو دو کوٹھریاں ہوتی تھیں جن کا رستہ دالان اور صحن میں نکلتا تھا۔ بعض جگہ دالانوں کے پیچھے اور بھی متعدد چھوٹی کوٹھریاں ہوتی تھیں۔ ہر کمرے میں کئی کئی طاق رہتے ہیں لیکن باہر کھلتی ہوئی کوئی کھڑکی نہیں ہوتی۔ قلعے کے صدر دروازے کی چڑھائی بڑی سخت اونچی اور پتھریلی ہی۔ چوں کہ قلعے کے اندر کی اکثر عمارتیں منہدم ہو گئی ہیں تو اُن کے ملبے سے رستہ اور بھی اَٹ گیا ہی۔ یہ چڑھائی ایسی بے ڈھب ہی کہ چڑھتے چڑھتے دم چڑھ جاتا ہی۔ صدر دروازے بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیموں سے پٹے ہوئے ہیں جو پاس کے پاس اسی پہاڑ میں سے تراش لیئے ہیں۔ قلعے کے کل تیرہ دروازے ہیں اور بالا حصار کے تین اس کے سوا۔ سرسید جو روایتوں کی بنا پر بشیتر لکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ شہر اور قلعے کے ملاکر (۵۶) کوٹ (برج) اور (۵۲) دروازے تھے لیکن جنرل کننگھم کا قول اس کے خلاف ہی جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ تغلق آباد میں سات تالاب ہیں اور بڑی بڑی عمارتوں کے کھنڈروں کا تو کوئی شمار نہیں مثلاً جامع مسجد اور برج منڈر۔ جنرل کننگھم صاحب تغلق آباد میں برج منڈر کا ہونا تسلیم نہیں کرتے اور سرسید بھی اس نام کا مندر جہاں پناہ میں ہونا کہتے ہیں اور یہی صحیح بھی ہی جس کی صراحت اپنے موقعے پر آئے گی۔ فرینکلن صاحب لکھتے ہیں کہ "یہاں تین بڑی بڑی باؤلیاں بھی ہیں جو اب بھی درست حالت میں ہیں۔ یہاں بڑے بڑے پختہ تہ خانے بھی ہیں جو تیس سے لے کر چالیس چالیس فیٹ

ۓ قلعہ کے ایک برج کا نام شیر منڈل ہی ورنہ تغلق آباد کہاں اور سبجے منڈل کہاں۔ بجے منڈل تا بیگم پور کے پاس۔ ۱۲

سطح زمین سے گہرے ہیں۔ شاہی تہ خانے میں چھ مدور کمرے ہیں جنکی چھت محرابوں پر تھمی ہوئی ہے اور چھت میں دو فیٹ قطر کا روشن دان بھی ہے۔ یہ کمرے بیس بیس فٹ قطر کے ہیں جو گرمی میں سرد خانے کا کام دیتے تھے۔ ان کمروں کے ساتھ ۴۰×۲۰ فٹ کے پختہ سنگ بست ۸ حوض بھی ہیں۔ علاوہ دو باولیوں کے تیسری باولی بالا حصار کے پاس ہے"۔ بالا حصار تو بالکل تباہ اور نرا کھنڈر ہی کھنڈر رہ گیا ہے۔ بالا حصار کے نیچے کا حصہ تو شاید کبھی آباد رہا ہو تو رہا ہو۔ قلعہ جس قدر دور سے بھاری بھرکم اور شان دار عظیم الشان معلوم دیتا ہے اندر جاکر اتنی ہی مایوسی ہوتی ہے کہ بجز ٹوٹی پھوٹی عمارتوں۔ کھنڈروں اور مٹی پتھر کے ڈھیروں۔ ویرانی اور تباہی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ سیّاح جب اس ہیبت ناک نظارے کو چھوڑ کر باہر نکلتا ہے تو پھر عالی شان فصیل سر بفلک مورچوں کو دیکھتا ہے اور اُس کی نظروں کے سامنے وہی سما پھر جاتا ہے کہ اللہ اکبر جس قلعے اور شہر کی بیرونی حالت ایسی پرشوکت و شان ہو اُس کے اندر کیا کچھ نہ رہا ہوگا۔ کبھی تو قلعہ تھا اور یہ ایک بڑا بھاری شہر یا ایسی بساط اُلٹی کہ آج صرف گوجروں کا ایک کم حیثیت گاؤں رہ گیا۔ جس کا نام صرف اُن اُجڑے پجڑے مکانوں اور کھنڈروں کی بدولت چار دانگ عالم میں مشہور ہے اور دور دور سے لوگ زمانۂ گزشتہ کی شان وشوکت عزت وجبروت کی اس بچی کھچی گری پڑی باقی ماندہ یادگار کو دیکھنے کے لیئے برابر چلے آتے ہیں۔ دیکھتے ہیں اور حسرت و افسوس کرتے ہیں کہ فنا کے زبردست ہاتھوں کے سامنے سب خاک ہے۔

؎ زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا ۔ بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

جو بیان قلعۂ تغلق آباد کا اوپر لکھا گیا وہ اس ویرانے کی بہت عمدہ تصویر ہے لیکن بطور فنیشنگ ٹچ (کیفیت مختتم) کے اتنا اور لکھا جاتا ہے کہ گو قلعے کے متعدد دروازے ہیں مگر سڑک کی جانب جو دروازہ ہے وہ تو بالکل معمولی سنگ خارا کا ہے اور اتنا بلند بھی نہیں کہ اُس میں سے ہاتھی جا سکے سیڑھیاں ساری ٹوٹ پھوٹ گئیں قلعہ تک پہنچنا بھی دقت طلب ہے۔ دروازے سے آگے بڑھنے کے بعد بائیں طرف ایک بڑا عمیق وسیع گڑھا ملتا ہے جس میں اب زراعت ہوتی ہے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی تالاب تھا جو خشک ہو گیا لوگ کہتے ہیں کہ نہیں یہاں پہاڑ تھا

اُسی کو کاٹ کاٹ کر قلعے کے لیئے پتھر لیئے ہیں اس وجہ سے یہ گڑھا ہوگیا ممکن ہے
کہ ایسا ہی ہو مگر یہ گڑھا قدرتی طور پر چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے اور
ایک بنا بنایا مضبوط اور قدرتی بند کا تالاب ہے۔ اس کے بعد پھر ایک دروازہ ملتا ہے
اُس کے اندر سے قلعے کی عمارتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے یہیں ایک قلمدان نما چھت
کی چھوٹی سی شکستہ مسجد ہے لیکن قلعے کی وسعت اور مکانات کی کثرت کے لحاظ سے
بڑی مسجد اور کوئی رہی ہوگی جو ہم کو نہیں ملی۔ پہلے ہم سب سے اونچے برج پر
چڑھے جو شیر منڈل کہلاتا ہے اور اچھی حالت میں ہے اس پر سے سارے قلعے کی
عمارتوں کو بخوبی دیکھ سکتے ہیں اور دور دور کا نظارہ ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ قلعے کے
اندر کی ساری عمارتیں کیا چھوٹی کیا بڑی سب کی چھتیں گر گئی ہیں چار دیواریاں کھڑی
ہیں دالان پیش دالان کوٹھریاں غسل خانے پائخانے۔ در۔ اندر کے چھوٹے دروازے
اور باہر کے بڑے پھاٹک سب موجود ہیں مگر چھت کسی کی نہیں خدا جانے چھتوں پر
کیا آفت آئی تھی۔ مکان چھوٹے معمولی حیثیت کے اور بڑے بڑے محل یک منزلہ
اور دو منزلہ اور بعض سہ منزلہ سب قسم کے ہیں بعض جگہ بہت بڑے بڑے محل ہیں بعض جگہ
خالی محرابیں کھڑی ہیں۔ جابجا تہ خانے بھی ہیں۔ معمولی حیثیت کے لوگوں کے مکانات
بھی ہیں اور امراء کے عالی شان محل بھی۔ ساری عمارتیں سنگ خارا کی چونے سے
بنی ہوئی ہیں اور مکانوں کی وہ کثرت اور پیچ پیچ ہے کہ تل دھرنے کو خالی جگہ نہیں۔
پہلے ضرور سڑکیں اور رستے ہوں گے مگر اب تو ساری جگہ کو جھاڑیوں اور کانٹوں
نے گھیر لیا ہے۔ مکانات جو گر گئے ہیں اُن کے ملبے اور پتھروں نے رہا سہا رستہ
بھی بند کر دیا اور ایسی چپقلش ہو گئی ہے کہ قدم دھرنا محال ہے۔ فصیل کے بڑے بڑے
برج بعض قائم ہیں بعض گر گئے کچھ گر رہے ہیں۔ فصیل بھی جابجا سے گر گئی ہے مگر
پھر بھی بہت بڑا حصہ قائم و برقرار ہے اسی میں مقررہ فصل سے برج بنے ہوئے ہیں
عمارتوں کی موجودہ حیثیت سے نزاکت اور نفاست نہیں معلوم ہوتی۔ صدر دروازہ
بھی بھدا ہے جس میں بڑی بڑی لمبی لمبی کڑیاں لگی ہوئی ہیں اور انہیں کڑیوں کا پاٹاؤ
بھی ہے۔ شیر منڈل کے برج پر سے دیکھو تو دلی کا سارا شہر اور عمارتیں صاف نظر آتی
ہیں۔ شمال مشرق کی طرف ریل دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے اور اُس کے پیچھے او کھلا کا

شمال کی طرف کالکاجی کا مندر۔ درگاہ حضرت نظام الدین کا گنبد۔ کلوکھری کا ریلوے اسٹیشن ہمایوں کے مقبرے کا انڈے کی طرح کا سفید سفید خوش نما گنبد پرانے قلعے کی فصیل کا کچھ حصہ۔ جامع مسجد کے مینار۔ لال قلعے کے وائرلیس ٹیلیگراف کے اونچے اونچے کھمبے۔ صفدر جنگ کا مقبرہ۔ راے سینا کی عمارتیں وغیرہ وغیرہ۔ اب کم سے کم اتنا چاہیئے کہ قلعے کے اندر کے بکھرے ہوے پتھر ایک طرف کر دیئے جائیں کچھ جھاڑی کٹوا دی جائے کہ ذرا چلنے کا رستہ نکل آئے اب تو بے ٹھوکر کھائے اور ہاتھ پاؤں زخمی کیئے کے دو قدم چلنا مشکل ہے۔ شیر منڈل کے پاس ایک بہت بڑی منہدمہ باؤلی ہے ۱۱۱ × ۷۰ فٹ اور ستر فیٹ گہری جو ڈھ گئی ہے اور شکم جھاڑ جھنکاڑ سے اٹ گیا ہے۔ یہ باولی سنگ خارا کے بڑے بڑے ڈھیموں سے بنائی گئی ہے اور سنگ خارا کی بندش چوطرف ہے۔ پہلے سیڑھیاں بھی ہوں گی جن کا اب صرف نشان رہ گیا ہے۔ باؤلی مستطیل ہے۔ شمال اور جنوب کے دو طرف کی بندش کی دیواریں تک باقی ہیں اور یہی اُس کا طول ہے مشرق مغرب عرض کی دیواریں ڈھ گئی ہیں۔ یہیں ایک بڑی بھاری لمبی اور گہری سرنگ ہے جو ایک طرف بدرپور روڈ کی جانب قلعہ کے باہر نکل گئی ہے اور دوسرا رخ اُس کا خدا جانے کہاں تک گیا ہے۔ سرنگ کا ایک دروازہ ہے تھوڑی دور تک دو طرفہ طاق نما حجرے بنے ہوے ہیں مگر تاریکی کے سبب سے اندر جاتے ڈر لگتا ہے۔ آگے چل کر حجروں کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے نری سرنگ چلی گئی ہے جو تھوڑی دور آگے بڑھ کر بیٹھ گئی ہے۔ سرنگ میں بالکل اندھیرا ہے لالٹین ساتھ ہو نا ضرور ہے ہم دیاسلائیاں کھینچ کھینچ کر ٹٹول ٹٹول کر قدم بڑھاتے تھے پچاس سیڑھیاں اُتر کر ہم کھڑکی میں پونہچے۔ شروع شروع میں تو کچھ اُجالا ہے پھر اندھیر گھپ سیڑھیاں کچھ درست ہیں کچھ شکستہ جو درست ہیں اُن پر بھی روڑے گر کر پاؤں نہیں جمتا۔ پہلے تو ہم سیدھے چلے آئے اندھیرے کے ساتھ سر پر چٹان بھی آ گئی بیٹھ کر گھسٹنا پڑا اب کھڑکی آئی جان میں جان آئی تاریکی سے روشنی کی نعمت پائی۔ کھڑکی کا پٹ پتھر کی سلوں کا ہے اُس کے پیچھے مٹی اٹ جانے سے برابر نہیں کھلتا کچھ بھڑا رہتا ہے دُبلا پتلا آدمی تو خیر معمولی جسامت کا آدمی آڑا ترچھا ہو کر دب دبا کر نکل جا سکتا ہے مگر موٹے آدمی کا گزر نہیں اب ہم قلعے کے دامن

ہیں آ گئے پھر یہاں سیڑھیاں ہیں جو ٹوٹ پھوٹ گئیں غرض پھسلتے پھسلاتے سڑک پر آ پہنچے کیوں کہ قلعہ بالکل سڑک سے ملا ہوا ہے۔ قلعے کے دروازے اس وقت جو مشہور ہیں وہ یہ ہیں۔ چکلا خانہ دروازہ۔ دھوبن دھوبنی دروازہ۔ نیم والا دروازہ۔ دلی دروازہ کھڑکی دروازہ۔ ہاتھی دروازہ۔ اندھیری دروازہ۔ بنڈا ولی دروازہ۔ راول دروازہ بھٹوئی دروازہ۔ کھجور والا دروازہ۔ چوک دروازہ۔ ہوڑی دروازہ۔ لال گھنٹی دروازہ تکھنڈ دروازہ۔ طلائی دروازہ۔ وغیرہ وغیرہ۔

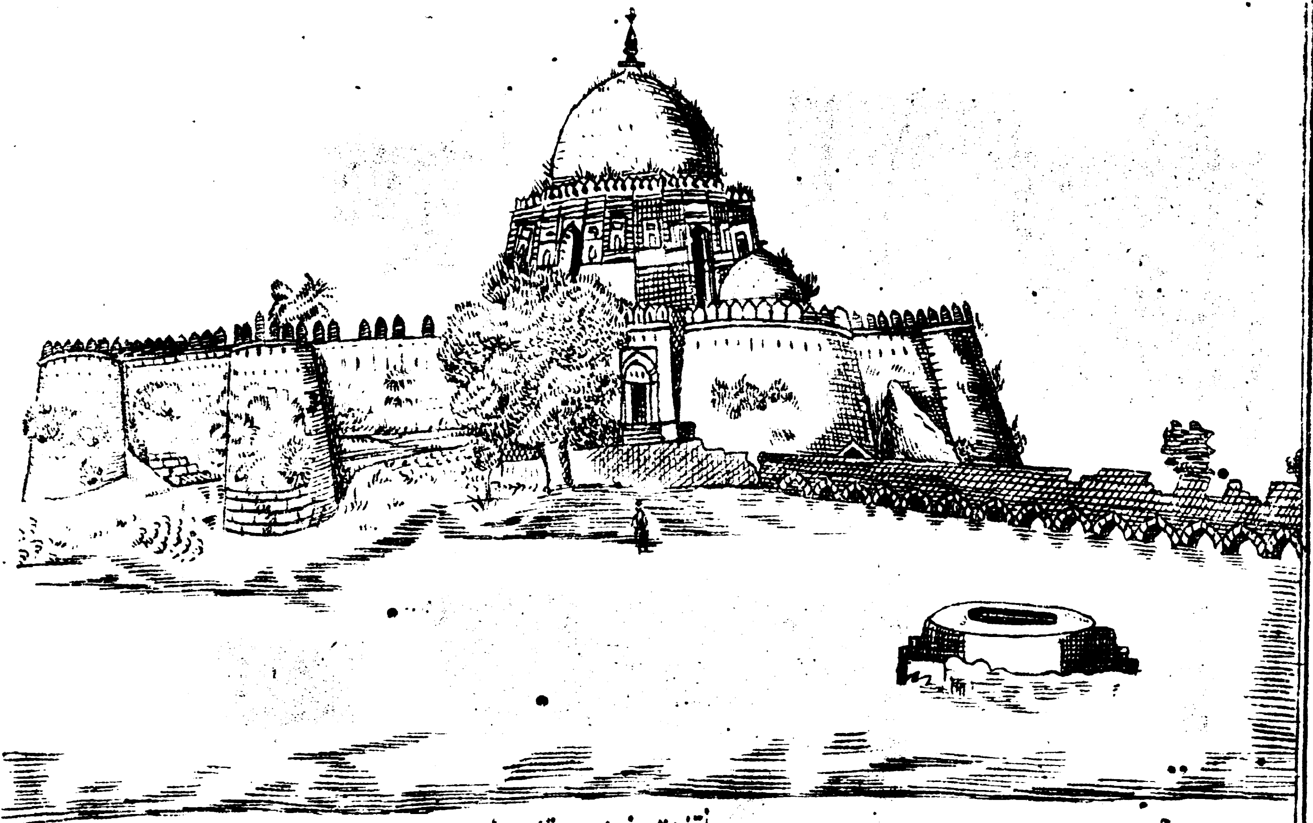
مقبرۂ غیاث الدین تغلق شاہ

۷۲۱ - ۷۲۵ ہجری

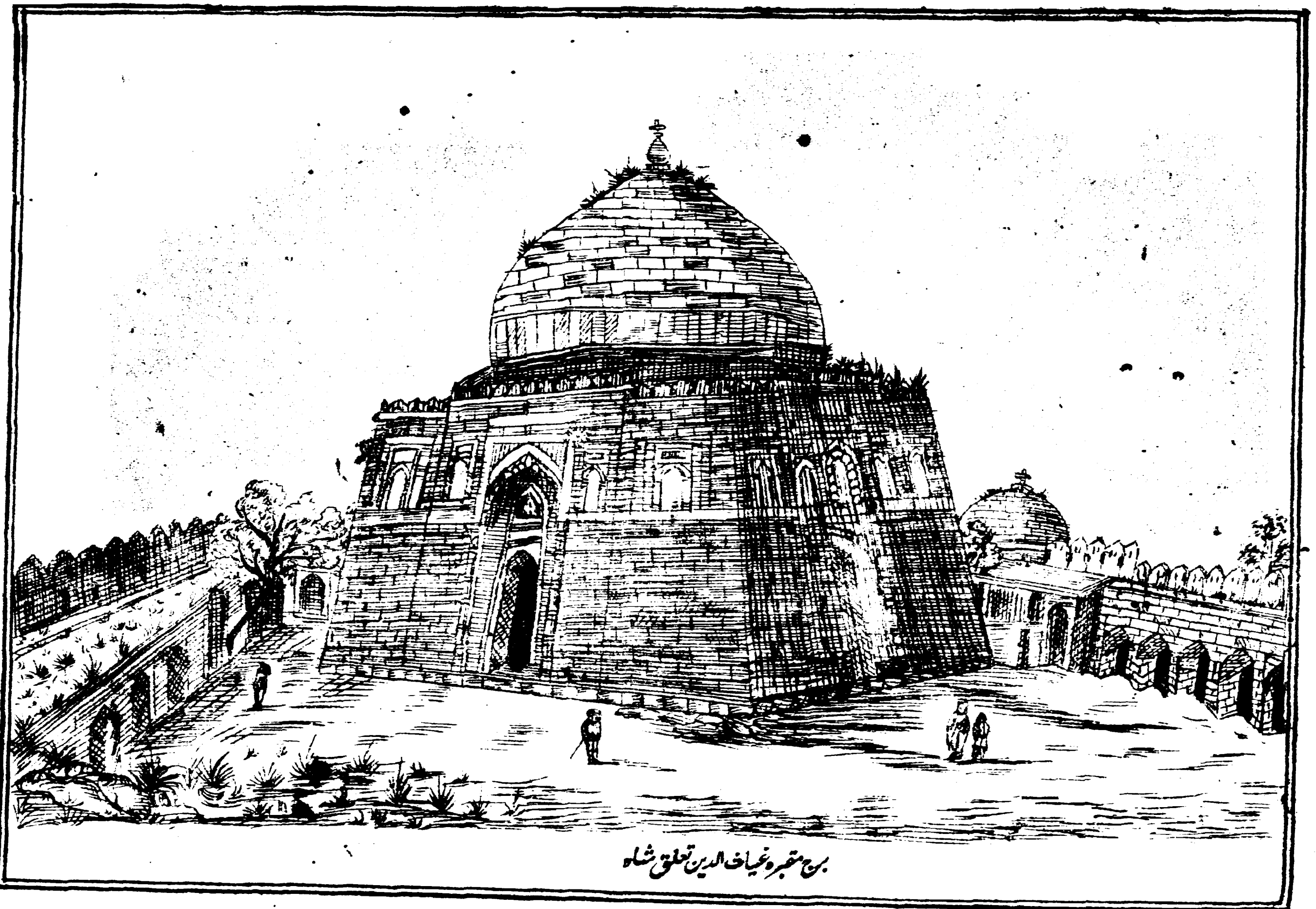
۱۳۲۰ء - ۲۵

این دہر کہ بود مدتے منزل ما
نامد بجز از بلا و غم حاصل ما
افسوس کہ حل نہ گشت یک مشکل ما
رفتیم و ہزار حسرت اندر دل ما

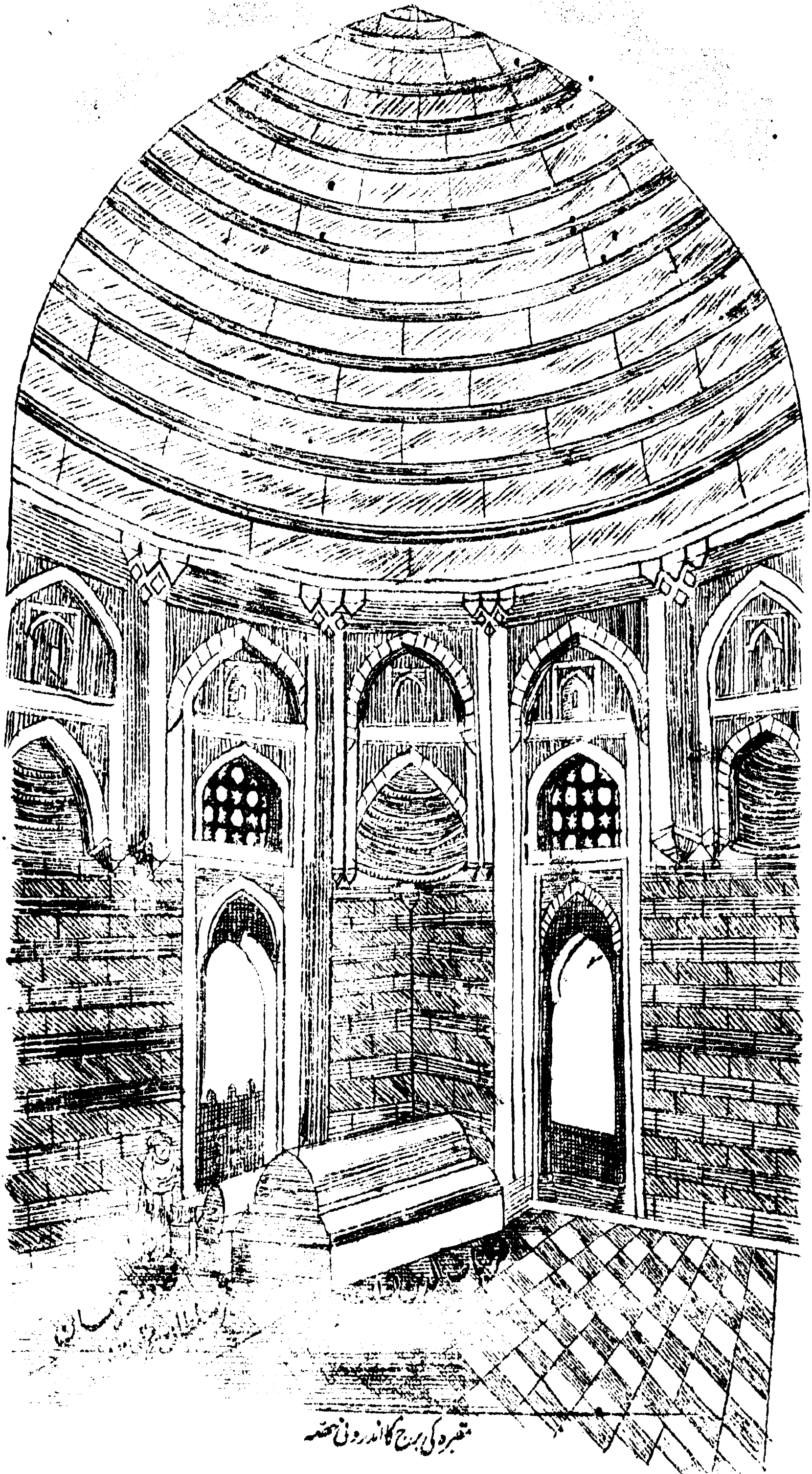
اس بادشاہ کا مزاج عجیب و غریب اور انوکھا تھا۔ لیکن بڑا جفاکش اور جری تھا اس نے مغلوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور پیاپے چار حملوں کا منہ اس زور و شور اور قتل عام سے پھیرا کہ مغلوں کے پرخچے اُڑ گئے اور وہ ایسے مرعوب ہوئے کہ پھر اس بادشاہ کی زندگی تک تو مغلوں نے ہندوستان کا رخ بھی نہ کیا۔ اس بادشاہ کی غایت درجے کی جرأت۔ ہمت اور استقلال کے ڈنکے دنیا میں بج گئے ۷۲۵ھ ۱۳۲۴ء میں بنگالہ پونہچ کر وہاں کے صوبہ دار کی سرکوبی کی اور اس کے گلے میں رسّی بندھوا کر گھسیٹتا ہوا دلی بھجوایا اور خود بھی بعد فتح و نصرت دلی کو واپس ہوا وہیں خبر لگ گئی تھی کہ بادشاہ کے غیاب میں چند بڑے بڑے لوگ کہہ رہے ہیں کہ بس اب بادشاہ دلی آ چکا اور نجومی بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں لیکن اس اولوالعزم نے ذرا بھی ان مہملات کی پروانہ کی اس کان سنا اور اُس کان اُڑا دیا ان یا دہوائی باتوں سے ذرا بھی اُس کی ہمت اور استقلال میں فرق نہ آیا حضرت نظام الدین اولیا بھی بادشاہ سے کچھ بدظن تھے اور کہا جاتا ہے کہ اُن کا رجحان خاطر شاہزادے محمد شاہ تغلق کی طرف زیادہ تھا اور وہی آپ کا مورد عنایات و الطاف تھا۔ بادشاہ کو حضرت کا شاہزادے کی طرف ضرورت سے زیادہ متوجہ ہونا



نقشہ مقبرہ غیاث الدین تغلق شاہ



برج مقبرہ غیاث الدین تغلق شاہ



مقبرہ کی برج کا اندرونی حصہ

اور اپنے سے رکاوٹ ناگوار تھی حکم دیا کہ اُن سے کہدو کہ دلّی سے چلے جائیں
اور یہ بھی کہا کہ خیر جس کے دل میں جو آئے کہہ لینے دو۔ ذرا مجھے دلّی پونہچ لینے دو
پھر دیکھنا کیسی ان سب کی خبر لیتا ہوں۔ آخر الامر بادشاہ کی آمد آمد کا غلغلہ بلند ہوا
اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بادشاہ کی سواری دلّی کے قریب تک آن پونہچی ہے اور اب کوئی دن جاتا ہے کہ
دلّی میں داخل ہوگی۔ حضرت کے حلقے کے لوگ بادشاہ کی آمد آمد سن کر گھبرائے
کہ خدا جانے کیا واقعہ پیش آئے اور آپ کو ملتان تشریف لے چلنے کی صلاح
دی۔ لیکن آپ کا بھروسہ خدا کی ذات پر تھا اور بڑے کوہ وقار و متانت شعار
تھے اور لا نخشع الا اللہ (ہم سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتے) پر
پورا عمل رکھتے تھے۔ ذرا بھی آپ کو ہراس نہ ہوا اور جب آپ نے سنا یہی فرمایا
"ہنوز دلّی دور است"۔ آخرکار بادشاہ افغان پور تک آن پونہچا جو دلّی سے
صرف چھ میل ہے۔ افغان پور ہی میں بادشاہ کے نزول اجلال کے لئے ولی عہد
نے ایک چوبی محل طیار کرایا تھا جو صرف تین دن میں بنا کر کھڑا کر دیا تھا۔
ضیاء الدین برنی مصنف تاریخ فیروز شاہی لکھتے ہیں کہ "یہ مکان صرف بادشاہ
کی شبا شب استراحت کے لئے بنوایا گیا تھا تاکہ اس میں شب باش ہو کر صبح
جلوس کے ساتھ شاہی سواری دار السلطنت میں داخل ہو۔ بادشاہ کی سواری بڑے [illegible]
ڈھلے رونق افروز ہوئی اور اسی محل کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف
بخشا۔ بادشاہ دوپہر کے کھانے سے فارغ ہوا۔ امرا و ارکین سلطنت ہاتھ دھونے کیلئے
کو باہر نکلے کہ اسی اثنا میں بجلی گری اور چھت دھڑام سے آن پڑی۔ بادشاہ اور
اُس کے ساتھ اور پانچ چھ شخص دب کر مر گئے"۔ ابن بطوطہ نے ایک اور ہی روایت
لکھی ہے اور بجلی گرنے کے مقابل میں وہ زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے۔ ابن بطوطہ
نے پہلے تو اس عارضی عمارت کا حال لکھا ہے بعد یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ سوچ و فکر
تاک کر ہی ایسی حکمت سے بنایا گیا تھا کہ ذرا ہی ٹھیس کے ساتھ دھڑام سے
آن پڑے۔ غرض یہ کہ بادشاہ اسی محل میں اُترا اور لوگوں کی دعوت کی اور لوگ
کھا پی کر جدھر کے اُدھر چلے گئے۔ ولی عہد نے معروضہ پیش کیا کہ ہاتھیوں کا جلوس
نظر انور سے گزرے جو مقرون اجابت ہوا۔ بادشاہ کا چہیتا بیٹا محمود بھی ہم رکاب تھا

القصہ جب ہاتھی اُس طرف سے گزر رہے تھے (تو خدا جانے کیا واقعہ پیش آیا)
کہ ایک دم سے محل بیٹھ گیا۔ بادشاہ اور شاہزادہ محمود دونوں اُس میں دب گئے۔
محمد شاہ گھبرایا اور فوراً کدال پھاوڑے وغیرہ لانے کا غل مچایا مگر در پردہ آنکھ ماردی
اور شاہوں شام تک کسی نے خبر نہ لی۔ شام ہونے کے بعد کہیں کھدائی کی نوبت آئی
تو بادشاہ کی نعش اس حیثیت سے نکلی کہ بادشاہ تو اوپر تھا اور شاہزادہ نیچے۔
جس سے معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ شاہزادے کو بچانے کے لیئے اوپر پڑ گیا تھا۔
بعض کہتے ہیں کہ بادشاہ کا دم نکل گیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں زندہ تھا لیکن
اُسے مار ڈالا۔ یہ واقعہ یکم ربیع الاول ۷۲۵ھ (فروری ۱۳۲۵ء) کو ہوا۔ نعش کو راتوں رات لے جا کر
اُس مقبرے میں دفن کیا جو خود بادشاہ نے تغلق آباد میں بنوایا تھا۔ یہ سب
چال بازی خواجہ جہاں، وزیر کی تھی کیوں کہ وہ محمد شاہ کا طرف دار تھا اور اُسی کی
سفارش سے مرتبۂ وزارت کو پہنچا تھا اور اُسی کا کلمہ پڑھتا تھا"۔ ابن بطوطہ
نے تو ساری بلا محمد شاہ تغلق کے سر دھر دی اور باپ کے قتل کا مجرم اُسے ٹھیرا دیا
اور پہلے سے بھی باپ بیٹوں میں کشیدگی تھی۔ باپ حضرت نظام الدین اولیاء سے
صاف نہ تھا اور بیٹا اُن کا حد درجے معتقد اور ہمیشہ اُن کی مجالس میں آیا جایا کرتا تھا
چنانچہ حضرت نے حالت وجد میں تخت و تاج کی اُسے بشارت دیدی تھی۔ ابوالفضل
وزیر اعظم اکبر شاہ بالکل اس بات کو بے اصل لکھتا ہے اور وہ لکھتا ہے کہ "محمد شاہ تغلق
پر ذرا بھی اشتباہ نہیں۔ چوں کہ محل جلدی میں بنوایا گیا تھا اُس کا گر جانا محض ایک
اتفاقی حادثہ تھا"۔ الغرض جب محمد شاہ تغلق تخت نشیں ہوا تو سب سے پہلے وہ
حضرت کا قدم بوس ہوا اور جب حضرت کا وصال ہوا تو آپ کے جنازے کو کندھا
بھی دیا۔ بقول ابن بطوطہ کے "غیاث الدین تغلق کا مقبرہ خود اُسی کا بنوایا ہوا ہے
اور ایسا ہی ایک مقبرہ اُس نے اپنی صوبہ داری کے زمانے میں ملتان میں بھی بنوایا تھا"۔
لیکن قول مرجح و معتبر یہ ہے کہ یہ مقبرہ محمد شاہ تغلق نے اپنے باپ کی وفات کے بعد
برس کے اندر ہی اندر بنوا دیا۔ دارالامان کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یہ وہ محل ہے جہاں
بلبن بادشاہ کی قبر ہے لیکن غیاث الدین تغلق کا مقبرہ بھی اسی نام سے مشہور ہے۔
فیروز شاہ تغلق جو غیاث الدین تغلق کا پوتا تھا یہ لکھتا ہے کہ "یہ مقام مدفن اصحاب کبار

کا ہی - میں نے اس میں صندل کی لکڑی کے دروازوں کی نئی جوڑیاں چڑھوائیں اور بزرگوں کے مزاروں پر شامیانے تنوائے اور پردے ڈلوائے"۔
اس مقبرے کی حالت جو جنرل کننگھم صاحب نے اپنی رپورٹ میں لکھی ہی وہ یہ ہی:-
"یہ مقبرہ ایک مصنوعی جھیل کے پیٹے میں بنا ہوا ہی - جس میں حوض شمسی کی چادر اور قلعے کے اطراف کے قدرتی نالوں کا پانی جمع ہوتا ہی اور کسی زمانے میں یہ قلعے کی خندق کا کام دیتا تھا جس سے ایک گونہ محافظت بھی تھی - جھیل کی بیرونی شکل پانچ ضلعوں کی ہی - جو قلعے سے بذریعہ ایک چھ سو فیٹ لمبے محراب دار پست پل سے ملا دی گئی ہی - پل کے ستائیس در ہیں - مقبرہ مربع شکل کا ہی - جو اندر وا سے ۲۸½ فٹ اور باہر سے ۶۱½ فٹ ہی - بیرونی دیواریں کنگورے تک ۳۸½ فٹ اونچان میں ہیں - جن میں فی فٹ ۲۳ , ۲ کا ڈھلان ہی - اس حساب سے ۳۸½ فٹ میں کل ڈھلاؤ ۲ ½ فٹ کا ہی - دیوار کا آثار پائے میں ۱۱½ فٹ ہی جو اوپر جا کر صرف چار فیٹ رہ گیا ہی - اتنی بلندی پر صحیح پیمایش کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا مگر جہاں سے گنبد شروع ہوتا ہی وہاں سے آثار چھ یا سات فیٹ کا اندازہ کیا جاتا ہی - گنبد کا قطر اندر سے ۴۳ فٹ اور باہر سے ۴۴ فٹ اور بلندی ۲۰ فٹ ہی - گنبد تمام سنگ مرمر کا ہی - کل مقبرے کی بلندی (۷۰) فٹ ہی اور کلس جو سنگ سرخ کا ہی ملالیں تو اونچان اسی فیٹ کے قریب ہو جاتی ہی - گنبد کی چاروں طرف چار بڑے بڑے محراب دار چوبیس چوبیس فیٹ اونچے دروازے ہیں - گنبد کا داخلی دروازہ جو بڑے دروازے کے اندر ایک اور چھوٹا دروازہ ہی صرف ۵ فٹ ۱۰ انچ چوڑا ہی جس کی محراب میں سنگ مرمر کی موٹی جالی لگی ہوئی ہی - مقبرہ باہر وار سے مختلف رنگ کے پتھروں سے آراستہ ہی - جا بجا سرخ پتھر کے ساتھ سنگ مرمر کے ٹکڑے حاشیے اور کارنس لگانے سے دوبالا رونق ہو گئی ہی - محرابیں سب سنگ مرمر کی ہیں اور ایک چوڑا پٹکہ سنگ مرمر کا جہاں سے محرابیں شروع ہوتی ہیں عمارت کے چاروں طرف دوڑا ہوا ہی - ایک اور سنگ مرمر کا چوڑا اور گہرا پٹکہ چار فیٹ بلند سیدھی سلوں کا جہاں سے کہ گنبد شروع ہوتا ہی گرداگرد ہی - موجودہ حالت اس مقبرے کی عمدہ اور نفیس رنگ کے پتھروں کی وجہ سے بہت دل خوش کن اور نظر فریب ہی لیکن

زمانے کے استداد نے کچھ اور نکھار اور روپ اور حسن پیدا کر دیا ہے ۔ سنگ سرخ کا جھجھوتا شوخ رنگ جا کر ہلکا پیازی ہو گیا ہے اُدھر سنگ مرمر کی شفافی اور چمک دمک اور جلا سے بھی خیرگی دور ہو کر اعتدال آگیا ہے ۔ غرض سرخی اور سفیدی کے رنگ میں جو پہلے تباین کلی تھا اب ایک جان دو قالب ہو کر ایسے گھل مل گئے کہ اُس میں ایک نئی لطافت اور توافق پیدا ہو گیا ہے ۔ مقبرہ مجموعی حیثیت سے فی الجملہ اچھی حالت میں ہے" (از آرکیالوجیکل رپورٹ جلد اول صفحہ ۱۲۶)

جب کہ مستقل مزاج تجربہ کار سورما تغلق شاہ نے (۱۳۲۱ء) میں نئی دلّی کی جو اُس کے نام سے مشہور ہے بنا ڈالی تو اُسی کے ساتھ ساتھ اُس نے اپنا مقبرہ بھی بنوایا ۔ جیساکہ عموماً دستور ہے (کہ بادشاہ اپنی زندگی میں اپنا مقبرہ بنوا لیتے ہیں) ۔ یہ مقبرہ کسی باغ میں نہیں بنایا گیا بلکہ ایک نہایت مضبوط اور محصور قلعے میں ایک مصنوعی جھیل کے اندر بنایا ہے کا ؤدم دیواریں اور مصر کی عمارتوں کے طرز کا مستحکم مقبرہ جو عظیم الشان حصار اور شاندار برجوں کے بیچوں بیچ ہے اس شجیع بادشاہ کے لاثانی مقبرے کی تصویر نظر میں جما دیتا ہے جو بمقابلہ اُس کے مابعد کے ٹھنڈے دل والے امن پسند خاندانوں کے مقبروں سے جو نفیس اور ہرے بھرے باغوں میں ہیں بالکل ایک جداگانہ حیثیت رکھتا ہے (از ہسٹری آف ارکٹیکچر فرگسن صاحب جلد دوم صفحہ ۶۵۳) ۔ مقبرے کا باہر کا دروازہ بڑا عالی شان سرخ پتھر کا بنا ہوا ہے جس پر بتّیس سیڑھیاں چڑھ کے پہنچتے ہیں ۔ احاطے کی دیواروں میں بہت سے حجرے ہیں جو غریب غربا کے آرام کے لیئے بنائے گئے ہیں ۔ گنبد میں تین قبریں ہیں ۔ بیچ والی قبر سلطان غیاث الدین تغلق کی ہے اور اس کے ادھر اُدھر جو ایک ایک قبر ہے اُس کی نسبت یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی ہیں ۔ اس پر جو سنگ مرمر کا حظیرہ بنا ہوا تھا وہ خدا جانے اُکھاڑ لیا گیا یا ٹوٹ پھوٹ گیا ۔ ان دو قبروں میں سے ایک تغلق شاہ کے حرم محترم مخدومۂ جہاں کی کہی جاتی ہے اور دوسری محمد شاہ تغلق فرزند غیاث الدین تغلق شاہ کی جس نے بخار سے سندھ میں ۷۵۲ھ ۱۳۵۱ء میں انتقال کیا ۔

یہ امر واقعات تاریخی سے پایۂ ثبوت کو پونہچ گیا ہے کہ ہندوستانی شاہزادوں کی تعلیم کبھی ایسے عمدہ اصول پر نہیں دی جاتی جن سے اُن کے اوصاف اخلاقی راسخ

اور مستحکم ہو جائیں ۔ چنانچہ اس کی ایک کھلی ہوئی مثال محمد شاہ تغلق کے حالات ہیں ۔
یہ شخص تمام سلاطین ماضیہ دہلی سے قابلیت اور لیاقت میں بدرجہا بڑھا ہوا تھا ۔
اس کی وسیع معلومات بعلوم وفنون وریاضی کی اس درجے بڑھی ہوئی تھی کہ اُس
وقت کے علماء اور فضلا جنھوں نے اپنی ساری زندگی اکتساب علوم میں صرف
کردی تھی وہ بھی اس کی اعلیٰ درجے کی قابلیت کے معترف تھے ۔ لیکن افسوس
ہو کہ محمد شاہ تغلق ایک بیباک اور بےاصول جابر تھا ۔ بدقسمتی سے وہ اپنے جذبات
پر قابو نہ رکھتا تھا اور اُس کی چھبیس سالہ سلطنت مصائب و آلام کے واسطے
مشہور رہی ۔ ابن بطوطہ لکھتا ہو کہ " اس میں صفات متضاد اور فوق العادت خصائل
تھے ۔ اُس کی داد و دہش ایسی تھی کہ گویا ہاتھ میں ہڈی نہ تھی مع ہذا خون کے
ندی نالے بہا دینا بھی اُس کا ادنیٰ کرشمہ تھا ۔ ملکی پیچیدگیوں اور بیماری نے ٹھٹے
کے مقام پر اُس کا خاتمہ کر دیا ۔ سلطنت کی حالت اس وقت بہت متزلزل تھی ۔
اُس کا بھانجا اور جانشین فیروز شاہ تغلق ایک ہر دل عزیز بادشاہ تھا اور ساتھ ہی
اس کے بہت نرم دل بھی تھا ۔ وہ ہمیشہ محمد بن تغلق کی سختیوں کو سخت تاسف کی نگاہ سے
دیکھتا رہتا تھا ۔ تخت پر بیٹھتے ہی اُس نے سب سے پہلے تلافی مافات اور مرحوم
کی روح کو ایصال ثواب اور مواخذۂ عقبیٰ سے بچانے کی کوشش کی ۔ گناہ دو قسم کے
ہوتے ہیں حقوق اللہ اور حقوق العباد ۔ حقوق العباد بدون شخص متضرر کے معاف کیئے کے ساقط
نہیں ہوتے ۔ فیروز شاہ کی نیک دلی نے بہت کچھ اشک شوئی کی اور لوگوں کے زخمی
دلوں کو چنگا کیا ۔ جن جن کے ہاتھ پاؤں اور ناکیں کٹوائی تھیں یا آنکھیں نکلوا ڈالی
تھیں سب کو بہت کچھ دے دلا کر استمالت اور دل جوئی کی اور اُن کے تحریری معافی نامے
ایک صندوق میں رکھ کر بادشاہ کے سرہانے دفن کرا دیئے تاکہ ارحم الراحمین اپنی
رحمت سے اُس کی خطاؤں پر قلم عفو پھیر دے ۔ ع ۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

رباعی

ممکن نہیں عبد سے عبادت تیری　　لطف و کرم و عطا ہی عادت تیری
قطرہ قطرہ ہیں گو کہ عصیاں میرے　　دریا دریا مگر ہی رحمت تیری

دلّی میں سنگ سرخ کی عمارتیں کثرت سے ہیں لال قلعہ اور جامع مسجد میں زیادہ تر

سنگ سرخ ہی ہی مگر تغلق شاہ کے مقبرے کا سنگ سرخ اپنے چھچو اتے شوخ رنگ کا ہی کہ آج بھی نظر میں کھبا جاتا ہی - ایک تو پتھر چنندہ اُس پر پالش ایسی کہ نظر پھسلی ہی پھر وصل ایسا کیا ہی کہ باوجود صدہا برس گزر جانے کے اب تک ایک درز بھی نہ کھلی ایسا معلوم دیتا ہی کہ آج بنا ہی - قلعہ کے پاس مغرب کی طرف یہ مقبرہ ہی - گنبد کا طرز مصری وضع کی عمارتوں کا ہی دیواریں اوپر سے سکڑی نیچے سے چوڑی - اسی طرز کا دلی میں قاضی کے حوض کا پولیس سٹیشن بنا ہی - دیواروں میں اجارے تک سنگ مرمر لگا ہوا ہی - فرش سنگ خارا کے چوکوں کا ہی - اندر تین قبریں دو ایک ہی وضع کی ۹ × ۵ × ۵ فٹ - مشرق کی طرف کی قبر ۹ × ۴ × ۴ فٹ ہی - یہ قبریں مشرق کی طرف ہٹا کر بنائی گئی ہیں مقبرے کے وسط میں نہیں ہیں - معلوم ہوتا ہی کہ اور قبروں کے لیئے عمداً جگہ چھوڑی گئی ہی - تینوں طرف کے دروازوں کے اوپر سنگ مرمر کی جالیاں ہیں - مغرب میں پیش طاق اور دروازہ بنا ہی - دروازوں کی چوکھٹیں چھ فیٹ کی ہی - مقبرہ اندر سے ۲۸ فٹ - ۹ - انچ مربع ہی - مقبرہ باہر سے مثمن ہی جس کا ہر ایک ضلع ۵۸ فٹ ہی - جنوب کی طرف ایک سہ گہے دالان کے باہر وار ایک کنواں ہی جو پردے کا کنواں کہلاتا ہی - اس طرف تہ خانے کا دروازہ ہی جو اندر ہی اندر چلا گیا ہی -

گرد مقبرے کے ایک وسیع کنگورے دار فصیل نما کمپونڈ ہی جسکی دیوار ۱۲ فیٹ اونچی ہی جس میں (۴۶) کوٹھریاں ہیں - کمپونڈ کے چاروں کونوں میں سہ دریاں بنائی ہیں مقبرے اور کمپونڈ وال کے درمیان ۲۹½ فٹ کا فصل ہی - کمپونڈ وال کیا ہی قلعے کی فصیل ہی کہ بہت بلند کرسی دے کر مقبرہ بنایا ہی - کمپونڈ کے چاروں کونوں پر برج نما فیل پایے دُھس کی طرح کے بنائے ہیں - مقبرے کے مشرق میں ایک دالان میں قبر کا ایک تعویذ سنگ خارا کا ۲½ × ۱ فٹ - ۳ انچ - ۱ فٹ - ۷ انچ اونچا ہی - لوگ کہتے ہیں کہ یہ کتّے کی قبر ہی مگر مجھے اس میں شک ہی مجھے تو وہ کسی قبر کا اُکھڑا ہوا تعویذ معلوم دیتا ہی جو اس دالان میں یونہیں لا کر ڈال دیا ہی - مسلمانوں کے ہاں تو کتا ناپاک ہی پھر اُس کی قبر کیسی - مجھے تو یہ لوگوں کی من گھڑت معلوم دیتی ہی - مقبرے کا سنگ سرخ کا صدر دروازہ گو بڑی کرسی دے کر بنایا ہی مگر مقبرے اور کمپونڈ کے لحاظ چھوٹا ہی ۲۸ فٹ کی اونچان اور چھ فیٹ کی چوڑان کا دروازہ بالکل غیر موزوں ہی پٹ چوبی ہیں

مگر زمانہ حال کے پہلے کے اصلی کواڑ نہیں رہے۔ کلس سنگ سرخ کا ہے اوپر کا نوکدار حصہ ٹوٹ گیا حصۂ زیرین باقی ہے۔ اس گنبد میں اوپر چڑھنے کا کوئی زینہ نہیں رکھا گیا

مقبرے کے دروازے کے پاس کا نامعلوم مقبرہ

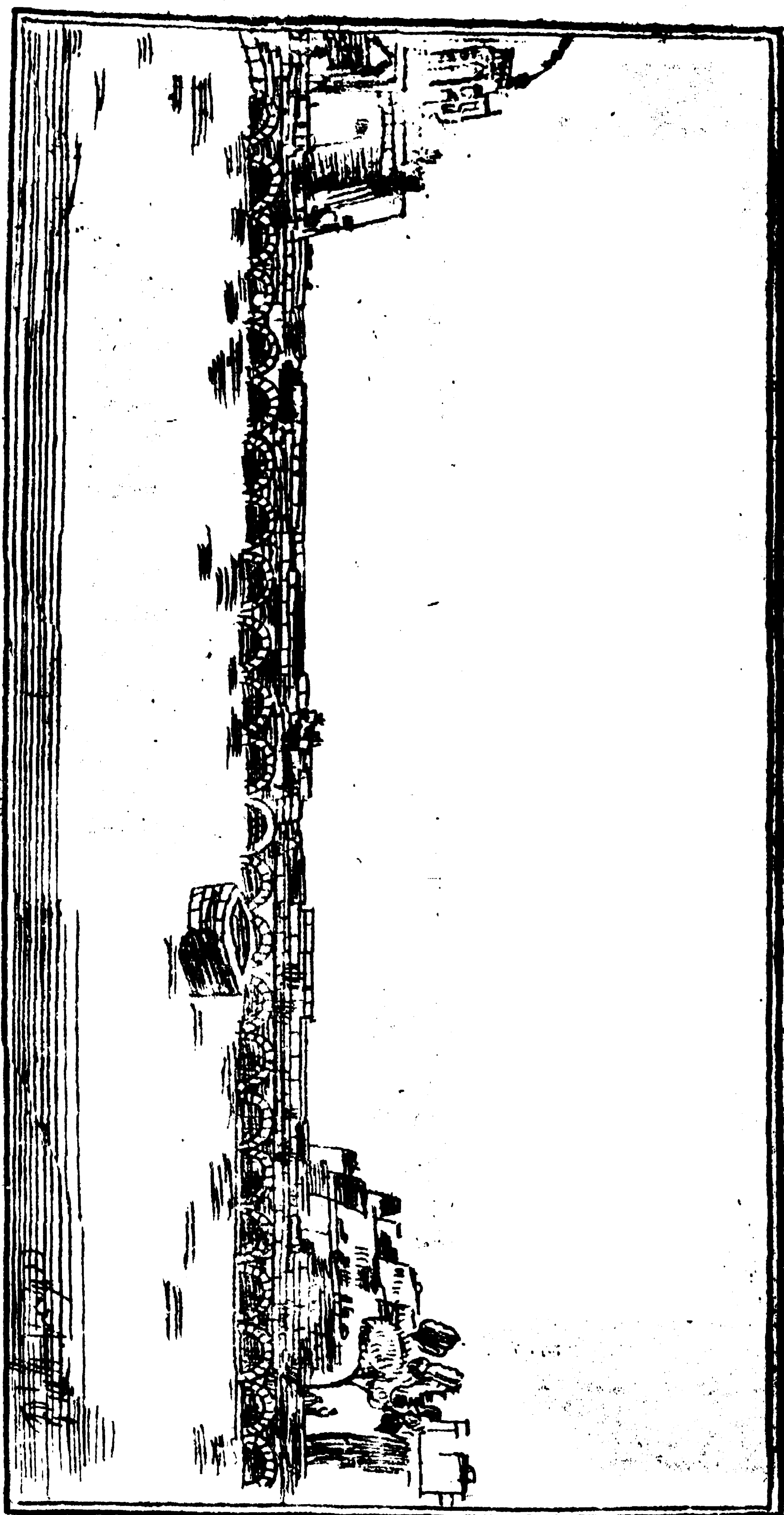
سلطان محمد تغلق کے مقبرے کے کمپونڈ کے اندر مشرقی برج کے کونے میں اور صدر دروازے کے بائیں کونے میں خدا جانے کس کی قبریں ہیں جو فیروز شاہ کی ترمیم کے وقت بھی موجود تھیں بس اتنا ہی سٹیفن صاحب لکھ کر چپ ہو گئے اور سر سید نے تو اس برج کا ذکر ہی نہیں کیا۔ مقامی لوگ ان قبور کو محمد تغلق کے وزیر اور اُن کی بی بی کی قبریں بتلاتے ہیں مگر نام کسی کا نہیں لیتے۔ مقبرے کے داخلی دروازے پر ایک لمبا چوڑا کتبہ ہے جو باوجود غور کے مجھ سے پورا نہیں پڑھا گیا لیکن بادشاہ کا نام علاء الدولہ والدین صاف ہے جس کا زمانہ ۱۲۹۵-۱۳۱۵ء ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کے عہد میں یہ مقبرہ بنا اور طرز عمارت اور کتبوں کے خط کی روش بھی علائی دروازے کی سی ہے۔ کتبہ میں سے صرف اس قدر عبارت نکلی ہے:۔ "باب عمارت خیر در عہد ہمایون مجلس اعلی ...... عالم علاء الدولہ والدین المظفر ....."

یہ مقبرہ ہے تو چھوٹا سا جس کا قطر ۱۹½ فٹ ہے مگر بہت خوب صورت ہشت پہل نہایت پالش کیے ہوئے سنگ باسی اور سنگ خارا کا بنا ہوا ہے جس کا ایک ضلع ۱۰ فٹ ہے۔ اندر تو آٹھ در ہیں مگر دروازے دو ہی ہیں ایک جنوب میں دوسرا مشرق میں جو تنگ اور پست ہیں اس سبب سے مقبرے کے اندر تاریکی رہتی ہے۔ گیلری ۲ فٹ ۷ انچ چوڑی ہے۔ مقبرے کے اندر صرف دو قبریں ہیں ایک سنگ مرمر کی ۶ - ۳ × ۲ - ۱ - ۳ - ۱ اونچی۔ دوسری گچ کی ۵ - ۲ × ۲ - ۲ - ۲ - ۳ اونچی۔ ہر ہر در کی محراب پر کلام مجید کی آیتیں کثرت سے لکھی ہوئی ہیں۔

جنوب کی طرف - پہلی آرچ - بسم اللہ - قل ھو اللہ - دوسری - شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ تا وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ اور آیۃ الکرسی - تیسری - بسم اللہ - قل ھو اللہ - چوتھی - پانچویں - چھٹی آیۃ الکرسی - ساتویں بسم اللہ - قل ھو اللہ

آٹھویں شہد اللہ اور آیۃ الکرسی۔
مشرق کی طرف - پہلی آرچ - بسم اللہ قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع - دوسری الملک ممن تشاء تا انک علیٰ کل شیٍٔ قدیر- تیسری تولج اللیل فی النہار تا وترزق تشاء بغیر حساب -
چوتھی - بسم اللہ انا فتحنا لک فتحاً مبیناً تا ماتقدم من ذنبک - پانچویں وماتأخر تا وینصرک اللہ نصراً عزیزاً - چھٹی - ھوالذی انزل السکینۃ تا وللّٰہ جنود السموات والارض - ساتویں تا فوزاً عظیماً - آٹھویں - ویعذب المنفقین والمنفقت تا عزیزاً حکیماً -
بالائی محرابوں پر - (۱و۲) بسم اللہ سورۂ والفجر -
(۳) بسم اللہ - سورۂ قل اور آیۃ الکرسی تا لہ ما فی السموات -
(۴) وما فی الارض تا الا بما شاء -- (۵) وسع کرسیہ السموات تا وھوالعلی العظیم - (۶) لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم - رب قد اتیتنی من الملک وعلمتنی تا والحقنی بالصلحین - (۷) یسئلونک عن الخمر والمیسر تا لعلکم تتفکرون -
اب صرف ایک کتبہ رہ گیا اور وہی بڑا اہم ہی جس میں بانی وغیرہ کا نام ہی یہ جنوب رخ پر دروازے کی دہلیز میں اندر وار لگا ہوا ہی - کچھ بہت اونچے پر بھی نہیں ہی لیکن اول تو اندھیرا ہی دوسرے یہ کہ لوگوں نے چربے اُتارنے کی غرض سے روشنائی لگا لگا کر بالکل غارت کر دیا ہی صرف داد خاں مرحوم جمدار پڑھا جاتا ہی باقی حصہ نہیں نکلتا اگر یہ کتبہ پڑھا جا سکے تو اس مقبرے میں کون دفن ہی صحیح طور پر اُس کا پتہ معلوم ہو جاے -

فصیل مقبرہ اُس مقبرے کی فصیل اور دروازہ بھی نہایت شان دار اور بغایت خوب صورت ہی - دروازہ تمام سنگ سرخ کا ہی اور اُس میں ایک دالان ہی - تیئیس سیڑھیاں چڑھ کر مقبرے کے صحن پر پہونچتے ہیں - فصیل اُس کی نہایت عجیب ہی - سمجھ میں نہیں آتا کہ



بنانے والے نے اُس کی فصیل ایسی ٹیڑھی میڑھی کیوں بنائی شاید
جس طرح کا پہاڑ ہوگا اُسی لحاظ سے فصیل کو پیچ و خم دیئے ہوں گے۔
اگرچہ یہ مقبرہ تکونیہ کوٹ کر کے مشہور ہے یعنی مثلث پر یہ بھی غلط ہے
اس واسطے کہ دونوں ساقیں اُس کی مستقیم نہیں ہیں اُن کے بیچ میں بھی ایک ایک
زاویہ منفرجہ پیدا ہو گیا ہے۔ فصیل میں قلعہ کی طور پر برج و بارہ بنے ہوئے
ہیں۔ ایک برج تو اس مثلث پر جانب جنوب ہے اور دوسرا مثلث کے
شرقی ضلع پر اور تیسرا اور چوتھا قاعدہ مثلث پر جانب شمال اور غرب بنا ہوا
ہے۔ تیسرے برج پر ایک اور برج ہے اور اُس میں بھی کچھ نامعلوم قرینہ
ہیں اور ضلع غربی میں مقابل برج ضلع شرقی کے پکا کنواں ہے کہ اُس کا پانی
مقبرے کے رہنے والوں کے برج میں آتا تھا۔ فصیل کے اندر کے
رخ حجرے فقرا اور مساکین کے رہنے کے بنے ہوئے ہیں۔ گرد اس
مقبرے کے سلطان فیروز شاہ نے پانی کا بند بنایا تھا اور مقبرے
اور قلعے کے دروازے کے بیچ میں پل باندھا تھا کہ اس سبب سے اس
مقبرے اور قلعے کو عجیب رونق ہو گئی تھی۔

مقبرے کا پُل

یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ پل کس نے
بنایا ہے لیکن قرینہ اس بات پر دال ہے کہ یہ پل
فیروز شاہ بن سالار رجب کا بنوایا ہوا ہے جو سلطان محمد تغلق شاہ کے
بعد تخت پر بیٹھا تھا۔ فیروز شاہ نے اپنے عہد میں بہت سے پل اور بند
بنائے ہیں عجب نہیں کہ یہ بھی اُسی سنہ بنایا ہو۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو ۷۵۵ھ
کے بعد یہ پل بنا ہوگا۔ اس پل اور پانی کے بند بندھنے کے سبب حقیقت
میں اس قلعے اور مقبرے میں جان پڑ گئی ہے۔ مشرق کی طرف تو تغلق آباد
کا قلعہ ہے اور مغرب کی طرف پہاڑ اور جنوب کی طرف عمارت ہزار ستون
شمال کی طرف سے پانی آ کر قلعے کے نیچے کوسوں تک بھرا رہتا تھا اور
اس مقبرے کے گرد پانی بھر کر عجیب عالم دکھاتا تھا اور یہ مقبرہ کٹورہ سا

معلوم دیتا تھا - پانی کا لہریں کھانا اور ٹھنڈی ہوا کا چلنا اور پہاڑوں پر سے سبزے کا دکھائی دینا جنت کی یاد دلاتا تھا - مقبرے کے چاروں طرف اِس قدر پانی بھرا رہتا تھا کہ مقبرے میں جانے کو رستہ نہ ملتا تھا اس واسطے یہ پُل مقبرے کے دروازے سے قلعے کے دروازے تک بنایا گیا تھا - سر سید نے جب ۱۲۶۳ھ - ۱۸۴۷ء میں آثار الصنادید لکھی ہی اُس وقت تک بھی مقبرے کے گرد پانی بھرا ہوا تھا مگر اب تو ایک قطرہ بھی نہیں زراعت ہوتی ہی - یہ بند پہلے بلم گڑھ کے راجہ ناہر سنگھ کی عملداری میں تھا جب ہی وہ شکستہ تھا اب سرکار نے اُس کی مرمت کرادی ہی - مقبرے سے سڑک تک پُل برقرار ہی اور سڑک کی دوسری طرف سے قلعے تک کا حصہ ٹوٹ گیا - اب یہ پُل صرف ۸ فٹ چوڑا ہی جس پر ۳ فیٹ اونچی منڈیر ہی اور گہران ۱۹ فیٹ ہی - پہلی حالت قایم نہیں اب تو صرف رستے کے طور بنا دیا گیا ہی - دربھی بیت بھر جانے سے اَٹ گئے ہیں - اگلے وقتوں میں بڑے بڑے نالے جو اس نواح میں جاری تھے اس بند میں کاٹ کر ڈالے گئے تھے اور قطب صاحب کے شمسی تالاب سے اس میں بارہ مہینے پانی آتا تھا چنانچہ جھرنے میں اب تک بند موجود ہی - اب وہ تالاب بھی ٹوٹ پھوٹ گیا اور اُس کے شکم میں بھی زراعت ہونے لگی - غرض یہ کہ ذرائع آمدنی مسدود ہو گئے اب پُل صرف براے نام باقی ہی -

عادل آباد - یا محمد آباد
یا عمارت ہزار ستون ۷۲۸ھ - ۱۳۲۷ء

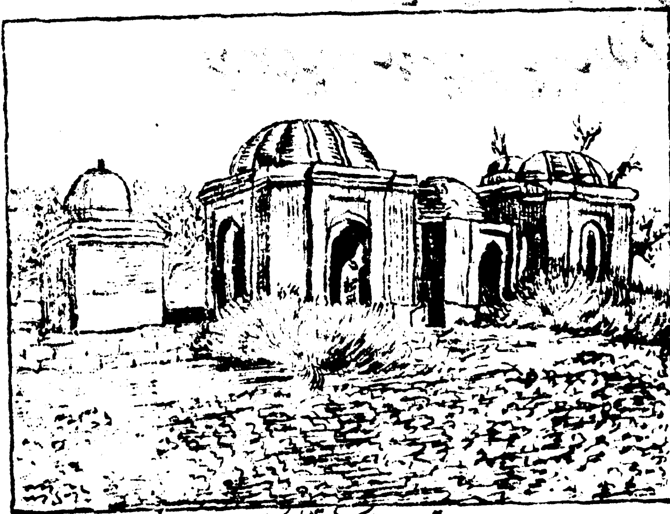
غضب ہی کہ دو دن ہی فصلِ بہار
چڑھے گا چمن پر خزاں کا بخار
یہی ہستیِ چند روزہ بھی ہی
کہ دو دن میں ہی دفترِ عیش طی
اسی زندگانی پہ سب مست ہیں
کہ دو دن میں سب حوصلے پست ہیں
اسی نقشِ موہوم پر ناز ہی
جہاں اک طلسمِ خدا ساز ہی
کوئی ملک گیری میں سنلے تاب ہی
کوئی عیش و عشرت میں سنلے خواب ہی

تغلق آباد کے جنوب میں اسی قلعے کے ساتھ دو قلعے اور بھی ہیں جنوب مشرق کے کونے میں جو ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے اُس پر کا قلعہ محمد شاہ تغلق کے نام پر سے محمد آباد کہلاتا ہے اور چونکہ بادشاہ کا پورا نام محمد عادل تغلق شاہ عرف فخر الدین جُونا تھا اسی کو بعض لوگ عادل آباد بھی کہتے ہیں اور ہزار ستون سنگ مرمر کے اس میں لگائے تھے اس سبب سے "عمارت ہزار ستون" بھی کہتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان صرف بطور سیرگاہ کے پہاڑوں کے بیچ میں کہ میدان ہے جس میں ہمیشہ پانی رہتا ہے اُس پہاڑی پر جو بالکل لب آب ہے یہ قلعہ بنایا اور شہر تغلق آباد کے دروازے سے اس قلعے کے دروازے تک ایک پُل بنایا اور اُسی میدان کے غرب میں اپنے باپ کا مقبرہ بنوایا اور مقبرے اور اس قلعے کے دروازوں کے پاس بھی پل بنوایا اور قلعے کی شمالی دیوار کے آگے پانی کے کنارے عمارت ہزار ستون بنائی۔ اب تو اس قلعے میں کچھ باقی نہیں رہا ساری عمارتیں گر گرا گئی ہیں اور عمارت ہزار ستون کا تو نام و نشان بھی باقی نہیں لیکن وضع و قطع مکانات کے لحاظ سے قرینہ مقتضی اس امر کا ہے کہ ہزار ستون کی عمارت بارہ دری کی وضع کی تھی اور دو منزلہ تھی بلکہ عجب نہیں کہ سہ منزلہ بھی رہی ہو۔ اس قلعے کے تعمیر کی تاریخ فَادْخُلُوْهَا ۔ ہے۔ بعض لوگوں کو شبہ پڑا ہے کہ یہ وہی محل تھا کہ جس کے تلے غیاث الدین تغلق شاہ دب کے مرا تھا حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے وہ چھوٹا سا محل افغان پور کے پاس تین دن میں ۱۳۲۴ء ۷۲۵ھ میں بنا تھا جو بجلی کے صدمے سے گر پڑا اور وہ محمد تغلق نے زمان ولی عہدی میں بنوایا تھا اور یہ اپنی تخت نشینی کے بعد بنوایا۔ کہاں وہ کہاں یہ؟ - ابن بطوطہ نے اس بادشاہ کی شان میں بہت کچھ زہر اُگلا ہے اور بہت کچھ برا بھلا کہا ہے مگر اَلْحَقُّ یَعْلُوْا وَلَا یُعْلٰی اُس کے مُنہ سے بھی یہ نکلا کہ "یہ بادشاہ سب سے زیادہ عدل گستر تھا"۔ شہر تغلق آباد کے جنوب و مشرق میں جو قلعہ ہے اُس کے کئی نام ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہوں کے ردوبدل کے ساتھ مقامات کے نام بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ کوئی تو اسے "قلعۂ شاہنشاہی" کہتا ہے کوئی "دھوبی کا قلعہ" کوئی "داہنا قلعہ" دونوں قلعے بالکل چھوٹے سکیل پر قلعۂ تغلق آباد کی نقل ہیں۔ ان کی فصیل بھی نیچے سے

پھیلی ہوئی اور اوپر سے سکڑی ہے جو بڑے بڑے پتھر کے ڈھیموں سے بنی ہوئی ہے اور حصار کے اندر قلعے کے علاوہ بستی بھی تھی۔ عادل آباد کا دَور کوئی نصف میل کا ہے اور دوسرے قلعے کا اس سے بھی کم دونوں قلعوں کے اندر بالا حصار مرتفع مقام پر بنا ہوا ہے جو خود فصیل سے محصور ہے۔ عادل آباد کا صدر دروازہ بالا حصار کا بھی داخلی دروازہ ہے۔ باہر کی فصیل قلعے کے جنوب میں بستی کی طرف ہے۔ مشرق کی جانب تغلق آباد کے سلسلے کے ستون سے فصیل دُہری ہوگئی ہے اور پل کے برابر دور تک چلی گئی ہے جو نشیب میں بنا ہوا ہے۔ اس قلعے میں ہزار ستون نامی ایک مشہور محل تھا جو علاء الدین خلجی کے اسی نام کے محل سے بالکل جدا تھا اور جو بعد میں جہاں پناہ کے حصار میں آگیا تھا۔ سرسید نے اس محل کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے ستون سنگ مرمر کے تھے اور یہ محل سہ منزلہ تھا۔ لیکن ابن بطوطہ اس کے خلاف اسے ایک بڑا ہال لکھتا ہے کہ جس کے ستون چوبی وارنش کیئے ہوئے تھے اور چھت بھی چوبی تھی جس پر نہایت عمدہ اور نفیس رنگ کیا ہوا تھا۔ دوسرا قلعہ گو چھوٹا ہے مگر وضع قطع میں پہلے قلعے کی طرح کا ہے۔ اس قلعے کے چاروں طرف مکانات اور عمارات کے کھنڈر پڑے ہیں اور جا بجا گھڑے گھڑاے اور نقش و نگار کیئے ہوئے پتھروں کے ٹکڑے بکھرے ہوئے ہیں۔

ستیوں کے مٹھ

تغلق آباد کے پاس ہی ایک پہاڑ پر چار برج ہندوانی وضع کے بنے ہوئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہندوانی عورتوں کے ہیں جو اپنے شوہروں کی وفات کی وجہ سے ستی ہوگئیں اور زیادہ کوئی تفصیل معلوم نہیں۔



ستیوں کے مٹھ (تغلق آباد)

ضمیمہ (۱) فرامین شاہی وغیرہ

دلّی کے عجائب خانۂ آثار قدیمہ واقع قلعہ میں بہت سے فرمانوں اور مراسلوں کو بڑی خوش اسلوبی سے سجایا ہے۔ یہ ایک نادر مجموعہ ہے جس کی نقل ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ عجائب خانے کے فرامین کے علاوہ بھی کچھ دستیاب ہوئے تھے وہ بھی اس میں درج کیے گئے۔ فرمانوں کی خطاطی اور عبارت آرائی دونوں قابل قدر ہیں۔ اب اس زمانے میں نہ یہ خط باقی ہیں نہ یہ سیاہی میسر آتی ہے جو صدہا سال کے بعد بھی ایسی منجلی ہے کہ گویا آج کا لکھا ہوا ہے۔ ان فرامین کے ملاحظہ سے پرانے زمانے کی شاہی مراسلت اور احکام کا طرز اس زمانے کے محصولات مقامی کے نام ایسے نظر سے گزریں گے جن سے ہمارے کان آشنا نہیں۔ فرامین کے نقل کرنے میں تا بہ امکان اصل فرامین کی طرز کتابت کا تتبع کیا گیا ہے زمانۂ حال کی املا نویسی کے طریقے کی پابندی نہیں کی گئی اور جہاں سطر ختم ہوئی ہے وہاں ایک چلیپہ بنا دیا گیا ہے۔ یہ تمام فرامین اس قابل ہیں کہ ان کے فوٹو دیے جاتے مگر اس صرف خطیر کے بار کا تحمل ناممکن تھا پھر بھی آپ کو صحیح نمونہ دکھلانے کے لیے دو فرمانوں کے فوٹو دیے ہیں اسی پر سے ان کی خوبی کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

(۱) فرمان سلطان علاء الدین خلجی بنام راجہ رتن سین راجہ چتوڑ مع جواب راجہ موصوف

بسمع[1] اقدس و ہمایون ما رسیدہ کہ آن زبدۂ راجگان عقیدت نشان کنیز خوش جمال فرخندہ خصال از جزیرۂ سراندیپ آوردہ است باید کہ آں تحفۂ صنعت الٰہی و نمونۂ قدرت ایزدی را بزودی روانۂ درگاہ فلک اشتباہ ما سازد ہر آئینہ بظہور ایں خدمت شایستہ مورد تفضلات شاہی و مطمح نظر الطاف خسروی تواند بود و در صورت انحراف و نافرمانی بپاداشش کردار خواہد رسید۔

عرضی جوابی راجہ رتن سین	بر ضمیر آفتاب نظیر آں خدیو کشور گیر مخفی نخواہد بود

[1] یہ واقعہ سنہ ۱۳۰۳ع کا ہے۔ ۱۲

کہ شاہان دین دار و خواقین معدلت شعار حرمات محترمات و مخدرات محصنات فدویان خاص وجان نثاران با اختصاص را ننگ و ناموس خود تصور می فرمایند و ذات قدسی صفات خویش از ظل الحق دانستہ مخلوق الہی را بزیر سایۂ حفاظت و امنیت خود نگاہ می دارند نہ باغواے نفسانی و رغب شہوانی از حد حق پرستی و دائرہ خداشناسی بیرون شتافتہ راہ ناواجب طی می نمایند۔ حیف است کہ مسیحا کار اجل فرماید و خضر طریقہ گمرہی نماید۔ پاسبان را دزد شدن نشاید و راعی را گرگ بودن نباید و اگر نیت حق طویت ہمی اقتضا می کند بسم اللہ این گوے و این میدان۔ ؎

بیا و نوش کن پیمانہ چند | فداے مقدمت پیمانہ چند

لیکن معلوم است کہ در عالم غیرت و ناموس ذرہ با خورشید ہمچشمی می کند و مور با سلیمان مقابل میشود۔ اینک رخش ہمت و مردانگی ما در صف و سر شجاعت و شیر دلی برکف ؎

وقت ضرورت چو نماند گریز | دست بگیرد سر شمشیر تیز

(۲) عرضداشت خان اعظم مرزا کوکلتاش بجواب فرمان اکبر بادشاہ کہ از مکہ معظمہ فرستادہ بود منقول از دربار اکبری

کمینۂ فراشان آستان کیوان مکان ملایک آشیان خاقان جمشید نشان فریدون شان کیخسرو دستگاہ کیومرث بارگاہ سکندر جاہ عالم پناہ انجم سپاہ آسمان خرگاہ ظل سبحانی عزیز کوکہ بعرض میرساند کہ راے انور بر مطلب این غلام کمینہ فایض و صادر گشتہ بود جان و دل را کہ خلاصۂ آب و گل ہست با جمعی کثیر از رو سائے اخلاص و اتحاد بخدمت حجاب درگاہ گیہان پناہ کہ مبداے سخا و منشا عظمت و کبریا ست فرستادن چون مفتی عقل و فتوی قاضی گمان بلکہ یقین سجل ہجران و مہجوری کہ در دست سلے دربان نوشتہ دادہ بود بر ناقابلی فرسودہ دست ملالت در گردن کردہ ماند چون دانست بیقین کہ احادیث تحریک اعدا موثر و کارافتادہ مزاج اشرف را بعنیت و تحسین چند کہ بمسامع جاہ و جلال رسانیدہ از کمینۂ درگاہ منحرف ساختہ اند و ہادی رائے عالم آرائے

بساط بوسان آن درگاہ بہ قتل و قمع این سنلے گناہ راہنموں گشتہ بخاطر رسید کہ چشم خاکسار سنلے مقدار را کہ در خدمت قابلان آن درگاہ آسمان نشان پرورش یافتہ بمرتبہ اعظم خانی و عزیز کوکگی و حکومت گجرات سرافراز شدہ ہم بواسطۂ این تشریفات بخاک مکہ معظمہ مقدسہ منورہ رسانیدہ کہ با کافران ہندوستان جمعی را کہ پروردۂ خوان الوان انعام واحسان بادشاہ جہان پناہ باشد و در یک محل مدفون ساز و محض گستاخی و غایت سنلے ادبی است و فاجرم گجرات را کہ آنکہ معمورۂ دار السلطنۃ بود بہ معتمدان سپردہ غبار ملال و اختلال خویش را از گوشۂ خاطر خاکروبان آن آستان ملائک آشیان شستہ دست از مطالبات آنجا و پاے ادب را کوتاہ ساختہ موسطی کہ محض بسعی جانسپاری خود از معارک کفار جمع ساختہ بود بدست عدل بیرون آوردہ از حلال ترین چیزہا دانستہ سفر گزیدہ آن قدر جمعیت از مکاسبات مذکور بدست آورد کہ اگر خواہند منصب اعظم خانی را در بارگاہ بادشاہ روم کی اشرف مکان ربع مسکون بتصرف ایشانست میتواند خرید - اما خلاصۂ ہمت مصروف آنست کہ وظیفہ بحرم سحق مصالح پاک دین آن ملک مقرر سازد و مدرسہ بنام نامی حجاب بارگاہ بندہ پرور حضرت خاقانی باتمام رساند کہ تا انقراض عالم ورد زبان مورخان جہان باشد و خود دران مدرسہ بحث علوم دینی و فکر شعر کہ عبارت از توحید و نعت و منقبت اصحاب بودہ باشد و دعاے دولت روز افزون اشتغال میداشتہ باشد - امید آنست کہ از رفتن این کمترین غلامان بہ حاشیۂ ضمیر خاکروبان آستان غبارے نخواہد نشست بلکہ مطلب سخن چینان و عیب کنندگان کہ عدم بود این معدوم است بحصول نخواہد پیوست کہ منصب اعظم خانی و حکومت گجرات و عشرت عزیز کوکگی را باین محروم سنلے مشمر ندبنا چار جمع مذکورات را پیشکش عیاش نمودہ کہ ایشان را میسر نیست بدون بندہ و تمکن کہ این کمینہ را میسر باشد بدون ایشان چوں آخر الامر نسیم لطف شامل حال بوستان مطالب و مقاصد دیگران شد و نہال امید و حقوق خدمت بندہ را سموم محرومی خشک سالی بخشیدند - بندہ از فدوی کہ نہاد و عاقبت اندیشی بابسگان آن آستان چند کلمہ گستاخی نمودہ بعرض می رساند کہ جمعی خاطر اشرف را از دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیگانہ و متجنب می سازد حاشا کہ دوست باشند و کمینہ کہ نیک نامی دنیا و عقبی می طلبد دشمن و واجب الاخراج

باشم والا کار دنیا بازیچہ الیست نا پائدار بر حرف دو سہ خوش آمد گوئی آخرت بدنیا فروش اعتماد نباید کرد - ہمہ عالم را گوش ہوش است - پیش ازیں سلاطین بودہ اند کہ ہمہ صاحب تمکین بودند ہیچ بادشاہی را دغدغہ نہ شد کہ دعوی پیغمبری و نسخ دین محمدی نماید - بل ما دامے کہ چون مصحف اعجازی چون چہار بار چند بار پسندیدہ باشد وشق قمر بامثال ایں چیزہا واقع بود مردم میکنند یارب دغدغہ چہار یار بودن کدام جماعت رامی شدہ باشد - قلیچ خان صفائی ظاہر و باطن و عصمت جبلی دارد یا صادق خان کہ شرف رکابداری از بیرام خان یافتہ یا ابوالفضل کہ شجاعت و حیایش ہمای علی و عثمان می تواند بود - بخداوند بخاکپائے بادشاہ قسم جز عزیز کسی کہ نیکنامی طلب باشد نیست و ہمہ مدار بر خوش آمد و روز گذرانیدن دارند و آنکہ نیکنامی طلب بندہ است کہ تا بود جز حرف نیکنامی بر زبان نہ آید الحال ہم در مکہ مقدسہ منورہ کاری نخواہد کرد کہ خلاف نیکنامی باشد -

خلاف پیمبر کسے رہ گزید ۔ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

فرقے کہ میان اکابر مجلس بہشت آئیں و بندہ کمترین است ہمین است کہ ابوالغازی در فرمان بندہ اضافہ کردہ دیگران کافران را بر مسلمانان ترجیح دادند کہ بر صحف لیل و نہار خواہد ماند - آنچہ بر بندہ واجب است در آں تقصیر نرفت والدعا -

(۳) فرمان مہری شاہنشاہ جہانگیر - جس کی رو سے پچاس بیگہ اراضی پرگنہ سکیت میں فیروز خاتون زوجہ سید محمود کو بطور مدد معاش عطا ہوئی مورخہ ۱۸ سنہ جلوس مطابق ۱۰۳۱ھ - پشت فرمان پر مہر غیاث الدین کی ہے جو زیادہ تر اپنے خطاب اعتماد الدولہ سے مشہور ہیں اور مشہور نور جہاں بیگم کے والد تھے جو شاہنشاہ جہانگیر کی چہیتی بیگم تھیں - مہر میں یہ کندہ ہے (مرید شاہ جہانگیر شد غیاث الدین)

دریں وقت فرمان عالیشان سعادت نشان شرف اصدار وعز ....

یافت موازی پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت بار آتھے از پرگنہ سکیت سرکار ہ از ابتدائے خریف توشقان ییل در وجہ مدد معاش مسماۃ فیروز خاتون کوج محمود وغیرہ با فرزندان بموجب ضمن مقرر و مسلم شد کہ ہ حاصلات آنرا فصل و سال بسال

در وجہ معیشت خود خرج وصرف نمودہ بدعاگوئی دوام دولت ابدقرین اشتغال نمودہ باشند
می باید کہ حکام وعمال وجاگیرداران وکروریان حال واستقبال واستمرار واستقرار انحکم
اقدس اعلے کوشیدہ اراضی مذکور راپیمودہ وچک بستہ بتصرف آنہا بازگذاشتہ
اصلاً تغییر وتبدیل بدان نہ دہند وبعلت مالوجہات واخراجات مثل قنلغہ وپیشکش وجریانہ
وضابطانہ ومحصلانہ ومہرانہ وبیگار وشکار و دہ نیمے مقدمی وصدوئی قانون گوئی
وضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک وتکرار زراعت وکل تکالیف دیوانے ومطالبات
سلطانے مزاحمت نرسانیدہ درینباب × ہر سال فرمان وپروانہ مجدد نطلبند واگر
محلی دیگر چیزی داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند از فرمودہ درنگذرند تحریراً فی التاریخ
۳۱ر خورداد ماہ الٰہی سنہ ۔

(۴) فرمان مہری شاہنشاہ شاہجہاں جس کی رو سے عہدۂ صدارت
سرکار سنبھل اور بدایوں مع یومیہ دو روپیہ جس کی ادائی خزانۂ اکبرآباد سے کی جائے گی
بنام شیخ فتح محمد جو داماد تھے ملا عبداللطیف کے مورخہ ۱۴ر رمضان سنہ جلوس
شاہجہانی (۱۸) مطابق سنہ ۱۰۵۴ھ ۱۶۴۴ء

اللہ اکبر

درینوقت عالیشان سعادت نشان شرف اصدار وایراد دریافت کہ × خدمت
صدارت سرکار سنبھل وسرکار بدایوں بفضیلتماب شیخ فتح محمد خویش × ملا عبداللطیف
سلطانپورے ومبلغ دو عدد روپیہ روزینہ بلاقصور از خزانۂ دارالخلافۂ اکبرآباد
بشرط مذکور در وجہ مدد معاش مشارالیہ حسب الضمن مقرر ومفوض باشد کہ کما ینبغے
بلوازم و × مراسم آنخدمت قیام واقدام نمودہ در تحقیق فوتی وفراری ارباب مدد معاش
ووظائف وبازیافت تغلب ولباس آنہا مساعی موفورہ بتقدیم رسانیدہ موافق
دستور وقانونی کہ درینولا مقرر شدہ × بہ عمل آوردہ ہر سال نسخۂ منقح دراں باب
درست داشتہ بدیوان الصدارہ میرسانیدہ باشد می باید کہ حکام وعمال ومتصدیان
مہمات وجاگیرداران وکروریان حال واستقبال در استمرار واستقرار انحکم اشرف اقدس
اعلے کوشیدہ دست تصدی مومی الیہ را در امور متعلقہ آں امر قوی ومطلق داشتہ

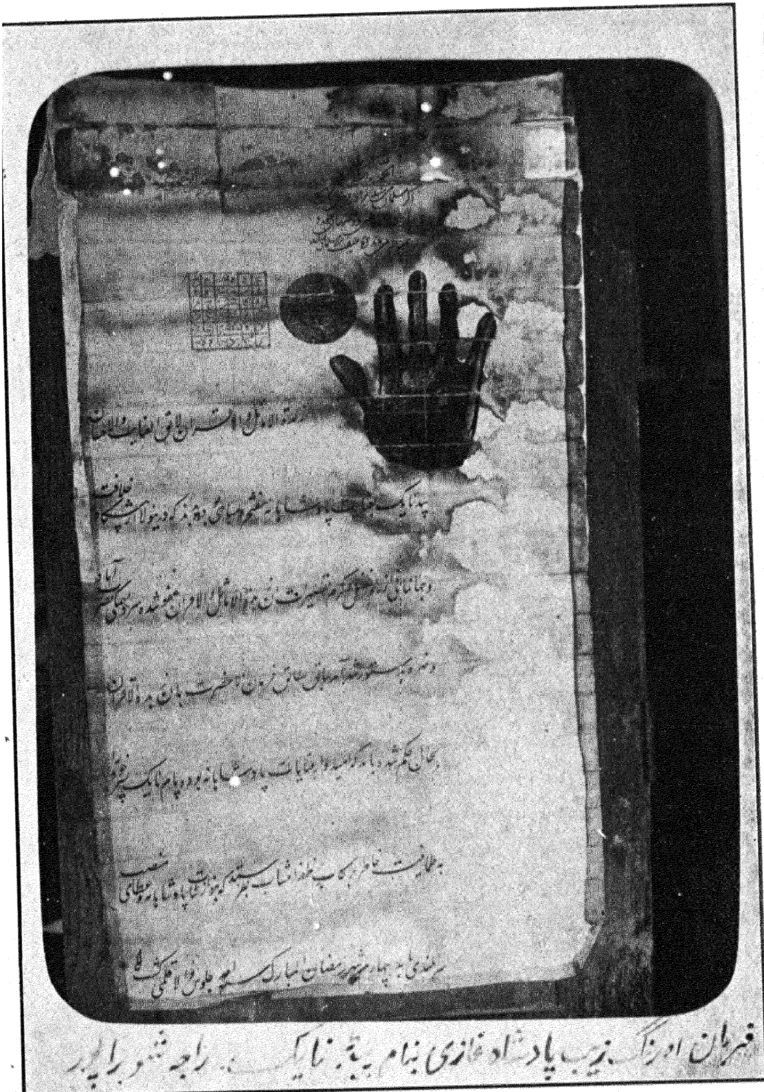
تمامی اصحاب مدد معاش و وظایف را با اسناد آنہا بدو رجوع نمودہ × بموجب تصحیح او منظورہ معتبر شناسیدہ اراضی وظیفہ جمعی راکہ باز یافت نماید بہ خالصہ شریفہ ضبط نمایند و متصدیان مہمات دیوانی دار الخلافہ مذکورہ مبلغ مزبور را سامان و سرانجام نمودہ بموے الیہ میرسانیدہ × باشند و چیزی از انجملہ قاصر و منکسر نگردانند و اگر در محلے دیگر چیزی داشتہ باشند آنرا اعتبار نکنند سبیل جمیع اہل مدد معاش و وظایف آں سرکار ہا آنکہ مشار الیہ را صدر مستقل خود ہا دانستہ تمامے اسناد خود را × بدو نمودہ اراضی جمعی را بتصحیح نرسانند قابض و متصرف بودہ بدعاے دوام دولت ابدی الاتصال اشتغال مینمودہ باشند از فرمودہ تخلف و انحراف نورزند و تحریراً فی التاریخ ۱۴ ار شہر رمضان المبارک ۳ شہ جلوس میمنت مانوس ۱۰۳۸ شہ ہجری۔

(۵) فرمان مہری شہزادہ داراشکوہ موسومہ راجہ ٹوڈرمل مزینہ

۲۰ ر محرم ۱۰۶۱ ھ
۲۴ ر دسمبر ۱۶۵۰ ع

لایق العنایہ والاحسان قابل الرحمہ والامتنان راجہ ٹوڈرمل بعنایات × سلطانی مفتخر و مباہی گشتہ بداند کہ چوں در ینولا شیخ اللہ داد نواسہ × ملا عبد اللطیف مرحوم بعرض عالی [illegible] کہ آنمرحوم بموجب فرمان خجستہ عنوان ظل سبحانی خلیفۃ الرحمانی یکقطعہ باغ و کٹرہ و دکاکین چند در × قصبہ سلطان پور داشت و در حالت صحت ..... سلہ س و ثبات عقل ہمہ املاک خود را مع حویلی مسماۃ اللہ ستی کہ والدہ رافع باشد بطوع و رغبت خود × تملیک نمودہ و تملیک نامہ را بدستخط و مہر خود درست کردہ بالو دادہ چنانچہ رافع فرمان عالیشان و خط تملیک مزبور بدست ..... سلہ لہذا الحکم والا × شرف صدور یافت کہ آں شجاعت شعار برطبق فرمان و تملیک نامہ مسطور عمل نمودہ

سلہ ۱ و ۲ دونوں جگہ کے حروف کاغذ پھٹ جانے سے ضائع ہو گئے ہیں۔ پہلی جگہ باقی ماندہ سں و سیاق عبارت سے معلوم ہوتا ہی کہ ہوش وحواس ہوگا۔ حت کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ ۱۲



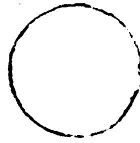
فرمان اورنگ زیب پادشاہ غازی بنام پیڈ نایک راجہ شوراپور

املاک مذکور را برافع مقرر و مسلم دارد و قدغن نماید کہ احدے بیوجہ حساب و برخلاف حکم مزاحم و متعرض احوال او نشود و دران املاک مداخلت ننماید درین باب تاکید شناخته تخلف نوازد — ۲۰ محرم سنہ ۱۰۶۰ ہجری —

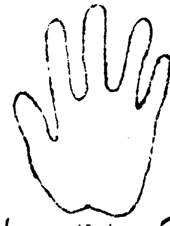
(۶)
پہلا فرمان عالمگیری
سنہ ۱۰۶۸ھ
۱۶۵۹ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد و الشکر
اگر مسلمان
می شد برادر



دین ما شدے محفوظ می ماند و از بلاے
سے ہلے وطنی دشمنہا بیعد محفوظ می ماند اما حیف کہ مسلمان نشد



زبدة الاماثل و الاقران لایق العنایت و الاحسان
پیڈ نایک بعنایت بادشاہانہ مفتخر و مباہی بوده بداند کہ دریں و لا از پیشگاه خلافت و جہانبانی از راه فضل و کرم تقصیرات آں زبدة الاماثل و الاقران عفو شده سر ویسلی نصرت آباد

ف ۱ — یہ فرمان سنہ ۱۰۶۹ء سال اول جلوس اورنگ زیب کا پیڈ نایک راجۂ شوراپو ضلع گلبرگہ کے نام کا ہے اس پر ایک چھوٹی مہر ہے جو بالکل مٹی ہوئی ہے اور دوسری مربع ہے جس میں طغرائے عربی ہے لیکن دوسرے دو فرمان چھتیسویں سال جلوس کے چکنا نایک دوسرے راجۂ شوراپور کے نام ہیں اُن پر بھی ایسی ہی مہریں ہیں جن کی عبارت ہم نے خوردبین کی مدد سے بدقت تمام پڑھ لی ہے —

بخط نستعلیق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نشان عالی متعالی
پادشاہ
جہان شاہ
محمد اعظم شاہ

بفرمان ابو المظفر
محی الدین اورنگ زیب عالمگیر
پادشاہ غازی



وغیرہ بدستور شد آمد سابق مطابق فرمان والا حضرت بآں زبدة الاقران بحال محکم شد
باید کہ امیدوار عنایات پادشاہانہ بودہ یام نایک پسر خود را بہ طمانیت خاطر برکاب
ظفر انتساب بفرستد کہ بنوازشات پادشاہانہ و عطاے منصب سربلندی یابد
چہارم شہر رمضان المبارک سنہ احد جلوس والا قلمی گشت ۔

(۷) بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیادت و نقابت مرتبت نجابت و شرافت منزلت نقاوہ دودمان ارشاد و ہدایت خلاصہ
خاندان رشاد و افاضت نیر جہانتاب برج رسالت اختر نور بخش اوج ولایت المختص بعواطف
الباطنی والظاہری شاہ حضرت قادری بفیض ایزدی بہرہ ور باشند بعد ہذا مخفی نماند کہ سابقاً
حقیقت رسیدن مغل بموضع کربراسنگی شکوتہ نگارش فرمودہ بمسارعت تمامتر فرزند و لشکر و احشام آں
عالیشان رفیع القدر بلند مکان مسعود خاں را بحضور انور آوردن نگاشتہ شدہ بود اما تا حال آں
مکان تمکنت عدول کردند و احوال اینجا اینست کہ لشکر مغل دریں تخریب پرگنہ جمکندی تیرول
وغیرہ ملک معمور شدہ و خان رفیع الشان شرزہ خاں را کہ حکم فرمودہ بود بہ معز الیہ است
بدار الخلافہ امروز کہ تاریخ ششم است بمجرد اطلاع اخبار حادثات رسید نقل دریں
مشار الیہ می رسد یقین تصور نمودہ در حالیکہ حقیقت مرقومہ بمطالعہ در آید معہ فرزند
و لشکر و احشام خاں معز الیہ راہ دار السلطنة پیش گرفتہ بیایند
والا رسیدن بآں سیادت پناہ ممکن و میسر نخواہد شد مشہور است
کہ کار امروز بفردا مفگن ہاں زنہار چوں شود روز دگر نوبت کار
دگر است الحال بجز جنگ و جدال و قتل و قتال صورتی دیگر مقصود نیست زیادہ آں سیادت پناہ دانا اند

یا محی الدین مدد

نوٹ ۔ یہ اصل فرمان مجھ کو سید احمد صاحب نبیرۂ قادری جاگیردار آنا ہسور سے ملا ہے جو نہایت خوش خط سنہری
منقش کاغذ پر لکھا ہوا ہے ۔ اس پر کوئی تاریخ نہیں ہے مہر دستی میں صرف مدد یا محی الدین کندہ ہے جو فرمان کے
داہنے حاشیہ پر ثبت ہے اور کسی وزیر کی معلوم ہوتی ہے مگر بلحاظ واقعات اواخر زمانۂ سلطنت علی عادل شاہ
ثانی (۱۰۶۷ تا ۱۰۸۳ھ) یا اوائل سلطنت سکندر عادل شاہ کا معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں سید الیاس المخاطب
بہ شرزہ خاں اور مسعود خاں دونوں موجود تھے اور شرزہ خاں کے نام اورنگ زیب کا فرمان سنہ ۱۰۹۳ھ کا علیحدہ

(بقیہ نوٹ بر صفحۂ آیندہ)

بسم الله الرحمن الرحیم

سیادت و نقابت مرتبت نجابت و شرافت منزلت نقاوه دودمان ارشاد و هدایت خلاصه خاندان [illegible] ارشاد و

شاه حضرت قادری

نیر جهانتاب برج رسالت اختر نوربخش اوج ولایت المختص بعواطف الباطنی والظاهری بفیض ایزدی

بهره ور باشند بعد هذا مخفی نماند که سابقا حقیقت رسیدن مغل بموضع کر براسنکی و تیکوته بکار [illegible]

نموده بمسارعت تمام فرزند و لشکر و احتشام [illegible] خان عالیشان رفیع القدر بلند مکان مسعود خان را بحضور

آوردن نگاشته شده بود اما تا حال از مکان متمکنه عدول نکردند و احوال اینجا اینست که لشکر مغل در پی

تخریب پرگنه جکندی و [illegible] و غیره ملک معموره شده و خان رفیع [illegible] شهزاده خان را که حکم

نموده بودیم معز الیه راست بدار الخلافه [illegible] تاریخ ششم است بمجرد اطلاع [illegible]

رسیدند و مغل در پی مشار الیه میرسد یقین تصور نموده در حالتی که حقیقت مرقومه بمطالعه درآید

مع فرزند و لشکر [illegible] خان معز الیه را بدار السلطنه [illegible] بیایند و الا رسیدن آن

[illegible] سیادت پناه ممکن و میسر نخواهد [illegible] است کار امروز بفردا منکر [illegible]

چون شود روز دگر نوبت کاری دگر است الحال بجز جنگ و جدال و قتل و قتال صورتی دیگر متصور نیست زیاده آنسیادت پناه دانا اند

(۸) منشور مہری شاہنشاہ اورنگ زیب بعطاے دہ بگیہ اراضی واقع پٹی ہیبت پور صوبۂ لاہور بہ مسماۃ عایشہ مورخہ ۱۲ رجب ۱۰۶۹ھ ۱۶۵۹ء - یہ فرمان بحالت شہزادگی نافذ ہوا ہے کیوں کہ اورنگ زیب گو ۱۰۶۸ھ میں تخت نشین ہوا لیکن باقاعدہ طور پر تخت نشینی کا اعلان ۲۴ رمضان ۱۰۶۹ھ کو ہوا یعنی اس فرمان کی اجرائی کے دو مہینے بعد -

اللہ اکبر

درینوقت منشور لامع النور شرف صدور وعز ظہور یافت کہ ×

پٹی ہیبت پور من سفافات صوبۂ دار السلطنت لاہور از ابتداے ربیع تنکوزییل در وجہ مدد معاش مسماۃ عایشہ حسب الضمن مقرر شدہ × کہ حاصلات آنرا فصل بفصل سال بسال صرف یحتاج خود نمودہ بدعای دوام دولت ابد طراز اشتغال مینمودہ باشد می باید کہ × حکام وعمال وجاگیرداران وکروریان حال واستقبال در استمرار واستقرار اینحکم والا کوشیدہ اراضی مذکورہ را پیمودہ وچک بستہ × بتصرف او بازگذاشتہ اصلا ومطلقا تغییر وتبدیل بدان راہ ندہند وبعلت مالوجہات واخراجات مثل قلغہ وپیشکش وجریبانہ وضابطانہ × و محصلانہ ومہرانہ وداروغگانہ وبیگار وشکار ودہ نیمی ومقدمی وصدروی قانون گوئی وضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک وتکرار زراعت وکل × تکالیف دیوانی ومطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند ودرین باب ہر سالہ سند مجدد نطلبند واگر در محلی دیگر چیزی دیگر داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند از قرار دہ درنگذرند بتاریخ ۱۲ شہر رجب ۱۰۶۹ھ ہجری ست تحریر پذیرفت ۵

(تکملہ نوٹ صفحۂ گزشتہ)

موجود ہے جس سے اندازہ اس فرمان کے سنہ کتابت کا لگایا جاسکتا ہے - قدیم زمانے میں ایسے فرامین طبلق اور کمربند لگ کر آتے تھے اور کمربند پر ایک طرف القاب اور دوسری طرف تاریخ تحریر اور درمیانی حصے پر نام مکتوب الیہ اور پشت پر مہر ہوتی تھی یہ طریقہ مراسلت کا میرے دیکھے ہوئے نواب مختار الملک بہادر سر سالار جنگ اول کی مدار المہامی تک جاری تھا - اب انگریزی تہذیب نے ان سب قیود سے آزاد کر دیا ہے - المصنف

(۹) فرمان مہری اورنگ زیب بعطاے اراضی یکصد بگیہ در پرگنہ بہت سرکار سہارنپور صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد بنام سماۃ صاحب دولت ودیگران بطور مدد معاش مورخہ ۴ ربیع الاول سنہ ۵ جلوس م سنہ ۱۰۷۳ھ ۱۶۶۲ء

درینوقت فرمان عالیشان فرخندہ عنوان شرف صدور یافت کہ موازی یکصد بگیہ زمین افتادہ لایق زراعت خارج جمع از پرگنہ بہت متعلق بسرکار سہارنپور من مضافات صوبہ دار الخلافہ شاہجہان آباد × از خریف پارس ئیل در وجہ مدد معاش سماۃ صاحب دولت وغیرہا حسب الضمن مقرر ومفوض باشد کہ حاصلات × آنرا فصل بفصل وسال بسال صرف مایحتاج خودہا نمودہ بدعاے بقاے دولت ابد مدت اشتغال نمودہ باشند × می باید کہ حکام عمال وجاگیرداران وکروریان حال واستقبال در استمرار واستقرار اینحکم والا × کوشیدہ اراضی مذکور را پیمودہ وحک بستہ بتصرف آنہا بازگذاشتہ اصلاً ومطلقاً تغییر وتبدیل × بدان راہ ندہند وبعلت اوجہات واخراجات مثل قنلغہ وپیشکش وجریبانہ وضابطانہ ومحصلانہ و × مہرانہ وداروغگانہ وبیگار وشکار ودہ نیمی ومقدمی وصدی ونیمی قانونگوی × وضبط ہرسالہ بعد از تشخیص چک وتکرار زراعت وکل تکالیف دیوانی ومطالبات سلطانی مزاحمت نرسانند ودرین باب ہرسالہ سند مجدد × نطلبند واگر در محلی دیگر چیزی داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند تاریخ چہارم شہر ربیع الاول سنہ پنج از جلوس والا نوشتہ شد۔

(۱۰) فرمان مہری اورنگ زیب بعطاے یومیہ عـہ از خزانہ لاہور بنام محمد باقر نبیرۂ عبد اللطیف مورخہ ۱۹ شعبان سنہ ۶ جلوس م سنہ ۱۰۷۴ھ ۱۶۶۴ء

درینوقت فرمان عالیشان سعادت نشان شرف صدور یافت کہ مبلغ یکروپیہ بلاقصور یومیہ از خزانہ دار السلطنت لاہور در وجہ مدد معاش محمد باقر نواسۂ ملا عبد اللطیف سلطانپوری کہ طالب علم کثیر العیال است حسب الضمن

مقرر و مفوض باشد از اصرف × ما یحتاج خود نمودہ بدعا ر بقا ر دولت ابد مدت اشتغال بینمودہ باشد می باید کہ حکام و عمال × متصدیان مہمات و متکفلان المعاملات و داروغگان و مشرفان حال و استقبال آنجا در استمرار × و استقرار الحکم اشرف اقدس اعلے کوشیدہ مبلغ مذکور را از خزانۂ مزبور بمشار الیہ میرسانیدہ باشند و از انجملہ چیزی قاصر و منکسر نگردانند و دریں باب ہر سالہ حکم و سند مجدد نطلبند و اگر در محلی دیگر چیزے داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند بتاریخ نوزدہم شہر شعبان سنہ شش از جلوس والا نوشتہ شد۔

(۱۱) سند مطلا و مہری محمد شاہ بادشاہ بخط شفیعہ مشعر سرفرازی بر عہدۂ قضارت پرگنۂ جلیسر صوبۂ اکبرآباد بنام شیخ محمد رضا سنہ جلوس (۱)

علیین آشیاں[1]

گماشتہای جاگیرداران و کروریان و جمہور سکنۂ پرگنۂ جلیسر وغیرہ سرکار و صوبہ اکبرآباد را اعلام آنکہ × وکیل شیخ محمد رضا ولد شیخ محمد عوض التماس نمود کہ موکل بموجب پروانہ عہد مرقوم بست ہفت رجب سنہ الیہ × منصب قضای پرگنہ مذکور وغیرہ سرفرازی دارد امیدوار است کہ پروانہ مطابق عہد مرحمت شود حسب الحکم اعلے قلمی میگردد کہ مشار الیہ را بدستور سابق حسب الضمن دانستہ دست التصدیع[2] موی الیہ را امور متعلقہ انخدمت مستقل دانند × و دیگر را سہیم و شریک او ندانند دریں باب قدغن دانستہ حسب المسطور بعمل آید پنجم شہر ربیع الثانی لہ سنہ[3]

---

[1] فرامین و احکام میں بہ پاس ادب سطر میں جگہ چھوڑ کر نام بادشاہ کا پیشانی پر لکھ دیتے ہیں۔

[2] بجنسہ ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔

[3] فرامین پر بجائے دستخط کے صاد بنا دیتے تھے یا بیض کر دیتے تھے۔ ۱۲

(۱۲) فرمان مُہری محمد شاہ بادشاہ متضمن عطاے خدمت قلعہ داری ارک بندر مبارک سورت اور خطاب بیگلر خاں ۱۴ر جمادی الاولی سنہ ۳۰ جلوس م ۱۱۶۱ھ / ۱۷۴۸ء

لایق العنایت وقار خاں بنوازش بادشاہی امیدوار بودہ بداند که درین زمان × میمنت اقتران بفضل وکرم خسروانہ از راه بنده پروری او را بخدمت غدمت × حراست قلعۂ ارک بندر مبارک سورت وعطاے خطاب بیگلر خاں از انتقال بگلر خاں حارس متوفی سرمایہ مفاخرت ومباہات بخشید × باید شکر وسپاس عنایت مقدس ومعلی بجای آورده در محافظت قلعه و توزوک واحتشام وموجود داشتن ذخیره مطابق ظابطه مستمره × جد وجهد فراوان بکمال ہوشیاری وخبرداری بتقدیم رساند درین امور از حضور ساطع النور تاکید موفور داند چہار دہم جمادی الاولی سال سیم از جلوس والا نوشته شد۔

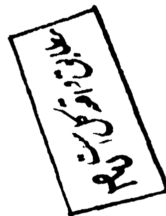
(۱۳) سند مطلا بنام نجیب الدولہ جن کو منصب سہ ہزاری اور غیاث الدین حیدر کا خطاب ملا۔ مورخہ ۳ر محرم ۱۱۸۲ھ / ۱۷۶۸ء

بتاریخ چہارشنبہ سوم شہر محرم الحرام سنہ جلوس میمنت مانوس موافق ۱۱۸۲ ہجری مطابق ماه برساله امارت ونجابت ومرتبت وشہامت وایالت منزلت × دانای مدارج دین ودولت شناسای مراتب ملک وملت فرازندۂ لواے شوکت وحشمت طرازنده بساط ابہت وعظمت اعتضاد خلافت وفرماں روائے × اعتماد سلطنت کشور کشای ظفر پیرای معارک جہان ستانی عیش آرائی محافل کامرانی ماہج مناہج ملک

[seal text:] ... منشی ... مقدس ومعلی ...

[seal text:] ...

سلہ اصل فرمان میں اسی طرح ہی۔ در اصل یہ ضابطہ ہی۔ ۱۲



وبال بانی مبانی دولت و اقبال دقیقه یاب
سرائر سلطانی رمز شناس × عالم مزاجدانی
جوهر مرات حقیقت ودوا فروغ شمع یکرنگی و صفا
همدم دلکشای مجلس خاص محرم خلوت سرای
صدق و اخلاص کارفرمائی سیف و قلم مدبر امور
عالم × قدوه خوانین بلندمکان عمدهٔ امرای
عظیم الشان مرید مرشد پرست بی ریو رنگ نفاوه فدویان با فرهنگ استظهار
مجاهدان با عظم افتخار دلیران معرکهٔ ارم × امیر صیانت تدبیر ممالک مدار مشیر روشن ضمیر
عالی مقدار لازم الاختصاص والاعزاز واجب الاحترام والامتیاز رکن السلطنة
پادشاه سلیمان اقتدار بخشی الممالک × امیرالامرا ناصرالملک نجیب الدوله نجیب خان
بهادر ثابت جنگ سپه سردار نوبت واقعه نگاری کمترین خانه زادان درگاه آسمان جاه
عقیدت التیام × اندراج قلمی میگردد و حکم جهان مطاع آفتاب شعاع شرف نفاذ
یافت که غاز (ی) الدین حیدر به منصب سه هزاری ذات و دو هزار سوار و خطاب
خانی و بهادرے × سرفراز باشد واقعه بتاریخ دوم محرم الحرام سنه موجب
تصدیق یادداشت قلمی شد

شرح دستخط ×
امارت و نجابت مرتبت ×
شهامت و ایالت منزلت و اتالیقی مدارج ×
دین و دولت شناسای مراتب ملک و ملت وانابه
لواے × شوکت و حشمت طراز بساط ابهت و عظمت
اعتضاد خلافت و × فرمان روائی اعتلاء سلطنت و سریر آرائی
لطف پیرائی معارک جهان بانی عیش آرائی × معاقل کامرانی
[illegible] ملک و مال بانی مبانی دولت و اقبال
دقیقه یاب اسرار سلطانی رمز شناس
عالم مزاجدانی جوهر مرات
حقیقت

ووفا فروغ شمع
یکرنگی وصفا همدم دل کشای مجلس
خاص محرم خلوت سرای صدق و اخلاص کارفرمای
سیف وقلم بر امور عالم قدوهٔ خوانین بلند مکان عمدهٔ امرای
عظیم الشان مرید درست بی ریو رنگ نقاوه فدویان با فرهنگ
استظهار مجاهدان باعزم افتخار دلیران معرکه رزم امیر صیانت تدبیر ممالک
مدار شیر روشن ضمیر عالی مقدار لازم الاختصاص والاعزاز واجب الاحترام
والا معیار + رکن السلطنة بادشاه سلیمان اقتدار بخشی الممالک امیر الامرا
نام الملک نجیب الدوله نجیب خان بهادر ثابت جنگ سپه سالار
سردار آنکه داخل واقعه نمایند +

نقل خط انوار صاد

فرد مزین صاد خاص بدفتر رسید که غازی الدین حیدر را
پیشگاه خلافت و جهانبانی امید والتفضلات خاقانیست
که به منصب سه هزار ذات و دو هزار خطاب خانی و بهادری
سرافراز شود شرح دستخط
بخشی الممالک آنکه مطابق صاد خاص بعمل آرند

۳ هزار ذات
اعـــــ سوار

تحریر فی تاریخ شهر صد ره سنه الیه

(۱۴) فرمان شاہ عالم ثانی متضمن عطاے جاگیر مالیتی یک لک ہفتاد و پنج ہزار دوام جس کی آمدنی نوسو روپیہ تھی مورخہ ۷ ربیع الاول ۲۲ سنہ جلوس مطابق ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۱ء

درینوقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ مبلغ یک لک و ہفتاد و پنج ہزار ہشتصد و شصت و پنجدام موضع کولیہ وغیرہ عملہ پرگنہ شکرپور وغیرہ سرکار صوبہ دار الخلافہ شاہ جہان آباد کہ مبلغ نہصد روپیہ حاصل آنست بابت محال جاگیر محمدی خاں عرف باچو خواص درجۂ انعام التمغائی حسین بخش وغیرہ متعلقان خان مشار الیہ با فرزندان تصدیق و یادداشت و توفیر آنچہ از حسن تردد بر جمع آن بیفزاید از ابتدای ربیع او دیل حسب الضمن مقرر باشد باید کہ فرزندان نامدار کامگار والا تبار و وزراے ذوی الاقتدار و امرای عالی مقدار و حکام کرام و عمال کفایت فرجام و متصدیان مہمات دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً دموبداً در استقرار و استمرار این حکم مقدس معلی کوشیدہ دامھای مرقومہ را نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بحالہا و محلہا بتصرف آنہا واگزارند و از صوادم تغییر و تبدیل مصئون و محروس دانستہ بعلت پیشکش صوبہ داری و فوجداری و مال و جہات و سائر اخراجات مثل قلعہ و محصلانہ و داروغانہ و خبطانہ و شکار و بیکار و دہیمی مقدمہ و صدد و ہی و قانون گوئی مزاحم و متعرض نشوند و از کل تکالیف دیوانی و مطالبات خاقانی معاف و مرفوع القلم شمارند درین باب تاکید اکید و قدغن مزید دانستہ ہر سال سند مجدد و نطلبند و از ریگ تیغ کرامت تبلیغ والا تخلف و انحراف نورزند بتاریخ ہفدہم شہر ربیع الاول سال بیست و دوم از جلوس ابد مانوس معلی زیب تحریر یافت

(۱۵) نکاح نامہ مرزا شہاب الدین و مداری بیگم مورخۂ شب ۲ شوال ۱۲۴۱ھ مہری قاضی مرزا خلیل الرحمن جو نہایت مطلا اور مذہب ہی یہ نکاح نامہ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو قلعہ معلی میں بوقت قبضۂ انگریزی ملا اور مسٹر امری شونگیر نے

(Mr Imre Schweiger) عجائب خانہ واقعۂ قلعہ کو تحفۃً دیا

اطلعت بهذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی جعل النکاح سنۃ سنیۃ للانام و فصلا قاطعا متمیزاً بین × الحلال والحرام حصنا حصینا عن التفاحش والاثام و تمتعاً فی اللیام والایام × و الصلوۃ والسلام علی من جاء بامر فانکحوا ماطاب لکم من النساء و قال تزوجوا و تناسلوا × و تکاثروا فانی متکاثر بکم الامم یوم العرض واللقاء و علی آلہ المعصومین و اصحابہ اجمعین × امابعد این وثیقہ صحیحہ شرعیہ نبویہ بزیور صدق آراستہ مشعر و مبنی است بر اینکہ × بتاریخ شب ہفتم شوال المکرم سنہ ۱۲۳۱ ہجریہ مقدسہ نبویہ علیہ التحیۃ والثناء در محفل عقد حاضر آمد × حافظ نظام علی بن نور محمد کہ وکیل ثابت الوکالت بالنکاح است از قبل تتق نشین عصمت سماۃ × مداری بیگم بنت مرزا مونگا بشہادت شاہدین العادلین الحرین البالغین احدہما مرزا حسین بخش ابن مرزا جمعہ و ثانیہما مرزا عظیم الدین بن مرزا شجاع الدین وکیل مذکور بنفس نفیسہ سماۃ مذکورہ بعوض کابین مبلغ پنجلکھہ روپیہ سکۂ رائج الوقت کہ ثلث ازان معجل و ثلثان منہ موجل الی بقاء النکاح بزنی و زوجیت و وجہ دودمان سلاطین نامدار × مرزا شہاب الدین بن مرزا لکھو داد و ناکح مذکور بنفس نفیسہ سماۃ ممدوحہ را بعوض کابین المذکورین × خواست و قبول کرد و در عقد نکاح صحیح شرعی خود در آورد و بینہما ایجاب و قبول شرعی واقع شد × و عقد نکاح منعقد گشت نکاحاً صحیحاً شرعیاً جائزاً نافذاً علی سبیل الشہرۃ والاعلان و لاعلی الطریق الخفیۃ والکتمان فقد وقع ذلک فی التاریخ شہر صدر و سنہ الیہ **بیصر**

اس نکاح نامے کے حاشیے پر شاہزادوں کی گواہیاں حسب ذیل ہیں :-

مرزا شہاب الدین (ناکح) مرزا لکھو صاحب - مرزا الو صاحب - مرزا محمد - محمود -

مرزا سر بلند بخت ـ مرزا خداداد ـ مرزا ببو ـ

(۱۶۱) خط فارسی من جانب لارڈ منٹو موسومہ مہاراجہ رنجیت سنگھ پنجاب مورخہ ۳۱ ر اکتوبر ۱۸۰۸ع مع لفافہ طلائی تکلیاں اور افشاں کیا ہوا خط شکستہ جس کی پشت پر مہر گورنر جنرل بہادر کے دفتر کی ہے ـ

مہاراجہ صاحب بسیار مہربان شفیق دوستان اخلاص نشان سلامت

بعد اشتیاق دریافت حصول موفور المسرت کہ متجاوز التحریر × و التقریر است مشہود
خاطر مہربانی مظاہر میدارد سوال و جواب × مطالب آنکہ از وقت ورود شہامت
و عوالی مرتبت × ابہت و معالے منزلت مٹکاف صاحب بہادر بدربار آن مشفق ×
بعمل آمدہ کیفیت آن مفصل از ارقام صاحب موصوف بدریافت مخلص رسید
بعضی امراتیکہ در اثنائے این گفتگوہا × روئے ظہور آوردہ موجب تغیر و باعث خاطر
اتحاد [illegible] شد × مقتضی برین گشت کہ مخلص بذریعہ قطعہ محبت نامہ کیفیت ×
ما فی الضمیر و مکنونات خاطر خود محیط بیان درآرد × مشفقا مقصود از تعیناتی صاحب
موصوف بدربار آن مشفق × ہمین بود کہ معزی الیہ از کماہی خطراتیکہ عاید شدن آن
بر ہر دو [illegible] نسبت بملک آن مشفق متصور است بخدمت اطلاع دادہ × جہت اندفاع
آن طرح انداز د مصلحت و موافقت ہر دو سرکار شود × چنانچہ صاحب موصوف
تفصیل این اجمال را تقریر بحانہ × در خدمت آن شفیق بمعرض اظہار درآوردہ اند
واگرچہ درحقیقت تقرر اینچنین سررشتہ موافقت خالی از انتفاع × این سرکار ہم
نیست زیراکہ گروہ خدلال پژوہیکہ متبع زیان رسانی نسبت بممالک سرکار آن مشفق
است × از معاندان این سرکار نیز متصور لیکن درصورت پیشقدمی × آن گروہ
محفوظ و مصئون بودن ملک آن مشفق از آسیب و تعدی آنہا × بلا اعانت و امداد
اہالی سرکار کہ بفضل الہی نظر بر مراتب قدرت و فرط استعداد و اقتدار خودہا ×
اسباب حفاظت و حراست ممالک محروسہ بجمیع وجوہ × حاصل و واصل دارد امر
محال است ازانجاکہ بظاہر اسباب × صداقت این مقال بر وجہ احسن و روشن

مستحسن منقوش (حاشیہ پر آڑی سطروں سے) خاطر آنشفق گردیدہ بود × دریصورت بالفعل دریافت اینمعنے کہ × آنمشفق اقبال سوال مزبور اکہ کمال منفعت × بل قیام سرکار آنشفق دران متضمن است منحصر ومشروط برین داشتہ بوونند × کہ سرداران سکھان اینطرف رودستلج کہ ازمتوسلان وزیر سایہ × بحفاظت این سرکار ہستند اہالی این سرکار روادار دست درازی آنشفق زیر تعلقات اینہا نشود وجب × استعجاب خاطر اتحاد مآثر گردیدہ معہذا ہرگاہ اینہم بظہور پیوست × کہ آنشفق باوجود معقول ومسطور داشتن اینمعنے کہ در مقدمہ × سرداران مزبور از مخلص استصواب واستصلاح بعمل آید × خود مع فوج رودستلج را عبور ساختہ درممالک آنہا × درآمدہ بتسخیر قلعہ جات اقدام نمودہ بودند مکان استعجاب × زیادہ از سابق لاحق خاطر مودت ذخائر گردید مشفقا مدارج وفا پرستے واعتدال پژوہے اہالے سرکار × انگریز بہا در بر آنشفق وجمیع رؤسا وسرداران ایندیار × بخوبی واضح ولائح است × چنانچہ قوم مرہٹہ درایام تسلط خود × بممالک سمت شمال ہندوستان از سرداران سکھان × پیشکش وخراج میگرفتند ودست اختیار از سر اینہا × وراز وآنہا را زیر اطاعت خود ہا میداشتند × بعد ازان وقتیکہ اہالی این سرکار محض جہت صیانت × ممالک محروسہ از دست پیش قدمی وزبردستی قوم مزبور × مجبوراً ارتکاب محاربہ پرداختہ برممالک ہندوستان × مسلط شدند × ایتلاف وانجذاب قلوب سرداران سکھان بذریعہ تمشیت سررشتہ فلاح وبہبود نہا مپیشنہاد خاطر خواطر داشتہ از اخذ پیشکش وخراج مال از ہرگونہ مطالبہ و × مزاحمت اجتناب ورزیدہ سرداران مذکورین رابلا قید × وحصر درمیان تعلقات اینہا مختار گردانیدہ پس ہرگاہ × اہالی موصوف محض نظر بر رفاہ احوال واستقرار اختیار × سرداران مذکور درمیان تعلقات مفوضہ اینہا × از اجرای حکومت واجبی نسبت باینہا دست بردار شدند × چہ جای امکان باشد کہ اہالی موصوف روادار تحکم × سرکاری وگریز سرسرداران سکھان مذکورین توانند گردید × ازانجا کہ اینمعنی بررای رزین آنشفق نیکو ظاہر خواہد بود دریصورت مخلص رایقین حاصل کہ آنشفق از تقدیم ارادۂ خود × نسبت سرداران

مزبورین معطوف الیمنان خواہند گشت - مشفقا بزودی بعطفے مراتب پیلے

Minto (منٹو)

نقل لفافہ - بمطالعہ ساطعہ مہاراجہ صاحب بسیار مہربان شفیق دوستان استظہار مخلصان مہاراجہ رنجیت سنگہ بہادر سلمہ اللہ تعالیٰ مطلوب باد -

لفافے کے عرض پر - مرقومہ سی ویکم ماہ اکتوبر ۱۸۰۸ء عیسوی مطابق دہم رمضان ۱۲۲۳ھ ہجری

(۱۷) لارڈ آکلینڈ کا خط موسومہ ابو نصر معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۸۳۷ء جس میں لاٹ صاحب معزز نے حضور بادشاہ ولیم چہارم کی وفات اور حضور ملکہ معظمہ وکٹوریا کی تخت نشینی کی اطلاع دی ہے -

To His Majesty,

Abu Nusur Moyeen-ooddeen

Mohummad Akber Shah Badshah Ghazi

My royal and illustrious friend,

I have learned by Dispatches recently received overland from England the mournful intelligence of the death of His most gracious Majesty King William the Fourth, whom after a happy and prosperous reign of seven years it pleased the Almighty to call to his Mercy on the 20th of June in the year of our Lord One thousand Eight Hundred and thirty seven.

The late Sovereign by his many excellent

لے عبارت نامکمل ہونے سے یہ خط نا تمام معلوم ہوتا ہے گر اختتام عبارت پر لانشان کے دستخط خاتمہ کی دلیل ہیں یہ بھی ممکن ہے اور کچھ عبارت رہی ہو - ۱۲

qualities, had greatly endeared himself
to his subjects who deeply and unani-
mously lament his loss.

By the demise of His late Majesty
the Imperial Crown of the United Kingdom
of Great Britain and Ireland has solely
and rightfully come to the High and Mighty
Princess Alexandrina Victoria, niece of
the late Sovereign, who has been duly proclaim
-ed, by the Grace of God, Queen of the
United Kingdom of Great Britain and
Ireland and Defender of the Faith.
May her reign be prosperous.

Considering your Majesty as a
Sincere friend of the British Government I
have deemed it necessary to communicate
the above circumstances to your information.

In conclusion I beg to express the
high consideration I entertain of your
Majesty and subscribe myself—

Your Majesty's Sincere friend
Auckland

Fort William
11th September 1837

(ترجمہ) بحضور ابوالنصر معین الدین محمد اکبر شاہ بادشاہ غازی ـ
میرے شاہی اور والا قدر دوست ـ اُن مراسلوں سے جو حال میں انگلستان

سے موصول ہوئے ہیں مجھے حضور بادشاہ ولیم چہارم کی وفات کی افسوسناک خبر ملی ہے جن کو خداوند تعالیٰ نے اپنی مرضی سے سات سال کی خوش اور بااقبال سلطنت کے بعد ۲۰ جون ۱۸۳۷ء میں اپنی جوار رحمت میں طلب فرمالیا۔

مرحوم بادشاہ کو اپنی بہت سی صفات حسنہ کی وجہ سے رعایا بہت عزیز رکھتی تھی جو گہری طور پر متفقاً اُن کی وفات کا ماتم کرتی ہے۔ حضور مرحوم کی وفات سے سلطنت متحدہ برطانیۂ اعظم و آیرلینڈ کا شاہی تاج بالکلیہ استحقاقاً علیا حضرت شاہزادی الگزینڈرینا وکٹوریا شاہ ہیتولی کی بھتیجی کے قبضہ و تصرف میں آیا ہے جن کے بفضل خدا ملکہ سلطنت متحدہ برطانیۂ اعظم و آیرلینڈ و حامی دین ہونے کا اعلان باقاعدہ طور پر کیا جاچکا ہے۔

بخیال اس امر کے کہ حضور سرکار برطانیہ کے مخلص دوست ہیں میں نے واقعات بالا کی اطلاع دینا ضروری خیال کیا۔ خاتمہ پر میں اُس واجب التعظیم خیال کا اظہار کرتا ہوں جو مجھے حضور کی ذات سے ہے۔

میں ہوں حضور کا مخلص دوست۔ آکلینڈ



(۱۸) فرمان معلّا اکبر شاہ ثانی موسومہ کرنل اسکنر۔ جلوس (۳۰)

جس پر دو طغرے طلائی اور شاہی مہر ہے اور مہر پر چتر شاہی کی شکل بھی بنی ہوئی ہے۔
تو لقرار استمرار پٹہ باسم ناصر الدولہ کرنیل جیمس اسکنر بہادر عالیجنگ۔

آن عقیدت نہاد خانزاد قدیم خاندان والاعرضی بامضمون گذرانیدہ که ٹھیکہ پٹہ ربوپورہ از ابتدای ۱۲۳۵ فصلی لغایۃ ۱۲۵۱ واجب شانزدہ سالہ بنام فدویزادہ از حضور مقرر است × درانمیان ہفت سال منقضی گردیدہ ونہ سال باقیست ازانجا کہ رعایا سقیم و ویران بود کاشتکاران از جا بجا طلبیدہ قریب چہل ہزار روپیہ در وجہ تقاوی مزارعان سقیم × دادہ آباد نمود از قلت پیداواری یکجبہ از تقاوی بوصول نیامدہ و در مشخصۂ حضور والا سال بسال و فصل بفصل بلا توقف و بلا عذر از قرضواہ اوا نمودہ زیر باری کثیر برداشتہ ام و آیندہ بتصرف × سی چہلہزار روپیہ در آبادی و تعمیر چاہ ہای بسمت صورت فواید و محاصل ہے گذارہ اینفدوی غیر ممکن باستحقاق خانہ زادگی قدیم

امیدوارم کہ پتہ مذکور بجمع زر شخصہ شانزدہ ہزار روپیہ سالیانہ بطور × استمرار نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بنام اینفدوی مقرر گردد کہ باطمینان خاطر بصرف زر دیگر از قرضوام پرداختہ این فدوی و فرزندان اینفدوی جمیع زر شخصہ حضور انور سال بسال و × فصل بفصل داخل خزانۂ عامرہ کردہ باشد لہذا بمد نظر اینکہ آن عقیدت کیش خانہ زاد این خاندان علیا است × در ادای زر شخصہ و صرف نمودن زر خطیر وجہ آبادی و خانہ آبادی مقروض × و زیر بار گردیدہ بمورد تفضلات و پرورش قدیمانہ پتہ ربوپور تیولخاص از ابتدای ۱۲۳۲؁ بجمع شانزدہ ہزار روپیہ سکہ کلدار سالیانہ مساوی بطور استمرار نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بنام × ایشان مقرر کردہ شد باید کہ آن فدوی با فرزندان پتہ مذکور را استمراراً نسلاً بعد نسل و بطناً بعد بطن بدینحکم محکم و مستقل برای علی الدوام بذمہ خود دانستہ بخاطر جمع تمام بصرف زر دیگر پتہ مذکور را آباد ساختہ × جمع استمرار سال بسال و فصل بفصل داخل خزانۂ عامرہ حضور والا کردہ باشند کمی و بیشی پیداوار ذمہ خود شناسند و اگر خدا نخواستہ تصرف و پایمالی زبردست رود بموجب تحقیقات × این حضور انور مجرائی خواہد یافت باید کہ فرزندان نامدار کامگار عالی نسب والا تبار و وزرای ذو الاقتدار و امرای عالیمقدار و حکام کرام و عمال کفایت فرجام متصدیان مہمات × دیوانی و متکفلان معاملات سلطانی و جاگیرداران و کروریان حال و استقبال ابداً و موبداً در استقرار اینحکم مقدس معلی بکوشند و بوجہی من الوجوہ سوائی از زر شخصہ طلب ننمایند و لوازمہ عہدہ داران و زمینداران و مقدمان پتہ مذکور آنچنان کہ ہر آئینہ در اطاعت و فرمانبرداری اہلکاران آنعقیدت کیش پرداختہ پیداواری حال ہر سال و فصل بفصل ادا میکردہ باشند نوعی تخلف و انحراف نورزند بتاریخ بست و ہفتم شہر شوال میمنت اشتمال سنہ ۹ ام از جلوس معلی زیب تحریر یافت ×

(۶۹) تصدیق نامہ متضمن اس امر کے کہ سرفراز خاں کو اکبر شاہ ثانی نے پرورش فرما کر خطاب حبیب الدولہ محب الملک افضل الامرا شمشیر جنگ مرحمت فرمایا تھا اور سلاح خانے میں ایک اعلی عہدے قورخانے اور جیب خاص پر مقرر فرمایا تھا یہ کاغذ ۲۰ ستمبر ۱۸۵۷ء کو بوقت فتح قلعہ انگریزوں کے ہاتھ لگا اور مسٹر امری شوگر نے

عجائب خانے کو تحفہ دیا - یہ تصدیق نامہ مطلا و مذہب ہے جس پر دو بڑی شاہی مہریں اور چودہ مہریں اور صاحبوں کی ہیں -

حضرت محمد اکبر شاہ بادشاہ انار اللہ برہانہ و مرقدہ

و لا تکتموا الشہادۃ و من یکتمہ فانہ آثم قلبہ واللہ بما تعملون علیم

ازانجا کہ بہ مقتضای آیہ کریمہ ادای شہادت دلیل سعادت و کتمانش موجب شقاوت است × لہذا از حضرت سلاطین والا تبار عالی وقار علماء تقوی و صداقت التیام و مہذب امور اسلام و فقراء ہدایت و صفا شعار کرامت × و ضیاء دثار و رؤسا شوکت و حشمت آب و امراء امارت و ابہت نصاب این خاکسار ذرۂ بے مقدار المخاطب بسرفراز خان × سوال میکند و استشہاد حق خود میخواہد برینمعنی کہ حضرت عرش آرامگاہ این سائل را از عمر شیرخوارگی بظل عاطفت و سایۂ ملاطفت مثل فرزندان پرورش فرمودہ بتقرر معلم و ادیب بہ تعلیم و تادیب × مشرف نمودہ بسن تمیز بتعین خدمت شایستہ و عہدۂ بابستہ اعلی خدمت قورخانہ و جیب خاص و بخطاب حبیب الدولہ محب الملک افضل الامراء محمد سرفراز خان بہادر شمشیر جنگ در اقران و امثال معزز و ممتاز فرمودہ سند فرمان × والاشان مزین و مسجل بمہر ترک و طغرا مشعر بمضمون مرقوم الصدور مصدرہ ششم رمضان المبارک سنہ سی و یکم جلوس معلی بنام خاکسار صادر و عطا فرمودند چنانچہ سایل فرمان کرامت ترجمان را فخراً و سنداً بدست × میدارد و نیز تا زمان رحلت فرمودن حضرت عرش سلطانی و حاضر باشی دربار خاقانی ہمفخر و سرفراز ماند حضرتی را از حضرات ممدوحین بر صحت اینحال × و صدق ہذا المقال اطلاعی و آگاہی باشد حسبۃً للہ مہر گواہی خود برین قرطاس ثبت فرمایند کہ عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور شوند ×

(۲۰) سر چارلس مٹکاف کا خط تعزیت مورخہ ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۸۳۷ء موسومہ ابوالمظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ ثانی جو حضرت ممدوح کے والد کی وفات پر لکھا گیا -

To,

His Majesty

Abool Mozaffur Surajooddeen Mohumud

Buhadur Shah Badshah Ghazi,

May it please your Majesty,

I have received with the deepest sorrow the mournful intelligence communicated to me by Mr Metcalfe of the demise of His Majesty on this melancholy occasion with sentiments of sincere and respectful condolence. I fervently Pray that your Majesty may be supported and comforted by the reflection that all things proceed from the Will of the Creator; and that it has pleased Almighty Providence to take unto himself your Majesty's venerable Father after a long and happy reign.

When time shall have mellowed recollections of a dear Parent, your Majesty will call up with pleasure to the remembrance of the amiable qualities which distinguished His late Majesty, and by which he will ever live in the memory of those who had the honor of approaching him.

I now beg leave respectfully to offer my sincere and heartfelt congratulations on your Majesty's succession

to the Throne of your ancestors.

May you be blessed with a long life, Health, Happiness and Prosperity.

Your Majesty's
Agra Faithful Servant
The 4th October 1837. C. T. Metcalfe

(ترجمہ) بحضور ابو المظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ
بادشاہ غازی

التماس آنکہ - میں نے اس اندوہ ناک خبر کو جو مسٹر مٹکاف نے حضور کی رحلت کے متعلق دی ہے نہایت افسوس اور اس الم ناک واقعہ کو مخلصانہ و مؤدبانہ خیالات تعزیت کے ساتھ سنا - میں گرمجوشی سے دعا کرتا ہوں کہ حضور کو اس امر کے تصور سے سہارا اور تسلی ہو کہ تمامی امور خلاق عالم کی مرضی سے وقوع پذیر ہوتے ہیں اور یہ کہ قادر مطلق کی اسی میں خوشی تھی کہ حضور کے والد ماجد کو ایک طویل اور خوش گوار مدت سلطنت کے اپنے نزدیک بلا لے - جب وقت حضور کے غم (والم) کے اشتداد کو اپنے پیارے والد کی مقدس یاد سے نرم کر دے گا تو حضور کو حضور مرحوم کی اُن صفات پسندیدہ کی یادگاری سے جس کے سبب سے وہ ممتاز تھے مسرت ہوگی اور یہی صفات ایسی ہیں جن کی یاد ہمیشہ کے لیئے اُن لوگوں کے دلوں میں تازہ رہے گی جن کو (حضور ممدوح) کی خدمت میں باریابی کی عزت حاصل تھی - اب میں ادب سے اپنی مخلصانہ اور دلی مبارک باد حضور کی اپنے آباواجداد کے تخت پر جلوس فرمانے کی پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں - خداوند تعالی

آپ کو عمر کی درازی - تن درستی اور اقبال مندی نصیب فرمائے - حضور کا
وفادار خادم - سی - ٹی - مٹکاف - مقام آگرہ - ۲۴ اکتوبر ۱۸۴۲ء

(۱۲) خط مسطلا بعبارت فارسی بخط شکستہ لارڈ ا لن برا موسومہ بہادر شاہ
ثانی بادشاہ مشعر اطلاع اخذ جائزہ عہدہ جلیلہ گورنر جنرلی در ۱۸۴۲ء

درۃ التاج افسر سلطنت وشہریاری زیب افزاے اورنگ خلافت وجہانداری
خدیو مملکت عدل ورافت شہریار کشور داد ونصفت خلد اللہ ملکہ وسلطانہ -
بر لوح ضمیر منیر مہر تنویر مبرہن ومنکشف میگرداند خبر معین ومامور شدن ارادتمند ×
درعہد ریاست ممالک محروسہ سرکار کمپنی انگریز بہادر متعلقہ کشور ہند بے شبہہ
بذریعہ × ووا سطۂ معمولی واضح خاطر عاطر شدہ باشد بالفعل بپاس اطلاع
بخامۂ اخلاص نگار × می دارد کہ عقیدت اشتمال بتاریخ بست وہشتم ماہ فروری
۱۸۴۲ء مطابق × شانزدہم شہر محرم الحرام ۱۲۵۸ ہجرے بدار الامارۃ کلکتہ داخل گردیدہ
انجام و × اہتمام امور متعلقہ عہدہ مزبورہ برخود لازم گرفتہ ویقین خاطر خطیر شفقت نظیر
باشد کہ مدارج کمال اکرام واحترام نسبت مرتبہ خلافت منزلت ومراتب خلوص عقیدت
نسبت بذات ستودہ صفات آنخدیو مملکت عدل ورافت وآنخاندان × سلطنت بنیان
وتمناے ابراز آن ہموارہ بپاس لوازم آسایش و × آرامش منسبان آن دودمان
قسمیکہ از طرف گورنر جنرل بہادر × سابق سمت وضوح یافتہ از تہ دل عقیدت منزل
منتقش ومنطبع خاطر ارادت مظاہر است وخواہد بود حق سبحانہ وتعالیٰ تا دوام ×
ماہ ومہر وقیام سپہر آن درۃ التاج افسر سلطنت وشہریاران را بتائیدات غیب الغیب
موید ومشید دارا د -

(المبدا)   Ellenborough

لہ یہ خط غور او توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گورنر جنرل بہادر سلاطین مغلیہ کو
کس طرح مخاطب کرتے تھے - اس خط کے نیچے صرف لاٹ صاحب کے دستخط انگریزی ہیں اور بس ۱۲

(۴۲) یہ خط[1] جو ایک بہت بڑے مطلا و مذہب کاغذ پر نہایت خوش خط لکھا ہوا ہے بہادر شاہ ثانی بادشاہ کا ہے جو ۹ شوال ۲۱ جلوس (۱۸۵۹ء) کو ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا کے نام لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جواہر زواہر ہزاران ستائش و ثنا نثار پایۂ عرش عظمت و اجلال وقدیمی کہ اوراق متفرق افراد عالم بہ حدوث رالبشیرازہ بندی جہان آرائی شاہنشاہان والا اقتدار و خواقین نصفت شعار مجلد و مجموع ساختہ و مظلومان کائنات و مہو فان موجودات را بداد رسی و حق پژوہی فرمانروایان نصفت پرور و خسروان معدلت گستر از نعامی

[1] یہ طول اور مفصل خط بلحاظ عبارت آرائی کے بہت غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ چونکہ بہت بڑے کاغذ پر لکھا گیا ہے قلعہ کے عجائب خانے میں تین حصے کر کے آئینہ دار چوکھٹوں میں جڑا گیا ہے۔ لفافہ ایک علیحدہ فریم میں ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کس خیال کے تھے کہ ولی عہد کی چندروزہ جدائی کی تصویر ہی سے پیچھے ہٹ گئے برخلاف اس کے ملکہ معظمہ کو دیکھیے کہ اُن کے تینوں صاحب زادے یکے بعد دیگرے ملک ہند میں تشریف لائے اور نہ صرف بیٹے بلکہ بہویں اور پوتے تک آئے اور خود بادشاہ سلامت مع ملکہ معظمہ کے رونق افروز ہوئے اور اب پھر پرنس آف ویلز ولی عہد بہادر کی تشریف آوری کی خبر مسرت اثر گرم ہے۔ یہ فرق ہے عزم و استقلال ارادے میں ہمارے اور انگریزوں کے۔ ہمارے شاہزادے بھونروں کے پلے بھلا کیسے وطن چھوڑ کر باہر نکلتے اس خط میں بات تو صرف اتنی ہی ہے کہ میں شہزادے کو آپ کی خدمت میں بھیجتا مگر اُس کی جدائی اور دوری گوارا نہ ہوئی۔ یہ بھی صرف کہنے کی بات ہے اور نری سخن سازی ہے ورنہ دراصل بادشاہ کو ایسا خیال تک نہ آیا ہوگا۔ اپنے پندار میں ملکہ سے اظہار خلوص و عقیدت کا یہ ایک ذریعہ ٹھیرایا ہے جسے بے انتہا لمبی چوڑی تمہید اور عبارت آرائی کے علاوہ گلکاری سنہری کام سے لیپ دیا ہے۔ اس ظاہری انشا پردازی اور عبارت آرائی کی قدر لندن میں کس نے کی ہوگی اور اس کی نفیس مقفیٰ اور مسجع عبارت کی داد کس نے دی ہوگی اور جب اصل مطلب کی طرف غور کیا ہوگا تو بادشاہ کی اولوالعزمی استقلال ہمت و جرأت ملک داری کی نسبت دانایان فرنگ کا کیا خیال ہوا ہوگا ظاہر و باہر ہے۔ اگر اسی مطلب کو سیدھی سادی انگریزی میں لکھوا دیتے تو شاید اس تمام بکھیڑے اور کھڑاگ سے زیادہ موثر اور مفید ہوتا اس ہنگام نہیں کہ نہ وضع الشیئ فی غیر محلہ فرود شاگر ہر کسے مصلحت خویش نکو می داند۔ ؎

گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش — رموز مصلحت خویش خسرواں دانند (من المصنف)

کامیابی حقوق واجب نواختہ و لآلی سلالی فراوان نیایش واعتنا ایثار جناب تقدس نصاب قادر قدیر
از اتحاد و ایتلاف سلاطین دادگر و بادشاہان والاگہر بہ تشیدہ ترصیص اساس آسایش
و آرامش خلایق پرداختہ و بارتباط و روابط محبت و التفات ضوابط مودت سرداران عظام
و حکام عالیمقام طرح انفتاح امن و امان زمان و زمانیان انداختہ پاسداری عہود و معہد
مواثیق موثق بمقتضای آیہ کریمہ اوفوا بالعہود و خمیر مایۂ ذات بابرکات × ملوک ملکی صفات
از تائید حکمت بالغہ اوست تا گروہ تابعین و لاحقین بفحوای الناس علی دین ملوکہم این طریقہ
انیقہ را پیش گیرند و امتناع نقض عہد و ارتکاب خلاف بمؤدای عظیمہ الذین ینقضون العہد
من بعد میثاقہ از تہدید قدرت کاملہ اوتا عموم عوام مرتکب این حرکت × و میمنو بادی این فعل
وخیم نشوند و دررغرر رود نامعدود و نقود محمود صلوٰۃ غیر محدود و ہدیہ بارگاہ ملایک پناہ
حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ سلطان العرب و العجم فخر الانام کہف الامم آفتاب جہانتاب
سپہر نبوت سپہر آفتاب علو و عظمت گوہر آبدار رشد و ہدایت × حصۂ دوم - صدف
گوہر شہوار شفاعت سید الثقلین سرور خافقین مسند آرای مقام قاب قوسین
شہسوار مضمار لیلۃ الاسری عارج معارج اقصی صلوٰۃ اللہ علی نبینا و عموما علی سایر الانبیاء
خصوصا علی مسیح ابن مریم و علی آلہ الاطہار و اصحاب الکبار اجمعین × اما بعد تحمید حامد حضرت
کردگار و اہدای ہدایای سرور روزگار بر مرآت ضمیر قدسی تخمیر اعلی حضرت کیوان منزلت
سپہر جناب رخشندہ کوکب آسمان سلطنت جہانداری دری سمار خلافت و شہریاری
محمود اکاسرہ و رشک افزای قیاصرہ × شاہ جمجاہ فلک بارگاہ خورشید کلاہ
ستارہ سپاہ ممی مراسم سیمیہ مکرم مکارم انگلشیہ آنکہ آوازہ کمال معدلتش سرتاسر
آفاق فرا گرفتہ و صیت عنایت مکرمتش باطراف و اکناف عالم وارسیدہ از ہیبت
داور عدلش فلک کجرفتار سرنگون × و از خوف شحنۂ سیاستش برق اشرار بار
تفتہ درون و در مصاف معرکہ شجاعتش رستم دوران ترسان و در میدان نبرد و شہامتش
مریخ فلک برخود لرزان باتباع احکام مطاعش سروران نامدار غاشیۂ اطاعت
بر دوش و × بامتثال فرمان واجب الاذعانش ملوک عالیمقدار حلقۂ فرمانبرداران
انگلستان خلد اللہ ملکہا و سلطانہا و افاض علی العالمین برہا و احسانہا منطبع و منقش
می گردانند کہ نظر بسوابق اتحاد این دودمان از زمان حضرت خاقان گیتی ستان امیر تیمور

گورکان صاحبقران و مجدوا از زمان حضرت جلال الدین عرش آشیان انار اللہ برہانہ آن خاندان عالیشان و ابقاے آں یگانگت و اتحاد تا این زمان و ظہور اتحاد و عنایت و امداد ازان دولت ابد بنیاد و نسبت باین خاندان عظمت نشان کہ شمہ از کیفیت این داستان در سابق آوان بذریعہ مکتوب و سفیر بمسامع و مجامع آن سر دفتر شاہان فی شان رسیدہ است و احتمال اضاعت اوقات معدلت گستری و رعایا پروری آن کہف امن و امان × از تکرار تذکاران بالغ است از ساہا را د ہ ارسال نور حدقہ سلطنت و نور حدیقہ حشمت برخوردار کامگار سعادت اطوار رسد و ثار فرزند ارجمند مرزا محمد جوانبخت بہادر کہ با وجود صغر سن آثار بزرگی[۱] از ناصیہ اش پیدا است و آثارات بختیاری از چہرہ اش × ہویدا در ینعمر کہ شعور کامل نمیباشد اکثر اوقاتش بطلب مرضیات خالق و رضا جوی خلق و خدمت والدین و رحم براہل قرابت و احقاق حق و ابطال باطل و شوق کسب کمال و اجتناب از خصائل اراذل بدرجہ کمال مصروف اندو × دویدن ہمیں خصال با شرافت جوہر ذاتی خاطر ما بدولت را در کرو محبت آن نونہال و ہمیشہ جو یای ترقی مدارجش در حال و مآل میدارد بخدمت سراپا معدلت مکنون بودتا ملاحظۂ حال آن ستودہ خصال باعث و فور توجہ معدلت × پژوہ برحالش شود و نسبت فرزندی کہ سبب برادر زادگی ہست و عمہ را بر برادر زادہ بپاس خاطر برادر شفقتہا بیشتر از مادر می باشد افزایش یابد و در زمرۂ فرزندان دست گرفتہ کہ شاہان با شکوہ را پاسداری این بیشتر می شود منسلک گردد ۔ حصہ سوم ۔ و بیمن حفظ و حمایت آن معدن جود و عدالت از شر حسود ان مصئون و مامون ماند لاکن و فور محبت و عدم تحمل کلفت مفارقت ازین ارادہ مانع آمد دریحال ہمین مناسب متصور شد کہ نقش مقصود را بارقام مختصری از احوال این نونہال و ارسال نقش دست این خوشخصال ارتسام یابد یقین است کہ ہر گاہ این نقش بدست آن شاہ قوی بازو رسید پاس دست گرفتگی بر ذمت ہمت والا نہمت متحتم و واجب خواہد گردید و شاہد مقصود از جلباب خفا سر بعرصۂ ظہور خواہد کشید × توقع ازان

---

[۱] ہر کس عقل خود بکمال و فرزند خود بجمال ۔ ۱۲

سرکردۂ سلاطین والاشکوہ اینست کہ بصدور نامۂ نامی حاوی منظوری وقبول این ماٰمول آگاہ فرمودہ دریں عالم ناتوانی و پیرانہ سالی از دست رنج این فکر طمانیت افزائی خاطر فاتر و ممنون ہزاران ہزار شادکامی خواہند گردانید ۔ او سبحانہ تعالیٰ شانہ کہ ثمرات حسنات برکافۂ روزگار فوایدداد پروری ونتایج عدل گستری مخصوص بملوک عدالت شعار منقسم مرتسم ساختہ از زور بازوی اقبال آن انجم سپاہ سینۂ دشمنان پر غم و آرزومندان استعانت را خوش و خورم و شاداب داشتہ ہموارہ بآبیاری افضال لایزال گلستان دولت و سلطنت روزافزوں سرسبز وریان چمنستان عدل ومعدلت شگفتہ وخندان دارادالی یوم التناد ۔ لفافہ ۔ ...... لت سپہر جناب ثریا قباب رخشندہ کوکب آسمان جہانداری ودری سمار خلافت وشہریاری محو داکاسرہ رشک افزاے قیاصرہ شاہ ہمجاہ فلک بارگاہ خورشید کلاہ محی مراسم سیحیہ مکرم مکارم انگلشیہ جمشید حشمت فریدون شوکت نوشیروان عدالت حاتم ہمت معدن مروت بیکران منبع الطاف بی پایان ہمشیرہ صاحبہ مشفقہ بسیار مہربان ملکہ معظمہ وکٹوریا صاحبہ خلداللہ ملکہا و سلطانہا شرف باد ۔

(۲۳) لارڈ کالون کا خط موسومہ ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ دہلی

مورخہ ۲۲ اگست ۱۸۵۶ء متعلق بہ انسداد گاؤکشی

To,

His Majesty Aboo Zaffur Surajooddeen Bahadur Shah Badshah Ghazi

---

ساہ دراصل یہ خط مرزا جواں بخت کی ولی عہدی کی منظوری کے متعلق ہے ۔ خدا جانے جواب بھی کچھ ملا یا نہیں اور ملا تو کیا ملا ۔ ع ۔ ای بسا آرزو کہ خاک شدہ ۔ وہ بادشاہی الٹ گئی بادشاہت ہی نہ رہی تو ولی عہدی کیسی اور کس کی ؟ ۔ یہ بھی عجیب بات سوجھی کہ شاہزادے کے بھیجنے کی عوض پنجہ کا چربہ اُتروا کر بھیج کر دستگیری کی درخواست کی ۔ وقت ہی ایسا ٹیڑھا آن پڑا تھا یہ نہ کرتے تو اور کیا کرتے ؟ ساہ

آں کہ شیراں را کند روبہ مزاج احتیاج است احتیاج است احتیاج ۱۲

من المصنف

My most esteemed and Royal Friend,

I have received and attentively perused, Your Majesty's Waseeqa and its enclosures, regarding the restriction which has been placed upon the practice of Killing Cows in the city of Delhi.

My Royal Friend, the restriction I objected to have been imposed by the local authorities for the paramount object of the preservation of the peace of the City, and reference should be made by the parties, desirous of offering a representation on such a point, to those authorities, as having full power to enquire and decide regarding it.

With sincere wishes of Your Majesty's prosperity

Your Majesty's Sincere Friend

S. R. Colvin

Head Quarters
22nd August 1854

(ترجمہ) بحضور ابوظفر سراج الدین محمد بہادر شاہ بادشاہ غازی ۔

میرے محترم اور شاہی دوست حضور کا وثیقہ مشعر اُن قیود کے جو شہر دہلی میں گاؤکشی کے عمل در آمد کے متعلق عائد کی گئی ہیں مع ملفوفات کے پونہچا جسے میں نے بغور ملاحظہ کیا ۔ میرے شاہی دوست ۔ جس شرط پر میں نے اعتراض

کیا تھا جو مقامی عہدہ داروں نے عائد کی تھی اور جس کی بڑی غرض شہر کا امن قایم رکھنے کی تھی - فریقین جو اس معاملے کو پیش کرنا چاہیں - اُن کو چاہیے کہ اس معاملے کو اُن عہدہ داروں کے سامنے پیش کریں جن کو اس کی تحقیقات اور تصفیہ کا پورا اختیار حاصل ہو -

مقام مستقر
۲۲ راگست ۱۸۵۷ء

اس - آر - کالون

(ضمیمہ اول ختم ہوا)

قطعات تاریخی نوشتہ جناب مولوی محمد عبدالحکیم صاحب سوم تعلقہ دار ضلع رائچور

فتح مملکت دہلی مبارک باد
۱۳۲۷ھ

(۱) بشیر الدین احمد منبع علم — نبشت از طبع خود تاریخ دہلی
پئے تاریخ چوں رفتم بہ فکرش — شدہ "جادو بیاں تاریخ دہلی"
۱۳۲۷ھ

(۲) بشیر الدین احمد دہلوی نے — لکھی تاریخ نادر چشم بد دور
ہوئی جب فکر مجکو بہر تاریخ — جہالت سے ہوا میں سخت مجبور
تو ہاتف نے مجھے مژدہ سنایا — ذراسی فکر میں کیوں تو ہے رنجور
سر انصاف سے تو کہہ دے تاریخ — "وقایع سلطنت دہلی مشہور"

(۳) تاریخ لاجواب لکھی ہے بشیر نے — سیرت میں بے مثال ہے صورت میں ہے جمیل
ہر کلمہ اس کا جامع و مانع ہے اس طرح — فضل و کمال اور تبحر کی ہے دلیل
تصنیف میں بہت سی کتب آپنے لکھیں — یہ فضل اور کمال ہے از رحمت جلیل
عبدالحکیم عرض کر از حضرت بشیر — "تصنیف لاجواب کی تاریخ بیعدیل"
۱۳۲۷

ضمیمہ دوم

قیصر ہند ملکہ معظمہ وکٹوریا دی گڈ آنجہانی کے مختصر حالات

گو صفحۂ دنیا سے کوئین وکٹوریا کی جیتی جاگتی تصویر مٹ گئی مگر احسان مندی کی قلم سے لوگوں کے دلوں پر ایسا گہرا نقش ہی کہ نسلاً بعد نسلٍ بھی محو نہیں ہو سکتی۔ ملکہ کی بے نظیر حکمرانی نے ثابت کر دیا کہ حکومت کا دارومدار صرف مردوں ہی پر نہیں ہی بلکہ جو مرد کر سکتے ہیں وہ عورت ذات بھی کر سکتی ہی اور ملکہ نے تو اس سے بھی بڑھ کر کر دکھایا کہ جو مردوں سے نہ ہو سکا وہ اس نیک ذات عورت نے کیا۔ ابھی ملکہ لڑکی ہی تھیں کم سن کہ خداوند تعالیٰ نے اُن کے دست قدرت میں ایسی بڑی وسیع سلطنت دی۔ چونسٹھ برس کی طول طویل مدت ان کے ظل عاطفت وحمایت میں ایسی گزری کہ دن عید رات شب برات۔ ان کے عہد معدلت مہد میں علاوہ توسیع سلطنت کے مُلک اور رعایا نے ہر اعتبار سے بے انتہا ترقی کی اور ملکہ نے اپنی خوش خصالی اور جبلی نیک دلی کے سبب سے رعایا کے دلوں میں وہ جگہ پائی کہ ایسی ہر دل عزیزی کسی اور بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ جو بادشاہ ہوتا ہی اُس کا اثر ملک ورعایا پر پڑنا ایک معمولی بات ہی لیکن یہ بات البتہ عجیب وغریب ہی کہ جس بادشاہ نے اس ملک میں قدم تک نہ رکھا اور کالے کوسوں سمندر دل پار ہم سے دور اور نظر سے اوجھل ہو۔ یہاں کے حالات سے آسے چشم دید واقفیت نہ ہو وہ کیسی بیدار مغز ہوگی کہ ہزاروں کوس سے اتنے بڑے ہندوستان پر حکومت کرتی رہی۔ ملکہ معظمہ کو اس پیرانہ سالی میں بھی اپنی رعایا برایا کی بہبودی اور بہتری حالت کے مقابلے میں اپنے آرام وآسائش کا مطلق خیال نہ تھا یہ بات خالی از تعجب نہیں کہ باوجود اس کثرت مشاغل وانہماک امور اہم وسترگ سلطنت کے اُنھوں نے کچھ کچھ اردو بھی سیکھ لی اور خاص اسی غرض سے مولوی محمد عبدالکریم خاں صاحب بہادر سی۔ آئی۔ ای متوطن آگرے کو اپنا ہندوستانی سکرٹری مقرر فرمایا اور ہندوستانیوں کی خاطر اللہ پاسداری

یہاں تک مرکوز خاطر اقدس تھی کہ آخری وقت میں بھی آپ کے جنازے کے پاس دو ہندوستانی مسلمان ملازمہ نگہبان رہیں۔ جشن جوبلی میں بھی ہندوستانی فوج ہی کا باڈی گارڈ آپ کے جلوس کے ہمراہ تھا۔

اگر اس مبارک سلطنت کے زمانے کے مختصر اور ضروری حالات بھی لکھے جائیں تو ایک بہت بڑی کتاب بن جائے بھلا اس مختصر ضمیمے میں سوائے چند ضروری اور اہم مطالب کے اور کیا لکھا جا سکتا ہے پھر بھی اس تاریخ کی تکمیل کی غرض سے چیدہ چیدہ حالات و واقعات لکھے کر دیئے ہیں۔ دراصل یہ بیان اس کتاب کے پہلے حصے میں آنا چاہیئے تھا مگر دربار کا نقشہ دکھانے سے بہت جگہ لگ گئی اور ضخامت بہت بڑھ گئی اس مجبوری سے حصۂ سوم میں ملکہ معظمہ اور اُن کے بعد کے دو اور بادشاہوں اُن کے صاحبزادے اور پوتے کے حالات لکھنے پڑے۔

پیدائش

ملکہ معظمہ ۲۴ مئی ۱۸۱۹ء کو چار بجے صبح پیدا ہوئیں اس حساب سے آپ نے بیاسی سال کی عمر میں چونسٹھ برس کی طول طویل سلطنت کے بعد رحلت فرمائی۔ آپ محل کنسنگٹن واقع لندن میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی **ڈیوک آف کنٹ** تھا جو آپ کی ولادت کے چند ماہ بعد قضا کر گئے اور والدہ آپ کی لوئیسا وکٹوریا **ڈچس آف کنٹ** تھیں۔ پیدائش کے ایک مہینے بعد آپ کے اصطباغ کی رسم ادا ہوئی اور آپ کا اسم مبارک **الگزینڈرینا وکٹوریا** رکھا گیا۔ اس مبارک رسم میں شہنشاہ روس **الگزینڈر** اور دوسرے عزیز و قریب موجود تھے۔ شہزادی وکٹوریا کی تعلیم و تربیت کا اہم فریضہ اُن کی بیوہ والدہ ماجدہ نے بڑے اہتمام اور عمدگی سے انجام دیا **سر والٹر سکاٹ** مشہور فسانہ نگار نے آپ کو پانچ برس کے سن میں دیکھا تھا وہ تب ہی کہہ دیا تھا کہ اس صغر سن لیڈی کی تعلیم نہایت حزم و احتیاط سے ہو رہی ہے اور ایسی سخت نگرانی کی جاتی ہے کہ کسی کو اتنا کہنے کا بھی موقع نہیں ملتا کہ وہ تخت انگلستان کی وارث ہیں۔ جوں جوں ملکہ کی عمر بڑھتی گئی ویسے ہی ویسے نگرانی کی ضرورت گھٹتی گئی۔ جب آپ نے بفضل خدا اٹھارویں سال میں قدم دھرا تو آپ کی سالگرہ کی تقریب بڑی دھوم دھام سے منائی گئی۔

تخت نشینی

اس سالگرہ کے چند ہی روز بعد آپ مالک تخت و تاج انگلینڈ ہوئیں جارج ثالث بادشاہ انگلینڈ کے چار بیٹے تھے اور ملکہ کے والد ڈیوک آف کنٹ سب سے چھوٹے تھے - بہ ظاہر کوئی اُمید جناب ممدوحہ کے مالک تخت ہونے کی نہ تھی مگر جناب ممدوحہ کا ستارۂ اقبال چمک رہا تھا - ولیم چہارم بادشاہ کے کوئی اولاد نہ ہوئی انتقال کے بعد اُن کے چھوٹے بھائی ڈیوک آف کنٹ کی اکلوتی صاحبزادی شہزادی الگزینڈرینا وکٹوریا کے فرق مبارک سے تاج انگلینڈ نے زینت پائی - ان دنوں ولیم چہارم کی عمر بہتر سال کی تھی اور اُن کو شش کی شکایت تھی - سات برس سلطنت کرنے کے بعد ولیم چہارم نے ۲۰ رجون ۱۸۳۷ء کو دو بجے شب کے انتقال فرمایا - آرچ بشپ اور کنٹربری اور لارڈ چیمبرلین دونو پانچ بجے صبح کے کنسنگٹن کے محل میں پہنچے - دربان کے بیدار کرنے میں بہت دقتیں وہاں پڑیں گھنٹی کو کھینچا اور دروازے کو کھٹکھٹایا تب کہیں دروازہ کھلا تب صحن میں داخل ہوئے - دربان نے خبر نہ لی اور تھوڑی دیر ان کو انتظار کرنا پڑا پھر انھوں نے گھنٹی بجائی اور کہا کہ ہم شہزادی کو ایک اہم خبر سے فوراً مطلع کرنا چاہتے ہیں - تھوڑی دیر پھر سناٹا رہا اور کسی نے آکر جواب نہ دیا - پھر تیسری مرتبہ گھنٹی بجائی تو شہزادی کی خادمہ آئی اور اُس نے کہا کہ "شہزادی ایسی میٹھی نیند آرام فرما رہی ہیں کہ میں اُن کو بیدار کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی" -
اس پر لارڈ چیمبرلین نے کہا کہ "ہم انتظام ملک کی غرض سے اپنی ملک کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور وہ انتظام ایسا ضروری ہے کہ وہ اگر خواب استراحت سے بیدار بھی کی جائیں تو کچھ مضائقہ نہیں" - اس پر جناب ممدوحہ بیدار کی گئیں اور چند ہی منٹ میں شب خوابی کی سفید گون پہنے سر کے بال کھلے شانوں پر بکھرے شال اوڑھے نری سلیپر پہنے برآمد ہوئیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ جو کچھ دیر لگی وہ خود بدولت کی طرف سے نہ تھی - جب آپ کو ولیم چہارم کی وفات اور اپنے ملکۂ انگلستان ہونے کی اطلاع ہوئی تو آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے کہ ایسی ذمہ داری کے بوجھ کو یہ کمزور کندھے کیسے سنبھال سکیں گے - غرض یہ کہ سوئی تھیں شہزادی اور آنکھ جو کھولی تو انگلینڈ کی ملکہ تھیں! - جب آپ نے

بادشاہ کے انتقال کی خبر سنی تو یوں گوہر فشاں ہوئیں کہ "میری طرف سے آپ نماز ادا کیجئے"۔ جس وقت آپ تخت نشین ہوئیں آپ کی عمر کیا تھی صرف اٹھارہ برس لیکن وہ اس صغر سنی میں بھی اپنی بھاری ذمہ داریوں) سے بخوبی واقف تھیں چنانچہ آپ نے برسر دربار ارشاد فرمایا۔ "یہ بھاری ذمہ داری مجھ پر اس قدر دفعتہً کم عمری میں آن پڑی ہے کہ اگر مجھ کو اُس باری تعالیٰ پر جس نے مجھ کو یہ کام سپرد فرمایا ہے پورا بھروسہ ہوتا کہ وہ میرے ادائے فرائض منصبی میں طاقت بخشے گا اور اپنے پاک وصاف خیالات اور رفاہ عام کی بابت اپنی سرگرمی پر مجھ کو اطمینان نہ ہوتا جیسا کہ پختہ اور تجربہ کار لوگوں کو ہوتا ہے تو میں ایسی بھاری ذمے داری سے بالکل پریشان ہو جاتی"۔ جناب ممدوحہ نے اُسی وقت پیشین گوئی فرمائی تھی کہ "حتی المقدور اپنی ہر درجے کی رعایا کو آسائش اور راحت پوہنچانے کے لیے میں کوشش کروں گی اور اُن کے حقوق کی حفاظت استحکام کے ساتھ کروں گی"۔ ہر ایک عہدہ دار آپ کے سامنے دوزانو ہو کر دست مبارک کو بوسہ دیتا تھا۔ ڈیوک آف سسکس ملکہ سے کسی قدر فاصلے پر تھے اور بسبب کبر سنی کے اس ریل پیل میں جناب ممدوحہ تک نہیں پوہنچ سکتے تھے یہ دیکھ کر حضور ممدوحہ نے اپنا دست شفقت خود اُن کی طرف بڑھایا۔ حضور ممدوحہ نے باوجود حداثت سن اپنے پہلے درباری فرائض کو اس حسن وخوبی سے انجام دیا کہ ارکان داعیان سلطنت متحیر رہ گئے۔

شادی میمنت آبادی

تخت نشینی کے دو سال بعد ملکہ معظمہ کی زندگی میں سب سے ضروری اور اہم واقعہ آپ کی شادی خانہ آبادی تھی جو ۱۰ فروری ۱۸۴۰ء کو پرنس البرٹ کے ساتھ ہوئی جن کو شادی کے بعد پرنس کنسرٹ کا لقب ملا اور جو آپ کے چچیرے بھائی تھے یہ شادی پولٹیکل یا خارجی اسباب سے نہیں ہوئی بلکہ صرف باہمی محبت کی وجہ سے ۱۶ جنوری ۱۸۴۰ء کو ملکہ معظمہ نے افتتاح پارلیمنٹ کے وقت بہ نفس نفیس اس شادی کا ارادہ ظاہر فرمایا ملکہ اپنے شوہر سے تین مہینے عمر میں بڑی تھیں ۱۸۳۶ء میں پہلے پہل آپ کا تعارف شہزادے سے ہوا۔ تب ہی ملکہ کے دل میں اُن کی خوب صورتی اور دل فریب اوضاع واطوار نے اپنا نقشہ جما لیا تھا حضور ممدوحہ

نے اس شادی کو نہ صرف اپنی خانگی مسرت بلکہ رعایائے ملک کی بہبودی کے لئے
بھی ضروری خیال کیا تھا۔ تین سال کے بعد پھر شاہزادے انگلستان تشریف
لائے ملکہ نے اُنھیں دونوں شہزادے کے حسن وجمال اور اوصاف پر ایک پرجوش خط
اپنے چچا شاہ بلجیم کو لکھا اور اس کے بعد اپنے وفادار مشیر **بیرن سٹاک مار**
کو تحریر فرمایا کہ "پرنس ایلبرٹ نے میرا دل چھین لیا ہے اور آج صبح سے ہم دونوں نے تمام
باتوں کا تصفیہ ہو گیا ہے" چنانچہ جب آرچ بشپ آف کینٹربری نے خانگی
مشورے کے وقت آپ سے یہ دریافت کیا کہ بلحاظ اعزاز شاہی کہ اگر شادی
کے خطبے میں لفظ **تابع** خارج کر دیا جائے تو مناسب ہے۔ آپ نے فرمایا" مائی لارڈ
شادی کی رسموں میں سے کوئی چیز ترک نہ ہونے پائے میں بہ حیثیت ایک
زوجہ کے شادی کرنی چاہتی ہوں نہ بہ حیثیت ملکہ کے"۔ شادی کے بعد اکیس
برس تک اس شاہی جوڑے کے باہمی اتحاد۔ پاکبازانہ زندگی اور سادگی وغیرہ
سے انگلستان کی رعایا کے دلوں پر جو عمدہ اثر ہوا اُس سے ملک کو بے انتہا
فائدہ پونہچا۔ بادشاہان سلف کے زمانے میں محلات شاہی اور درباروں
میں جو جو خرابیاں تھیں سب رفع ہو گئیں۔ ان ہر دو نیک زادوں کے عمدہ
رویہ نے ایسا بیش بہا فائدہ ملک کو پونہچایا کہ جس کا حد و حصر نہیں۔ ۲۱ نومبر ۱۸۴۰ء
کو پہلی شہزادی **پرنسس رائل** تولد ہوئیں۔

پرنس کنسرٹ کا انتقال

شاہ ہو یا گدا سب کو مرنا برحق۔ جھونپڑی ہو یا محل ہادم اللذات سب جگہ موجود۔ دنیا میں آنا جانے
کی خبر دیتا ہے۔ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا وہ قبر کا گڑھا ضرور دیکھے گا پر کیسے گا دنیا میں موت
جیسی یقینی اور کوئی چیز نہیں۔ ۱۶ مارچ ۱۸۶۱ء کو ملکہ معظمہ کی والدہ ماجدہ نے سفر
آخرت اختیار کیا ابھی آنسو نہ تھمے تھے ۱۴ دسمبر ۱۸۶۱ء کو شوہر کا داغ کا بیٹھا۔ یہ جوانی
اور رنڈاپا۔ اللہ اکبر یہ وہ مقام ہے جہاں بڑے سے بڑے بادشاہ کی بھی کچھ نہیں چلتی
اُس شاہنشاہ کے سامنے سب کے سر تسلیم خم ہیں جس کی بادشاہت ابدی اور ازلی
ہے۔ پرنس کنسرٹ کے متعلق اُس وقت پارلیمنٹ میں لارڈ ڈزریلی نے جو تقریر کی تھی
اُس کا ماحصل یہ تھا۔ "پرنس ایلبرٹ کی وفات سے ہم نے اپنے ملک کا بادشاہ

کھویا ہے۔ ملکہ کے وہ مستقل خانگی معتمد اور مستقل وزیر اعظم تھے۔ ہمارے ملک کے بزرگ لوگ اور اس وقت جو جوان لارڈ اس کیبینٹ میں موجود ہیں وہ بالاتفاق تسلیم کریں گے کہ اس جرمن شہزادے نے جس عقل مندی اور مصلحت کے ساتھ ملکۂ انگلستان کی اکیس سال خدمت ادا کی ہے ویسی ہمارے کسی بادشاہ میں نظر نہیں آتی"۔

انگریزوں میں شادی اپنی پسند کی ہوتی ہے اسی طرح ملکہ نے بھی اپنے شوہر کو پسند فرمایا تھا۔ اس انمول جوڑے میں بے انتہا محبت تھی۔ حیف صد حیف کہ چند ماہ کے فصل سے ماں کا سایہ سر پر سے اٹھ گیا اور پھر جوڑا بچھڑ گیا۔ یہ دوہرا صدمہ ماں اور شوہر کے انتقال کا جناب ممدوحہ پر ایسا پڑا کہ تمام ملک میں غم والم کی گھٹا چھاگئی میاں بیوی نے مل جل کر صرف اکیس ہی سال مسرت و انبساط سے کاٹے کہ ملکہ عین عالم جوانی میں بیوہ ہوگئیں۔ جس قیامت کی رات ملکہ کے شوہر نے انتقال کیا جناب ممدوحہ نے فرط غم والم سے فرمایا۔ "آج میری نظروں میں دنیا اندھیری ہے۔ میرے حساب سے سب چیزیں مر گئیں"۔ لیکن اسی وقت دل کڑا کر کے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "میں اپنے فرائض کی ادائی میں تو کبھی کوتاہی کرنے والی نہیں"۔ سبحان اللہ کیا استقلال ہے اور کیسی ہمت ہے! شوہر کی وفات کے بعد کئی برس تک ملکہ غم والم میں ایسی ڈوبی رہیں کہ گویا یہ وہ ملکہ نہ تھیں جو کہ پہلے تھیں لیکن زمانہ بڑا مصلح اور غم غلط کن ہے۔ جب صاحب زادے اور صاحب زادیاں بڑے ہوئے۔ پروان چڑھے۔ پوتوں اور نواسوں نے گھر کی چہل پہل اور رونق بڑھائی تو لامحالہ غم کے اشتداد میں کمی ہوئی اور ملکہ معظمہ تھوڑی بہت دلچسپی کاروبار دنیا میں لینے لگیں۔

ولی عہد کی خطرناک علالت اور دیگر حوادث

ہندوستان کے غدر کے بعد ۱۸۷۱ء میں پرنس آف ویلز کی خطرناک علالت نے ملکہ کے دل پر سخت صدمہ پہنچایا۔ شہزادے کی زیست کی امید بہت کم تھی لیکن وہ کریم و کارساز جس نے ملکہ کو ہمارے سروں پر (۸۲) سال قایم و برقرار رکھا اور (۶۴) برس ان کی سلطنت کی برکات سے مستفید کیا

اُس نے اِن کے بعد ایک لائق وفائق شہنشاہ دینے کے لیئے جو اپنی والدہ ماجدہ کے قدم بقدم چلے پرنس آف ویلز کو حیات تازہ بخشی کہ وہ آگے چل کر بہ لقب ایڈورڈ ہفتم ایک لائق۔ تجربہ کار اور ہر دل عزیز بادشاہ بنے۔ ۱۸۷۲ء میں ملکہ کی ہمشیرہ[۱] عزیزہ کا انتقال ہوا اور ۱۸۷۸ء میں شہزادی ایلیس کے انتقال سے آپ کے دل پر سخت صدمہ ہوا۔ ۱۸۷۹ء میں زولو کی لڑائی کے وقت ملکہ کو کچھ کم بے چینی نہیں رہی اُس پر طرہ یہ ہوا کہ کابل میں رزیڈنٹ اور اُن کے تمام لوگوں کو کابلیوں نے قتل کیا اور اُس کے بعد ایک بھاری جنگ ہوئی۔ ۲۸ مارچ ۱۸۸۴ء کو ملکہ معظمہ کے فرزند کہیں ڈیوک آف ایلبنی نے عین عالم شباب اکتیس سال کی عمر میں دو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر انتقال کیا۔ دنیا دار المحن ہے فکر اور غم سے کوئی خالی نہیں۔ ملکہ کی عمر جوں جوں بڑھتی گئی افسوس ناک واقعات کی بھی ترقی ہوتی گئی۔ شہنشاہ جرمن فریڈرک ایمینوئل آپ کے داماد نے انتقال کیا یہ دونوں جانکاہ صدمے ہنوز جناب محتشمہ کو تازہ ہی تھے کہ ۱۴۔ جنوری ۱۸۹۲ء کو ملکہ کے بڑے پوتے ڈیوک آف کلیرنس نے عین عالم شباب یعنی (۲۸) کی اُٹھتی جوانی میں اُس وقت میں جب کہ اُن کی تقریب شادی کی تیاریاں بڑی دھوم دھام سے ہو رہی تھیں سخت بخار سے انتقال کیا۔ شادی کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی۔ بڑھیا دادی کے غم زدہ دل پر کوہِ الم ٹوٹ پڑا۔ ؎

گر پیر نود سالہ بمیرد عجیبے نیست این ماتم سخت است کہ گویند جواں مرد

ملکہ معظمہ کو بڑھاپے میں جوان بیٹے اور ہونہار پوتے نے بڑا داغ دیا۔ یہ دوسرا دوسرا صدمہ ایسا نہ تھا کہ سارے ملک میں سنسنی نہ پھیل نہ جائے تمامی سلطنت میں ان حوادث کا سخت ماتم ہوا اور رعایا و برایا نے اپنی ملکہ کی مصیبت میں پوری ہمدردی کی جس کا اُن کے قلب صافی پر بڑا گہرا اثر ہوا اور قلعہ آسبرن سے ۲۶ جنوری ۱۸۹۲ء کو ایک نہایت پر درد و اثر فرمان اپنی جان نثار رعایا کے نام بقلم خاص تحریر فرمایا۔ جو یہ ہے:—

"میری سلطنت کے ہر خطے کی رعایا نے اس غمگین اور جانکاہ سانحے پر جو صرف

---

[۱] حقیقی بہن تو آپ کی کوئی تھیں نہیں یہ کوئی رشتے کی بہن ہوں گی ۱۲

گرتا اور خدانخواستہ کچھ آپ کے دشمنوں کو نقصان پہنچاتا۔ مگر آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔ اسی وقت ایک دوسری کشتی اتفاق سے آگئی اور آپ اس میں سوار ہو گئیں۔ ایک دوسرا حادثہ کشتی کا اس سے بڑھ کر ہوا کہ آپ جس کشتی میں رونق افروز تھیں اس کی ٹکر کسی دوسری کشتی سے ہو گئی وہ کشتی آپ کے دیکھتے دیکھتے مع ان آدمیوں کے جو اس پر سوار تھے ڈوب گئی جس کا آپ کو بڑا افسوس ہوا مگر قدرت خدا کی کہ آپ کی کشتی بالکل محفوظ رہی۔ ایک مرتبہ جب کہ آپ اور آپ کی والدہ بگھی میں سوار تھیں گھوڑے بھڑک گئے اور لے بھاگے بڑی خیر گزری کہ ایک راہ چلتے نے جھپٹ کر گھوڑوں کو تھام لیا۔ اس کے سوا اور بھی ایسے کئی واقع پیش آئے ہیں مگر ہر حال میں خدا حافظ و نگہبان رہا۔

اولاد

ملکہ معظمہ جہاں ہر اعتبار سے خوش نصیب تھیں وہاں اولاد کی طرف سے بھی ان کی گود پیٹ بھری پڑی تھی آپ کے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں وغیرہ ملا کر خدا رکھے بھرا پرا کنبہ تھا لیکن ساتھ ہی اس کے آپ نے اپنے جگر گوشوں کی موت کے بڑے بڑے صدمے بھی اٹھائے۔ اول ہی آپ اپنے شوہر کے انتقال سے عمر بھر رنجیدہ اور ملول رہیں اور سوا اکیس سال کے ساری عمر رنڈاپے میں بسر کی اور جوان جوان صاحبزادوں اور صاحبزادیوں اور پوتوں کے مرنے کے صدمات عظیم کو بھی نہایت تحمل و استقلال اور صبر و شکر سے برداشت کیا۔ مگر بڑھاپے میں اولاد کا داغ خدا نہ دکھائے اواخر عمر میں آپ کو بہت بڑے بڑے صدمے اٹھانے پڑے۔ ایک نوجوان بیٹے ڈیوک آف البنی کا انتقال پھر جوان جوان پوتے ڈیوک آف کلیرنس کا صدمہ اور تیسرے سب سے اخیر ڈیوک آف اڈنبرا کا سنہ ۱۹ء کا اس دار فانی سے کوچ۔ ان صدمات کا حال اس ماں کے دل سے پوچھا چاہیے جس پر یہ گزرے۔ ملکہ معظمہ کو نو بچے ہوئے (۱) سب سے بڑی آپ کی وہ صاحبزادی تھیں جو بادشاہ جرمن کی خاتون محترم تھیں اور حال شہنشاہ جرمن کی والدہ۔ (۲) پرنس آف ویلز جو شہزادی ڈنمارک سے منسوب تھے اور جن کے پانچ بچے تھے۔ جن میں سے چار زندہ ہیں۔ پرنس آف ویلز کے بڑے صاحبزادے ڈیوک آف یارک (حال ملک معظم جارج پنجم)

کے چار[۵] بچے۔ ایک صاحب زادی کے دو بچے۔ ایک ناکد خدا اور ایک اولاد نہیں۔ (۴) شہزادی ایلس ماڈ میری جو سات بچے چھوڑ کر ۱۴۔ دسمبر ۱۸۷۸ء کو فوت ہوئیں (۵) ڈیوک آف اڈنبرا جن کی خاتون شہنشاہ روس کی شہزادی ہیں۔ ان کے پانچ بچے ہیں۔ ڈیوک نے ۱۹۰۰ء میں انتقال کیا۔ (۵) شہزادی ہلنا۔ پانچ بچے۔ (۶) شہزادی لوئی (۷) ڈیوک آف کناٹ جو پروشیا کی شہزادی سے منسوب ہیں تین بچے۔ جناب ممدوح عرصے تک ہندوستان میں کمانڈر ان چیف رہے ہیں اور پھر ۱۹۰۳ء کے کارونیشن دربار میں بھی تشریف لائے تھے (۸) ڈیوک آف البنی جنھوں نے دو بچے چھوڑ کر ۱۸۸۴ء میں انتقال کیا۔ (۹) شہزادی بیاٹرس (چار بچے)

آپ چھ بچے چھوڑ کر مریں پوتے پوتیوں نواسے نواسیوں اور اُن کی اولاد ملائی جائے تو جو مر گئے اُن کو چھوڑ کر بھی (۴۷) ملکہ کی زندگی تک موجود تھے۔

ڈیوک آف یارک کی شادی

پرنسس میری ڈیوک آف کلیرنس کی منگیتر تھیں وہ اچانک عالم جوانی میں عالم بقا کو سدھارے انھیں سے ۶۔ جولائی ۱۸۹۳ء کو اُن کے چھوٹے بھائی **ڈیوک آف یارک** (اعلیٰحضرت ملک معظم جارج پنجم) کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوگئی جن کے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا جو اب **پرنس آف ویلز** ہیں اور جو ملکہ مرحومہ کے پڑپوتے ہیں۔ ملکہ معظمہ کی ایک مبسوط سوانح عمری میں ہم نے ایک تصویر دیکھی ہے جس کا عنوان **چار پشت چار پیڑھی** ہے اس تصویر میں ملکہ معظمہ اپنے اس چھوٹے سے پڑپوتے کو آغوش محبت میں لئے بیٹھی ہوئی ہیں اُن کے چہرے سے مسکراہٹ اور آثار مسرت ظاہر ہیں۔ داہنے اور بائیں پرنس آف ویلز (ایڈورڈ ہفتم) اور ڈیوک آف یارک (جارج پنجم) باپ بیٹے کھڑے ہیں۔ اس حساب سے جناب ممدوحہ نے چوتھی پشت دیکھ لی جو اس زندگی ناپائدار میں سوائے ایسے خوش نصیبوں کے دوسروں کو کم نصیب ہوتی ہے۔

کچھ بچپنے کی چٹپٹی باتیں

ملکہ معظمہ کے متعلق بے شمار حکایتیں مشہور ہیں جن میں خاص کر بچپنے کی باتیں بڑی دل آویز ہیں۔ ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات ہونت کے پاؤں پالنے ہی میں معلوم

---

[۵] بعد میں اور بچے بھی ہوئے ہیں [۶] بعد میں ان کی بھی شادی ہوگئی ۔۱۲

دیتے ہیں اچھوں کے اچھے ہی ہوتے ہیں۔ ملکہ معظمہ شروع ہی سے بڑی خلیق اور ملنسار تھیں۔ آپ اکثر ایک خچر پر سوار ہو کر نکلا کرتی تھیں جس پر ایک مکلف زین کے علاوہ خچر کے گلے میں نیلے گنڈے بھی پڑے رہتے تھے۔ آپ کی عادت تھی کہ راہ چلتوں سے اکثر پوچھ لیا کرتی تھیں۔ "اچھے ہو؟" اور سلام میں بھی خود تقدیم کرتی تھیں۔ جو لوگ آپ کو سبز کٹہرے کے اندر ہری گھاس کے تختوں پر کھیلتے دیکھ لیتے تھے اکثر آپ کے ہاتھ چوم لیتے تھے۔ آپ نے بچپنے میں بھی کبھی فضول خرچی نہیں کی حالاں کہ گھر میں اللہ کا دیا سب ہی کچھ تھا اور پھر ماں باپ کی اکلوتی اور لاڈلی شاہی گھرانے کی بیٹی جتنا کرتیں تھوڑا تھا مگر یہ رکھ رکھاؤ اور تعلیم کی خوبی تھی جو کفایت شعاری خمیر میں داخل ہوگئی۔ ایک مرتبہ کیا ہوا کہ ۱۸۲۶ء میں آپ کسی میلے میں تشریف لے گئیں تھیں بہت سے عزیز و اقارب دوست احباب کے لیئے تحفے تحائف خریدے میں آپ کو جو کچھ روپیہ میوہ خوری کے لیئے ملا تھا صرف ہو گیا اُس وقت آپ کو خیال آیا کہ اوہو فلاں بھانجے کے لیئے کچھ نہیں لیا۔ آپ نے اس کے لیئے ایک بکس پسند کیا جس کی قیمت بھی کچھ زیادہ نہ تھی صرف نصف کراؤں۔ دکان دار نے چاہا کہ آپ کی اور چیزوں کے ساتھ اس بکس کو بھی رکھ دے دام کوئی بھاگے جاتے تھے آجائیں گے۔ لیکن آپ کی گورنس نے کہا نہیں۔ اس وقت دام نہیں ہیں اس وجہ سے شہزادی خرید نہیں سکتیں۔ پھر دیکھا جائے گا آپ اس بکس کو نکال کر الگ رکھ دیجئے"۔ شہزادی اس بات سے خوش ہوئیں اور جب حسب معمول آپ کو جیب خرچ ملا تب آپ خچر پر سوار ہو کر آئیں اور اُس بکس کو خرید لے گئیں۔ اس سے ہر شخص کو ایک عمدہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جب تک پیسہ ہاتھ میں نہ ہو اُدھار کبھی بھول کر نہ کرے جو لوگ قرض سودا خریدتے ہیں وہ بے دھڑک جو دل میں آیا لے لیتے ہیں کیوں کہ دام تو اُس وقت دینے ہی نہیں پڑتے جو بوجھ معلوم دے۔

آپ کی اکثر عادت تھی کہ اپنے گورنس کے ساتھ بازار تشریف لے جایا کرتی تھیں ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ ایک جوہری کی دکان پر کچھ خریدنے آئیں دیکھا کہ دکان دار کسی ایک اور نوجوان گاہک لیڈی کی طرف متوجہ ہے جو گھڑی کی ایک زنجیر کا سودا کر رہی تھی۔ زنجیر پسند کی۔ دام پوچھے تو بہت تھے۔ دام سُن کر وہ لیڈی دل مسوس کر

رہ گئی اور کہا۔ "دام بہت ہیں اور مجھ میں اتنی سکت نہیں۔" یہ کہہ کر چلی گئی کہ "خیر کم داموں کی لے لوں گی"۔ شہزادی یہ سب ماجرا دیکھ رہی تھیں۔ اُس کے چلے جانے کے بعد آپ نے دکان دار سے پوچھا کہ "کیا تم جانتے ہو کہ یہ کون لیڈی تھیں"؟ دکان دار "ہاں میں جانتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا کہ "جو زنجیر اُنھوں نے پسند کی ہے وہ تم اُن کو بھیج دو اور یہ بھی کہلا بھیجو کہ وکٹوریا چاہتی ہے کہ تم اس کو اُس عمدہ صفت کے عوض قبول کرو کہ تم نے جس چیز کو نہ لے سکتی تھیں نہیں خریدی اور اپنی خواہش نفسانی کو روکا"۔ کئی برس کے بعد آپ کی ایک تصویر سرتاپا مانی لباس میں کھینچی گئی اور آپ کے جسم پر کوئی زیور نہ تھا۔ لوگوں نے التماس کیا کہ تصویر کھنچوانی ہے آپ کچھ تو زیور زیب تن فرمالیں۔ آپ نے فرمایا۔ "نہیں۔ یہ تصویر تو میرے لوگوں میں جائے گی۔ جہاں تک میرے بس میں ہے میں یہ چاہتی ہوں کہ فضول خرچی کا سد باب ہو"۔

ملکہ کو اس طرح اُٹھایا گیا کہ غریب اور امیر سب کے ساتھ یکساں اخلاق اور پسندیدہ اطوار کا برتاؤ کریں۔ ایک دن جب کہ شہزادی ملبرن میں اپنی والدہ کے ساتھ مقیم تھیں اپنے چھوٹے سے کتے کو لیے ہوئے اپنی ماں اور اتالیقہ کے آگے آگے دوڑ رہی تھیں کہ رستے میں اُن کو اپنی ایک ہم عمر لڑکی ملی جو تھی تو دیہاتی مگر لباس صاف ستھرا تھا۔ بوجہ ہم سنی شہزادی کا دل چاہا کہ اس سے کچھ بات کریں تو اُنھوں نے یوں بات چھیڑی کہ "میرا کتا بہت تھک گیا ہے کیا تم مہربانی کر کے اسے اُٹھا لو گی"؟ اُس خوش مزاج لڑکی نے جسے خبر نہ تھی کہ یہ لڑکی شہزادی ہے کہا "ہاں کیا مضائقہ ہے" اور جھپٹ کتے کو گود میں اُٹھا لیا اور دونوں برابر ہنسی خوشی باتیں کرتی چلی جا رہی تھیں تھوڑی دور جا کر اُس لڑکی نے کہا کہ "میں تو تھک گئی اور آپ کے کتے کو زیادہ دیر تک نہیں اُٹھا سکتی"۔ شہزادی۔ "کیا واقعی؟ ناممکن۔ تم تو ابھی تھوڑی ہی دور لائی ہو"۔ لڑکی۔ "میں تو خاصی دور لے آئی اور مجھے اپنی خالہ کے ہاں جانا ہے۔ اگر آپ کو کتے کو اُٹھوانا ہے تو آپ خود کیوں نہیں اُٹھالیتیں"؟ شہزادی۔ "تمھاری خالہ کون ہیں"؟ لڑکی۔ "مسز جانسن"۔ شہزادی۔ "کہاں رہتی ہیں"؟ لڑکی۔ "وہ سامنے والے چھوٹے سے گھر میں جو پہاڑ کے دامن میں نظر آتا ہے"۔ یہ باتیں دونوں لڑکیاں کھڑی آپس میں کر رہی تھیں کہ اتنے میں شہزادی کی والدہ اور گورنس

بھی آ گئیں۔ شہزادی۔ وہ میرا دل تمھاری خالہ سے ملنے کو چاہتا ہے۔ میں تمھارے ساتھ چلتی ہوں۔ آؤ ہم تم دونوں دوڑ چلیں۔" گورنس۔ (ملکہ کا ہاتھ پکڑ کر) "شہزادی نہیں۔ نہیں۔ آپ اس لڑکی سے بہت دیر باتیں کر چکیں۔ آپ کی اماں جان فرماتی ہیں کہ گھر چلیئے۔" "شہزادی کے لفظ کو سن کر بے چاری غریب لڑکی سٹپٹا گئی اور شرمانے لگی۔ لیکن ملکہ کی والدہ نے اُسی وقت نہایت "لطف آمیز مہربانی سے اُس لڑکی کی تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کیا اور ایک اشرفی اُسے انعام دی۔ وہ لڑکی بہت خوش ہوئی اور شکریہ ادا کیا اور دوڑی دوڑی اپنی خالہ پاس جا کر سب ماجریٰ بیان کیا۔ وہ اشرفی ایک چوکھٹے میں جڑ کر اب تک ملکہ کی ملاقات کی یادگار میں اُن کے مکان میں لگی ہوئی ہے۔

ملکہ کی ہمدردی اور نیک مزاجی کی بہت سی حکایتیں آپ کی تخت نشینی کے بعد کی بھی ہیں۔ ایک دن آپ کے ملاحظہ اور پسند کے لئے کچھ کنگھن پیش کیئے گئے تھے۔ اُن میں سے آپ نے پچیس پونڈ کی ایک جوڑی پسند فرمائی۔ اسی اثنا میں کسی لیڈی نے ایک قدیم عہدہ دار کی بیوہ عورت کی عرضی پیش کی۔ ملکہ نے عرضی پڑھی اور متاثر ہو کر وہ کنگھن تو دیئے رکھ اور اُس کی قیمت پچیس پونڈ اس بیوہ کو بھیج دی۔

برسوں سے ایک بڈھا کنسنگٹن کے محل کے سامنے والی سڑک جھاڑا کرتا تھا۔ ملکہ شہزادگی کے زمانے سے جب کبھی گاڑی میں نکلتی تھیں اس بڈھے پر ترس کھا کر کچھ نقری سکے پھینک دیا کرتی تھیں۔ جب آپ خود ملکہ ہوئیں تو تو اُس بڈھے کی آٹھ شلنگ ہفتہ وار پنشن مقرر کر دی لیکن افسوس ہے کہ وہ بڈھا صرف چھ ہی مہینے جیا۔

ملکہ معظمہ نے اپنے والد کا قرضہ جو پچاس ہزار پونڈ تھا ادا کر دیا۔ آپ کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اُن کی والدہ بھی کچھ قرض دار ہیں۔ اُن کی راست باز صاحبزادی نے ایک دن ناشتہ کے وقت میز پر اُن کی رکابی کے پاس ایک لفافے پر اُن کا نام لکھ کر رکھ دیا۔ اُنھوں نے جو لفافے کو کھولا تو کیا دیکھتی ہیں کہ اُن کے سارے قرضے کی ادائی کی رسیدیں اُس میں موجود تھیں۔

ملکہ کی کام کی قابلیت

ملکہ معظمہ کبھی کام کرنے سے ہچکچاتی نہ تھیں۔ اوائل زمانِ سلطنت میں سویرے آٹھ بجے ہی سے کاغذات ملاحظہ فرمانے لگتی تھیں۔ لارڈ ملبرن نے ایک مرتبہ کاروبار کی مصروفیت اور کثیر التعداد غور طلب کاغذات کے پیش کرنے کی معذرت بھی کی۔ آپ نے فرمایا۔ "یہ تو صرف ایک تبدیل شغلہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں نے کبھی آرام طلبی کی زندگی بسر نہیں کی۔ مجھے اپنے زمانہ کے سبقوں کو چھوڑ کر ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا"۔ لارڈ پالمرسٹن لکھتے ہیں کہ صرف ایک سال [illegible] میں اٹھائیس ہزار مراسلات ملاحظۂ اشرف سے گزرے۔ ایسے اہم دستگر کاغذات کو اُن کے منسلکات کے ساتھ دیکھنا اور غور کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ذیل کے واقعے سے حضرت ممدوحہ کی غایت درجے کی انسانیت، نرم دلی اور پابندی اوقات کا حال معلوم ہوگا۔ آپ کے سٹاف میں ایک عہدہ دار بڑا جلد باز اور گھبرا جانے والا تھا۔ ایک دفعہ وہ ملکہ کی حضوری میں سلطنت کی ایک بڑی بھاری تقریب کے متعلق کچھ احکام اور ہدایات لینے کی غرض سے حاضر ہوا۔ ملکہ معظمہ نے ساری تفصیل اُسے سمجھا دی خدا جانے گھبراہٹ میں اُس نے پوری طور سے سنا نہیں یا سنا اور باتیں ذہن سے اُتر گئیں بہرحال وہ اُن ہدایات کو بھول گیا اور اب بہت سٹپٹایا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ ملکہ معظمہ کی سمع مبارک تک بھی اُڑتی پڑتی یہ خبر پہنچی۔ آپ خود بدولت کمرے میں تشریف لے گئیں اور میز پر سے ایک تختہ پروگرام جو دست خاص سے ارقام فرمایا تھا وہ ایک عہدہ دار کو دیا اور کہا کہ فلاں صاحب کے پاس لے جاؤ اور اُن سے کہدو کہ "وہ خیر کچھ مضائقہ نہیں میں نے جو کچھ اُن سے زبانی کہا تھا وہ سب اس کاغذ پر لکھا ہوا ہے اس سے اُن کو اُن امور کی تفصیل بخوبی معلوم ہوجائے گی"۔ حضرت ممدوحہ بڑی پابندی سے اپنا روزنامچہ بھی قلم بند فرماتی تھیں جو مشہور اور ضروری واقعات ہوتے تھے سب اس میں لکھتی تھیں۔ امور سلطنت کی نسبت اخبارات میں جو مباحثات ہوتے تھے اُن کو بہت غور سے دیکھتی تھیں۔

اتوار کا دن

اتوار کا دن بالکل چھٹی اور عبادت کے لیئے مخصوص تھا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ہفتے کی شام کو آخیر وقت ایک وزیر دردولت پر کچھ ضروری اور اہم کاغذات لے کر حاضر ہوا اور معروضہ کیا کہ کاغذات ضروری اور

غور طلب ہیں شب کے وقت حضور کو تکلیف دینا نہیں چاہتا صبح سویرے حاضر ہوں گا" ملکہ۔ "کل صبح ؟" پھر مکرر فرمایا "کل تو اتوار ہے" وزیر "پیرومرشد بجا ارشاد ہوا لیکن کام ایسا ضروری ہے کہ اس میں تاخیر کا محل نہیں" ملکہ "ہاں۔ مجھے معلوم ہے۔ اگر کاغذات ایسے ہی سخت ضروری ہیں تو خیر کل صبح دیکھ لوں گی۔"

صبح کو ملکہ مع اپنے درباریوں اور حوالی موالی کے گرجا تشریف لے گئیں۔ گرجا میں اُس روز اتوار کے دن کی عظمت اور احترام پر ہی وعظ تھا۔ نماز کے بعد ملکہ اُس وزیر کی طرف مخاطب ہوئیں اور استفسار فرمایا "آپ نے سنا۔ وعظ کیسا تھا کچھ پسند آیا ؟"

وزیر۔ "یور میجسٹی۔ سبحان اللہ! وعظ کا کیا کہنا فی الواقع بہت ہی عمدہ تھا"

ملکہ "تو مجھے آپ سے اس امر کے پوشیدہ رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ اس وعظ کا مسودہ کل رات کو میں نے ہی پادری صاحب کے پاس بھیج دیا تھا۔ مجھے امید ہے کہ اس وعظ سے آپ صاحبوں کو فائدہ پہنچے گا"

اتوار کے سارے دن ان کاغذات کا کچھ ذکر نہیں آیا۔ رات کے وقت جب ملکہ وزیر کو سلام کر کے رخصت ہونے لگیں تو فرمایا "مائی لارڈ! کل صبح آپ جس وقت چاہیں اگر آپ کو پسند ہو تو سویرے سات ہی بجے میں اُن کاغذات کو دیکھوں گی"

وزیر "اتنے سویرے حضور کو تکلیف دینا میں مناسب نہیں خیال کرتا۔ جلدی سے جلدی نو بجے بھی کافی ہے" حضرت اپنے ملازمین سے بھی اتوار کے دن غیر ضروری کام نہیں لیتی تھیں۔ نوکروں کے ساتھ آپ کا سلوک بڑی مہربانی اور شفقت کا تھا۔ ایک بڑی دعوت درپیش تھی۔ بینڈ والوں کو درست کرنا تھا۔ وہ عین وقت پر غیر حاضر ہو گئے اور اسی قصور میں خدمت سے موقوف کر دیئے گئے۔ آپ نے جب سنا تو فوراً بحال کر دیا اور فرمایا کہ "میں اپنے ملازموں کو سزا دینا نہیں چاہتی۔ آیندہ خیال رہے کہ اتوار کو ان سے کام نہ لیا جائے"

قصاص حسن کا حکم

ملکہ کی تخت نشینی کو ابھی تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ جناب ممدوحہ کو شاہی اقتدار زندگی یا موت کے برتنے کا اتفاق پیش آیا۔ ڈیوک آف ولنگٹن نے ایک فوجی حکم نامہ ایک سپاہی

کی پھانسی کا آپ کی منظوری کے لیئے پیش کیا۔ اُس زمانے میں پھانسی کے لیئے بادشاہ وقت کی منظوری مشروط تھی۔ آپ اُس کاغذ کو ملاحظہ فرما کر دستخط کرنے سے رُکیں۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ فرمایا۔ "کیا آپ اس شخص کی طرف سے کچھ کہنا نہیں چاہتے؟" آیرن ڈیوک (رُئیں تن ڈیوک) "جی کچھ نہیں۔ یہ تیسرا مرتبہ ہی کہ یہ شخص فرار ہو چکا ہے۔" ملکہ۔ "او ڈیوک!۔ ذرا پھر خیال کیجئے۔" ڈیوک۔ بہت خوب حضور سپاہی کی حیثیت تو یقیناً یہ شخص بد ہے لیکن میں نے سُنا ہی کہ اس کا رویہ اچھا ہے۔ شاید وہ اپنی خانگی طرز معاشرت میں اچھا ہو۔" ملکہ "تب تو میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں اور **معاف** لکھ کر اپنے خوب صورت دستخط فرما دیئے۔ ملکہ معظمہ کو اس تکلیف دہ فریضے سے سبکدوش کرنے کے لیئے آخر کار پارلیمنٹ سے قانون پاس ہو گیا کہ ایسے احکام رائل (شاہی) کمیشن سے جاری ہوا کریں۔

زخمیوں سے ہمدردی

اوّل تو عورت کی ذات یوں بھی نرم دل ہوتی ہی پھر ملکہ جیسی رقیق القلب۔ رحم دل۔ جنگ کریمیا کے بعد آپ نے خواہش کی کہ میں کچھ زخمیوں کو دیکھنا چاہتی ہوں جو چنگے ہو گئے ہوں اور قصر بکنگھم کو آسکتے ہوں۔ چنانچہ بہ اتباع ارشاد خداوندی چند لوگ حاضر کیئے گئے وہ سب ایک قطار باندھ کر ایک کمرے میں کھڑے کیئے گئے۔ ملکہ نے سب کو بغور ملاحظہ فرمایا۔ ایک شخص سے مخاطب ہو کر یوں گوہر فشاں ہوئیں۔ ملکہ "میں دیکھتی ہوں کہ تمھارا سیدھا بازو ضائع ہو گیا ہی۔ تم کہاں زخمی ہوئے تھے؟" سپاہی۔ "حضور خندق میں" ملکہ "میں خیال کرتی ہوں کہ اب بھی جب موسم بدلتا ہی تو تمھارے درد ہوتا ہو گا؟" سپاہی "حضور بے شک مجھے درد کی کسک معلوم ہوتی ہی" سپاہی جب عرض کر رہا تھا تو اُس نے اپنی انگلیاں اپنے دل پر رکھ لی تھیں مگر انگوٹھا وہ بائیں شانے کی طرف تھا کیوں کہ صرف بایاں ہی ہاتھ رہ گیا تھا ملکہ معظمہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا۔ "میں نے اکثر سُنا ہی مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں؟ اگر ایک جانب کا بازو ضائع ہو جائے تو دوسری طرف بھی درد ہوا کرتا ہی۔ اس کی وجہ کیا ہی؟" سپاہی۔ "اگر غلام کو معافی دی جائے تو غلام عرض کرے؟" ملکہ "میں پسند کرتی ہوں کہ اس کی وجہ اُسی شخص سے سنوں جس پر بیتی ہو بہ نسبت اُس شخص کے کہ جس پر یہ ماجرا گذرا نہیں" سپاہی "حضور والا! ایک وقت وہ تھا کہ میرا ہاتھ صحیح سلامت تھا جس سے میں اپنی ملکہ کی خدمت گزاری میں ہتھیار چلاتا تھا۔ اگر میرے ایسے ایسے پچاس ہاتھ بھی ہوتے تو بھی

اگر سب ہاتھوں کو بھی اپنی ملکہ کی خدمت کے لئے مخصوص کرتا۔ لیکن کیا کروں کہ اب وہ ہاتھ ہی نہ رہا۔ اس بات کا رنج مجھے یہاں ہے (دل کی طرف اشارہ کر کے) ملکہ نے بھی دیکھا کہ وہ دل کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ آپ متاثر ہوئیں اور نہایت متاثر لہجے میں فرمایا۔ ''میں اس بات کے لئے تمہارا شکریہ ادا کرتی ہوں،، اور پھر مکرر یہی کلمات زبان فیض ترجمان سے فرمائے۔ اس کے بعد چار شخصوں کو کچھ عرض معروض کرنا تھا اُن کی طرف متوجہ ہوئیں۔ پھر جناب ممدوحہ نے جنگ کی خوف ناک حالت۔ لوگوں کے مصائب۔ کنبوں اور ملک کے متعدد نقصانات کا ذکر فرمایا۔ آخر کار جناب ممدوحہ ایک اور سپاہی کے پاس تشریف لائیں جو بیساکھیوں کے سہارے کھڑا تھا۔ اُس سے دریافت کیا کہ ''تم کہاں زخمی ہوئے؟،، سپاہی نے ایک بھدی آواز اور اکھڑ لہجے میں کہا۔ ''گولی دن کر کے میری ٹانگ میں لگی،، ملکہ معظمہ نے فرمایا ''ہے تو یہ بھی اُسی مرتبے کا (یعنی کہ جیسا کہ پہلا سپاہی تھا) لیکن پہلے میں خلقی ادب تھا یہ اُس کے برعکس ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ ایک پیدائشی دربار دار تھا اور یہ نہیں،، پہلے شخص نے کس خوبی اور شاہی آداب ملحوظ رکھ ملکہ کو جواب دیا اور دوسرے نے کیا اجڈ پنا دکھلایا۔

کچھ خوشی کی باتیں

ملکہ معظمہ کی زندگی میں جو جو افکار و حوادث پیش آئے اُن کا ذکر اوپر آچکا اب کچھ دل خوش کن باتیں بھی سنیئے کہ ؎

رنج و راحت جہاں میں توام ہے
کبھی شادی ہے اور کبھی غم ہے

قیصر ہند کا خطاب

۱۸۷۷ء میں ملکہ ممدوحہ نے **قیصر ہند کا خطاب** لیا جس کا عظیم الشان جلسہ بعہد لارڈ لٹن گورنر جنرل دہلی میں ہوا جہاں تمام رجواڑے اور رئیس مع اپنی افواج و لوازمہ و تزک و احتشام کامل جلوس سے موجود تھے۔ ایسا عظیم الشان جشن اس سے پہلے ہندوستان میں کبھی نہیں ہوا۔

جوبلی

۲۱ رجون ۱۸۸۷ء کو ملکہ معظمہ کے پچاس سالہ دور حکومت کی شکرگذاری میں ایک بڑا جلسہ تمام ملک میں ہوا جو **گولڈن جوبلی** یعنی جشن طلائی کہلاتا ہے۔ اس کے بعد ۱۸۹۷ء کو شصت سالہ سلطنت کی خوشی میں اس سے بھی بڑھ کر دھوم دھام ہوئی جو **ڈایامنڈ جوبلی** جشن الماسی کے نام سے مشہور ہے۔ ہندوستان میں اس سرے سے اُس سرے تک بڑی خوشیاں منائی گئیں اور ہر ہر مقام پر جلسے اور جشن ہوئے لیکن لندن کا منظر عجیب و غریب اور قابل دید تھا۔ ملکہ معظمہ کی سواری بڑی

دھوم دھام اور جلوس سے برآمد ہوئی۔ اس وقت دوہری خوشی تھی۔ ایک یہ کہ جناب ممدوحہ کی حکمرانی پر ساٹھ سال گزرے اور دوسرے یہ کہ آپ کا زمان سلطنت یورپ کے کل بادشاہوں سے بڑھ گیا کسی بادشاہ کو اتنے دنوں سلطنت کرنا نصیب نہیں ہوا۔ اس بے نظیر تقریب کے دیکھنے کو چاردانگ عالم سے لوگ جمع ہوئے کیوں کہ ایسا نظارہ کاہے کو کسی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ نہ کوئی ساٹھ برس سلطنت کرے گا نہ کوئی بادشاہ اپنی قوم کا ایسا پیارا ہو گا۔ نہ یہ جوش و خروش ہو گا۔ ہر ہر خطہ ملک سے جہاں جہاں وکٹوریا کا جھنڈا لہراتا ہے سفیر اور ایلچی تہنیت اور مبارکباد کو حاضر ہوئے۔ لندن میں آسمان ابر آلود رہتا ہے اور کُہر سے دُھندلا رہتا ہے مگر اُس دن افضال الٰہی سے مطلع بالکل صاف تھا گویا آفتاب عالم تاب نے بھی اس سین کے دیکھنے کے شوق میں اُفق مشرق سے گردن نکالی تھی۔ لندن میں ملکہ کی تاج پوشی سے لے کر اب تک جسے ساٹھ سال کی طویل مدت گزر چکی تھی ایسا عظیم الشان جشن جس میں ہر شخص مگن تھا اور مارے خوشی کے باچھیں کھلی جاتی تھیں۔ نہیں ہوا تھا۔ صبح سویرے ہی سے تمام لوگ راستوں اور ریل پر سے ٹڈی دل کی طرح اُمنڈ پڑے جس کی نظیر کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ دوسری سلطنتوں کے بادشاہ بھی مہمان تھے۔ اس تقریب میں پچاس ہزار فوج سڑک کے دوطرفہ صف بستہ کھڑی تھی۔ ہندوستانی فوج کو یہ اعزاز خاص دیا گیا تھا وہ بطور باڈی گارڈ کے تھی۔ اس تقریب پر پیشگاہ خسروی سے ہندوستان اور کل ممالک کو ایک مختصر تار دیا جس کے لفظ لفظ سے محبت ٹپکتی ہے اور وہ یہ ہے:۔

"میں تہ دل سے اپنی پیاری رعایا کا شکریہ ادا کرتی ہوں خدا اُن کو برکت دے۔" سینٹ پال کے مشہور گرجا میں جو شکرانے کی نماز ادا ہوئی اُس کا کیا پوچھنا ہے۔ قوم کا ایک ایک شیدا دل وجان سے اپنی ملکہ کی سلامتی کی دعا کرتا تھا۔ جناب معظمہ اپنی رعایا کے اس اظہار عقیدت اور جوش خروش سے نہایت متاثر ہوئیں اور بڑی مشکل سے تحمل فرمایا ورنہ بڑے بڑے کڑے دل والے اس وقت آب دیدہ تھے۔ ہر شہر۔ ہر گاؤں حتیٰ کہ ہر مکان میں اس شب مبارک کو روشنی کی گئی۔ لندن کا تمام شہر اور بازار بقعۂ نور بن گیا تھا غریبوں کو کھانا کھلایا گیا اور بہت سے سیر تماشے ہوئے۔ اس کے سوا جوبلی کی دوامی یادگاریں دواخانے۔ مسافر خانے۔ آرام گاہیں گھنٹے گھر وغیرہ بنائے گئے۔ شب میں بحری قوت کا

ملاحظہ ہوا۔ (۱۶۶) جہاز آراستہ و پیراستہ کھڑے تھے۔ ملکہ معظمہ بنفس نفیس دن بھر کی تقاریب کی تکان اور نقاہت کی وجہ سے اس سین کو ملاحظہ نہ فرما سکیں اور اپنی طرف سے اپنے فرزند دلبند پرنس آف ویلز کو بھیج دیا تھا۔ اس موقع پر صرف شاہی مہمانوں کی اس قدر کثرت تھی کہ دو سپیشل ٹرینیں بھر بھر کر گئیں۔ دن کو جو کچھ بہار تھی وہ تو تھی ہی رات کا سماں کچھ اور ہی تھا کہ ایک دم سارے جہازوں پر بجلی کی روشنی جگمگانے لگی جو اندھیری گھُپ رات میں نظروں میں کھبی جاتی تھی تیس ہزار اشخاص سے اوپر ہی اوپر ان جہازوں پر مامور تھے تیس ہزار گلوں نے جب آن واحد میں چیرز کا پُرجوش نعرہ لگایا ہوگا تو کرہ سماوی میں اُس کی گونج کا محض تصور سے کام نہیں چلتا جس کے کانوں نے سُنا ہوگا وہی اس کا لطف جانے۔

دوسرے سلاطین ہم عصر سے طرز مراسلت

ملکہ معظمہ کی سلجھی ہوئی سمجھ۔ بلند نظری اور دور بینی سے نہایت تعجب ہوتا ہے وہ زود فہم اور معاملات کی تہ کو اس قدر جلد پہنچتی تھیں اور مآل اندیشی اس درجے تھی کہ بڑے بڑے امرا و وزرا اور مشیران مملکت آپ کی فراست سے دنگ رہ جاتے تھے جس کی بیشتر مثالیں تاریخ میں موجود ہیں۔ دوسرے بادشاہوں کو جب کبھی مراسلت کی ضرورت داعی ہوتی تھی تو آپ ہمیشہ طرفین کی عظمت اور وقار ملحوظ رکھتی تھیں آپ نے کبھی دب کر تحریر نہیں کی۔ یہ بات سب لوگوں کو یاد ہے کہ جناب ممدوحہ نے اپنے نواسے شہنشاہ ولیم کو کس طرح ڈانٹ کر لکھا تھا اور لوئیس فلپ بادشاہ کو تو ایسی برجستہ تحریر کی کہ کسی بادشاہ نے شاید آج تک کسی بادشاہ کو نہ کی ہوگی۔ ملکہ کے طرز عمل سے یہ بات کبھی ظاہر نہیں ہوئی کہ ان کے سینے میں ایک عورت کا دل ہے۔ دوسرے بادشاہوں سے اُن کے تعلقات دوستانہ تھے۔ رعایا کے ساتھ ان کی مصیبت میں بڑی ہمدردی فرماتی تھیں خصوصاً ایسے واقعات اتفاقی میں جیسے جہاز کی تباہی۔ ریل کا ٹکرا جانا۔ معدنوں کا بیٹھ جانا اور کسی قسم کی خطرناک ناگہانی آفت۔ ایسی مصائب کے وقت سب سے پہلے آپ کا دست شفقت اور تسلی دراز ہوتا تھا خواہ کوئی تسلی آمیز فرمان جاری فرمائیں یا نقدی امداد فرمائیں۔ جناب ممدوحہ ایسی رقیق القلب تھیں کہ کسی کی تکلیف نہ دیکھ سکتی تھیں اور روتے کے ساتھ خود بھی بے اختیار رونے لگتی تھیں۔

ہندوستان پر مہر کی نظر

ملکہ معظمہ یوں تو اپنی ساری وسیع سلطنت کی رعایا پر دل وجان سے فدا تھیں مگر اہل ہند کی خاص جگہ آپ کے دل میں تھی۔ جب کبھی ہندوستانیوں کو کوئی تکلیف پونہچی معاً آپ نے تشفی اور تسلی فرمائی آپ نے بعض اوقات اپنے وزراء کے خلاف یورپین رعایا پر ہندوستان والوں کو ترجیح دی جس کی کھلی مثال غدر کے حالات ہیں۔ جب کہ ولایت کے سارے اخبار شور وشغب مچا رہے تھے۔ گورے کالے پر مطاعن اور مظالم کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ غرض ہر شخص جوش انتقام میں بھرا ہوا اور پُر دل تھا۔ لارڈ کیننگ نے جو اُس زمانے میں گورنر جنرل تھے جناب معزی کی خدمت میں اظہار واقعات کیا۔ اس کے جواب میں باتفاق رائے گورنر جنرل ارشاد ہوا کہ "جناب ممدوحہ یہاں کی عامۂ خلایق کی اُس عام نکتہ چینی پر جو بلا امتیاز احد سے اور خلاف شان مذہب عیسوی کی گئی ہے۔ افسوس کا اظہار فرماتی ہیں لیکن توقع کی جاتی ہے کہ یہ خیالات دیرپا نہیں ہیں۔ یہ صرف ایک اُبال ہے اُن خوف ناک مظالم کا جو بے گناہ عورتوں اور بچوں پر توڑے گئے جن کے سُننے سے (جسم میں) خون جم جاتا ہے اور دل خون آلودہ ہو جاتا ہے۔ ایسے خوف ناک افعال کے مرتکبین کے لیئے کوئی سی بھی سزا سخت نہیں گو یہ امر بہت افسوس ناک ہے مگر سب خطا کاروں کے ساتھ پورا پورا انصاف ہونا چاہیئے۔ لیکن عموماً ہندوستانی قوم وہاں کے صلح جو باشندوں۔ بہت سے مہربان ہندوستانی دوستوں جنھوں نے ہم کو مدد دی ہے اور ہمارے سچے وفادار خیر خواہ ہیں بہت بڑی مہربانی کرنی چاہیئے۔ اُن کو معلوم کرانا چاہیئے کہ کالے چمڑے سے کوئی نفرت نہیں ہے۔ اُن کی ملکہ کی کوئی خوشی اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ وہ اُن کو خوش وخرم۔ راضی اور پھولتا پھلتا دیکھیں"۔

غدر کے بعد جب ملکہ معظمہ نے زمام سلطنت اپنے دست مبارک میں لی تو مسودہ شاہی اعلان کا ملاحظہ اقدس میں پیش ہوا تھا اس میں کچھ زیادہ سختی تھی جس میں ناجائز الفاظ سلطنت کی قوت اور دباؤ کے تھے جو مذاہب پر ناجائز اور خلاف مصلحت ریمارک تھے۔ جناب ممدوحہ نے نہایت سختی سے اُس کی مخالفت کی اور تحریر فرمایا کہ "ملکہ معظمہ اس جملے کو ناپسند فرماتی ہیں کہ "اُن کو ہندوستانی مذاہب کی بیخ کنی کرنے کی قوت حاصل ہے"۔ ملکہ معظمہ اس بات کو ترجیح دیتی ہیں کہ اس مضمون کو اس طرز پر ظاہر کیا جائے کہ "ملکہ معظمہ جو اپنے مذہب سے محبت کا خاص تعلق رکھتی ہیں اور جس سے وہ تسلی اور آرام پاتی ہیں وہ مانع ہے کہ وہ دوسرے ہندوستانی مذاہب میں مداخلت فرمائیں

اور یہ کہ ہمارے ملازمین کو ایسا کیا جائے کہ ہماری ان ہدایات کے موافق وہ مو بمو تعمیل کریں " حسب الحکم جناب ممدوحہ اس اعلان کو پھر از سر نو لکھا گیا اور جناب ممدوحہ نے لارڈ ڈاربی کو اپنی قلم سے تحریر فرمایا کہ وہ ما بدولت کو مسرت ہوگی کہ اگر اس تحریر کو لارڈ ڈاربی خود اپنی عمدہ انگریزی میں لکھیں اور لکھتے وقت اس امر کو ذہن نشین رکھیں کہ ایک عورت ذات بادشاہ براہ راست انتظام سلطنت اپنے ہاتھ میں لیتے وقت اپنی دس کروڑ سے زیادہ رعایا سے خطاب کرتی ہے اور ایک خونخوار جنگ (غدر) کے بعد ان سے وہ وعدے کر رہی ہے کہ اس کی آیندہ سلطنت کیا کرے گی۔ ان کو میری گورنمنٹ کے اصول بتلائے جائیں۔ ایسے فرمان میں فیاضی اور مراعات اور مذہبی آزادی کے خیالات کی خوشبو آنی چاہیئے اور وہ رعایتیں بتلائی جائیں جو ہندوستانیوں کے ساتھ ان کو رعایائے برطانیہ کے برابری کے مرتبے میں رکھنے کی وجہ سے کی جائیں گی اور جس سے تہذیب کے ساتھ ملک کی شادابی ہوگی " چنانچہ حضور عالی کے نشا کے مطابق پرنس کنسرٹ کے مشورے سے وہ اعلان شائع کیا گیا جو آج سارے ہندوستان میں امن و آسایش اور فخر کا باعث ہے اور اسی کی بدولت اہل ہند اپنے مذہبی عقائد او رافعال میں پورے پورے آزاد ہیں۔ اس اعلان کو حصہ اول میں درج کیا گیا ہے۔

زندگی کے آخری دن

اگرچہ زندگی کے آخری سالوں میں آپ کی صحت اچھی نہ تھی مگر آپ کی مستعدی میں کچھ بھی فرق نہیں آیا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں آپ شہر بیس کو تشریف فرما ہوئیں اور ۱۸ مئی کو کوئینز کالج ملاحظہ فرمایا۔ چودھویں کو نٹلی ہاسپٹل میں جس میں جنگ کے (۵۳) زخمی زیر علاج تھے تشریف لے جا کر ملاحظہ کیا۔ اس موقعہ پر آپ نے دو شخصوں کو تمغہ بھی مرحمت فرمایا۔ اس کے دو دن بعد پھر جنگ کریمیا اور غدر کے سو بہادروں کو ملاحظہ کیا اور ایلڈرشاٹ میں افواج کو نشان مرحمت فرمائے۔ دوسرے دن بارہ ہزار فوج ملاحظہ سے گزری۔ اس عرصہ میں ملکہ آسٹریا کے قتل کی خبر آئی جس سے آپ کو بڑا صدمہ ہوا اور نیز ویسٹ انڈیز میں طوفان سے چالیس ہزار آدمی خانماں برباد ہو گیا جن میں سے تین سو جان سے گئے۔ اس سانحے سے خاطر عاطر بہت ملول رہی۔ آپ نے پھر فوج کو نشانات سرفراز کیے تیسری دن کو آپ پھر اسپتال میں تشریف لے گئیں اور جنگ سوڈان کے زخمیوں کو ملاحظہ فرمایا ۱۸۹۹ء میں آپ کی ہشتاد سالہ سالگرہ بڑی دھوم سے رچائی گئی۔ نومبر میں آپ نے

برسٹل میں ایک شفاخانے کا افتتاح فرمایا جو آپ کی جوبلی کی یادگار میں بنایا گیا تھا۔ ۲۶ دسمبر کو آپ نے قلعہ ونڈزر میں عہدہ داران جنگ سوڈان کی بیبیوں اور بچوں کو چائے نوشی کی دعوت دی۔ ۱۹۰۰ء میں آپ آیرلینڈ تشریف لے گئیں۔ جہاں آپ کی تشریف آوری پر بے انتہا خوشی منائی گئی اور اسی طرح کئی دفعہ آپ نے فوج کو ملاحظہ فرمایا۔ آپ کی اس توجہ گرانمایہ اور محبت سے ساری فوج آپ کی جاں نثار تھی۔ اسی سال کے اوائل میں یہ افواہ اٹھی کہ جناب ممدوحہ کی صحت اطمینان بخش حالت میں نہیں ہے مگر آپ حسب معمول ہوا خوری کے لیئے برآمد ہوا کرتی تھیں۔ سب سے آخری شاہی کام جو آپ نے فرمایا وہ لارڈ رابرٹس سے ملاقات تھی جب کہ وہ جنگ جنوبی افریقہ سے واپس آئے تھے اسی وقت آپ نے اُن کو ارل کا خطاب دیا۔

آخری حالت اور وفات حسرت آیات

ملکہ معظمہ کچھ بہت دن علیل نہ رہیں اُن کی موت کی خبر بالکل اچانک آئی۔ مدراس میل راوی ہے کہ چند روز پیشتر حضور عالیہ کی ممالک میں ہر شخص اس خیال سے خوش تھا کہ ابھی ملکہ میں اس قدر جسمانی اور دماغی توانائی باقی ہے کہ ملک رانی کا کام برابر چلانے پر قادر ہیں۔ چنانچہ حال کا ذکر ہے کہ جب جنوبی افریقہ سے آپ کی فاتح افواج انگلینڈ کو واپس ہوئیں تو آپ نے اُن کو بچشم خود ملاحظہ فرما کر اُن کے بعض افسروں کو طلائی تمغے بھی مرحمت فرمائے۔ ۲ جنوری کو آپ نے لارڈ رابرٹس سے ملاقات کی اور فوج کی شجاعت اور دلیری کا شکریہ ادا فرمایا۔ ایک ماہ قبل حضور عالیہ قلعہ ونڈزر سے آسبرن تشریف فرما ہوئیں اور آپ کا قصد تھا کہ وسط فروری میں واپس تشریف لا کر اقلیم ولایت کی بعض ممالک کا سفر تفریحاً فرمائیں۔ کرسمس کا جشن آسبرن میں ہوا۔ اس وقت تک کسی قسم کی شکایت نہ تھی اور مزاج وہاج بالکل اچھا تھا مگر اس کے بعد ہی دفعتاً طبیعت میں ایک قسم کا تغیر واقع ہوا ضعف دماغ کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ قلت اشتہا اور بدخوابی کی شکایت مزید براں۔ اگرچہ باسباب ظاہر آپ کی حالت صحت تشفی بخش تھی مگر جنوبی افریقہ کی لڑائی میں تباہی خلق اللہ سے آپ کے نازک اور پُر رحم دل پر کچھ ایسا صدمہ ہوا کہ اس کا اثر دماغ معلیٰ تک جا پہنچا چوں کہ حضور عالیہ نہایت مستقل مزاج اور بڑی ضابطہ اور صابر تھیں کہ منہ سے کچھ نہ کہا نہ جزع فزع کی بلکہ دل ہی دل میں کڑھتی رہیں

اس لڑائی میں جو عزیز جانیں ضائع ہوئیں اُن کا قلق غم والم اس قدر آپ پر طاری رہا کہ جو شخص آپکے چہرہ مبارک کو دیکھتا تھا وہ اس بات کو بخوبی دریافت کرلیتا تھا کہ حضور عالیہ سخت ملول ہیں اس لئے ہمارا یہ خیال ہی کہ یہ غم نہانی اثر کرتا رہا جس کے باعث دماغ ضعیف ہوگیا اور آپ کی عمر بھی زیادہ تھی ان صدمات گراں کی متحمل نہ ہوسکیں۔ جب برداشت کی طاقت تھی تو آپ نے اپنے جگر گوشوں کی موت کو تحمل و استقلال سے برداشت کیا اور صحت میں خلل نہیں آیا۔ بلکہ (سچ بات یہ ہی کہ) آپنے اپنے بچوں کی موت کا اس قدر غم نہیں کیا جو آپنے اپنے اُن فوجی افسروں اور سپاہیوں اور رعایا کی موت کا اپنے دل پر لیا جو کہ جنگ افریقہ میں ہلاک ہوئے۔ وہ اپنے جاں نثار افسروں اور اپنی ہر دل عزیز رعایا کی عاشق تھیں۔ آپ کی موت کی بڑی وجہ بھی صدمۂ جانکاہ تھا۔ ۱۸ جنوری سے علالت کے تاروں کی بھرمار شروع ہوئی۔ ۱۹ کو معلوم ہوا کہ حالت نہایت خطرناک ہی۔ بیسویں کو تو یقین ہوگیا کہ آخری حالت ہی اور چند گھنٹوں میں یہ چراغ گل ہوا چاہتا ہی۔ ۲۱ کی صبح کو ذرا سکون ہوا (جسے سنبھالا کہتے ہیں) مگر پھر کرب شروع ہوگیا اور شب میں سخت بے چینی رہی۔ سوائے ڈاکٹروں اور تیمار داروں کے کسی کو آپکے پاس اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ ۲۲ کو تین مرتبہ شاہی خاندان کے لوگ آپکے بستر کے پاس طلب کئے گئے آخری دفعہ ساڑھے تین بجے دن کے اور پھر تو سب وہیں رہے۔ آپ کبھی کبھی ہوش میں بھی آجاتی تھیں لیکن اُسی دن ساڑھے چھ بجے شام کے بیہوشی کی سی حالت میں روح پرواز کر گئی۔ آپ کی نعش سلطنتی طور پر نہیں رکھی جاے گی لیکن خانگی ملازموں کو آپ کا دیدار دیکھنے کی اجازت ہی۔ چہرہ آپ کا بالکل آسودہ اور مستقل تھا۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ گویا میٹھی نیند آرام فرما رہی ہیں۔ سینے پر دونوں ہاتھ آڑے رکھے ہوئے تھے اور ایک طلائی صلیب سینۂ مبارک پر دھری تھی۔ دو ہندی اور ایک یورپین لیڈی سیت کی نگہبانی کر رہی تھیں۔ تاروں سے معلوم ہوا کہ دولت انگلینڈ کے سارے ممالک میں خواہ اندرون انگلینڈ ہو یا بیرون درد والم ایسا ہی محیط ہی جیسا کہ خاص لندن میں۔ دنیا کے سارے حصوں میں مستحکم علامات ہمدردی کی پائی جاتی ہیں جو اُس نقش کے عمق پر دلالت کرتی ہیں جو ملکہ معظمہ نے سارے جہان کی خلایق کے دلوں پر جما رکھا تھا۔

حضور عالیہ کے جانشین

انتقال پر ملال کے دوسرے حضور عالیہ کے ولی عہد پرنس آف ویلز تخت نشین ہوئے تخت نشینی کے بعد بدم

سخت اندوہ وغم کے آپ نے ایک مختصر تقریر فرمائی۔ کیونکہ فرط غم سے آپ کو یارائے تقریر نہ تھا مگر با ایں ہمہ ادائے رسم کے لئے ذیل کی مختصر سی سپیچ دی۔ جناب ممدوح کے آنسو جاری تھے اور جب اپنی مادر مہربان کا نام نامی آپ کی زبان مبارک پر آیا تو زبان قابو میں نہ تھی:۔

یور رایل ہائینسز مائی لارڈز اینڈ جنٹلمن۔ آپ سے خطاب کرنے کا میرے لئے اس سے زیادہ دردناک موقع کبھی نہ ہوگا۔ میرا مقدم اور رنج آمیز فرض یہ ہے کہ میں آپ کو اپنی والدہ ماجدہ ملکہ معظمہ کے انتقال کی اطلاع دوں۔ میں جانتا ہوں کہ آپ کو اور تمام قوم کو بلکہ میرا یہ خیال ہے کہ تمام عالم کو اس ناقابل تلافی صدمے میں جو ہم سب کو ہوا ہے میرے ساتھ کیسی دلی ہمدردی ہے۔ مجھے اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے کہ میری ہمیشہ یہ کوشش رہے گی کہ اس بار عظیم کے اٹھانے میں جو مجھ پر اب عائد ہوا ہے عالیہ حضرت موصوفہ کی اتباع کروں۔ میرا مصمم ارادہ ہے کہ میں کانسٹیٹیوشن کو پورے طور پر ملحوظ رکھوں اور جب تک میرے دم میں دم رہے اپنی رعایا کی بہبودی اور ترقی کے لئے کوشش کروں۔ میں نے **ایڈورڈ** کا نام اختیار کیا ہے جس نام سے میرے اجداد میں سے چھ موسوم رہ چکے ہیں۔ اس نام کے اختیار کرنے میں میں **ایلبرٹ** کے نام کی وقعت کم نہیں کرتا ہوں جو نام مجھے اپنے عظیم الشان والد دانشمند والا سے جن کی وفات کا رنج ہمیشہ باقی رہے گا وراثتاً پہنچا ہے اور جو میرے خیال میں باتفاق انام **ایلبرٹ دی گڈ** کے نام سے استحقاقاً ملقب ہیں میری خواہش ہے کہ یہ نام انہیں کے لئے مخصوص رہے۔ خاتمے پر مجھے پارلیمنٹ اور قوم سے یہ توقع ہے کہ جو فرض عظیم مجھ پر وراثتاً عائد ہوا ہے اس کی انجام دہی میں وہ میری امداد کرے گی اور میرا مصمم عزم ہے کہ اپنی بقیہ زندگی میں اپنی تمام قوت کو اس فرض کے پورا کرنے میں صرف کروں۔

ہندوستان میں ماتم

سر کنم نالہ اگر تاب شنیدن داری
سینہ بشگافم اگر طاقت دیدن داری

ملکہ معظمہ کی جانکاہ وفات پر ہندوستان کے کل مقامات پر خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہر قوم اور ہر مذہب کے لوگوں نے بے انتہا دلی رنج کیا جس کی نظیر ملنا محال ہے۔

اس خبر کے سنتے ہی سارے شہروں اور دیگر مقامات میں بازار اور دکانیں بند ہوگئیں شہروں میں ایک سناٹا سا چھاگیا۔ تمام خلقت بحر غم والم میں غرق ہوگئی۔ سوگواری کی گہری گھٹا چھاگئی۔ بیاہ برات موقوف کردیئے گئے۔ مختصر یہ کہ اہل ہند نے اپنی ملکہ کی وفات حسرت آیات پر ایسے حسرت وملال کے اشک برسائے کہ شاید اس سے بڑھ کر کوئی عالم گیر غم آج تک نہیں ہوا اور یہ بڑی دلیل اس کی ہے کہ ملکہ معظمہ کو ہر شخص دل وجان سے ممدوحہ کی نیک صفات اور رعایا سے سچی ہمدردی کے لحاظ سے بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا کسی بادشاہ نے پبلک کے دلوں کو اس طرح مسخر نہیں کیا اور جب تک دلی محبت۔ عقیدت مندی اور جوش جاں نثاری نہ ہو ایسا سچا غم کبھی حکومت کے دباؤ سے ممکن نہیں۔ ہم اس مقام پر وائسرائے بہادر کے اُس تار کی نقل کرتے ہیں جو جناب ممدوح نے سکرٹری آف سٹیٹ کے نام روانہ کیا اور اس کا جو جواب آیا وہ بھی اسی کے ساتھ ہی

وائسرائے کا تار منجانب وائسرائے بنام سکرٹری آف سٹیٹ ۔ ۲۶ جنوری ۱۹۰۱ء۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی جانب سے میں مؤدبانہ پیام ذیل روانہ کرتا ہوں تاکہ ہز میجسٹی قیصر ہند کے حضور میں پیش کیا جاوے۔

"گورنمنٹ ہند نے کمال غم و درد کے ساتھ عالی جناب ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی وفات کی خبر سنی۔ ہر حصہ ہندوستان سے ہر قوم و ہر فرقہ وملت کی جانب سے بے ساختہ و بے ریا غم والم کی خبریں آرہی ہیں۔ گورنمنٹ۔ شاہزادے اور رعایا بالاتفاق ملکہ قیصرہ کی وفات پر عزاداری کرتے ہیں۔ جن کا یہاں اس قدر اعزاز و اکرام کیا جاتا تھا کہ کسی بادشاہ سابق کا نہ ہوا تھا اور جس کی نسبت وفاداری محبت میں غرق ہوگئی تھی۔ دلی خیال تو یہ ہے کہ ہند کا صدمہ ملکہ کا نہیں بلکہ ماں کے انتقال کا ہے سب اقوام کی جانب سے ہم آپ کی خدمت میں یہ التماس کرتے ہیں کہ ہز میجسٹی بادشاہ قیصر ہند کے حضور میں ہمارے درد وغم اور ہمدردی کے خیالات کا یقین دلاویں اور سلطنت برٹش کی تخت نشینی پر جناب ممدوح کے حضور میں ہماری عاجزانہ بندگی پیش فرمائیں"

جوابی تار منجانب سکرٹری آف سٹیٹ بخدمت وائسرائے و گورنر جنرل ہند۔ ۲۹ جنوری ۱۹۰۱ء "پیش گاہ بادشاہ قیصر ہند سے مجھے فرمان صادر ہوا ہے کہ مرقوم الذیل جواب آپ کی خدمت میں جو حضور ممدوح نے اس

اڈریس کے جواب میں جس کو آپ نے گورنمنٹ اور شہزادگان و رعایائے ہند کی جانب سے میرے پاس روانہ کیا تھا تاکہ میں اُس کو ہز میجسٹی بادشاہ قیصر کے حضور میں پیش کروں نہایت خوشی سے ارشاد فرمایا ہے۔ "میں آپ کے پیام تعزیت میں وہ محبت اور خلوص پاتا ہوں جس کا نقش ملکہ قیصرہ نے اپنی طویل سلطنت کی عقل مندی اور انصاف پرستی اور اپنی سرگرم ہمدردی فلاح خواہی تمامی حقوق سے اپنی رعایا کے دلوں پر بٹھایا تھا اور یہ کہ جناب ممدوحہ کے انتقال کے عالم گیر تاسف والم کے اظہار کا میرے دل پر گہرا اثر ہوا ہے۔ میری خواہش ہے کہ میری تخت نشینی پر جو رسوخیت واطاعت بجا لائی گئی ہے اُس کے تسلیم کرنے سے والیان و رعایائے ہند کو اطلاع دی جائے۔ جن کا ملک میں نے دیکھا ہے اور میں اُن کی محبت اور گرویدگی پر جو میرے تخت کے ساتھ ہے اعتماد کامل رکھتا ہوں۔ اُن کی خوش حالی اور سرسبزی میں میری کمال دلچسپی اور دل بستگی رہے گی۔"

ملک معظم کا ایک دوسرا تار ۱۷ فروری ۱۹۰۱ء کا والیان ریاست اور رعایائے ہند کے نام کا جو کلکتہ سے ۵ رمنہ کو گورنمنٹ کی جانب سے شائع ہوا حصۂ اول کتاب ہذا میں درج کیا جاچکا ہے۔

تجہیز و تکفین

غضب کا سامنا ہے آج وہ گھر سے نکلتا ہے
دل مضطر تڑپتا ہے کلیجہ کوئی ملتا ہے

ملکہ معظمہ کے جنازے کے ساتھ فوج کی تعداد (۵۰۷۳) تھی۔ جن میں بلوجیکٹ اور ہر قسم کی فوج اور نوآباد ملکوں کے (۱۲۵) اور ہندوستانی فوج کے بھی بیس سپاہی شامل تھے۔ جس راستے سے جنازہ گزرا (۳۲۲۳۵) سپاہیوں کی قطار بندی کی گئی تھی۔ جنازے کی گزرگاہ پر بے حساب اِستادگاہیں باندھی گئی تھیں۔ تمام مکانوں پر ماتمی پوشش کی گئی تھی۔ جنازے کے دیکھنے کے لیئے نشستگاہوں کی اس قدر کثرت سے خواہش تھی کہ فی بے سایہ نشست گاہ چھ سے سات پونڈ تک اور ہر کھڑکی کا ایک سو پونڈ سے بھی زیادہ کرایہ دینا پڑا۔ مکانوں کے سامنے بے شمار ہار آویزاں کیئے گئے تھے ملکہ معظمہ کا جنازہ (جس پر خلعت جلوس کا غلاف تھا اور جس پر تاج۔ کرہ اور شاہی عصا رکھا ہوا تھا جس کی مرصع کاری اور چمک دمک دھوپ میں جگمگا رہی تھی۔ ایک خاکی رنگ

کی توپ کی گاڑی پر جس میں آٹھ گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور گولنداز ہانک رہے تھے) یکم فروری کو دن کے ایک بج کر (۴۵) منٹ پر آسبرن کے قلعے سے برآمد ہوا۔ جنازے کے صندوق پر پیتل میں یہ تحریر ثبت تھی۔ "کمال سلیم الطبع وزود آمد ملکۂ وکٹوریا اول حامی دین عیسوی ملکۂ گریٹ برٹن و آئرلینڈ و قیصرہ ہند کی نعش یہاں آرام پاتی ہے"۔ جنازے کے پیچھے ملکہ کے بڑے صاحب زادے یعنی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم اور شہنشاہ جرمن بہ لباس امیر البحر۔ ڈیوک آف کناٹ بہ لباس جنرل پاپیادہ ہمراہ تھے۔ ان کے بعد دوسرے اور چھ شہزادے تھے بعدہ بہ سرکردگی ملکہ یعنی خاتون محترم بادشاہ ایڈورڈ ہفتم اور نو خواتین خاندان شاہی ماتمی لباس میں چہروں پر نقاب پڑی ہوئی تین تین کی صفوں میں پاپیادہ تھیں۔ خلاصیوں نے جنازے کے بار گرانمایہ کو دوش بدوش لے کر البرٹا نامی جہاز پر ایک یاقوتی رنگ کے شامیانے کے تلے ایک گنبد نما بلند چبوترے پر آسودہ کیا۔ شامیانہ چو طرف سے کھلا ہوا تھا تاکہ لوگ جنازے کو دیکھ سکیں۔ ایلبرٹا کے آگے آگے آٹھ ٹار پیڈو جہاز تھے۔ جنازہ دول خارجہ کے سات جہازوں کی صفوں میں سے گزرتا ہوا گیسپورٹ میں شاموں شام پانچ بجے پونہچا۔ جب ایلبرٹا جہاز قریب آتا تو ہر ایک جہاز کی سپاہ نے صف بندی کر کے ماتمی باجا بجایا۔ منٹ منٹ کے وقفے سے توپیں اس کثرت سے سر ہوئیں کہ رستے بھر سمندر میں توپوں کی غمگین گرج اور باجوں کی دردمند آواز برابر سنائی دیتی رہی۔ اُس شب بھر جنازہ جنگی جہازوں کی حفاظت میں رہا۔ آسبرن سے جنازہ نکلتے وقت کچھ عجیب عبرت ناک منظر تھا۔ ملکہ کے شہنائی نواز کوئی آدھی میل تک جگر پر چوٹ لگنے والا غمناک اور دل سوزی کا راگ بجاتے رہے۔ سولنٹ کے شمالی ساحل پر پانچ لاکھ آدمیوں کا ازدحام تھا۔ یہ مجمع ڈایا منڈ جوبلی سے بھی زیادہ تھا۔ دوسری فروری کو آدھی رات سے ہی خلقت کے بے شمار ہجوم کے اہتمام کے لیے پولیس جمع ہو گیا تھا کیونکہ رات سے ہی بھیڑ بھاڑ شروع ہو گئی تھی۔ صبح کی ساری ٹرینیں ٹھسا ٹھس بھری ہوئی تھیں۔ لوگ ہیڈ پارک کی طرف جوق جوق چلے جا رہے تھے۔ تمام شب فوجوں کی آمد کا تانتا لگا رہا۔ جس مکان کو دیکھو ماتمی کپڑے لٹکے ہوئے تھے۔ خود لندن میں لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا اور باہر کے لوگ کھچا کھچ بھر گئے

تھے۔ جنازے کو گشت کرا کے **سینٹ جارج گرجا** میں نماز جنازہ پڑھا لے
کے بعد جنازے کو **البرٹ مموریل گرجا** میں لے گئے جہاں دوشنبہ تک رکھا رہا
لندن کا مجمع کمال درجہ خاموش اور باوقار تھا۔ ہر قسم کی فوج صف بہ صف آراستہ
و پیراستہ تھی۔ **ارل رابرٹس** فیلڈ مارشل کا عصا لیئے ہوے اپنے سارے
سٹاف کے ساتھ تھے۔ اُن کے بعد جنازے کا مجمع تھا۔ جنازے کے تابوت پر لوازمہ
شاہی رکھا ہوا تھا اور اوپر سفید ریشم کا شامیانہ تنا ہوا تھا۔ جنازہ ایک توپ کی گاڑی
پر تھا جس میں آٹھ سفید گھوڑے جتے ہوئے تھے اور گھڑ چڑھے سوار ہانک رہے
تھے۔ جنازے کے پیچھے ایک نہایت عظیم الشان مجمع برٹش اور فارن شہزادوں کا
بسرکردگی شاہ انگلینڈ و شہنشاہ جرمن تھا۔ ہر دو بادشاہ فیلڈ مارشل کے لباس میں تھے۔
بادشاہ جرمن ایک سفید جنگی گھوڑے پر سوار تھے۔ بادشاہ بلجیم مع اپنی ملکہ اور
شہزادیوں کے شاہی گاڑیوں کی ایک بڑی لمبی قطار کے آگے آگے تھے۔ سب سے
آخر کلونیل اور ہندوستانی اور لائیف گارڈ فوجوں کی جماعتیں تھیں۔ بہت سے
والیان ملک نیابتہً موجود تھے۔ انگلینڈ کے کل معززین۔ عمائدین سینٹ جارج گرجا
میں جمع ہو رہے تھے جہاں جنازہ ایک گنبد نما چبوترے پر رکھا ہوا تھا۔ تابوت پھولوں
کے ہاروں سے لدا ہوا تھا۔ ملکہ کی میت ایک پتھر کے صندوق میں اپنے پیارے
شوہر **پرنس البرٹ** کے پہلو میں ۴ فروری ۱۹۰۱ء کو تین بجے شام کے آخری
منزل پونہچائی گئی اور اس طرح ایک نام آور۔ نیک نہاد۔ نیک دل۔ ہمہ تن خیر مجسم
ملکہ کا خاتمہ ہوا۔ گو اُن کا جسم خاکی تہ خاک ہو گیا مگر اُن کے بے حد و بے شمار احسانات
ایسے ہیں کہ کسی کے مٹائے مٹ نہیں سکتے فقط

(ضمیمہ دوم ختم ہوا)

قطعہ تاریخ نوشتہ جناب حافظ اسعد حسین صاحب سب انسپکٹر پولیس ضلع میرٹھ

اگر ہے شوق تاریخ و سیر عرشی — تو پڑھیئے بے غلط تاریخ دہلی کی
ہے یہ تصنیف مولانا بشیر الدین — نہ ہو کیوں "بے بدل تاریخ دہلی کی"

۱۳۲۸ھ

ضمیمۂ سوم

شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم (ایڈورڈ دی پیس میکر)[1] کے حالات

ولادت ۹ر نومبر سنہ ۱۸۴۱ء ۔ تخت نشینی ۲۳ جنوری سنہ ۱۹۰۱ء وفات ۷ر مئی سنہ ۱۹۱۰ء

مدت سلطنت (۹) سال ۳ ½ ماہ

بقومے کہ نیکی پسندد خدا ۔ دہد خسرو عادل و نیک رائے

آپ ۹ر نومبر سنہ ۱۸۴۱ء بمقام قصر بکنگھم پیدا ہوئے۔ آپ بہت خوش رو اور باجمال تھے آپ کے والد ماجد پرنس البرٹ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ وہ انگلینڈ کا آیندہ ہونے والا بادشاہ نہایت شکیل اور پیارا بچہ ہے۔ جب آپ خیر سے تین مہینے کے ہوئے تو ۵ر جنوری سنہ ۱۸۴۲ء کو سینٹ جارج چیپل ونڈزر میں آپ کی رسم اصطباغ ہوئی۔ شہنشاہ فریڈرک ولیم متوفی قیصر جرمن آپ کے دینی باپ قرار دیئے گئے یہ تقریب بہت بڑے پیمانے پر کی گئی اور زر کثیر صرف ہوا۔

ملک انگلینڈ کا وارث تخت و تاج پیدا ہونے کی بڑی خوشیاں منائی گئیں اور چونکہ رعایا آپ کے دیدار مسرت آثار کی ازحد مشتاق تھی اس لیئے گو کہ آپ کی عمر اس وقت صرف دس ہفتے کی تھی مگر رعایا برایا کو ولی عہد کا جمال مبارک دیکھنے کی جائز آرزو کو پورا کرنا ازبس ضرور تھا۔ اس موقع پر ونڈزر پارک میں تمام افواج صف بندی کے ساتھ آراستہ و پیراستہ کی گئیں اور شاہزادہ والاشان کا عالی شان محل کے ایک دریچے میں سے مشتاقین دیدار پر بہار کو جمال مبارک دکھلایا گیا۔

---

[1] جس طرح ہمارے ہاں بادشاہوں کی وفات کے بعد تعظیماً جنت آشیانی ۔ عرش مکانی ۔ خلد مکان ۔ غفران مکان وغیرہ لقب قرار دیتے ہیں اسی طرح وکٹوریا دی گڈ یعنی نیک نہاد یا خیر مجسم اور ایڈورڈ دی پیس میکر یعنی صلح کل ہے کہ آپ کے عہد سلطنت میں سوائے امن و امان کے کسی قسم کی جنگ نہیں ہوئی۔ ۱۲

تعلیم و تربیت

آپ کی والدہ ماجدہ اور والد ماجد کو شہزادے کی تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام تھا چنانچہ ان دونوں اصحاب کی نگرانی میں تعلیم شروع ہوئی اور بسم اللہ مذہبی تعلیم سے ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ کی انتہائی تعلیم آکسفورڈ، کیمبرج اور اڈنبرا کی نامی گرامی یونیورسٹیوں میں ہوئی۔ آپ کو ہر شعبے اور صیغے کی تعلیم دی گئی مگر آپ کو تاریخ زباندانی اور قانون کا خاص شوق تھا چنانچہ آپ نے بیرسٹری کا امتحان بھی پاس فرمایا تھا۔ آپ نے کئی جنگی امتحان پاس کیئے۔ آپ اعزازی امیر البحر اور رائل نیوی رزروکے اعزازی کپتان اور جرمن آرمی کے فیلڈ مارشل اور بہت سی انگریزی افواج کے کرنل ان چیف قرار دیئے گئے۔ ولایت میں دستور ہے کہ سن رشد کو پونہچنے سے پہلے ولی عہد مذہبی اور اخلاقی جذبات کا امتحان آرچ بشپ آف کینٹربری لیتا ہے اس میں بھی آپ تعریف کے ساتھ پاس ہوئے تب آپ اٹھارہ سال کی عمر پوری ہونے پر ۹ر نومبر ۱۸۵۹ء کو ولی عہد گزٹ کیئے جانے کے علاوہ آرڈر آف دی گارٹر کا اعزازی تمغہ بھی آپ کو دیا گیا۔ ملکہ معظمہ نے آپ کو بلوغت پر اپنی نگرانی سے آزاد کرتے ہوئے ایک نہایت موثر تحریر بطور پند نامے کے کی جس کی بیش بہا اور مشفقانہ ہدایت کا اثر آپ پر مدۃ العمر رہا۔ ۲۰ر نومبر ۱۸۵۹ء کو حضور والا کرنل بروس وغیرہ کے ہمراہ دارالسلطنت جرمن کو تشریف فرما ہوئے جہاں آپ کے والدین محترمین پہلے سے مقیم تھے۔ ۱۰ر جنوری ۱۸۵۹ء کو آپ اٹلی کی سیاحت کو روانہ ہوئے اور پوپ آف روم سے ملاقات کی۔ وہاں سے واپس آکر آپ اڈنبرا گئے اور ہالی روڈ میں قیام فرما کر پھر مشغلہ حصول علم میں لگ گئے۔ آپ کو علم کمسٹری کا بڑا شوق تھا۔ ڈاکٹر لین پلے فیر کمسٹری پر جو لکچر دیا کرتے تھے ان میں آپ خاص کر جایا کرتے تھے۔ یہ مشہور بات ہے کہ پرنس البرٹ اپنے بچوں کی تعلیم میں بڑے سخت آدمی تھے۔ جب آپ نے سنا کہ شہزادے اکثر ناول پڑھا کرتے ہیں تو آپ نے بلا کر فرمایا کہ "مجھے یہ سن کر بے حد ملال ہوا کہ تم ناول خوانی آیندہ شاہ انگلستان کی تعلیم کے لیئے موزوں سمجھتے ہو"۔ شہزادے نے عرض کیا کہ "میں تو سر والٹر سکاٹ[۱] کے ناول پڑھتا ہوں"۔

---

[۱] ناول بالعموم عشقیہ اور مخرب اخلاق ہوتے ہیں جیسے رینالڈز کے ناول۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ آیندہ)

انھیں دنوں میں آپ نے اطالی جرمن اور فرانسیسی زبانیں بھی سیکھنی شروع کردیں۔ اس کے بعد آکسفورڈ میں آپ کا زمانۂ تعلیم باقاعدہ اور محنت کا گزرا جہاں آپ نے اپنے والد کی سخت نگرانی میں اپنی عادات کو بالکل باقاعدہ کرلیا۔ آپ ہمیشہ سات بجے صبح سے پہلے اُٹھا کرتے تھے اور حاضری سے پہلے کم از کم ایک گھنٹہ مطالعۂ کتب میں منہمک رہتے۔ جنگ کریمیا میں ملکہ معظمہ وکٹوریا نے اہل کینیڈا کی وفاداری کا ثبوت پاکر انھی دریا دلی سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم بھی کبھی امریکن مقبوضات کی سیر کو آئیں گے مگر سلطنت کے امور عظام نے آپ کو فرصت نہ دی حضور ممدوحہ نے اہالی کینیڈا کو لکھا کہ "وہ ہم خود تو آنہیں سکتے البتہ اپنے فرزند کو بطور نائب کے بھیجیں گے۔" امریکن اخباروں نے ہر چہار جانب یہ مژدہ پوہنچا دیا۔ پریذیڈنٹ اضلاع متحدہ امریکہ نے اس مژدۂ جاں بخش کی خبر سُنتے ہی ملکہ معظمہ کی خدمت میں لکھا کہ وہ اگر آپ کے فرزند بہ حیثیت نیابت اس ملک میں تشریف لائیں گے تو اُن کا استقبال بڑی گرم جوشی سے کیا جائے گا اور جس حصۂ ملک میں قدم رنجہ فرمائیں گے ہر جگہ یہی سلوک ہوگا۔" ملکہ معظمہ نے جواب میں لکھا کہ "ہمارا فرزند آپ کا مہمان ہونا پسند کرتا ہی اور جب وہ وہاں سے واپس آکر ہم سے آپ کی عنایات اور شریفانہ سلوک کا ذکر کرے گا تو ہمیں بے حد خوشی ہوگی۔" ۹ر جولائی ۱۸۶۰ء کو شہزادہ والا جاہ بندرگاہ آسبورن سے اپنے والد ماجد کی معیت میں امریکہ کے عظیم الشان سفر پر روانہ ہوئے۔ آپ کی ہمرکاب ڈیوک آف نیوکیسل۔ جنرل بروس۔ کپتان گرے۔ ڈاکٹر ایکنڈ وغیرہ سات ارکین اعظم تھے۔ یہ معزز و محترم پارٹی ۲۵ر جولائی کو سن جن واقع نیو فونڈلینڈ میں وارد ہوئی۔ آپ کا استقبال بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ گاڑی کے گھوڑے کھول کر جوشیلی رعایا نے خود کھینچا۔ الغرض کینیڈا پہونچ کر ۱۲ ستمبر کو وہ کام تکمیل کو پوہنچا جس کی اہمیت کے باعث آپ نے یہاں تک تشریف آوری کی زحمت گوارا فرمائی تھی۔ یعنی بہ حیثیت نائب ملکہ

(تکملہ نوٹ صفحہ گذشتہ) اس میں شک نہیں کہ طرز ادا اور خوبی عبارت کے لحاظ سے جیسے وہ بے نظیر ہیں ویسے ہی اخلاقی نقطۂ خیال سے رہی ہیں۔ مگر سکاٹ کے ناولوں میں یہ بات نہیں عبارت اور مضمون ہر دو اعتبار سے لاجواب اور لاثانی ہیں۔ ۱۲

انگلستان پارلیمنٹ کے دونوں ہوسوں کا سنگ بنیادی نصب فرمایا اور دریائے مانٹریل کے ریلوے کے پل کا افتتاح فرمایا۔ پھر کینیڈا کے مختلف صوبہ جات اور مشہور مقامات کی سیاحت فرماتے رہے۔ اس کے بعد اٹھارویں تاریخ بجانب ہیملٹن نہضت فرما ہوئے جہاں آپ نے آخری دربار منعقد فرمایا اور زراعتی انجمن کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا:۔ "وہ حضور ملکہ معظمہ انگلستان کے ارشاد سے میں اُن کا نایب ہوکر برٹش شمالی امریکہ کی سیاحت کو آیا تھا۔ یہ کام اب ختم ہوگیا اور آج سے اُن تمام فرائض کا بار میرے کندھوں پر نہیں رہا جو بحیثیت ملکہ انگلستان کے نایب ہونے کے مجھ پر واجب تھا۔ اب میں انگلستان جانے سے پیشتر پرائیوٹ طریقے پر اس مشہور ملک کی سیر کرنی بھی ضروری سمجھتا ہوں جس کے بزرگ باشندے اور ہمارے بزرگ ایک تھے اور جن کی غیر معمولی ترقی کو ہر ایک باشندۂ انگلستان باہمی دلچسپی سے ملاحظہ کرتا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اس انگریزی ساحل سے آگے قدم بڑھاؤں میں آپ تمام صاحبوں کو محبت سے بھری الوداع کہنی چاہتا ہوں۔ خداوند کریم اس صادق اور قابل عزت قوم کو اپنی منتخب نعمتیں عطا فرمائے۔" اس کے بعد حضور ممالک اضلاع متحدہ امریکہ کی سیاحت میں مشغول ہوئے اور ۲۰ ر اکتوبر تک فراغ حاصل فرماکے ۱۵ نومبر کو پلائی متھ پہنچے۔ یہاں ونڈزر کیسل میں آپ کے والدین نے بڑی محبت سے آپ کا خیر مقدم کیا۔ ۱۸۶۱ء میں آپ کی اقامت گاہ کے لیئے باضابطہ طور پر مارلبرا ہوس تجویز کیا گیا۔

سپاہیانہ زندگی

بادشاہ کی ذات میں ضروری کہ سب قسم کی صفات ہوں ملک داری کے نظم ونسق کے علاوہ اس میں ملٹری سپرٹ (فوجی ولولے) کا ہونا بھی لازم ومتحتم ہے کہ اُس کی ذات اہل قلم اور سیف دونوں کا ملجا وماوی ہو۔ جون ۱۸۶۱ء میں حضور والا کراہ آف الگزنڈرا کے کیمپ میں تشریف لے گئے۔ یہاں آپ گرینڈیر گارڈز کی اول پلٹن کے ساتھ قواعد وغیرہ میں شامل ہوتے تھے اور عام سپاہیوں کی طرح کیمپ کی ایک کاٹیج میں رہتے تھے اور

سلہ آپ کی تعلیم میں شروع سے اس بات کا خیال تھا کہ جہاں تک حصول علم کا تعلق ہے آپ کا ذاتی مرتبہ شاہی اُس میں مخل وحارج نہ ہو۔ اسی لیئے سادگی کا بڑا خیال تھا جس کا بہترین نتیجہ یہ ہوا کہ (بقیہ نوٹ بر صفحہ بعد)

ہر قسم کی فوجی ذمہ داریوں پر جفاکشی کے ساتھ کاربند تھے۔ آپ عملی طور پر فوجی لئیف بسر کر چکے تھے اس لیئے حضور کو فوجی لوگوں کی خوشنودی اور دل جوئی کا بڑا خیال تھا اکراہ سے تہنیت فرما ہونے سے پیشتر آپ نے چھتیسویں پلٹن کو بطور اعزاز ایک جھنڈا عطا فرمایا۔ ملاحظہ افواج کی غرض کے علاوہ حضور کے جرمنی تشریف لے جانے کی ایک اور بھی وجہ خاص تھی اور وہ ایسی وجہ تھی جس پر حضور ممدوح کی آیندہ مسرت اور آرام کا دارومدار تھا یعنی **ڈنمارک** کی شہزادی **الگزینڈرا** ان دنوں جرمنی میں تھیں۔ آپ نے ان کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کا شہرہ پہلے ہی سے سنا تھا اس لیئے مناسب خیال کیا گیا کہ باہمی ملاقات سے تعلقات زن وشو کا فیصلہ کر لیا جائے چنانچہ شہزادے اور شہزادی صاحبہ کی اس اثنا میں کئی ملاقاتیں ہوئیں اور ہر دو ایک دوسرے سے مل کر نہایت مسرور ہوئے۔ یہاں سے مراجعت فرمانے کے بعد آپ قصر ونڈزر میں ۱۴ نومبر کو تشریف لے گئے۔ سرسبزی ہالینڈ کے ذریعے سے آپ کو اطلاع پہنچی کہ آپ کے والد ماجد **پرنس کنسرٹ** نے انتقال فرمایا۔ یہ خبر وحشت اثر سن کر آپ کو بڑا بھاری صدمہ ہوا اور ۲۳ دسمبر کو **سینٹ جارج چیپل** میں پہنچ کر شریک تجہیز وتکفین ہوئے۔ کچھ عرصے بعد آپ نے ملکہ معظمہ کی ایما سے **یوروشلم** کا سفر کیا اور اسی کے ساتھ **اسکندریہ** (مصر) **قاہرہ** وغیرہ کی سیر کی۔

شادی

یہ خبر عام طور پر مشہور تھی کہ آپ کی شادی ڈنمارک کی شہزادی الگزینڈرا سے ہونے والی ہے مگر سرکاری طور پر اس کی تصدیق نہیں ہوئی تھی لیکن جب ملکہ معظمہ خود ڈنمارک کو تشریف لے گئیں تو اس خبر کی تصدیق ہو گئی چنانچہ فروری ۱۸۶۳ء کے اخباروں میں بھی یہ خبر علی التواتر شائع ہو گئی اور سرکاری طور پر بھی اس کی تصدیق کی گئی۔ شہزادی پہلے ہی انگلستان کے لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھیں اور بڑی ہر دل عزیزی حاصل کر لی تھی اس لیئے آپ شادی سے پہلے ہی ۷ مارچ ۱۸۶۳ء کو لندن تشریف لے آئیں۔ ۱۰ مارچ کا دن انگلینڈ کی تاریخ میں ایک

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) سادگی آپ کے خمیر میں داخل ہو گئی۔ ۵ اے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر + آرام سے وہ ہیں جو تکلف نہیں کرتے۔ اگر شاہی اعزاز واحترام کی بغ لگی رہتی تو آپ کے مزاج کا اور ہی رنگ ڈھنگ ہوتا۔ ۱۲

بڑا مبارک دن تھا۔ اس دن عام تعطیل تھی۔ سینٹ جارج کے مشہور گرجا واقع ونڈزر کیسل میں ساڑھے گیارہ بجے دن کے بموجودگی ممبران خاندان شاہی آرچ بشپ آف کینٹربری نے بمعیت آرچ بشپ آف ایبرڈین رسوم شادی ادا کیں۔ حضور ملکہ معظمہ بہ نفس نفیس اس مبارک موقع پر تشریف فرما تھیں مگر اپنے شوہر کے غم میں ماتمی لباس میں تھیں۔ اس تقریب پر شب میں سارے شہر میں علاوہ آرائش کے آتش بازی چھوڑی گئی۔ صرف شہر کی آراستگی کے لیئے تین لاکھ پونڈ کی رقم منظور ہوئی تھی۔ صرف شاہی دعوت میں دس لاکھ پونڈ کے برتن استعمال ہوے تھے اور مصارف کا کیا کہنا۔ تحائف کا کچھ شمار نہ تھا جن کی مالیت دو لاکھ پونڈ کی کہی جاتی ہے۔ شہزادی کو جو کچھ بیش بہا زیورات اور پارچہ جات ملکہ معظمہ کی طرف دیئے گئے تھے اُس کے علاوہ لندن کمیٹی نے ایک جڑاؤ کنٹھا دس ہزار پونڈ یعنی ڈیڑھ لاکھ روپیہ کا نذر دیا۔ پارلیمنٹ نے شاہزادہ ویلز کے لیئے چالیس ہزار اور شہزادی کے لیئے دس ہزار پونڈ سالانہ کی جاگیر منظور کی۔ اب چونکہ آپ متاہل ہو گئے تھے قصر ونڈزر میں رہنے لگے اور عارضی طور پر بود و باش کے لیئے آپ نے ٹرانکہورکو منتخب فرمایا تھا۔ ۱۸ جولائی ۱۸۶۴ء کو فرزند نرینہ پیدا ہوا جن کا نام البرٹ وکٹر کرسچین ایڈورڈ رکھا گیا۔ ۷ نومبر کو حضور والا مع اپنی خاتون محترمہ کے براعظم یورپ کی سیاحت کو تشریف لے گئے۔ فرانس۔ ڈنمارک۔ سٹاک ہوم وغیرہ مشہور مقامات ملاحظہ فرماتے ہوئے ۶ فروری ۱۸۶۵ء کو اسکندریہ (مصر) پونہچے۔ وہاں سے چند دنوں بعد شاہی جہاز حدود ترکی میں پونہچا۔ بڑے بڑے ترکی افسر آپ کے استقبال کے لیئے حاضر تھے۔ سلطانی محل واقع نسلج باز آپ کے قیام کے لیئے آراستہ کیا گیا جہاں خود سلطان المعظم بذات خاص حشم براہ تھے اور سیڑھیوں تک اپنے معزز مہمان کے استقبال کو تشریف لائے۔ سلطانی حکم سے آپ کے لیئے ہر قسم کا سامان آسایش اعلی درجہ کا مہیا کیا گیا۔ سلطان کا کمرہ خاص جس میں آپ کو اتارا تھا بڑے بیش بہا ساز و سامان سے آراستہ و پیراستہ تھا۔ رات کو بینڈ بجتا رہتا تھا اور صبح کو سلطان المعظم آپ کی خدمت میں تازہ بتازہ گلدستے اور نادر میوہ جات کی کشتیاں بھیجا کرتے تھے۔ شاہزادہ ویلز اور سلطان المعظم نے ایک ہی میز پر کھانا بھی تناول فرمایا۔ آپ شاباند

تزک واحتشام اور ظاہری ٹیم ٹام سے بہت گھبراتے تھے اور سادی سودی طرز زندگی کو بہت پسند کرتے تھے۔ مزاج میں حد درجے کی سادگی تھی اور تکلفات سے کوسوں دور تھے۔ بہت سے سفر آپ نے In cognito (اس طرح کہ کوئی نہ جانے) کیئے۔ آپ کو بھیس بدل کر لوگوں میں گھل مل کر اُن کے اصلی حالات زندگی دیکھنے اور دریافت کرنے کا بہت شوق تھا اور اس میں شک نہیں کہ بادشاہوں کے لیئے تفحص حالات کا یہ ایک عمدہ طریقہ ہے۔ چنانچہ قسطنطنیہ میں بھی آپ بھیس بدل کر دکانوں پر جاکر سامان خریدتے قہوہ خانوں میں جاتے لوگوں سے ملتے جلتے اور بے تکلف بات چیت کرتے اور گلی کوچوں میں مثل ایک عام شخص کے بے کھٹکے پھرتے تھے ۱۱ را پریل ۱۸۶۹ء کو قسطنطنیہ سے واپس ہوکر راہ میں جنگ کریمیا کے مشہور مقامات دیکھتے بھالتے مع الخیر والعافیتہ اپنے وطن مالوف کو تشریف لے آئے۔

زندگی اور موت کے بیچ میں

یورپ کی سیاحت سے واپسی کے کچھ دنوں بعد آپ تبدیل آب و ہوا کی غرض سے کسن گن اور سکالس کوہ ہائے **ڈلبن اور کوہ وکلو** وغیرہ دل چسپ مقامات کی سیر کو تشریف لے گئے۔ وہاں سے تشریف لانے کے بعد نصیب اعدا مزاج وہاج جادۂ اعتدال سے منحرف ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے آپ کو **سکاٹ لینڈ** جانے کا مشورہ دیا لیکن تبدیل مقام سے بجائے فائدے کے نقصان ہوا۔ سکار بارو پہنچ کر تو طبیعت اس قدر بگڑی اور ایسی خطرناک بیماری لاحق ہوئی کہ جس سے بڑے بڑے تجربہ کار اور حاذق شاہی ڈاکٹروں کے بھی چھکے چھوٹ گئے۔ ہر چند بہتر سے بہتر علاج کیا گیا مگر بے سود روز بروز خطرہ زیادہ بڑھتا گیا آخر کار ۲۲ر نومبر ۱۸۶۹ء کو ملکہ معظمہ کو اس خطرناک علالت کا تار دیا گیا کہ وو شہزادے صاحب تپ محرقہ میں مبتلا ہیں۔ شہزادی الگزینڈرا شبانہ روز اپنے معزز شوہر کی تیمارداری میں حاضر باش تھیں مگر اب مریض کی حالت اور بھی نازک ہوگئی۔ تمام انگلستان میں تلاطم پڑ گیا۔ ہر شخص **قصر سینڈر نگھم** کی تازہ ترین خبر معلوم کرنے کے لیئے مضطر تھا مگر حضور کی حالت ساعت بساعت دگرگوں ہوتی جاتی تھی۔ ہر کہ دمہ کو حضور کی جان کے لالے پڑ گئے۔ دسمبر کے اول ہفتے میں صحت یابی

کی اُمید منقطع ہوگئی۔ پادریوں نے کہا کہ جب علاج مفید نہیں تو اب دوا کا وقت باقی نہیں ہاں دعا کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جب تک سانس ہے آس بھی ہے۔ ملکہ معظمہ مع خاندان شاہی کے سینڈرنگھم پونہچ گئیں۔ ملکہ معظمہ نے جب اپنے نور نظر اور لخت جگر کی حالت دیکھی تو غشی کا عالم تھا آپ کسی کو پہچان نہ سکے۔ ولی عہد کی ایسی مایوسانہ حالت سے سارے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ ہندوستان۔ کینیڈا۔ اضلاع متحدہ امریکہ سب جگہ ہر مذہب و ملت کے لوگوں نے اپنے اپنے عقائد کے موافق مسجدوں۔ مندروں۔ گرجاؤں میں شہزادے کی صحت کے لیئے نمازیں پڑھیں خلوص دل سے گڑگڑا گڑگڑا کر بارگاہ شافی مطلق میں دعائیں کیں۔ اب ۱۴ دسمبر کا وہ دن آگیا جو آپ کے والد کی برسی کا تھا لوگوں کو وہم آنے لگا طرح طرح کے توہمات دل میں آتے تھے کہ کہیں باپ کی طرح یہ بھی نہ چل بسیں۔ گو اتوار سے منگل تک آپ کی حالت معرض خطر میں تھی مگر اسی دن سے آثار افاقے کے نظر آئے اور بدخوابی اور کرب دونوں میں افاقہ ہوا۔ روز بروز طبیعت سنبھلتی گئی۔ ماں کی جان میں جان آئی بیوی کی باچھیں کھل گئیں۔ نیند اور غذا وہی چیزیں ضامن صحت ہیں۔ گہری نیند اور غذا کی طرف میلان ہوگیا اب صرف خفیف حرارت رہ گئی تھی تاہم صحت کی طرف سے اطمینان ہوگیا۔ جنوری ۱۸۷۲ء کے پہلے ہفتے میں آپ کو اس قدر توانائی آگئی کہ آپ بستر علالت سے اُٹھ کر چند قدم چلنے لگے۔ اور اُسی دن آپ کا کمرہ بدلا گیا۔ اب کیا تھا اگلا دن پچھلے سے بہتر ہوتا گیا۔ اب تبدیل آب وہوا ضرور تھی ڈاکٹروں کی رائے سے آپ جزیرہ وھیئٹ تشریف لے گئے اور خدا نے وہ دن دکھایا کہ آپ تن درست و توانا لندن تشریف لائے۔ پبلک نے بڑی گرم جوشی سے آپ کا استقبال کیا۔ اس دن عام تعطیل رہی شاندار جلوس نکالا گیا اور اظہار مسرت کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ چوں کہ آپ کو اتنی بڑی علالت کے بعد جیسی چاہیئے ویسی توانائی نہیں آئی تھی نہ آپ پوری طرح چاق چوبند تھے لہذا ڈاکٹروں کی رائے سے بغرض تبدیل آب وہوا پھر آپ سفر پر تشریف فرما ہوئے چنانچہ آپ اٹلی تشریف لے گئے۔ چوں کہ آپ میں نظر تاغور و خوض اور تحقیق کا مادہ زیادہ تھا اس لیئے جہاں جہاں گزر ہوا عجائبات روزگار کو نگاہ تعمق

و تجسس سے دیکھا۔ آثار قدیمہ کے دیکھنے میں گھنٹوں مصروف رہے اور جون کے مہینے میں اس سفر سے انگلینڈ واپس تشریف لے آئے۔

سفر و سیاحت

گر قدم بر چشم ما خواہی نہاد
دیدہ در رہ می کنم تا می روی

دنیا میں جو آیا ہے اگر اُس نے سفر و سیاحت نہ کی تو کچھ بھی نہ کیا جیسا کورا آیا تھا ویسا ہی چلا گیا۔ حصول واقفیت عامہ کے لئے سفر سے بہتر کوئی چیز نہیں جس سے ہم جیسے چھوٹے موٹے آدمیوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ تجربہ بڑھتا ہے۔ عقل پختہ ہوتی ہے۔ چہ جائیکہ بادشاہ جس کو سلطنت چلانی پڑتی ہے وہ اگر جھونپڑے میں پلے اور اپنی سلطنت کی مقامی حالت وہاں کے لوگوں کی سوشل لائف نہ دیکھے دوسرے ملکوں سے اپنے ملک کی حالت کا مقابلہ نہ کرے تو بادشاہ نہ ہوا شیر قالین ہوا۔ شہزادہ معظم ایک بہت بڑے سیاح تھے آپ نے سوئیزرلینڈ۔ جرمنی۔ بحیرۂ روم۔ اٹلی (روما) جبرالٹر۔ ہسپانیہ۔ پرتگال۔ کوہ بیس میکڈونی۔ سکاٹ لینڈ۔ آئیرلینڈ۔ گلاسکو۔ کینڈا۔ ڈیون پورٹ۔ امریکہ۔ برگ رایل۔ کوبرگ۔ ہاملٹن۔ واشنگٹن۔ نیویارک۔ بوسٹن۔ پولینڈ۔ بیروشلم (بیت المقدس) مصر (قاہرہ) اسکندریہ۔ قسطنطنیہ۔ دمشق۔ بحیرۂ بالٹک۔ بیروت۔ ڈارڈونلز۔ مارسلیز۔ بر اعظم یورپ۔ ڈنمارک۔ سوئیڈن۔ برلن۔ داپانا۔ فرانس۔ سینٹ پیٹرزبرگ۔ بلجیم۔ ہندوستان وغیرہ وغیرہ مقامات کو سرسری اور اچٹتی نظر سے محض سیر تماشے کی غرض سے ملاحظہ نہیں فرمایا بلکہ خراماں ہم ثواب اکثر اوقات لباس بدل بدل کر لوگوں کے اصلی حالات طرز حکومت۔ وغیرہ سب باتوں پر نظر ڈالی۔ جہاں جہاں آپ گئے شاہانہ اعزاز سے آپ کا خیر مقدم کیا گیا جس سے دوسری سلطنتوں کے تعلقات میں زیادہ پائداری اور استحکام ہوا۔ ہندوستان کے سفر کے حالات حصۂ اول میں آ گئے ہیں۔ اس سفر وسیلۃ الظفر کے جو پولیٹیکل فوائد ہوں گے وہ وہ جانیں جن کے دست قدرت میں ملک کا رتق و فتق ہے ہم جیسے موٹی سمجھ والے تو یوں سمجھتے ہیں کہ جب سے سلطنت کا خاتمہ ہوا ہم نے سنا کہ برٹش راج قایم ہوا بادشاہ رہا انگلینڈ میں اور ہم ہند میں۔ ہزاروں کوس کا فاصلہ بیچ میں کئی سمندر حائل

وہاں تک خیال کی رسائی بھی متعذر۔ ہندوستان کے لوگ بادشاہ کے وجود خارجی کے دیکھنے کے عادی اب اُن کو بادشاہ ملا خیالی خدا بنا ہے کالا ہی یا گورا آدم خاکی ہی یا کوئی پُتلا۔ انسان ہی یا فرشتہ۔ پرنس آف ویلز نے آکر اپنا جمال مبارک دکھایا تب ہمیں یقین ہوا کہ وہ یہی ملکہ کے بیٹے اور ولی عہد ہیں اور یہی آگے چل کر ہمارے بادشاہ ہونے والے ہیں جن کے ہاتھ میں ہندوستان کی باگ ہوگی۔ آہا یہ تو ہم جیسے ہی انسان ہیں ہمارے جیسے ان کے بھی ناک کان ہیں۔ خدا کے بندے ہم بھی اور یہ بھی فرق صرف اتنا ہی کہ وہ بادشاہ ہم رعایا وہ حاکم ہم محکوم۔ اب جاکر ہماری کُھٹمل سمجھ میں آیا کہ جس طرح اکبر۔ جہانگیر۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب بادشاہ تھے یہ بھی بڑے پایہ کے بادشاہ ہیں بلکہ اُن سے بھی کئی کئی باتوں میں بڑھ چڑھ کر ہیں وہ اسی ملک میں رہ کر حکمرانی کرتے تھے اور ان کا حسن انتظام ایسا ہی کہ کالے کوسوں دور نظروں سے غایب پھر بھی ہمارے حال سے باخبر اور ہم پر اس طرح سے حکومت کررہے ہیں گویا کہ ہم ہی میں بیٹھے ہیں۔

۱۸۹۱ء میں آپ کی پچاسویں سالگرہ خاص طور پر بڑی دھوم دھام سے منائی گئی اور تمام انگلستان میں جشن منایا گیا مگر ۱۸۹۲ء آپ کے لیے بڑا رنج دہ ثابت ہوا یعنی آپ کے بڑے صاحبزادے ڈیوک آف کلیرنس نے جن کی شادی کی تیاریاں بالکل مکمل ہوچکی تھیں عین عالم شباب میں چند روز کی علالت سے انتقال کیا بھرا بھرا شادی کی کمر توڑ دی اور باپ کے کلیجے پر وہ داغ دیا کہ ؎

من چوں نزیم کہ سینۂ من چاک کردہ اند لخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ اند

ضمیمہ اول میں اس سانحہ ہوش ربا کا ذکر ذرا تفصیل سے آچکا ہی۔

آپ کی اولادیں

آپ کے چھ بچے ہوئے:- (۱) پرنس ایلبرٹ وکٹر ۸ ار جولائی ۱۸۶۴ء کو پیدا ہوئے۔ ولی عہد سلطنت قرار پائے۔ ہندوستان کا سفر بھی کر گئے۔ تعلیم اور سیاحت ہر اعتبار سے وارث تخت وتاج قرار پائے مگر زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۴ ار جنوری ۱۸۹۲ء کو انتقال کیا۔ (۲) پرنس فریڈرک ارنسٹ۔ پیدایش ۳ جون ۱۸۶۵ء جو اپنے بڑے بھائی کے انتقال پر ولی عہد قرار پائے اور انہیں کی منگیتر سے آپ کی شادی ہوئی

اور اب بفضل خدا یہی ہمارے بادشاہ جارج پنجم ہیں۔

"خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے!"

(۳) پرنسس لوئی وکٹوریا الگزینڈرا۔ پیدائش ۲۰ فروری ۱۸۶۷ء جن کی شادی ڈیوک آف فیف سے ہوئی۔ (۴) پرنسس وکٹوریا آسکا میری۔ ولادت ۶ جولائی ۱۸۶۸ء (۵) پرنسس ماڈ شیرلاٹ ملکۂ ناروے۔ ولادت ۲۶ نومبر ۱۸۶۹ء (۶) پرنس ایلگزینڈرا (جو پیدائش کے چند ہی دنوں بعد انتقال کر گئیں)۔

جس طرح اکثر ہندوستانی امراء و رؤسا اپنے بچوں کا لاڈ و پیار میں ستیاناس کرتے ہیں یہ حال یورپ میں نہیں بلکہ جس گھر میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے اُس کو اُسی حیثیت سے تعلیم و تربیت کی جاتی ہے اور ہمیشہ اُس کو اُس پوزیشن کے قابل بنایا جاتا ہے جو نیچرلی اُسے ملنے والی ہے۔ اسی اصول پر ایڈورڈ ہفتم نے اپنی اولاد کو بڑے اہتمام سے پوری طرح تربیت کی اور اعلیٰ درجے کی تعلیم دلوائی اور پھر سیاحت کرا کے دنیا کے نشیب و فراز کا پورا تجربہ کرا دیا۔

اشغال و عادات

آپ کو کتب بینی اور اخباروں کا بڑا شوق تھا۔ گھوڑ دوڑ اور سائیکل کی سواری سے بھی خاص رغبت تھی۔ آپ کی رحم دلی کے متعلق ایک روایت ہے کہ ایک دن آپ گاڑی پر جا رہے تھے کہ آپ کی نظر ایک نابینا پر جا پڑی جو بے چارہ بازار کے اس سرے سے اُس سرے تک گزرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن لندن کا ٹریفک رستہ نہ ملتا تھا اُس کو دھکے لگ رہے تھے اور بے طور ٹھوکریں کھا رہا تھا۔ اُس کی درماندگی کی حالت دیکھ کر آپ کا دل نہ مانا آپ جھٹ گاڑی پر سے اُتر پڑے اور اُس اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اُسے اس بھیڑ بھڑکے سے پار کر دیا اور چپکے سے اُسے کچھ دیا بھی۔ چند دنوں بعد آپ کے نام ڈاک سے ایک قلمدان پہنچا جس پر یہ عبارت کندہ تھی "یہ ناچیز تحفہ پرنس آف ویلز کی خدمت میں ایک ایسے شخص کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جنہیں اُس نے سچے مسیحیوں کی طرح اپنے مرتبوں کو بالائے طاق رکھ کر ایک اندھے کی خدمت کرتے دیکھا ہے۔"

پابندی ضابطہ

ایک دن آپ چند دوستوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے ایک شخص کے کھیت میں سے گزرے۔ کھیت والا اٹھا اور اڑ گیا کہ آپ لوگ بلا میری اجازت میرے کھیت میں کیوں گھسے ایک شلنگ جرمانہ سیدھے ہاتھ سے دھر دیجئے۔ آپ کے ہمراہیوں نے چاہا کہ آپ کا مرتبہ اُسے بتلا کر دھتکار دیں لیکن آپ نے منع کیا اور اُس سے معذرت خواہ ہوئے اور فوراً ایک شلنگ اُسے دے دی۔

مدرسہ کا ایک چھوکرا اور پرنس آف ویلز

بر آور دن کار اُمید وار
بہ از قید بندی شکستن ہزار

آپ نے بہت سے کام بے ریائیکی کے کئے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن آپ ذرا دیر سے باہر سے تشریف لائے دیکھا تو پھاٹک پر ایک چھوٹا سا لڑکا کھڑا رو رہا ہے۔ آپ نے پہرے والے سے پوچھا یہ لڑکا کون ہے اور کیوں رو رہا ہے۔ سپاہی نے کہا حضور یہ چھوکرا ملکہ معظمہ کو دیکھنا چاہتا ہے بھلا یہ کیسے ممکن ہے ہیں نے اُس سے کہہ دیا۔ لاکھ سمجھایا مانتا ہی نہیں جب سے کھڑا رو رہا ہے شہزادے نے جھٹ اُس لڑکے کا ہاتھ پکڑ لیا اور بڑی محبت سے کہا وہ میاں! تم میرے ساتھ آؤ یہ پہرے والے تو میرے تابعدار ہیں ملکہ کو تم دیکھنا چاہتے ہو تو میں تم کو ضرور دکھلا دوں گا۔ شہزادے نے اپنا وعدہ پورا کیا لڑکے کو لے جا ملکہ کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اُس نے اس نیک نہاد ملکہ کو دیکھا کیسی پیاری مگر غمگین صورت تھی۔ آپ نے بہت سے شفقت آمیز کلمات فرمائے لڑکے کا نام اور اُس کی عمر پوچھی اور چلتے وقت اُسے ایک اشرفی بھی دی ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

یہ لڑکا اب بڈھا پھوس ہو گیا سارے بال سفید گالا ہو گئے مگر ملکہ کے کریمانہ اور محبت بھرے الفاظ اُس کے دل پر نقش ہیں اور اُس کے نزدیک سب سے عزیز چیز وہی اشرفی ہے جسے اُس نے اپنے کلیجے سے لگا رکھا ہے۔ وکٹوریا اور ایڈورڈ دونوں کا وجود صفحۂ دنیا سے مٹ گیا لیکن نیکی کے کام نہ کبھی مٹے ہیں نہ مٹیں گے۔ اُن کے

نام ہمارے دلوں میں زندہ ہیں اور ہمیشہ ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہیں گے۔

نئی پرانی چھتریوں کا لطیفہ

ایک مرتبہ آپ کسی دوست کے ساتھ پھرتے پھراتے ایک گاؤں میں جا نکلے۔ یکایک زور کا مینہ آگیا تھوڑی دیر کے لئے آپ نے ایک نان بائی کی دکان میں آسرا لیا لیکن مینہ کے کھلنے کے آثار نہ تھے۔ آپ کے دوست نے دکان دار سے پوچھا کہ تمھارے پاس کوئی چھتری بھی ہے؟ اُس نے کہا کہ میرے پاس ایک چھوڑ دو دو چھتریاں ہیں ایک نئی اور ایک پرانی۔ نئی چھتری تو میں کسی دفعہ کو بھی نہ دوں خواہ وہ پرنس آف ویلز ہی کیوں نہ ہو ہاں پرانی چھتری حاضر ہے وہ بھی اس شرط سے کہ آپ واپسی کا ذمہ لیں۔ اُس کا مطلب کسی بڑے آدمی سے تھا ر ہا پرنس کا نام آندھن نکل گیا۔ کیوں کہ اُن سے بڑا اور تھا کون اُس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ پرنس آف ویلز تو یہی ہیں۔ ع یار در خانہ و ما گرد جہاں می گردیم۔ غرض وہ پرانی چھتری بھی اس وقت مغتنمات سے ہوگئی۔ پرنس نے محل میں پونہچتے ہی اُس کی عمدہ چھتری شکریئے کے ساتھ واپس کی اور اُسی کے ساتھ ایک عمدہ نئی چھتری اور بھیج دی جس کو دیکھ کر نان بائی کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھنے میں تو یہ ذراسی بات ہے مگر ایک بادشاہ ذی جاہ کو ایسی جزئیات کا خیال رہنا کیا نعمتِ الٰہی سے کم ہے۔

تاج پوشی

اگرچہ بالعموم تخت نشینی سے سال بھر بعد تاج پوشی کی رسومات ادا ہوتی ہیں مگر ۲۸ اگست سنہ ۱۹۰۱ء کو آپ کی ہمشیرہ یعنی پرنسس فریڈرک شاہ جرمن کی والدہ کا انتقال ہوگیا اور ٹرینسوال میں جنگ چھڑ گئی لہذا کچھ تاخیر ناگزیر ہوگئی۔ کچھ دنوں بعد اعلان کر دیا گیا کہ انگلستان میں ۲۶ جون سنہ ۱۹۰۲ء اور ہندوستان میں یکم جنوری سنہ ۱۹۰۳ء کو جشن تاج پوشی منایا جائے گا۔ آپ کا تاج نہایت خوشنما۔ شاندار اور بندرہ لاکھ روپیہ کی قیمت کا نہایت مرصع تھا۔ ملکہ کے لئے ہلکا اور سبک جڑاؤ تاج کیر نگٹن ریجنٹ سٹریٹ کے جوہری نے بڑی نزاکت اور نفاست سے تیار کیا تھا

جو بیش قیمت جواہرات سے لپا ہوا تھا اور اسی میں کوہ نور نامی مشہور ہیرا بھی دمک رہا تھا اس میں سب ملا کر (۶۱۷۰) ہیرے تھے یعنی کوئین وکٹوریا آنجہانی کے تاج سے بھی (۶۸۸) زیادہ ۔ تاجپوشی کے اخراجات کے لیئے سوا لاکھ پونڈ کی منظوری ہوئی تھی چنانچہ زرّین لیسوں اور درباری تلواروں اور موٹروں پر (۳۵) لاکھ اور آرایش اور جلسوں پر پونے دو کروڑ روپیہ صرف ہوا۔ علاوہ بہت سے ہندوستانی رؤسا و امرا وغیرہ کے ہندوستانی فوج کے ایک ہزار جوان اور سو جوان امپیریل سروس ٹروپس کے بھی مدعو کیئے گئے تھے ہندوستانی شاہی مہمانوں کو بڑی بڑی بھاری بھاری پُر تکلف دعوتیں دی گئیں جن کی تفصیل طول طویل ہے۔

حضور کی ناگہانی علالت اور عین وقت پر جشن کا التوا

لندن میں جشن کی تیاریاں بڑے اہتمام اور زور شور سے اصلی پیمانے پر ہو رہی تھیں اور مختلف دیار و امصار اور ممالک سے معزز و محترم مہمانوں کی تعداد کثیر آن پونہچی تھی اور بظاہر اسباب اس تقریب کے بروقت انجام پانے میں کوئی کسر نہ تھی مگر مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی کہ عین وقت پر بادشاہ سلامت کی طبیعت ناساز ہو گئی ۱۳ ر جون کو مزاج کچھ کسل مند رہا پھر اگلے دن کمر میں درد ہوا جو باوجود علاج معالجے کے روبہ ترقی تھا۔ ڈاکٹروں نے آپ کو آرام لینے کے لیئے کہا مگر ایسے موقع پر آرام کہاں ۔ ۱۸ ر جون کو تپ بھی آ گئی اور دائیں پسلی میں آماس معلوم ہوا ۔ ۲۴ ر جون کو اس میں پیپ پڑ گئی جس کے لیئے آپریشن ناگزیر تھا۔ آپ کو بہ مقابلے اپنی رعایا اور مہمانوں کی مایوسی کے اپنی بیماری کا مطلق خیال نہ تھا ڈاکٹروں سے کہا کہ کوئی ایسی صورت نکالو کہ یہ تقریب نہ رُکے ورنہ لوگوں کو بڑی ناامیدی تکلیف اور حرج ہوگا اگر میں کھڑے ہو کر رسوم تاجپوشی ادا نہ کر سکوں تو خیر بیٹھے بیٹھے یا لیٹے لیٹے ہی سہی۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ آپریشن کے بعد نقل و حرکت سراسر خلاف احتیاط ہی اور آپریشن کی تاخیر میں بھی مرض کے جڑ پکڑ جانے کا سخت خطرہ ہی۔ جب بادشاہ

کی جان کے ہی لالے پڑے تھے کیسی تاجپوشی اور کہاں کا دربار۔ جان ہی تو جہان ہے۔ **ارل آف مارشل** نے اس شدید مجبوری سے جشن کے التوا کا اعلان کر دیا۔ اس خبر کے سنتے ہی ایک عام افسردگی چھا گئی اور مجمع کا تمام رُخ شاہی محل کی طرف ہو گیا اور مجمع جب تک کہ آپریشن کامیابی سے ختم نہیں ہوا اور لوگوں کی جان میں جان نہ آئی وہاں سے نہ پلٹا۔ ٹھیک بارہ بجے دن کے **سر فریڈرک ٹریوس** نے عمل جراحی نہایت کامیابی سے کیا۔ ۵½ انچ گہرا نشتہ دے کر گیارہ چھٹانک پیپ نکالی[1]۔ اس کے بعد دو وقتہ ملک معظم کی حالت صحت کے **بلیٹن**[2] شائع ہونے لگے۔ عمل جراحی کے بعد جب آپ نے آنکھ کھولی تو سب سے پہلے آپ نے شہزادے ویلز سے کہا "وہ کیا میری رعایا میری اس مجبوری کی وجہ سے مجھے معاف کرے گی؟" جس سے آپ کے اس بے حد انس اور پیار کا پتہ چلتا ہے جو آپ کو اپنی رعایا کے ساتھ تھا۔ آپ کی صحت یابی کے لیئے انگلینڈ تو انگلینڈ تمامی ممالک اور ہندوستان میں دعائیں کی گئیں خدا جانے کس کی دعا لگی کہ آپ کو صحت ہو گئی۔ زخم کے اندمال اور پوری صحت کا اندازہ مشکل تھا لہذا سفرائے دول خارجہ اور جنگی جہازوں کو رخصت کرنا پڑا۔ لیکن ہندوستانی فوج کے لوگوں کو گو کہ اجازت مل گئی تھی مگر وہ اپنی خوشی سے بادشاہ کی صحت عاجل کے لیئے دعا کرتے ہوئے در دولت پر پڑے رہے۔ بعض تقریبیں۔ فہرست خطابات کا شائع ہونا۔ فوجی ریویو۔ روشنی۔ دربار لیوی بہ نیابت پرنس آف ویلز۔ غربا کی دعوت وغیرہ پوری کر دی گئیں۔ ۳۰ جون کو بادشاہ کی صحت یابی کا اعلان کیا گیا اور اسی دن روشنی کے الاؤ جلائے گئے ۲ر جولائی کو فوجی ریویو اور لارڈ لینسڈون کی طرف سے ایک پر تکلف دعوت دی گئی ۴ر جولائی انڈیا آفس میں دربار لیوی۔ ۵ر جولائی غربا کی شاہی دعوت جس کے انتظامات علاوہ اراکین سلطنت کے حضور پرنس آف ویلز اور ڈیوک آف کناٹ آپ کے چچا نے بھی خود جا کر ملاحظہ فرمایا اور حضور ملک معظم نے بھی لارڈ میئر کو اس دعوت کا خاطر خواہ انتظام کرنے کو لکھا کہیں غریبوں کی دعوت سمجھ کر دعوت کو بھی

---

[1] آپ کو اپنڈی سٹیس Appendicitis کی خطرناک بیماری تھی جو ایک قسم کا ورم امعا ہوتا ہے۔

[2] وہ تحریری نوٹس جو کسی امر اہم کے متعلق بطور سرکاری شائع کیا جاتا ہے۔ ۱۲

غریب نہ سمجھ لیجئیے گا۔ دعوت کا اندازہ اس پر سے کیجئے کہ فی کس للعہ کا صرفہ بیٹھا۔ دعوت میں (۱۰۲۵) لاکھ رکابیاں - دو لاکھ چھری کانٹے۔ دس لاکھ چمچے استعمال ہوئے تھے۔ اتنی بڑی دعوت ایک جگہ کیسے ہو سکتی تھی اس لیئے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف مقامات پر ہوئی اور ہر جگہ شہزادہ ویلز بہ نفس نفیس تشریف لے گئے۔ غربا نے نہ صرف پیٹ بھر کر لذیذ کھانے کھائے بلکہ شہزادے کو دیکھ کر دل بھی خوش کیا۔ ؎

فرض کردم کہ بیاد تو دلم خورسند است آخر ایں دیدۂ دیدار طلب راچہ علاج

۱۱ر جولائی کو حضور پرنس آف ویلز نے اپنے عالی شان ایوان میں ہندوستان کے معزز مہمانوں کو شرف باریابی بخشا۔ اسی شام کو گلڈ ہال میں نہایت اعلیٰ پیمانے پر چھ سو معزز مہمانوں کی دعوت ہوئی جس کے صدر لارڈ آنسلو تھے اس دعوت میں مہاراجہ صاحب بہادر کولہاپور نے بھی تقریر فرمائی۔ سلطان معظم کی طبیعت اب روز چاق ہوتی جاتی تھی ۲۶ر جولائی کو آپ نے اپنے پریوی کونسلرز کو جہاز پر طلب فرما کر جشن تاجپوشی کے لیئے ۹ر اگست کی تاریخ مقرر فرما دی اور بوجہ نقاہت کے بہت سی رسموں کی کاٹ چھانٹ فرما دی۔ اس خبر مسرت اثر سے پھر پبلک میں جان آگئی بالخصوص ہندوستانی مہمانوں کو کہ وہ اسی دن کے انتظار میں پڑے ہوئے تھے۔ تاج پوشی کی تقریب اپنی جگہ کیا کم مسرت بخش تھی چہ جائیکہ جب اُس کے ساتھ بادشاہ سلامت کی صحت وعافیت کا مژدہ جانبخش بھی منضم ہو غرض دہری خوشی ہوئی۔ ۸ر اگست کو انڈیا آفس میں لارڈ جارج ہیملٹن نے تمام والیان ریاست ہندی رؤسا و افسران فوج کو مدعو فرما کر مراسم تاج پوشی کی تعلیم فرمائی۔

تاج پوشی کا مبارک دن

آج صبح سویرے سے توپوں کی گرج شروع ہوگئی ویسٹ منسٹر ایبی کا گرجا دلہن بنا ہوا تھا جس شارع عام سے جلوس گزرنے والا تھا صبح سویرے ہی سے لوگ آن ڈٹے تھے۔ جہاں جلوس تین بجے پونچنا تھا وہاں بھی لوگ صبح ہی سے چشم براہ تھے۔ رستے میں آٹھ جگہ بینڈ باجے کی ٹکڑیاں تھیں۔ اگرچہ عام طور پر درباریوں کی آمد آٹھ بجے ہی سے شروع ہوگئی تھی مگر ممبران

خاندانِ شاہی ۱۰ ۱/۲ بجے اور حضور شاہزادہ ویلز مع اسٹاف اور ہندوستانی
اڈی کانگوں۔ مہاراجگان کوٹھاپور۔ ایڈر اور گوالیار کے جو گھوڑوں پر سوار تھے۔
پونے گیارہ بجے دربار میں پونہچے۔ حضور ملک معظم مع ملکہ معظمہ کے ٹھیک گیارہ بجے
قصر بکنگھم سے برآمد ہوئے چنانچہ جس وقت محل شاہی سے گھوڑوں نے پہلا قدم
اُٹھایا اُسی وقت توپوں کے دنغنے نے لوگوں کو چونکا دیا حضور ملک معظم اور ملکہ معظمہ
دونوں ہشاش بشاش دو طرفہ بڑے تپاک سے لوگوں کا سلام لیتے ہوئے گیارہ بج کر
(۲۵) منٹ پر گرجا میں داخل ہوئے۔ دربار میں بادشاہ سے دو منٹ پہلے ملکہ معظمہ داخل
ہوئیں جس پر ایبی سکول کے طلبا نے "خدا ملکہ الگزینڈرا کو سلامت رکھے" کا
ترانہ گایا اور دو منٹ بعد ملک معظم تشریف لائے جن کی ٹرین (دامن) کو کئی معزز رئیس اٹھائے
ہوئے تھے۔ بادشاہ کی تشریف آوری پر لڑکوں نے "خدا ایڈورڈ ہفتم کو ابدالآباد
تک زندہ رکھے" کا گیت گایا۔ چوں کہ آپ کو اتنی ہی نقل و حرکت سے قدرے تکان
ہو گئی تھی اس لیئے آپ کو ایک کمرے میں جو آپ کے آرام کے لیئے بنایا گیا تھا لے گئے۔

مراسم تاج پوشی

ساڑھے گیارہ بجے لارڈ سالسبری اور ڈیوک آف ڈیون شایر لمبے لمبے چغے پہنے دربار ہال میں آئے۔ ٹھیک گیارہ بج کر
(۵۵) منٹ پر بادشاہ سلامت دربار ہال میں رونق افروز ہوئے اور رسوم مقررہ شروع ہوئیں
جن کی تفصیل کے لیئے جگہ درکار ہے۔ بڑی رسم یہ تھی کہ بادشاہ سلامت کو تاج پہنایا گیا
تخت پر آپ نے قدم دھرا اور خیر و برکت کی دعا ہوئی اور تمام ممبران خاندان شاہی اور حاضرین
دربار نے اظہار اطاعت کیا اور پھر توپوں کی سلامی پر اس مبارک رسم کا اختتام ہوا۔
واپسی کے وقت جلوس کی وہی شان تھی جو آمد کے وقت تھی سب کا سلام لیتے ہوئے
بادشاہ محل شاہی میں داخل ہوئے لیکن مشتاقین دیدار شاہی کا جم غفیر محل کو گھیرے ہوئے
تھا لہذا آپ دوبارہ پھر رعایا کی خاطر درشن دینے کو دریچے میں برآمد ہوئے۔
اسی دن مہاراج کمار ٹیگور نے ہندی مہمانان کی طرف سے ایک ایڈریس
مبارکباد کا ملک معظم کے حضور میں پیش کیا۔ اسی طرح خواتین ہند کی طرف سے
نواب بیگم صاحبہ مرشدآباد نے تہنیتی ایڈریس گزرانا۔

بادشاہ سلامت کا پیام رعایا کے نام

اسی دن ملک معظم کا یہ فرمان شائع ہوا:۔
"تاج پوشی کی تقریب سعید کے متعلق جو ہماری زندگی کا اہم اور سنجیدہ واقعہ ہی ہماری خواہش ہی کہ اپنی تمام رعایا کی نسبت جو خاص ہمارے وطن اور نو آبادیوں اور ہندوستان میں آباد ہی اور جس نے اپنی گہری ہمدردی مابدولت کی خطرناک بیماری کے دنوں میں ظاہر کی ہی اپنا دلی شکریہ ظاہر کریں کیوں کہ ہمارا خیال ہی کہ ہماری بیماری کے دنوں میں جو ناگہانی طور پر ظاہر ہوئی تھی ان سب کو سخت تکلیف اور رنج کا مقابلہ کرنا پڑا ہی کیوں کہ وہ اس تقریب کو تاریخ مقررہ پر نہایت فرحت و شادمانی سے منانا چاہتے تھے اور پھر اس کے ناگزیر طور پر ٹل جانے سے اُنھوں نے قابل تعریف صبر و اعتدال کا لحاظ رکھ کر دلی خلوص سے ہماری صحت اور سلامتی کی دعاؤں میں مصروفیت دکھائی۔ پس ان سب کو خوشی ہوگی کہ خداوند تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرما کر ہماری زندگی کو تمام خطرات سے بچا یا اور ہم کو صحت و طاقت عطا فرمائی جس کا سچا شکریہ یہ ہی کہ ہم اُن فرائض کو بوجہ احسن انجام دیں جو بلحاظ ایسی وسیع سلطنت کی فرماں روائی کے ہم پر عائد ہوتے ہیں"

قصر آسبورن کا قوم کو عطا کیا جانا

حضور ملک معظم نے کمال مہربانی سے محل آسبورن کو سوائے چند خاص شاہی کمروں کے حضور ملکۂ معظمہ آنجہانی کی یادگار میں قوم کو عطا فرما دیا

قوم کی طرف سے چوبیس لاکھ کا پیشکش

۱۲ اگست کو لارڈ میئر آف لنڈن نے پیشگاہ خداوندی میں حاضر ہو کر قوم کی طرف سے غسل صحت اور تاج پوشی کی مسرت میں ایک لاکھ ساٹھ ہزار پونڈ کا ایک چک پیش کیا جس کو آپ نے بڑی خوشی سے قبول فرما کر شفا خانوں میں دے دیا اور خود بھی امداد کا وعدہ فرمایا۔

ہندوستانی رؤسا کی باریابی

اسی دن ہندوستانی والیان ریاست کو شرف باریابی بخشا اور اُن کی دلی مسرت و وفاداری پر اظہار تشکر فرمایا۔

ہندی فوج کا سلام

۱۳ اگست کی سہ پہر کو ہندوستانی فوج کے افسروں کو حضور ملک معظم نے اپنے دست مبارک سے تمغے سرفراز فرمائے اور ہندوستانی فوج کے متعلق ہمت افزا کلمات بھی فرمائے۔

بحری ریویو

۱۶ اگست کو بحری ریویو ہوا جس میں (۱۰۸) جہاز تھے اور رات کو روشنی بھی ہوئی۔

پرنس آف ویلز کا ہندوستان بھیجنا

آخر ۱۹۰۶ء میں حضور ملک معظم نے حضور پرنس آف ویلز کو مع اُن کی بیگم صاحبہ کے سیاحت ہند کے لیئے روانہ فرمایا تاکہ وہ بھی اپنے والد ماجد کی طرح ملک ہندوستان کی مقامی حالت اور والیان ملک سے ذاتی واقفیت پیدا کریں۔

پیام شاہی ۱۹۰۸ء

ملکہ معظمہ کے اعلان یکم نومبر ۱۸۵۸ء کو جون کہ یکم نومبر ۱۹۰۸ء کو پورے پچاس برس ہو چکے اس لیئے ملک معظم نے اُس اعلان کی تجدید یکم نومبر ۱۹۰۸ء کو فرمائی۔ یکم نومبر کو اتوار آن پڑی لہذا ۲ نومبر کو حضور وائسرائے لارڈ منٹو نے جو بتقریب دورہ **جودھپور** میں تھے وہیں ذیل کا شاہی اعلان دربار میں پڑہا اور شائع فرمایا:۔

اعلان شاہی موسومۂ شہزادگان و اشخاص ہندوستان مورخہ ۲ نومبر ۱۹۰۸ء

"آج سے پچاس سال پیشتر ماہدولت کی مادر مشفقہ اور محترمہ بیش رو ملکہ معظمہ وکٹوریا نے جو اُس وقت تخت سلطنت پر متمکن تھیں مختلف اہم وجوہ کی بنا پر اور پارلیمنٹ کے مشورے اور رضامندی سے اس ملک کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی جو اُس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر انتظام تھا۔ وہ عظیم الشان کام جو اُس وقت نہایت استحکام سے عمل میں لایا گیا تھا اُس کی یادگار میں ماہدولت مناسب سمجھتے ہیں کہ اس اہم سالگرہ کے موقع پر والیان ریاست و رعایا ہند کو مخاطب

کریں۔ آپ کی طویل تاریخ میں پچاس سال کی مدت نہایت قلیل ہے پھر بھی یہ نصف صدی جو آج ختم ہوتی ہے آپ کے تاریخی سیلابوں کے درمیان نہایت نمایاں اور ممتاز نشان کا کام دے گی۔ ملک براہ راست تخت کے ماتحت ہونے کے اعلان نے حکومت ہند کے اتحاد پر گویا مہر کر دی تھی اور اس سے ایک نئے عہد کا آغاز ہوا تھا۔ سفر چونکہ نہایت دشوار تھا اس لئے ممکن ہے کہ بعض وقت رفتار سست معلوم ہو۔ مگر برٹش ہدایات و اقتدارات کی بہت سی نہایت مختلف الحیال جماعتوں اور تقریباً تین کروڑ نوع انسان کے اتحاد نے ثابت قدمی کے ساتھ مسلسل ترقی کی ہے۔ ہم اپنی گزشتہ صدی کی محنتوں کو صفائی نظر اور اطمینان قلب کے ساتھ دیکھتے ہیں۔

جس قسم کی مشکلات ہر زمانے اور ہر مقام پر تمام انسانی حکومتوں کو پیش آتی رہتی ہیں وہ یوماً فیوماً اس ملک پر بھی پڑی ہیں لیکن تاج برطانیہ کے خدام نے ان مشکلات کا مقابلہ ایسی جفاکشی اور ہمت و صبر کے ساتھ اور ایسی دانش مندی اور استقلال کے ساتھ کیا ہے جس میں کبھی نقص یا لغزش واقع نہیں ہوئی۔ اگر کبھی غلطی واقع ہوئی تو مابدولت کی گورنمنٹ کے کارپردازوں نے اس کی اصلاح میں تکلیف اور ایثار نفسی کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا۔ اگر کہیں نقائص ثابت ہوگئے تو ان کے رفع کرنے کے لئے فوراً طاقت ور ہاتھ بڑھے ہیں۔

سلطنت کا کوئی ہاتھ قحط اور وبا کی مصیبت کو ٹال نہیں سکتا مگر تجربہ کار منتظموں نے تمام وہ تجاویز عمل میں لائیں جو قابلیت اور سرگرمی کے امکان میں ہیں اور قدرت کی یہ ہیبت ناک مصیبتیں ایسی جلد رفع ہوگئیں کہ آپ کے ملک کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ہے۔ آپ اپنی حدود کے اندر ہولناک جنگوں سے مامون و مصئون ہوگئے ہیں۔ قومی صلح کا سلسلہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔

۱۸۵۸ء کے اعلان شاہی میں ملکہ وکٹوریا نے آپ کو واثق یقین دلایا تھا کہ ہر مجسٹی کی یہ دلی آرزو ہے کہ ہندوستان کی حرفت زندہ ہو رفاہ عام کے کاموں میں ترقی ہو اور ملک پر حکومت تمام باشندگان کے فائدے کی خاطر کی جائے۔ اس اعلان میں وہ تجاویز ہیں جو آپ ہی کی آسائش اور ترقی کی خاطر وضع کی گئی اور عملاً رائج لائی گئی ہیں یہ وہ تجاویز ہیں جو اپنی وسعت اور افادت میں بے مثل ہیں

اور جو دنیا کے روبرو شہادت پیش کرتی ہیں کہ کس فیاضی اور ہمدردی کے ساتھ ان وعدوں کا ایفا کیا گیا ہے۔

ماتحت اور خود مختار والیان ریاست کے حقوق و مراعات کا لحاظ کیا گیا ہے انھیں قایم رکھا گیا ہے اور ان کی حفاظت کی گئی ہے اور اُن کی وفادارانہ خیر خواہی بھی مستحکم رہی ہے۔ ما بدولت کی رعایا میں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کو بوجہ اُس کے مذہب یا عقیدے یا طریقہ عبادت کے تکلیف دی گئی ہو یا آزار پونہچایا گیا ہو یا اُس کے ساتھ رعایت برتی گئی ہو۔ کل رعایا نے قانون کی حفاظت سے نفع اُٹھایا ہے خود قوانین اس طور پر وضع کیئے گئے ہیں کہ اُن میں آپ کے مذہب و قومیت اور آپ کی مراسم و روایات کا لحاظ رکھا گیا ہے جو آپ کی تہذیب میں جڑ پکڑے ہوئے ہیں۔ قوانین کو سادہ رکھا گیا ہے اور اُس کے کل پرزوں کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ وہ ان قدیم جماعتوں کی ضرورتوں کے مطابق ہو سکے جو آہستگی کے ساتھ نئی دنیا میں داخل ہو رہی ہیں۔

ما بدولت کی گورنمنٹ کے ساتھ بے شمار بنی نوع انسان کی قسمتیں زمانۂ حال و زمانہ مستقبل کے لیئے وابستہ ہیں پس یہ اہم ترین فرض ہے کہ ان مفسدانہ سازشوں کا جن کے لیئے کوئی معقول وجہ یا جن کا کوئی مناسب مقصد نہیں ہے قوت بازو کے ساتھ استیصال کیا جائے۔ ایں جانب واقف ہیں کہ یہ سازشیں ہماری ہندوستانی رعایا کے کثیر التعداد و فا شعار حصے کے لیئے سخت جاں گسل ہے پس ایں جانب ان کو ہرگز اجازت نہ دیں گے کہ وہ ایں جانب کو اپنے امن و عافیت کی تعمیر کرنے سے باز رکھیں۔

چونکہ ما بدولت کو یہ منظور نہیں ہے کہ یہ قابل یادگار سالگرہ الطاف مراحم خسروانہ کے نمایاں آثار کے بغیر رہے اس لیئے ما بدولت نے حکم دیا ہے جیسا کہ ۱۹۰۳ء کے دربار تاج پوشی کے قابل یادگار موقع پر حکم دیا گیا تھا کہ وہ لوگ جن کو ما بدولت کی عدالتوں سے قانون کی خلاف ورزی پر سزا دی ہو اُن کی سزائیں معاف یا مختلف درجوں میں کم کر دی جائیں اور ما بدولت کی یہ خواہش ہے کہ ایسے غلط کار لوگ اس شاہی ترحم کو یاد رکھیں اس کے بعد اپنی غلط کاریوں سے باز آئیں۔

اس قسم کی کوشش کی جارہی ہے کہ اعلیٰ سرکاری عہدوں کے حاصل کرنے کے لیئے توسیت کا امتیاز محو کردیا جاے۔ مابدولت کو یقین کامل ہے کہ جوں جوں تعلیم پھیلتی جائے گی تجربہ پختہ ہوتا جائے گا اور ہندوستان کے ذہین و قابل لوگوں کو ذمہ داری کے سبق ازبر ہوتے جائیں گے اور اس جانب ترقی کی رفتار مضبوط اور یقینی ہوتی جائے گی۔

ابتدا ہی سے قایم مقامی کا اصول مدنظر رکھا گیا تھا اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ مابدولت کے والیسرائے اور گورنر جنرل اور دوسرے مشیر اس اصول کو ترقی دیں۔ آپ کے درمیان جو قابل لحاظ طبقے ہیں اور جو اُن خیالات کے قایم مقام ہیں جو برٹش حکومت نے قایم کیئے ہیں اور جن کو برٹش حکومت نے ترقی دی ہے اُن کو شہریت کی مساوات اور قانون سازی و حکومت میں زیادہ حصہ دیا جائے گا۔ ان مطالبات کے پورا ہونے سے موجودہ حکومت اور اقتدار کو ضعف نہیں پہنچے گا بلکہ اس کو تقویت ہوگی۔ نظم و نسق اور زیادہ مکمل ہوجائے گا اگر وہ عہدہ دار جن کے ہاتھ میں اس کی باگ ہے اُن لوگوں کو جن پر وہ موثر ہیں باقاعدہ میل جول کے زیادہ مواقع دیں اور نیز اُن لوگوں کو جو ایسے ابواب میں عام رائے پر پر تو اور اثر ڈالتے ہیں میں اُن تدابیر کا ذکر نہیں کروں گا جو اب بڑی تن دہی سے ان اغراض کے لیئے مرتب کی جارہی ہیں جو بہت جلد آپ کو معلوم کرائی جائیں گی اور مابدولت کو یقین ہے کہ آپ کے معاملات کی مفید ترقی کا ایک ممتاز دور شروع ہوجائے گا۔

میں اپنی ہندوستانی افواج کی شجاعت اور وفاداری کو تسلیم کرتا ہوں اور آغاز سال ہی میں حکم دے چکا ہوں کہ اُن کی جنگی دانشمندی اُن کی پُرشکوہ تعلیم و تربیت (آراستگی) اور اُن کی وفادارانہ مستعدی خدمت کی نسبت میری اعلیٰ درجے کی قدردانی کو ایک مستقل شکل میں اظہار کا موقع دیا جائے۔

ہندوستانیوں کی بہبودی ملکہ وکٹوریا کو سب سے زیادہ عزیز تھی۔ جب سے کہ ۱۸۷۵ء میں میں گیا ہوں ہندوستان اُس کے شہزادگان اور لوگوں کی بہبودی کو میں ایسا محبتانہ آرزومندی سے دیکھتا رہا ہوں جو امتداد زمانے سے کم نہیں ہوسکتی۔ مابدولت کے فرزند پرنس آف ویلز اور شہزادی ویلز آپ کے درمیان سیاحت کرکے واپس آتے وقت آپ کے ملک کے ساتھ گہری دلبستگی اور

اُس کی بہبودی اور فلاح کا حقیقی اور دلی شعف اپنے ساتھ لائے ہیں ہندوستان کے ساتھ ایسے مخلصانہ عملی ہمدردی اور توقعات کے جذبات جو بادولت کے شاہی خاندان اور نسل کو ہیں یہ صرف ایک اظہار ہے جو درحقیقت ایک واقعی اظہار ہے اُس گہرے اور متحدہ ارادے اور مقصد کا جو اس سلطنت کے لوگوں کو ہے۔

دعا ہے کہ خداوند تعالیٰ کی حفاظت اور مہربانی دانائی اور باہمی خیر سگالی کو تقویت بخشے جو ایک ایسے عظیم الشان مقصد کے حصول کے لیئے ضروری ہے جو کبھی کسی علاقے یا سلطنت کے تاریخی زمانے میں حکمراں یا محکوموں کو پیش نہیں آیا تھا۔

آپ کا عہد گو بہت مختصر تھا مگر کام بہت بڑے بڑے ہوئے مثلاً پرانی عمارات کی نگہداشت کے لیئے ایک جداگانہ محکمہ آثار قدیمہ کا قایم ہوا جس نے بہت سی نادر الوجود تاریخی عمارتوں کو جو کس مپرسی کی حالت میں پڑی تھیں اچھی طرح سنبھال لیا جو بلحاظ بقائے نام سلاطین ماضیہ ایک بڑا اہم کام تھا۔ لارڈ کرزن وائسرائے کی جدت پسند طبیعت نے ڈہاکے اور مشرقی بنگال کو ملاکر ایک نیا صوبہ ایک جدید لفٹنٹ گورنر کے ماتحت قایم کیا۔ آپ کا زمانہ پرامن ہونے کے سوا ملکی سود و بہبود کے لیئے بھی بہت اچھا گزرا کیوں کہ آپ ہی کے زمانے میں شاہان یورپ نے آے دن کی خوں ریز جنگوں کی موقوفی اور عالم گیر امن کے سوال پر توجہ کی اسی لیئے آپ کو پیس میکر (امن پسند) کہتے تھے۔ آپ اپنی رعایا کو جائز حقوق دینے میں ہمیشہ فیاض طبیعت ثابت ہوئے۔ آپ کی تخت نشینی کے وقت انگلستان و ٹرینسوال کے بوئروں میں جنگ جاری تھی مگر جب انگریزوں نے ٹرینسوال فتح کر لیا اور بوئروں کے جنرل حضور ممدوح کی خدمت میں پیش ہوئے تو آپ نے اُن کی درخواست پر نہایت فیاضی سے جداگانہ پارلیمنٹ اور حکومت خود اختیاری منظور فرمائی۔

ہندوستان میں جب آپ نے ہندوستانیوں کو اعلیٰ ملازمت میں حصہ لینے اور انتظامی معاملات میں دخل دینے کے لیئے جدوجہد کرتے دیکھا تو لارڈ منٹو جیسے مشہور مدبر نے پراونشل کونسلوں کے علاوہ امپیریل کونسل میں بھی ہندوستانیوں کے زیادہ لیئے جانے کی سکیم کو منظور فرمایا۔ انڈیا کونسل میں بھی ہندوستانی ممبروں کا لیا جانا منظور ہوا۔ حضور وائسرائے کی اگزیکٹیو کونسل کے مع وائسرائے کامانڈر انچیف

کے سات ممبر ہوتے ہیں جو پہلے ساتوں کے ساتوں یورپین ہوا کرتے تھے لیکن اب ہندوستانی بھی ہونے لگے۔

انتقال پُر ملال

یکم مئی ۱۹۱۰ء کو آپ پیرس سے بعض پولیٹیکل گتھیوں کو سلجھا کر تشریف لائے تو ۲ مئی کو آپ کے گلے میں خراش شروع ہوئی جس نے خناق کی خطرناک شکل اختیار کر لی۔ اگرچہ پہلے بھی دو دفعہ آپ کو یہی شکایت ہوئی تھی مگر چوں کہ زندگی کے دن باقی تھے صحت ہو گئی اور اس دفعہ آناً فاناً یہ مرض ترقی کر گیا باوجودیکہ ایک چھوڑ سات ڈاکٹر جان توڑ کوشش کر رہے تھے مگر موت کے آگے کس کی چلتی ہے مرض کسی کے قابو میں نہ آیا حلق کی نالیاں ماؤف ہو گئیں اور سخت کھانسی کے ساتھ غشی طاری ہونے لگی۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ کا سارا خیال اپنی عزیز رعایا کی طرف بٹا ہوا تھا۔ جب آپ ہوش میں آتے تو تیمارداروں کی تشفی یوں فرماتے "کچھ فکر نہیں۔ جس طرح پہلے آرام ہو گیا تھا اگر خدا نے چاہا تو اب بھی ہو جائے گا۔ ذرا افاقہ ہو جائے تو میرا منشا یہ ہے کہ دم واپسیں تک ملک و اہل ملک کی خدمت کروں"۔ جس وقت لوگوں کو بادشاہ کی علالت کی خبر ملی تو سارے کاروبار بند ہو گئے اور لوگ سراسیمہ قصر شاہی کی طرف آپ کے لیئے دعائے صحت مانگتے ہوئے دوڑے اور انٹرنس ہال میں لوگوں کا ایک ٹھٹ لگ گیا کہ آرچ بشپ آف کنٹربری کی باریابی بھی دیر تک نہ ہو سکی۔ بادشاہ کے بستر کے گرد سارا خاندان شاہی جمع تھا۔ ابھی لوگ امید و بیم ہی میں تھے کہ یکایک حالت میں تغیر ہوا اور دم زدن میں روح پرواز کر گئی اور معاً شاہی جھنڈا سرنگوں کر دیا گیا۔ آپ نے ۶۷ برس کی عمر میں ۶ مئی ۱۹۱۰ء کو صرف سوا نو سال سلطنت کر کے انتقال کیا۔ آپ کی امن پسندی۔ نیک مزاجی اور ہر دل عزیزی کی وجہ سے آپ کی وفات کا بہت رنج ہوا اور چوں کہ ہندوستان فطرتاً بادشاہ پرست واقع ہوا ہے اس لیئے اس ملک میں بھی بہت کچھ رنج و غم کا اظہار کیا گیا چنانچہ ہندوستان میں بے شمار جلسہ ہائے تعزیت ہونے کے علاوہ جابجا شہنشاہ کی یادگاریں قائم کی گئیں۔ لاہور میں پندرہ لاکھ روپیئے کے صرف سے آپ کی یادگار میں میو ہاسپٹل کی توسیع منظور کی گئی جس میں والیان ملک اور پبلک

کی طرف سے بھی معتد بہ چندہ وصول ہوا اور ایک آل انڈیا میموریل دہلی میں قرار پایا جس کا سنگ بنیاد ۸ر دسمبر ۱۹۱۱ء کو ملک معظم جارج پنجم نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔

۹ر مئی کو سینٹ جیمس پیلس میں دوپہر کو ارکان و عمائدین سلطنت جمع ہوئے اور جارج پنجم کی تخت نشینی کا اعلان فرمایا اس دربار میں حضور ملک معظم مع ملکہ معظمہ میری کے تشریف فرما ہوئے اور تخت نشین ہوئے۔ بعد مراسم تخت نشینی کے ذیل کی تقریر ایک پُر درد لہجے میں فرمائی ہے۔

"میرا دل اس وقت رنج و محن کا مخزن بنا ہوا ہے۔ بولنے کا یارا نہیں مگر کیا کروں اس وقت کا فرض مجبور کرتا ہے کہ کچھ کہوں اور جو کہوں تو یہ کہ والد محترم کی وفات کی خبر وحشت اثر کا اعلان عام ہو۔ اس سانحۂ جانکاہ سے جو غم کا پہاڑ ہم پر اور کل ماتحت قلمرو پر آپڑا ہے اُس کا اندمال ہماری ہونے والی رعایا کا اظہار ہمدردی ہے جو ہمارے غم میں شریک ہو کر اپنے اُس فرماں روا کے ماتم میں حصہ لے رہی ہے جس نے ان کی خوشی اور ترقی کو اپنی خوشی اور ترقی سمجھ رکھا تھا۔ کیا کہوں ان کے انتقال سے ہمارے سر پر سے نہ صرف پدر بزرگوار کا سایہ اٹھ گیا بلکہ ہمارا اعلیٰ درجے کا اتالیق اور جلیل القدر مشیر بھی کھویا گیا ہے۔ والدہ مکرمہ کے ساتھ رعایا کی طرف سے جو ہمدردی ہو رہی ہے اُس نے میرا دل اور بھی بڑھا دیا ہے۔ والد بزرگوار نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے سے پہلے فرمایا تھا کہ دم واپسیں تک رعایا کے سود و بہبود کا خیال رکھوں گا چنانچہ جس خوش اسلوبی سے اُنھوں نے اس کو پورا کیا ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ میں بھی یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میری زندگی کا اصول یہی ہوگا اور انھیں کے نقش قدم پر چل کر ممالک غیر کے تعلقات کو اپنی رعایا کی بہبودی کی غرض سے اور بھی مستحکم کروں گا۔ ما بدولت کو ان بھاری ذمہ داریوں کا بڑا ہی خیال ہے جن کا بوجھ دفعتہً ہمارے سر پر آپڑا ہے اور ہم کو پوری توقع ہے کہ پارلیمنٹ جزائر برطانیہ کے رہنے والوں اور سمندر پار کی رعایا ہمارے فرض حکومت کی سرانجام دہی میں خاص مدد سے دریغ نہ کریں گے اور ہمیں اُمید واثق ہے کہ پروردگار عالم عالمیان رعایا کی دعاؤں کے اثر سے میری ذات میں ایسی طاقت و ہدایت نمایاں فرمائیں گے جس سے

تمام گتھیاں سلجھ جائیں گی۔ ہماری تسکین خاطر کے لیئے یہ بات کم کچھ کم نہیں ہی کہ ہماری ملکہ نے بھی ہماری رعایا کے سود و بہبود کے ان جملہ امور میں ہماری مدد کا خاص اظہار کیا ہی"

ملکہ معظمہ الگزینڈرا کا قوم سے دردبھرا خطاب[له]

May 10th 1910.

Buckingham Palace

From the depth of my poor x broken heart I wish to express to x the whole nation & our kind x People we love so well, my deep – x felt – thanks for all their x touching sympathy in my over – x whelming sorrow and unspeakable x anguish – not alone have I lost x every thing in him, my beloved x husband but the nation too x has suffered irreperable loss x in their best friend, father & x Sovereign thus suddenly called x away – may God give us all His devine help to bear this keenest x of losses. Which he has seen x fit to lay upon us – "His will be x done." Give me a thought in

---

له یہ خط ملکہ معظمہ الگزینڈرا کے دست خاص کا لکھا ہوا ہی جس کا فوٹو چھاپ کر تقسیم کیا گیا تھا۔ اگرچہ ہم نے اس خط کا ترجمہ تا بامکان بہتر سے بہتر کیا ہی لیکن پھر بھی کلام الملوک ملوک الکلام اس لیئے اصل خط بھی نقل کر دیا ہی کہ انگریزی داں اصحاب اس سے متمتع ہوں۔ آپ کی ولادت یکم دسمبر ۱۸۴۴ء کو ہوئی اس حساب سے آپ کا سن شریف ۶۶ سال کا ہی اور بہ افضال الٰہی صحیح و سلامت ہیں (من المصنف) ۱۲

your prayers which will sustain & comfort me, in all I have to go through —

Let me take this opportunity of expressing my heartfelt thanks for all the touching letters & tokens of sympathy I have received from all classes high & low, rich & poor, which are so numerous that I fear it will be impossible for me ever to thank every body individually. I confide my dear Son into your care who I know will follow in his dear Father's footsteps, begging you to show him the true loyalty & devotion you showed his dear Father — I know that both my dear Son and daughter-in-law will do their utmost to merit & keep it —

Alexandra

ترجمہ

۱۰ مئی سنہ ۱۹۱۰ء

بکنگھم پیلس

اپنے بیکس ومغموم دل کی تہ سے اپنی تمام قوم ورعایا سے مہربان جن سے ہم کو خاص محبت ہے اُن کی دل پر اثر کرنے والی ہم دردی کا شکریہ ادا کرتی ہوں جو اُنھوں نے میرے صدمۂ ہوش ربا و ناقابل اظہار حادثے میں ظاہر کی ہے۔ میری تو دنیا ہی

شوہر محبوب کے ساتھ ختم ہوگئی قوم کو بھی ایک سچے دوست اور باپ اور بادشاہ کے دفعتہً چلے جانے سے ایسا نقصان پونہچا ہے کہ اُس کی تلافی ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اس صدمۂ عظیم کی برداشت کی قوت ہم سب کو عطا فرمائے جو اُس نے ہمارے مناسب حال تصور فرمایا ہے۔ وہ مشیت ایزدی میں چارہ نہیں۔" آپ لوگ اپنی دعاؤں میں مجھے یاد رکھیں جس سے میرے ہر حال میں تقویت اور تسلی ہو۔ مجھے اس بات کا موقع دیجئے کہ میرے پاس جن لوگوں کے جاں گداز خطوط تعزیت آئے ہیں اور جنھوں نے اظہار ہمدردی کیا ہے میں اُن کا دلی شکریہ ادا کروں۔ ان میں سب ہی درجے کے آدمی ہیں عالی خاندان بھی ہیں عمولی اشخاص بھی۔ امیر بھی ہیں غریب بھی۔ جو اس قدر کثیر التعداد ہیں کہ ہر ایک کا شکریہ فرداً فرداً ادا کرنا ناممکن ہے۔ میں اپنے فرزند دلبند کو آپ صاحبوں کے سپرد کرتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے والد کے قدم بقدم چلے گا اور آپ لوگوں سے استدعا کرتی ہوں کہ جیسی سچی وفاداری اور اطاعت اُس کے پیارے باپ کے ساتھ کی ہے ایسی ہی اس لڑکے کے ساتھ بھی کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا فرزند دلبند اور میری بہو دونوں حتی الامکان اپنے آپ کو مستحق و اہل ثابت کریں گے۔"

الگزینڈرا۔

تجہیز وتدفین

جب تک آپ کا دفن ہو آپ کا جسد مبارک فیلڈ مارشل کے لباس میں رکھا رہا اور ہر روز ایک خاص وقت پر دعا کے بعد حسرت نصیب اہل خاندان کو چہرہ مبارک کی زیارت کرائی جاتی تھی۔ اعلان شاہی کی رو سے تدفین کی تاریخ ۲۰ مئی ۱۹۱۰ء یوم جمعہ مقرر کی گئی اور حکم دیا گیا تھا کہ اس عالم گیر ماتم کے روز ٹھیک ایک بجے دن کے ہر جگہ دعائے مغفرت مانگی جائے۔ چنانچہ شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ توپ گاڑی پر جنازہ رکھکر فوجی جلوس کے ساتھ سینٹ جارج کے گرجا کے قبرستان کی طرف روانہ ہوا جس کے ساتھ خود مختار فرماں روا۔ سفیر۔ نمایندے قیصر جرمن و ولی عہد دولت عثمانیہ کے علاوہ ہر قسم کے بے تعداد لوگ شامل تھے۔ قبرستان میں پونہچ کر آرچ بشپ آف کنٹربری نے پہلے انجیل کا کچھ

حصہ پڑھا پھر مرحوم کے کچھ حالات اس طرح بیان کیئے کہ سُننے والوں کے دل ہل گئے۔ چنانچہ ایک طرف آنکھیں اور دوسری طرف رومال تربتر تھے مغموم و مصیبت زدہ ملکہ الگزینڈرا گھٹنے ٹیک کر دعاے مغفرت میں مصروف تھیں۔ جب جنازے کو پیوند خاک کرنے کا موقع آیا تو صندوق جنازے پر سے لوازم شہنشاہی الگ کر لیئے گئے اور گارٹر کنگ ایٹ آرمز نے دستور کے مطابق شہنشاہ متوفی کی تدفین کے بعد شہنشاہ موجودہ کا نام نامی علی رؤس الاشہاد سنایا۔ اس کے بعد قصر بکنگھم میں ایک بڑی بھاری شاہانہ دعوت دی گئی جس میں قیصر جرمن کے علاوہ سات آٹھ بادشاہ اور ڈیڑھ سو کے قریب امرا و ارکان سلطنت شریک تھے۔ ملک معظم جارج پنجم نے اول بری و بحری فوج کی نسبت اپنی ذاتی خصوصیات کا موزوں الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے نوآبادیوں کے ایڈریس کے جواب میں اتحاد و یک جہتی کے بے نظیر اور قابل قدر خیالات کا اظہار فرمایا جس سے اُن کے خلوص و محبت میں ترقی ہوا اور ہندوستانی رؤسا و رعایا کے اظہار عقیدت کی نسبت ارشاد فرمایا۔

پیام ملک معظم جارج پنجم

"والد مکرم کے انتقال پر ملال کی خبر وحشت اثر سن کر والیان ریاست و رعایاے ہند نے جو پیام بھیجا ہی اُس میں جس خاص ہمدردی و خیر خواہی کا ذکر کیا گیا ہی ہم اُس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس عالم گیر ماتم کا جس طریق پر اظہار کیا گیا ہی اس سے ہمارے دل پر خاص اثر ہوا ہی۔ ہم اپنی سیاحت ہندوستان کے زمانے کو دلچسپی سے یاد کرتے ہیں اور ہندوستان کی بہبودی کا ہمیشہ خیال رکھتے ہیں۔ ما بدولت کو اپنے ذاتی تجربے سے بخوبی معلوم ہی کہ والیان ریاست اور رعایاے ہند کو ہمارے تاج کی خیر خواہی کا کیسا بھاری خیال ہی اور ہم چاہتے ہیں کہ جس اطاعت کا اظہار ہماری جانشینی کے موقع پر کیا گیا ہی اُس کا اعتراف خاص طور پر ہو کیوں کہ ما بدولت کو بھی اپنی ہندوستانی رعایا کی بہبودی کا اسی طرح خیال ہی جس طرح جدہ مکرمہ اور والد مکرم کو تھا۔"

ایام ماتم

قرار پایا کہ چھ مہینے تک یعنی نومبر ۱۹۱۰ء تک بادشاہ آنجہانی کا ماتم رکھا جاوے اور اس کے بعد جشن تاج پوشی کی باضابطہ تاریخ مقرر ہو۔

پارلیمنٹ میں سب سے پہلی تقریر

"ای ارکین وعائد سلطنت و معزز اصحاب! تا بدولت اپنے عہد کی اس سب سے پہلی پارلیمنٹ کے افتتاح کرنے سے پہلے اُس بھاری نقصان کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں جو اس مملکت کو والد مکرم کے انتقال پرملال سے ہوا۔ ابھی کوئی ایک برس بھی نہیں گزرا ہوگا جب کہ انھوں نے اپنے تخت کی سپیچ دی تھی اور کسی کو خواب و خیال بھی نہ تھا کہ آپ کی زندگی وفا نہ کرے گی اور جس مستعدی سے آپ اپنی رعایا کی خدمت کر رہے تھے اس قدر سریع الزوال ہوگی۔ رضا بالقضا اب شہنشاہ عالم و عالمیان کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرکے میں آنجہانی کی مثال کو نمونہ قرار دے کر بڑے زور سے کہتا ہوں کہ ایسے وقت میں جب کہ چاروں طرف مجھ پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ ہر طرف سے وفادار اور جاں نثار رعایا کے ہمدردی سے بھرے ہوئے تعزیت ناموں نے میری ہمت بڑھا دی اب میرے محترم چچا ڈیوک آف کناٹ بھی جنوبی افریقہ والے مشن سے تشریف لے آئے ہیں جہاں کے مختلف شہروں اور قصبوں سے جب اُن کا گزر ہوا تو بڑی خوشی کا مقام ہے کہ ہر ایک جماعت نے آپ کا خاطر خواہ استقبال کیا۔ واضح رہے کہ ہمارا تعلق ممالک غیر سے دوستانہ رہے گا ہم ابھی سے بڑے اشتیاق کے ساتھ اس کانفرنس کا انتظار کرتے ہیں جس میں ہمارے وزرائے سلطنت خاص مع وزیران خاص انگلینڈ میں آیندہ ماہ مئی میں اس غرض سے اجلاس کریں گے کہ وہ اہم امور جو سلطنت کی طرف سے اُن کی تحویل میں دیئے جائیں اُن پر غور کریں۔ ہمارا یہ بھی ارادہ ہے کہ یہاں کی تاج پوشی کے بعد ایک دفعہ پھر ہندوستان جائیں اور جلسۂ تاج پوشی وہاں بھی خود بنفس نفیس جا کے کریں۔ عن قریب آپ کے سامنے ایسی تجاویز بھی پیش ہوں گی جن کی رو سے دارالعوام و دارالامراء کے باہمی تعلقات کو ایسی صورت پر لایا جائے گا کہ عملی کارروائی بطور احسن ظہور پذیر ہو جن مقاصد کے حصول کے لیے ابھی اختتام

ہو چکا ہے آپ کے روبرو ایسے وسائل سے پیش کیے جائیں گے جو پارلیمنٹوں کے اجلاس میں اس سے پہلے اسی غرض سے پیش ہو چکے ہیں کہ جن کبر سنوں کو باوجود از کار رفتہ اور کبر سنی کے غریب رلیف فنڈ سے امداد حاصل کرنے کا مستحق نہیں سمجھا جاتا اور جو خاص مستحق پیشہ ور اور از کار رفتہ تاجروں کے روزینہ کے متعلق ہیں میں دعا کرتا ہوں کہ پروردگار ہماری محنتوں میں برکت دے ۔



ضمیمۂ چہارم

ملک معظم جارج پنجم دام سلطنتہم کے مختصر حالات

آپ کی ولادت شب درمیانی ۲۔ و ۳ جون ۱۸۶۵ء کی شب درمیانی میں ایک بج کر اٹھارہ منٹ کو مار لبرو ہوس کے قلعہ بالمورل میں ہوئی۔ آپ ایک ہی مہینے کے تھے کہ جس کمرے میں آپ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش میں آرام فرمارہے تھے چھت کو آگ لگ گئی لیکن فوراً خبر ہو گئی۔ آپ کو اور آپ کی والدہ کو معاً دوسرے کمرے میں بھیج دیا گیا اور چھت اُدھڑوا دینے سے آگ فرو ہو گئی۔ خداوند تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی والدہ کو بال بال بچایا۔ آپ کے اصطباغ کی رسم ۷۔ جولائی ۱۸۶۵ء کو ونڈزر کیسل کے سینٹ جمیس گرجا میں بڑی کر و فر سے ہوئی۔ آپ کی دادی صاحبہ نے نرس کی گود سے آپ کو لے کر آرچ بسپ آف کینٹربری کے سامنے اصطباغ کے لیئے پیش کیا۔ آپ کے دینی باپ ڈیوک آف کیمرج اور دینی ماں اُن کی ڈچس تھیں۔ آپ کے بڑے بھائی پرنس ایلبرٹ کی اور آپ کی تعلیم ساتھ ساتھ ہوتی تھی۔ حرف شناسی کے بعد آپ کی تعلیم پادری ڈبلیو۔ یک آنسلو کے سپرد کی گئی اور انھیں جتلا دیا گیا کہ تعلیم میں شہزادگی کی خصوصیت کا لحاظ نہ رہے بلکہ جس طرح دنیا جہان کے بچے پڑھتے ہیں یہ بھی پڑھائے جائیں چنانچہ پادری صاحب علاوہ تعلیم

دنیوی کے دینی تعلیم پر بھی زور دیا کرتے تھے۔ اخلاقی تعلیم والدین نے اپنے ذمے رکھی اور واقعی بات بھی یہی ہے کہ ماں باپ جیسی دل سوزی اور کون کر سکتا ہے۔ دونوں شہزادگان والاتبار ایلبرٹ اور جارج ایک ساتھ رہتے ایک ساتھ پڑھتے ایک جان دو قالب تھے بشپ وسبر فورس نے بچپنے ہی میں یہ حکم لگادیا تھا کہ "بڑا اپنے باپ کی طرح کسی قدر ملول رہتا ہے چھوٹا خوش مزاج تیز اور زندہ دل ہے" ایک اور مستند شخص نے لکھا ہے کہ "پرنس ایلبرٹ کا وقار زیادہ تھا مخلوق اُن کو خاص نظر سے دیکھتی تھی (خاص کر اس وجہ سے کہ آگے چل کر بادشاہ ہونے والے تھے) دونوں کی تعلیم ایک ہی طریقے پر تھی۔ گو دونوں کی عمر میں تھوڑی سی چھٹائی بڑائی تھی مگر چھوٹے صاحب قوی الجثہ تن درست اور تنومند ہونے سے بڑے بھائی کے برابر ہی سرابر معلوم دیتے تھے بلکہ وہ اپنی حاضر جوابی۔ باریک بینی اور جرأت کے سبب تمام اُن مشاغل میں جن میں زیادہ سرگرمی اور آمادگی درکار تھی زیادہ نمودار اور ممتاز رہا کرتے تھے" ایک تیسرے صاحب کہتے ہیں۔ دونوں بھائیوں کو اس بات کا موقع دیا جاتا تھا کہ تابہ امکان ہنسی خوشی سے رہیں چنانچہ جس طرح ان کے والد ولی عہدی کے زمانے میں سینڈرنگھم میں رہا کرتے تھے ان کو بھی وہیں رکھا گیا تھا۔ ان دونوں میں استقلال۔ گرم جوشی۔ فراخ دلی۔ راست بازی کوٹ کوٹ کر بھری تھی چنانچہ کسی قصور کے اعتراف یا اصول کی پابندی میں وہ کبھی مستقل مزاجی اور دیانت داری کو ہاتھ سے نہ دیتے تھے۔ ایک اور مورخ نے بچپنے کے حالات میں لکھا ہے کہ "پرنس جارج کی شوخی طبع اور تیزی عام طور پر مشہور ہے۔ ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریا کے ساتھ ناشتے میں جارج بھی تھے اور کچھ شرارت کر رہے تھے۔ آپ کو بچوں کی بے موقع شرارت پسند نہ تھی۔ پہلے تو آپ نے دو ایک دفعہ منع کیا لیکن جب نہ مانا تو کہا میز کے نیچے چلے جاؤ اور جب تک تم اچھے بچے نہ بنو خبردار میز کے نیچے سے نہ نکلنا۔ بچے تو تھے ہی آپ نے کیا کیا کہ میز کے نیچے گھس سارے کپڑے اُتار ننگے چم ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد دادی صاحبہ نے فرمایا۔ اچھا اب باہر نکل آؤ۔ باہر نکلے تو اس حیثیت سے۔ ملکہ معظمہ دیکھ کر بے اختیار مسکرا دیں اور کہا کہ کپڑے پہنو۔ جب آپ کپڑے پہن چکے تو پیار کرکے اپنے برابر بٹھا لیا اور

کہا کہ "صاحبزادے! جو پہلے خود دوسروں کا حکم ماننا سیکھتے ہیں وہی آگے
چل کر حکم کرنا بھی سیکھتے ہیں"۔ لیڈی چیرانٹ ممرج اپنے روزنامچے میں لکھتی ہیں "ملکہ
وکٹوریا اپنے بچوں کو ہمیشہ علیحدہ رکھتی تھیں اس لئے بچوں کو اہل دربار سے اختلاط
کا بہت کم موقعہ ملتا تھا۔ ان دونوں بھائیوں کی تعلیم میں پیار اور محبت سے کام لیا جاتا
ہے۔ انھیں ان کی والدہ تقریباً ہر موقع پر اپنے ساتھ رکھتی تھیں جس سے ان کا میل
جول اہل دربار سے بہ آسانی ہو گیا تھا۔ بچوں کو اپنے والدین سے قدرتی محبت
ہوتی ہے ایک مرتبہ ملکہ وکٹوریا تشریف فرما تھیں اور ڈچیز آف ممرج بھی پاس بیٹھی
تھیں اور ایک اور لیڈی بھی تھیں کہ اتنے میں پرنس جارج کھیلتے کھیلتے ان تک آنکلے تیسری
لیڈی صاحبہ نے شہزادے کو اپنے پاس بلایا اور باتوں باتوں میں پوچھا "بھلا یہ
بتاؤ کہ مردوں میں تمھیں کون سا نام بھلا معلوم ہوتا ہے" شہزادے نے کہا۔ ایڈورڈ۔
لیڈی۔ اور بھلا عورتوں میں؟ ۔ جارج۔ الگزینڈرا۔ اور جب کتابوں میں سے
عمدہ کتاب کا نام پوچھا تو کہا "میری اٹ" جس میں سمندروں کے عجائبات ہیں اسی
سے قیافہ شناسوں نے تاڑ لیا کہ ان کا نام بحری قابلیتوں میں خوب چمکے گا۔
قبل اس کے کہ ان کو بحری کالج میں داخل کیا جائے اس اصول پر کہ امیر غریب
سب کو اپنا کام آپ کرنے کی عادت ڈالنی چاہئیے ان دونوں نونہالوں کو باغ
باغیچے کھیتی باڑی۔ مویشیوں کا رکھ رکھاؤ اور پرورش یہ ساری باتیں سکھائی گئیں
سینڈرنگھم تو آپ کے والدین کا گھر ہی تھا مگر دونوں شہزادے کوپن ہیگن
(دارالخلافہ ڈنمارک) اپنی ننھیال کو بھی جایا کرتے تھے جہاں سیر و شکار کا مشغلہ
رہتا تھا۔ گرمائی تعطیلیں اپنے خلیرے بھائیوں قیصر جرمن اور زار روس کے ساتھ
بسر کرتے تھے پھر لندن کے مارلبرو ہوس میں آجاتے اور برسات کا موسم اپنی دادی کے ساتھ
ہالینڈ کے مشہور قلعے ایبرجل ڈائی میں بسر کرتے کچھ عرصے بعد پادری جان نیل ڈلٹن آپ کے
اتالیق مقرر ہوئے جنھوں نے پرنس کی تعلیم ایسی خوش اسلوبی سے انجام دی کہ آپ کے والد ماجد بہت خوش ہوئے
جب خدا رکھے آپ ہوشیار ہوئے اور آپ کی باقاعدہ تعلیم کا وقت آیا تو عام خیال یہ تھا
کہ دوسرے شہزادوں کی طرح آپ ایٹن کالج میں داخل کئے جائیں گے مگر آپ
کے والد ماجد نے والدۂ امجدہ کے صلاح اور مشورے سے ونڈزر کے کپتان

پادری ڈلٹن کی نگرانی میں دونوں بھائیوں کو جون ۱۸۷۷ء کو بحری جنگی تجربہ حاصل کرنے کے لیئے برطانیہ نامی جہاز پر بھیج دیا جو سو برس سے بحری سکول کا کام دیتا ہے جس میں دو تین سو لڑکے تعلیم پاتے ہیں۔ اس بات کی تاکید کر دی گئی تھی کہ ان کی تعلیم میں کوئی خاص امتیاز شہزادگی کا نہ کیا جائے بلکہ سب طلباء میں ملے جلے رہیں ہاں صرف سونے بیٹھنے کا کمرہ الگ دیا جائے جب پرنس تعلیمی کورس سے فارغ ہوئے تو سنہ ۱۸۷۹ء میں بیکانٹی نامی جہاز پر دنیا کی سیاحت کی اور مئی ۱۸۸۰ء کو لندن واپس تشریف لائے۔ ابھی آن کر دو ہی مہینے ہوئے تھے کہ یکم جولائی ۱۸۸۰ء کو پھر اسی جہاز پر بحری قواعد میں شرکت کی غرض سے چلے گئے وہاں سے ۱۸ اگست کو واپس آئے۔ ۱۰ ستمبر کو اسی جہاز پر جنوبی امریکہ جنوبی افریقہ۔ آسٹریلیا۔ چین۔ جاپان کے سفر پر روانہ ہوئے۔ پرنسوں کو آسٹریلیا بہت پسند آیا چنانچہ انھوں نے اپنے اپنے روز نامچے میں لکھا ہے کہ "وطن کے بعد ہمیں آسٹریلیا بڑا پسند آیا۔" ایڈ ملیڈ میں آپ سیر کو جا رہے تھے۔ شہر کے باہر کوئی ایک بزرگ صورت ایک بڑا سا جھنڈا لیئے ہوئے گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ گھوڑا ابدکا۔ بڈھا بے چارہ بے طور گرا۔ آپ فوراً گاڑی سے اترے اور اس شخص کو اٹھا کر کمال مہربانی سے پوچھا "کہیں آپ کو چوٹ تو نہیں لگی؟" اللہ اپنی گاڑی میں اسے بٹھلا کر سرائے تک پونہچا دیا۔ (۴۲۷۴۲) میل کا سفر طے کر کے آپ ۲۱ اکتوبر کو یوکوہامہ (جاپان) پونہچے۔ جہاں جاپان کے بادشاہ میکاڈو نے آپ کے نزول اجلال کے لیئے ایک شاہانہ محل آراستہ کر رکھا تھا۔ آپ کو شاہانہ جلوس کے ساتھ اس محل میں پونہچایا گیا۔ باہمی ملاقاتوں کے علاوہ بڑی خاطر مدارات ہوئی۔ شہر میں روشنی کی گئی۔ رعایا نے بھی آپ کا شاہی اعزاز کیا۔ آپ نے مشہور مقامات کی سیر فرمائی اور مختلف کھیل تماشے ملاحظہ فرمائے۔ آسٹریلیا سے جو عجیب و غریب جانور ہمراہ لائے تھے وہ شاہ میکاڈو کو بطور تحفہ دیئے۔ شاہ میکاڈو کو مع جاپانی افسروں کے جہاز پر دعوت دی گئی۔ جاپان میں ہاتھ گدوانے کا بہت رواج ہے آپ نے بھی ہاتھ گدوایا۔ یہاں پردں کے پھول بڑی نفاست سے بنتے ہیں آپ نے

بھی ایک گلدستہ بنوا کر اپنی والدہ ماجدہ کے لئے بھجوایا۔ آخری نومبر میں آپ
بیکانٹی جہاز چھوڑ کر فلائی نامی جہاز پر سوار ہو کر چین کی طرف روانہ
ہوئے۔ جہاں آپ کے واسطے بڑی بڑی تیاریاں کی گئیں تھیں شینگھائی
میں آپ نے شکار کھیلا۔ ہانک کانگ میں کرسمس ہوا۔ نوردز کو سنگاپور
روانہ ہوئے۔ یہاں آپ کی مدارات میں چھ لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ جب سیام
پونہچے تو بادشاہ کی دختر لورد خود مختار شاہزادے اور والیان ریاست استقبال
کو آئے۔ بادشاہ سیام نے ملکہ معظمہ کے نام خط دیا اور طلائی طشت نذر بھجوایا
اور شہزادوں کو چھوٹے چھوٹے خوب صورت طلائی پیالے دیئے۔ سلطان جہور
نے آپ کو بڑے اہتمام سے اپنا مہمان کیا جہاں بودھ مذہب کے مندروں اور قدیم
عمارتوں کا آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ سفر بیت المقدس یکم مارچ ۱۸۸۲ء کو پرنس
سوئیز پونہچے جہاں ایم۔ ڈی۔ لیسپس جو اسماعیلیہ میں آپ کا منتظر تھا۔
نہر سوئیز کا راستہ صاف کرا رکھا تھا۔ دو روز بعد اسماعیلیہ پونہچے اور جب تک
بیکانٹی جہاز اسکندریہ میں واپس نہیں پونہچا خدیو مصر کے مہمان رہے جنھوں
نے آپ کے استقبال اور مہمان داری کی بڑی تیاریاں کیں تھیں۔ احرام مصر
کی سیر فرمائی۔ بڑے مینار پر جب شہزادوں نے ۱۸۶۲ء کی سیاحت کے
زمانے کے اپنے والد کے دستخط دیکھے تو وہیں دونوں بھائیوں نے اپنے
دستخط بھی کر دیئے اور اس سنگین پختہ عمارت کو ملاحظہ فرمایا جہاں بڑے بڑے
بادشاہوں اور نامور لوگوں کی نعشیں ہزاروں برس سے ایسا مسالا لگا کر محفوظ
کی گئی ہیں جو اب تک صحیح و سالم معلوم دیتی ہیں اس سیاحت میں برگش بے
ہمراہ رکاب تھے جو مقامی حالات سے آپ کو واقف کرتے جاتے تھے۔ خدیو کی
کشتی میں آبشار کا ملاحظہ فرمایا۔ پھر قاہرہ میں خاص طور پر ملاقات ہوئی جس
میں آپ نے خدیو کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا فرمایا یہاں سے بیت المقدس
تشریف لے گئے۔ میجر کانڈی جو ۱۸۶۲ء میں آپ کے والد کے ساتھ اس
سفر میں تھے وہی شہزادوں کی معیت میں بھی تھے۔ سب سے پہلے جافہ
اُترے۔ آخر مارچ میں برٹش کانسل کے ساتھ علاقہ شام کا سفر کیا۔

مسٹر مور نے جو آپ کے والد کے ساتھ بھی رہے یہاں کی سیر کرائی ۔ آپ کی سیاحت کے متعلق ملکہ معظمہ نے سلطان المعظم کو ایک اشفاق نامہ لکھا کہ "ان شہزادوں کو وہ تمام مقامات متبرکہ دکھلانے کی اجازت دیجیے کہ جو ۱۸۶۲ء میں ان کے والد ایلبرٹ ایڈورڈ کو دکھلائے گئے تھے ۔ چنانچہ سلطان المعظم کی جانب سے بلحاظ روابط و اتحاد خاص ہر ایک موقع پر پرنسوں کی شایان شان خاطر و مدارات کی گئی نذروف پاشا مع ایک دستہ فوج یروشلم سے حبرن پر استقبال کے لیئے موجود تھے جنھوں نے نہایت عمدگی سے مقابر و معابد کی سیر کرائی ۔ حبران میں آپ نے تارپین کا وہ درخت دیکھا جو حضرت ابراہیم ؑ کے نام سے مشہور ہے جس پر پرنس جارج چڑھے بھی چنانچہ اس درخت پر چڑھنے کے ساتھ ہی وہ تمام قدیم واقعات جو انجیل مقدس میں درج تھے آنکھوں کے سامنے پھر گئے ۔ وہاں سے بیروت واپس ہوئے اور سلطان ٹرکی کے علاقے سے رخصت ہونے سے پہلے بذریعہ تار سلطان معظم کی مدارات کا شکریہ کرتے ہوئے رؤف پاشا اور احمد علی بیگ مصاحبین کی خدمات کا اعتراف بھی فرمایا اور مصاحبین کو تمغے اور تحائف بھی عطا فرمائے ۔ ایتھنز دارالخلافہ یونان جاتے ہوئے سفر کی تکان کے سبب سے دردِ سر اور تپ کی شکایت سے پرنس جارج کا مزاج وہاں کچھ ناساز ہو گیا اور اسی حالت میں ۱۸ مئی کو جہاز ایتھنز پہنچا ۔ شاہ یونان مع ملکہ جہاز پر استقبال کو تشریف لائے اور فوراً شاہی ڈاکٹر کو مقرر کیا چوں کہ مزاج عالی بے حظ تھا پرنس ایلبرٹ وکٹر کو اپنے ساتھ لے گئے جہاں وہ ماموں ممانی سے ملے اور ایتھنز کے علاوہ الیکا کے مناظر بھی دیکھے ۔ ۲۱ مئی کو کریٹ ہو کر بحر الکاہل کی کشتیوں کی دوڑ دیکھی ۔ امتحان سر پر آ پہنچا تھا صرف دو مہینے رہ گئے تھے ۲ جون کو کرفیو روانہ ہوئے ولنا اور جبرالٹر کی سیر فرماتے ہوئے بندرگاہ لنشر بل پہنچے آسبورن پر آپ کے والد و والدہ اور چند ممبران خاندان شاہی لینے آئے تھے ۔ جہاز سے اتر سب کے سب ملکہ معظمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ ۸ اگست کو آرچ بشپ آف سٹیٹ نے دینیات میں آپ کا امتحان لیا اور آپ کی

اصلی قابلیت سے سرفراز ہوئے اور اسی دن سہ پہر کو ونگھم گرجا میں دونوں شہزادوں کی کنفرمیشن کی رسم ادا ہوئی جس کے خاتمہ پر آرچ بشپ نے ایک جامع اور مانع اور موثر تقریر کے خاتمے پر ارشاد فرمایا:- "اے شہزادو! خدا کرے تمھارے ہاتھوں وہ باتیں ظاہر ہوں جو کبھی شہزادوں کے سزاوار ہو سکتی ہیں۔ کام کرنے کے لیئے آپ کے سامنے ایک وسیع میدان ہے اور بہت کچھ بھلائی کر سکتے ہو"

ایکٹو لیف یعنی کاروباری زندگی

پرنس جارج جب اپنے بھائی پرنس وکٹر کے ساتھ جہازی تجربہ اور دنیا کے بہت سے حصے کی سیر فرما چکے تو بڑے بھائی تو ولی عہد تھے ہی آپ نے اپنے لیئے بحری ملازمت کو پسند فرمایا۔ یکم مئی ۱۸۸۶ء کو آپ کیپٹنڈا جہاز کے لفٹنٹ ہوئے۔ ۱۸۸۹ء میں ٹارپیڈو نمبر (۷۹) کے کمانڈر ہوئے۔ ۲۰ جون ۱۸۹۰ء کو تھرش کے کمانڈر ہوئے۔ حسب اتفاق ایک دن آپ کا جہاز سالونیکا میں کوئلہ لینے کے لیئے لنگر انداز ہوا تو وہاں کے ایک مقامی ترکی پاشا نے یہ سن کر کہ ملکہ معظمہ کا پوتا اس جہاز پر ہے کپتان سے مل کر پرنس سے ملنے کی خواہش کی۔ کپتان نے آپ کو بلوا بھیجا آپ کوئلہ بھروا رہے تھے ویسے کپڑے بدلے ویسے ہی فوراً چلے آئے۔ ترکی افسر نے آپ کے سیاہی آلود لباس کی وجہ سے آپ کو نہیں پہچانا اور متعجب ہو کر کہا کہ یہ کون ہیں؟ میں تو شہزادے سے ملنا چاہتا ہوں۔ کپتان نے کہا یہی پرنس جارج ہیں۔ ترکی افسر۔ اللہ اکبر بادشاہ کا پوتا اور یہ کام! کپتان۔ خدمت سے عظمت ہے اور ادائے فرائض میں چھوٹے بڑے سب برابر ہیں۔

ترکی افسر۔ سچ ہے۔ "ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد"

بے شک یہ ایک عمدہ مثال ہے مبارک ہے وہ ملک جہاں کے فرماں رواؤں کی یہ حالت ہو اور یہ دنیا میں نام آوری پیدا نہ کریں گے اور ترقی نہ کریں گے تو کون کرے گا تھرش جہاز کی کپتانی کے زمانے میں کسی ایک دوسرے جہاز پر ایک شخص ملازم تھا جو اپنی نافرمانی اور بدچلنی کے سبب سے کئی دفعہ جرمانے دینے کے علاوہ قید بھی بھگت چکا تھا چنانچہ اس کے اعمال نامے میں ان امور کا اندراج تھا۔ اس کی حالت پر ترس کھا کر اس کو اپنے جہاز پر بدلوا لیا اور اس کا اعمالنامہ دیکھ کر کہا دیکھو یہ باتیں

ایک بہادر سپاہی کے لئے کیسی نازیبا ہیں اگر تم مجھ سے پکا وعدہ کرو کہ اب سے ایسے کام نہ کروگے تو تمھارے اعمال نامے کی کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔ آپ کی ہمدردی کا اُس پر اتنا بڑا اثر ہوا کہ اُس نے اپنی ساری حرکات ناشایستہ سے توبہ کرلی آپ نے اُسی وقت اُس کا اعمال نامہ اُس کے روبرو ہی چاک فرمادیا۔ حسب معمول سرشام سیر سپاٹے کو لوگ شہر گئے یہ بے چارہ بھکڑ پراگندہ روزی پراگندہ دل جہاز پر ہی پڑا رہا۔ جب آپ کو اس کی تنگ دستی کا حال معلوم ہوا تو اُسے بلا کر ایک پونڈ دیا اور کہا کہ تم بھی سیر کر آؤ۔ بالآخر آپ کے اس سلوک کا ایسا عمدہ اثر ہوا کہ وہ سچ مچ کا ایک نیک اور نخستی شخص بن گیا اور تھوڑے ہی عرصے میں وہ ترقی کرتے کرتے میجری کے عہدے پر جا پونہچا۔

۱۸۹۱ء میں شہزادہ جارج جہاز کے مستقل کمانڈر ہوگئے۔

شہزادہ البرٹ وکٹر کا انتقال اور پرنس جارج کی ولی عہدی

جھک گیا ای فورٹ ولیم آج کیوں جھنڈا اترا
بیکسی چھائی ہوئی ہے تجھ پہ کیوں ای انڈیا
کہہ تو ای انگلینڈ و یورپ تجھ پہ کیا صدمہ پڑا
کس لئے غمگیں ہے افریقہ و ای ایشیا
کیوں گلی کوچوں میں ای لندن ترے ماتم ہے آج
مرگیا ہے کون عالی جاہ کس کا غم ہے آج

قیصر انگلینڈ و ہندوستاں کے دل پہ الم — ہیں پرنس آف ویلز روتے آہ بھر کر دم بدم
ہے پرنسس ویلز کے دل پر ہوا کوئی ستم — سارا شاہی خانداں ہے مبتلائے درد و غم
پھول سے چہرے سبھوں کے یک بیک کمھلا گئے — کون سی آئی ہوا دل جس سے یوں مرجھا گئے
آج ہیں غمگیں گورنر جنرل ہندوستان — اور چھوٹے لاٹ سارے رنج میں ہیں بے گماں
صاحبان ملک کے بازو پہ ہے غم کا نشاں — افسران ملکی و فوجی ہیں مصروف فغاں
کس کے مرنے نے زمانے کو تہ و بالا کیا؟ — رنج میں ہے کل رعیت موت تو نے کیا کیا؟
یہ جنازہ کس کا اُٹھا ہے بصد عز و وقار؟ — ہیں پرنس آف ویلز روتے ساتھ جس کے زار زار
ہیں پرنسس ویلز جس کو دیکھ کر یوں بے قرار — سُن کے جس کا حال ہے ساری رعایا دلفگار
یہ جنازہ حضرت شہزادہ وکٹر کا ہے — جو بڑا پوتا ہماری ہند کی قیصر کا ہے

اُٹھ گیا شہزادہ وکٹر جہاں سے ہائے ہائے ۔۔۔ کیا سخت افسوس ہے ایسے جواں کو موت آئے
سلطنت کی آنکھ کے تارے پہ یہ اندھیر چھائے ۔۔۔ عیش و عشرت کا پلا یوں قبر کے کونے میں جائے
کیسا ہیبت ناک ہے ہر کام تیرا ای اجل ۔۔۔ کس قدر بدنام دیکھا نام تیرا ای اجل
اُس کی وہ صورت وہ حسن اعتدال و جوانی ہائے ہائے ۔۔۔ اُس کی وہ باد و قر ساری زندگانی ہائے ہائے
کر دیا ای موت تو نے کس کو فانی ہائے ہائے ۔۔۔ وہ نہیں ہے اُس کا غم اُس کی نشانی ہائے ہائے
بولتی تصویر اے افسوس یوں خاموش ہو ۔۔۔ یوں اجل بے ہوش کر دے اُس کو جو ذی ہوش ہو
یاد ہے کچھ تجھ کو سن چونسٹھ کی ماہ جنوری ۔۔۔ تیرے آنے کی ہوئی تھی کیسی دنیا میں خوشی
آٹھویں تاریخ شہزادے کی پیدائش کی تھی ۔۔۔ آج ای سن بالو نے کچھ اپنے دل میں سوچ بھی
یہ جوانی اور مرنا سخت تر افسوس ہے ۔۔۔ یورپ تا ہند جس کا گھر ہے گھر افسوس ہے
اک جہاں! ابو سے نہیں گزرے ابھی تک تیس سال ۔۔۔ آئے تھے ہندوستان میں وکٹر فرخندہ فال
دیکھ کر شہزادۂ مرحوم کا خلق و جمال ۔۔۔ ہند کی ساری رعایا ہو گئی تھی بس نہال
کل جو تھا موجود سب میں آج وہ معدوم ہے ۔۔۔ کل جو تھا زندہ سلامت آج وہ مرحوم ہے
تھا ابھی لاہور میں جو اک شفاخانہ کھلا ۔۔۔ آپ کے ہی نام سے اُس کی ہوئی تھی ابتدا
واں سے ملتی تھی مریضوں اور غریبوں کو دوا ۔۔۔ آن میں واں آن کر ہر دکھ سے پاتے تھے شفا
یہ شفاخانہ بنا جس کے سبب وہ مر گیا ۔۔۔ داغ مرگ نوجوانی سب کے دل پر دھر گیا
سارے رائل فیملی میں یہ ہی پہلے شخص تھے ۔۔۔ خاندان میں اپنے جو شادی کو راضی ہو گئے
تھیں پرنسس لیڈی آف ٹک اُن کی لیڈی ہونے کو ۔۔۔ تھوڑے ہی سے دن بس اب باقی رہے تھے بیاہ کے
پھول کھلنے بھی نہ پائے پھول خود کمہلا گیا ۔۔۔ بیاہ سے پہلے ہی پہلے موت کا دن آ گیا
یہ وہ کم صدمہ نہیں ہے جس کی ہم سب تاب لائیں ۔۔۔ یہ وہ صدمہ ہی نہیں ہے جس کو جلدی بھول جائیں
کیوں نہ مارے غم سے چیخیں کیوں نہ ہم آنسو بہائیں ۔۔۔ پر خدا کے حکم سے مجبور ارشد سر جھکائیں
جو خدا چاہے کرے کچھ بس نہیں انسان کا ۔۔۔ میہماں دنیا میں ہے یہ آدمی کچھ آن کا
یا خدا اے حضرت قیصر کو روز افزوں حیات ۔۔۔ اور پرنس آف ویلز کی بے غم رہے دنیا میں ذات
دے پرنس ویلز کو بیٹے کے صدمے سے نجات ۔۔۔ بخش دے شہزادہ وکٹر کی روح پر صفات

لطف عیسیٰ آسماں پر حامی و غم خوار ہو
مرنے والا ہے اکیلا تو ہی اس کا یار ہو

پرنس ایلبرٹ وکٹر ولی عہد ہونے سے ڈیوک آف کلیرنس کہلائے تھے ان کی نسبت ڈیوک آف ٹاک کی صاحب زادی پرنسس وکٹوریا میری سے ہو چکی تھی۔ ۱۹۱۱ء میں کرسمس کے تہوار کے وقت آپ کو کچھ انفلوانزا کی شکایت تھی اور مزاج بشاش نہ تھا۔ بعد میں شکایت بڑھ گئی اور ۱۴ر جنوری ۱۸۹۲ء کو یہ موذی مرض جان لے کر ہی ٹلا۔ پرنس وکٹر کی جواں مرگی سے سارا خاندان نہیں سارا انگلستان اور ہندوستان ماتم کدہ بن گیا یہ تہرا تہرا صدمہ تھا ایک نوجواں مرگی۔ دوسرے ولی عہد کا اٹھ جانا تیسرے شادی میں خانہ بربادی ہو جانا تسلی ہے تو محض اس بات سے کہ یہ مرحلہ ہر کہ ومہ کو درپیش ہے۔ کوئی آگے کوئی پیچھے سب کو یہ سفر ناگزیر ہے۔ پرنس جارج کو برابر کے بھائی اپنے قوت بازو کے دفعتہً اٹھ جانے کا بڑا قلق ہوا۔ آپ کو بہ صیغہ ضروری جہاز کی خدمت پر سے طلب کر لیا گیا۔ ۲۵ر مئی ۱۸۹۲ء کو پرنس کو حضور ملکہ معظمہ نے ایڈورڈ ہفتم کا ولی عہد تسلیم فرما کر ڈیوک آف یارک۔ ارل آف انورنیس سکاٹ لینڈ اور بیرن آف کلارنی آیرلینڈ کے خطابات دیئے۔ ۱۷ر جون ۱۸۹۲ء کو آپ نے ولی عہدی کا حلف لیا اور ۱۸۹۳ء میں ہوس آف لارڈز میں آپ بطور ڈیوک آف یارک کے شریک ہوئے۔

شادی

چوں کہ آپ کا سن شریف تیس کے لگ بھگ تھا آپ کی شادی کی نسبت چو طرف خیال دوڑایا گیا بہتر سے بہتر یہی بات قرار پائی کہ پرنس وکٹر کی منگیتر سے بہتر اور کون ہے۔ پرنس وکٹر سے سب قرار داد ہو کر ان کی موت نے جو کھنڈت ڈال دی اشک شوئی بھی ہو جائے گی ۳ر مئی ۱۸۹۳ء کو اس انعقاد کا شاہی اعلان بھی نافذ ہو گیا اور ۶ر جولائی کی سبھ گھڑی قرار پائی۔ اس شادی کی بہار کا بیان صفحۂ قرطاس پر خارج از امکان ہے۔ بڑی دھوم دھام سے جلوس نکلا۔ ساری سڑکیں اور رستے پٹے پڑے تھے۔ شاہ ڈنمارک۔ زار روس۔ پرنس جرمن اور دیگر سلطنتوں کے سفیر۔ ہز ہائنس مہاراجہ کپور تھلہ۔ ٹھاکر صاحب گونڈل۔ ہز ہائنس سر آغا خاں اور سارے ممبران دودمان شاہی اس مبارک تقریب میں شریک تھے بکنگھم پیلس میں شاہانہ

دعوت ہوئی۔

اس شادی سے لوگ نہال نہال تھے۔ دولھا دلہن کے دیدار کے واسطے بے قرار۔ ملکہ معظمہ آنجہانی کو اپنی عزیز رعایا کی دل جوئی فرض اولین تھا چنانچہ حضور ممدوحہ محل کی چھت پر مع دولھا دلہن کے برآمد ہوئیں اور رعایا کو خوب دل بھر کر دولھا دلہن اور عروسی جوڑے کے دیکھنے کا موقع دیا۔ مسٹر گلیڈسٹون وزیر اعظم نے ملکہ معظمہ کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ "پرنس جارج گو ابھی کم سن ہیں مگر چشم بد دور اپنی صفات حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے سبب رعایا کے دلوں کو مسخر کر چکے ہیں۔ انھوں نے اپنی ساری عمر ملک کی اس خاص بحری خدمت کی انجام دہی میں صرف کی ہے جس پر ان کے اہل وطن کو بجا ناز ہے"

حضور ملکہ معظمہ کا اعلان

چوں کہ ملکہ معظمہ نے اپنے پیارے پوتے کی شادی خانہ آبادی پر رعایا برایا کا سچا جوش اور خوش عقیدتی کو بہت بڑھا ہوا پایا آپ نے مراحم خسروانہ سے یہ فرمان عطوفت نشان صادر فرمایا:۔

"مابدولت اپنی رعایا کے اس جوش مسرت کے اظہار پر ازحد خوش ہیں جو انھوں نے ہمارے پوتے کی شادی کے موقع پر ظاہر کی ہے۔ واقعی یہ کوئی نئی بات نہیں ہے کیوں کہ ہماری رعایا ہماری شادی و غم میں یکجہتی ہمدردی کا اظہار کرتی رہی ہے۔ مابدولت اپنی رعایا کی ہمدردی سے بخوبی آگاہ ہیں کیوں کہ ایسا رشتۂ اتحاد جو رعایا اور شاہ کے مابین ہوتا ہے استحکام سلطنت کا باعث ہوتا ہے۔ حضور مابدولت اپنی رعایا کی اس دعا میں تہ دل سے شریک ہیں کہ جو ہمارے پیارے شہزادوں کی خوشی اور سلامتی کے لیئے وہ منا رہے ہیں"

پانچ بجے شام کے قریب ایک چو اسپہ گاڑی میں دولھا اور دلہن سوار ہو کر سینڈرنگھم کو روانہ ہوئے اور سارے رستے ان پر پھولوں کی بچھاور ہوتی رہی۔ کیمبرج میں مبارک باد کا ایڈریس پیش کیا گیا۔ آپ کو جس قدر خطاب ملے ان کے ساتھ کوئی نقدی عطیات نہ تھے سوائے ڈیوک آف کارنوال کے کہ اس کی نو لاکھ روپیہ سالانہ آمدنی تھی۔

آپ کی بیگم صاحبہ کا بھی نولاکھ وظیفہ مقرر کیا گیا۔

اولاد

(۱) پرنس ایڈورڈ ایلبرٹ کرسچن جارج اینڈریو پیٹرک ڈیوڈ پرنس آف ویلز ولادت ۲۳ر جون سنہ ۱۸۹۴ء

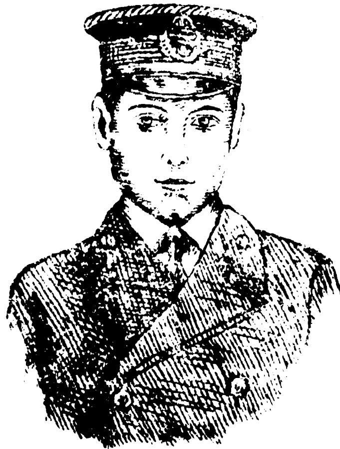
(۲) ایلبرٹ فریڈرک آرتھر جارج پیدائش ۱۴ر دسمبر سنہ ۱۸۹۵ء

(۳) وکٹوریا الگزینڈرا الیس میری (پرنسس میری) ولادت ۲۵ر اپریل سنہ ۱۸۹۷ء

(۴) ہنری ولیم فریڈرک ایلبرٹ پیدائش ۳۱ر مارچ سنہ ۱۹۰۰ء

(۵) جارج ایڈورڈ الگزینڈر اڈمنڈ ولادت ۲۰ر دسمبر سنہ ۱۹۰۲ء

(۶) جان چارلس فرینسس ولادت ۱۲ر جولائی سنہ ۱۹۰۵ء وفات سنہ ۱۹۱۹ء



شاہزادہ ویلز

شادی سے ولی عہدی تک

سنہ ۱۸۹۷ء میں آپ مع اپنی بیگم صاحبہ کے سرکاری طور پر آئرلینڈ تشریف لے گئے
گورنمنٹ ہوس میں جہاں آپ ٹھیرے تھے آئرلینڈ والوں نے ایڈریس پیش
کیا بڑی شاندار دعوت ہوئی۔ آپ کوئی ایک ہفتے تک ڈبلن دارالخلافہ
آئرلینڈ میں تشریف فرما رہے اور مختلف مقامات کی سیر فرمائی اور مناسب تقریریں
کیں۔ پھر سنہ ۱۸۹۹ء اور سنہ ۱۹۱۱ء میں پرائیوٹ طور پر آئرلینڈ کی سیر کو تشریف لے گئے
بیسویں صدی کے شروع میں بحر سند وغیرہ کی نوآبادیوں میں سلطنت کے
اعلیٰ تعلقات کے متعلق بالکل نئی تحریکیں شروع ہوئیں دور دور کے علاقوں
سے جنرل گارڈن کی مدد اور خرطوم کی واپسی کے لیئے فوجیں آئیں جن میں
نہ صرف آئرلینڈ اور کینڈا ہی شامل تھے بلکہ نیوزیلینڈ۔ لنکا۔
طسمانیہ اور سنگاپور کی پلٹنیں بھی شریک تھیں چنانچہ ان نوآبادیوں
کے لوگوں نے اپنی وفاداری اور نمک حلالی کے صلے میں پارلیمنٹ ملنے کی

خواہش کی۔ یکم جنوری ۱۹۰۱ء کو کوئین وکٹوریا نے ان کی درخواست کو شرف
قبولیت بخشا اور اعلان فرمادیا کہ جزائر نیو سوتھ ویلز، وکٹوریا جنوبی و غربی
آسٹریلیا۔ کوئینز لینڈ اور طسمانیہ کو حکومت متحدہ آسٹریلین کامن ویلتھ
کے نام سے عطا کی جائے جس کے افتتاح کے لیئے پرنس جارج ڈیوک
آف یارک مقرر ہوئے لیکن اسی اثناء میں کوئین وکٹوریا کی وفات کا سانحہ
پیش آیا اور خیال ہوا کہ اب شاید پرنس نہ جا سکیں لیکن آخرکار یہی بات ٹھیری
کہ ملکۂ آنجہانی کے فرمان کی تعمیل ہونی چاہیئے اور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم نے
عنان حکومت اپنے دست قدرت میں لیتے ہی ارشاد فرمایا کہ "ہمارے ولی عہد
کو اگرچہ اس زمانے میں اپنے لخت جگر کی جدائی شاق ہوگی مگر اس خیال سے
کہ والدہ مکرمہ کی خواہشات کی تکمیل ہونی چاہیئے اور چونکہ انھیں اور ان
کے ساتھ ہمارے ولی عہد کو بھی اپنی رعایا کے آرزو سے پورے خاص دل آویزی
ہے اس لیئے ہم نے قرار دیا ہے کہ آسٹریلیا کا دورہ موقوف نہ ہو بلکہ اس میں
نیوزیلینڈ کا دورہ بھی شامل ہو"۔ پرنس کی روانگی کے لیئے اوفیر نامی جہاز
آراستہ و پیراستہ کیا گیا جس میں چھاپہ خانہ۔ لائبریری اور شفا خانہ بھی تھا۔
چھوٹے بڑے افسر ملا کر سوا پانسو ہمراہی تھے۔ ۱۶ مارچ ۱۹۰۱ء کو پرنس مع
اپنی بیگم صاحبہ کے روانہ ہوئے۔ ۲۰ مارچ کو جبرالٹر میں پہنچے وہاں کے
گورنر نے بڑا اہتمام کیا۔ جبرالٹر سے مالٹا اور مالٹا سے عدن پہنچے جہاں پانچ
میل تک سڑک کے دورویہ آرائش کی گئی تھی۔ مختلف مقامات کے عرب سردار،
سومالی لینڈ کے حکام اور افواج استقبال کے لیئے موجود تھے۔ مختلف
سلطنتوں کے جہازوں اور اسٹیمروں پر ویلکم (خوش آمدید) کے پھریرے
اُڑ رہے تھے۔ اوفیر کے پہنچتے ہی (۲۱) توپوں کی سلامی ہوئی۔ عدن میں آتش
فشاں پہاڑی چشموں اور تالابوں کی سیر کے بعد شہر کے مشہور مقامات
ملاحظہ کیئے جس کے بعد مسٹر ایچ سی ونشا نے ایڈریس پیش کیا اور پرنس کی طرف
سے اکابر و عمائد کو دعوت دی گئی یہاں سے سیلون روانہ ہوئے۔ کلمبو
پہنچتے پر سنگھالیوں نے ایڈریس پیش کیا۔ مختلف مقامات کے ملاحظے

بعد دربار عام ہوا جس میں والیان ریاستہائے سیلون نے اطاعت و فرماں برداری کا اظہار کیا۔ عربی پاشا جو بطور اسیر سلطانی یہاں تھے وہ بھی باریاب ہوئے۔ جن کو معاف فرما کر اپنے وطن مالوف بھجوا دیا۔ سنگاپور میں سلاطین ملایا سے ملاقات ہوئی۔ سنگاپور کے گرد کے جزائر کی بھی سیر فرمائی۔ ۶ رمئی کو آپ کا جہاز ملبورن کے بندر پر لنگر انداز ہوا جہاں آسٹریلیا کے چار جہازوں نے سلامی دی اور (۲۵) ہزار لڑکوں نے جو سمندر کے کنارے جمع تھے ہپ ہپ ہرا کے نعرے لگائے اس موقع پر بے حد مجمع تھا اور گرد و نواح سے پونے چار لاکھ آدمی سمٹ آئے تھے۔ شاہی سواری کا بڑا بھاری جلوس نکلا ایک بڑا سلسلہ فوج اور نفیس گاڑیوں کا تھا شہزادے مع خاتون محترمہ کے ایک پُر تکلف گاڑی میں سوار تھے آپ کے پیچھے بہت سی گاڑیاں تھیں۔ جلوس کے دوسرے دن نمائش گاہ والے مکان میں دربار لیوی ہوا لارڈ ہوپ ٹئون گورنر جنرل نے ایڈریس پڑھا جس کے جواب میں شہزادے نے فرمایا۔ "اگرچہ جدہ ماجدہ کی زندگی میں ہی میرا یہاں آکر پارلیمنٹ کا افتتاح کرنا قرار پا چکا تھا مگر اُن کے فوری انتقال پُر ملال سے سب کو یہی خیال پیدا ہوا کہ شاید میرا یہاں آنا ملتوی رہے لیکن والد مکرم نے اس فرمان کو پورا کرنے کا اعلان اپنی پہلی اسپیچ میں فرمایا۔ جنگ ٹرنسوال میں جس قدر امداد آسٹریلیا کے بہادروں نے دی وہ ابد الآباد تک بھولنے والی نہیں۔ آسٹریلیا تاج برطانیہ کا ایک درخشندہ جواہر ہے۔ اس کی سرسبزی میں گورنمنٹ انگریزی کی سرسبزی ہے اور اس کی بہتری و خوشی ہمیشہ فرماں روائے تخت برطانیہ کو ملحوظ خاطر رہی۔ اب میں والد مکرم کی طرف سے اس امر کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ لوگوں کو جنگ ٹرنسوال میں ہمدردی کی وجہ سے میں آپ کو متحدہ کامن ولتھ دینے کا اعلان کرتا ہوں تاکہ جو اختیارات اس پارلیمنٹ کو حاصل ہوں انھیں عمل میں لانے میں تاج برطانیہ کی خیر خواہی اور ارادت مندی کو ترقی ہو اور آخیر میں ہم احکم الحاکمین خداوند عالم و عالمیاں سے دعا کرتے ہیں کہ یہ اتحاد جو آسٹریلیا اور گورنمنٹ انگلشیہ کے مابین قائم ہوا ہے۔ رعایائے آسٹریلیا کی ترقی اور بہبودی کے حق میں اور بھی مفید ثابت ہو اور اس گورنمنٹ عالیہ کو اور بھی قوت اور استحکام حاصل ہو" پھر کوینز لینڈ۔ نیو ساؤتھ ویلز کے صدر مقامات کے دورے کے بعد جزائر

ماریشش۔ جاوا۔ نیوزی لینڈ۔ کیوبک۔ طسمانیہ وغیرہ دیکھے۔ جنوبی آسٹریلیا سے جنوبی افریقہ تشریف لے گئے راستے میں جزیرہ ماریشش میں چار روز مقام رہا۔ ۱۳ اگست کو ڈربن پونہچ کر سرکاری فوج کا ملاحظہ کیا جس میں لارڈ کچنر بھی شریک تھے۔ زولو قوم کے پچپن سرداروں نے سلامی دی چوں کہ بوئروں سے جنگ چھڑے تھوڑے ہی دن گزرے تھے اس لیئے درباری تقریر میں آپ نے فرمایا۔ "خدا کرے زمانہ جو بڑے بڑے غموں کو بھلادینے والا ہے یہاں کے باشندوں کو بھی کامل صبر عطا فرمائے اور یہ ملک جلد ان مصائب سے نجات پائے۔ سرداران حبش کے ایڈریس کے جواب میں فرمایا۔ "ہماری دادی صاحبہ آں جہانی کو جو محبت اپنی رعایا سے تھی والد مکرم بھی آپ سے بوجہ احسن قائم رکھیں گے انھوں نے اپنی والدہ محترمہ کا برتاو رعایا سے دیکھا ہے ان شاء اللہ آن کے قدم بقدم چلیں گے اور انھیں کی مثال کا نمونہ بناکر حبش کی رعایا پر خاص توجہ مبذول فرمائیں گے۔ کیپ ٹوں کے لڑکوں کی دعوت ہوئی انھوں نے بڑے خلوص سے ایک ٹٹو آپ کو نذر دیا کہ "یہ ناچیز تحفہ اپنے شہزادے پرنس ایڈوی (موجودہ ولی عہد ملک معظم جارج پنجم) کے لئے قبول فرمایئے۔" یہاں کی یونیورسٹی نے آپ کو چینسلر مقرر کیا۔ یہاں آپ کینڈا گئے جہاں لارڈ منٹو گورنر جنرل تھے (جو ہندوستان میں بھی ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۰ء تک گورنر جنرل رہے) اس نو آبادی کے دارالصدر کیوبک نے بھی ایڈریس دیا اور یہاں کی مشہور یونیورسٹی نے آپ کو ایل ایل ڈی کی ڈگری دی۔ مشہور تاریخی مقامات کی سیاحت کے بعد اٹاوہ یونیورسٹی اور دیگر درسگاہوں کو ملاحظہ فرمایا پھر ونکوور اور وکٹوریا دیکھنے کے بعد اس لمبے سفر کا خاتمہ ہوا۔ واپسی کے وقت آپ ٹارنٹو۔ آبشار نیاگرا دیکھ کر کنگسٹن ہو کر سینٹ لارنس پونہچے۔ ۱۹ اکتوبر کو ہیلی فیکس اور ۲۱ کو نیو فونڈلینڈ ہوتے ہوئے مع الخیر والعافیت وطن واپس ہوئے۔ چوں کہ ۹ نومبر ۱۹۰۱ء کو آپ کی عدم موجودگی میں آپ کو باقاعدہ طور پر ولی عہد اور ارل آف چیسٹر مقرر کیا گیا تھا اس لیئے لندن کی تشریف آوری پر آپ کا جلوس شاہی حیثیت سے بڑی دھوم دھام سے نکلا سفر سے واپسی پر گلڈ ہال میں آپ نے ایک معرکۃ الآرا اسپیچ فرمائی جس میں سفر کے تجربات نو آبادیوں

...ت اور وہاں کے لوگوں کی وفاداری و خیر خواہی کے حالات حب وطنی ...
ہزار فوج کی قواعد اور سب کیفیتیں مفصل بیان فرمانے کے بعد آخر میں یہ فرمایا کہ "اگر ہمارے انگلستان کے کاریگر ان لوگوں کی ضرورت کے مطابق مال تیار کریں اور ان منڈیوں کو ہاتھ میں رکھیں تو معقول فائدے اٹھا سکتے ہیں"۔ اس کے بعد آپ چند سال وطن میں رہے۔ اگرچہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ سلطنت کے اُن حصوں کو دیکھیں جو باقی رہ گئے ہیں لیکن ملک معظم کی ناگہانی علالت کی وجہ سے جشن تاج پوشی رُک گیا تو ایسی نازک حالت میں آپ کیسے جا سکتے تھے۔

ولی عہد کی حیثیت سے ہندوستان کی سیاحت

جب آپ تاج پوشی کے دربار پر باضابطہ ولی عہد مقرر ہوئے تو آپ کے والد ماجد نے خواہش ظاہر فرمائی کہ آپ ہندوستان جا کر دیکھیں چنانچہ **لارڈ کرزن** وائسرائے نے یکم جنوری ۱۹۰۳ء کی دربار تاجپوشی کی سپیچ میں اس بات کا اعلان فرما دیا تھا۔ ملک معظم نے اواخر ۱۹۰۵ء آپ کی سیاحت کا وقت مقرر فرمایا اور یہ بھی مژدہ اہل ہند کو سنایا کہ آپ کی لیڈی صاحبہ بھی ساتھ ہوں گی۔ **رینئون** نامی جہاز جس میں ڈیوک آف کناٹ ہندوستان تشریف لائے تھے وہی آپ کے لیئے آراستہ کیا گیا جس میں کھانے، سونے، نشست، ناچ، ہسپتال، لیبرری اور دیگر ضروریات کے کمرے جدا جدا سجائے گئے۔ آپ کے مصاحبین میں سر والٹر لارنس اور کئی نامور اصحاب تھے اور اسی طرح لیڈی صاحبہ کے ساتھ چند نامور لیڈیاں تھیں۔ ملک معظم نے آپ کی سیاحت کا تفصیلی پروگرام اپنی ذاتی نگرانی میں مرتب فرمایا تھا اور یہ بھی اعلان فرما دیا تھا کہ کوئی تحفہ قبول نہ کریں گے البتہ میونسپلٹیوں اور دیگر جماعتوں کے ایڈریس مع کاسکٹ (صندوقچی) کے منظور فرمائیں گے۔

۹ نومبر ۱۹۰۵ء کو آپ کا جہاز مع خدم و حشم کے سہ پہر کے وقت بندرگاہ بمبئی میں پہنچا۔ لارڈ اور لیڈی کرزن استقبال کے لیئے موجود تھے۔ آنریبل سر فیروز شاہ مہتہ نے کارپوریشن کی طرف سے مبارکباد کا ایڈریس پڑھا جس میں اس طرف بھی اشارہ تھا کہ "شہنشاہ بیگم شاہی خاندان کی پہلی لیڈی ہیں جنھوں نے سرزمین

ہندوستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مفتخر فرمایا۔ **ولی عہد بہادر کا جواب** ۔ "کوئی بیس برس ہوئے ہوں گے جب کہ والد مکرم نے اس جگہ تقریر فرمائی تھی۔ اگرچہ اُن کی سیاحت کا زمانہ مثل خواب ہی مگر وہ اُس کو فراموش نہیں کرتے وہی اشتیاق مجھے بھی کشاں کشاں لایا ہی اور میں تہ دل سے مشکور ہوں کہ آپ نے اس خواب کو سچ کر دکھایا ہی۔ والد مکرم کے قدم بقدم چلنے سے اس بارے میں ہم پرانی روایات کو مستحکم کر دیا ہی اور مجھے اُمید ہی کہ ہماری آیندہ نسلیں بھی اس کی تقلید کریں گی۔ میں نے پدر بزرگوار اور جدۂ ماجدہ سے ہندوستان اور ہندوستان والوں سے محبت ترکہ میں پائی ہی اور ایام طفولیت سے ہندوستان کے ساتھ مہربانی سخاوت خوش اخلاقی اور بہادری کو منسوب کرتے آئے ہیں اور ہم بوثوق کہتے ہیں کہ یہ ابتدائی خیالات آیندہ چند ماہ کے تجربے سے اور مضبوط ہو جائیں گے"۔

بمبئی میں شاندار جلوس کے علاوہ پبلک نے نہایت پرجوش استقبال کیا۔ والیان ریاست ہندو مسلمان پارسی جنٹلمینوں سے ملاقاتیں کیں۔ کئی ملوں (پتلی گھر) اور خاص خاص حرفتی کارخانوں کو ملاحظہ فرمایا ایک عالی شان دربار میں شرکت فرمائی اور چھ روز کے قیام کے بعد **اندور** تشریف لے گئے یہاں سرکار عالیہ **بیگم صاحبہ بھوپال** مہاراجہ صاحبان **رتلام** **ریوال**۔ **اورچھا**۔ **دیتیا**۔ **چترکھاری** سے ملاقات فرمائی اور ایک شاندار دربار میں ان والیان کو تمغے پہنائے جو ملک معظم نے بھجوائے تھے۔ رزیڈنسی میں ایک **گارڈن پارٹی** ہوئی جس میں مہاراجہ دتیا کے ایک ہاتھی نے خوب خوب کرتب دکھائے۔ شام کو غربا کو کھانا کھلایا گیا۔ ملکہ کے رسالے اور بھوپال کے لانسرز کی قواعد بہت پسند آئی۔ ملک معظم کی یادگار میں **کنگ ایڈورڈ ہال** کا افتتاح فرمایا۔ **اودی پور** میں آپ نے زرہ بکتر والے بہادر سپاہی اور تیس گھوڑوں سانڈنیوں اور ہاتھیوں پر سوار ملاحظہ فرمائے ہزہائنس کی صرف ایک ہی رانی سن کر اور نیز اُن کی تاور نشانہ بازی پر تحسین و آفرین کی۔ یہیں خوردسال ٹھاکر صاحب بیدالہ بھی باریاب ہوئے جو وہی تلوار لگائے ہوئے تھے جو اُن کے والد کو غدر کی وفاداری خدمات کے صلے میں ملی تھی۔ اودی پور کی جھیل کا نظارہ بہت پسند آیا۔ **جے پور** ۔ ہزہائنس مہاراجہ صاحب بہادر کو ولایت میں شرف باریابی حاصل ہو چکا تھا یہاں شاہی دعوت

کے علاوہ شیر کا شکار بھی ہوا۔ مہاراجہ صاحب نے آپ کی تشریف آوری کی یادگار
میں انڈین فیمن ریلیف فنڈ میں عطیہ سابقہ کے علاوہ تین لاکھ روپیہ عطا فرمایا۔
ہز ہائنس نے اپنی تلوار نکال کر آپ کے قدموں پر رکھ دی۔ بیکانیر یہاں کے مہاراجہ
صاحب کو بھی ولایت سے نیاز حاصل تھا بڑا پُر جوش استقبال ہوا جنگلی کبوتروں اور
سور کا شکار ہوا۔ آپ کی تشریف آوری کی مسرت میں اپنی فوج کا بقیہ نصف حصہ
بھی امپیریل سروس میں دے دیا۔ شاہزادے صاحب نے بیکانیر کیمل کور
کی تعریف فرمائی۔ لاہور یہاں لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب اور دیگر حکام کے علاوہ والیان ریاست
ہائے کشمیر۔ پٹیالہ۔ بہاولپور۔ جیند۔ نابھہ۔ کپورتھلہ۔ منڈی۔
سرمور۔ مالیر کوٹلہ۔ فرید کوٹ۔ چمبہ۔ سکیت وغیرہ استقبال
میں شریک تھے۔ سارا شہر آراستہ تھا۔ میونسپلٹی اور پنجاب ایسوسی ایشن کی
طرف سے ایڈریس پیش ہوئے۔ شہر میں بھی جلوس نکلا۔ والیان ریاست اور
بعض معززین کو شرف باریابی دیا گیا۔ چھاؤنی میاں میر میں فوجی قواعد ملاحظہ
فرمائی جس میں ریاستوں کی فوجیں شامل تھیں۔ لاہور کے چار روزہ قیام کے بعد
پشاور کا نمبر آیا۔ یہاں تمام سرحدی رؤسا و قبائل حاضر تھے۔ آپ نے
درۂ خیبر۔ لنڈی کوتل۔ علی مسجد وغیرہ سرحدی مقامات کو بھی ملاحظہ فرمایا۔
آفریدی جرگوں نے نہایت خلوص و عقیدت سے عرض کیا کہ ہمارے سر اور
ہماری جائدادیں حضور پر نثار ہیں اور اپنے دستور کے موافق شہد کے چھتے
اور بھیڑیں نذر دیں۔ راولپنڈی میں لارڈ کچنر کمانڈر انچیف نے
آپ کو (۲۵) ہزار فوج کی مشقی جنگ دکھلائی۔ جموں میں بڑی دھوم دھام
رہی دعوت اور روشنی بڑی پُر لطف تھی۔ آپ کی تشریف آوری کی یادگار
میں پرنس آف ویلز کالج قایم ہوا۔ غربا کو کھانا کھلایا گیا۔ آپ نے چار ہزار
امپیریل سروس ٹروپس کا ملاحظہ فرمایا۔ امرتسر میں دربار صاحب کا
مشہور سنہری مندر اور خالصہ کالج ملاحظہ فرمایا اور ایڈریس قبول فرمایا۔
جس کیسکٹ میں ایڈریس تھا اس پر دربار صاحب کا نہایت خوب صورت
نقشہ کندہ تھا۔ دہلی۔ تاریخی مقام ہے قلعہ قطب صاحب کی لاٹ۔ ہمایوں و

صفدر جنگ کے مقبرے۔ جامع مسجد۔ غدر کی یادگاروں میں سے فلیگ سٹاف ٹاور ہندو راؤ کا مکان سب جگہیں ملاحظہ اقدس سے گزریں۔ مقامی رؤسا بھی باریاب ہوئے۔ آگرہ۔ بڑی چیز۔ تاج گنج اور دوسری مشہور عمارتیں مثل قلعہ و مقبرۂ اعتماد الدولہ سکندرہ وغیرہ ملاحظہ ہوئیں اور ملکہ وکٹوریا کے سنگی مجسمہ کا افتتاح فرمایا۔ ۲۰ دسمبر گوالیار۔ یہاں کے مہاراجہ سے بھی آپ کی پہلی ملاقات تھی آپ نے ایک بہت بڑا نادر جلوس ہاتھیوں کا نکالا۔ ہاتھیوں کے روپہلی سنہری ہودے اور عماریاں اور ان کی سجاوٹ اور جھلمل جھلمل کرتی ہوئی جھولیں گھنٹے عجیب کروفر اور ایک نادر نظارہ تھا۔ دوسرے دن دربار میں ہز ہائینس تعظیماً اپنی مسند سے نیچے اتر آئے۔ فوجی قواعد دکھلائی اور اس خوبی سے کام کیا کہ لوگ دنگ رہ گئے۔ ریاست کے دو عمدہ کالج دکھلائے۔ پھر شکار ہوا جس میں آپ نے ایک شیر مارا۔ بڑا دن بھی یہیں ہوا۔ شب میں بڑی بھاری دعوت ہوئی لکھنؤ میں سر جیمس لاٹوش لفٹنٹ گورنر نے مع تعلقہ دار صاحبان اودھ استقبال کیا۔ بڑا بھاری جلوس نکالا گیا جس کے بعد رزیڈنسی اور دیگر مشہور عمارات کا ملاحظہ ہوا اور تعلقہ دار صاحبوں کا ایڈریس قبول فرمایا۔ یہاں آپ نے شاہ مینا کے میدان میں میڈیکل کالج کا سنگ بنیاد اپنے دست مبارک سے رکھا جو تعلقہ داران اودھ نے آپ کی تشریف آوری کی یادگار میں قائم کرنا تجویز کیا تھا اور جس کے لیئے سر ہارکورٹ بٹلر جیوڈیشل سکرٹری موجودہ لفٹنٹ گورنر بہادر نے بڑی سعی فرمائی اور تعلقہ دار صاحبان اودھ کی دریا دلی سے بارہ لاکھ روپیئے کی خطیر رقم ایک قلیل عرصے میں جمع ہوگئی۔ اس چندے میں بڑی بھاری بھاری رقمیں راجہ سر تصدق رسول خاں۔ راجہ سر علی محمد خاں محمود آباد اور مہاراجہ صاحب بلرام پور کی تھیں۔ ۲۹ دسمبر سے ۶ جنوری تک کلکتہ مقام رہا۔ لارڈ منٹو گورنر جنرل نے مراسم استقبال کے ساتھ ایک ایڈریس پیش کیا۔ امپیریل کیڈٹ کور کے ممبروں کو دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئے۔ گورنمنٹ ہوس میں ایک دربار لیوی بڑے اعلیٰ پیمانے پر ہوا جس میں بڑے بڑے مقامی لوگ حاضر تھے۔ حضور نے کنگز اون رجمنٹ کو جھنڈے تقسیم فرمائے۔ گورنر دوڑ

ملاحظہ فرمائی۔ یکم جنوری سنہ ۱۹۰۶ء میں کلکتہ میدان میں بڑی بھاری پریڈ ہوئی اور دوسرے
اسی میدان میں ہندوستانیوں کے کھیل تماشے اور جلسے ہوئے۔ کلکتہ کے صوبہ
کے روسا کے علاوہ تبت کے تاشی لامہ۔ بھوٹان اور سکم کے رؤسا
بھی موجود تھے۔ وکٹوریا میموریل ہال کا سنگ بنیاد رکھتے وقت
حضور نے ارشاد فرمایا "ہم یہاں آج ایک بہت بڑے رنج و محنت کی یادگار قایم کرنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ اس وسیع
اور بوقلمون ملک میں مجھ کو اور میری بیگم کو قریباً ہر روز اس بات کا ثبوت ملتا رہا کہ ہندوستان نے کس وسیع طریق پر اپنی
اول ملکہ قیصرہ کی محبت کا جواب دیا ہے۔ اس عجیب و غریب طریقۂ اظہار شکر گزاری نے
ہمارے لیے ایک لازمی طور سے فخر اور گرم جوشانہ امیدوں کو پیدا کردیا ہے۔ تاج محل
جس نے ہم کو مسرور و مفتون کردیا اپنی خوبیوں میں آپ ہی نظیر ہے لیکن آیندہ نسلوں
کے زمانے میں ایک بہت بڑی ملکہ کی یادگار جس کی ہمدردی نے فاصلے اور وسعت
کی دیواریں توڑ دیں ایک مورخ کے دل میں ویسے ہی خیالات پیدا کردے گی جو تاج محل
کو دیکھنے سے پیدا ہوتے ہیں"
مہاراجہ سر رامیشور سنگھ بہادر آف دربھنگہ نے شہزادہ والاجاہ کے حضور
میں ایک لاکھ روپیہ کی گراں قدر رقم اس غرض سے پیش کی تھی کہ حضور جس کار خیر
میں پسند فرمائیں اسے لگادیں۔ اس میں سے نوے ہزار روپیے آپ نے میڈیکل کالج
کو مرحمت فرمائے۔ کلکتہ سے دارجلنگ دیکھ کر ۹ جنوری کو آپ بارک پور میں رہے
اور برہما جاتے ہوئے دو دن رنگون میں اقامت فرمائی۔ مانڈلے میں آپ نے
ہاتھیوں کے جنگل سے بڑی بڑی شہتیریں لاتے اُن کے اُٹھالے اور چڑھانے کے
عجیب و غریب کام دیکھے کہ حضرت انسان بھی حیوانات کو کس طرح سدھا کر اپنے قابو
میں کرلیتے اور کس خوبی سے اپنا کام نکالتے ہیں۔ مانڈلے جو ہزار مندروں کے لیے
مشہور ہے یہاں کے مشہور شوے ڈیگن امدار کان کے مندر حضور نے ملاحظہ
فرمائے۔ یہاں کی جھیلوں اور دلدلوں میں لطون کا شکار ہوا۔ مدراس یہاں کے
گورنر لارڈ امپتھل نے مع والیان ریاست کے استقبال فرمایا۔ گونڈ ایک جنگلی قوم
لوگوں کا عجیب و غریب ناچ آپ کو ملاحظہ کرایا گیا۔ شاہی دعوت۔ جلوس اور روشنی
سب قابل دید تھی۔ میسور۔ دعوت ہوئی ٹیکنیکل کالج سرنگاپٹن میں حیدر علی خاں

اور ٹیپو سلطان کا مقبرہ ملاحظہ فرمایا اور ہاتھیوں کی گرفتاری کا تماشہ جو کھیدا کہلاتا ہے اور بڑی بہار کا تماشہ ہی دیکھا۔ ۸ ر فروری کو حیدر آباد دکن ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست میں قدم رنجہ فرمایا۔ ریلوے سٹیشن پر حضور پُر نور اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی نواب میر محبوب علی خاں بہادر مرحوم و مغفور نے بہ نفس نفیس استقبال فرمایا۔ جلوس سے سواری آئی دوسرے دن صبح سویرے سکندر آباد میں جو بڑی فوجی چھاؤنی ہے پریڈ ہوئی جس میں کوئینز اون رجمینٹ کو جھنڈے تقسیم کیئے گئے۔ حضور پُر نور باوجود اپنی صاحبزادی کی سخت علالت کے نہایت استقلال سے شریک رہے اور وہیں آپ کو خبر انتقال کی بھی پہنچی مگر آپ نے ایسا ضبط کیا کہ ذرا بھی ظاہر نہ ہونے دیا۔ شاہزادے کی مہمان داری کا انتظام بڑے اعلیٰ پیمانے پر تھا گو حضور پُر نور کو اپنی بڑی صاحبزادی کی جواں مرگی کا سخت صدمہ تھا مگر آپ نے فرمایا کہ سارے لوازمہ مہمان داری کے پوری طرح ادا کیئے جائیں۔ گو ساری تقاریب حسب پروگرام ہوئیں مگر اداسی چھائی ہوئی تھی جب شاہزادے کو یہ معلوم ہوا تو آپ نے بڑا افسوس کیا اور گہری ہمدردی کا اظہار فرمایا اور شہزادی صاحبہ محل میں تعزیت کو تشریف لے گئیں۔ چونکہ راقم بھی ان تقاریب میں حاضر تھا مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ شاہزادہ والا جاہ نے رزیڈنٹ صاحب سے یہ بھی فرمایا کہ آپ نے ہم کو صاحبزادی صاحبہ کی ایسی شدید علالت کی اطلاع نہیں دی تھی ورنہ ہم اس موقع پر اپنا آنا ملتوی کر لیتے۔ شکار بھی ہوا جس میں آپ نے ایک شیرنی۔ دو چیتے اور ایک تیندوا مارا۔ وکٹوریا زنانہ ہاسپٹل کا افتتاح بھی آپ نے فرمایا۔ ۱۷ ر فروری کو سواری بادبہاری الور آئی یہاں بھی پورا پورا انتظام تھا۔ مشہور مقامات ملاحظہ ہوئے اور دعوت ہوئی۔ بنارس میں شاندار جلوس نکلا۔ مشہور مقامات ملاحظہ ہوئے۔ گنگا میں روشنی کی بڑی بہار رہی۔ جن بہادر گورکھوں نے کانگڑے کے زلزلے میں نمایاں خدمات کی تھیں اُن کو تمغے مرحمت ہوئے۔ ہندو کالج کا ملاحظہ ہوا۔ مسز اینی بسنٹ کے ہال میں چائے نوشی فرمائی۔ بنارس کے بعد نیپال کا قصد کیا مگر وہاں ہیضہ پھوٹ پڑنے سے ملتوی رہا اور بجائے اس کے دوبارہ گوالیار میں دو ہفتے تک آپ مصروف سیر و شکار رہے جہاں راجہ صاحب بہادر نے جنگلات میں کافی انتظام فرمایا تھا

۷ مارچ کو آپ محمڈن کالج علی گڑھ مسلمانوں کی سب سے بڑی تعلیم گاہ میں تشریف لائے ہز ہائنس سر آغا خاں اور نواب محسن الملک بہادر نے مع ٹرسٹیوں اور معززین کے استقبال کیا۔ آپ نے کالج کو بڑے شوق سے ملاحظہ فرمایا اور ایڈریس بھی قبول کیا اور سر سید علیہ الرحمہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ بعد میں تمام ٹرسٹیان کالج کے ساتھ لنچ تناول فرما کر عزت افزائی کی۔ شملہ کی سیر فرمائی۔ ۱۲ مارچ کو کوئیٹہ تشریف لے گئے جہاں سرحدی سرداروں نے آپ کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ خان قلات اور جام لسبیلا سے بھی ملاقات کی۔

سیاحت ہند بخیر و خوبی ختم فرما کر ۱۸ مارچ کو آپ کراچی میں داخل ہوئے یہاں آپ نے کوئین وکٹوریا کے سنگ مرمر کے مجسمہ کا افتتاح فرمایا۔ بلوچی رجمنٹ نمبر (۱۳۰) کا ملاحظہ فرمایا جس کے کرنل خود بدولت ہی ہیں اور حکم شاہی کے مطابق خطابات اور تمغے مرحمت فرمائے اس تمام سفر میں مہاراجہ کرنیل سر پرتاب سنگھ بہادر مہاراجہ ایدر آپ کے ہمراہ تھے جو یہاں سے رخصت ہوئے۔ علی گڑھ ہندو اور خالصہ کالجوں میں آپ نے اپنی تصاویر کو اپنے دستخط سے مزین فرما کر بطور یادگار دیں اور ہر جگہ کے معابد گاہوں میں معقول نذرانے بھی چڑھائے۔ ۱۹ مارچ کو آپ کراچی سے اسی جہاز میں جس میں کہ تشریف لائے تھے روانہ ہوئے۔ کراچی سے رخصت ہوتے وقت آپ نے یہ تقریر فرمائی۔

"جو لوگ میدانی ملکوں کی سخت تکلیف رساں آب و ہوا میں رہ کر اپنی زندگی بسر کرتے ہیں میں نے اُن کی حالتوں کو فراموش نہیں کیا ہم کو بخوبی معلوم ہے کہ قحط کے دنوں میں صابر اور محنتی کاشتکاروں پر کیا کیا گزرتی ہے" راستے میں مصر دیکھتے ہوئے پورٹ سمتھ کی بندرگاہ پر رونق افروز ہوئے وہاں آپ کے صاحبزادے اپنے والدین سے ملنے کے لیے موجود تھے۔ لندن پہنچے تو بڑا بھاری استقبال ہوا وزیر ہند۔ وزیر اعظم لارڈ کرزن کے علاوہ حضور ملک معظم مع ملکہ الگزینڈرا موجود تھے۔ بخیر و خوبی سفر ختم ہونے پر ویسٹ منسٹر ابی میں نماز شکرانہ ادا کی گئی۔ آپ کی مع الخیر واپسی پر گلڈ ہال میں ایک بڑی پر تکلف دعوت دی گئی جس میں بڑے بڑے امرائے انگلستان کے علاوہ چند ہندوستانی معززین بھی موجود تھے۔ آپ نے ایک بہت بڑی اسپیچ اس سفر کے متعلق دی جس کا اقتباس یہ ہے:-

"اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اس ہندوستان کے سفر کا میرے دل پر کیا اثر ہوا تو میں فوراً یہ جواب دوں گا کہ ہندوستان کی سیر کو جب ہم لوگ جاتے ہیں تو اُس کی وسعت کا مطلق لحاظ نہیں کرتے۔ اُس کا رقبہ روس کو چھوڑ کر کل یورپ کے برابر ہے جس میں تیس کروڑ مختلف قوموں فرقوں اور نسلوں کے لوگ بستے ہیں جن کی شائستگی کا معیار جدا اور خیالات مختلف ہیں۔ ہندوستان کی وسعت۔ اُس کی عظمت۔ اُس کی مختلف آب وہوا۔ سربفلک برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑ نامتناہی ریگستان۔ بڑے بڑے دریا۔ عظیم الشان عمارات اور قدیم روایات نے ہم کو محو حیرت بنا دیا۔ ہندوستانیوں کا صبر واستقلال۔ سیدھی سادی زندگی۔ اطاعت شعار عقیدت مندی مذہبی جوش کا خاص خاصہ ہے۔ ہم سے یہ بات مخفی نہیں رہی کہ ہمارے انصاف اور ایمانداری پر ہندوستانیوں کو کافی بھروسہ ہے۔ جہاں تک ہم نے ہندوستانیوں کو دیکھا اور اُن کی نسبت سنا ہے ہم اُس کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اگر طرز حکومت میں ہمدردی کا عنصر اور بڑھا دیا جائے تو ہندوستان کی حکومت بہت ہی آسان ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی بطور پیشین گوئی کہتے ہیں کہ اگر ایسا کیا جائے تو جو معاوضہ ہندوستانیوں کی طرف سے پیش کیا جاگا وہ خاصہ ہوگا۔ وہ انگریز جو ہندوستان میں حکومت کرنے کے لیئے جاتے ہیں اُنھیں چاہیئے کہ ہندوستان جا کر خود اہل ہند کی ضروریات کو دریافت کریں اور حاکم ومحکوم میں ایسا رشتۂ اتحاد قایم کریں جس سے انگلستان اور ہندوستان کے باہمی تعلقات اور بھی مستحکم ہو جائیں"۔ آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بے اثر نہ رہے اس کے بعد ہی ۲ نومبر ۱۹۰۸ء کو پنجاہ سالہ زمان سلطنت کا اعلان شایع فرمایا۔ (جو دوسری جگہ درج ہوا ہے) جس میں حضور ملکۂ معظمہ کا مشہور فرمان ۱۸۵۸ء کا دہرایا گیا۔ ۱۹۰۹ء میں توسیع کونسل کا قانون پاس کرکے وایسریگل لیجسلیٹیو کونسل میں ہندوستانی ممبروں کی تعداد بڑھادی اور وایسرائے کی اگزیکیوٹو کونسل میں بھی ایک ہندوستانی کا تقرر منظور ہوا۔ سکرٹری آف سٹیٹ کی کونسل میں بھی دو ہندوستانیوں کا شمول ہوا۔ پریوی کونسل میں رئیٹ آنریبل سید امیر علی کو لیا گیا۔ آپ نے چلتے چلاتے ارشاد فرمایا تھا کہ وہ ہمیشہ ہندوستان اور ہندوستانیوں کو گوشۂ خاطر میں جگہ دیں گے۔

بادشاہوں کا قول قول ہوتا ہے آپ نے اس وعدے کو خوب نباہا۔ حیدرآباد دکن میں جب رود موسی کی طغیانی کی بلائے بے درمان آئی تو آپ ہی نے سب سے پہلے حضور نظام کو ہمدردی کا پیام بھیجا۔ جو معزز ہندوستانی اس کے بعد انگلستان پہنچے اُن کو محل شاہی میں مدعو فرما کر اعزاز باریابی بخشا چنانچہ والیان ریاست اور رؤساکے علاوہ قابل ترین آدمیوں میں سے بھی آنریبل مسٹر گوکھلے کو بھی اپنے محل خاص میں کھانے پر مدعو فرما کر سرفراز فرمایا۔

سیاحت ہند کے بعد کچھ عرصے تک آپ وطن میں رہے۔ ۱۹۰۶ء میں آپ اپنی چچیری بہن یوجین وکٹوریا آف سٹین برگ کی شادی کی تقریب میں سپین تشریف لے گئے۔ جب دلہا دلہن گرجا سے واپس آرہے تھے اور اُن کے بعد کی گاڑی میں آپ تھے کسی نے دونوں گاڑیوں کے بیچوں بیچ تاک کر بم پھینکا مگر فضل خدا شامل حال تھا کسی کو صدمہ نہ پہنچا البتہ چند ادھر اُدھر کے آدمی قربان ہو گئے ہو گئے۔ پھر آپ اپنے بہنوئی پرنس چارلس آف ڈنمارک کے ناروے کے بادشاہ ہونے پر تاجپوشی کی تقریب میں مع بیگم صاحبہ تشریف لے گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد بطور نائب ملک معظم کیوبک اور کینیڈا کے ٹر مینٹری تہوار میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے ایک عظیم الشان فوج کا بیرہم کی بلندیوں سے ملاحظہ فرمایا۔ ۱۹۰۹ء میں اپنی ذات جاگیر کارنوال کا سوٹر پر پانچ دن میں دورہ کر کے کاشتکاروں سے نہایت رحم و انصاف کا برتاؤ کیا اور اپنی تقریر کے دوران میں فرمایا کہ "میں اس کو اپنا فرض اولین سمجھتا ہوں کہ تم لوگوں کے آرام و خوشی کا بندوبست کروں تاکہ میرے کاشتکار پہلے مجھ کو اپنا دوست سمجھیں اور بعد کو آقا مجھ کو یقین ہے کہ ان کا آرام اور خوشی میری بھی خوشی کا باعث ہوگا"

ذاتی حالات

بالکل بے تکلفانہ اور سادی سودی گزران کرتے ہیں کسی پر شاہی دبدبہ ڈالنے کے روادار نہیں۔ امیر غریب سب سے ملتے ہیں بڑی کشادہ پیشانی اور کریمانہ اخلاق سے۔ ع۔ نخل شاخ پر میوہ سر بسزمین کے پورے مصداق ہیں۔ گفتگو میں اگرچہ محتاط ہیں مگر جب تقریر کرنے لگتے ہیں تو ہو بہو نقشہ سامنے کھڑا کر دیتے ہیں۔ آپ کا کلام بالکل صاف وسلیس چھوٹے چھوٹے

جملوں کا عام فہم اور بڑا پر اثر ہوتا ہے۔ ہر معاملے پر نہایت فراخ دلی اور صفائی قلب سے اظہار رائے فرماتے ہیں جس سے الجھا ہوا معاملہ بھی سلجھ جاتا ہے۔ ہمدردی اور فیاضی دونوں صفات اللہ تعالیٰ نے آپ میں کوٹ کوٹ کر بھر دی ہیں۔ مصائب اور حوادث میں سب سے پہلے آپ کا دست کرم بڑھتا ہے۔ ۱۸۹۷ء کے ہندوستان کے قحط اور ۱۹۰۴ء کے کانگڑے کے زلزلے میں آپ نے ہمدردی کا تار دیا اور مصیبت زدوں کے لیئے ولایت میں چندہ کھولا۔ اسی طرح ہسپتالوں محتاج خانوں اور غربا کے ہر قسم کے کاموں میں امداد دیا کرتے ہیں۔ تعلیم کے کاموں سے بھی آپ کو بڑی دلچسپی ہے چنانچہ آپ نے اپنی تاجپوشی کی یادگار میں پچاس لاکھ روپیہ سالانہ کی بخشش قرار امداد منظور فرمائی۔ کتب تواریخ سے آپ کو خاص دلچسپی ہے۔ باوجود بادشاہ ہونے کے بھی جب کبھی آپ کو کوئی پرانا رفیق یا بحری فوج کا ملازم مل جاتا ہے تو آپ اس سے بڑے تپاک سے ملتے ہیں اور جن رئیسوں سے بزمان ولی عہدی تعارف ہو گیا تھا بادشاہ ہونے پر بڑے خلوص سے ملے چنانچہ ہز ہائینس مہاراجہ صاحب بہادر بیکانیر کو بمنا اڈی کانگ مقرر فرمایا۔ اور منشی عبدالکریم صاحب سی آئی ای انڈین سکرٹری حضور ملکہ معظمہ کے پوتے کو خاص شرف باریابی بخشنے کے واقعات آپ کی قدما پروری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ کھیلوں میں کرکٹ۔ بلیرڈ۔ گھوڑدوڑ۔ باکسنگ اور شکار کی طرف میلان طبع ہے۔ پرانے ٹکٹ جمع کرنے کا آپ کو بڑا نداق ہے۔

اعلان شاہی دربارہ تقرر تاریخ تاجپوشی

جارج آر۔ آئی

جیسا کہ ہم اعلان شاہی مطبوعہ ۱۹ جولائی ۱۹۱۰ء میں مع اور امور کے اپنے شاہی ارادے کا اظہار شہنشاہی دربار تاجپوشی منعقد کرنے کے متعلق کر چکے ہیں جس کے مطابق ہماری پیاری ملکہ آیندہ جون میں ویسٹ منسٹر کے گرجا میں کوئین تسلیم کی جائیں گی۔ ہم نے اس مبارک تقریب کو خداوند تعالیٰ کی برکات وعنایات سے منعقد کرنے کے لیئے ۲۲ جون ۱۹۱۱ء یوم پنجشنبہ قرار دیا ہے۔

پس ہم اس اعلان شاہی کے ذریعے نہ صرف اطلاع دیتے بلکہ اس تقریب سعید پر فرائض مقرر کرتے ہوئے اپنی پیاری رعایا کو حکم دیتے ہیں کہ وہ فرائض جس جس عہدے اور پوزیشن اور جس جس قسم کے یا جن جن لوگوں خواہ افسران ماتحتوں اور مہمانوں کے متعلق ہوں ہمارے دربار کارونیشن میں خدمات انجام دینے اور اس تقریب کو کامیاب بنانے میں مدد دیں۔

اس موقع پر کل تیس تقریبیں ہوں گی جن کے جواب دہ ڈپٹی ہوں گے اور ہر ایک شخص جس کے متعلق کسی فرض کی ادائی عائد کی گئی ہو وہ خود یا اس کے ماتحت اسے بحسن وخوبی انجام دیں ورنہ اگر بغیر عذر اور ہماری اجازت کے کسی نے کوتاہی کی تو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کی بابت ہم بعد میں سوچیں گے۔

جیسا کہ ہم نے اس اعلان شاہی میں اظہار کیا ہے اور اس سے پہلے ۱۹ر جولائی کے اعلان میں ظاہر کر چکے ہیں کسی طرح بھی ہمارا ارادہ تبدیل نہ ہوگا کیوں کہ ہم اس خیال کو شاہی مرضی خیال کرکے دربار تاجپوشی کو جو وسٹ منسٹر ہال میں منعقد ہوگا ایک مسرت آمیز تقریب خیال کرتے ہیں۔ ما بدولت کی پیشگاہ سینٹ جمیس سے آج ۷ر نومبر ۱۹۱۱ء کو ما بدولت کے جلوس کے سال اول میں صادر ہوا۔ خداوند تعالیٰ حضور ملک معظم کو سلامت رکھے

چوں کہ جون کا مہینا موسم خوش گوار ہونے سے برس کی رانی کہلاتا ہے اس لئے عموماً رسم تاجپوشی اسی مبارک مہینے میں کی جاتی ہے۔ جلوس کی گزرگاہوں پر آرائش اور زیبائش کا انتظام بڑے بھاری پیمانے پر کیا گیا۔ ویسٹ منسٹر ابی میں سات ہزار مہمان جلیل القدر کی نشست کا بندوبست کیا گیا۔ تمام یورپ کے سلاطین اور سفرا کو دعوت دی گئی جن میں سے بہت سے شریک ہوئے۔ ملکہ وکٹوریا کی تاجپوشی پر ساڑھے دس لاکھ اور ایڈورڈ ہفتم کے وقت میں پونے انیس لاکھ صرف ہوئے لیکن اس دفعہ بہت بڑا اہتمام تھا اور (۵۴) لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ دربار کا وقت ساڑھے نو بجے مقرر تھا مگر آٹھ بجے تک اکثر صاحبان نے اپنی اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔ ٹھیک ساڑھے نو بجے سواری مبارک سواری بگھی رونق افروز ہوئی اور ابی کا مغربی دروازہ آپ کی آمد کے لئے کھول دیا گیا۔ سب سے اول ولی عہد جرمنی اور شہزادیاں آئیں جب وہ بیٹھ لیں تو بگل بجا جس کے ساتھ ہی شاہی خاندان کے

ممبروں کی آمد شروع ہوئی جن میں سب سے پہلے حضور ولی عہد بہادر تشریف لاکر صف اول میں متمکن ہوئے آپ کے ایک طرف ڈیوک آف کناٹ اور پرنس آرتھر اور دوسری طرف پرنس اور پرنسس جلوہ فرما تھیں پھر آرچسٹرا بجا اور حضور ملک معظم رونق افروز ہوتے ہی سب حاضرین سر وقد مؤدب کھڑے ہوگئے بعد میں ملکہ معظمہ بڑی شان وشوکت سے تشریف لائیں۔ اس کے بعد ملک معظم اور ملکہ معظمہ منصّے پر تشریف فرما ہوئے اور مراسم تاجپوشی اصول مقررہ کے موافق ادا ہوئے جو بہت طول طویل ہیں شائقین خواہان تفصیل انگریزی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔ بعد اختتام مراسم پھر اُسی جلوس اور شان وشوکت سے جیسے کہ سواری بادبہاری رونق افروز ہوئی تھی شاہی گاڑیوں پر سوار ہوکر رعایائے مشتاق کے جم غفیر کے سلاموں کا جواب دیتے ہوئے محل بکنگھم کو تشریف لے گئے۔ شب میں بڑی بھاری دعوت محل شاہی میں ہوئی غربا کی ایک بڑی تعداد کو بھی کھانا کھلایا گیا۔ شہر میں روشنی کی گئی اور آتش بازی چھوڑی گئی۔ دربار سے فراغت کے بعد ہندوستانی رؤسا کی باریابی ہوئی جن میں مہاراجہ صاحب بہادر اندور۔ مہاراجہ صاحب بہادر بڑودہ۔ ٹھاکر صاحب بہادر گونڈل ٹھاکر صاحب بہادر شاہ پورہ۔ سر آغاخاں تھے۔ لندن کی تاجپوشی کا وہ جشن جس میں پینتالیس لاکھ صرف ہوئے ہوں اس کا بیان پینتالیس سطروں میں کیسے سماسکتا ہے لہذا جو کچھ لکھا گیا اُس کو محض ایک جھلک سمجھنا چاہئیے اُس قابل دید اور پر تکلف جشن کی جس کا انصرام بڑے کروفر سے لندن میں ہوا۔ چونکہ ملک معظم نے ملک ہندوستان میں بمقام شہر دہلی بہ نفس نفیس رونق افروز ہوکر اپنی تاجپوشی کی تقریب ہمایوں کا انعقاد فرمایا لہذا اُس کی کیفیت حصۂ اول میں درج کی گئی ہے۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں جب کہ دنیا کی ساری قومیں ایک ایسی ہولناک لڑائی میں جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی ایک دوسرے کو تکا بوٹی کر رہی تھیں اس معرکۂ عظیم میں غنیم نے ہندوستان کی قابل قدر دلی وفاداری کو خوب دیکھ لیا۔ کئی سپاہیوں کو ولائت بلاکر اس ملی۔ ہندوستانی فوج کے ہر طبقے نے یورپ۔ ایشیا اور افریقہ میں بلاتفرق ملت ومذہب خواہ ہندو ہو یا مسلمان یا سکھ یورپینوں کے ساتھ ایک جان دو قالب ہوکر اس طرح گھل مل کر حقیقی اور برادرانہ امداد کی ہے کہ بھروسہ اور اعتماد کا بیمہ ہوگیا ہے۔

اور حضور ملک معظم کا ارشاد بہت بجا ہے کہ ہندوستانی رعایا کے خانگی اور پبلک تعلقات میں آیندہ روز بروز اتحاد اور موافقت کا عنصر غالب رہے گا۔ توقع کی جاتی ہے کہ حضور اقدس و اعلیٰ جو بہ مشاورت اپنے دانش مند وزرا اور ارکان سلطنت کے وقتاً فوقتاً اصلاحات فرما رہے ہیں وہ ملک اور رعایا برایا کے حق میں مفید ثابت ہوں گی اور ہر آنے والا ویسرائے جو سلطنت کے نظم و نسق کے بار گراں کو اپنے دوش پر لے خداوند کریم اُسے ایسی عقل سلیم اور وہ دانش مندی بخشے جس کی ضرورت ایسی ایک سلطنت کے لئے نہایت ضروری ہے جس کی نظیر دنیا میں نہیں ہے اور نیز یہ کہ ہندوستان کی تمام مختلف قومیں اپنے بادشاہ اور حکام کو پوری وفادارانہ امداد دیں جس کے بدون کسی سلطنت کی ترقی ناممکن ہے۔ جنگ کے آغاز میں جو اعلان شاہی ۱۹۱۴ء میں شائع ہوا ہے وہ اور ۱۹۱۹ء کا وہ اعلان عطوفت نشان جو مسٹر مانٹیگو وزیر ہند اور لارڈ چیمسفورڈ والیسرائے کی تجویزوں پر صادر ہوا ہے نہایت غور سے پڑھنے کے قابل ہے:-

۱۹۱۴ء کا پیغام شاہی من جانب ملک معظم جارج پنجم

حضرت ممدوح کی بالذات حکمراں گورنمنٹوں اور رعایا کے نام

گزشتہ چند ہفتوں سے مابدولت کی سلطنت کے کل لوگ خواہ وہ ہوم سلطنت کے ہوں یا ماوراءالبحر کے یک دل اور یک جہت ہو کر اُس حملے کی مقاومت اور انسداد کے لئے جو قیام سولیزیشن اور امن انسانی پر کیا گیا ہے ایسے آمادہ ہو گئے ہیں کہ جس کی نظیر نہیں ہے۔ یہ مصیبت ناک معرکہ میرا برپا کیا ہوا نہیں ہے۔ میری ساری پکار امن کی طرف تھی۔ میرے وزرا نے ایسے جھگڑے کو جس کو میری سلطنت سے تعلق نہ تھا ٹھنڈا کرنے اور اختلاف مٹانے کی سر توڑ کوشش کی۔ اگر میں اُن معاہدات کے علی الرغم علیحدہ کھڑا ہو جاتا جس کی ایک فریق میری سلطنت تھی۔ سرزمین بلجیم ویران ہو جاتی اور اُس کے شہر اُجڑ جاتے۔ جب کہ فرنچ قوم کا وجود عین معرض خطر میں تھا تو میں گویا اپنی وقعت کو بٹہ لگاتا اور اپنی سلطنت اور نسل انسانی کی آزادی کو تباہ کرتا۔ میں خوش ہوں کہ

میری سلطنت کا ہر حصہ اس فیصلے میں میرے ہم خیال ہے۔ معاہدات کی اہمیت۔ حکم رانوں اور لوگوں کے مواثیق کا سب سے مقدم خیال رکھنا برطانیۂ اعظم اور اس کی سلطنت کی ہمیشہ سے میراث رہی ہے۔ میری خود حکم ران سلطنتوں کی رعایا نے بلا شائبۂ شک ظاہر کردیا ہے کہ وہ دل و جان سے اس اہم فیصلے سے ہم زبان ہیں جس کے اختیار کرنے کی ضرورت داعی تھی۔ ماوراء البحر کی سلطنتوں کی وفاداری اور جاں نثاری کے متعلق میرے ذاتی علم نے مجھے اس اُمید پر آمادہ کردیا ہے کہ وہ بطیب خاطر بڑی کوششیں کریں گے اور بڑے نقصانات برداشت کریں گے جو معرکۂ حالیہ کے ساتھ مستلزم ہیں۔ جس طرح پورے طور پر اُنھوں نے اپنی خدمات اور ذرائع آمدنی مابدولت کے اختیار میں دے دیئے ہیں اس نے مجھے احسان مندی سے مملو کردیا ہے اور مجھے فخر ہے کہ میں دنیا پر اس امر کے اظہار کے قابل ہوا ہوں کہ میرے ماوراء البحر کے لوگ بھی اس حق بہ جانب معاملے کو کام یاب انجام پر پہنچانے کے لیئے ایسے ہی تُلے ہوئے ہیں جیسے کہ ممالک متحدہ کے لوگ۔

کینیڈا کی سلطنت۔ آسٹریلیا کی جمہوری سلطنت اور نیوزیلینڈ کی سلطنت نے اپنی بحری افواج مابدولت کے اختیار میں تفویض کردی ہیں جو سلطنت کے لیئے اب تک بھی اچھی خدمات کرتے رہے ہیں۔

کینیڈا۔ آسٹریلیا اور نیوزیلینڈ میں زبردست حملہ آور لشکر محاذ کی خدمات کے لیئے تیار کیئے جارہے ہیں اور جنوبی افریقہ کی یونین نے تمام انگریزی افواج کو سبک دوش کرکے تمام اہم فوجی ذمہ داریاں اپنے ذمے لے لی ہیں جن کا انصرام سلطنت کے لیئے بے انتہا قیمتی ہوگا۔

نیوفونڈلینڈ نے اپنی بحری شاہی رزرو فوج کی شاخ کی تعداد کو المضاعف کردیا ہے اور محاذ کی عملی کارروائی میں حصہ لینے کے لیئے ایک (معقول) تعداد سپاہیوں کی بھیج رہے ہیں۔

کینیڈا کی سلطنت اور پراونشل گورنمنٹوں کی جانب سے سامان رسد کے کثیر التعداد اور قابل قدر تحائف میرے بحری اور فوجی دونوں لشکروں اور ممالک متحدہ کی مصائب کی تخفیف کے لیئے روانہ ہوچکے ہیں جن کا لڑائی کی ہلچل میں ہونا لازمی ہے۔

اس طریقے سے میری سلطنت کے ماوراء البحر کے تمام حصص نے باوجودیکہ اُن کے حالات اور مواقع مختلف ہیں اصول اتحاد سلطنت کو یقینی طور پر ثابت کردیا ہے۔

ہندوستانی رؤسا اور رعایا کے نام

اُن بہت سے واقعات میں سے جن کے سبب سے مابدولت کی سلطنت کے باشندے ایک دم اتحاد اور راست بازی کی محافظت کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں کسی چیز نے میرے دل پر اس سے زیادہ اثر نہیں کیا ہے جتنا کہ اُس ولولۂ جاں نثاری نے جو میرے تخت کے ساتھ رعایا اور باج گزار رؤساء والیان ہند دونوں نے ظاہر کیا ہے (اور نیز) اُن کے جان و مال کے فیاضانہ پیشکش نے جو اُنھوں نے سلطنت کے معرکے میں کیا ہے۔

اس معرکے میں پیش قدمی کے لیئے اُن کے ہم آہنگ مطالبے نے میرے دل پر خاص اثر کیا ہے اور اُس محبت اور خلوص کو اعلیٰ ترین درجے پر پہونچا دیا ہے جس نے میں بخوبی جانتا ہوں کہ ہمیشہ سے ہندوستانی رعایا کو اور مابدولت کو وابستہ کردیا ہے۔ ہندوستان کا وہ قابل قدر پیغام خیرسگالی اور یگانگت جو انگریزی قوم کو فروری ۱۹۱۲ء میں میری واپسی کے وقت دہلی میں میرے دربار تاجپوشی کے سنجیدہ مراسم کے بعد پیش کیا تھا مجھے یاد ہے اور اس آزمایش کی گھڑی میں میں ایک بھرپور ثمرہ اور ایک شریفانہ ایفاء اُس اطمینان کا جو آپ نے دلایا تھا کہ برطانیۂ اعظم اور ہندوستان کا سنجوگ ناقابل انفکاک طور پر جوڑا گیا ہے پاتا ہوں۔

اعلان شاہی

جارج پنجم بفضل ایزدی تاجدار دولتہائے متحدہ برطانیہ عظمےٰ و آئرلینڈ و مقبوضات برطانوی ماورائے بحر شاہ۔ دین پناہ شہنشاہ ہند کی طرف سے مابدولت کے وائسرائے اور گورنر جنرل ہندوستانی والیانِ ریاست اور مابدولت کی تمام رعایائے ہند بلا امتیاز نسل و مذہب کو بعد از سلام واضح ہو کہ

(۱) ہندوستان کی تواریخ میں آج سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ مابدولت نے

ایک ایسے قانون کی شاہی منظوری عطا کی ہے۔ جو اُن عظیم تواریخی تدابیر میں شامل ہوگا جو اس سلطنت کی پارلیمنٹ نے ہندوستان کے نظام حکومت کی بہتری اور اُسکے باشندگان کے اطمینان کی افزونی کے لیئے وقتاً فوقتاً منظور کی ہیں۔ ۱۷۷۳ء کے ایکٹ آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کے زیر تحت باقاعدہ نظم ونسق اور عدل وانصاف کے انتظام کی غرض سے وضع کیئے گئے تھے۔ ۱۸۳۳ء کے ایکٹ نے ہندوستانیوں کے لیئے سرکاری عہدوں اور ملازمت کے دروازے کھول دیئے تھے۔ ۱۸۵۸ء کے ایکٹ کی رو سے عنانِ حکومت کمپنی بہادر کے ہاتھ سے نکلکر تاج برطانیہ کی طرف منتقل کردی گئی۔ اور ہندوستان کی موجودہ پبلک زندگی کی بنیاد پڑی۔ ۱۸۶۱ء کے ایکٹ نے ہندوستان میں نیابتی مجالس کا بیج بویا اور اُس بیج نے ۱۹۰۹ء کے ایکٹ سے نشو ونما حاصل کی۔ جو ایکٹ اب قانون کی صورت میں منظور کیا گیا ہے۔ اُس کے زیر اثر باشندگان کے منتخب شدہ نمائندوں کو حکومت میں مخصوص حصہ تفویض کیا جاتا ہے۔ اور یہ ایکٹ بعد میں مکمل ذمہ دارانہ حکومت کا راستہ بتاتا ہے۔ اگرچہ یا کہ مابدولت کو کامل اُمید ہے۔ وہ پالیسی جو اس ایکٹ کی رو سے اختیار کی جاتی ہے۔ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی تو اُس کے نتائج انسانی ترقی کی تاریخ میں نہایت اہم ہوں گے۔ اور اس وقت مناسب اور برمحل ہے کہ مابدولت تمھیں آج اس امر کی دعوت دیں کہ ماضی پر غور کرو۔ اور ہمارے ساتھ آیندہ کی اُمیدوں میں شریک ہو۔

(۲) جب سے ہندوستان کی خیر وفلاح ہمیں تفویض کی گئی ہے۔ ہمارے شہنشاہی گھرانے اور ہمارے خاندان نے اس کو ایک مقدس امانت تصور کیا ہے۔ ۱۸۵۸ء میں ملکہ معظمہ وکٹوریا آنجہانی نے باضابطہ طور پر اپنے آپ کو اپنی ہندوستانی رعایا کے ساتھ اُنھیں فرائض کے احساسات سے وابستہ کیا جن سے وہ اپنی دوسری رعایا سے وابستہ تھیں۔ اور ان کو ان کی مذہبی آزادی اور قانون کی مساوی اور غیر جانبدار حفاظت کا یقین دلایا۔ اُس پیغام میں جو ہمارے پیارے والد معظم شاہ ایڈورڈ ہفتم نے ۱۹۰۳ء میں ہندوستانیوں کے نام ارسال فرمایا تھا۔ اعلان کیا تھا کہ ان کا مصمم ارادہ ہے کہ اُنہی ہمدردانہ اور منصفانہ انتظام حکومت کے اصولوں کو غیر متغیر انداز سے برقرار رکھا جائے۔ پھر ۱۹۰۸ء کے اعلان میں اعلیحضرت آنجہانی نے گزشتہ پچاس سال کے وعدوں کی تجدید کی۔ اور اس ترقی

ایک نظر بازگشت ڈالی۔ جو ان کی وجہ سے ظہور میں آئی تھی ۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں تخت نشین ہونے پر خود ماہدولت نے ہندوستان کے والیان ریاست اور باشندگان کے نام ایک پیغام بھیجا تھا جس میں ماہدولت نے ان کی وفاداری اور سطاعت کا اعتراف کیا تھا کہ ہندوستان کی خوشحالی اور شادمانی ہمارے لئے ہمیشہ انتہائی دلچسپی اور وابستگی کا موجب ہوگی۔ ایک سال بعد ماہدولت نے علیا حضرت شہنشاہ بیگم کی معیت میں ہندوستان کا سفر کیا۔ اور اپنی اس ہمدردی کا جو ماہدولت کو اس کے باشندوں کے ساتھ ہے اور اپنی اس آرزو کا جو ماہدولت کے دل میں ان کی بہتری کے لئے ہے۔ ثبوت دیا۔

(۳) یہ وہ جذبات محبت و شفقت ہیں جن سے ماہدولت اور ہمارے پیشرو متاثر ہوتے رہے ہیں۔ ساتھ ہی پارلیمنٹ اور اس قلمرو کے باشندگان اور ہمارے جو عہدہ دار ہندوستان میں ہیں۔ ہندوستان کی اخلاقی اور مادی ترقی کے لئے یکساں سرگرمی سے مستعد رہے ہیں۔ ہم نے ہندوستان کے لوگوں کو ان کثیر التعداد برکات سے متفیض کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو خدائے تعالیٰ نے ہمیں عطا کی ہیں۔ لیکن ابھی تک ایک عطیہ باقی ہے جس کے بغیر کسی ملک کی ترقی مکمل نہیں ہو سکتی۔ اس عطیہ سے ملک کے باشندگان کا اپنے معاملات کا انتظام اور اپنے مفاد کی حفاظت کرنے کا حق مراد ہے۔ بیرونی حملوں کے خلاف ہندوستانی مدافعت کا کام تو امپیریل مفاد اور افتخار کا مشترکہ فرض ہے۔ مگر اس کے اندرونی معاملات کا انصرام ایک ایسا بوجھ ہے جو ہندوستان جائز طور پر اپنے کندھوں پر اٹھانے کی تمنا کر سکتا ہے یہ بارگراں تمام و کمال حیثیت سے اس وقت تک نہیں اٹھایا جا سکتا جب تک کہ وقت کے گذرنے اور تجربہ کے حاصل ہونے سے لوگوں میں اس کے اٹھانے کی طاقت پیدا نہ ہو جائے لیکن اب ان کو تجربہ کی ترقی اور انجام دہی کی قابلیت کے ساتھ ساتھ ذمہ داری کی زیادتی کا موقع دیا جائے گا۔

(۴) ماہدولت کی نیابتی مجالس کے حصول کے واسطے اپنے باشندگان ہند کی روز افزوں تمنا کو سمجھتے ہیں۔ اور اسے ہمدردی سے ملاحظہ کرتے رہے ہیں۔ یہ تمنا قلیل ابتدا سے شروع ہو کر ملک کے سمجھدار طبقہ میں اپنے اثر کو رفتہ رفتہ مضبوط کرتی گئی ہے۔ تحریک ہذا آئینی حدود کے اندر رہ کر اخلاص اور جرأت سے ترقی کرتی گئی ہے۔ اور اس بدنامی کو مٹا کر زندہ رہی ہے جو مختلف اوقات اور مختلف مقامات پر نافرمان لوگوں کے رویہ سے جو حب الوطنی کے

بھیس میں سرکشانہ افعال کا ارتکاب کرتے رہے ہیں۔ اس خواہش پر جو عائد ہوئی ہے۔ اس آرزو
کو اسی نصب العین سے جن کے لیئے برطانوی اقوام کی دولت مشترکہ جنگ عظیم میں لڑتی رہی
ہے اور زیادہ تقویت پہنچی ہے۔ اور اس حصے سے جو ہندوستان نے ہماری مشترکہ جدوجہد
اندیشوں اور فتوحات میں لیا ہے۔ اسے اپنے دعوے میں تائید حاصل ہوتی ہے۔ حقیقت میں
سیاسی ذمہ داری کی خواہش کا سرچشمہ ہندوستان کے ساتھ برطانوی تعلق کی بنیاد میں
موجود ہے۔ انسانی تواریخ اور خیالات سے زیادہ گہرے اور زیادہ وسیع معاملے جس کا موقع اس تعلق
سے ہندوستانی لوگوں کو حاصل ہوا ہے۔ لازمی طور پر اس آرزو کو پیدا کردیا ہے۔ اس کے بغیر ہندوستان
میں اہل برطانیہ کا کام نامکمل رہ جاتا ہے۔ اس لیئے وہ تدابیر دانشمندانہ تھیں۔ جن سے کئی
سال پہلے نیابتی مجالس کا آغاز کردیا گیا تھا۔ ان کے حلقہ اثر کو منزل بمنزل وسیع کیا گیا۔ تا اینکہ
اب ہمیں نظر آرہا ہے کہ ذمہ دارانہ حکومت کی راہ میں ایک اور قدم بڑھایا گیا ہے۔

(۵) اسی ہمدردی اور بیش از بیش دلچسپی کے ساتھ ما بدولت اس راہ پر ترقی کے متمنی ہوں گے۔ یہ راستہ
آسان نہیں اور منزل مقصود کی جانب قدم زن ہونے میں ما بدولت کی رعایائے ہند کے
تمام طبقوں اور قوموں کو اس میں بردباری اور استقلال کی ضرورت ہوگی۔ ما بدولت کو
اعتماد ہے کہ یہ اعلیٰ صفات یقینی طور پر پیدا ہو جائیں گی۔ ہم نئی مجالس عامہ پر اعتماد کرتے ہیں۔ کہ
وہ ان لوگوں کی خواہشات کی دانشمندی سے ترجمانی کریں گی۔ جن کے وہ نمایندے ہیں اور ان
عوام کے مفاد کو بھول نہ جائیں گی جنھیں ابھی حقوق انتخاب نہیں دیئے جاسکتے۔ ما بدولت لوگوں کے
لیڈروں یعنی آئندہ کے وزراء پر اعتماد کرتے ہیں کہ وہ اس ذمہ داری کے لیئے تیار ہوں گے
غلط فہمیوں کو برداشت کریں گے اور سلطنت کے مشترکہ مفاد کی خاطر بہت ایثار سے کام لیں گے
اور اس امر کو یاد رکھیں گے۔ کہ صحیح حب الوطنی فرقہ بندی اور جماعت وار حدود کی پابندیوں سے
بالاتر ہے۔ اور مجلس قانونی کا اعتماد قایم رکھ کر غیرضروری اختلاف کو دور کرنے اور عادل اور مہربان
حکومت کے ضروری معیار کو قایم رکھنے کے لئے ما بدولت کے عہدہ داروں کے ساتھ
مشترکہ بہبودی کی خاطر شریک کار ہوں گے اس کے ساتھ ہی ما بدولت اپنے عہدہ داروں
سے متوقع ہیں کہ وہ اپنے نئے شرکائے کار کا احترام کریں گے۔ اور اُن کے ساتھ مل کر مروت
اور ہم آہنگی سے کام کریں گے۔ باشندوں اور اُن کے نمایندوں کو آزادانہ مجالس کی جانب
پُرامن پیش قدمی میں امداد دیں گے۔ اور ان نئے کاموں میں زمانہ ماضی کی طرح ما بدولت کی

رعایا کی ایماندارانہ خدمت کے اعلیٰ ترین مقصد پورا کرنے کا تازہ موقع پائیں گے۔
(۶) اس موقع پر ہماری یہ صادق آرزو ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو۔ ہماری رعایا اور اُن لوگوں کے درمیان جو ہماری طرف سے حکومت کے ذمہ دار ہیں۔ رنجش کے تمام نشانات محو کر دیئے جائیں جو لوگ زمانہ ماضی میں سیاسی ترقی کی سرگرمی میں قانون کی خلاف ورزی کر چکے ہیں اُن کو چاہیئے۔ کہ مستقبل میں قانون کا احترام کریں۔ اور جو باامن اور باقاعدہ حکومت رکھنے کے لیئے ذمہ دار ہیں۔ ان کے لیئے یہ ممکن ہونا چاہیئے کہ ان ناجائز سرگرمیوں کو فراموش کر سکیں۔ جن کا اُنہیں انسداد کرنا پڑا تھا۔ ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ لازم ہے کہ اس کا ایک مشترکہ مقصد کے لیئے ہماری رعایا اور حکام کی باہمی شرکت کے عزم سے آغاز ہو۔ اس لیئے ہم اپنے وائسرائے کو ہدایت کرتے ہیں۔ کہ وہ ہماری طرف سے اور ہمارے نام پر سیاسی مجرموں پر انتہائی وسعت تک مراحم خسروانہ کا استعمال کریں جو وائسرائے کی رائے میں امن عامہ کے متناقض نہ ہو۔ ہماری آرزو ہے کہ اس شرط پر اس رعایت کو اُن اشخاص تک وسیع کر دیا جائے جو گورنمنٹ کے خلاف جرائم کے پاداش میں یا خاص فوری قوانین کے ماتحت مقید ہیں۔ یا جن کی آزادی پر پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ ان لوگوں کو جو اس سے مستفیض ہوں۔ آئندہ روش اس ترحم کی موزونیت کو ثابت کر دے گی اور ہماری تمام رعایا اس قسم کی روش اختیار کرے گی جس سے آئندہ اس قسم کے جرائم کے لیئے قوانین کا نفاذ غیر ضروری ہو جائے۔
(۷) برطانوی ہند میں نئے نظام ترکیبی کے نفاذ کے ساتھ ساتھ ہی ماہدولت نے بخوشی والیان ریاست کی ایوان مشاورت کی قیام کے لیئے منظوری عطا فرمائی ہے۔ ماہدولت کو اعتماد ہے کہ ان کے مشورے ریاستوں اور ان کے والیان کے لیئے دائمی طور پر مفید ہوں گے۔ ان مفاد کو ترقی دیں گے۔ جو ان کے علاقوں اور برٹش انڈیا میں مشترکہ ہیں۔ اور بہیئت مجموعی سلطنت کے لیئے فائدہ مند ہوں گے۔ ماہدولت اس موقع پر دوبارہ پھر ہندوستان کے والیان ریاست کو اپنے عزم مصمم کا یقین دلاتے ہیں کہ ان کے استحقاقات حقوق اور مراتب کو بدستور سابق برقرار رکھا جائے گا۔
(۸) ماہدولت کا ارادہ ہے کہ اپنے فرزند دلبند پرنس آف ویلز کو آئندہ موسم سرما میں ہندوستان بھیجیں۔ تاکہ وہ ماہدولت کی طرف سے والیان ریاست کے نئے ایوان مشاورت اور برطانوی ہند میں نئے نظام ترکیبی کی افتتاحی رسم ادا کریں۔ ماہدولت کی دعا ہے کہ ان کو ان لوگوں میں ایک جہتی اور اعتماد نظر آئے جن پر ملک کی آئندہ خدمت گذاری منحصر ہے تاکہ اُن کی محنتیں بار آور

ہوں اور اُن کا نظام حکومت تدریجی ترقی سے وابستہ ہو۔ مابدولت اپنی تمام رعایا کے ساتھ ہم آواز ہوکر خدائے بزرگ وبرتر کے حضور میں دعا کرتے ہیں کہ اُس کی مشیت اور ہدایت سے ہندوستان آگے سے زیادہ خوش حالی اور فارغ البالی حاصل کرے اور اُسے سیاسی آزادی کی انتہائی وسعت نصیب ہو۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء

(ضمیمہ چہارم تمام ہوا)

خاتمہ

در شمار ارچہ نیاورد کسے حافظ را
شکر کیں محنت بے حد وحساب آخر شد

نَحْمَدُكَ اللّٰهُمَّ اَنْ مَنَنْتَ عَلَيْنَا بِنَيْلِ الْاَوْطَارِ وَنَشْكُرُكَ اَنْ اَحْسَنْتَ اِلَيْنَا بِمَا تَشْحَذُ الْاَذْهَانُ مِنْ جَلِيلِ الْاَسْفَارِ وَنُصَلِّيْ وَنُسَلِّمُ عَلٰى نَبِيِّكَ الْمُرْسَلِ بِمَا هُوَ اَبْهٰى مِنْ نَيِّرَاتِ الدَّرَارِيْ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَتْبَاعِهِمُ الْمُسْتَعِيْنِيْنَ عَلَى اغْتِنَامِ الْمَفَاخِرِ بِعَوْنِ الْبَارِيْ۔[1]

اَنْتُمْ لِلْوَرٰى كَوَاكِبُ عِلْمٍ | فِي اقْتِدَاءٍ اِنْ غَابَتِ الْاَقْمَارُ
يَا حُبَّا لِلّٰهِ دَوْلَةً قَدْ حَوَتْكُمْ | كُلَّ عِزٍّ وَزَادَ فِيْهِ الْفَخَارُ

دو برس کی لگاتار محنت کے بعد خدا خدا کر کے آج میں اس کہنے کے قابل ہوا کہ ع ایں بارگراں بود و ادا شد چہ بجا شد یعنی میں کتاب کی تدوین سے فارغ ہوا۔ اگر میں اس انتظار میں رہتا کہ کتاب

[1] اے اللہ ہم تیری حمد وثنا کرتے ہیں اُس احسان کے لئے کہ تو نے ہمارے مقاصد برلایا اور ہم تیرا شکر کرتے ہیں اس بات پر کہ تو نے ہم پر احسان کیا کہ جس سے لوگوں کے ذہن تیز ہو جائیں گے جیسا کہ بڑی کتابوں کے مطالعے سے ہوتا تھا اور صلوٰۃ اور سلام تیرے بھیجے ہوئے نبی پر جو ایسے اوصاف والے ہیں کہ وہ روشن تر ہیں ستاروں اور شمس وقمر سے اور اُن کی آل واصحاب پر اور تابعین پر۔ ہم تجھ ہی سے استمداد کرتے ہیں اُن فخروں پر جو تیری مدد سے ہم کو حاصل ہوئے ہیں۔ تم دنیا میں علم کے ستارے ہو اگر چاند سورج غائب ہو جائیں تو تمہاری روشنی سے پیروی کی جا سکتی ہے۔ سنو جی اللہ کی محبت بھی کیسی دولت ہے جو تمام عزتوں پر فخر مزید کے ساتھ حاوی ہے۔ ۱۲

پوری ہوئے جب چھپے تو شاید میری زندگی وفا نہ کرتی ع تا سال دگر کہ خورد زندہ کہ ماند؟
وہ تو خدا کا شکر ہے کہ تصنیف اور چھپائی دونوں کام ساتھ ساتھ چلتے رہے جس سے امید بندھتی
ہے کہ دیر سویر کتاب شائع ہو جائے گی۔ جلدی کے مارے کہ کسی طرح یہ کام سلٹ جائے کتاب
بہ تفاریق چار جگہ چھپ رہی ہے اور چار ہی کاتب لکھ رہے ہیں لیکن لکھائی اور چھپائی نہ میرے
ہاتھ کا کام ہے نہ میرے بس کا ہے۔ تقاضا اور تقاضائے شدید اور مصارف کی برداشت میرا کام
ہے اس میں ذرا ڈھیل نہیں اب جن کے ہاتھ میں کام ہے خدا انھیں توفیق دے کہ تن دہی
سے اسے انجام کو پونہچائیں اور خاکسار کو زحمت مزید کے انتظار سے بچائیں۔ انواع و اقسام
کی جو جو دقتیں کاتبوں کی بے جا ناز برداری اور اہل مطابع کی خلاف توقع سہل انکاری کی
جو مجھے پیش آئیں اور پیش آرہی ہیں نہایت دل آزار اور دل شکن ہیں۔ مگر ؎

چہ تواں کرد مرداں انیند | باہمیں مرداں بباید ساخت

میں حصہ اول میں منشی اشتیاق احمد صاحب چشتی نظامی کا شکریہ ادا کرچکا ہوں مگر کچھ اور صاحبوں
نے بھی میرا ہاتھ بٹایا ہے ان کی مشارکت کا اعتراف بھی من لم یشکر الناس فلم یشکر اللہ تقاضائے
انصاف ہے۔ منشی حافظ محمد یوسف صاحب اور عزیزی اختر حسن صاحب اور میری عزیز
مخدرات عصمت حامدہ بیگم اور اشرف جہاں بیگم صاحبان بھی میرے دلی شکریے اور
امتنان کی مستحق ہیں کہ انھوں نے کاپیوں اور پروف کے مقابلے اور تصحیح میں کافی مدد دی۔
جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ اتنی بڑی کتاب کا لکھنا جس کی تین ضخیم جلدیں ہیں۔ سینکڑوں کتابوں
کی الٹ پلٹ۔ مقامات اور عمارات کی دیکھ بھال کے لیئے دوا دوش پر جب نظر کرتا ہوں تو
خواہ کوئی داد دے یا نہ دے میں خود کہتا ہوں ع ازایں تن ضعیف مرا ایں گماں نبود۔ مگر
فضل خدا شامل حال تھا یہ مشکل آسان ہو گئی۔ ؎

بہ ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد | اگر خارے بود گلدستہ گردد

خدا کرے کہ کتاب لوگوں کی پسند آئے تو میری محنت ٹھکانے لگے اور مراد بر آئے والسلام

دہلی مارچ ۱۹۲۰ء — بشیر الفقیر الی اللہ عز شانہ

(بقلم ناقص رقم رفعت شبیر خاں)

انگریزی سلطنت کے بعض اہم تاریخی واقعات

سنہ	خلاصہ
۱	۲
	(ایسٹ انڈیا کمپنی کا عہد)
۳۱ دسمبر سنہ ۱۶۰۰ء	ملکہ الزبتھ کا چارٹر (فرمان)
سنہ ۱۶۰۰ء	چارلس دوم کا چارٹر (فرمان)
سنہ ۱۷۰۸ء	ہم سر کمپنیوں کا انضمام۔
سنہ ۱۷۷۳ء	رگیولیٹنگ ایکٹ (گورنر جنرل بنگال)
سنہ ۱۷۸۴ء	پٹ کا انڈیا ایکٹ (بورڈ آف کنٹرول)
سنہ ۱۷۹۳ء	تجدید چارٹر
سنہ ۱۸۱۳ء	" (ہند کی تجارت کھول دی گئی)
سنہ ۱۸۳۳ء	" (کمپنی کے تجارتی حقوق کی تنسیخ چین کی تجارت کا اجرار)
سنہ ۱۸۵۳ء	سول سروس کا امتحان مقابلہ
سنہ ۱۸۷۴ء	باقاعدہ طور پر کمپنی کا توڑا جانا۔
سنہ ۱۸۵۷ء	غدر۔ (ہندوستان براہ راست تاج شاہی کے تحت میں)
سنہ ۱۸۵۹ء	رنٹ ایکٹ۔
سنہ ۱۸۶۰ء	تعزیرات ہند۔
سنہ ۱۸۶۱ء	قانون کونسل۔ سول سروس ہند کا قانون۔ ہائی کورٹوں کا چارٹر۔
سنہ ۱۸۶۳ء	امیر دوست محمد خاں کا انتقال اور امیر شیر علی خاں کی جانشینی
سنہ ۱۸۶۶ء	اوڑیسہ کا قحط
۱۸۶۹	نہر سوئز کا افتتاح۔
سنہ ۱۸۷۵-۷۶ء	ہز رائل ہائنس شاہزادہ ویلز کی سیاحت ہند
سنہ ۱۸۷۶ء	کوئیٹہ پر قبضہ
یکم جنوری سنہ ۱۸۷۷ء	دربار قیصری۔

سنہ	خلاصہ
۱	۲
سنہ ۱۸۷۶-۷۸ء	جنوبی اور مغربی ہندوستان میں قحط
سنہ ۱۸۷۸-۸۰ء	دوسری جنگ افغانستان۔
سنہ ۱۸۸۵ء	معاملات پنجدہ۔ تیسری جنگ برمہ۔
یکم جنوری سنہ ۱۸۸۶ء	برمہ کے بالائی حصے کا شمول۔
سنہ ۱۸۹۰ء	پرنس البرٹ وکٹر کی تشریف آوری ہندوستان میں۔
۱۴ جنوری سنہ ۱۸۹۲ء	" " " کا انتقال پُر ملال۔
سنہ ۱۸۹۵ء	مہم چترال۔
سنہ ۱۸۹۶ء	بمبئی میں طاعون کا شیوع۔
سنہ ۱۸۹۸ء	مہم تیراہ۔
سنہ ۱۸۹۹ء	ترویج سکہ طلائی۔
سنہ ۱۹۰۰ء	قحط
سنہ ۱۹۰۱ء	ملکہ معظمہ وکٹوریا کا انتقال اور شہنشاہ معظم ایڈورڈ ہفتم کی تخت نشینی۔ امیر عبدالرحمٰن تعالٰی کی وفات اور امیر حبیب اللہ خاں کی جانشینی
یکم جنوری سنہ ۱۹۰۳ء	دربار تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم۔
سنہ ۱۹۰۴ء	مہم تبت۔ یونیورسٹیوں کا قانون۔
سنہ ۱۹۰۵ء	بنگال کی تجزی۔
۹ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء	پرنس جارج کی سیاحت ہند بطور ولی عہد۔
۲۶ جنوری سنہ ۱۹۰۷ء	دہلی میں ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ خاں کی تشریف آوری۔
سنہ ۱۹۰۹ء	خیالات باغیانہ۔ انڈیا کونسل ایکٹ۔
سنہ ۱۹۱۰ء	شاہ ایڈورڈ ہفتم کا انتقال اور ملک معظم جارج پنجم کی تخت نشینی۔
۱۲ دسمبر سنہ ۱۹۱۱ء	ملک معظم و ملکہ معظمہ کی ہندوستان میں رونق افروزی۔ دربار تاجپوشی۔
سنہ ۱۹۱۲ء	لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل پر بم اندازی سے قاتلانہ حملہ۔

سنہ	خلاصہ
۱	۲
۴ر اگست ۱۹۱۴ء	یورپ کی عظیم الشان جنگ۔ جرمن وار کا آغاز۔
۱۱ر نومبر ۱۹۱۸ء	اختتام جنگ یورپ۔
۱۹۱۹ء	ہز میجسٹی امیر حبیب اللہ خاں کا قتل اور ہز میجسٹی امیر امان اللہ خاں کی جانشینی۔ کابل وار کا آغاز اور مصالحت پر اختتام۔ شاہی اعلانات مورخہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۱۹ء

گورنر جنرل صاحبان کی فہرست

نمبر	سنہ	نام گورنر جنرل بہادر
۱	۲	۳
		(۱) بنگال کے فورٹ ولیم کے گورنر جنرل حسب ریگولیشن ایکٹ بابتہ ۱۷۷۳ء
۱	اکتوبر ۱۷۷۴ء	رائیٹ آنریبل وارن ہیسٹنگز سکوائر۔ یکم فروری ۱۷۸۵ء سر جان میکفرسن
۲	ستمبر ۱۷۸۶ء	ارل (مارکوئیس) کارنوالس
۳	اگست ۱۷۹۳ء	سر جان شور (لارڈ ٹین متھ)۔ (مارچ ۱۷۹۸ء سر ایلیورڈ کلارک)
۴	مئی ۱۷۹۸ء	ارل آف مارننگٹن (مارکوئیس ولزلی)
	۳۰ جولائی ۱۸۰۵ء	مارکوئیس کارنوالس (دوبارہ)۔ (۵ر اکتوبر ۱۸۰۵ء سر جارج بارلو)
۵	۱۸۰۷ء	بیرن (ارل آف) منٹو اول۔
۶	۴ر اکتوبر ۱۸۱۳ء	ارل آف مائیرا (مارکوئیس آف ہیسٹنگز۔ یکم جنوری ۱۸۲۳ء۔ جان ایڈم سکوائر)
۷	یکم اگست ۱۸۲۳ء	بیرن (ارل) ایمہرسٹ۔ (۱۰ر مارچ ۱۸۲۸ء ولیم بٹر ورتھ بیلی سکوائر)

نمبر	سنہ	نام گورنر جنرل بہادر
۱	۲	۳
۸	جولائی ۱۸۲۸ء	لارڈ ولیم کیونڈش بنٹنک۔
		(۲) گورنر جنرل ہند حسب چارٹر ایکٹ ۱۸۳۳ء
	۱۸۳۳ء	لارڈ ولیم کیونڈش بنٹنک۔ ۲۰ مارچ ۱۸۳۵ء سر چارلس (لارڈ) مٹکاف
۹	یکم مارچ ۱۸۳۶ء	بیرن (ارل آف) آکلینڈ۔
۱۰	۱۸۴۲ء	بیرن (ارل آف) الن برو۔
۱۱	۱۸۴۴ء	سر ہنری (وائی کونٹ) ہارڈنگ۔
۱۲	۱۸۴۸ء	ارل (مارکوئیس) آف ڈلہوزی۔
۱۳	۱۸۵۶ء	وائی کونٹ (ارل) کیننگ۔
		(۳) گورنر جنرل و وائیسرائے حسب اعلان ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریا
	یکم نومبر ۱۸۵۸ء	ارل کیننگ۔
۱۴	۱۸۶۲ء	ارل آف ایلجن اول۔ (۱۸۶۳ء سر رابرٹ نیپیر (لارڈ نیپیر آف میگڈالا) ۱۸۶۳ء سر ولیم ڈینزن۔
۱۵	۱۸۶۴ء	سر جان (لارڈ) لارنس۔
۱۶	۱۸۶۹ء	ارل آف میو۔ (۱۸۷۲ء سر جان سٹریچی (۱۸۷۲ء لارڈ نیپیر آف مرچیسٹون)
۱۷	۱۸۷۲ء	بیرن (ارل آف) نارتھ بروک۔
۱۸	۱۸۷۶ء	بیرن (ارل آف) لٹن
۱۹	۱۸۸۰ء	مارکوئیس آف رپن
۲۰	۱۸۸۴ء	ارل آف ڈفرن (مارکوئیس آف ڈفرن اینڈ آوا)
۲۱	۱۸۸۸ء	مارکوئیس آف لینسڈون
۲۲	۱۸۹۴ء	ارل آف ایلجن دوم۔
۲۳	۶ جنوری ۱۸۹۹ء	بیرن (اعلیٰ) کرزن آف کڈلسٹن۔ (۱۹۰۴ء لارڈ ایمپتھل)
	۱۹۰۴ء	بیرن (اعلیٰ) کرزن آف کڈلسٹن دوبارہ)

نمبر	سنہ	نام گورنر جنرل بہادر
۱	۲	۳
۲۴	۱۹۰۵ء	ارل آف منٹو (ثانی)۔
۲۵	۱۹۱۰ء	بیرن ہارڈنگ آف پنشرسٹ۔
۲۶	اپریل ۱۹۱۶ء	لارڈ چیمسفورڈ (موجودہ وائیسرائے و گورنر جنرل)

نوٹ:- جن ناموں کے نیچے خط کھنچا ہوا ہے وہ عارضی اور قایم مقام تھے۔

نوٹ:- جو صاحب قانون بدلنے پر بدستور قایم رہے اُن پر جداگانہ نمبر نہیں ڈالا گیا۔
ان تمام وائیسرایوں میں صرف ایک لارڈ کرزن ہی ایسے تھے جو ولایت تشریف لے گئے
اور دوبارہ گورنر جنرل ہو آئے ۱۹۰۳ء

انگلستان کے بادشاہوں کی فہرست

نمبر	نام بادشاہ	زمانہ سلطنت	نمبر	نام بادشاہ	زمانہ سلطنت
۱	۲	۳	۱	۲	۳
۱	ولیم اول	۱۰۶۶ء-۸۷	۱۲	رچرڈ دوم	۱۳۷۷ء-۹۹
۲	ولیم دوم	۱۰۸۷ء-۱۱۰۰	۱۳	ہنری چہارم	۱۳۹۹ء-۱۴۱۳
۳	ہنری اول	۱۱۰۰ء-۳۵	۱۴	ہنری پنجم	۱۴۱۳ء-۲۲
۴	سٹیفن (آف بلا)	۱۱۳۵ء-۵۴	۱۵	ہنری ششم	۱۴۲۲ء-۶۱
۵	ہنری دوم	۱۱۵۴ء-۸۹	۱۶	ایڈورڈ چہارم	۱۴۶۱ء-۸۳
۶	رچرڈ اول	۱۱۸۹ء-۹۹	۱۷	ایڈورڈ پنجم	۱۴۸۳ء
۷	جان (لیک لینڈ)	۱۱۹۹ء-۱۲۱۶	۱۸	رچرڈ سوم	۱۴۸۳ء-۸۵
۸	ہنری سوم	۱۲۱۶ء-۷۲	۱۹	ہنری ہفتم	۱۴۸۵ء-۱۵۰۹
۹	ایڈورڈ اول	۱۲۷۲ء-۱۳۰۷	۲۰	ہنری ہشتم	۱۵۰۹ء-۴۷
۱۰	ایڈورڈ دوم	۱۳۰۷ء-۲۷	۲۱	ایڈورڈ ششم	۱۵۴۷ء-۵۳
۱۱	ایڈورڈ سوم	۱۳۲۷ء-۷۷	۲۲	میری اول	۱۵۵۳ء-۵۸

نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت	نمبر	نام بادشاہ	زمانۂ سلطنت
۱	۲	۳	۱	۲	۳
۲۳	الزبتھ	۱۶۰۳ – ۱۵۵۸ء	۳۱	جارج دوم	۶۰ – ۱۷۲۷ء
۲۴	جیمس اول	۲۵ – ۱۶۰۳ء	۳۲	جارج سوم	۱۸۲۰ – ۱۷۶۰
۲۵	چارلس اول	۴۹ – ۱۶۲۵ء	۳۳	جارج چہارم	۳۰ – ۱۸۲۰
۲۶	چارلس دوم	۸۵ – ۱۶۴۹ء	۳۴	ولیم چہارم	۳۷ – ۱۸۳۰ء
۲۷	جیمس دوم	۸۸ – ۱۶۸۵ء	۳۵	وکٹوریا	۱۹۰۱ – ۱۸۳۷ء
۲۸	ولیم سوم اور میری کا	مختصر وقفہ کے بعد ۱۷۰۲ – ۱۶۸۹ء	۳۶	ایڈورڈ ہفتم	۱۹۱۰ – ۱۹۰۱ء
۲۹	این	۱۴ – ۱۷۰۲ء	۳۷	جارج پنجم	۱۹۱۰ء
۳۰	جارج اول	۲۷ – ۱۷۱۴ء			

شاہا بقائے عمر تو باشد ہزار سال　　　لیکن بایں حساب بصد حشمت و جلال
سالے ہزار ماہ و ماہے ہزار سال　　　یوم ہزار سال و ساعت ہزار سال

نظم

ای سرزمین دہلی چمکا ترا ستارہ　　　پھر پا گیا ہے تخت شاہی سلطان نے سنوارا
گیتی فروز اب ہے وہ خسرو معظم　　　یورپ کے دل سے نکلا ارمان اک ہمارا
دنیا ترے کرشمے کو جس نے کیا منور　　　خورشید بن کے چمکا مغرب سے وہ ستارا
تعلیم اُس نے دی ہے گرمی نگہ سے　　　علمی ترقیوں کا بڑھتا چلا ہے پارا
موجودہ سلطنت کے دیکھو آکے کارنامے　　　اب خواب ہو گئے ہیں افسانہائے دارا
گزرے ہوئے سلاطین ہیں پردہ عدم میں　　　کرتی ہیں اُن کی روحیں اس جشن کا نظارا
برطانیہ حکومت کرتی ہے ناز جس پہ　　　وہ آفتاب اب ہے دہلی میں جلوہ آرا
وہ کون عدل گستر ہے سلطان جارج پنجم　　　دنیا ہے ایک پیکر اور جان جارج پنجم
گر نفس سلطنت کی توقیر ہے تو یہ ہے　　　انصاف کی مجسم تصویر ہے تو یہ ہے
دیکھو سیاست اس کی دیکھو حکومت اس کی　　　تدبیر ہے تو یہ ہے تقدیر ہے تو یہ ہے
دنیا کو جگمگا دے تیرا فروغ سطوت　　　بس خواب سلطنت کی تعبیر ہے تو یہ ہے

بس دیکھنے کے قابل ہی سر نوشت اُس کی — قدرت کے مو قلم کی تحریر ہی تو یہ ہی
شاہاں ہی اُس کی شاہی دنیا ہی سب اُسی کی — اجمال ہی تو یہ ہی تفسیر ہی تو یہ ہی
اُس کی نگہ کی ہیبت ہی دشمنوں پہ غالب — ترکش میں تیرے دنیا گر تیر ہی تو یہ ہی
دنیا کی ساری تو موا اُس پر فدا ہو دل سے — حق میں تمھارے کوئی اکسیر ہی تو یہ ہی
یہ نغمہاے مدحت ہوں کے مجھے مبارک — سلطان کی پابوسی دہلی کو یہ مبارک

(محمد ہادی عزیز لکھنوی)

فہرست اُن اردو اور فارسی کتابوں کی جن سے مدد لی گئی

نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	۲	۳
۱	آثار الصنادید سنہ ۱۸۴۷ء	سر سید احمد خاں
۲	اخبار الاخیار سنہ ۱۲۸۰ھ	شیخ عبد الحق محدث دہلوی
۳	اخبار الاخیار	ظہیر الدین احمد عرف محمد اشرف علی لکھنوی
۴	یادگار دہلی سنہ ۱۹۰۵ء	سید احمد دہلوی
۵	دہلی گائیڈ	سید حسن نظامی
۶	روضۃ الاقطاب	صاحبزادہ مرزا بلاقی
	سوانح عمری حضرت نظام الدین اولیا	
۷	فوائد الفوائد	
۸	سیر الاولیاء	
۹	سیر المحتشم	
۱۰	دربار اکبری سنہ ۱۸۹۸ء	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد
۱۱	تذکرۃ العابدین و امداد العارفین	حاجی محمد نذیر احمد دہلوی
۱۲	استشفاع والتوسل بآثار الصالحین و سید الرسول	پیرجی محمد عمر صاحب
۱۳	دیوان ذوق	مرتبہ شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد
۱۴	آب حیات سنہ ۱۸۷۹ء	
۱۵	مخبر الواصلین سنہ ۱۲۶۵ھ	ابو عبد اللہ فاضل اکبرآبادی
۱۶	دیوان غالب	نظامی پریس بدایوں
۱۷	یادگار غالب	شمس العلماء مولوی الطاف حسین صاحب حالی
۱۸	مرآۃ الحقائق	منشی برکت علی
۱۹	تاریخ دربار تاجپوشی سنہ ۱۹۱۱ء	شمس العلماء مولوی نذیر احمد
۲۰	یادگار دربار تاجپوشی سنہ ۱۹۱۱ء	منشی دین محمد ایڈیٹر میونسپل گزٹ لاہور
۲۱	سوانح مہلی سنہ ۱۹۰۴ء	منشار بعہد مرزا محمد اختر گورگانی خلف اکبر مرزا ولی عہد ابو الظفر سراج الدین بہادر شاہ

نمبر	نام کتاب	مصنف
۱	۲	۳
۲۲	عجائب الاسفار شیخ ابن بطوطہ کا سفرنامہ سنہ ۱۸۹۸ء	خان بہادر پیرزادہ مولوی محمد حسین ایم اے
۲۳	خواتین سنہ ۱۹۱۴ء	حافظ محمد اسلم جیراجپوری
۲۴	مخدرات حصہ اول و دوم سنہ ۱۹۱۵ء	سید ظہور الحسن قومی پریس دہلی
۲۵	تاریخ دربار دہلی ۱۹۱۲ء	″
۲۶	تاریخ بیجانگر سنہ ۱۹۱۰ء	خاکسار بشیر الدین احمد
۲۷	واقعات مملکت بیجاپور سنہ ۱۹۱۵ء	″
۲۸	حیات قیصرہ سنہ ۱۹۰۱ء	″
۲۹	ذکر شہنشاہ جارج پنجم	خان بہادر قاضی عزیز الدین
۳۰	مفتاح التواریخ سنہ ۱۸۶۷ء	طامس ولیم بیل صاحب
۳۱	سیاحت ہند سنہ ۱۹۰۹ء	حافظ عبدالرحمن امرتسری
۳۲	کلیات شیفتہ و حسرتی سنہ ۱۹۱۶ء	نواب محمد اسحٰق خاں
۳۳	آثار اکبری سنہ ۱۳۳۴ھ	محمد سعید احمد مارہروی
۳۴	یادگار داغ	اکبر علی خاں افسوس شاہجہاں پوری
۳۵	صحیفہ زریں سنہ ۱۹۰۲ء	نول کشور پریس لکھنؤ
۳۶	آئین اکبری	
۳۷	تاریخ فرشتہ لکھنؤ	سنہ ۱۹۰۵ء
۳۸	ماثر الامراء	نواب شمس الدولہ شاہ نواز خاں
۳۹	مزارات اولیائے دہلی سنہ ۱۸۸۱-۹۱ ۱۸۶۹-۷۴ء	محمد عالم شاہ
۴۰	منتخب اللباب	خافی خاں
۴۱	تاریخ فیروز شاہی	شمس سراج عفیف
۴۲	اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	شمس العلماء شبلی نعمانی
۴۳	فغان دہلی سنہ ۱۳۱۳ھ	غدر کے متعلق متفرق نظموں کا مجموعہ
۴۴	حضور ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کے مختصر حالات	مطبع تعف آگرہ



List of works consulted — فہرست ان انگریزی کتابوں کی جن سے مدد لی گئی ہے

1. Archaeological Survey of India Report of the year 1871-72 Delhi and Agra Vol. IV by Beglar and Carlleyle under the Superintendence of Major General A. Cunningham C.S.I. Director General of Archaeological Survey of India 1874
2. The Archaeology and Monumental remains of Delhi by Carr Stephens 1876
3. Life of H.M. Queen Victoria, G. Barnett Smith 1887
4. Picturesque India, W. S. Caine 1891
5. Delhi past & present. H. C. Fanshaw. 1902
6. Seven Cities of Delhi. Gordon Risley Hearn. 1906
7. Keen's Handbook of Visitors to Delhi. 1906
8. Royal tour in India 1905-6, Stanley Reed 1906
9. Storia do Mogor, 1658-1708, Niccolo Manucci 1908
10. Sketches of Rulers of India Vol: IV Babar, Akbar & Aurangzib, G. D. Oswell. 1908
11. Life of Akbar. Col: Malleson. 1908
12. Lane Poole's Life of Aurangzeb
13. Delhi the Imperial City, Renton Denning 1911
14. All about Delhi, G. A. Natesan & Co. 1911
15. Coronation Durbar. Pundit Banke Rae 1911
16. The Book of the Coronation, Cassell & Co. 1911
17. Delhi Durbar Railway, Burt & Freeland 1911
18. History of India, Sri Hemlota Devi. 1911

19	Imperial Coronation Durbar. 2 Vols. 1911 Khosla Bros.
20	The Portrait Book of our Kings & Queens 1066–1911. Hare & Pascoe
21	The King & Queen in India, Stanley Reed 1912
22	A Handbook to Agra & the Taj, E. V. Havell 1912
23	Delhi Museum Catalogue. 1913
24	Indian History. E. Marsden. 1914
25	The Historical Record of the Imperial Visit to India 1911. Compiled from Official Records 1914
26	Easy Stories from Indian History. E. Marsden 1915
27	The Oxford Student's History of India Vincent A. Smith. 1916
28	History of India, Ram Prasad & Manmohan 1916
29	History of India, Thompson.
30	The King's Indian Allies, St Nihal Singh 1916
31	List of Muhammadan & Hindu Monuments Shahjahanabad Vols I & II Gordon Sanderson 1915–16
32	V. R. I. Her Life and Empire, Marquis of Lorne, His Grace the Duke of Argyll.
33	Edward VII, his Life & Times, Sir Richard Holmes
34	From Cradle to Crown, J. E. Vincent.
35	King Edward VII, Thomas Nelson & Sons.
36	George V Our Sailor King, Robert Hudson
37	Medieval India, S. Lane Poole.
38	Report of Lady Hardinge Medical College and Hospital for Women and Children 1918

تقاریظ اور قطعات تاریخی

میرے جن کرم فرماؤں نے ایماناً بالغیب میری نئی کتاب کو سراہا ہے اور فرط محبت سے تقریظیں اور قطعات تعریفی لکھ کر میرا حوصلہ بڑھایا ہے میں اُن سب صاحبوں کی اس عنایت بے غایت کا تہ دل سے شکرگزار اور ممنون ہوں۔ ع کرم کردی الٰہی زندہ باشی۔ کئی چھوٹے چھوٹے قطعات تاریخی اصل کتاب میں جہاں جہاں کی درج کر دیئے گئے ہیں جو ذرا بڑے تھے یا جن کی گنجایش نہ نکل سکی یہاں وہ لکھے جاتے ہیں۔ تقدم و تاخر قطعات میں کسی کو ترجیح بلا مرجح دینا مرکوز خاطر نہیں میرے گوشۂ دل میں سب کی یکساں جگہ ہے۔

تقریظ دل پذیر و پُر تاثیر از قلم چکیدہ رقم جناب خواجہ حسن صاحب نظامی دام مجدہم

"غریب دہلی کی ایک اور تصویر"

ہماری دہلی کی بگڑی سنوری شکل کی بیسیوں تصویریں مسلمانوں اور انگریزوں نے اُتاری ہیں یعنی دہلی کی تاریخی۔ عمارتی۔ تمدنی و سیاسی سرگزشت پر متعدد یورپین و مسلمان مصنفوں نے کتابیں لکھی ہیں مگر نئی تصویر۔ نئی تاریخ۔ نئی سرگزشت۔ ابھی حال میں تیار ہوئی ہے جو دہلی کے مشہور محقق اور مورخ کی قلم سے لکھی گئی ہے۔ مولانا بشیر الدین احمد صاحب خلف شمس العلما مولانا حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم ایک لائق اور محنتی مصنف ہیں۔ ان کے والد ماجد نے جو سرمایہ اردو زبان میں علمی و اصلاحی کارناموں کا چھوڑا ہے مولانا بشیر الدین احمد صاحب اُس کی حفاظت ہی میں کوشش نہیں کرتے بلکہ رات دن اضافہ کی سعی کر رہے ہیں۔ وہ اپنے پدر بزرگ کے اکلوتے وارث ہیں اور میں نے اُن کی موجودہ علمی و ادبی خدمات اور اُن کے والد کی شہرۂ آفاق کارگزاریوں کا لحاظ کر کے اُن کو وارث الادب بالکل جائز خطاب دیا ہے جو ہندوستان کے تمام اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ مولانا بشیر الدین احمد صاحب ریاست حیدرآباد میں کلکٹر تھے پنشن لے کر گھر پر آئے تو آرام طلبی اور عیش و عشرت میں وقت برباد نہ کیا جو آج کل بے فکر دولت مندوں کا ایک لازمی شعار ہو گیا ہے بلکہ رات دن تصنیف و تالیف میں صرف رہنے لگے۔ چنانچہ چند سال کے عرصہ میں دس بارہ کتابیں اُنھوں نے تیار کریں جن میں زیادہ حصہ خانگی و نسوانی اصلاح کا ہے جس سے مولانا کو خاص مناسبت و دلچسپی ہے اور جو اُن کے والد کا مقصود زندگی بھی تھا مولانا کی ان اصلاحی اور تمدنی کتابوں کو ملک میں خاص عظمت سے پڑھا جاتا ہے اور صرف پبلک ہی ان کو پسند نہیں کرتی بلکہ سلطنت میں بھی یہ کتابیں مقبول ہیں اور ابھی حال میں گزشتہ سال صوبۂ دہلی کی گورنمنٹ نے ایک معقول انعام ان کی ایک اصلاحی کتاب پر دیا ہے۔ مولانا کو آثار قدیم اور قدامت کے تذکروں سے ایک دلی لگاؤ ہے۔ قیام دکن کے زمانہ میں اُنھوں نے تاریخ بیجاپور کے نام ایک نہایت ضخیم کتاب لکھی تھی

جو اتنی وزنی ہے کہ میں اُٹھا کر چلوں تو ہانپ جاؤں۔ اس میں سلاطین دکن کے تذکرے اور آثار قدیم کے حالات و تصاویر ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے نہایت محنت و تلاش سے اس کو طیار کیا ہوگا۔ اب گورنمنٹ دہلی کی خواہش سے انھوں نے دہلی کے آثار پر ایک زبردست اور تاریخ بیجاپور کے طریقے پر مستند کتاب لکھی ہے۔ جس میں دہلی قدیم و دہلی جدید کے تمام جزو و کل حالات ہیں اور جو ایسی منظم ترتیب سے قلم بند ہوئے ہیں کہ اس کتاب کو دہلی کی تصویر کہہ سکتے ہیں جیسا کہ میں نے عنوان میں ذکر کیا ہے انگریزوں نے جو کتابیں دہلی پر لکھیں اُن کو ناپسند نہیں کیا جاتا مگر اس کتاب کو جو مولانا بشیر الدین احمد صاحب نے لکھی ہے یقیناً بہت پسند کیا جائے گا کیوں کہ یہ اردو زبان میں ہے اور ایسے شخص نے لکھی ہے جو انگریزوں کی بہ نسبت دہلی کو اور اس کے حالات کو زیادہ گہرائی سے دیکھ سکتا تھا اور دلی تعلق سے قلم بند کر سکتا تھا جیسا کہ کیا گیا ہے۔ اگر انسان کوئی مشین ہے۔ تو مولانا بشیر الدین احمد صاحب لکھنے کی مشین[1] ہیں جو اتنی جلدی تصنیف تیار کر دیتے ہیں جس پر انگریزی مشینوں کی بنی ہوئی اشیاء کا یہ مشہور اشتہاری فقرہ صادق آتا ہے "ہاتھوں کے چھوئے بغیر تیار ہوئی ہیں" نہیں جانتا وہ اس کبر سنی میں اتنا زیادہ۔ اتنا جلدی اور اتنا عمدہ کام کیوں کر کر سکتے ہیں؟ مجھ کو بھی دو ہفتے میں ایک مستقل اور دو سو صفحے کی تصنیف تیار کر دینے کا ملکہ ہے مگر مولانا مذکور کی تیز نگاری کے سامنے میری سریع النویسی بھی مات ہے۔[3]

مجھے امید ہے کہ مولانا کی یہ تازہ[4] تصنیف دہلی کی یادگاروں میں ایک مفید و دلچسپ اور مستقل یادگار رہے گی اور آئندہ نسلیں اس سے اخذ کرنے کا فائدہ اُٹھائیں گی جس طرح کہ آثار الصنادید مصنفہ سر سید احمد خاں مرحوم سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے یہی میری دعا[5] ہے اور یہی میری آخری اور دلی خواہش ہے۔

۱؎ اگر یہی مشین کی رفتار ہے کہ دو برس لگ گئے تو مشین نہیں چھکڑا ہے جو جوں کی چال چلا ہے لیکن بات یہ ہے کہ خواجہ صاحب کی نظر مہر و کرم میرے معائب کو بھی محاسن میں ڈھال دے گی۔ اجی حضرت ہاتھوں کے چھوئے بغیر چہ معنی قبلہ یہاں تو ہاتھوں کے علاوہ پاؤں بھی گھسیٹتے گھسیٹتے چھالے پڑ گئے کیوں کہ عمارات کے دیکھنے کو کوسوں سواری نہیں پیدل چلنا پڑا لیکن جس تکلیف اور زحمت کے بعد راحت ہو ایسی تکلیف بھی اچھی۔ ۲؎ میں بتا ذرا سا

رباعی۔ خوش رہتے ہیں گھر میں کامرانوں کی طرح ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح

(بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

تقریظ عربی تحریر فاضل اجل و عالم بے بدل مولوی فاضل و منشی فاضل جناب مولوی نور محمد صاحب مدرس فارسی و عربی سینٹ سٹیفنز ہائی سکول دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

اعلم ان اللہ خلق السموات والارض فقال لھما ائتیا طوعا او کرھا فقالتا اتینا طائعین وجعل فیھما الشمس ضیاء والقمر نورا وجعل الارض ذات قرار وبث فیھا من کل زوج بھیج وتری الانھار تجری فیھا لتکون من اسباب المعیشۃ لسکان البر وجعل کل شیء من الماء حیا۔ وخلق الانسان وجعلہ خلیفۃ فی الارض وانزل معہ العدل والمیزان وعلمہ ما لا یعلمہ واختصہ بالسلطنۃ والنبوۃ وسخر لہ کل شیء وکرمہ تکریما والھمہ دقۃ الصنائع واتخاذ للمنازل وبناء البیوت وتوالدوا وتکاثروا حتی ملئت الارض عنھم طولا وعرضا وعمروا الامصار والمدن المشیدۃ وجاءت القرون وفنت ثم جاءت الاخری ومضت وسوط الفناء مسلط علیھم وھم فی غفلۃ منہ والبشری لمن اعتبر بمن عبر الٰھی وصدق بالحسنی والذین یتقون ویعلمون ان حق عبادہ لیسکنون فی الارض ھونا

(تکملہ نوٹ صفحہ گزشتہ) دل اس کے طرف ان کے ہیں جو کرتے ہیں ٹیر — ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

۵۳ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

۵۴ دیکھیے کہیں نظر نہ لگ جائے ع۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ جناب والا آپ نے سنا ہوگا کہ دور کے ڈھول سہاؤنے ع عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ۔

۵۵ جو کاتبوں اور مطبع والوں کی مہربانی سے باسی ہو گئی۔

۵۶ میں کہاں اور کہاں یہ ہوائے بہشت۔ تا زکر زیدم لطلعت نہ شنت۔ ہاں مگر آپ جیسے بزرگوں کی دعا نے کمر بہت مضبوط کر دی۔ ۵

بدیں مقصد عالی نتوانیم رسید — ہاں گر لطف شما پیش نہد گامے چند۔ ۱۲

منہ المصنف ۱۲

وينظرون الى آثار الذين سبقوهم في الفناء وحصونهم المحصنة وصروحهم المرتفعة
التي أكثرها اليوم خاوية على عروشها فيقشعر جلودهم ثم تلين قلوبهم بذكر الله
ولما كان دهلي من أعظم مناظر الأرض وأعبرها وليس لها عديل على وجه الأرض
في الآثار القديمة وأما مصر عند قلاع ملوكها كشيء لا يعتد به وكم من بئر
معطلة بها وقصر مشيد وكأين من حصن وصرح فيها لا يعلم بانيها وعماراتها القديمة
خارجة عن حد الإحصاء واقعة مسافة طولها سبعة وعشر ميلا وعرضها
تسعة أميال هي أم البلاد ومشهورة في أكناف العالم المتمدن لأنها مرجع الملوك
ومقر سلطنتهم وصنفت في تحرير آثارها القديمة العجيبة كتب بكثرة
أساميها ولكن ما أحاطت بعجائبها وغرائبها ومن هذا إذا يسئل أحد عن الكتاب الذي
أحاط بجملة الآثار وعمارات الدهلي لا يصل في جوابه إن الكتاب كذا وكذا
كان لهذا آتيك في ذلك المقصد العالي بل يقول قولا مديدا بالعدم
وجود الكتاب هكذا وكنا على سبيل الانتظار لوجود الكتاب المحيط
على أخبار الذين خلوا من القرون الماضية في هذه البلدة الطيبة و
الملوك وآثارهم وحصونهم وصروحهم المشيدة فالحمد لله الذي
يتبع بعض الناس على بعض في الفناء وخلق الموت والحياة للابتلاء على إن
عطف قلب العلامة الحبر النحرير وصاحب الفضل العظيم المولانا المولوي
بشير الدين احمد خلف شمس العلماء المولينا المولوي
نذير احمد الدهلوي الذي اسمه السامي شائع معروف
في أكناف الهند إلى تسويد هذا الكتاب الجامع لبيان جميع الأمكنة
المقدسة من الحصون والمقابر والمساجد التي بعضها قائمة
والأخرى على سبيل الفناء والحق أن في مناظرها عبرة
للناظرين والبيان جميع الملوك الذين تمكنوا على سرير سلطنتها
من أول يوم جعلها الله تاتمة الهند ولله در المصنف إذ حرر
هذا الكتاب الجامع الذي أغنانا من كتب الآخر لمعرفة
تلك العجائب والعجب كل العجب أنه ما من رطب ولا يابس

اِلَّا هُوَ جَامِعَهٗ وَمِنْ سَلَاسَةِ عِبَادَتِهٖ وَسِحَّةِ بَيَانِهٖ
اَجْدَرُ بِاَنْ يَكُوْنَ عِنْدَ كُلِّ شَائِقٍ لِاَخْبَارِ الَّذِيْنَ
خَلَوْا مِنَ الْاُمَمِ فِيْ هٰذِهِ الْبُقْعَةِ الْمُقَدَّسَةِ رَدَّ مِنِّيْ نُسْخَتَهٗ لِتَكُوْنَ عِنْدَهٗ بِثَابَةِ
اِنَّ خَيْرَ جَلِيْسٍ فِي الزَّمَانِ كِتَابٌ۔

کلام بلاغت نظام و فصاحت التضام لسان العصر حضرت اکبر[۵] الہ آبادی مدظلہم العالی

ہیں علم کی محفل کی رونق دہلی میں بشیر الدین حسب منشا
عالی ہیں خیالات اُن کے بہت ہے اُن کی نظر فائز بے حد

اک دھوم ہے اُن کے والد کی وہ بھی ہیں سعادت مند بہم
تصنیف کو جاری رکھا ہے ہیں مخزن علم و فن و ہنر

گو علم کا چرچا تھا ہر سو پیدا ہوئے لکھنے والے بھی
مبسوط و مکمل اس دم تک دہلی کی کوئی تاریخ نہ تھی

جب گلشن علم مولانا سے تازہ و رنگیں گل یہ کھلا
"دہلی کی پہلی تاریخ" اس فقرے میں سال طبع ملا

۱۳۳۷ھ

[۵] دلی میں آپ تشریف لائے ہوئے تھے اور حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ شریف میں جناب خواجہ حسن صاحب نظامی کے پاس فروکش تھے۔ میرے والد مرحوم نے نہ صرف جناب معز کو نیاز تھا بلکہ آپ کے خاندان سے تعلقات خاص اُس زمانے سے تھے جب کہ میرے والد الہ آباد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس تھے۔ اس آن بان اور اس شان کے لوگ اب پیدا نہیں۔ پرانی وضع کا نبھانا انھیں بزرگوں کا کام ہے۔ بڑے شوق سے حاضر خدمت ہوا تھا اُس سے زیادہ آپ کے خلوص اور شفقت بزرگانہ سے مالا مال آیا۔ باپ کو کیسے دیکھتا کہ مر چکے تھے اُن کے دیکھنے اور جاننے والوں کو دیکھ کر قلب مضطر کو تسکین ہوئی۔ آپ نے جب سنا کہ نذیر احمد کالڑکا ہے باوجودیکہ علیل اور مضمحل تھے کھڑے ہو کر گلے لگایا۔ مجھے باپ کی محبت یاد آئی۔ ان کی نورانی شکل دیکھ کر آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اُس روز ایسی حالت تھی کہ بہتیرا کہنا چاہا مگر زبان رک گئی کچھ نہ کہا گیا۔ دوسری ملاقات میں مدعا سے عرض مدی الاظہار عرض کرنا چاہا پاس ادب اور اُن کی بیماری نے زبان پکڑ لی۔ مگر غرض باؤلی ہوتی ہے میں بطور تبرک آپ کے قطعۂ تاریخی کا طلبگار تھا۔ عذب علم پوری کا مادہ دہلی کی پہلی تاریخ جو بہترین تھا آپ کی خدمت میں اس غرض سے پیش کیا کہ زحمت جستجو اور طبیعت پر تفکر کا بار نہ ہو اور نظم کر دینے کی خواہش کی۔ قصہ مختصر تیسری ملاقات میں یہ مرحلہ محض میری خاطر سے حل ہوا (بقیہ نوٹ بر صفحہ آئندہ)

قطعات تاریخی نوشتہ جناب راگھو راو صاحب جذبؔ منصبدار عالم پوری (ضلع رائچور)

بے شک اے جذبؔ بشیر احمد نے
لکھی ہے دہلی کی اچھی تاریخ
اس کی تاریخ جو کوئی پوچھے
کہہ دو تم "دہلی کی پہلی تاریخ"
۱۳۳۷ھ

وله

کب مجھ سے ہو ثنائے جناب بشیر دین
روشن ہیں مہر کی طرح جب آپ کے صفات
محسن جہاں بھرکے ہیں اس میں نہیں ہے شک
ہاں کر چکے ہیں وقف جہاں آپ اپنی ذات
تصنیف کردہ جتنی کتب ہیں۔ انھیں جہاں
آنکھوں سے بس لگاتا ہے مثل تبرکات
ہر نقطہ بے نظیر ہے ہر بات لاجواب
ہر فقرے میں ہے آپ کے اک کوزۂ نبات
فیض آپ کی کتب سے اٹھاتے ہیں ایکساں
مردان علم دوست ہوں یا ہوں مخدرات
خاموش کیسے بیٹھیں گے عالم میں بے نظیر
اور خوب جانتے ہیں کہ دنیا ہے بے ثبات
تاریخ تین جلدوں میں لکھی ہے بے نظیر
کوزے میں بند کر دیئے دنیا کے واقعات
اس طرح سے کسی نے مفصل لکھی نہیں
اب تک قدیم دار حکومت کے واقعات
میں کیا کہ اک جہاں ہے مصنف کا مدح خواں
سچ ہے بقائے نام بھی ہے دائمی حیات
تاریخ اس کتاب کی یوں جذبؔ نے کہی
"چھاپے لگ گئے یہ خطۂ دہلی کے واقعات"
۱۳۳۷ھ

(بقیہ نوٹ برصفحہ گزشتہ) ورنہ جناب معزکی ناسازی گوارائے زحمت کی متقاضی نہ تھی۔ میری ناچیز تصنیف کو چار چاند لگ گئے۔ آپ نے مجھ ناچیز کو بن داموں خرید لیا۔ ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است۔ من المصنف ۱۲

؎۱ گئے ہیں اکثر محققین نے ودی لی ہیں اس حساب سے دس بڑھ جاتے ہیں لیکن بعض بعض مثالیں (۳۰) اعداد محسوب کرنے کی بھی ملیں گی اور اس بارے میں یہی شق بطور یہی اختیار کی گئی ہے۔ ۱۲

قطعات تاریخی از قلم سراپا کرم جناب ابو الکمال مولوی محمد صدیق حسن صاحب سفیر نگینوی

بشیر احمد دہلوی نے لکھی ہے — یہ تاریخ دہلی کی باحسن تحسیس
مصنف مؤلف مورخ ہیں کامل — ہر اک میں ہے حاصل انھیں حق تدریس
یہ اپنے زمانے کے علامۂ دہر — یہ اپنے زمانے کے سحبان و قیس
مفید زمانہ سفیر ان کی تصنیف — بنائے ادب کو ہے اک فعل تاسیس
نکالا جب اک سن کو دو طرح میں نے — لکھی اس کی تاریخ "تیرہ سو سینتیس"
۱۳۳۷ھ

(۲) (۲۰) رقم کی ہے بشیر الدین نے تاریخ — (۷) زمانے بھر میں یہ بہتر سے بہتر
(۲) بنایا ہے ذہن دقّت کو تیبکن — (۱) ابھی پردے میں ہے پردے کے اندر
(۴) در نایاب مضمون مرصع — (۲۰) لگا کر سر پہ دیباچے کا جھومر
(۴۰) مزین طبع کے زیور سے ہو کر — (۲) پری بن کر جب آئے گی باہر
(۵۰) نگاہ برق کو خیرہ کرے گی — (۲۰) گریں گی بجلیاں حاسد کے دل پر
(۹۰) صحیح ہیں واقعات اس میں تمام سب — (۳۰) کہ خود موقع پہ کی تحقیق جا کر
(۶۰) سنی بھی اور دیکھی بھی ہیں میں نے — (۳۰) تواریخی کتب دنیا کی اکثر
(۶۰۰) خدا شاہد کہ یہ تاریخ دہلی — (۴۰۰) تواریخوں میں ہے بہتر سے بہتر
(۲۰۰) عمارات کہن کا تازہ فوٹو — (۶۰) سلاطین سلف کی زندہ پیکر
(۶۰۰) خزینہ پر ز معلومات نادر — (۴) دفینہ پر ز گوہر ہائے خوشتر
(۵) ہوئی تاریخ کی جب فکر مجھ کو — (۸) حروف اشعار سے اول کے لے کر
(۶۰) سب اعداد ان کے جب میں نے ملائے — (۵) ہوئے پیدا سن عیسی سراسر
(۶۰) سن ہجری یہ مصرع ہائے آخر — (۴۰) شروع کے حرف اول سے اٹھا کر
(۷۰) عدد ابجد کی رو سے جب نکالے — (۴۰) کیے حاصل سن ہجری سراسر
(۸) حساب ابجد کا ہے تاریخیں دونوں ۱۹۱۹ء — (۲۰) سفیر اس قطعہ سے نکلیں برابر ۱۳۳۷

(۳) یہ تاریخ دہلی کی جامع کتاب — بشیر احمد دہلوی نے لکھی
سفیر اس کی تاریخ برجستہ تم — "کہو خوب تاریخ دہلی چھپی"
۱۹

قطعۂ تاریخ نوشتۂ جناب مولوی حکیم لطیف احمد صاحب[۱] رئیس تھہلی ضلع سارن

شہیر زماں مولوی ہال ال ڈی — ہی تصنیف و تالیف میراث جن کی
بشیر ان کے بیٹے ہیں حق دار جائز — کہ یہ دولت لازوال ان سے پائی
دکن میں رہے مدتوں یہ کلکٹر — وظیفہ ملا ان کو خواہش پر اپنی
ہوئے قوم کے کام میں آکے مصروف — دعائیں لگے لینے خلق خدا کی
شب و روز مشغول تصنیف و تالیف — یہی ان کا روزہ یہی ان کی رندی
ذہانت میں یکتا متانت میں فائق — ہی پُر زور ان کی طبیعت غضب کی
تمام ان کا عالم میں ہی نام روشن — کہاں ہی نہیں روشنی ان کے دم کی
نظیر و مثال ان کی عالم میں عنقا — عرب سے عجم تک نہیں کچھ یہ مخفی
مقولہ ہی لوگوں کا میرا عقیدہ — کہ ہیں اس زمانے میں یہ فخر دہلی
اٹھائے قلم سامنے ان کے آئے — کسی کو اگر کچھ ہو دعوائے علمی
اگر وارث الالسنہ ان کو کہئیے — تو اردو زباں ان کے گھر کی ہی لونڈی
وطن کے ہی خواہ و حامی و ہمدرد — شب و روز ہی فکر اصلاح قومی
تمامی قلم رو میں علم و عمل کے — رکھی اپنے والد کی آباد کرسی
ضرورت بہت رہبری کی ابھی ہی — خدا ان کو دے زندگی خضر کی سی
جو دہلی کے دل میں تھی مدت سے حسرت — اب ان کے قلم کی بدولت وہ نکلی
بعہد جہاندار ی جارج پنجم — بصد کامیابی یہ تاریخ لکھی

---

[۱] تاریخ گوئی میں آپ کو بڑا ملکہ ہی نظم آپ کی بہت برجستہ آمد ہوتی ہی۔ نہ میں نے آپ کو کبھی دیکھا نہ آپ نے مجھے مگر سالہا سال سے دور بیٹھے دوستی کو ایسا نباہ رہے ہیں کہ جیسا اس کا حق ہی آپ کی خوش اخلاقی اور قابلیت نے میرے دل میں خاص جگہ پیدا کی ہی۔ آپ نہ صرف میری ہر کتاب پر کئی کئی تاریخیں لکھ دیتے ہیں بلکہ ہر بچے کی پیدائش اور ان کی تقاریب شادی وغیرہ پر بھی اظہار محبت فرماتے ہیں غرض خاکسار کو اس قدر زیر بار احسان کیا ہی کہ آپ کے شکریہ سے عہدہ برآ ہونا ناممکن ہی۔ آپ نے ایک چھوڑ چار قطعے لکھے ہیں۔ ایک یہاں اور تین اور جگہ حسب موقعہ متن کتاب میں آگئے ہیں۔ ۱۲ من المصنف۔

خدا اس کے لکھنے کا ان کو صلہ دے / یہی اب دعا ہے دلی ہماری

پُر از پند اخلاق تہذیب ادب میں / لکھی ہیں انھوں نے کتابیں بہت سی

مگر اس میں شاید ہی ایسی کوئی ہو / کہ جس نے لکھی ہو نہ تاریخ جس کی

اب اس تازہ تصنیف کا ذکر سن کر / ہوئی دل میں پیدا پھر اک گدگدی سی

کسی سے نہ پوچھا نہ سوچا نہ سمجھا / نہ کچھ اس میں فکر رسا سے مدد لی

مصنف کی خوش نیتی کی بدولت / ہوئی اے لطیف اس میں تائید غیبی

کہ از بہر سال الٰہی فلک سے / ندا آئی "اذکار شاہان دہلی" ۱۳۴۸

پھر اب عیسوی کوئی پوچھے تو کہہ دو / کہ ہر ذرہ "السلخ تاریخ دہلی"

۱۹۱۹ء

تاریخ طبع زاد جناب برکت شیر خاں صاحب ادیب میرٹھی

سابق ایڈیٹر "ہمدرد" و مصنف کتب متعددہ

اے بشیر الدین احمد دہلوی / آپ کے اوصاف ہوں کیوں کر بیاں

جانشیں علامۂ دوراں[۱] ہیں آپ / کیوں نہ ہوں پھر نکتہ سنج و نکتہ داں

خوبیاں ہر صنف کی مرحوم سے / ورثہ والا میں آئیں بے گماں

اس زمانے میں نہیں دیکھا سنا / دلنشیں و فی اثر نادر بیاں

وہ وہ لکھی ہیں کتابیں لاجواب / معترف خوبی کا جن کی اک جہاں

آپ کی تصنیف میں پاتے ہیں ہم / مستند دلی کی ٹکسالی زباں

فہم میں آجائے فوراً دیکھ کر / اتنا سیدھا سادہ عمدہ ہے بیاں

کچھ نہیں تعقید الجھن انتشار / نثر ہے اک چشمۂ شیریں رواں

صاف اور شستہ عبارت دیکھ کر / نقش حیرت کیوں نہ ہوں اہل زماں

خوب کی تحریر یہ تاریخ تو / دہلی والوں کی ہے جس میں داستاں

اس زمیں پر نامور جتنے ہوئے / حی و قائم یا ہیں زیر آسماں

[۱] یعنی میرے والد مرحوم - ۱۲ -

اُن کی صنعت اُن کے فن اُن کے کمال ۔۔۔ کارنامے سب کے کرتی ہے عیاں
مدح خواں جن کا جہاں ہے آج تک ۔۔۔ کرتی ہے اُن کی بیاں یہ خوبیاں
کچھ ہیں ایسے بھی نہیں جن کا مزار ۔۔۔ نام باقی ہے نہیں لیکن نشاں
دامن صحرا میں ہیں آسودہ خواب ۔۔۔ خاک تک جن کی نہیں دامن کشاں
کون تھے کیا جانے کس کا ڈھیر ہے ۔۔۔ بے خبر ہیں مرد و زن خورد و کلاں
دیتی ہے سب کا پتہ تاریخ یہ ۔۔۔ تھے یہاں ابن فلاں ابن فلاں
کیں مصنف نے بہت جانکاہیاں ۔۔۔ اجر دے اس کا خداوند جہاں
بالیقیں مجموعۂ خوبی ہے یہ ۔۔۔ کیوں نہ ہو منظور چشم مردماں
لکھ کے سن طبع کیجے مختصر ۔۔۔ لطف سے لبریز ہے گو داستاں
خوب ہی تاریخ بے مثل اے ادیب ۔۔۔ رہنمونِ یادگارِ رفتگاں

۱۳۳۸ھ

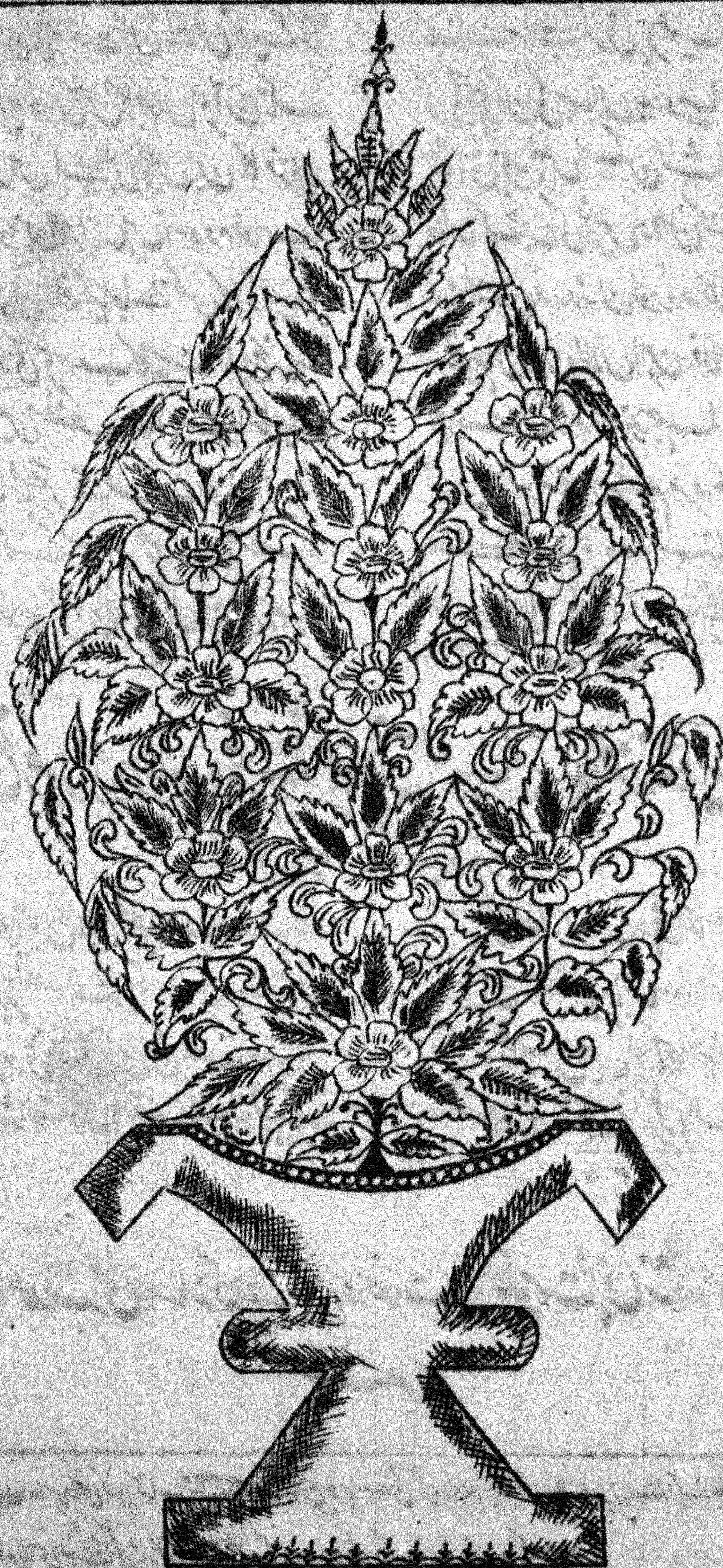
تاریخ قلم زدہ جناب رفعت شیر خاں صاحب لبیب فرزند ادیب صاحب کاتب کتاب ہذا

وہ تاریخ دہلی لکھی آپ نے ۔۔۔ مفصل لکھا جس میں دہلی کا حال
ہے تصنیف بھی آپ کی بے مثل ۔۔۔ کہ جس طرح سے آپ ہیں بے مثال
ہوئی فکر تاریخ کی جب مجھے ۔۔۔ فلک پر تجسس میں پہنچا خیال
بشارت دی ہاتف نے یہ اے لبیب ۔۔۔ کہ لکھ دیجیے تاریخ اہل کمال

۱۳ ۳۸

الحمدللہ علی احسانہ کہ حصۂ سوم واقعات دار الحکومت دہلی مع ضمیموں کے ختم ہوا

نوٹ امید تھی کہ یہ کتاب ۱۳۳۷ھ میں شائع ہو جائے گی مگر خدا بھلا کرے اُن کا جنھوں نے ایک سال کھلا کر دوسرا سال لگا دیا اسی سبب سے کچھ تاریخیں ۱۳۳۷ھ کی ہیں اور کچھ ایک سال مابعد کی۔ ۱۲



HISTORY

OF

DELHI THE IMPERIAL CITY

A MOST COMPREHENSIVE ACCOUNT OF THE HISTORY AND ARCHÆOLOGY OF DELHI

(WITH NUMEROUS ILLUSTRATIONS)

BY

BASHIR-UD-DIN AHMAD, M.R.A.S.,

FIRST TALUKDAR (COLLECTOR AND DISTRICT MAGISTRATE) RET.

H. E. H. THE NIZAM'S GOVERNMENT,

AUTHOR OF THE HISTORIES OF VIJAYANAGAR AND BIJAPUR, IQBAL DULHAN, HUSN-E-MUASHRAT, ISLAH-E-MAISHAT, ETC., ETC., AND TRANSLATOR OF DR. STALL'S SELF AND SEX SERIES.

VOL. III.

Archæology (*continued*)

DELHI

1919

1st Edition] [1,000 Copies.

I. M. H. P., Delhi.

اعلان

(بموجب کاپی رائٹ ایکٹ ۱۹۱۴ء جملہ حقوق بحق بشیر الدین احمد محفوظ ہیں)

مولوی نذیر احمد صاحب بالقابہ کی تصانیف

قرآن شریف مترجم کلاں ۲۲+۲۹ دو صفحہ مع فرہنگ الفاظ اردو حاشیہ شدہ کاغذ سفید ولایتی کاغذ خطائی جلد مجلد

" " " ایک صفحہ پر متن دوسرے پر ترجمہ .... و صفحہ حاشیہ شدہ

حمائل مترجم ۱۶×۲۲ ترجمہ بین السطور مع فرہنگ

ادعیۃ القرآن۔ قرآن شریف کی عام دعائیں مع خواص۔ دو سورہ۔ الحقوق والفرائض۔ ہر سہ حصص۔ جس میں اسلام کے تمام مسائل ہیں۔ اجتہاد۔ جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ دنیا میں اسلام ہی سچا مذہب ہے۔ حیات النذیر۔ مولوی نذیر احمد صاحب کی مفصل سوانح عمری مع فوٹو اور دو عکسی خطوط کے۔ نظم بے نذیر۔ مولوی صاحب موصوف کی کل نظموں کا مجموعہ۔ مراۃ العروس۔ توبۃ النصوح۔ بنات النعش۔ محصنات۔ رویائے صادقہ۔ ابن الوقت۔ ایامی۔ موعظہ حسنہ۔ مجموعہ خطوط۔ منتخب الحکایات۔ چند پند۔ صرف صغیر فارسی کی گریمر۔ نصاب خسرو۔ یعنی خالق باری۔ رسم الخط۔ قواعد املا نویسی۔ مبادی الحکمۃ۔ منطق کا اردو رسالہ مایغنیک فی الصرف۔ عربی گریمر۔ مجموعۂ لکچر۔ دو جلد جس میں (۴۴) لکچر ہیں۔ مطالب القرآن تفسیر کا پہلا حصہ

خاکسار کی تصانیف

واقعات مملکت بیجاپور۔ تین حصے۔ ۱۲۰۸ صفحے (۶۶) فوٹو۔ دکن کی مکمل تاریخ جس پر ہزار روپیہ انعام ملا۔ منظورۂ ٹکسٹ بک کمیٹی پنجاب۔ اقبال دلہن حسن معاشرت۔ اصلاح معیشت۔ منظورۂ ٹکسٹ بک کمیٹیاں پنجاب و ممالک متحدہ۔ یہ تینوں کتابیں لڑکیوں اور مستورات کے لئے از بس مفید ہیں۔ اصلاح معیشت پر سرکار سے تین سو روپے انعام ملا ہے۔ حرز طفلان۔ لڑکوں کے لئے نشاط عمر نوجوانوں کے لئے۔ عصائے پیری۔ ادھیڑ عمر کے لوگوں کے لئے بچیوں سے دو دو باتیں۔ لڑکیوں کے لئے یہ چاروں کتابیں بیش بہا نصائح اور اخلاقی تعلیم کی ہیں۔ عزم بالجزم۔ استقامت ارادہ پر ایک چھوٹا سا رسالہ۔

ملنے کا پتہ

بشیر الدین احمد تعلقہ دار پنشنر کھاری باولی دہلی